ہدایۃ القاری
شرح صحیح البخاری
4
www.KitaboSunnat.com

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب

فون: 00966 1 4043432-4033962 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com

Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض ● العلیا فون: 00966 1 4614483 فیکس: 4644945 ● الملز فون: 00966 1 4735220 فیکس: 4735221

● سویدی فون: 00966 1 4286641 ● سویلم فون/فیکس: 00966 1 2860422

جدّہ فون: 00966 2 6879254 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 00966 4 8234446,8230038 فیکس: 04 8151121

الخُبر فون: 00966 3 8692900 فیکس: 00966 3 8691551 خمیس مشیط فون/فیکس: 00966 7 2207055

ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 00966 6 3696124

امریکہ ● نیویارک فون: 001 718 625 5925 ● ہوسٹن: 001 713 722 0419 کینیڈا ● نصیرالدین الخطاب فون: 001 416 4186619

لندن ● دارالسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ فون: 0044 20 77252246-0044 20 85394885 ● دارکہ انٹرنیشنل: 0044 0121 7739309

متحدہ عرب امارات ● شارجہ فون: 00971 6 5632623 فیکس: 5632624 فرانس فون: 0033 01 480 52928 فیکس: 0033 01 480 52997

انڈیا ● دارالسلام انڈیا فون: 0091 44 45566249 موبائل: 0091 98841 12041 ● اسلامک بکس انٹرنیشنل فون: 0091 22 2373 4180

● ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرز فون: 0091 40 2451 4892 موبائل: 0091 98493 30850 ● ایم ایس براک انٹرپرائزز فون: 0091 44 42157847

سری لنکا ● دارالکتاب فون: 0094 115 358712 ● دارالایمان ٹرسٹ فون: 0094 114 2669197

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 00 324 372 ,24 400 372 ,34 240 373 42 0092 فیکس: 042 373 540 72

www.darussalampk.com

اُردو بازار: غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون: 0092 42 371 200 54 فیکس: 042 373 207 03

ڈیفنس: Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 0092 42 356 926 10

گلبرگ: دکان نمبر 2، گراؤنڈ فلور، بگ سٹی پلازہ لبرٹی گول چکر، گلبرگ III لاہور فون: 0092 42 357 738 50

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی، کراچی فون: 0092 21 343 939 36 فیکس: 0092 21 343 939 37

اسلام آباد F-8 مرکز، ایوب مارکیٹ، شاہ ویز سنٹر فون: 0092 51 228 15 13 islamabad@darussalampk.com

ملتان 995- انکم ٹیکس آفیسر کالونی، بوسن روڈ۔ ملتان فون: 0092 61 622 00 24

فیصل آباد کوہ نور سٹی (پلازہ نمبر 1، دکان نمبر 15) جڑانوالہ روڈ، فیصل آباد فون: 0092 41 850 10 41

هِدَايَةُ الْقَارِي
شَرح صَحِيح الْبُخَارِي

كتاب البيوع ـــ كتاب الوصايا ❖ احاديث: 2047 ـــ 2781

تالیف:

امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری ؒ

194-256ھ

ترجمہ وشرح

شیخ الحدیث حافظ عبدالستار الحماد ﷾

فاضل مدینہ یونیورسٹی

نظرثانی، تخریج، تصحیح اور اضافات

حافظ صلاح الدین یوسف ﷾ — مولانا ابوعبداللہ محمد عبدالجبار ﷾ — حافظ محمد آصف اقبال ﷾

مولانا محمد عثمان منیب ﷾ — [illegible] — [illegible]

فہرست مضامین (جلد چہارم)

۳۵- كِتَابُ السَّلَمِ | بیع سلم سے متعلق احکام و مسائل 199

۳۶- كِتَابُ الشُّفْعَةِ | شفعہ سے متعلق احکام و مسائل 210

٤١- كتاب الحرث والمزارعة | کھیتی باڑی اور بٹائی سے متعلق احکام و مسائل [illegible]

45 - كِتَابٌ فِي اللُّقَطَةِ — گم شدہ اشیاء سے متعلق احکام و مسائل

۵۰۔ كِتَابُ الْمُكَاتَبِ — مکاتب کے مسائل کا بیان — 521

۵۳- كتاب الصلح — صلح سے متعلق احکام و مسائل

٥٤- كِتَابُ الشُّرُوطِ | شرائط سے متعلق احکام و مسائل | 679

٥٥- كتاب الوصايا — وصیتوں سے متعلق احکام و مسائل 71[illegible]

خرید و فروخت سے متعلق احکام و مسائل

انسانی معاشرے کو تعلقات کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، چنانچہ انسان اپنے خالق سے تعلق قائم کرتا ہے اسے ہم عبادات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اقرار شہادتین، نماز، زکاۃ، حج اور روزہ وغیرہ اسی تعلق مع اللہ کے مظاہر ہیں۔ دوسرے یہ کہ انسان کو اپنے جیسے دوسرے انسانوں سے واسطہ پڑتا ہے اسے معاملات کا نام دیا جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے عبادات سے فراغت کے بعد اب معاملات کا آغاز کیا ہے۔

انسانوں کی فطری ساخت ایسی ہے کہ وہ زندگی گزارنے کے لیے باہمی تعاون اور ایک دوسرے سے لین دین کے محتاج ہیں۔ معاشرتی طور پر ہر فرد اور ہر طبقے کی ضرورت دوسرے سے وابستہ ہے، چنانچہ ایک مزدور انسان جس کی ضروریات زندگی بہت مختصر ہیں، اسے بھی اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لیے ایسے آدمی کی ضرورت ہے جس سے وہ غلہ وغیرہ لے سکے، پھر کاشتکار کو اس مزدور کی ضرورت ہے جس سے وہ کھیتی باڑی کے کاموں میں مدد لے سکے، پھر ان دونوں کو ایک ایسا آدمی درکار ہے جو ان کی ستر پوشی کے لیے کپڑا تیار کرے، نیز سر چھپانے کے لیے مکان اور بیماری کی صورت میں علاج معالجے کی ضرورت ہے۔ الغرض اشیاء کی خرید و فروخت، محنت و مزدوری، صنعت و زراعت اور دیگر معاشی معاملات انسانی زندگی کے لوازم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں ہماری مکمل رہنمائی فرمائی ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہم دنیا و آخرت میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ ان احکام پر عمل کرنا دنیا نہیں بلکہ عین دین اور عین عبادت ہے اور اس پر اسی طرح اجر و ثواب کا وعدہ ہے جس طرح نماز، روزے اور دیگر عبادات کی ادائیگی پر ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے معاملات کا آغاز کتاب البیوع سے فرمایا ہے۔ لفظ بیوع، بیع کی جمع ہے۔ اس کے معنی فروخت کرنا ہیں۔ بعض اوقات خریدنے کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ شرعی اصطلاح میں کسی چیز کا مالک بننے کے ارادے سے مال کا مال کے ساتھ تبادلہ کرنا بیع کہلاتا ہے۔ یہ خرید و فروخت اور تجارت انسانی ضروریات پوری کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ تجارت کے حسب ذیل چار بنیادی اجزاء ہیں: ① مشتری (خریدار) ② بائع (فروخت کار) ③ مبیع (مال تجارت) ④ ثمن (معاہدۂ تجارت)۔ قرآن کریم نے تجارت کے لیے باہمی رضامندی کو بنیادی اصول قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فریقین کا خرید و فروخت کے ہر پہلو پر مطلع ہو کر اپنے آزاد فیصلے سے معاہدۂ تجارت پر رضامند ہونا ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن

تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ "اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ مگر یہ کہ آپس کی رضامندی سے تجارت ہو اور تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر بہت رحم کرنے والا ہے۔" باطل طریقے سے مراد لین دین کا روبار اور تجارت کے وہ طریقے ہیں جن میں فریقین کی حقیقی رضامندی یکساں طور پر نہیں پائی جاتی بلکہ اس میں ایک فریق کا تو مفاد محفوظ رہتا ہے جبکہ دوسرا دھوکے یا نقصان کا نشانہ بنتا ہے۔ اگر کسی معاملے میں دھوکا پایا جائے یا اس میں ایک فریق کی بے بسی اور مجبوری کو دخل ہو تو اگرچہ وہ بظاہر اس پر راضی ہوں، تاہم شریعت کی رو سے یہ باطل طریقے ہیں جنھیں حرام ٹھہرایا گیا ہے، اس لیے لین دین اور باہمی تجارت نہ تو کسی دباؤ سے ہو اور نہ اس میں فریب اور ضرر رسی کو دخل ہو۔ اگرچہ خرید و فروخت کی حلت قرآنی نص سے ثابت ہے لیکن ہر قسم کی خرید و فروخت حلال نہیں بلکہ مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ اسے جائز قرار دیا گیا ہے:

1. فریقین باہمی رضامندی سے سودا کریں۔
2. خریدی ہوئی چیز اور اس کا معاوضہ مجہول نہ ہو۔
3. قابل فروخت چیز فروخت کرنے والے کی ملکیت ہو اور وہ اسے خریدار کے حوالے کرنے پر قادر ہو۔
4. فروخت ہونے والی چیز میں کسی قسم کا عیب چھپا ہوا نہ ہو۔
5. کسی حرام چیز کی خرید و فروخت نہ ہو اور نہ اس میں سود کو بطور حیلہ جائز قرار دیا گیا ہو۔
6. اس خرید و فروخت اور تجارت میں کسی فریق کو دھوکا دینا مقصود نہ ہو۔
7. اس تجارتی لین دین میں حق رجوع کو برقرار رکھا گیا ہو۔

کتب حدیث میں خرید و فروخت کی تقریباً تین اقسام کو انھی وجوہ سے حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ ہم ان کی آئندہ وضاحت کریں گے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ نے عبادات کے بیان سے فراغت کے بعد معاملات کا آغاز فرمایا کیونکہ عبادات سے مراد فوائد اخروی حاصل کرنا ہے جبکہ معاملات سے دنیوی مفاد پیش نظر ہوتا ہے، عبادات چونکہ اہم ہیں، اس لیے انھیں مقدم کیا۔ معاملات کا تعلق ضروریات سے ہے، اس لیے انھیں عبادات کے بعد بیان کیا ہے، پھر معاملات میں سے خرید و فروخت کے مسائل کو پہلے بیان کیا ہے کیونکہ زندگی میں اکثر و بیشتر اس سے واسطہ پڑتا ہے۔[2]

---

1 النساء 4: 29. 2 عمدة القاري: 281/8.

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: تمام اہل اسلام نے خرید و فروخت کے جواز پر اتفاق کیا ہے اور عقل و حکمت بھی اس کے جواز کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ انسانی ضروریات اس سے پوری ہوتی ہیں۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے خرید و فروخت کے مسائل پر مشتمل دو سو سینتالیس مرفوع احادیث بیان کی ہیں۔ ان میں چھیالیس معلق ہیں جبکہ باقی احادیث کو متصل سند سے بیان کیا ہے۔ مرفوع احادیث کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام سے مروی باون آثار بھی بیان کیے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث پر ایک سو تیرہ چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں جو علم معیشت میں اساسی قواعد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان قواعد و اصول سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تجارت کے نام پر لوٹ مار کے کھلے راستوں کے ساتھ ساتھ ان تمام پوشیدہ راہوں کو بھی بند کر دیا ہے جو تجارت کو عدل و انصاف اور خیر خواہی سے ہٹا کر ظلم و زیادتی کے ساتھ دولت سمیٹنے کی طرف لے جانے والے ہیں۔ آپ نے انتہائی باریک بینی سے نظام تجارت کا جائزہ لیا اور اس کی حدود و قیود متعین فرما کر عمل تجارت کو ہر طرح کے ظلم اور استحصالی ہتھکنڈوں سے پاک کر دیا۔ ہمیں چاہیے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے عنوانات کی روشنی میں اپنی تجارت کو ان اصولوں پر استوار کریں جو مکمل طور پر انسانی فلاح و بہبود کی ضمانت دیتے ہیں۔

قارئین سے استدعا ہے کہ کتاب البیوع کا مطالعہ کرتے وقت ہماری معروضات کو ضرور پیش نظر رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے۔ آمین۔

[1] فتح الباری: 4/364۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

34- كِتَابُ الْبُيُوعِ

خرید و فروخت سے متعلق احکام و مسائل

وَقَوْلُ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة: ٢٧٥].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔''

وَقَوْلُهُ: ﴿إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ﴾ [البقرة: ٢٨٢].

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ہاں جو تجارتی لین دین دست بدست تم لوگ کرتے ہو (اس کو نہ لکھا جائے تو کوئی حرج نہیں)۔''

وضاحت: سیاق و سباق اور پس منظر کے اعتبار سے پہلی آیت کفار کے جواب میں ہے جنھوں نے کہا تھا: ''تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے۔'' یعنی جب تجارت میں لگے ہوئے روپے کا منافع جائز ہے تو قرض پر دیے ہوئے روپے کا منافع کیوں ناجائز ہے۔ اور دوسری آیت سے مقصود یہ ہے کہ اگرچہ روزمرہ کی خرید و فروخت میں بھی معاملۂ بیع کا تحریر میں آ جانا بہتر ہے جیسا کہ آج کل کیش میمو لکھنے کا طریقہ رائج ہے تاہم ایسا کرنا لازم نہیں بلکہ اسے تحریر میں لانے بغیر معاملہ طے کیا جا سکتا ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے ان ہر دو آیات سے خرید و فروخت کی مشروعیت کو ثابت کیا ہے۔ حافظ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: انسان طبعی طور پر لالچی واقع ہوا ہے، دوسروں کی چیز کو للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھنے کا عادی ہے، اگر اسے ضرورت ہو تو چوری، ڈکیتی، لوٹ کھسوٹ اور دھوکا فریب سے اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے حصول کے لیے خرید و فروخت کا معاملہ مشروع قرار دیا ہے تاکہ کسی پر ظلم اور زیادتی نہ ہو، امن اور آشتی کے ساتھ لوگ زندگی بسر کریں۔[1]

(١) بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ﴾

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''جب نماز (جمعہ) سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں منتشر ہو کر اللہ کا فضل تلاش

[1] عمدة القاري: 292/8.

﴿وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ﴾ إِلَى آخِرِ السُّورَةِ [الجمعة: ۱۰، ۱۱]. وَقَوْلِهِ: ﴿لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ﴾ [النساء: ۲۹]

کرو...'' سورۂ جمعہ کے آخر تک۔ اور ارشاد باری تعالیٰ: ''اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے مت کھاؤ مگر یہ کہ تجارت تمھاری باہمی رضامندی سے ہو (تو وہ حلال اور جائز ہے)'' کا بیان

وضاحت: پہلی آیت میں ہے کہ تم نماز جمعہ سے فراغت کے بعد ''اللہ کا فضل تلاش کرو۔'' اللہ کے فضل کی تلاش سے مراد تجارت اور دیگر ذرائع کسب ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت سے اباحت تجارت کو ثابت کیا ہے اگرچہ آیت کے آخری حصے سے اس کی کراہت ثابت ہوتی ہے لیکن وہ اس صورت میں ہے جب تجارت، اللہ کی طرف سے عائد کردہ فرائض میں رکاوٹ کا باعث ہو، چونکہ اہل کتاب عبادت کے دن کسب معاش کو حرام خیال کرتے تھے، ان کی مخالفت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے عبادت کے دن اسے مباح قرار دیا ہے۔[1] دوسری آیت سے ایک اہم اصول کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خرید و فروخت اس صورت میں حلال اور جائز ہے کہ فریقین معاملۂ بیع پر رضامند ہوں جیسا کہ حدیث نبوی ہے: ''خرید و فروخت باہمی رضامندی ہی سے جائز ہے۔''[2] جب فروخت کار اور خریدار دونوں مجلس بیع سے جدا ہوتے وقت رضامند ہوں تو فروخت کی جانے والی چیز بیچنے والے کی ملکیت سے خریدنے والے کی ملکیت کی طرف منتقل ہو جاتی ہے بشرطیکہ ایسی اشیاء میں سے ہو جن کی تجارت جائز ہے۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مالک سے دوسرے مالک کی طرف مال کے منتقل ہونے میں فریقین کی رضامندی اور ان کی خوشنودی ہی کا تقاضا کیا ہے، خواہ وہ رضامندی اشارے سے ہو یا تحریر سے یا باہمی بات چیت سے۔ حدیث میں ہے: ''کسی مسلمان آدمی کا مال اس کی دلی خوشی کے بغیر حلال نہیں ہوتا۔''[3] تفصیل بالا سے مندرجہ ذیل اصول تجارت سامنے آتے ہیں: ٭ تجارت کی بنیاد باہمی رضامندی پر ہے، اگر کسی طور پر باہمی رضامندی میں خلل موجود ہے تو بیع جائز نہیں ہوگی۔ ٭ معاہدۂ بیع کے وقت فریقین، فیصلے میں آزاد، اس معاہدے کے ہر پہلو پر مطلع اور اس کے نتائج سے آگاہ ہونے چاہئیں، اگر ایسا نہیں تو بیع جائز نہیں ہوگی۔ ٭ باہمی رضامندی کا تقاضا ہے کہ اگر خرید و فروخت کا عمل ہونے کے بعد کسی فریق کو اپنے معاملے کی بہتری محسوس نہیں ہوتی اور وہ اسی مجلس میں معاہدۂ بیع سے پیچھے ہٹنا چاہتا ہے تو اسے ہٹنے کا موقع دیا جائے۔

ملاحظہ: سود، جوا اور رشوت لینے دینے میں بھی باہمی رضامندی پائی جاتی ہے لیکن یہ حقیقی نہیں بلکہ اضطراری ہوتی ہے کیونکہ سود پر قرض لینے والے کو قرض حسنہ مل سکتا ہو تو وہ کبھی سود پر قرض نہ لے۔ جوا کھیلنے والا اس لیے رضامند ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو اپنے جیتنے کی امید ہوتی ہے اور اگر کسی کو ہارنے کا اندیشہ ہو تو وہ کبھی جوا نہیں کھیلے گا۔ اسی طرح اگر رشوت دینے والے کو معلوم ہو کہ اسے رشوت دیے بغیر حق مل سکتا ہے تو وہ کبھی رشوت نہ دے۔ اس کے علاوہ اگر سودے بازی میں ایک فریق کی پوری رضامندی نہ ہو اور اسے اس پر مجبور کر دیا جائے تو وہ بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔

---

[1] فتح الباري: 4/366. [2] سنن ابن ماجه، التجارات، حديث: 2185. [3] السنن الكبرى للبيهقي: 6/97.

٢٠٤٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: إِنَّكُمْ تَقُولُونَ: إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ يُكْثِرُ الْحَدِيثَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَتَقُولُونَ: مَا بَالُ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ لَا يُحَدِّثُونَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِمِثْلِ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ؟ وَإِنَّ إِخْوَتِي مِنَ الْمُهَاجِرِينَ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ، وَكُنْتُ أَلْزَمُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَى مِلْءِ بَطْنِي، فَأَشْهَدُ إِذَا غَابُوا، وَأَحْفَظُ إِذَا نَسُوا، وَكَانَ يَشْغَلُ إِخْوَتِي مِنَ الْأَنْصَارِ عَمَلُ أَمْوَالِهِمْ، وَكُنْتُ امْرَأً مِسْكِينًا مِنْ مَسَاكِينِ الصُّفَّةِ، أَعِي حِينَ يَنْسَوْنَ، وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي حَدِيثٍ يُحَدِّثُهُ: «إِنَّهُ لَنْ يَبْسُطَ أَحَدٌ ثَوْبَهُ حَتّٰى أَقْضِيَ مَقَالَتِي هٰذِهِ ثُمَّ يَجْمَعَ إِلَيْهِ ثَوْبَهُ إِلَّا وَعٰى مَا أَقُولُ»، فَبَسَطْتُ نَمِرَةً عَلَيَّ حَتّٰى إِذَا قَضٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ مَقَالَتَهُ جَمَعْتُهَا إِلٰى صَدْرِي، فَمَا نَسِيتُ مِنْ مَقَالَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ تِلْكَ مِنْ شَيْءٍ. [راجع: ١١٨]

[2047] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: تم کہتے ہو کہ ابوہریرہ رسول اللہ ﷺ سے بہت احادیث بیان کرتا ہے۔ اور (یہ بھی) کہتے ہو کہ مہاجرین اور انصار تو رسول اللہ ﷺ سے اتنی حدیثیں بیان نہیں کرتے جس قدر ابوہریرہ بیان کرتے ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ میرے مہاجر بھائی تو بازاروں میں خرید و فروخت اور تجارت میں مشغول رہتے تھے اور میں قوت لایموت پر رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہتا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر رہتا جبکہ وہ غائب ہوتے اور مشغلے کی وجہ سے بھول جاتے لیکن میں یاد رکھتا تھا۔ اسی طرح میرے انصار بھائیوں کو کھیتی باڑی مصروف رکھتی جبکہ میں صفہ کے مساکین میں سے ایک مسکین آدمی تھا۔ جب وہ لوگ باتیں بھول جاتے تھے میں انھیں یاد رکھتا تھا۔ (دوسری بات یہ ہے کہ) ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا: "جو شخص اپنا کپڑا بچھائے گا یہاں تک کہ جب میں اپنی یہ گفتگو ختم کروں تو وہ اپنا کپڑا اٹھا کر کے اپنے سینے سے لگا لے تو میری باتوں میں کبھی نہیں بھولے گا وہ اسے یاد کر لے گا۔" چنانچہ میں نے وہ رنگ دار چادر جو میرے اوپر تھی، بچھا دی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی گفتگو ختم کی تو میں نے اٹھا کر کے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کے بعد وہ دن اور آج کا دن میں رسول اللہ ﷺ کی اس گفتگو سے کوئی چیز نہیں بھولا۔

فوائد و مسائل: ⓵ اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ تجارت، خرید و فروخت اور کھیتی باڑی بلکہ تمام دنیاوی کاروبار شریعت کی نظر میں اچھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں مباح قرار دیا ہے۔ صحابۂ کرام ؓ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں انھیں عمل میں لاتے تھے۔ آپ نے ان کے لیے بہترین اصول اور ہدایات دی ہیں اور اس سلسلے میں ہر ممکن ترقی کے لیے رغبت دلائی ہے۔ انصار و مہاجرین نے قابل رشک ترقی فرمائی یہاں تک وہ اہل دنیا کے لیے اس میدان میں ایک نمونہ بن گئے۔ ⓶ واضح رہے کہ قریش کا پیشہ تجارت تھا اور اہل مدینہ بیشتر کاشت کار تھے۔ جب مہاجرین مدینہ طیبہ تشریف لائے تو انھوں نے اپنے آبائی پیشہ تجارت ہی کو زیادہ پسند کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اس پیشے پر برقرار رکھا۔

٢٠٤٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ آخَى رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنِي وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ، فَقَالَ سَعْدُ بْنُ الرَّبِيعِ: إِنِّي أَكْثَرُ الْأَنْصَارِ مَالًا فَأَقْسِمُ لَكَ نِصْفَ مَالِي، وَانْظُرْ أَيَّ زَوْجَتَيَّ هَوِيتَ نَزَلْتُ لَكَ عَنْهَا، فَإِذَا حَلَّتْ تَزَوَّجْتَهَا. قَالَ: فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: لَا حَاجَةَ لِي فِي ذٰلِكَ، هَلْ مِنْ سُوقٍ فِيهِ تِجَارَةٌ؟ قَالَ: سُوقُ قَيْنُقَاعٍ. قَالَ: فَغَدَا إِلَيْهِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَأَتَى بِأَقِطٍ وَسَمْنٍ، قَالَ: ثُمَّ تَابَعَ الْغُدُوَّ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ عَلَيْهِ أَثَرُ صُفْرَةٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «تَزَوَّجْتَ؟» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «وَمَنْ؟» قَالَ: امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ، قَالَ: «كَمْ سُقْتَ؟» قَالَ: زِنَةَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ نَوَاةً مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: «أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ». [انظر: ٣٧٨٠]

[2048] حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جب ہم مدینہ طیبہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے میرے اور سعد بن ربیع ؓ کے درمیان بھائی چارہ کرا دیا۔ حضرت سعد بن ربیع ؓ نے (مجھ سے) کہا: میں تمام انصار سے زیادہ مالدار ہوں۔ تمھیں اپنا نصف مال دیتا ہوں۔ اور میری دونوں بیویوں کو دیکھ لو جسے تم پسند کرو میں اسے طلاق دیتا ہوں۔ جب اس کی عدت گزر جائے تو اس سے نکاح کر لینا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ نے کہا: مجھے اس کی ضرورت نہیں، یہاں کوئی بازار ہے جہاں تجارت ہوتی ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں، قینقاع نامی ایک بازار ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ صبح کو بازار گئے، کچھ پنیر اور گھی کما کر لے آئے۔ پھر وہ روزانہ بغرض تجارت بازار جانے لگے۔ کچھ دن بعد حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ (رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں) حاضر ہوئے تو ان کے لباس پر زرد خوشبو کا رنگ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ”کیا تم نے شادی کی ہے؟“ انھوں نے عرض کیا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: ”کس سے؟“ عرض کیا: ایک انصاری خاتون سے۔ آپ نے فرمایا: ”تم نے اسے کتنا مہر دیا؟“ عرض کیا: ایک گٹھلی برابر سونا دیا ہے یا کہا کہ ایک سونے کی گٹھلی۔ تب نبی ﷺ نے انھیں فرمایا: ”ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی سے ہو۔“

٢٠٤٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَدِمَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ الْمَدِينَةَ فَآخَى النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهُ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيِّ، وَكَانَ سَعْدٌ ذَا غِنًى فَقَالَ لِعَبْدِ

[2049] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ مدینہ طیبہ آئے تو نبی ﷺ نے ان کے اور حضرت سعد بن ربیع انصاری ؓ کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا۔ حضرت سعد ؓ مالدار تھے، انھوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ سے کہا: میں تجھے

الرَّحْمٰنِ: أُقَاسِمُكَ مَالِي بِنِصْفَيْنِ، وَأُزَوِّجُكَ، قَالَ: بَارَكَ اللهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ، دُلُّونِي عَلَى السُّوقِ، فَمَا رَجَعَ حَتَّى اسْتَفْضَلَ أَقِطًا وَسَمْنًا فَأَتَى بِهِ أَهْلَ مَنْزِلِهِ فَمَكَثْنَا يَسِيرًا أَوْ مَا شَاءَ اللهُ فَجَاءَ وَعَلَيْهِ وَضَرٌ مِنْ صُفْرَةٍ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: «مَهْيَمْ؟». قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ، قَالَ: «مَا سُقْتَ إِلَيْهَا؟» قَالَ: نَوَاةً مِنْ ذَهَبٍ أَوْ وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ، قَالَ: «أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ». [انظر: ٣٧٨١، ٣٩٣٧، ٥٠٧٢، ٥١٤٨، ٥١٥٣، ٥١٥٥، ٥١٦٧، ٦٠٨٢، ٦٣٨٦]

اپنا مال آدھا آدھا تقسیم کر دیتا ہوں، اس کے علاوہ آپ کی شادی کا بھی بندوبست کرتا ہوں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہارے اہل و عیال اور مال و اسباب میں برکت فرمائے، مجھے بازار کا راستہ بتاؤ، چنانچہ وہ منڈی سے واپس نہ آئے حتی کہ پنیر اور گھی بطور نفع حاصل کر لیا اور وہ لے کر اپنے گھر والوں کے پاس آئے۔ ہم چند دن ٹھہرے یا جس قدر اللہ کو منظور تھا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آئے اور ان پر زرد رنگ اور خوشبو لگی ہوئی تھی۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: "تمہارا کیا حال ہے؟" انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں نے ایک انصاری خاتون سے نکاح کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: "اس کا حق مہر کیا رکھا ہے؟" عرض کیا: گٹھلی بھر سونا یا کہا کہ گٹھلی کا وزن سونا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی ہو۔"

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پیشۂ تجارت سے منسلک تھے۔ اس سے خرید و فروخت اور تجارت وغیرہ کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے، نیز شریف آدمی کو تجارت کا پیشہ اختیار کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ اس سے اخلاق کی پاکیزگی ہوتی ہے بشرطیکہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے اسے اختیار کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پیشے میں بہت خیر و برکت رکھی ہے جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہبہ وغیرہ سے مال حاصل کرنا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مطمع نظر نہ تھا بلکہ انھوں نے اسے نظر انداز کر کے تجارت کو ذریعۂ معاش بنایا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی بات کو ثابت کیا ہے۔

٢٠٥٠ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَتْ عُكَاظُ وَمَجَنَّةُ وَذُو الْمَجَازِ أَسْوَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا كَانَ الْإِسْلَامُ فَكَأَنَّهُمْ تَأَثَّمُوا فِيهِ فَنَزَلَتْ: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ﴾. قَرَأَهَا ابْنُ عَبَّاسٍ. [راجع: ١٧٧٠]

[2050] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز جاہلیت کے دور میں منڈیاں تھیں۔ جب اسلام کا دور آیا تو کچھ لوگوں نے ان منڈیوں میں کاروبار کرنا گناہ تصور کیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: "تم پر اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ ایام حج میں اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہی قراءت ہے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے قبل ازیں یہ حدیث کتاب الحج میں بیان کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ ایام حج میں تجارت کی جا سکتی ہے، نیز جاہلیت کی منڈیوں میں خرید و فروخت کرنے کا جواز ثابت کیا ہے۔ چونکہ اس حدیث میں زمانۂ جاہلیت کی منڈیوں کا ذکر ہے اور اسلام نے اپنے عہد میں ان تجارتی منڈیوں کو خوب ترقی دی اور ہر طرح سے ان کی حوصلہ افزائی کی گئی، اس سے اس پیشے کی اہمیت و افادیت کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ قراءت مشہورہ کے برعکس اس آیت کے آخر میں [في مواسم الحج] کے الفاظ پڑھتے تھے۔ ممکن ہے کہ مذکورہ الفاظ آیت کا حصہ ہوں، جسے منسوخ کر دیا گیا لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ اسے قراءت شاذہ کہتے ہیں جس سے قراءت ثابت نہیں ہوتی، البتہ مسائل کے اخذ و استنباط میں اس سے مدد لی جا سکتی ہے۔[1]

(٢) بَابٌ: اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ، وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ

٢٠٥١ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ؛ ح: وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ: حَدَّثَنَا أَبُو فَرْوَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ؛ ح: وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي فَرْوَةَ قَالَ: سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ؛ ح: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي فَرْوَةَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ، وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا أُمُورٌ مُشْتَبِهَةٌ، فَمَنْ تَرَكَ مَا شُبِّهَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ كَانَ لِمَا اسْتَبَانَ أَتْرَكَ.

باب: 2- حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں

[2051] حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: "حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے، ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں۔ جس شخص نے اس چیز کو ترک کر دیا جس میں گناہ کا شبہ ہو تو وہ اس چیز کو بدرجہ اولیٰ چھوڑ دے گا جس کا گناہ ہونا ظاہر ہو اور جس نے شبے کی چیز پر جرأت کی تو وہ جلد ہی اسی بات میں مبتلا ہو سکتا ہے جس کا گناہ ہونا ظاہر ہے۔ گناہ (گویا) اللہ کی چراگاہ ہیں، جو انسان اپنے جانور چراگاہ کے ارد گرد چرائے گا جلد ہی اس کا چراگاہ میں پہنچنا ممکن ہو گا۔"

1. فتح الباري، 388/4.

وَمَنِ اجْتَرَأَ عَلَى مَا يَشُكُّ فِيهِ مِنَ الْإِثْمِ أَوْشَكَ أَنْ يُوَاقِعَ مَا اسْتَبَانَ، وَالْمَعَاصِي حِمَى اللهِ، مَنْ يَرْتَعْ حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ.

[راجع: ٥٢]

فوائد و مسائل: ۞ مشتبہ چیزوں سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کی حدیں حلال اور حرام دونوں سے ملتی ہوں، اس بنا پر کچھ لوگ ان کی حلت و حرمت کا فیصلہ نہ کر سکیں۔ فی نفسہ وہ چیزیں مشتبہ نہیں ہوتیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بھیج کر دین کی ضروریات سے ہمیں آگاہ کر دیا ہے۔ پرہیزگاری یہی ہے کہ انسان شکوک و شبہات والی چیزوں سے بھی الگ تھلگ رہے۔ اس حدیث کو اکثر محدثین کتاب البیوع میں بیان کرتے ہیں کیونکہ معاملات میں اکثر اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے، نیز اس کا تعلق نکاح، شکار، ذبیحہ، کھانے اور پینے سے بھی ہے۔ ۞ اس حدیث میں احکام کی تین اقسام بیان ہوئی ہیں: ○ جس کے کرنے پر نص اور ترک پر وعید ہو۔ اس کا تعلق حلال بین سے ہے۔ ○ جس کے ترک کرنے پر نص اور کرنے پر وعید ہو۔ یہ حرام بین سے متعلق ہے۔ ○ جس کے کرنے یا نہ کرنے پر کوئی نص یا وعید نہ ہو۔ اس قسم کو مشتبہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کا حلال یا حرام ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ ایک مسلمان کو اس قسم کی چیزوں سے بھی پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ اگر اس کا تعلق حرام سے ہے تو اس کے ارتکاب سے محفوظ رہے گا اور اگر حلال سے ہے تو بھی حسن نیت کی بنا پر اس کے چھوڑنے سے اجر و ثواب ملے گا۔[1]

(٣) بَابُ تَفْسِيرِ الْمُشَبَّهَاتِ

باب: 3- شبہات کی تفسیر

وَقَالَ حَسَّانُ بْنُ أَبِي سِنَانٍ: مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَهْوَنَ مِنَ الْوَرَعِ، دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ.

حسان بن ابو سنان بیان کرتے ہیں کہ میں نے پرہیزگاری سے زیادہ آسان کوئی چیز نہیں دیکھی، جو شک میں ڈالے اسے چھوڑ دو اور اس چیز کو اختیار کرو جو شک میں نہ ڈالے۔

وضاحت: اس تعلیق کو امام مروزی نے کتاب الورع میں امام احمد بن حنبل سے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[2] بعض روایات کے مطابق انھوں نے فرمایا: جس چیز کے متعلق تمھیں شک پڑ جائے اسے ترک کر دو۔ حضرت حسان ؒ کا فرمان کہ جو شک میں ڈالے اسے چھوڑ دو، یہ دراصل ایک مرفوع حدیث ہے جسے امام ترمذی، نسائی، احمد، ابن حبان اور امام حاکم ؒ نے روایت کیا ہے۔[3] امام بخاری ؒ کی مجمل اور بیان کردہ حدیث سے معلوم ہوتا تھا کہ اکثر لوگ مشتبہ چیزوں کو نہیں جانتے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ ان کے متعلق معلومات رکھتے ہیں، اس بنا پر امام بخاری ؒ نے ضروری خیال کیا کہ مشتبہ چیزوں کے متعلق کوئی ضابطہ بیان کیا جائے جس کے ذریعے سے انھیں پہچانا جا سکے تاکہ ان سے بچنا آسان ہو۔

1 فتح الباري: 369/4. 2 كتاب الورع، ص: 88. 3 جامع الترمذي، صفة القيامة، حديث: 2518.

٢٠٥٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ امْرَأَةً سَوْدَاءَ جَاءَتْ فَزَعَمَتْ أَنَّهَا أَرْضَعَتْهُمَا، فَذَكَرَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَأَعْرَضَ عَنْهُ وَتَبَسَّمَ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ: «كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ؟» وَقَدْ كَانَتْ تَحْتَهُ ابْنَةُ أَبِي إِهَابٍ التَّمِيمِيِّ، أخرجه: ۸۸

[2052] حضرت عقبہ بن حارث ؓ سے روایت ہے کہ ایک سیاہ فام عورت آئی اور کہنے لگی کہ میں نے تم دونوں (میاں بیوی) کو دودھ پلایا ہے۔ انھوں نے نبی ﷺ سے ذکر کیا تو آپ نے ان سے منہ پھیر لیا اور مسکراتے ہوئے فرمایا: ”تم اس عورت کو (بطور بیوی) کیسے رکھ سکتے ہو جبکہ تمھارے بارے میں ایسا کہا گیا ہے؟“ حضرت عقبہ بن حارث ؓ کی بیوی ابواہاب تمیمی کی بیٹی تھی۔

فوائد ومسائل: [1] اس عنوان سے مقصود شبہ اور وسوسے کے درمیان فرق کی وضاحت کرنا ہے کہ شبہ کو چھوڑ دینا مستحب ہے جبکہ وسوسے کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ [2] شبہ کسی قوی یا کمزور دلیل سے پیدا ہوتا ہے جیسا کہ حدیث مذکور سے پتہ چلتا ہے کہ دودھ پلانے کے سلسلے میں اگر کسی عورت نے گواہی دی تو اسے تسلیم کیا جائے گا کیونکہ خبر دینے والی مسلمان ہے اور مسلمان ایماندار ہوتا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عقبہ بن حارث ؓ کو شبہ سے بچنے کے لیے فرمایا: ”تم اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کرلو۔“ اگرچہ ایک عورت کے کہنے سے حتمی حکم ثابت نہیں ہوتا، تاہم شبہ کے لیے ایک عورت کی شہادت ہی کافی ہے اس لیے تقوے کے طور پر اس عورت کو نکاح میں رکھنے سے پرہیز کرنا اچھا ہے۔ وسوسے کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص خراسان کا رہنے والا ہے وہ بغداد جائے جبکہ اس کا والد بغداد میں رہ چکا ہو تو وہ بغداد میں شادی کرنے سے اس لیے پرہیز کرے کہ شاید اس کے باپ نے بغداد میں شادی کی ہو اور جس عورت سے یہ خراسانی شادی کرنا چاہتا ہے وہ اس کے باپ کی بیٹی اور اس کی بہن ہو۔ شریعت میں اس طرح کے وسوسوں کی کوئی حیثیت نہیں۔

٢٠٥٣ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ عُتْبَةُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ عَهِدَ إِلَى أَخِيهِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّ ابْنَ وَلِيدَةِ زَمْعَةَ مِنِّي فَاقْبِضْهُ. قَالَتْ: فَلَمَّا كَانَ عَامُ الْفَتْحِ أَخَذَهُ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ وَقَالَ: ابْنُ أَخِي قَدْ عَهِدَ إِلَيَّ فِيهِ، فَقَامَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ فَقَالَ: أَخِي وَابْنُ وَلِيدَةِ أَبِي وُلِدَ عَلَى فِرَاشِهِ،

[2053] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ سے یہ وصیت کی تھی کہ زمعہ کی لونڈی کے بطن سے پیدا ہونے والا بیٹا میرے نطفے سے ہے لہٰذا تم اسے اپنے قبضے میں لے لینا۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے سال حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے اسے قبضے میں لے لیا اور کہا کہ یہ میرا بھتیجا ہے اور میرے بھائی نے اسے لینے کی مجھے وصیت کی تھی۔ (اس وقت) عبد

فَتَسَاوَقَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ سَعْدٌ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! ابْنُ أَخِي كَانَ قَدْ عَهِدَ إِلَيَّ فِيهِ، فَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ: أَخِي وَابْنُ وَلِيدَةِ أَبِي وُلِدَ عَلَى فِرَاشِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ ابْنَ زَمْعَةَ». ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ». ثُمَّ قَالَ لِسَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ: «احْتَجِبِي مِنْهُ يَا سَوْدَةُ» لِمَا رَأَى مِنْ شَبَهِهِ بِعُتْبَةَ، فَمَا رَآهَا حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ.

[انظر: ٢٢١٨، ٢٤٢١، ٢٥٣٣، ٢٧٤٥، ٤٣٠٣، ٦٧٤٩، ٦٧٦٥، ٦٨١٧، ٧١٨٢]

بن زمعہ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: یہ تو میرا بھائی ہے یعنی میرے باپ کی لونڈی کا بیٹا ہے اور اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ آخر دونوں جھگڑتے جھگڑتے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ میرا بھتیجا ہے۔ میرے بھائی نے اسے تحویل میں لینے کی مجھے وصیت کی تھی۔ عبد بن زمعہ نے کہا: یہ میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی لونڈی سے ہے، نیز اس کے بستر ہی پر پیدا ہوا ہے۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: ”عبد بن زمعہ! یہ بچہ تجھے ملے گا۔“ اس کے بعد نبی ﷺ نے مزید فرمایا: ”بچہ اسی کا ہوتا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زناکار کے لیے پتھر ہیں۔“ اس کے بعد آپ نے ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ”تم اس (بچے) سے پردہ کرو۔“ کیونکہ آپ نے اس لڑکے میں عتبہ کی مشابہت دیکھی، چنانچہ اس کے بعد اس لڑکے نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو کبھی نہ دیکھا یہاں تک کہ وہ اللہ سے جا ملا۔

فوائد و مسائل: ﴿1﴾ دور جاہلیت میں لونڈیاں زنا کرتی تھیں اور بڑے بڑے امراء ان کے پاس آتے تھے، جب کوئی لونڈی اس غلط کاری کے نتیجے میں حاملہ ہو جاتی تو کبھی اس کا مالک دعوی کرتا اور کبھی زانی اقرار کرتا کہ یہ حمل اس کا ہے۔ حضرت ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا کے والد زمعہ کی لونڈی کا معاملہ بھی کچھ ایسا تھا، اس سے عتبہ بن ابی وقاص نے زنا کیا جس سے وہ حاملہ ہوئی۔ اس نے مرتے وقت اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ زمعہ کی لونڈی کا حمل میرے نطفے سے ہے، جب وہ بچہ جنم لے تو اسے اپنی تحویل میں لے لینا۔ فتح مکہ کے موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے قبضے میں لینا چاہا لیکن زمعہ کا بیٹا آڑے آیا کہ یہ میرا بھائی ہے اور میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جاہلیت کا قانون باطل قرار دیتے ہوئے عبد بن زمعہ کے حق میں فیصلہ دیا اور فرمایا: ”بچہ صاحب فراش (بستر والے) کا ہے اور زانی اس سے محروم ہے۔“ مگر بچے کی مشابہت عتبہ بن ابی وقاص سے تھی، اس شبہے کی بنیاد پر آپ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ وہ اس لڑکے سے پردہ کریں اگرچہ زمعہ کی بیٹی ہونے کے ناتے سے اس لڑکے کی بہن تھیں۔ ﴿2﴾ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو پردے کا حکم اسی اشتباہ کی وجہ سے احتیاطاً دیا گیا کیونکہ باندی کے ناجائز تعلقات عتبہ کے ساتھ تھے اور بچے کی شکل و صورت بھی اس سے ملتی جلتی تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے اشتباہ کی تفسیر فرمائی اور اس سے اجتناب کرنے کا حکم ثابت کیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ کے استدلال کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو اس بچے سے

پردہ کرنے کا حکم دیتا ہے، حالانکہ نبی ﷺ نے قانون اور شرعی اعتبار سے اسے ان کا بھائی قرار دیا تھا مگر اس بات کا کوئی شبہ تھا کہ وہ عتبہ بن ابی وقاص کا لڑکا ہو جیسا کہ شکل وصورت کی ہم آہنگی سے پتہ چلتا تھا، اس لیے احتیاط کے پیش نظر آپ نے پردے کا حکم دیا۔[1]

٢٠٥٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي السَّفَرِ عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الْمِعْرَاضِ فَقَالَ: «إِذَا أَصَابَ بِحَدِّهِ فَكُلْ، وَإِذَا أَصَابَ بِعَرْضِهِ فَقَتَلَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّهُ وَقِيذٌ». قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أُرْسِلُ كَلْبِي وَأُسَمِّي فَأَجِدُ مَعَهُ عَلَى الصَّيْدِ كَلْبًا آخَرَ لَمْ أُسَمِّ عَلَيْهِ، وَلَا أَدْرِي أَيُّهُمَا أَخَذَ؟ قَالَ: «لَا تَأْكُلْ، إِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلَى كَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلَى الْآخَرِ». [راجع: ١٧٥]

[2054] حضرت عدی بن حاتم ؓ سے روایت ہے انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے تیر کے شکار کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: "اگر وہ شکار کو نوک کی طرف سے لگا ہے تو کھالو اور اگر عرض کے بل لگ کر شکار کو مار دیا ہے تو اسے مت کھاؤ کیونکہ وہ مردار ہے۔" میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں شکار کے لیے بسم اللہ پڑھ کر اپنا کتا چھوڑتا ہوں لیکن شکار کے وقت اس کے ساتھ کسی دوسرے کتے کو بھی پاتا ہوں جس پر میں نے بسم اللہ نہیں پڑھی ہوتی، مجھے معلوم نہیں کہ کس کتے نے شکار مارا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے مت کھاؤ۔ تم نے صرف اپنے کتے پر بسم اللہ کہی، دوسرے کتے پر تو بسم اللہ نہیں کہی تھی۔"

فوائد ومسائل: ① اگر شکار کے جانور کو تیر عرض کے بل لگے گا تو وہ چوٹ لگنے سے مر جائے گا۔ قرآن کریم نے چوٹ سے مرنے والے جانور کو حرام قرار دیا ہے، اس بنا پر عرض کے بل تیر کی چوٹ سے مرنے والا جانور بھی حرام ہے۔ ② عربوں کے ہاں شکاری کتوں کو سدھانے کا دستور تھا۔ شریعت اسلامیہ نے اجازت دی ہے کہ اگر سدھائے ہوئے کتے کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا جائے اور وہ شکار پکڑ لے، اگر مالک کے پہنچنے سے پہلے پہلے شکار مر جائے تو وہ جانور حلال اور اس کا کھانا جائز ہے اور جس کتے پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو اس کا مارا ہوا شکار حرام اور مردار ہے لیکن اگر شکاری کتے کے ساتھ کوئی دوسرا کتا شامل ہو جائے اور شکار بھی مرا ہوا ملے تو یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ جانور کس کتے نے مارا ہے، یعنی دوسرے کتے کی موجودگی شبہ کا باعث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شبہ کو دفع کرنے کے لیے ایسا شکار کھانے سے منع فرمایا ہے۔ ③ اس سے معلوم ہوا کہ شبہ کی چیزوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔ دراصل ایسے موقع پر ہر چیز کی اصل کو دیکھا جاتا ہے کہ تحریم ہے یا اباحت یا مشکوک، شکار کیے جانور کو ذبح سے پہلے کھانا حرام ہے۔ جب اس کے متعلق شک پڑ جائے کہ اس پر بسم اللہ پڑھی گئی تھی یا نہیں تو ایسے جانور کی حرمت، یقین کے بغیر ختم نہیں ہوگی۔ حضرت عدی بن حاتم ؓ کی اس حدیث سے اسی اصل کو ثابت کیا گیا ہے۔ واللہ أعلم

1 فتح الباري: 4/371.

(٤) بَابُ مَا يُتَنَزَّهُ مِنَ الشُّبُهَاتِ

باب: 4- مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرنا

٢٠٥٥ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِتَمْرَةٍ مَسْقُوطَةٍ فَقَالَ: «لَوْلَا أَنْ تَكُونَ صَدَقَةً لَأَكَلْتُهَا».

[2055] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ ایک گری ہوئی کھجور کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''اگر یہ کھجور صدقے کی نہ ہوتی تو میں اسے کھا لیتا۔''

وَقَالَ هَمَّامٌ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَجِدُ تَمْرَةً سَاقِطَةً عَلَى فِرَاشِي». [انظر: ٢٤٣٢]

ہمام نے حضرت ابو ہریرہ ؓ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا: ''میں اپنے بستر پر گری ہوئی کھجور پاتا ہوں۔''

فوائد و مسائل: ﴿1﴾ شبہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کی حلت و حرمت یا طہارت و نجاست کے دلائل یکساں ہوں۔ کسی ایک کی ترجیح پر کوئی دلیل نہ ہو۔ ایسی اشیاء سے اجتناب کرنا چاہیے۔ تقویٰ اور پرہیز گاری کا تقاضا بھی یہی ہے۔ ﴿2﴾ رسول اللہ ﷺ کو اپنے گھر میں بستر پر ایک کھجور پڑی ہوئی ملی۔ شاید آپ صدقے کی کھجوریں تقسیم کر کے آئے ہوں، ان میں سے کوئی کھجور آپ کے کپڑوں سے اٹک گئی ہو اور وہی آپ کے بستر پر گر پڑی ہو۔ اس شبہ کی بنا پر آپ نے اسے کھانے سے پرہیز کیا، چنانچہ اس سلسلے میں ایک مفصل روایت بایں الفاظ ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب میں واپس اپنے گھر جاتا ہوں تو اپنے بستر پر ایک کھجور پڑی ہوئی دیکھتا ہوں، میں اسے کھانے کے لیے اٹھا لیتا ہوں، پھر میں ڈرتا ہوں کہ مبادا صدقے کی ہو، اس لیے اسے پھینک دیتا ہوں۔''[1] حافظ ابن حجر ؒ نے مہلب کے حوالے سے لکھا ہے: رسول اللہ ﷺ نے تورع اور پرہیز گاری کی وجہ سے اس کھجور کو کھانے سے اجتناب کیا۔ آپ پر ایسا کرنا واجب نہ تھا کیونکہ گھر میں جو چیز موجود ہوتی ہے اس میں اصل اباحت اور جواز ہے حتی کہ اس کی حرمت پر کوئی دلیل قائم ہو جائے۔[2] مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات سخت بے قراری اور پریشانی میں بیدار رہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ نے ایک گری پڑی کھجور کو کھا لیا تھا، اس کے بعد یاد آیا کہ گھر میں صدقے کی کھجوریں بھی تھیں جنھیں غرباء میں تقسیم کرنا تھا، اس لیے آپ کو پریشانی ہوئی کہ اس کھجور کے متعلق یقین نہ تھا یعنی صدقے کی کھجوروں سے تھی یا گھر کے استعمال کے لیے رکھی ہوئی کھجوروں میں سے تھی۔[1] انھیں تعدد واقعات پر محمول کیا جائے گا۔ غالباً اس واقعے کے بعد آپ نے اس قسم کی کھجوروں کا کھانا ترک کر دیا تھا۔

(٥) بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ الْوَسَاوِسَ وَنَحْوَهَا مِنَ الشُّبُهَاتِ

باب: 5- جس نے وسوسے وغیرہ کو مشتبہ امر خیال نہ کیا

1 صحیح البخاري، اللقطة، حدیث: 2432. 2 فتح الباري: 370/4. 3 مسند أحمد: 193/2، و فتح الباري: 373/4.

٢٠٥٦ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ قَالَ: شُكِيَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ الرَّجُلُ يَجِدُ فِي الصَّلَاةِ شَيْئًا، أَيَقْطَعُ الصَّلَاةَ؟ قَالَ: «لَا حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا». [راجع: ١٣٧]

[2056] حضرت عباد بن تمیم ؓ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: نبی ﷺ سے ایک شخص کے متعلق شکایت کی گئی کہ وہ نماز میں کوئی چیز محسوس کرتا ہے کیا وہ نماز توڑ دے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہ (توڑے) تا آنکہ وہ آواز سنے یا بو پائے۔“

وَقَالَ ابْنُ أَبِي حَفْصَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ: لَا وُضُوءَ إِلَّا فِيمَا وَجَدْتَّ الرِّيحَ أَوْ سَمِعْتَ الصَّوْتَ.

ابن ابی حفصہ نے امام زہری سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ وضو اس وقت لازم ہوتا ہے جب تو بدبو پائے یا آواز سنے۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ نے اس عنوان کے تحت وسوسے کی حقیقت بیان کی ہے کہ یقین وایمان سے ثابت شدہ چیز کو محض وسوسے سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ وسوسہ یہ ہے کہ بلاوجہ ہر چیز کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھنا، مثلاً: ایک شخص سے مال خریدا، خواہ مخواہ اس کے حرام ہونے کا گمان کرنا۔ اس قسم کی وسوسہ اندازی یا وسوسہ پیروی جائز نہیں۔ ② مذکورہ حدیث سے یہی بات ثابت کی گئی ہے کہ ایک شخص دوران نماز میں وضو ٹوٹ جانے کا وسوسہ پاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: طہارت کا یقین محض شک سے ختم نہیں ہوتا بلکہ حدث کا یقین ہو تو وضو باطل ہوتا ہے۔ چونکہ ہوا کا خارج ہونا کثیر الوقوع ہے، اس لیے حدیث میں اس کا ذکر ہے۔ اگر دلیل سے کسی چیز کی نجاست یا حرمت معلوم ہو جائے تو اس سے باز رہنا چاہیے، صرف وسوسوں کی بنا پر کسی چیز کو نجس خیال کرنا صحیح نہیں۔

٢٠٥٧ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ الْعِجْلِيُّ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الطُّفَاوِيُّ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ قَوْمًا قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ قَوْمًا يَأْتُونَنَا بِاللَّحْمِ لَا نَدْرِي أَذَكَرُوا اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ، أَمْ لَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «سَمُّوا اللهَ عَلَيْهِ وَكُلُوهُ». [انظر: ٥٥٠٧، ٧٣٩٨]

[2057] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: کچھ لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کئی لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں کہ انھوں نے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام ذکر کیا تھا یا نہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم خود اس پر بسم اللہ پڑھ لو اور اسے کھا لو۔“

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ کی غرض وسوسہ زدہ لوگوں کے خوف کو بیان کرنا ہے کہ اس کی کوئی حیثیت نہیں جیسا کہ کوئی کسی شکار کا گوشت محض اس لیے نہ کھائے کہ شاید وہ شکار کسی اور شخص نے کیا ہوگا، اس سے وہ جانور بھاگ گیا اور اس کے ہتھے چڑھ گیا۔ پیش کردہ حدیث میں بھی اس قسم کا وسوسہ بیان ہوا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے کوئی اہمیت نہیں دی۔ ② مسلمانوں

کے متعلق حسن ظن رکھنا چاہیے کہ انھوں نے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام ضرور لیا ہوگا۔ یہ شبہ کرنا کہ شاید اس نے ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا ہو محض ایک وسوسہ اور شبہ ہے۔ اس کا خیال نہیں کرنا چاہیے بلکہ خود بسم اللہ پڑھ کر اسے استعمال کر لینا چاہیے۔ ان ہر دو روایات سے معلوم ہوا کہ وسوسے ان شبہات میں داخل نہیں ہیں جن سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ وسوسے جب تک دل میں جاگزیں نہ ہوں اور قرار نہ پکڑیں ان پر مؤاخذہ نہیں ہوتا۔ ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث مسلمانوں کے متعلق حسن ظن رکھنے کی دلیل ہے، نیز یہ کہ مسلمانوں کے امور کمال پر محمول ہیں۔ خصوصاً اس زمانے میں جب ہر مسلمان دین اسلام سے بخوبی واقف ہو۔[1]

(٦) بَابُ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَٰرَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا﴾ [الجمعة: ١١]

باب: 6- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور جب انھوں نے کوئی سودا بکتا یا کھیل تماشا ہوتے دیکھا تو ادھر بھاگ گئے'' کا بیان

٢٠٥٨ - حَدَّثَنَا طَلْقُ بْنُ غَنَّامٍ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ سَالِمٍ قَالَ: حَدَّثَنِي جَابِرٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ أَقْبَلَتْ مِنَ الشَّامِ عِيرٌ تَحْمِلُ طَعَامًا، فَالْتَفَتُوا إِلَيْهَا حَتَّى مَا بَقِيَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا، فَنَزَلَتْ: ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَٰرَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا﴾ [الجمعة: ١١]. [راجع: ٩٣٦]

[2058] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ایک دفعہ ہم نبی ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھ رہے تھے کہ شام سے ایک قافلہ آیا جو غلہ لادے ہوئے تھا۔ لوگ اس کی طرف چل دیے حتی کہ نبی ﷺ کے ہمراہ بارہ مردوں کے علاوہ کوئی باقی نہ رہا تو یہ آیت نازل ہوئی: ''جب انھوں نے کوئی تجارت یا کھیل تماشا دیکھا تو اس کی طرف دوڑ پڑے۔''

فوائد و مسائل: ① دراصل مدنی دور کی ابتدائی زندگی معاشی اعتبار سے بھی مسلمانوں کے لیے سخت پریشان کن تھی۔ مہاجرین کی آباد کاری کے علاوہ کفار مکہ نے بھی اہل مدینہ کی معاشی ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ اس بنا پر غلہ کم یاب بھی تھا اور گرانی بھی بہت تھی۔ انھی ایام میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ خطبۂ جمعہ دے رہے تھے کہ شام سے غلے اور اناج کا ایک تجارتی قافلہ مدینہ طیبہ آ پہنچا۔ انھوں نے اپنی آمد کی اطلاع طبلے بجا کر دی۔ خطبہ سننے والے مسلمان بھی، محض اس خیال سے کہ اگر دیر سے گئے تو سارا غلہ بک جائے گا، خطبہ چھوڑ کر ادھر چلے گئے تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت کریمہ میں میٹھی زبان سے عتاب کیا گیا کہ قافلے والے تمھارے رازق تو نہ تھے، رزق کے اسباب مہیا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا تمھیں آئندہ ایسی باتوں سے بچنا چاہیے۔ چونکہ نماز کا انتظار کرنے والا نماز میں شمار ہوتا ہے، اس لیے حدیث میں خطبے کی ساعت کرنے والوں کو نماز پڑھنے والے کہا گیا ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ تجارت اگرچہ اچھی چیز ہے کیونکہ اس کا تعلق کسب حلال سے ہے لیکن کبھی یہ

[1] فتح الباري: 375/4.

مذموم بھی ہو جاتی ہے جب اس سے اہم اور ضروری چیز پر اسے مقدم کیا جائے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ لوگ آخر نماز تک رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے مگر وہ اس اہم اور ضروری امر کو چھوڑ کر تجارت کی طرف چلے گئے، اس لیے یہ تجارت ان کے لیے عتاب کا سبب بن گئی۔ پوری آیت کا ترجمہ اس طرح ہے: ''اور جب انھوں نے تجارت یا کھیل تماشا ہوتے دیکھا تو ادھر بھاگ گئے اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیا۔ کہہ دیجیے! جو اللہ کے پاس ہے وہ اس تماشے اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ ہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔''[1]

(٧) بَابُ مَنْ لَمْ يُبَالِ مِنْ حَيْثُ كَسَبَ الْمَالَ

باب : 7- جس نے کچھ پروا نہ کی جہاں سے چاہا مال کما لیا

٢٠٥٩ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَّا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ، أَمِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ؟». [انظر: ٢٠٨٣]

[2059] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''لوگوں پر ایک وقت آئے گا، جب آدمی کو اس کی کچھ پروا نہیں رہے گی کہ مال حلال طریقے سے حاصل کیا ہے یا حرام طریقے سے کمایا ہے۔''

فائدہ: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فتنۂ مال سے خبردار کیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اسباب معیشت کے متعلق خوب چھان بین کریں۔ کمانے کے لیے حلال ذرائع کا انتخاب کریں لیکن افسوس کہ اس وقت ہم ایسے حالات سے دوچار ہیں کہ حلال حرام کی تمیز اٹھ گئی ہے۔ صرف مال جمع کرنے کی دھن ہم پر سوار ہے جبکہ قرآن وحدیث میں رزق حلال کی بہت اہمیت بیان کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے: ''لوگوں پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ تمام لوگ سود خوری میں مبتلا ہوں گے، اگر کوئی اس سے بچنے کی کوشش کرے گا تو بھی اس کی گرد وغبار ضرور اسے متاثر کرے گی۔''[2] اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد امام حاکم فرماتے ہیں: اگر حسن بصری کا سماع سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہو جائے تو یہ روایت صحیح ہے ورنہ منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف الجامع الصغیر میں ذکر کیا ہے۔

(٨) بَابُ التِّجَارَةِ فِي الْبَرِّ وَغَيْرِهِ

باب:8- خشکی وغیرہ میں تجارت کرنا

وَقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ﴾ [النور:٣٧] وَقَالَ قَتَادَةُ: كَانَ الْقَوْمُ يَتَبَايَعُونَ وَيَتَّجِرُونَ وَلَكِنَّهُمْ إِذَا نَابَهُمْ حَقٌّ

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''کچھ لوگ ایسے ہیں کہ انھیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔'' حضرت قتادہ نے کہا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایسے لوگ تھے جو

[1] الجمعة 62:11. [2] المستدرك للحاكم: 11/2.

مِنْ حُقُوقِ اللهِ لَمْ تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ حَتَّى يُؤَدُّوهُ إِلَى اللهِ.

خرید و فروخت اور تجارت کرتے لیکن جب ان کے سامنے حقوق اللہ سے کوئی حق آ جاتا تو تجارت اور خرید و فروخت انھیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرتی تا آنکہ وہ اسے ادا کر لیتے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے آئندہ ایک عنوان سمندری تجارت کے متعلق قائم کیا ہے، اس لیے مناسب یہی ہے کہ اس مقام پر خشکی وغیرہ میں تجارت کا بیان ہو۔ مراد یہ ہے کہ مسلمان کے لیے خشکی، صحرا اور سمندر سب کاروبار کا محل ہیں۔ اسی جذبۂ عمل نے مسلمانوں کو شرق و غرب، یعنی دنیا کے ہر حصے میں پہنچا دیا۔ حضرت قتادہ سے مروی اثر ہمیں موصولاً دستیاب نہیں ہو سکا، البتہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق تفسیر عبدالرزاق میں ہے کہ وہ بازار میں ہوتے تو اذان ہوتے ہی لوگ اپنی دکانیں بند کر کے مسجد میں آ جاتے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ان کا طرز عمل دیکھ کر فرماتے کہ انھی حضرات کے متعلق مذکورہ آیت نازل ہوئی ہے۔[1]

٢٠٦٠، ٢٠٦١ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ قَالَ: كُنْتُ أَتَّجِرُ فِي الصَّرْفِ، فَسَأَلْتُ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ، ح:

[2061,2060] حضرت ابو منہال سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں کرنسی کا کاروبار کرتا تھا۔ میں نے اس کے متعلق حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا۔

وَحَدَّثَنِي الْفَضْلُ بْنُ يَعْقُوبَ: حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ: قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ وَعَامِرُ بْنُ مُصْعَبٍ: أَنَّهُمَا سَمِعَا أَبَا الْمِنْهَالِ يَقُولُ: سَأَلْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ وَزَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ عَنِ الصَّرْفِ فَقَالَا: كُنَّا تَاجِرَيْنِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَسَأَلْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الصَّرْفِ، فَقَالَ: «إِنْ كَانَ يَدًا بِيَدٍ فَلَا بَأْسَ، وَإِنْ كَانَ نَسِيئًا فَلَا يَصْلُحُ». [الحديث

٢٠٦٠، انظر: ٢١٨٠، ٢٤٩٧، ٣٩٣٩] [الحديث

٢٠٦١، انظر: ٢١٨١، ٢٤٩٨، ٣٩٤٠]

ایک دوسری سند کے مطابق حضرت ابو منہال کہتے ہیں کہ میں نے حضرت براء بن عازب اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہم سے کرنسی کے کاروبار کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تجارت کرتے تھے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیع صرف، یعنی کرنسی کے کاروبار کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: "اگر نقد بنقد ہو تو کوئی حرج نہیں، اگر ادھار ہو تو جائز نہیں۔"

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے آیت کریمہ اور حدیث کے عموم سے خشکی وغیرہ میں تجارت کرنے کو ثابت کیا ہے۔

1 فتح الباري: 4/378.

چنانچہ حضرت براء بن عازب اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے ہی میں پیشہ تجارت سے منسلک تھے۔ ان الفاظ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنا مدعا ثابت کیا ہے۔ نبی ﷺ سونے چاندی کے سکوں کا باہمی تبادلہ "صرف" کہلاتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں: ٭ چاندی کے بدلے چاندی اور سونے کے بدلے سونا۔ اس کے جائز ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں: ٭ دونوں کا وزن برابر ہو۔ ٭ دست بدست ہوں۔ اگر ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار ہو یا نقد کی صورت میں وزن میں کمی بیشی کی گئی تو معاملہ حرام ہو جائے گا۔ ٭ سونے کو چاندی یا چاندی کو سونے کے عوض خریدنا۔ اس صورت میں وزن کا برابر ہونا تو ضروری نہیں، تاہم ان کا نقد بنقد ہونا ضروری ہے۔ اگر کمی بیشی کے ساتھ معاملہ ادھار ہوا تو جائز نہیں ہوگا۔ اس کی تفصیل ہم آئندہ بیان کریں گے، البتہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے عموم سے خشکی میں تجارت کے جائز ہونے کو ثابت کیا ہے۔ واللہ أعلم۔

(٩) بَابُ الْخُرُوجِ فِي التِّجَارَةِ

باب: 9- تجارت کے لیے سفر کرنا

وَقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾ [الجمعة: ١٠]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "(نماز جمعہ سے فراغت کے بعد) زمین میں نکل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔"

وضاحت: اس آیت کریمہ میں خرید و فروخت کی ممانعت کے بعد اجازت کا بیان ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ تجارت اور خرید و فروخت کے لیے دوڑ دھوپ کرنے میں کوئی حرج نہیں، خواہ اس کے لیے دور دراز کا سفر ہی کرنا پڑے۔ جو لوگ بازار آنے جانے میں حرج محسوس کرتے ہیں ان کا طرز عمل صحیح نہیں۔[1]

٢٠٦٢ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيدَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ، أَنَّ أَبَا مُوسَى [الْأَشْعَرِيَّ] اسْتَأْذَنَ عَلَى عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ - وَكَأَنَّهُ كَانَ مَشْغُولًا - فَرَجَعَ أَبُو مُوسَى فَفَرَغَ عُمَرُ فَقَالَ: أَلَمْ أَسْمَعْ صَوْتَ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ؟ ائْذَنُوا لَهُ، قِيلَ: قَدْ رَجَعَ، فَدَعَاهُ فَقَالَ: كُنَّا نُؤْمَرُ بِذَلِكَ، فَقَالَ: تَأْتِينِي عَلَى ذَلِكَ بِالْبَيِّنَةِ، فَانْطَلَقَ إِلَى مَجَالِسِ الْأَنْصَارِ فَسَأَلَهُمْ فَقَالُوا: لَا يَشْهَدُ لَكَ عَلَى هَذَا إِلَّا

[2062] حضرت عبید بن عمیر سے روایت ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اجازت طلب کی لیکن انھیں اجازت نہ ملی..... غالباً حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت کسی کام میں مصروف تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ واپس آگئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کام سے فارغ ہوئے تو کہنے لگے: کیا میں نے عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) کی آواز سنی تھی؟ انھیں اجازت دے دو۔ عرض کیا گیا: وہ تو واپس چلے گئے ہیں۔ آپ نے انھیں بلایا (اور پوچھا:) کیوں واپس چلے گئے تھے؟ انھوں نے عرض کیا: ہمیں یہی حکم دیا گیا تھا۔ حضرت

1 فتح الباري: 378/4.

أَخْبَرُونَا أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ، فَذَهَبَ بِأَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، فَقَالَ عُمَرُ: أَخَفِيَ عَلَيَّ هٰذَا مِنْ أَمْرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ أَلْهَانِي الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ، يَعْنِي الْخُرُوجَ إِلَى التِّجَارَةِ. [انظر: 6245، 7353]

عمر ؓ نے فرمایا: تم اس پر کوئی گواہ پیش کرو۔ یہ سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ انصار کی مجلس میں گئے اوران سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ اس بات کی گواہی تو حضرت ابوسعید خدری ؓ ہی دے دیں گے جو ہم سب میں کم عمر ہیں، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ حضرت ابوسعید خدری ؓ کو حضرت عمر ؓ کی خدمت میں لے گئے (انھوں نے شہادت دی کہ رسول اللہ ﷺ کا یہی حکم تھا۔) تب حضرت عمر ؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا حکم مجھ سے پوشیدہ رہ گیا؟ کیونکہ میں بازاروں میں خرید وفروخت اور تجارت میں معروف رہا، یعنی تجارت کی غرض سے باہر آنے جانے میں مشغول رہا۔

فوائد ومسائل: ﴿1﴾ اس حدیث میں حضرت عمر ؓ کا بازار میں تجارت کرنا مذکور ہے اور اس غرض سے ان کا باہر آنا جانا بھی ثابت ہے۔ حدیث پیش کرنے کا یہی مقصد ہے۔ علاوہ ازیں حدیث مذکور سے دیگر مسائل بھی ثابت ہوتے ہیں، مثلاً: اگر کوئی کسی کے گھر ملاقات کے لیے جائے تو دروازے پر جا کر تین دفعہ سلام کہے اور اجازت طلب کرے۔ اگر جواب نہ ملے تو واپس آ جائے جیسا کہ ایک روایت میں اس کی تفصیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی تین دفعہ اجازت لے، اگر اجازت نہ ملے تو لوٹ آئے۔“[1] ﴿2﴾ حدیث نبوی کی تصدیق کے لیے گواہ طلب کرنا بھی ثابت ہوا، نیز کم سن بچوں کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ بھول چوک بڑے بڑے لوگوں سے بھی ہو سکتی ہے۔ واللہ أعلم.

(10) بَابُ التِّجَارَةِ فِي الْبَحْرِ

باب: 10- تجارت کے لیے سمندری سفر کرنا

وَقَالَ مَطَرٌ: لَا بَأْسَ بِهِ، وَمَا ذَكَرَهُ اللهُ فِي الْقُرْآنِ إِلَّا بِحَقٍّ ثُمَّ تَلَا: ﴿وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ﴾ [النحل: 14]

حضرت مطر الوراق نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو قرآن میں ذکر کیا ہے وہ برحق ہے، پھر یہ آیت تلاوت کی: ﴿وَتَرَى الْفُلْكَ ـــ مِنْ فَضْلِهِ﴾ ”تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ وہ پانی کو چیرتی ہیں اور تاکہ تم اس کا کچھ فضل تلاش کرو۔“

اَلْفُلْكُ: اَلسُّفُنُ، اَلْوَاحِدُ وَالْجَمْعُ سَوَاءٌ.

فُلْك کشتی کو کہتے ہیں۔ اس کی واحد اور جمع دونوں

[1] صحيح البخاري، الاستئذان، حديث: 6245.

یکساں ہیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: تَمْخَرُ السُّفُنُ الرِّيحَ وَلَا تَمْخَرُ الرِّيحَ مِنَ السُّفُنِ إِلَّا الْفُلْكُ الْعِظَامُ.

امام مجاہد نے کہا: "کشتیاں، ہوا کو چیرتی ہیں اور بڑی بڑی کشتیاں ہی ہوا کو چاک کرتی ہیں۔"

٢٠٦٣ - وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ: أَنَّهُ ذَكَرَ رَجُلًا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ خَرَجَ فِي الْبَحْرِ فَقَضَى حَاجَتَهُ. وَسَاقَ الْحَدِيثَ. حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بِهِ. [راجع: ١٤٩٨]

[2063] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا ذکر کیا جو سمندر کے سفر کو نکلا، پھر اس نے اپنی ضرورت پوری کی۔ اس کے بعد پوری حدیث بیان فرمائی۔

وضاحت: اللہ تعالیٰ نے کسی موقع پر دریا میں سفر کرنے کی مذمت نہیں کی بلکہ تلاش رزق کے لیے سمندر میں بڑی بڑی کشتیوں کو اپنے بندوں کے تابع کر دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغرض تجارت سمندر میں سفر کرنا جائز ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور اس کی قدرت کا اظہار ہے۔ مطر وراق کے اثر کو ابن ابی حاتم نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔ اسی طرح امام مجاہد کے اثر کو بھی علامہ فریابی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ بنی اسرائیل کے شخص سے متعلقہ حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے خود اسی متصل سند سے آگے بیان کیا ہے۔[1] مطلب یہ ہے کہ سمندر میں سفر کرنا قدیم زمانے سے متعارف ہے اور اس کے ممنوع ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔[2]

(١١) بَابٌ: ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا﴾ [الجمعة: ١١] وَقَوْلُهُ: ﴿لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ﴾ [النور: ٣٧]

باب: 11- ارشاد باری تعالیٰ: "جب انھوں نے کوئی تجارت یا کھیل تماشا ہوتے دیکھا تو اس کی طرف بھاگ گئے" نیز ارشاد باری تعالیٰ: "کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنھیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی" کا بیان

وَقَالَ قَتَادَةُ: كَانَ الْقَوْمُ يَتَّجِرُونَ وَلٰكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا نَابَهُمْ حَقٌّ مِنْ حُقُوقِ اللهِ لَمْ تُلْهِهِمْ

حضرت قتادہ نے کہا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایسے لوگ تھے جو خرید و فروخت اور تجارت کرتے لیکن جب ان کے سامنے

[1] صحیح البخاري، الکفالة، حدیث: 2291. [2] فتح الباري: 379/4.

تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ حَتَّى يُؤَدُّوهُ إِلَى اللهِ.

حقوق اللہ میں سے کوئی حق آتا تو تجارت اور خرید و فروخت انھیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کرتی حتی کہ وہ اسے ادا کر لیتے۔

٢٠٦٤ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ ابْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَقْبَلَتْ عِيرٌ وَنَحْنُ نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْجُمُعَةَ فَانْفَضَّ النَّاسُ إِلَّا اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا، فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا﴾ [الجمعة: ١١]. [راجع: ٩٣٦]

[2064] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ایک دفعہ ہم نبی ﷺ کے ہمراہ نماز جمعہ ادا کر رہے تھے کہ غلے کا ایک قافلہ آیا۔ لوگ اس کی طرف چل دیے حتی کہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ بارہ مردوں کے علاوہ کوئی دوسرا شخص باقی نہ رہا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "جب انھوں نے کوئی تجارت یا کھیل تماشا دیکھا تو اس کی طرف دوڑ پڑے اور آپ کو کھڑا ہی چھوڑ دیا۔"

فوائد و مسائل: [1] مذکورہ عنوان اور پیش کردہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔ (باب: 11، حدیث: 2058) اسی طرح آیت کریمہ اور حضرت قتادہ کا قول بھی پہلے بیان ہو چکا ہے۔ [2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے سہو قلم قرار دیا ہے۔ قرائن اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ عنوان اور حدیث مکرر ہے۔[1] واللہ اعلم۔

(١٢) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ [البقرة: ٢٦٧]

باب: 12- ارشاد باری تعالیٰ: "اپنی پاکیزہ کمائی سے خرچ کرو" کی وضاحت

٢٠٦٥ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ طَعَامِ بَيْتِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ كَانَ لَهَا أَجْرُهَا بِمَا أَنْفَقَتْ، وَلِزَوْجِهَا بِمَا كَسَبَ، وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذَلِكَ، لَا يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ أَجْرَ بَعْضٍ شَيْئًا». [راجع: ١٤٢٥]

[2065] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جب کوئی عورت اپنے گھر کا طعام خرچ کرے بشرطیکہ اس کی نیت بگاڑ کی نہ ہو تو اسے خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ اس کے خاوند کو اس کی کمائی کا ثواب ہوگا اور خازن بھی اسی کی مثل ہے۔ کوئی کسی کے ثواب میں ذرہ بھر کمی نہیں کرے گا۔"

٢٠٦٦ - حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا

[2066] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اگر عورت

---

1 فتح الباري: 380/4.

هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ كَسْبِ زَوْجِهَا عَنْ غَيْرِ أَمْرِهِ فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِهِ». [انظر: ٥١٩٢، ٥١٩٥، ٥٣٦٠]

اپنے خاوند کی کمائی سے اس کے حکم (اجازت) کے بغیر خرچ کرے تو اسے خاوند کے ثواب کا نصف ملے گا۔"

فوائد و مسائل: ① غیر مفسدہ کا مطلب یہ ہے کہ بیوی اپنے شوہر کے مال کو ناجائز مقاصد اور مصارف میں خرچ نہ کرے۔ ② یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ طعام اگر شوہر کا ہے تو عورت اسے خرچ نہیں کر سکتی اور اگر عورت کا ہے تو شوہر کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ طعام شوہر کا ہوتا ہے مگر عادت یہ ہے کہ شوہر اپنی بیویوں کو گھر کے طعام سے فقراء و مساکین پر خرچ کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ نیز ایک سوال یہ بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ جب عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر خرچ کرے گی تو اسے ثواب کیونکر دیا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات شوہر نے خرچ کرنے کی اجازت تو دی ہوتی ہے مگر وہ موقع پر اسے خرچ کرنے کا حکم نہیں دیتا، اس صورت میں اسے نصف اجر ملے گا کیونکہ اجازت کے ساتھ اس کا حکم مل پایا گیا۔ بہرحال خاوند کا مال اس کی اجازت کے بغیر خرچ کرنے سے ثواب کے بجائے گناہ کا اندیشہ ہے جبکہ خاوند اسے برا خیال کرتا ہو۔

(١٣) بَابُ مَنْ أَحَبَّ الْبَسْطَ فِي الرِّزْقِ

باب: 13- جس نے رزق میں وسعت کی خواہش کی

٢٠٦٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي يَعْقُوبَ الْكِرْمَانِيُّ: حَدَّثَنَا حَسَّانُ: حَدَّثَنَا يُونُسُ: قَالَ مُحَمَّدٌ - هُوَ الزُّهْرِيُّ - عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ أَوْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ». [انظر: ٥٩٨٦]

[2067] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی اور عمر میں اضافہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔"

فوائد و مسائل: ① رزق میں کشادگی سے مراد اس میں برکت کا پیدا ہو جانا اور عمر میں اضافے سے مراد جسم میں قوت و ہمت کا آ جانا ہے کیونکہ رزق اور عمر تو اس وقت ہی لکھ دی جاتی ہے جب انسان ابھی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ ② برکت کے معنی اس لیے کیے جاتے ہیں کہ صلہ رحمی کرنا ایک صدقہ ہے اور صدقے سے مال میں برکت پیدا ہوتی ہے۔ اس کی ایک اور وجہ بھی ہے کہ رشتہ دار اس کے حسن سلوک کو دیکھ کر دل کی گہرائی سے اس کی درازی عمر اور فراخی رزق کے لیے دعائیں کریں گے تو اللہ ان دعاؤں کے نتیجے میں اس کے رزق میں برکت کرے گا۔ درازی عمر کے یہ بھی معنی ہیں کہ اس کے اچھے برتاؤ سے لوگ اس کی اچھی تعریف کریں گے، تو بالفرض مر جانے پر اس کا اچھا چرچا ہو گا گویا وہ مرا ہی نہیں۔ ③ بعض شارحین نے یہ بھی لکھا ہے کہ مال

کے پیٹ میں اس طرح لکھا جاتا ہے کہ اگر اس نے صلہ رحمی کی تو اس کا رزق وسیع اور عمر دراز ہوگی۔[1] یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے کیونکہ بہتر یہ ہے کہ حدیث کو اس کے ظاہری معنی پر محمول کیا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ خرید و فروخت اور تجارت سے مال میں برکت اور اضافہ ہوتا ہے۔ اس فراخیٔ رزق کے لیے کچھ باطنی اسباب بھی ہیں جیسا کہ صلہ رحمی کرنا اور تقویٰ اختیار کرنا ہے۔

(١٤) بَابُ شِرَاءِ النَّبِيِّ ﷺ بِالنَّسِيئَةِ

باب:14- نبی ﷺ کا ادھار خریدنا

٢٠٦٨ - حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: ذَكَرْنَا عِنْدَ إِبْرَاهِيمَ: الرَّهْنَ فِي السَّلَمِ، فَقَالَ: حَدَّثَنِي الْأَسْوَدُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اشْتَرَى طَعَامًا مِنْ يَهُودِيٍّ إِلَى أَجَلٍ وَرَهَنَهُ دِرْعًا مِنْ حَدِيدٍ. [انظر: ٢٠٩٦، ٢٢٠٠، ٢٢٥١، ٢٢٥٢، ٢٣٨٦، ٢٥٠٩، ٢٥١٣، ٢٩١٦، ٤٤٦٧]

[2068] حضرت اعمش نے کہا کہ ابراہیم نخعی کی مجلس میں ہم نے ادھار لین دین میں (کوئی سامان) گروی رکھنے کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا: مجھ سے اسود نے حضرت عائشہ ؓ سے روایت بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی سے کچھ مدت کے لیے طعام خریدا اور لوہے کی زرہ اس کے پاس گروی رکھ دی۔

٢٠٦٩ - حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ؛ ح: وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَوْشَبٍ: حَدَّثَنَا أَسْبَاطٌ أَبُو الْيَسَعِ الْبَصْرِيُّ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ الدَّسْتَوَائِيُّ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّهُ مَشَى إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِخُبْزِ شَعِيرٍ وَإِهَالَةٍ سَنِخَةٍ، وَلَقَدْ رَهَنَ النَّبِيُّ ﷺ دِرْعًا لَهُ بِالْمَدِينَةِ عِنْدَ يَهُودِيٍّ وَأَخَذَ مِنْهُ شَعِيرًا لِأَهْلِهِ. وَلَقَدْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ: «مَا أَمْسَى عِنْدَ آلِ مُحَمَّدٍ ﷺ صَاعُ بُرٍّ وَلَا صَاعُ حَبٍّ، وَإِنَّ عِنْدَهُ لَتِسْعَ نِسْوَةٍ». [انظر: ٢٥٠٨]

[2069] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ وہ نبی ﷺ کے پاس جو کی روٹی اور باسی چربی لے کر گئے اور اس وقت نبی ﷺ نے اپنی ایک زرہ مدینہ طیبہ میں ایک یہودی کے پاس گروی رکھی تھی اور اس سے اپنے اہل خانہ کے لیے کچھ جو لیے تھے۔ اور میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "آل محمد ﷺ کے پاس کبھی شام کے وقت ایک صاع گیہوں یا کسی اور غلے کا جمع نہیں رہا، حالانکہ آپ کی نو بیویاں تھیں۔"

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کو رسول اللہ ﷺ کے معاملۂ قرض کے ساتھ مقید کیا ہے جبکہ کتاب

[1] فتح الباري: 382/4.

الاستقراض میں اسے مطلق طور پر بیان کیا ہے، مقصد یہ ہے کہ ادھار پر اشیاء کی خرید و فروخت جائز ہے اس میں رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت نہیں۔ ② دراصل امام بخاری رحمہ اللہ ان حضرات کی تردید کرنا چاہتے ہیں جو ادھار کا معاملہ کرنے کو ناجائز کہتے ہیں۔ ان کی دلیل سنن ابی داود کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ادھار پر کچھ سامان خریدا، بعد میں فرمایا: ''آئندہ میں اس وقت خرید و فروخت کروں گا جب میرے پاس اس کی قیمت ہو گی۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان اور پیش کردہ حدیث سے اس حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ یہودی سے گروی زرہ کے عوض جو خرید نے کا واقعہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آخری حصے میں پیش آیا حتی کہ آپ قیمت ادا کر کے گروی شدہ زرہ واپس نہیں لے سکے تھے۔ بہر حال ادھار معاملہ کرنا جائز ہے۔ ③ واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سود خور یہودی سے قرض کا معاملہ کیا لیکن کسی مسلمان سے قرض نہیں لیا کیونکہ مسلمان عقیدت کی بنا پر آپ کو مفت دے دیتا لیکن آپ کو کسی کا احسان لینا پسند نہیں تھا۔ واللہ أعلم۔

(١٥) بَابُ كَسْبِ الرَّجُلِ وَعَمَلِهِ بِيَدِهِ

باب: 15- آدمی کا خود کمانا اور اپنے ہاتھ سے کام کرنا

٢٠٧٠ - حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَمَّا اسْتُخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ قَالَ: لَقَدْ عَلِمَ قَوْمِي أَنَّ حِرْفَتِي لَمْ تَكُنْ تَعْجِزُ عَنْ مَؤُونَةِ أَهْلِي وَشُغِلْتُ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِينَ، فَسَيَأْكُلُ آلُ أَبِي بَكْرٍ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَأَحْتَرِفُ لِلْمُسْلِمِينَ فِيهِ.

[2070] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: میری قوم اچھی طرح جانتی ہے کہ میرا کاروبار میرے اہل و عیال کے لیے ناکافی نہیں تھا لیکن اب میں مسلمانوں کے معاملات میں مشغول ہو گیا ہوں، لہٰذا ابوبکر کے اہل خانہ اس مال سے کھائیں گے اور وہ خود مسلمانوں کے مال و اسباب کی نگہبانی کریں گے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بننے سے پہلے کپڑے کا کاروبار کرتے تھے اور وہ اہل خانہ کے لیے خود کماتے تھے۔ ابن سعد نے ایک مرسل روایت بیان کی ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ منتخب ہوئے تو حسب عادت کپڑا سر پر اٹھا کر بازار جانے لگے تو حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما نے پوچھا: آپ کہاں جا رہے ہیں؟ فرمایا: تجارت کے لیے بازار جانے کا ارادہ ہے۔ چنانچہ انھوں نے باہمی مشاورت سے آپ کا وظیفہ مقرر کر دیا۔[2] اس سے معلوم ہوا کہ سرکاری حاکم بیت المال سے اجرت لے سکتا ہے۔ ② حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سرکاری مال کو کاروبار میں نہیں لگاتے تھے جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ اگر آپ کے پاس اتنا وقت ہوتا تو آپ اپنا کاروبار کرتے اور بیت المال پر بوجھ نہ ڈالتے بلکہ وہ مسلمانوں

1 سنن أبي داود، البيوع، حديث: 3344. 2 فتح الباري: 385/4.

کے معاملات کی نگرانی اور دیکھ بھال کرتے تھے جس کے عوض بیت المال سے بقدر کفایت ان کا وظیفہ مقرر تھا۔[1]

٢٠٧١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو الْأَسْوَدِ عَنْ عُرْوَةَ قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ ﷺ عُمَّالَ أَنْفُسِهِمْ، فَكَانَ يَكُونُ لَهُمْ أَرْوَاحٌ، فَقِيلَ لَهُمْ: لَوِ اغْتَسَلْتُمْ. رَوَاهُ هَمَّامٌ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ. [راجع: ٩٠٣]

[2071] حضرت عائشہ ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام ؓ خود محنت مزدوری کرتے تھے جس کی بنا پر ان کے جسم سے پسینے وغیرہ کی بو آتی تھی۔ ایسے حالات میں ان سے کہا گیا: اگر تم غسل کر لیتے تو بہتر ہوتا۔ اسے ہمام نے ہشام سے، انھوں نے اپنے باپ (عروہ) سے، انھوں نے حضرت عائشہ ؓ سے بیان کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کے بعد صحابۂ کرام ؓ گزر اوقات کے لیے خود مشقت کرتے تھے اور اپنے ہاتھوں سے تجارت، زراعت اور محنت مزدوری کرتے تھے۔ چونکہ اس وقت غربت کا دور تھا، اس لیے وہ اون کے موٹے کپڑے پہنتے، جب انھی کپڑوں میں جمعہ پڑھنے کے لیے مسجد آتے تو پسینہ آنے کی وجہ سے ان کے جسم سے ناگوار قسم کی بو آتی، اس لیے انھیں تلقین کی گئی کہ اگر غسل کر لیا جائے تو بہتر ہے تاکہ اس ناگوار بو سے دوسروں کو تکلیف نہ ہو۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام ؓ خود محنت و مشقت کرتے تھے، دوسروں پر بوجھ بننا انھیں گوارا نہ تھا۔

٢٠٧٢ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنِي [عِيسَى بْنُ يُونُسَ] عَنْ ثَوْرٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ، عَنِ الْمِقْدَامِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ».

[2072] حضرت مقدام بن معدیکرب ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "کسی شخص نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے زیادہ پاک کھانا کبھی نہیں کھایا اور اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داود ؑ بھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے۔"

٢٠٧٣ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ: حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ: «أَنَّ دَاوُدَ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ لَا يَأْكُلُ إِلَّا مِنْ عَمَلِ يَدِهِ». [انظر: ٣٤١٧، ٤٧١٣]

[2073] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں: "اللہ کے نبی حضرت داود ؑ اپنے ہاتھ کی کمائی ہی سے کھاتے تھے۔"

---

1 فتح الباري: 386/4.

فوائد و مسائل: ⓵ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کا بہترین کسب وہ ہے جو اپنے ہاتھ سے کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلے میں سیدنا داود علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور لوہے کے کسب کے بہتر اور پاکیزہ ہونے کی دلیل بنائی۔ حضرت داود علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم نے بیان کیا ہے کہ وہ زرہیں بناتے تھے۔ وہ اگرچہ ان کے محتاج نہیں تھے کیونکہ وہ زمین میں اللہ کے خلیفہ تھے، تاہم انھوں نے کھانے پینے اور گھر کے گزر اوقات کے لیے افضل اور بہتر طریقہ اختیار فرمایا۔ ⓶ واضح رہے کہ معیشت کے بنیادی ذرائع تین ہیں: زراعت، تجارت اور صنعت و حرفت۔ بعض حضرات نے تجارت کو افضل کہا ہے جبکہ کچھ حضرات زراعت کے پیشے کو بہتر قرار دیتے ہیں۔ بہر صورت جو کمائی انسان کے ہاتھ سے حاصل ہو اسے حدیث میں بہتر اور پاکیزہ کہا گیا ہے۔[1]

٢٠٧٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَأَنْ يَحْتَطِبَ أَحَدُكُمْ حُزْمَةً عَلَى ظَهْرِهِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ أَحَدًا فَيُعْطِيَهُ أَوْ يَمْنَعَهُ».

[راجع: ١٤٧٠]

[2074] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص لکڑیاں جمع کرکے گٹھا بنا کر اپنی پیٹھ پر لاد لے، یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی سے سوال کرے وہ اسے دے یا نہ دے۔“

٢٠٧٥ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ أَحْبُلَهُ».

[راجع: ١٤٧١]

[2075] حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص اپنی رسیوں کو لے (اور لکڑیاں اکٹھی کرکے لائے) تو ایسا کرنا لوگوں کے سامنے دست سوال پھیلانے سے بہتر ہے۔“

فائدہ: اس حدیث میں ایک سچے مسلمان کی علامت بیان ہوئی ہے کہ وہ محنت مزدوری کرکے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہے، دوسروں کے سامنے دست سوال نہیں پھیلاتا کیونکہ اس میں ذلت و رسوائی ہے۔ مسلمان کبھی دوسروں کے سامنے خود کو ذلیل و خوار نہیں کرتا۔ مسند احمد میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا: کون سی کمائی زیادہ پاک اور اچھی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ”آدمی کا اپنے ہاتھ سے کوئی کام کرنا، نیز ہر تجارت جو دیانت داری کے ساتھ ہو۔“[2] اس سے معلوم ہوا کہ سب سے اچھی کمائی تو وہ ہے جو خود اپنے دست و بازو اور محنت سے کی جائے اور اس تجارت کی کمائی بھی پاکیزہ ہے جو شریعت کے احکام کے مطابق اور دیانت داری کے ساتھ ہو۔ واللہ أعلم.

---

(1) فتح الباري 387/4. (2) مسند أحمد 141/4.

(١٦) بَابُ السُّهُولَةِ وَالسَّمَاحَةِ فِي الشِّرَاءِ وَالْبَيْعِ، وَمَنْ طَلَبَ حَقًّا فَلْيَطْلُبْهُ فِي عَفَافٍ

٢٠٧٦ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «رَحِمَ اللهُ رَجُلًا سَمْحًا إِذَا بَاعَ، وَإِذَا اشْتَرَى، وَإِذَا اقْتَضَى».

باب: 16- خرید و فروخت کے وقت آسانی اور کشادہ دلی کرنا اور پاکیزہ انداز سے حق طلبی کرنا

[2076] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو بیچتے، خریدتے اور تقاضا کرتے وقت نرمی اور کشادہ دلی کا مظاہرہ کرے۔''

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل کرے جو فروخت کرتے، خریدتے، حقوق کا تقاضا اور ان کی ادائیگی کے وقت خوش دلی اختیار کرتا ہے۔[1] ② اس سے معلوم ہوا کہ معاملات میں خندہ پیشانی اور کشادہ روئی سے پیش آنا چاہیے، نیز تنگ دلی اور خود غرضی سے بچنا چاہیے۔ ③ حدیث میں دعا اور خبر دونوں کا احتمال ہے لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ کی بیان کردہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی معین شخص کے متعلق خبر دی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ نے تم سے پہلے ایک ایسے شخص کو معاف کر دیا جو خرید و فروخت کے وقت نرمی اختیار کرتا تھا۔[2] بہرحال ایسے معاملات میں اچھے اخلاق کو اختیار کرنا چاہیے کیونکہ ان امور سے مال میں برکت ہوتی ہے۔

(١٧) بَابُ مَنْ أَنْظَرَ مُوسِرًا

٢٠٧٧ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ: أَنَّ رِبْعِيَّ بْنَ حِرَاشٍ حَدَّثَهُ: أَنَّ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «تَلَقَّتِ الْمَلَائِكَةُ رُوحَ رَجُلٍ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَقَالُوا: أَعَمِلْتَ مِنَ الْخَيْرِ شَيْئًا؟ قَالَ: كُنْتُ آمُرُ فِتْيَانِي أَنْ يُنْظِرُوا وَيَتَجَاوَزُوا عَنِ الْمُوسِرِ - قَالَ - فَتَجَاوَزُوا عَنْهُ».

باب: 17- جس شخص نے کسی مالدار کو مہلت دی

[2077] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''پہلے زمانے میں فرشتوں نے ایک شخص کی روح سے ملاقات کے وقت پوچھا: کیا تو نے کوئی نیک کام کیا ہے؟ اس نے کہا: میں اپنے ملازمین کو یہ حکم دیتا تھا کہ وہ تنگ دست کو ادائیگی میں مہلت دیں اور مال دار سے بھی نرمی کریں تو انھوں نے بھی اس سے نرمی اختیار فرمائی۔''

[1] سنن النسائي، البيوع، حديث: 4700. [2] جامع الترمذي، الأحكام، حديث: 1320.

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَقَالَ أَبُو مَالِكٍ عَنْ رِبْعِيٍّ: «كُنْتُ أُيَسِّرُ عَلَى الْمُوسِرِ وَأُنْظِرُ الْمُعْسِرَ».

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمۃ اللہ) کہتے ہیں کہ ابومالک کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "میں مالداروں سے آسانی کرتا اور غریبوں کو مہلت دیتا تھا۔"

وَتَابَعَهُ شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ رِبْعِيٍّ.

شعبہ نے ابومالک کی متابعت کی ہے۔

وَقَالَ أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ رِبْعِيٍّ: «أُنْظِرُ الْمُوسِرَ وَأَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ».

ابوعوانہ کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: "میں مالدار کو مہلت دیتا اور نادار سے درگزر کرتا تھا۔"

وَقَالَ نُعَيْمُ بْنُ أَبِي هِنْدٍ عَنْ رِبْعِيٍّ: «فَأَقْبَلُ مِنَ الْمُوسِرِ وَأَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ». [انظر: ٢٣٩١، ٣٤٥١]

ایک دوسری روایت بایں الفاظ ہے: "میں مالدار کا عذر قبول کرتا اور غریب سے درگزر کرتا تھا۔"

فوائد و مسائل: ① قرض دار اگرچہ مال دار ہی کیوں نہ ہو اس سے بھی درگزر والا معاملہ کرنا چاہیے۔ اس پر سختی نہ کی جائے۔ اگر وہ مزید مہلت طلب کرے تو خوش دلی کے ساتھ اسے مہلت دی جائے۔ ② مال دار کون ہے؟ اس کی تعریف میں اختلاف ہے، تاہم حالات و ظروف کے پیش نظر بعض اوقات انسان ایک درہم کمانے سے غنی ہو جاتا ہے اور کبھی ہزار درہم رکھنے کے باوجود فقیر ہوتا ہے کیونکہ اس کے ہاں اہل و عیال کی کثرت ہوتی ہے۔ ③ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ انتہائی مہربان ہے۔ وہ معمولی سی نیکی کے عوض بہت بڑے گناہ گار کو معاف کر دیتا ہے کیونکہ انسان جب اچھی نیت سے کوئی نیکی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وہ خسارے میں نہیں رہتا۔ ④ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مال دار کو مہلت دینے میں اس کے ظلم کا ساتھ دینا ہے، اس میں اجر و ثواب کی امید نہیں رکھی جا سکتی لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ نے اس موقف کی تردید فرمائی ہے اور وضاحت کیا ہے کہ مال دار کو مہلت دینے میں اجر ملے گا۔ بہرحال عرف عام میں جو بھی مال دار ہو اس کے ساتھ بھی حسن سلوک اور اچھے برتاؤ سے پیش آنا چاہیے۔ ⑤ حدیث کے آخر میں [قال فتجاوزوا عنه] کا ترجمہ ہم نے یہ کیا ہے: "انھوں نے بھی اس سے نرمی اختیار کی۔" اس لفظ کی دو صورتیں ہیں: اگر [فتجاوزوا عنه] ہو اور فعل ماضی ہو تو اس کے معنی وہی ہوں گے جو ہم نے کیے ہیں، یعنی نبی ﷺ نے فرمایا: "فرشتوں نے اس سے نرمی اختیار کی۔" اور [فتجاوزوا عنه] اگر فعل امر ہو تو پھر معنی ہوں گے: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: "تم بھی اس کے ساتھ نرمی کرو۔" صحیح مسلم وغیرہ سے دوسرے معنی کی تائید ہوتی ہے۔[1]

(١٨) بَابُ مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا

باب: 18- جس شخص نے کسی تنگ دست کو مہلت دی

٢٠٧٨ - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ: حَدَّثَنَا يَحْيَى

[2078] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی

---

① صحیح مسلم، المساقاۃ، حدیث: 3993 (1560)۔

ابْنُ حَمْزَةَ: حَدَّثَنَا الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «كَانَ تَاجِرٌ يُدَايِنُ النَّاسَ فَإِذَا رَأَى مُعْسِرًا قَالَ لِفِتْيَانِهِ: تَجَاوَزُوا عَنْهُ لَعَلَّ اللهَ أَنْ يَتَجَاوَزَ عَنَّا، فَتَجَاوَزَ اللهُ عَنْهُ». [انظر: ٣٤٨٠]

ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”ایک تاجر شخص لوگوں سے قرض کا لین دین کرتا تھا۔ جب وہ دیکھتا کہ کوئی تنگ دست آدمی ہے تو اپنے اہل کاروں سے کہتا کہ قرض معاف کر دو، شاید اللہ ہمیں معاف کر دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سے درگزر کا معاملہ فرمایا۔“

فوائد ومسائل: ① قرآن کریم میں ہے: ﴿وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ ”اگر مقروض تنگ دست ہو تو اسے آسانی تک مہلت دینا لازم ہے اور اگر تم اس پر صدقہ کر دو تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے۔“[1] لہٰذا غریب اور نادار آدمی پر مہربانی کرنی چاہیے جس کی دو صورتیں ہیں: ٭ اسے حالات درست ہونے تک مزید مہلت دی جائے۔ ٭ اسے قرض بالکل معاف کر دیا جائے۔ ② صحیح مسلم کی روایت کے مطابق ایسے شخص کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص کسی تنگ دست کو مہلت دیتا ہے یا اسے معاف کر دیتا ہے تو قیامت کے دن اللہ اسے اپنے عرش کے سائے تلے جگہ دے گا۔“[2] ایک دوسری حدیث میں ہے: ”جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اسے قیامت کے دن پریشانیوں سے نجات مل جائے تو اسے چاہیے کہ تنگ دست مقروض کو مزید مہلت دے یا اسے قرض معاف کر دے۔“[3]

(١٩) بَابٌ: إِذَا بَيَّنَ الْبَيِّعَانِ وَلَمْ يَكْتُمَا وَنَصَحَا

باب: 19- جب خرید و فروخت کرنے والے دونوں وضاحت کر دیں، کوئی چیز نہ چھپائیں اور خیر خواہی کریں

وَيُذْكَرُ عَنِ الْعَدَّاءِ بْنِ خَالِدٍ، قَالَ: كَتَبَ لِي النَّبِيُّ ﷺ: «هَذَا مَا اشْتَرَى مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنَ الْعَدَّاءِ بْنِ خَالِدٍ، بَيْعَ الْمُسْلِمِ مِنَ الْمُسْلِمِ، لَا دَاءَ وَلَا خِبْثَةَ وَلَا غَائِلَةَ».

حضرت عداء بن خالد ؓ سے بیان کیا جاتا ہے، انھوں نے کہا: مجھے نبی ﷺ نے یہ لکھ کر دیا: ”یہ وہ ہے جسے محمد رسول اللہ ﷺ نے عداء بن خالد سے خرید کیا ہے۔ یہ سودا مسلمان کا مسلمان سے ہے۔ اس میں نہ تو کوئی بیماری ہے اور نہ کوئی عیب اور غائلہ ہی ہے۔“

وَقَالَ قَتَادَةُ: الْغَائِلَةُ: الزِّنَا وَالسَّرِقَةُ وَالْإِبَاقُ.

حضرت قتادہ نے کہا کہ غائلہ سے مراد زنا کاری، چوری اور بھاگ جانا ہے۔

---

1 البقرة 2:280. 2 صحیح مسلم، الزهد، حدیث: 7512 (3006). 3 صحیح مسلم، المساقاة، حدیث: 4000 (1563).

وَقِيلَ لِإِبْرَاهِيمَ: إِنَّ بَعْضَ النَّخَّاسِينَ يُسَمِّي آرِيَّ خُرَاسَانَ وَسِجِسْتَانَ، فَيَقُولُ: جَاءَ أَمْسِ مِنْ خُرَاسَانَ، جَاءَ الْيَوْمَ مِنْ سِجِسْتَانَ، فَكَرِهَهُ كَرَاهَةً شَدِيدَةً.

حضرت ابراہیم نخعی سے کہا گیا کہ بعض دلال خراسان اور سجستان کے اصطبل کا نام لے کر کہتے ہیں کہ یہ جانور کل خراسان سے آیا ہے اور یہ آج سجستان سے آیا ہے تو انھوں نے اس انداز کو سخت ناپسند کیا۔

وَقَالَ عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ: لَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يَبِيعُ سِلْعَةً يَعْلَمُ أَنَّ بِهَا دَاءً إِلَّا أَخْبَرَهُ.

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ دیدہ دانستہ کسی عیب دار چیز کو فروخت کرے مگر اسے اس کے متعلق آگاہ کر دینا چاہیے۔

وضاحت: حضرت عداء بن خالد رضی اللہ عنہ سے متعلق دستاویز ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں متصل سند سے بیان ہوئی ہے۔[1] حضرت قتادہ کی تفسیر کو امام ابن منده نے بیان کیا ہے۔ ابراہیم نخعی کا قول امام ابن ابی شیبہ نے متصل سند سے ذکر کیا ہے۔[2] حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام احمد، امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے متصل سند سے روایت کیا ہے۔[3] ان روایات کا حاصل یہ ہے کہ فروخت کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اپنی چیز کے متعلق پوری پوری معلومات فراہم کرے، کسی چیز کو چھپا کر نہ رکھے، خریدار سے کوئی فریب اور دھوکا روا نہ رکھے، اس سے خرید و فروخت کی برکت برقرار رہتی ہے بصورت دیگر برکت ختم کر دی جاتی ہے۔[4]

٢٠٧٩ – حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ صَالِحٍ أَبِي الْخَلِيلِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ رَفَعَهُ إِلَى حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا - أَوْ قَالَ: حَتَّى يَتَفَرَّقَا - فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَتَمَا وَكَذَبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا». [انظر: ٢٠٨٢، ٢١٠٨، ٢١١٠، ٢١١٤]

[2079] حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”خریدنے اور بیچنے والے دونوں کو اختیار ہے جب تک جدا نہ ہوں..... یا یہ فرمایا: یہاں تک کہ علیحدہ ہو جائیں..... اگر وہ سچ بولیں اور عیب و ہنر ظاہر کر دیں تو انھیں ان کی اس تجارت میں برکت دی جائے گی اور اگر جھوٹ بولیں یا عیب چھپائیں تو بیع کی برکت ختم کر دی جائے گی۔“

فوائد و مسائل: ① فروخت کرنے والا اور خریدار اگر دونوں سچ بولیں، فروخت کردہ چیز اور قیمت میں کسی قسم کا ابہام یا پوشیدگی نہ رکھیں تو ان کی بیع نفع مند اور ثمر آور ہوگی بصورت دیگر اس کی برکت ختم کر دی جائے گی، یعنی حصول برکت کے لیے

---

1 جامع الترمذي، البيوع، حديث: 1216. 2 المصنف لابن أبي شيبة: 7/391. 3 سنن ابن ماجه، التجارات، حديث: 2246. 4 فتح الباري: 4/393.

شرط یہ ہے کہ سچائی اور ہر معاملے کی وضاحت ہو اور برکت ختم اس وقت ہوگی جب جھوٹ اور ابہام پایا جائے گا۔ اگر فروخت کرنے والے یا خریدار میں سے کسی ایک نے صداقت اور اظہار کا مظاہرہ کیا لیکن دوسرے نے جھوٹ اور کتمان سے کام لیا تو کیا برکت حاصل ہوگی یا نہیں؟ حدیث کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ صداقت اور وضاحت کرنے والے کو اللہ سے اجر و ثواب ملے گا اور جھوٹ بولنے والا قیامت کے دن عتاب و سزا کا حقدار ہوگا۔[1] اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہوں کی نحوست دنیا و آخرت کی برکات کو ختم کر دیتی ہے۔ ② بیع پختہ ہونے کے بعد اسے ختم کرنے کے لیے تین اختیارات ہیں: خیار مجلس، خیار شرط اور خیار عیب۔ ان تینوں کی وضاحت ہم آئندہ کریں گے۔

(۲۰) بَابُ بَيْعِ الْخِلْطِ مِنَ التَّمْرِ

باب: 20- (مختلف قسم کی) ملی جلی کھجوریں بیچنا

۲۰۸۰ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا نُرْزَقُ تَمْرَ الْجَمْعِ وَهُوَ الْخِلْطُ مِنَ التَّمْرِ، وَكُنَّا نَبِيعُ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا صَاعَيْنِ بِصَاعٍ، وَلَا دِرْهَمَيْنِ بِدِرْهَمٍ».

[2080] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہمیں خوراک کے طور پر ہر قسم کی ملی جلی کھجوریں ملا کرتی تھیں۔ ہم ان کے دو صاع عمدہ کھجوروں کے ایک صاع کے عوض بیچ ڈالتے تھے۔ اس کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا: "دو صاع کھجور کا ایک صاع کھجور کے عوض فروخت کرنا درست نہیں اور نہ ہی دو درہم ایک درہم کے عوض فروخت کرنا جائز ہے۔"

فائدہ: یہ حکم تمام اشیائے خوردنی کا ہے۔ جب ایک جنس کا باہمی تبادلہ کیا جائے تو کمی بیشی اور ادھار جائز نہیں، البتہ اس مقام پر امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اس قسم کی مخلوط کھجوروں کی بیع جائز ہے کیونکہ ان میں جو کچھ عیب ہے وہ ظاہر ہے اور جو عمدگی ہے وہ بھی واضح ہے، کوئی دھوکا بازی یا فریب کاری نہیں ہے، لہذا ایسی مخلوط کھجوریں فروخت کی جا سکتی ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کو ضرور ملحوظ رکھا جائے جو حدیث میں بیان ہوئی ہے کیونکہ کھجوریں ردی ہوں یا اعلیٰ، یہ سب ایک ہی جنس ہیں، باہمی تبادلے کے وقت ایک ہی جنس میں نفع لینا جائز نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: اس سے مراد مختلف قسم کی کھجوروں کا ملا جلا ڈھیر ہے لیکن اگر اس طرح کی کھجوریں مکس شدہ ہوں، عمدہ کھجوریں نظر آئیں اور ردی کھجوریں نظروں سے اوجھل رہیں تو اس صورت میں ان کی فروخت جائز نہیں ہوگی۔[2]

(۲۱) بَابُ مَا قِيلَ فِي اللَّحَّامِ وَالْجَزَّارِ

باب: 21- گوشت بیچنے والے اور قصاب کے متعلق جو کہا گیا ہے

۲۰۸۱ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي:

[2081] حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

---

① فتح الباري: 394/4. ② فتح الباري: 394/4.

حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنِي شَقِيقٌ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ يُكْنَى أَبَا شُعَيْبٍ فَقَالَ لِغُلَامٍ لَهُ قَصَّابٍ: اِجْعَلْ لِي طَعَامًا يَكْفِي خَمْسَةً مِّنَ النَّاسِ فَإِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَدْعُوَ النَّبِيَّ ﷺ خَامِسَ خَمْسَةٍ، فَإِنِّي قَدْ عَرَفْتُ فِي وَجْهِهِ الْجُوعَ، فَدَعَاهُمْ فَجَاءَ مَعَهُمْ رَجُلٌ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ هٰذَا قَدْ تَبِعَنَا فَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَأْذَنَ لَهُ [فَأْذَنْ لَهُ] وَإِنْ شِئْتَ أَنْ يَرْجِعَ رَجَعَ»، فَقَالَ: لَا، بَلْ قَدْ أَذِنْتُ لَهُ. [انظر: 2456، 5434، 5461]

انھوں نے فرمایا کہ انصار کا ایک آدمی آیا جس کی کنیت ابوشعیب تھی، اس نے اپنے قصاب غلام سے کہا: میرے لیے کھانا تیار کرو جو پانچ اشخاص کو کافی ہو کیونکہ میرا ارادہ نبی ﷺ سمیت پانچ آدمیوں کی دعوت کرنے کا ہے اس لیے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور پر بھوک کے اثرات دیکھ رہا ہوں۔ پھر اس نے ان حضرات کو دعوت دی تو ان کے ساتھ ایک اور آدمی بھی شامل ہو گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ شخص ہمارے ساتھ چلا آیا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اجازت دے دیں اور اگر آپ اس کا واپس چلا جانا پسند کریں تو یہ واپس چلا جائے گا۔'' اس نے عرض کیا: نہیں بلکہ میں اس کو بھی اجازت دیتا ہوں۔

فوائد و مسائل: ① لحّام، گوشت بیچنے والے کو اور جزار، اونٹ ذبح کرنے والے کو کہتے ہیں، جبکہ قصاب بکریاں وغیرہ ذبح کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔ جب جواز یا کراہت کا حکم ایک قسم میں ثابت ہو گیا تو عموم علت کی وجہ سے باقی قسموں میں بھی ثابت ہو گا۔ ② حدیث میں قصاب کا ذکر ہے کہ اس کا پیشہ اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس بنا پر گوشت بیچنے اور اونٹ ذبح کرنے کا پیشہ اختیار کرنا بھی جائز ہے۔ البتہ امام بخاری رحمہ اللہ کے ذوق کے مطابق اس حدیث کی وضاحت بایں طور ہو گی کہ جب ملی جلی کھجوروں کی خرید و فروخت جائز ہے تو گوشت کا ہڈیوں سمیت بیچنا بھی جائز ہے۔ آپ نے پہلے عنوان سے کچھ ترقی کی ہے کیونکہ ردی اور عمدہ کھجوریں ایک ہی جنس سے تھیں جبکہ چھیچھڑے اور ہڈیاں، گوشت کی قسم نہیں ہیں، اس کے باوجود گوشت کے ساتھ چھیچھڑے اور ہڈیاں فروخت کرنا جائز ہے۔ ③ واضح رہے کہ بن بلائے مہمان کو طفیلی کہا جاتا ہے۔ اگر صاحب خانہ اسے اجازت دے تو وہ شامل ہو سکتا ہے بصورت دیگر اسے واپس جانا ہو گا۔ واللہ أعلم۔

(۲۲) بَابُ مَا يَمْحَقُ الْكَذِبُ وَالْكِتْمَانُ فِي الْبَيْعِ

باب: 22- خرید و فروخت میں جھوٹ بولنا اور عیب چھپانا برکت کو ختم کر دیتا ہے

۲۰۸۲ - حَدَّثَنَا بَدَلُ بْنُ الْمُحَبَّرِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْخَلِيلِ يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْبَيِّعَانِ

[2082] حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''خریدنے اور بیچنے والے کو اختیار ہے جب تک وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔۔۔ یا فرمایا: تاآنکہ وہ متفرق ہو جائیں۔۔۔ اگر

بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا - أَوْ قَالَ: حَتَّى يَتَفَرَّقَا - فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَتَمَا وَكَذَبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا». [راجع: ٢٠٧٩]

وہ سچ بولیں اور عیب کی وضاحت کر دیں تو ان کی خرید و فروخت میں برکت ہوگی۔ اس کے برعکس اگر وہ عیب چھپا گیا اور جھوٹ بولیں تو اس خرید و فروخت کی برکت مٹا دی جائے گی۔"

فائدہ: جھوٹ اور عیوبِ اشیائے فروخت کی برکت کو ختم کر دیتے ہیں، لیکن اگر بیچنے والا سودے کی تعریف میں جھوٹ بولے اور اس کے عیب چھپائے، اسی طرح خریدار بھی قیمت کی ادائیگی میں جعل سازی یا فریب کاری کرے تو ان سے اللہ تعالیٰ کی برکت اٹھ جاتی ہے۔ خریدار کی طرف سے جعل سازی یہ ہے کہ جعلی چیک، فروخت کرنے والے کو دے دے یا چیک تو اصل ہو لیکن اس کے بنک میں پیسے نہ ہوں، اسی طرح جعلی کرنسی اور کھوٹے نوٹ دینے کا بھی یہی حکم ہے۔

(٢٣) بَابُ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً﴾ الْآيَةَ [آل عمران: ١٣٠].

باب: 23- ارشاد باری تعالیٰ: "ایمان والو! سود در سود مت کھاؤ ---" کا بیان

٢٠٨٣ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ بِمَا أَخَذَ الْمَالَ أَمِنْ حَلَالٍ أَمْ مِنْ حَرَامٍ». [راجع: ٢٠٥٩]

[2083] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "لوگوں پر ایسا وقت آئے گا کہ آدمی اس بات کی پروا نہیں کرے گا کہ اس نے مال کیسے حاصل کیا۔ حلال ذرائع سے یا حرام طریقوں سے کمایا۔"

فوائد و مسائل: ① زمانۂ جاہلیت کا رواج تھا کہ جب قرض کی مدت ختم ہو جاتی تو اگر مقروض اپنا قرض ادا کر دیتا تو بہتر بصورت دیگر مدت بڑھا دی جاتی اور اس کا سود بھی بڑھا دیا جاتا۔ ہر سال اسی طرح کرتے حتی کہ اصل زر سے سود کی رقم کئی گنا بڑھ جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ سود در سود کی وضاحت سے اس کی قباحت اور شناعت کو بیان کرنا ہے جس کا وہ ارتکاب کرتے تھے کہ ایک درہم قرض دے کر سو کئی درہم وصول کرتے تھے۔ ② حدیث کی عنوان سے اس طرح مناسبت ہے کہ سود خور کی بلا سود کھا کر پروا نہیں کرتا کہ حلال کھا رہا ہے یا حرام سے پیٹ بھر رہا ہے۔ ③ رسول اللہ ﷺ کا اصل مقصد امت کو خبردار کرنا ہے کہ ایک وقت آنے والا ہے جب سود کی وبا عام ہو جائے گی اور اس سے محفوظ رہنا بہت ہی دشوار ہوگا۔ اَللّٰھُمَّ احفظنا منہ، آمین۔

(۲۴) بَابُ آكِلِ الرِّبَا وَشَاهِدِهِ وَكَاتِبِهِ

باب: 24- سود کھانے والا، اس کے متعلق گواہی دینے والا اور اسے لکھنے والا (سب گناہ میں برابر ہیں)

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ﴾ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ [البقرة: ۲۷۵]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ یوں کھڑے ہوں گے جیسے (شیطان نے کسی شخص کو چھو کر مخبوط الحواس بنا دیا ہو) ..... آخر آیت تک۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کا اس آیت کریمہ کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مذکورہ آیت احکام سود کو بیان کرنے والی ہے۔ ممکن ہے کہ آپ نے اس عنوان سے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہو جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سود کھانے والا، کھلانے والا، گواہی دینے والا اور اسے تحریر میں لانے والا، سب ملعون ہیں اور گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔''[1] اس وعید کی روشنی میں ایک مسلمان کا کام تو یہی ہونا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کر دیا تو اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے، خواہ اسے سود اور تجارت کا فرق کچھ میں آئے یا نہ آئے۔ واضح رہے کہ سود اور تجارت میں فرق یہ ہے کہ سود میں ایک طے شدہ شرح کے مطابق یقینی منافع ہوتا ہے جبکہ تجارت میں منافع کے ساتھ نقصان کا احتمال بھی موجود ہوتا ہے، نیز تجارت میں ایک دوسرے سے ہمدردی، مروت اور مل جل کر کام کرنے کا جذبہ پروان چڑھتا ہے جبکہ سود کی صورت میں سود خور کو محض اپنے مفاد سے غرض ہوتی ہے۔ بہرحال سود کی حرمت پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور یہ ایک کبیرہ گناہ ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔

٢٠٨٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَمَّا نَزَلَتْ آخِرُ الْبَقَرَةِ قَرَأَهُنَّ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْهِمْ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ حَرَّمَ التِّجَارَةَ فِي الْخَمْرِ. [راجع: ٤٥٩]

[2084] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب سورۂ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو نبی ﷺ نے انھیں مسجد میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو پڑھ کر سنایا، پھر شراب کی تجارت کو حرام کر دیا۔

فوائد و مسائل: ① سورۂ بقرہ کی آخری آیات میں سود کی حرمت بیان کی گئی ہے اور سود کی لین دین کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کرنا قرار دیا گیا ہے۔ ② اگرچہ شراب کی حرمت سورۂ مائدہ میں آیت ربا سے کافی مدت پہلے نازل ہو چکی تھی۔ اس وقت بھی رسول اللہ ﷺ نے اس کی تجارت کو حرام قرار دیا تھا اور اس کا اعلان بھی کر دیا تھا، پھر جب آیت ربا نازل ہوئی تو دوبارہ تاکید اور یاد دہانی کے طور پر اس کی حرمت بیان فرمائی۔ ③ واضح رہے کہ سورۂ بقرہ کے آخر میں قرض کے تحریر

[1] صحیح مسلم، البیوع، حدیث: 4093 (1598).

کرنے اور خرید و فروخت کے وقت گواہ بنانے کا ذکر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ناجائز تجارت، یعنی سودی معاملات کو لکھنا اور اس کے متعلق گواہی دینا جائز نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی مقصد کے لیے یہ حدیث بیان کی ہے۔[1]

٢٠٨٥ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ: حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ أَتَيَانِي فَأَخْرَجَانِي إِلَى أَرْضٍ مُقَدَّسَةٍ فَانْطَلَقْنَا حَتَّى أَتَيْنَا عَلَى نَهَرٍ مِنْ دَمٍ فِيهِ رَجُلٌ قَائِمٌ، وَعَلَى وَسَطِ النَّهَرِ رَجُلٌ بَيْنَ يَدَيْهِ حِجَارَةٌ، فَأَقْبَلَ الرَّجُلُ الَّذِي فِي النَّهَرِ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ رَمَى الرَّجُلُ بِحَجَرٍ مِنَ الْحِجَارَةِ فِي فِيهِ فَرَدَّهُ حَيْثُ كَانَ، فَجَعَلَ كُلَّمَا جَاءَ لِيَخْرُجَ رَمَى فِي فِيهِ بِحَجَرٍ فَيَرْجِعُ كَمَا كَانَ، فَقُلْتُ: مَا هٰذَا؟ فَقَالَ: الَّذِي رَأَيْتَهُ فِي النَّهَرِ: آكِلُ الرِّبَا». [راجع: ٨٤٥]

[2085] حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ”میں نے آج رات خواب میں دو مرد دیکھے جو میرے پاس آئے اور مجھے بیت المقدس کی طرف لے گئے۔ ہم چلتے رہے حتی کہ خون کی نہر پر آئے جس میں ایک آدمی کھڑا تھا اور نہر کے درمیان میں ایک آدمی تھا جس کے آگے پتھر رکھے ہوئے تھے۔ جب دوسرا آدمی نہر سے نکلنے کا ارادہ کرتا تو وہ اس کے منہ پر پتھر مار کر اسے وہیں واپس کر دیتا جہاں وہ تھا۔ میں نے کہا: یہ کیا معاملہ ہے؟ تو ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ جس شخص کو آپ نے خونی نہر میں دیکھا ہے وہ سود خور ہے۔“

فوائد و مسائل: ① صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے: جس شخص کے آگے پتھر پڑے تھے وہ نہر کے درمیان میں نہیں بلکہ نہر کے کنارے پر کھڑا تھا۔ سیاق و سباق کے اعتبار سے یہی بات صحیح ہے۔ یہ ایک طویل حدیث ہے جو کتاب التعبیر میں بیان ہوگی۔[1] ② اس حدیث میں قیامت کے دن سود خور کو ملنے والے عذاب کی ایک جھلک دکھائی گئی ہے کہ دنیا میں اس نے لوگوں کا خون چوس چوس کر دولت جمع کی، قیامت کے دن وہی خون ایک نہر کی صورت اختیار کرے گا جس میں اسے غوطے دیے جائیں گے۔ ③ اس حدیث میں اگرچہ سود لکھنے اور اس پر گواہی دینے کا ذکر نہیں ہے، تاہم یہ لوگ سود خور کے معاون ہیں، اس لیے حکم کے اعتبار سے انھیں سود خور کے ساتھ ہی ملایا گیا ہے۔[2]

(٢٥) بَابُ مُوكِلِ الرِّبَا

باب: 25- سود کھلانے والے کا بیان

لِقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اگر تم واقعی مومن ہو تو جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ

[1] فتح الباري: 397/4. [2] صحيح البخاري، التعبير، حديث: 7047. [3] فتح الباري: 397/4.

﴿فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۝ وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾

[البقرة: ٢٧٨-٢٨١].

دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان سن لو۔ اور اگر توبہ کر لو تو تم صرف اپنے اصل مال کے حقدار ہو۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو اسے آسانی تک مہلت دینا (لازم) ہے۔ اور یہ کہ تم (راس المال) صدقہ کر دو تو یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔ اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر وہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: هٰذِهِ آخِرُ آيَةٍ نَزَلَتْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آخری آیت ہے جو نبی ﷺ پر نازل ہوئی۔

وضاحت: امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس اثر کو خود ہی کتاب التفسیر (حدیث: 4544) میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔

٢٠٨٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ، قَالَ: رَأَيْتُ أَبِي اشْتَرَى عَبْدًا حَجَّامًا، فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَثَمَنِ الدَّمِ، وَنَهَى عَنِ الْوَاشِمَةِ وَالْمَوْشُومَةِ، وَآكِلِ الرِّبَا وَمُوكِلِهِ، وَلَعَنَ الْمُصَوِّرَ. [انظر: ٢٢٣٨، ٥٣٤٧، ٥٩٤٥، ٥٩٦٢]

[2086] حضرت عون بن ابو جحیفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد گرامی کو دیکھا، انھوں نے ایک غلام خریدا جو پچھنے لگاتا تھا۔ میں نے اس کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے کتے اور خون کی قیمت لینے سے منع فرمایا، نیز گودنے اور گدوانے، سود لینے اور دینے سے بھی منع فرمایا۔ علاوہ ازیں تصویر کشی کرنے والے پر آپ نے لعنت فرمائی ہے۔

فوائد و مسائل: ① صحیح بخاری کی ایک روایت میں وضاحت ہے، حضرت عون رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے باپ نے ایک غلام خریدا جو پچھنے لگاتا تھا۔ میرے باپ نے اس کے وہ تمام آلات توڑ دیے جن کے ذریعے سے وہ پچھنے لگاتا تھا۔ میں نے ان کے آلات توڑنے کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے یہ جواب دیا جو حدیث بالا میں مذکور ہے۔[1] ② اس حدیث میں چھ احکام بیان ہوئے ہیں جن میں ایک سود کھانے اور کھلانے سے متعلق ہے۔ اگرچہ سود کا نفع کھانے والے کو حاصل ہوتا ہے تاہم گناہ میں

[1] صحیح البخاري، البیوع، حدیث: 2238.

دونوں برابر کے شریک ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ ④ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جاندار کی تصویر کشی حرام ہے۔ تصویر خواہ عکسی ہو یا مجسم دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ البتہ بے جان چیزوں کی تصویر بنانے میں کوئی حرج نہیں، مثلاً: درخت، پہاڑ، یا دریا وغیرہ کیونکہ ان کی تصویر کسی قسم کے فتنے کا باعث نہیں ہے۔ تصویر کے متعلق ہم اپنی گزارشات کتاب اللباس میں بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ۔ علاوہ ازیں کتے کی خرید و فروخت، سنگی لگوانے کی اجرت، جسم کے کسی حصے میں سرمہ بھرنا، ان کے مسائل بھی آئندہ بیان ہوں گے۔

(٢٦) بَابٌ: ﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ﴾

[البقرة: ٢٧٦]

باب: 26- ارشاد باری تعالیٰ: ”اللہ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے بدعمل انسان کو پسند نہیں کرتا“ کا بیان

وضاحت: ناشکرے سے مراد وہ سود خور ہے جس کے پاس اپنی ضروریات سے زائد رقم موجود ہے لیکن وہ اپنے کسی محتاج بھائی کی مدد نہیں کرتا، نہ اسے بطور قرض حسنہ دینے پر آمادہ ہوتا ہے، حالانکہ یہ زائد رقم اس پر اللہ کا فضل تھا، اسے صدقہ یا قرض دے کر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے تھا مگر اس نے الٹا زائد رقم کو سود پر دے کر اللہ کے فضل کی انتہائی ناشکری کی، لہٰذا اس سے بڑھ کر بدعملی اور گناہ کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

٢٠٨٧ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ: إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «الْحَلِفُ مُنَفِّقَةٌ لِلسِّلْعَةِ مُمْحِقَةٌ لِلْبَرَكَةِ».

[2087] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ”(جھوٹی) قسم کھانے سے مال تو فروخت ہو جاتا ہے لیکن وہ برکت کو ختم کر دیتی ہے۔“

فوائد و مسائل: ① جس طرح جھوٹی قسم اٹھانے سے سوداگر کو خیر و برکت سے محروم کر دیا جاتا ہے، اسی طرح سودی کاروبار کرنے والے کی برکت کو اٹھا لیا جاتا ہے، اگرچہ بظاہر سود لینے سے رقم زیادہ ہو جاتی ہے لیکن نتیجے کے لحاظ سے دنیا و آخرت میں نقصان ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سود سے اگرچہ رقم زیادہ ہو جاتی ہے مگر اس کا نتیجہ اور انجام قلت ہے۔“[1] ② سود کے مال میں برکت نہیں ہوتی ”مال حرام بود بجائے حرام رفت“ والی بات بن جاتی ہے۔ ویسے بھی جس معاشرے میں سود رائج ہوتا ہے وہاں غریب طبقے کی قوت خرید کم ہوتی ہے اور امیر طبقے کی تعداد قلیل ہونے کی وجہ سے گردش دولت کی رفتار بہت سست ہو جاتی ہے جس سے معاشی بحران پیدا ہوتے ہیں، امیر اور غریب میں طبقاتی جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ غریب طبقہ تنگ آ کر امیروں کو لوٹنا شروع کر دیتا ہے۔ آقا اور مزدور میں کشیدگی

1 مسند أحمد: 424/1.

پیدا ہونے سے بہت سے مہلک نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ بہر حال سود کا انجام انتہائی خسارہ اور خطرناک ہے۔

(٢٧) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْحَلِفِ فِي الْبَيْعِ

باب: 27- خرید و فروخت کرتے وقت قسم اٹھانا ناپسندیدہ عمل ہے

٢٠٨٨ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ: أَخْبَرَنَا الْعَوَّامُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَجُلًا أَقَامَ سِلْعَةً وَهُوَ فِي السُّوقِ فَحَلَفَ بِاللهِ لَقَدْ أَعْطَى بِهَا مَا لَمْ يُعْطِ لِيُوقِعَ فِيهَا رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فَنَزَلَتْ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ الآية. [آل عمران: ٧٧]. [انظر: ٢٦٧٥، ٤٥٥١]

[2088] حضرت عبداللہ بن ابی اوفی ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے منڈی میں اپنا سامان لگایا اور اللہ کی قسم اٹھا کر کہنے لگا کہ مجھے اس کی اتنی قیمت ملتی ہے، حالانکہ اسے نہیں ملتی تھی۔ اس کا مقصد کسی مسلمان کو پھنسانا تھا۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ ”جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض بہت کم قیمت لیتے ہیں۔“

فوائد و مسائل: ① جو تاجر جھوٹی قسم اٹھا کر اپنا سامان فروخت کرتا ہے وہ انتہائی خسارے میں ہے۔ قرآنی آیت کے مطابق ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے ہم کلام نہیں ہوگا، نہ ان کی طرف نظر رحمت ہی سے دیکھے گا، نیز انھیں گناہوں سے پاک بھی نہیں کرے گا بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تین شخص قیامت کے دن خسارے میں ہوں گے: ایک اپنی چادر ٹخنوں سے نیچے لٹکا کر چلنے والا، دوسرا جھوٹی قسم اٹھا کر سامان فروخت کرنے والا اور تیسرا کسی پر احسان کر کے جتلانے والا۔“[1] ② غلط فتویٰ دے کر اس کے عوض مال وصول کرنا، کسی سے کوئی چیز لے کر مکر جانا اور قسم اٹھا لینا، الغرض بددیانتی کی جتنی بھی اقسام ہو سکتی ہیں ان سب پر مذکورہ آیت کا اطلاق ہوتا ہے۔

(٢٨) بَابُ مَا قِيلَ فِي الصَّوَّاغِ

باب: 28- پیشہ زرگری کے متعلق ہدایات

وَقَالَ طَاوُسٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا يُخْتَلَى خَلَاهَا». وَقَالَ الْعَبَّاسُ: إِلَّا الْإِذْخِرَ، فَإِنَّهُ لِقَيْنِهِمْ وَبُيُوتِهِمْ، فَقَالَ: «إِلَّا الْإِذْخِرَ».

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”حرم کی گھاس نہ کاٹی جائے۔“ تو حضرت عباس ؓ نے عرض کیا: مگر اذخر! کیونکہ وہ ان کے لوہاروں اور گھروں کے کام آتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] مسند أحمد: 148/5.

"ہاں، اذخر کاٹنے میں کوئی حرج نہیں۔"

وضاحت: یہ روایت خود امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کی ہے۔[1] عنوان کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ پیشہ موجود تھا اور آپ نے اس پر کسی قسم کا انکار نہیں فرمایا، اس لیے یہ پیشہ اختیار کرنا جائز ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے شاید ایک حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لوگوں میں سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والے رنگ ساز اور زرگر ہیں۔" اسے امام احمد رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے لیکن اس کی سند مضطرب ہے، لہٰذا قابل حجت نہیں۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس قسم کی احادیث پر مختلف عنوانات قائم کر کے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ دست کاری کے یہ کام رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ہوا کرتے تھے اور آپ نے ان کے متعلق کوئی امتناعی حکم جاری نہیں فرمایا۔ اس طرز عمل سے ان صنعتوں کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

٢٠٨٩ – حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ: أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ: أَنَّ عَلِيًّا قَالَ: كَانَتْ لِي شَارِفٌ مِنْ نَصِيبِي مِنَ الْمَغْنَمِ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَعْطَانِي شَارِفًا مِنَ الْخُمُسِ، فَلَمَّا أَرَدْتُ أَنْ أَبْتَنِيَ بِفَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَاعَدْتُ رَجُلًا صَوَّاغًا مِنْ بَنِي قَيْنُقَاعَ أَنْ يَرْتَحِلَ مَعِي فَنَأْتِيَ بِإِذْخِرٍ أَرَدْتُ أَنْ أَبِيعَهُ مِنَ الصَّوَّاغِينَ وَأَسْتَعِينَ بِهِ فِي وَلِيمَةِ عُرُسِي. [انظر: ٢٣٧٥، ٣٠٩١، ٤٠٠٣، ٥٧٩٣]

[2089] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ مال غنیمت میں سے مجھے ایک اونٹ حصے میں ملا اور نبی ﷺ نے مجھے ایک اور اونٹ خمس میں سے دیا۔ جب میں نے حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کی رخصتی کرانے کا ارادہ کیا تو بنو قینقاع کے ایک زرگر سے طے کیا کہ وہ میرے ساتھ چلے اور ہم اذخر کاٹ کر لائیں۔ میرا ارادہ یہ تھا کہ میں اسے سناروں کے پاس فروخت کر کے اپنی شادی کے ولیمے میں اس سے کچھ مدد حاصل کروں گا۔

٢٠٩٠ – حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ خَالِدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ اللهَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَلَا لِأَحَدٍ بَعْدِي، وَإِنَّمَا أُحِلَّتْ لِي سَاعَةً [مِنْ نَهَارٍ] لَا

[2090] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو حرمت والا قرار دیا۔ مجھ سے پہلے کسی کے لیے یہ حلال نہ ہوا اور نہ میرے بعد ہی کسی کے لیے حلال ہوگا۔ میرے لیے بھی صرف (دن کی) ایک گھڑی حلال ہوا، لہٰذا اس کی گھاس کو نہ

---

1 صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2089. 2 مسند أحمد: 292/2، وفتح الباري: 401/4.

يُخْتَلَى خَلَاهَا، وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا، وَلَا يُلْتَقَطُ لُقَطَتُهَا إِلَّا لِمُعَرِّفٍ». وَقَالَ عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ: إِلَّا الْإِذْخِرَ لِصَاغَتِنَا وَلِسُقُفِ بُيُوتِنَا، فَقَالَ: «إِلَّا الْإِذْخِرَ». فَقَالَ عِكْرِمَةُ: هَلْ تَدْرِي مَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا؟ هُوَ أَنْ تُنَحِّيَهُ مِنَ الظِّلِّ وَتَنْزِلَ مَكَانَهُ. قَالَ عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ خَالِدٍ: لِصَاغَتِنَا وَقُبُورِنَا. [راجع: ١٣٤٩]

اکھاڑا جائے اور نہ اس کا درخت ہی کاٹا جائے۔ اس کا شکار بھی نہ بھگایا جائے اور نہ وہاں کی گری پڑی کسی چیز ہی کو اٹھایا جائے، ہاں، وہ اٹھا سکتا ہے جو اس کی تشہیر کرے۔" حضرت عباس بن عبدالمطلب ؓ نے عرض کیا: ہمارے سناروں اور گھروں کی چھتوں کے لیے اذخر کی اجازت دیجیے۔ آپ نے فرمایا: "ہاں، اذخر کی اجازت ہے۔" (راوئ حدیث) حضرت عکرمہ نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ شکار کے بھگانے سے کیا مراد ہے؟ وہ یہ ہے کہ اسے سائے سے ہٹا کر خود وہاں پڑاؤ کرلے۔ عبدالوہاب نے خالد سے یہ الفاظ بیان کیے ہیں کہ ہمارے سناروں اور ہماری قبروں کے لیے (اذخر کی اجازت دیجیے)۔

فوائد ومسائل: ① ان احادیث سے پیشۂ زرگری کا جواز ملتا ہے اگرچہ یہ حضرات بہت سے ناجائز کام بھی کرتے ہیں اور پالش کے نام سے زائد رقم بٹورتے ہیں۔ حالانکہ پالش کرنے سے سونے کا وزن کم ہو جاتا ہے اور یہ لوگ پالش کا اضافی وزن سونے میں ڈالتے ہیں، اس کے بعد جب انھیں وہی زیور فروخت کریں تو رتی فی ماشہ کی شرح سے کٹوتی کرکے صاف وزن نکالتے ہیں۔ ایسے کاموں سے گناہ ضرور ہوتا ہے لیکن یہ پیشہ اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ② پہلی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پیشہ ور شخص سے فائدہ لینا جائز ہے اگرچہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو۔ آخر میں پیش کردہ تعلیق کو خود ہی امام بخاری نے کتاب الجنائز، حدیث: 1349 میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1] ③ واضح رہے کہ ہر وحشی جانور انسان کو دیکھ کر دور ہی سے نفرت کرتا ہے، یہ تنفیر انسان کے بس میں نہیں جس پر اسے گناہ گار کہا جا سکے۔ ہاں اگر تنفیر انسان کی طرف سے ہو کہ اس جانور کو سایہ دار درخت سے بھگا کر خود وہاں پڑاؤ کرے تو اس سے مکہ کی حرمت پامال ہوگی۔ غالباً اسی نکتے کی وجہ سے حضرت عکرمہ نے تنفیر کی تفسیر بیان کی ہے۔ واللہ أعلم

(۲۹) بَابُ ذِكْرِ الْقَيْنِ وَالْحَدَّادِ

باب: 29- کاریگر اور لوہار کا ذکر

وضاحت: قین اور حداد کے ایک ہی معنی ہیں لیکن بعض حضرات کے نزدیک قین کاریگر کو کہتے ہیں اور حداد صرف لوہار کو کہا جاتا ہے۔ چونکہ ان دونوں کا حکم ایک ہے، اس لیے امام بخاری ؒ نے دونوں کو ایک ہی عنوان کے تحت بیان کیا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: لفظ قین کئی ایک معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس مقام پر قین، حداد کے معنی میں استعمال

[1] صحيح البخاري، الجنائز، حديث: 1349.

ہوا ہے۔[1]

٢٠٩١ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ خَبَّابٍ قَالَ: كُنْتُ قَيْنًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ لِي عَلَى الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ دَيْنٌ فَأَتَيْتُهُ أَتَقَاضَاهُ، قَالَ: لَا أُعْطِيكَ حَتَّى تَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ، فَقُلْتُ: لَا أَكْفُرُ حَتَّى يُمِيتَكَ اللهُ ثُمَّ تُبْعَثَ، قَالَ: دَعْنِي حَتَّى أَمُوتَ وَأُبْعَثَ فَسَأُوتَى مَالًا وَوَلَدًا فَأَقْضِيكَ فَنَزَلَتْ: ﴿أَفَرَءَيْتَ ٱلَّذِى كَفَرَ بِـَٔايَـٰتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۝ أَطَّلَعَ ٱلْغَيْبَ أَمِ ٱتَّخَذَ عِندَ ٱلرَّحْمَـٰنِ عَهْدًا﴾ [مريم: ٧٧، ٧٨]. [انظر: ٢٢٧٥، ٢٤٢٥، ٤٧٣٢، ٤٧٣٣، ٤٧٣٤، ٤٧٣٥]

[2091] حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں زمانۂ جاہلیت میں لوہار تھا اور عاص بن وائل کے ذمے میرا کچھ قرض تھا۔ میں اس کے پاس اپنے قرض کا تقاضا کرنے آیا تو اس نے کہا: جب تک تو محمد ﷺ کی نبوت سے انکار نہیں کرے گا اس وقت تک میں تیرا قرض نہیں دوں گا۔ میں نے کہا: اگر اللہ تجھے موت سے دوچار کر دے اور مرنے کے بعد پھر زندہ کر دے تو بھی میں حضرت محمد ﷺ کی نبوت سے انکار نہیں کروں گا۔ اس نے کہا: پھر تو مجھے چھوڑ دے تاآنکہ میں مروں، پھر زندہ کیا جاؤں کیونکہ پھر مجھے وہاں مال بھی ملے گا اور اولاد بھی، پھر تمھارا قرض ادا کروں گا۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿أَفَرَءَيْتَ ٱلَّذِى --- عَهْدًا﴾ "(اے نبی!) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو ہماری آیات کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے ضرور مال اور اولاد ملے گی۔ کیا اسے غائب کی اطلاع ہو گئی ہے؟ یا اللہ سے اس نے کوئی عہد لے رکھا ہے؟"

فوائد و مسائل: ① حدیث میں برے ساتھی کو لوہار کی بھٹی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ بظاہر اس حدیث سے لوہار کی قباحت معلوم ہوتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ عنوان اور پیش کردہ حدیث سے اس کی وضاحت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ پیشہ موجود تھا، اس لیے یہ پیشہ اختیار کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ حضرت داود علیہ السلام بھی لوہے کے پیشے سے منسلک تھے اور وہ اس سے جنگی ہتھیار بنایا کرتے تھے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کے عمل جاہلیت سے استدلال کیا ہے کہ اگر یہ پیشہ حرام ہوتا تو مسلمان ہونے کے بعد اس عمل حرام سے واجب شدہ قرض کا مطالبہ نہ کرتے۔ حدیث کے ظاہر الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے جاہلیت کے عمل کی اجرت طلب کی۔ ایسے حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کے بعد بھی اس پیشے کو اختیار کیے رکھا جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الاجارہ میں اسے ثابت کیا۔[2]

1 عمدة القاري: 360/8. 2 صحيح البخاري، الإجارة، حديث: 2275.

(٣٠) بَابُ الْخَيَّاطِ

٢٠٩٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ: أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: إِنَّ خَيَّاطًا دَعَا رَسُولَ اللهِ ﷺ لِطَعَامٍ صَنَعَهُ، قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِلَى ذَلِكَ الطَّعَامِ، فَقَرَّبَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ خُبْزًا وَمَرَقًا فِيهِ دُبَّاءٌ وَقَدِيدٌ، فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ مِنْ حَوَالَيِ الْقَصْعَةِ، قَالَ: فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ مِنْ يَوْمِئِذٍ. [انظر: ٥٣٧٩، ٥٤٢٠، ٥٤٣٣، ٥٤٣٥، ٥٤٣٦، ٥٤٣٧، ٥٤٣٩]

باب: 30- درزی کا بیان

[2092] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک درزی نے رسول اللہ ﷺ کو کھانے کی دعوت دی جو اس نے خود تیار کیا تھا۔ حضرت انس ؓ نے کہا: میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ گیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے روٹی، کدو کا شوربا اور سوکھا گوشت رکھا۔ میں نے نبی ﷺ کو پیالے کے ادھر ادھر سے کدو کو ڈھونڈتے دیکھا، اس بنا پر میں اس دن سے کدو کو بہت پسند کرتا ہوں۔

فوائد و مسائل: ① درزی کا پیشہ دوسری صنعتوں سے الگ نوعیت کا ہے کیونکہ رنگریز اور لوہار صرف اپنی محنت کی مزدوری لیتے ہیں جبکہ درزی کے پیشے میں دھاگا اور بٹن وغیرہ درزی خود اپنی طرف سے لگاتا ہے۔ علاوہ ازیں سلائی مشین کی الگ اجرت ہے جنھیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ گویا اس میں تجارت اور صنعت دونوں جمع ہیں۔ ② رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ایک درزی نے آپ کو کھانا تناول فرمانے کی دعوت دی۔ آپ نے اسے شرف قبولیت سے نوازا۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، اس پیشے کے جواز کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ ③ واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ کو گوشت میں پکا ہوا کدو بہت مرغوب تھا، ویسے بھی یہ ایک عمدہ ترکاری ہے اور طبی لحاظ سے بہت فائدہ مند اور تبرید بخش ہے۔ بخار، خفقان، قبض اور بواسیر کے لیے مفید، نیز مانع تشنگی و حرارت ہے۔①

(٣١) بَابُ النَّسَّاجِ

٢٠٩٣ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ:

باب: 31- کپڑا بننے والے کا بیان

[2093] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک عورت بردہ لے کر آئی۔ انھوں نے

① عمدة القاري: 363/8.

سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ بِبُرْدَةٍ، قَالَ: أَتَدْرُونَ مَا الْبُرْدَةُ؟ فَقِيلَ لَهُ: نَعَمْ، هِيَ الشَّمْلَةُ مَنْسُوجَةٌ فِي حَاشِيَتِهَا، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي نَسَجْتُ هٰذِهِ بِيَدِي أَكْسُوكَهَا، فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ ﷺ مُحْتَاجًا إِلَيْهَا فَخَرَجَ إِلَيْنَا وَإِنَّهَا إِزَارُهُ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: يَا رَسُولَ اللهِ! اكْسُنِيهَا، فَقَالَ: «نَعَمْ»، فَجَلَسَ النَّبِيُّ ﷺ فِي الْمَجْلِسِ ثُمَّ رَجَعَ فَطَوَاهَا، ثُمَّ أَرْسَلَ بِهَا إِلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ الْقَوْمُ: مَا أَحْسَنْتَ سَأَلْتَهَا إِيَّاهُ، لَقَدْ عَرَفْتَ أَنَّهُ لَا يَرُدُّ سَائِلًا. فَقَالَ الرَّجُلُ: وَاللهِ مَا سَأَلْتُهُ إِلَّا لِتَكُونَ كَفَنِي يَوْمَ أَمُوتُ. قَالَ سَهْلٌ: فَكَانَتْ كَفَنَهُ. [راجع: ١٢٧٧]

فرمایا: کیا جانتے ہو کہ بردہ کیا چیز ہے؟ کہا گیا: ہاں، وہ بڑی چادر جس کے کنارے بنے ہوئے ہوں۔ اس عورت نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں نے اس چادر کو اپنے ہاتھوں سے بنا ہے تاکہ آپ کو پہناؤں۔ نبی ﷺ نے اسے لے لیا۔ آپ کو اس کی ضرورت تھی۔ پھر آپ نے اسے تہبند کے طور پر استعمال کیا اور ہمارے پاس تشریف لائے۔ لوگوں میں سے ایک شخص نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ یہ چادر مجھے عنایت کر دیں۔ آپ نے فرمایا: ''ہاں، لے لو۔'' چنانچہ نبی ﷺ مجلس میں بیٹھے، پھر واپس تشریف لے گئے اور چادر کو لپیٹ کر اس شخص کے پاس بھیج دیا۔ لوگوں نے اس سے کہا: تو نے اچھا نہیں کیا۔ آپ سے چادر کا سوال کیا، حالانکہ تجھے علم تھا کہ آپ کسی سائل کو خالی واپس نہیں کرتے۔ اس شخص نے جواب دیا: میں نے آپ سے اس لیے چادر کا سوال کیا تھا کہ جس دن میں مروں وہ میرا کفن بنے۔ حضرت سہل ؓ فرماتے ہیں کہ پھر وہ چادر اس کا کفن بنی۔

فوائد و مسائل: ① اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت کپڑا بننے میں ماہر تھی بلکہ اس پر کڑھائی کا کام بھی کرتی تھی کیونکہ اس نے بہترین حاشیہ دار چادر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے اسے بخوشی قبول فرمایا۔ ② امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ کپڑا بننے کا پیشہ اختیار کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں عورتیں اس میں مہارت رکھتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر کوئی انکار نہیں کیا، جس سے اس پیشے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ ③ واضح رہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے وہ چادر بطور تبرک اپنے کفن کے لیے مانگ لی تو آپ نے انھیں عنایت کر دی، حالانکہ آپ خود اس کے ضرورت مند تھے۔ راوی کے بیان کے مطابق وہی چادر مانگنے والے صحابی کے لیے بطور کفن استعمال کی گئی۔ رضي الله عنهم أجمعين.

(٣٢) بَابُ النَّجَّارِ

باب: 32- بڑھئی کا بیان

٢٠٩٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ: أَتَى رِجَالٌ سَهْلَ بْنَ

[2094] حضرت ابوحازم سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ کچھ آدمی حضرت سہل بن سعد ؓ کے پاس آ کر ان

سَعْدٍ يَسْأَلُونَهُ عَنِ الْمِنْبَرِ، فَقَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى فُلَانَةَ - امْرَأَةٍ قَدْ سَمَّاهَا سَهْلٌ - أَنْ: «مُرِي غُلَامَكِ النَّجَّارَ يَعْمَلْ لِي أَعْوَادًا أَجْلِسُ عَلَيْهِنَّ إِذَا كَلَّمْتُ النَّاسَ»، فَأَمَرَتْهُ يَعْمَلُهَا مِنْ طَرْفَاءِ الْغَابَةِ، ثُمَّ جَاءَ بِهَا فَأَرْسَلَتْ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ بِهَا، فَأَمَرَ بِهَا فَوُضِعَتْ فَجَلَسَ عَلَيْهِ. [راجع: ٣٧٧]

سے منبر کے متعلق پوچھنے لگے۔ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فلاں عورت کو پیغام بھیجا..... حضرت سہل نے اس کا نام بھی لیا تھا..... "تم اپنے بڑھئی غلام سے کہو کہ وہ میرے لیے لکڑیوں کا ایک منبر تیار کردے تاکہ لوگوں سے خطاب کرتے وقت میں اس پر بیٹھوں۔" چنانچہ اس نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ وہ غابہ جنگل سے جھاؤ کے درخت سے منبر تیار کر دے۔ چنانچہ وہ منبر تیار کر کے لے آیا تو اس عورت نے اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔ آپ نے اسے (مسجد میں) رکھنے کا حکم دیا۔ وہ (ایک مناسب جگہ پر) رکھ دیا گیا تو آپ اس پر تشریف فرما ہوئے۔

٢٠٩٥ - حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَيْمَنَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَتْ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَلَا أَجْعَلُ لَكَ شَيْئًا تَقْعُدُ عَلَيْهِ؟ فَإِنَّ لِي غُلَامًا نَجَّارًا، قَالَ: «إِنْ شِئْتِ»، فَعَمِلَتْ لَهُ الْمِنْبَرَ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ قَعَدَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ الَّذِي صُنِعَ، فَصَاحَتِ النَّخْلَةُ الَّتِي كَانَ يَخْطُبُ عِنْدَهَا حَتَّى كَادَتْ أَنْ تَنْشَقَّ، فَنَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى أَخَذَهَا فَضَمَّهَا إِلَيْهِ، فَجَعَلَتْ تَئِنُّ أَنِينَ الصَّبِيِّ الَّذِي يُسَكَّتُ حَتَّى اسْتَقَرَّتْ، قَالَ: «بَكَتْ عَلَى مَا كَانَتْ تَسْمَعُ مِنَ الذِّكْرِ». [راجع: ٤٤٩]

[2095] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری عورت نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا میں آپ کے لیے کوئی ایسی چیز نہ بناؤں جس پر آپ بیٹھ جایا کریں؟ اس لیے کہ میرا غلام بڑھئی کے پیشے سے وابستہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم چاہو تو بنوا سکتی ہو۔" چنانچہ اس عورت نے آپ کے لیے منبر بنوا لیا۔ جب جمعہ کا دن آیا تو نبی ﷺ اس منبر پر تشریف فرما ہوئے جو آپ کے لیے تیار کیا گیا تھا اور کھجور کا وہ تنا جس کے پاس آپ کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے آہیں بھر کر چیخنے لگا۔ قریب تھا کہ وہ پھٹ جائے، چنانچہ نبی ﷺ منبر سے اترے اور اسے اپنے گلے سے لگا لیا۔ وہ تنا ایسے بچے کی طرح سسکیاں لے کر رونے لگا جسے چپ کرایا جاتا ہے تا آنکہ وہ خاموش ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کھجور کا یہ تنا اس لیے رویا کہ وہ اللہ کا ذکر سنا کرتا تھا۔"

فوائد و مسائل: ① بڑھئی کا پیشہ جائز ہے۔ وہ اپنی محنت کی اجرت لیتا ہے جس میں کوئی قباحت نہیں بلکہ وہ ہاتھ کا عمل ہونے کی وجہ سے بہترین کمائی ہے۔ ② عام طور پر یہ حضرات دو طرح سے کام کرتے ہیں: ٭ لکڑی وغیرہ مالک کی ہوتی ہے،

البتہ بڑھئی درواز ے، کھڑکیاں وغیرہ بنانے کی مزدوری لیتا ہے۔ وہ لکڑی بھی اپنی طرف سے لگاتا ہے اور اس پر محنت بھی کرتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ تجارت اور اجرت ہے۔ اس کے جواز میں بھی کوئی شبہ نہیں، البتہ بعض اوقات لکڑی خریدنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اندر سے بے کار اور کھوکھلی ہے۔ ان حضرات کا محاورہ ہے کہ لکڑی اور لڑکی کو چیرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ کس قسم کی ہے۔ خراب نکلنے کی صورت میں بڑھئی کو کافی نقصان ہوتا ہے، اس لیے مالک کو چاہیے کہ وہ بڑھئی کے نقصان کی اخلاقی اعتبار سے تلافی کرے۔ بہرحال بڑھئی کا پیشہ اختیار کرنا جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا منبر تیار کرنے والا ایک بڑھئی غلام تھا۔ آپ نے اس کا تیار کردہ منبر استعمال فرمایا اور اس پیشے پر کوئی انکار نہیں کیا۔ ایک مسلمان اسے اختیار کر کے رزق حلال تلاش کر سکتا ہے۔

(٣٣) بَابُ شِرَاءِ الْإِمَامِ الْحَوَائِجَ بِنَفْسِهِ

باب: 33- امام کا اپنی ضروریات کو خود خرید کرنا

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: اشْتَرَى النَّبِيُّ ﷺ جَمَلًا مِنْ عُمَرَ. وَاشْتَرَى ابْنُ عُمَرَ بِنَفْسِهِ. وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: جَاءَ مُشْرِكٌ بِغَنَمٍ فَاشْتَرَى النَّبِيُّ ﷺ مِنْهُ شَاةً. وَاشْتَرَى مِنْ جَابِرٍ بَعِيرًا.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اونٹ خرید فرمایا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی اشیائے ضروریات خود خریدیں۔ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ایک مشرک بکریاں لے کر آیا تو نبی ﷺ نے اس سے ایک بکری خریدی، نیز آپ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک اونٹ خود خریدا۔

وضاحت: اس عنوان کا مقصد یہ ہے کہ خرید و فروخت کرنا انسانی مروت کے خلاف نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے امت کو تعلیم دینے کے لیے اپنی ضروریات کی اشیاء کو خود خرید فرمایا۔ اس میں تواضع اور انکسار کا بھی اظہار ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی تعلیق کو خود امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خرید و فروخت کا ذکر بھی صحیح بخاری میں متصل سند سے ہے۔[2] حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[3] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اونٹ خریدنے کا واقعہ بھی امام بخاری نے ذکر کیا ہے۔[4]

٢٠٩٦ - حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: اشْتَرَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا بِنَسِيئَةٍ وَرَهَنَهُ دِرْعَهُ. [راجع: ٢٠٦٨]

[2096] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے ادھار طعام خریدا اور اس کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی۔

---

1 صحيح البخاري، الهبة، حديث: 2610. 2 صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2099. 3 صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2216. 4 صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2097.

فوائد و مسائل: ① دیگر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اشیائے ضرورت کی خرید کا معاملہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا، البتہ آپ نے امت کو تعلیم دینے کے لیے بعض اوقات خود بھی خریداری کی ہے۔ ② اس عنوان کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ بنفس نفیس خرید و فروخت کرنا مروت کے خلاف نہیں۔ بہرحال تواضع اور انکسار کے طور پر یہ امور رسول اللہ ﷺ خود بھی سرانجام دیتے تھے، چنانچہ آپ نے بذات خود ایک یہودی سے ادھار غلہ خریدا اور اپنی زرہ اس کے ہاں گروی رکھی۔ کوئی امام ہو یا بادشاہ اس کا درجہ نبی سے بڑا نہیں ہے، اپنا سودا سلف خریدنا اور خود ہی اسے اٹھا کر لے جانا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، اس لیے بہتر ہے کہ انسان اپنا کام خود کرے۔ ایسا کرنے سے اس کی زندگی بہت پرسکون ہوگی۔[1]

(٣٤) بَابُ شِرَاءِ الدَّوَابِّ وَالْحَمِيرِ

باب: 34- جانوروں اور گدھوں کی خرید و فروخت

وَإِذَا اشْتَرَى دَابَّةً أَوْ جَمَلًا وَهُوَ عَلَيْهِ، هَلْ يَكُونُ ذَلِكَ قَبْضًا قَبْلَ أَنْ يَنْزِلَ؟

جب کوئی شخص سواری کا جانور یا گدھا خریدے اور فروخت کرنے والا اس پر سوار ہو تو کیا اس کے اترنے سے پہلے خریدار کا قبضہ پورا ہوگا یا نہیں؟

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِعُمَرَ: «بِعْنِيهِ»، يَعْنِي جَمَلًا صَعْبًا.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”تم یہ سرکش اونٹ میرے ہاتھ فروخت کر دو۔“

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان میں دو مسائل ذکر کیے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ٭ سواری کے جانوروں کی خرید و فروخت جائز ہے، خواہ وہ حلال ہوں یا حرام۔ اگرچہ پیش کردہ احادیث میں گدھے کا ذکر نہیں ہے، تاہم امام بخاری رحمہ اللہ نے گدھے کو اونٹ پر قیاس کیا ہے کیونکہ دونوں سواری کے جانور ہیں۔ ٭ صحت بیع کے لیے صرف ایجاب و قبول ہی ضروری ہے یا خرید کردہ چیز قبضے میں لینے کے بعد بیع مکمل ہوتی ہے؟ اس کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ نے پورے جزم کے ساتھ کوئی فیصلہ نہیں کیا، البتہ حدیث جابر سے ان کے رجحان کا پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک قبضے میں لینا ضروری نہیں۔ اس کی تفصیل ہم آئندہ بیان کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سرکش اونٹ خریدنے کا واقعہ امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[2] اس کی تفصیل اپنے موقع پر بیان ہوگی۔

٢٠٩٧ – حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ:

[2097] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں کسی جنگ میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھا۔ میرے اونٹ نے چلنے میں سستی کی اور تھک گیا۔ نبی ﷺ

---

[1] فتح الباري: 4/404. [2] صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2115.

كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي غَزَاةٍ فَأَبْطَأَ بِي جَمَلِي وَأَعْيَا، فَأَتَى عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «جَابِرٌ؟» فَقُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «مَا شَأْنُكَ؟» قُلْتُ: أَبْطَأَ عَلَيَّ جَمَلِي وَأَعْيَا فَتَخَلَّفْتُ، فَنَزَلَ يَحْجُنُهُ بِمِحْجَنِهِ، ثُمَّ قَالَ: «ارْكَبْ» فَرَكِبْتُ فَلَقَدْ رَأَيْتُهُ أَكُفُّهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: «تَزَوَّجْتَ؟» قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «بِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا؟» قُلْتُ: بَلْ ثَيِّبًا، قَالَ: «أَفَلَا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ؟» قُلْتُ: إِنَّ لِي أَخَوَاتٍ فَأَحْبَبْتُ أَنْ أَتَزَوَّجَ امْرَأَةً تَجْمَعُهُنَّ وَتَمْشُطُهُنَّ وَتَقُومُ عَلَيْهِنَّ، قَالَ: «أَمَا إِنَّكَ قَادِمٌ، فَإِذَا قَدِمْتَ فَالْكَيْسَ الْكَيْسَ»، ثُمَّ قَالَ: «أَتَبِيعُ جَمَلَكَ؟» قُلْتُ: نَعَمْ، فَاشْتَرَاهُ مِنِّي بِأُوقِيَّةٍ، ثُمَّ قَدِمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَبْلِي وَقَدِمْتُ بِالْغَدَاةِ، فَجِئْنَا إِلَى الْمَسْجِدِ فَوَجَدْتُهُ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ، قَالَ: «آلْآنَ قَدِمْتَ؟» قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «فَدَعْ جَمَلَكَ فَادْخُلْ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ»، فَدَخَلْتُ فَصَلَّيْتُ، فَأَمَرَ بِلَالًا أَنْ يَزِنَ لَهُ أُوقِيَّةً، فَوَزَنَ لِي بِلَالٌ فَأَرْجَحَ لِي فِي الْمِيزَانِ، فَانْطَلَقْتُ حَتَّى وَلَّيْتُ فَقَالَ: «ادْعُوا لِي جَابِرًا»، قُلْتُ: الْآنَ يَرُدُّ عَلَيَّ الْجَمَلَ، وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْهُ، قَالَ: «خُذْ جَمَلَكَ وَلَكَ ثَمَنُهُ». [راجع: 443]

میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "جابر ہو؟" میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: "تیرا کیا حال ہے؟" میں نے عرض کیا: میرا اونٹ چلنے میں سستی کرتا ہے اور تھک بھی گیا ہے، اس لیے میں پیچھے رہ گیا ہوں۔ پھر آپ اترے اور اسے اپنی چھڑی سے مار کر فرمایا: "اب سوار ہو جاؤ۔" چنانچہ میں سوار ہو گیا، پھر تو اونٹ ایسا تیز ہو گیا کہ میں اسے رسول اللہ ﷺ (کے برابر ہونے) سے روکتا تھا۔ آپ نے پوچھا: "کیا تم نے شادی کر لی ہے؟" میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: "دوشیزہ سے یا شوہر دیدہ سے؟" میں نے عرض کیا: بیوہ سے۔ آپ نے فرمایا: "نوعمر سے شادی کیوں نہیں کی؟ تم اس سے دل لگی کرتے وہ تم سے خوش طبعی سے پیش آتی۔" میں نے عرض کیا: میری بہت سی بہنیں ہیں، اس لیے میں نے نکاح کے لیے ایک ایسی عورت کا انتخاب کیا ہے جو انہیں اکٹھا رکھے، ان کی کنگھی کرے اور ان کی خبر گیری بھی کرتی رہے۔ آپ نے فرمایا: "اچھا اب تم جا رہے ہو، جب اپنے گھر پہنچو تو عقل و احتیاط کا دامن ہاتھ سے مت چھوڑنا۔" پھر فرمایا: "کیا تم اپنا اونٹ فروخت کرنا چاہتے ہو؟" میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے ایک اوقیہ چاندی کے عوض مجھ سے خرید لیا۔ پھر آپ مجھ سے پہلے مدینہ پہنچ گئے اور میں صبح کو وہاں پہنچا۔ ہم لوگ مسجد کی طرف گئے تو میں نے آپ کو مسجد کے دروازے پر پایا۔ آپ نے فرمایا: "کیا تم ابھی آ رہے ہو؟" میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: "اپنا اونٹ یہیں چھوڑ کر مسجد میں جاؤ اور دو رکعت نماز پڑھو۔" چنانچہ میں نے مسجد کے اندر دو رکعت نماز پڑھی، آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مجھے ایک اوقیہ چاندی دے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جھکاؤ کے ساتھ مجھے ایک اوقیہ چاندی تول دی۔ پھر میں

نے واپس جانے کا ارادہ کیا۔ جب میں نے پیٹھ پھیری تو آپ نے فرمایا: ”جابر کو میرے پاس بلاؤ۔“ میں نے دل میں سوچا کہ اب آپ میرا اونٹ مجھے واپس کر دیں گے اور مجھے یہ بات بہت ہی ناپسند تھی۔ آپ نے فرمایا: ”تم اونٹ بھی لے لو اور اس کی قیمت بھی لے جاؤ۔“

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس طویل حدیث سے دو مسئلے ثابت کیے ہیں: ٭ چوپاؤں اور گدھوں وغیرہ کی خرید وفروخت میں کوئی حرج نہیں، آدمی خواہ کتنا ہی بڑا ہو اور اس کے خدمت گار بھی ہوں، اسے اپنی ضروریات خریدنے میں عار نہیں سمجھنی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کی بھی سنت ہے اور آپ کی سنت پر عمل کرنا ہی باعث خیر وبرکت ہے۔ ٭ ایجاب وقبول سے بیع پختہ ہو جاتی ہے۔ خریدار کا خریدی ہوئی چیز پر قبضہ کرنا ضروری نہیں جیسا کہ مذکورہ حدیث میں اس کی صراحت ہے، اگرچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اونٹ فروخت کرتے وقت یہ شرط طے کر لی تھی کہ مدینے پہنچنے تک میں اس پر سواری کروں گا جیسا کہ ایک دوسری روایت میں اس کی صراحت ہے۔ ② اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خرید وفروخت کرتے وقت کوئی شرط لگائی جا سکتی ہے۔ ③ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مالک سے از خود بیع کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے، نیز بزرگوں کو اپنے عقیدت مندوں کے حالات دریافت کرنے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنے کا بھی پتہ چلتا ہے۔ واللہ أعلم۔

(٣٥) بَابُ الْأَسْوَاقِ الَّتِي كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَتَبَايَعَ بِهَا النَّاسُ فِي الْإِسْلَامِ

باب: 35- زمانۂ جاہلیت کی منڈیوں کا بیان جن میں عہد اسلام میں بھی لوگوں نے خرید وفروخت کی

٢٠٩٨ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَتْ عُكَاظُ وَمَجَنَّةُ وَذُو الْمَجَازِ أَسْوَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا كَانَ الْإِسْلَامُ تَأَثَّمُوا مِنَ التِّجَارَةِ فِيهَا، فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ﴾. قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَذَا. [راجع: ١٧٧٠]

[2098] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز زمانۂ جاہلیت کی منڈیاں تھیں۔ جب اسلام کا زمانہ آیا تو لوگوں نے ان منڈیوں میں خرید وفروخت کرنے کو گناہ خیال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ”تم پر کوئی گناہ نہیں کہ“ حج کے زمانے میں ”تم اللہ کا فضل تلاش کرو۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے ایسے ہی پڑھا ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس عنوان سے معلوم ہوا کہ گناہ کے مقامات اور دور جاہلیت کی جگہیں، طاعت کے افعال کے لیے رکاوٹ کا باعث نہیں ہیں۔ ② واضح رہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت میں فی مواسم الحج پڑھا ہے، اسے اصطلاح میں تفسیری قراءت کہتے ہیں، اگرچہ یہ قراءات متواترہ کے خلاف ہے۔

(٣٦) بَابُ شِرَاءِ الْإِبِلِ الْهِيمِ أَوِ الْأَجْرَبِ

الْهَائِمُ: الْمُخَالِفُ لِلْقَصْدِ فِي كُلِّ شَيْءٍ.

٢٠٩٩ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: قَالَ عَمْرٌو: كَانَ هٰهُنَا رَجُلٌ اسْمُهُ نَوَّاسٌ وَكَانَتْ عِنْدَهُ إِبِلٌ هِيمٌ، فَذَهَبَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَاشْتَرَى تِلْكَ الْإِبِلَ مِنْ شَرِيكٍ لَهُ فَجَاءَ إِلَيْهِ شَرِيكُهُ فَقَالَ: بِعْنَا تِلْكَ الْإِبِلَ، فَقَالَ: مِمَّنْ بِعْتَهَا؟ فَقَالَ: مِنْ شَيْخٍ كَذَا وَكَذَا، فَقَالَ: وَيْحَكَ ذَاكَ وَاللهِ ابْنُ عُمَرَ فَجَاءَهُ فَقَالَ: إِنَّ شَرِيكِي بَاعَكَ إِبِلًا هِيمًا وَلَمْ يَعْرِفْكَ، قَالَ: فَاسْتَقْهَا، قَالَ: فَلَمَّا ذَهَبَ يَسْتَاقُهَا فَقَالَ: دَعْهَا، رَضِينَا بِقَضَاءِ رَسُولِ اللهِ ﷺ: «لَا عَدْوَى». سَمِعَ سُفْيَانُ عَمْرًا.

[انظر: ۲۸۵۸، ۵۰۹۳، ۵۰۹۴، ۵۷۵۳، ۵۷۷۲]

باب: 36- پیاس کی بیماری میں مبتلا یا خارشی اونٹوں کی خرید وفروخت کرنا

حدود و اعتدال سے تجاوز کرنے والے کو "ہائم" کہا جاتا ہے۔

[2099] حضرت عمرو بن دینار سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ یہاں نواس نامی ایک شخص تھا، اس کے پاس ایسے اونٹ تھے جن کی پیاس ختم ہوتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ تشریف لے گئے اور اس کے شریک سے وہ اونٹ خرید لائے، پھر اس کے پاس وہ شریک آیا اور کہنے لگا کہ ہم نے وہ اونٹ فروخت کر دیے ہیں۔ اس نے کہا: کس کے ہاتھ فروخت کیے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ فلاں بزرگ کو فروخت کیے ہیں جن کی شکل و صورت کچھ ایسی ایسی تھی۔ اس نے کہا: تیرے لیے خرابی ہو، اللہ کی قسم! وہ تو حضرت عبداللہ بن عمر ؓ تھے۔ پھر وہ شخص حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے پاس آیا اور آپ سے عرض کرنے لگا: میرے شریک نے آپ کے ہاتھ پیاس والے اونٹ فروخت کر دیے ہیں اور اس نے آپ کو پہچانا نہیں تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے فرمایا: اپنے اونٹ ہانک کر لے جاؤ۔ جب وہ ہانکنے لگا تو فرمایا: انھیں چھوڑ دو، ہم رسول اللہ ﷺ کے فیصلے سے خوش ہیں کہ "ایک کا مرض دوسرے کو نہیں لگتا۔" سفیان نے حضرت عمرو بن دینار سے سنا ہے۔

فوائد و مسائل: ① بیوپاریوں کی ذمے داری ہے کہ وہ خریداروں کو اپنے جانوروں کے عیوب بتا دیں، اس سلسلے میں ہرگز دھوکا بازی نہ کی جائے۔ ② نیز عیب دار چیز کی خرید و فروخت کا بھی ثبوت ملتا ہے بشرطیکہ بیچنے والا اس کی وضاحت کر دے اور لینے والا اسے قبول کر لے۔ اگر وضاحت معاملہ طے کرنے کے بعد کی جائے تو خریدار کو اختیار ہے اسے رکھ لے یا واپس کر دے۔

② اگر کوئی سوداگر بھول چوک سے عیب دار مال فروخت کر دے تو ضروری ہے کہ اس کے بعد گاہک کے پاس جا کر اس کی معذرت کرے اور اس کی مرضی پر معاملہ چھوڑ دے۔ یہ اس کی شرافت و دیانت کی دلیل ہوگی۔ گاہک کا درگزر کرنا، اسے معاف کر دینا اور معاملہ برقرار رکھنا اس کی فراخ دلی کی علامت ہے۔ ایسا کرنا باعث خیر و برکت ہو سکتا ہے۔ ③ کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا۔ اس کے متعلق ہم اپنی گزارشات کتاب الطب میں پیش کریں گے۔ بإذن الله تعالى. واضح رہے کہ مسند حمیدی میں سفیان نے تحدیث کی تصریح کی ہے۔[1]

(٣٧) بَابُ بَيْعِ السِّلَاحِ فِي الْفِتْنَةِ وَغَيْرِهَا

باب: 37- فتنہ و فساد کے زمانے میں ہتھیاروں کی خرید و فروخت کرنا

وَكَرِهَ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ بَيْعَهُ فِي الْفِتْنَةِ.

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فتنہ و فساد کے زمانے میں ہتھیاروں کی خرید و فروخت کو ناپسند کیا ہے۔

وضاحت: اس اثر کو امام ابن عدی نے اپنی متصل سند سے بیان کیا ہے۔[2] طبرانی میں مرفوع روایت کے طور پر مروی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔[3]

٢١٠٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ ابْنِ أَفْلَحَ، عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ عَامَ حُنَيْنٍ [فَأَعْطَاهُ - يَعْنِي دِرْعًا -] فَبِعْتُ الدِّرْعَ فَابْتَعْتُ بِهِ مَخْرَفًا فِي بَنِي سَلِمَةَ، فَإِنَّهُ لَأَوَّلُ مَالٍ تَأَثَّلْتُهُ فِي الْإِسْلَامِ. [انظر: ٣١٤٢، ٤٣٢١، ٤٣٢٢، ٧١٧٠]

[2100] حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوۂ حنین کے سال روانہ ہوئے۔ آپ نے مجھے ایک زرہ عنایت فرمائی تو میں نے اسے بیچ کر اس کے عوض بنو سلمہ میں ایک باغ خرید لیا۔ یہ سب سے پہلی جائیداد تھی جو میں نے عہد اسلام میں حاصل کی۔

فوائد و مسائل: ① حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ حنین کے موقع پر ایک کافر کو قتل کیا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں مقتول کا تمام سامان دے دیا جس میں وہ زرہ تھی جسے انھوں نے فروخت کر کے باغ خرید لیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب المغازی میں اسے مفصل طور پر ذکر کیا ہے۔[4] ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ فتنہ و فساد کے زمانے میں ہتھیار فروخت کرنا ناپسندیدہ

---

1 مسند الحميدي: 42/2، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى. 2 فتح الباري: 407/4، الكامل لابن عدي: 268/6.
3 المعجم الكبير للطبراني: 18/14، وفتح الباري: 408/4. 4 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4322.

ممکن ہے کیونکہ ایسا کرنے سے خریدار کی اعانت ہوتی ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب خریدار کا حال مشتبہ ہو کہ وہ حق پر ہے یا بغاوت کرنے والا ہے۔ اگر اس بات کا یقین ہو جائے کہ خریدار حق پر ہے تو اس کے پاس ہتھیار فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ③ دراصل امام ثوری رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ اپنا مال کسی بھی شخص کو فروخت کیا جا سکتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس کی تردید کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے جب زرہ فروخت کی تو اس وقت بھی ہنگامی حالات تھے لیکن آپ نے قطعی طور پر ایسے شخص کو زرہ فروخت نہیں کی جس سے مسلمانوں کو خطرہ تھا۔ واللہ أعلم۔

(٣٨) بَابٌ: فِي الْعَطَّارِ وَبَيْعِ الْمِسْكِ

باب: 38- عطر فروش کا ذکر اور کستوری کی خرید و فروخت کا بیان

٢١٠١ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا أَبُو بُرْدَةَ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا بُرْدَةَ بْنَ أَبِي مُوسَى عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيسِ السُّوءِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ وَكِيرِ الْحَدَّادِ، لَا يَعْدَمُكَ مِنْ صَاحِبِ الْمِسْكِ إِمَّا تَشْتَرِيهِ أَوْ تَجِدُ رِيحَهُ، وَكِيرُ الْحَدَّادِ يُحْرِقُ بَدَنَكَ أَوْ ثَوْبَكَ، أَوْ تَجِدُ مِنْهُ رِيحًا خَبِيثَةً». [انظر: ٥٥٣٤]

[2101] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نیک ساتھی اور برے ساتھی کی مثال کستوری والے اور لوہار کی بھٹی کی سی ہے۔ کستوری والے کی طرف سے کوئی چیز تجھ سے معدوم نہ ہوگی، تو اس سے کستوری خرید لے گا یا اس کی خوشبو پائے گا۔ اس کے برعکس لوہار کی بھٹی تیرا بدن یا تیرا کپڑا جلا دے گی یا تو اس سے بدبو دار ہوا حاصل کرے گا۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں برے ساتھی کی صحبت اختیار کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ برے لوگوں کا ماحول عموماً دوسروں کو بھی بگاڑ دیتا ہے اور نیک اور اچھے لوگوں کی مجلس اختیار کرنے کی ترغیب ہے۔ ② اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کستوری پاک ہے اور اس کی خرید و فروخت جائز ہے۔ دراصل امام حسن بصری رحمہ اللہ اس کی کراہت کے قائل ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی تردید فرمائی کہ ان کا موقف مبنی بر حقیقت نہیں۔ اگرچہ اسے ہرن کے خون سے حاصل کیا جاتا ہے لیکن جب خون کی حالت بدل جائے اور وہ جم کر سوکھنے لگے تو وہ حلال اور پاکیزہ بن جاتا ہے۔ ③ کستوری پاک ہے اور اس کی خرید و فروخت بھی جائز ہے۔ جو لوگ اس کی تجارت کو ناجائز خیال کرتے ہیں اور اسے نجس کہتے ہیں وہ ان کا موقف مذکورہ حدیث کے پیش نظر محل نظر ہے۔[1] واللہ أعلم۔

① فتح الباري: 4/410۔

(۳۹) بَابُ ذِكْرِ الْحَجَّامِ

باب:39- سینگی لگانے والے کا بیان

٢١٠٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: حَجَمَ أَبُو طَيْبَةَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَأَمَرَ لَهُ بِصَاعٍ مِنْ تَمْرٍ، وَأَمَرَ أَهْلَهُ أَنْ يُخَفِّفُوا مِنْ خَرَاجِهِ. [انظر: ٢٢١٠، ٢٢٧٧، ٢٢٨٠، ٢٢٨١، ٥٦٩٦]

[2102] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ ابو طیبہ نے رسول اللہ ﷺ کو سینگی لگائی۔ آپ نے اسے ایک صاع کھجوریں دینے کا حکم دیا، نیز اس کے مالکوں کو فرمایا کہ وہ اس کے خراج میں کمی کریں۔

٢١٠٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ - هُوَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ -: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: اِحْتَجَمَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَعْطَى الَّذِي حَجَمَهُ، وَلَوْ كَانَ حَرَامًا لَمْ يُعْطِهِ. [راجع: ١٨٣٥]

[2103] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے ایک دفعہ سینگی لگوائی اور لگانے والے کو اجرت دی۔ اگر یہ (مزدوری) حرام ہوتی تو آپ اسے نہ دیتے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت ابو جحیفہ ؓ کا بیان ہے کہ میرے باپ نے ایک غلام خریدا جو سینگی لگاتا تھا۔ انھوں نے تمام آلات توڑ دیے جن کے ذریعے سے وہ سینگی لگاتا تھا۔ میرے دریافت کرنے پر انھوں نے بتایا: رسول اللہ ﷺ نے خون کی قیمت لینے سے منع فرمایا ہے۔[1] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سینگی لگانے کا کاروبار درست نہیں جبکہ مذکورہ عنوان کے تحت پیش کردہ احادیث کا تقاضا ہے کہ اس پیشے میں کوئی قباحت نہیں۔ دراصل رسول اللہ ﷺ نے اس لیے منع فرمایا کہ اس سے عام انسان کو گھن آتی ہے، نیز اس گندے خون کو منہ میں جمع کیا جاتا ہے جس سے یہ خطرہ بدستور قائم رہتا ہے کہ شاید یہ گندا خون حلق سے اتر کر پیٹ میں چلا جائے، اس لیے کراہت کے پیش نظر اس سے منع فرمایا، تاہم سینگی لگانے اور اس پر اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس ؓ نے حدیث کے آخر میں صراحت کی ہے کہ اگر یہ مزدوری حرام ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اسے نہ دیتے۔ ② واضح رہے کہ اصلاحِ خون کے لیے سینگی لگوانے کا علاج بہت قدیم اور مجرب ہے۔ عربوں کے ہاں اس کا عام رواج تھا۔ مفصل بحث کتاب الإجارۃ (حدیث: 2278) کے تحت بیان ہوگی۔ بإذن اللّٰہ۔

(٤٠) بَابُ التِّجَارَةِ فِيمَا يُكْرَهُ لُبْسُهُ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

باب:40- ایسی اشیاء کی تجارت جن کا استعمال مردوں اور عورتوں کے لیے مکروہ ہے

٢١٠٤ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا أَبُو

[2104] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے،

[1] صحیح البخاري، البیوع، حدیث: 2238.

بَكْرِ بْنُ حَفْصٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: أَرْسَلَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِحُلَّةِ حَرِيرٍ أَوْ سِيَرَاءَ فَرَآهَا عَلَيْهِ فَقَالَ: «إِنِّي لَمْ أُرْسِلْ بِهَا إِلَيْكَ لِتَلْبَسَهَا، إِنَّمَا يَلْبَسُهَا مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ، إِنَّمَا بَعَثْتُ إِلَيْكَ لِتَسْتَمْتِعَ بِهَا». يَعْنِي تَبِيعُهَا. [راجع: ٨٨٦]

انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے حضرت عمر ؓ کو ایک ریشمی جوڑا عنایت فرمایا۔ پھر آپ نے انھیں وہ پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا: "میں نے یہ تمھارے پاس اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ تم اسے پہن لو بلکہ اسے تو وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ میں نے صرف اس لیے بھیجا تھا کہ تم اس سے فائدہ اٹھاؤ، یعنی اسے فروخت کر کے اپنی کوئی غرض پوری کرو۔"

فائدہ: اگر ایک چیز کا استعمال کسی شخص کے لیے مکروہ ہے لیکن کسی دوسرے کے لیے اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے تو ایسی چیز کی خرید و فروخت جائز ہے۔ اور اگر شرعی طور پر قابل انتفاع نہیں تو اس کی خرید و فروخت جائز نہیں۔ مذکورہ حدیث میں ریشمی جوڑے کا ذکر ہے جس کا استعمال مردوں کے لیے مکروہ ہے، البتہ عورتوں کے لیے اس کا پہننا جائز ہے، اس لیے ریشمی جوڑوں کی خرید و فروخت جائز ہے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں وضاحت ہے کہ حضرت عمر ؓ نے رسول اللہ ﷺ کا عطا کردہ ریشمی جوڑا اپنے مشرک بھائی کو دے دیا جو کہ مکہ میں رہتا تھا۔[1]

٢١٠٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِيهَا تَصَاوِيرُ، فَلَمَّا رَآهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ قَامَ عَلَى الْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْهُ. فَعَرَفْتُ فِي وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَتُوبُ إِلَى اللهِ وَإِلَى رَسُولِهِ ﷺ، مَاذَا أَذْنَبْتُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا بَالُ هٰذِهِ النُّمْرُقَةِ؟» قُلْتُ: اشْتَرَيْتُهَا لَكَ لِتَقْعُدَ عَلَيْهَا وَتَوَسَّدَهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ أَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُعَذَّبُونَ فَيُقَالُ لَهُمْ: أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ». وَقَالَ: «إِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي فِيهِ الصُّوَرُ لَا تَدْخُلُهُ الْمَلَائِكَةُ».

[2105] ام المومنین حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے ایک ایسا تکیہ خریدا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا تو دروازے پر کھڑے ہو گئے، اندر تشریف نہ لائے۔ میں نے آپ کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھے تو عرض کیا: اللہ کے رسول! میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرتی ہوں، مجھ سے کیا گناہ سرزد ہوا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ تکیہ کیسا ہے؟" میں نے عرض کیا: میں نے یہ آپ کے لیے خریدا ہے تاکہ آپ اس پر ٹیک لگا کر بیٹھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ تصویریں بنانے والے قیامت کے دن عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا: جو صورتیں تم نے بنائی ہیں انھیں زندہ کرو۔" نیز آپ نے فرمایا: "جس گھر میں تصویریں ہوں اس گھر میں فرشتے داخل نہیں

[1] صحيح البخاري، الجمعة، حديث: 886.

[انظر: ٢٢٢٤، ٤٢٨١، ٤٥٩٧، ٥٩٥٦، ٥٩٥٧] ہو گئے۔"

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں مکروہ چیز کی اس قسم کو بیان کیا گیا ہے جو مرد اور عورت دونوں کے لیے مکروہ ہے جبکہ پہلی حدیث میں اس مکروہ کا ذکر تھا جو صرف مردوں کے لیے ناجائز تھی۔ ② حدیث کی باب سے مطابقت اس طرح ہے کہ تصویر والا کپڑا مرد اور عورت دونوں کے لیے مکروہ ہے اس کے باوجود آپ نے اس کی خرید و فروخت کو برقرار رکھا ہے۔ حضرت عائشہ ؓ کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ اس بیع کو فسخ کر دیں۔ ③ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تصویر کشی اور فوٹو گرافی ہر قسم کی حرام ہے، خواہ نقش ہو یا مجسم، دیوار پر بنائی جائے یا کپڑے پر نقش ہو۔ حدیث میں مذکور وعید صرف بنانے والے ہی کے لیے نہیں بلکہ استعمال کرنے والے کو بھی شامل ہے۔ الغرض حدیث ابن عمر عنوان کے ایک جز پر دلالت کرتی ہے، یعنی اس چیز کی خرید و فروخت جائز ہے جسے مرد حضرات استعمال نہیں کر سکتے اور حدیث عائشہ عنوان کے تمام اجزاء پر دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ تصویر والے کپڑے کا استعمال مرد اور عورت دونوں کے لیے منع ہے، اس کے باوجود اس کی خرید و فروخت کو جائز قرار دیا گیا ہے کیونکہ تصویروں کو ختم کر کے اسے ابھی استعمال کرنا درست ہے۔ واللّٰہ أعلم۔

(٤١) بَابُ صَاحِبِ السِّلْعَةِ أَحَقُّ بِالسَّوْمِ

باب: 41- مال کا مالک قیمت بتانے کا زیادہ حق دار ہے

٢١٠٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا بَنِي النَّجَّارِ! ثَامِنُونِي بِحَائِطِكُمْ». وَفِيهِ خِرَبٌ وَنَخْلٌ. [راجع: ٢٣٤]

[2106] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے بنو نجار! تم اپنے باغ کی قیمت بتاؤ۔" اس باغ کا کچھ حصہ ویران اور کچھ نخلستان تھا۔

فوائد و مسائل: ① اس عنوان کا مطلب یہ ہے کہ سامان کے مالک کا یہ حق ہے کہ وہ اپنے سامان کی قیمت بتائے اور اس کی مقدار مقرر کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بنو نجار سے پوچھا: تم اپنے باغ کی قیمت سے مجھے آگاہ کرو، اس لیے چیز کا مالک یا اس کا وکیل قیمت طے کرے گا اس کے بعد خریدار جوڑ توڑ کر کے اسے نتیجے تک پہنچائے گا۔ لیکن ایسا کرنا ضروری نہیں کیونکہ حضرت جابر ؓ سے رسول اللہ ﷺ نے جب اونٹ خریدا تو اس کی قیمت بھی از خود رسول اللہ ﷺ ہی نے طے کی تھی، آپ نے فرمایا: "مجھے ایک اوقیہ چاندی کے عوض فروخت کر دو۔"[1] ② واضح رہے کہ حدیث میں ذکر کردہ وہی باغ ہے جہاں مسجد نبوی تعمیر کی گئی ہے۔[2]

---

1 صحیح البخاري، البیوع، حدیث: 2097۔ 2 فتح الباري: 4/412۔

(٤٢) بَابٌ كَمْ يَجُوزُ الْخِيَارُ؟

باب:42- خیار کتنے دن جائز ہے؟

وضاحت: خیار کے معنی دو امور میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا ہیں اور وہ یہ ہے کہ بیع کو نافذ کرے یا فسخ کر دے۔ عام طور پر اس کی دو قسمیں ہیں: ① خیار مجلس ② خیار شرط۔ اس عنوان میں مدت خیار کی طرف اشارہ ہے۔

٢١٠٧ – حَدَّثَنَا صَدَقَةُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ: سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ قَالَ: سَمِعْتُ نَافِعًا عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ الْمُتَبَايِعَيْنِ بِالْخِيَارِ فِي بَيْعِهِمَا مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا، أَوْ يَكُونُ الْبَيْعُ خِيَارًا». وَقَالَ نَافِعٌ: وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا اشْتَرَى شَيْئًا يُعْجِبُهُ فَارَقَ صَاحِبَهُ. [انظر: ٢١٠٩، ٢١١١، ٢١١٢، ٢١١٦]

[2107] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "خرید و فروخت کرنے والے ہر ایک کو اپنے سودے میں اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہو جائیں یا ان سودے میں خیار شرط ہو۔" حضرت نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ جب کوئی ایسی چیز خریدتے جو انھیں پسند ہوتی تو اپنے ساتھی سے جلدی جدا ہو جاتے۔

فوائد و مسائل: ① عنوان سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام بخاری ؒ مدت خیار بیان کرنا چاہتے ہیں مگر حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے، اس لیے اس کی کوئی مدت مقرر نہیں بلکہ ضرورت کے پیش نظر اس میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے، مثلاً: کپڑا وغیرہ خریدا ہے تو ایک دن، جانور وغیرہ ہے تو دو دن اور اگر گھر خریدا ہے تو ایک ہفتے کا اختیار دیا جا سکتا ہے۔ بیچنے اور خریدنے والا باہمی مدت مقرر کر لیں یہ ان کی صوابدید پر موقوف ہے۔ ② بعض حضرات خیار شرط میں تین دن کی مدت مقرر کرتے ہیں کیونکہ امام بیہقی ؒ نے حضرت ابن عمر ؓ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "خیار کی مدت تین دن ہے۔"[1] لیکن یہ حدیث مذکورہ حدیث کا مقابلہ نہیں ہے۔ بہرحال امام بخاری ؒ کا موقف ہے کہ حدیث میں اس مدت خیار کی کوئی حد مقرر نہیں، لہٰذا اس کی حد بندی کرنا درست نہیں۔ فروخت کردہ چیز کے پیش نظر اس میں کمی بیشی کی گنجائش ہے۔[2] واللہ أعلم۔

٢١٠٨ – حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْخَلِيلِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا».

[2108] حضرت حکیم بن حزام ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "بائع اور مشتری کو بیع میں اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں۔"

وَزَادَ أَحْمَدُ: حَدَّثَنَا بَهْزٌ قَالَ: قَالَ هَمَّامٌ:

راوی حدیث حضرت ابو حجاج نے کہا: میں ابو خلیل

[1] السنن الكبرى للبيهقي: 274/5. [2] فتح الباري: 413/4.

فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِأَبِي التَّيَّاحِ فَقَالَ: كُنْتُ مَعَ أَبِي الْخَلِيلِ لَمَّا حَدَّثَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ الْحَارِثِ هٰذَا الْحَدِيثَ. [راجع: ٢٠٧٩]

کے ساتھ تھا جب انھیں عبداللہ بن حارث نے یہ حدیث بیان کی۔

فائدہ: اس حدیث میں ہے کہ بیچنے والے اور خریدنے والے کو بیع پختہ یا فسخ کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں۔ اس "علیحدگی" سے کیا مراد ہے؟ امام شافعی کا موقف ہے کہ اس سے مراد تفرق ابدان ہے، یعنی بائع اور مشتری اگر مجلس سے ادھر ادھر چلے جائیں تو بیع نافذ ہو جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہ ؒ کہتے ہیں: اس سے تفرق اقوال مراد ہے، یعنی بیچنے والا کہہ دے کہ میں نے فروخت کیا اور خریدنے والا کہہ دے کہ میں نے اسے خریدا تو اس سے بیع پختہ ہو جاتی ہے، اس کے بعد کسی کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں، یعنی ایجاب و قبول کے بعد اختیار ختم ہو جاتا ہے اگرچہ مجلس ہی میں کیوں نہ ہو۔ لیکن قبل ازیں حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد تفرق ابدان ہے کیونکہ حضرت نافع کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ جب کوئی چیز خریدتے جو انھیں پسند ہوتی تو اپنے ساتھی سے جلدی الگ ہو جاتے۔ (حدیث: 2107) اس بنا پر ہمارا رجحان بھی یہی ہے کہ مجلس کے قائم رہنے تک بائع اور مشتری کو اپنی بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے۔ جب مجلس ختم ہو جائے تو یہ اختیار بھی ختم ہو جاتا ہے البتہ خیار شرط یا خیار عیب باقی رہتا ہے۔

(٤٣) بَابٌ: إِذَا لَمْ يُوَقِّتِ الْخِيَارَ، هَلْ يَجُوزُ الْبَيْعُ؟

باب: 43- اگر خیار تعین نہ کریں تو کیا اس طرح بیع جائز ہوگی؟

٢١٠٩ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا، أَوْ يَقُولُ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ: اخْتَرْ». وَرُبَّمَا قَالَ: «أَوْ يَكُونُ بَيْعَ خِيَارٍ». [راجع: ٢١٠٧]

[2109] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "بائع اور مشتری دونوں کو اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں یا ان میں سے ایک اپنے دوسرے ساتھی سے کہہ دے کہ تجھے اختیار ہے۔" بعض اوقات راوی نے یہ الفاظ بیان کیے: "یا بیع خیار ہو۔"

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ جب روایت میں کسی مدت کا ذکر نہیں ہے تو اسے مطلق رکھا جائے کہ کسی مدت کی تعیین جائز نہیں۔ اس سے ان لوگوں کی تائید ہوتی ہے جو خیار کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں کرتے۔ بعض حضرات کا موقف ہے کہ خیار کی مدت تین دن سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ ان کے نزدیک خیار کی مدت تین دن سے زیادہ ہو یا کوئی مدت مقرر ہی نہ کی جائے تو بیع باطل ہو جاتی ہے۔ ② امام بخاری ؒ کا موقف ہے کہ بیع جائز ہے اور جتنی مدت ٹھہرائی جائے اتنی مدت

تک اختیار رہے گا۔ چونکہ اس مسئلے میں فقہائے کرام کا اختلاف تھا، اس بنا پر امام بخاری رحمہ اللہ نے جزم و وثوق کے ساتھ عنوان بندی نہیں کی بلکہ استفہامیہ انداز اختیار کیا ہے۔ بہرحال جب بیع میں خیار کا وقت متعین نہ کیا جائے تو بیع لازم ہو جاتی ہے اور اسے فسخ نہیں کیا جا سکتا بشرطیکہ اس میں کوئی عیب ظاہر ہو جائے جسے پہلے سے نہ بتایا گیا ہو۔[1]

(44) بَابٌ: اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا

باب: 44- جب تک بائع اور مشتری جدا نہ ہوں انھیں اختیار باقی رہتا ہے

وَبِهِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَشُرَيْحٌ وَالشَّعْبِيُّ وَطَاوُسٌ وَعَطَاءٌ وَابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، قاضی شریح، امام شعبی، طاؤس، حضرت عطاء اور ابن ابی ملیکہ رحمہم اللہ نے یہی کہا ہے۔

وضاحت: اس عنوان سے خیار مجلس کا مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی خیار مجلس کے قائل و فاعل تھے جیسا کہ پہلے حدیث (2107) میں گزرا ہے۔ امام ترمذی اور امام مسلم نے بھی ان کا عمل بیان کیا ہے۔[2] واضح رہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک التفرق سے مراد تفرق ابدان ہے۔ قاضی شریح کا عمل سعید بن منصور نے اور امام شعبی کا موقف ابن ابی شیبہ نے بیان کیا ہے۔[3] اسی طرح حضرت طاؤس کا اثر امام شافعی نے کتاب الام میں ذکر کیا ہے۔[4] حضرت عطاء بن ابی رباح اور ابن ابی ملیکہ کا اثر ابن ابی شیبہ نے اپنی متصل سند سے ذکر کیا ہے۔[5]

٢١١٠ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا حَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: قَتَادَةُ أَخْبَرَنِي عَنْ صَالِحٍ أَبِي الْخَلِيلِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ: سَمِعْتُ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا، فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا». [راجع: ٢٠٧٩]

[2110] حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "بیچنے اور خریدنے والے (دونوں) کو اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوئے ہوں۔ اگر وہ سچ کہیں اور صاف صاف بیان کریں تو ان کی خرید و فروخت میں برکت ہو گی۔ اور اگر وہ جھوٹ بولیں اور عیب چھپائیں تو ان کی بیع سے برکت جاتی رہے گی۔"

فوائد و مسائل: ① تمام محدثین کا موقف ہے کہ صرف عقد، یعنی ایجاب و قبول سے بیع لازم نہیں ہو جاتی جب تک بائع اور مشتری مجلس عقد سے جدا نہ ہوں کیونکہ مجلس میں رہتے ہوئے انھیں بیع پختہ یا فسخ کرنے کا اختیار رہتا ہے۔ اختتام مجلس کے بعد

1 فتح الباري: 414/4. 2 جامع الترمذي، البيوع، حديث: 1245، وصحيح مسلم، البيوع، حديث: 3853 (1531). 3 المصنف لابن أبي شيبة: 300/5. 4 الأم للإمام الشافعي: 5/3. 5 فتح الباري: 416/4.

چونکہ یہ اختیار ختم ہو جاتا ہے اس لیے ان کے لیے بیع لازم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد خیار شرط اور خیار عیب کی بنا پر بیع فسخ ہو سکے کی بصورت دیگر فسخ نہیں ہو گی۔ حضرت سعید بن مسیب، امام زہری، ابن ابی ذئب، حسن بصری، امام اوزاعی، ابن جریج، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور اکثر فقہاء ؒ یہی کہتے ہیں۔ امام ابن حزم نے لکھا ہے: ابراہیم نخعی کے علاوہ تابعین میں سے کوئی اس موقف کا مخالف نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ ؒ نے صرف امام نخعی کا قول اختیار کر کے جمہور محدثین کی مخالفت کی ہے۔[1] اس سلسلے میں قاضی شریح کی ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب آدمی خرید و فروخت کے متعلق بات کرتا ہے تو بیع پختہ ہو جاتی ہے لیکن یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ اس میں حجاج بن ارطاۃ نامی راوی ضعیف ہے۔[2] واضح رہے کہ مجلس کی برخاستگی سے مراد جسمانی جدائی ہے۔ اگر اہل الرائے کی طرح محض باتوں کی جدائی مراد ہو تو مذکورہ حدیث اپنے حقیقی فائدے سے خالی رہ جاتی ہے مگر بیرت سے حدیث کے کوئی معنی ہی باقی نہیں رہتے۔ الغرض صحیح مسلک کے مطابق ہر دو طرح سے جسمانی جدائی مراد ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے عمل سے ثابت ہے۔[3]

٢١١١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «الْمُتَبَايِعَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ عَلَى صَاحِبِهِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا إِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ». [راجع: ٢١٠٧]

[2111] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بائع اور مشتری دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہو جائیں الا یہ کہ بیع خیار کی ہو۔"

فوائد و مسائل: ① بیع خیار سے مراد یہ ہے کہ بیچنے والا خریدار کو اختیار دے اور وہ کہے کہ میں بیع کو نافذ کرتا ہوں۔ فقہاء نے اس کے متعلق تین اقوال نقل کیے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: * بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو اختیار ہے سوائے اس بیع کے جس بیع میں عقد کو مکمل کرنے کا اختیار ہو کیونکہ اس سے عقد بیع لازم ہو جاتا ہے اگرچہ وہ اس کے بعد مجلس سے جدا نہ ہوں۔ * دونوں کو اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں مگر وہ بیع جس میں خیار کی شرط لگائی گئی ہو، یعنی ایک یا دونوں کا اختیار دیا گیا ہو۔ یہ اختیار مدت ختم ہونے تک باقی رہتا ہے اگرچہ وہ جدا ہو جائیں۔ * وہ بیع جس میں یہ شرط طے کی گئی ہو کہ مجلس میں کسی کو اختیار نہیں ہے تو اس صورت میں نفس عقد سے بیع مستحکم ہو جاتی ہے۔ پھر دونوں میں سے کسی کو اختیار باقی نہیں رہتا۔[4] لیکن یہ آخری صورت نص حدیث سے ٹکراتی ہے، لہذا ہمارے نزدیک یہ آخری معنی محل نظر ہیں۔ واللہ أعلم۔ ② امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے خیار مجلس کو ثابت کیا ہے اور اس سے مراد تفرق ابدان ہے۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابو برزہ اسلمی ؓ کا یہی مسلک ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابن عمر ؓ نے ایک شخص سے اونٹ خریدا، اس کی قیمت سامنے رکھ کر اسے کہا: تجھے اب بھی اختیار ہے قیمت قبول کر لو یا اونٹ واپس لے لو۔[5]

---

1 فتح الباری: 4/416. 2 عمدة القاری: 8/387. 3 فتح الباری: 4/416.

(٤٥) بَابٌ: إِذَا خَيَّرَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ بَعْدَ الْبَيْعِ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ

باب:45- جب بیع کے بعد بائع اور مشتری میں سے کوئی ایک، دوسرے کو اختیار دے دے تو بیع واجب ہو جاتی ہے

وضاحت: اس عنوان کے دو محل ہیں: * جب بائع اور مشتری میں سے کسی کو خیار شرط حاصل ہو جائے تو بیع واجب ہو جائے گی اگرچہ حکم متاخر ہوگا۔ * جب دونوں میں سے ایک نے دوران بیع میں کہہ دیا کہ تو اپنے لیے قبول یا رد اختیار کر لے اور اس نے قبول کو اختیار کیا تو بیع واجب ہو جائے گی اور ملکیت کا حکم ثابت ہو جائے گا۔ اس میں دیر نہیں ہوگی۔

٢١١٢ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «إِذَا تَبَايَعَ الرَّجُلَانِ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا وَكَانَا جَمِيعًا، أَوْ يُخَيِّرُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ فَتَبَايَعَا عَلَى ذٰلِكَ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ، وَإِنْ تَفَرَّقَا بَعْدَ أَنْ يَتَبَايَعَا وَلَمْ يَتْرُكْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا الْبَيْعَ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ». [راجع: ٢١٠٧]

[2112] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جب دو آدمی آپس میں بیع کریں تو جب تک دونوں جدا نہ ہوں اور دونوں اکٹھے رہیں، ان میں سے ہر ایک کو بیع کے انعقاد اور فسخ کا اختیار ہے۔ ہاں، اگر ایک نے دوسرے کو اختیار دیا اور اسی طریقے پر انھوں نے بیع کا معاملہ کیا تو بیع واجب ہوگی۔ اور اگر وہ بیع کرنے کے بعد جدا ہو گئے اور ان میں سے کسی نے بیع کو فسخ نہ کیا تو بھی بیع واجب ہو جائے گی۔''

فوائد و مسائل: ﴿1﴾ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ بائع اور مشتری جب تک ایک جگہ ہیں انھیں بیع کے انعقاد اور فسخ کا اختیار رہتا ہے۔ ہاں، اگر ان میں سے ایک نے دوسرے کو اختیار دے دیا کہ بیع پکی کر لے کا تجھے اختیار ہے۔ جب اس نے بیع کو اختیار کر لیا تو بیع پختہ ہو جائے گی اگرچہ وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔ اور اگر وہ خاموش رہا اور ہاں یا نہیں میں جواب نہ دیا تو بھی اس کا اختیار ختم نہیں ہوگا، البتہ اختیار دینے والے کا اختیار ختم ہو جائے گا۔ دوسری صورت بیع کے پختہ ہونے کی یہ ہے کہ عقد بیع کے بعد دونوں الگ الگ ہو گئے اور ان میں سے کسی نے بھی بیع کو فسخ نہ کیا تو بھی بیع پختہ ہو جائے گی۔ اس صورت میں خیار عیب باقی رہے گا۔ ﴿2﴾ علامہ خطابی ؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث خیار مجلس کے ثبوت کے لیے بین دلیل ہے اور اس کے علاوہ ہر تاویل کو باطل قرار دیتی ہے، نیز اس میں وضاحت ہے کہ جدائی سے مراد اقوال کی نہیں بلکہ ابدان کی جدائی ہے۔ ابدان کی علیحدگی ہی اختیار کو ختم کرتی ہے۔[1]

[1] فتح الباري: 4/424.

(٤٦) بَابٌ: إِذَا كَانَ الْبَائِعُ بِالْخِيَارِ هَلْ يَجُوزُ الْبَيْعُ؟

باب: 46- جب بائع کو اختیار ہو تو کیا بیع جائز ہوگی؟

وضاحت: بعض حضرات کا خیال ہے کہ بیع کو پختہ یا فسخ کرنے کا اختیار صرف مشتری (خریدار) کو ہے، بائع کو نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی تردید کے لیے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ حدیث میں دونوں کے لیے اختیار ثابت کیا گیا ہے۔

٢١١٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «كُلُّ بَيِّعَيْنِ لَا بَيْعَ بَيْنَهُمَا حَتَّى يَتَفَرَّقَا إِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ». [راجع: ٢١٠٧]

[2113] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”بائع اور مشتری میں کوئی بیع نہیں ہوگی جب تک دونوں جدا نہ ہوں، ہاں، وہ بیع مکمل ہوگی جس میں خیار ہو۔“

فائدہ: جب بائع (بیچنے والا) اور مشتری (خریدار) کسی بیع کا معاملہ کریں تو جب تک وہ مجلس عقد میں موجود رہیں گے بیع پختہ نہیں ہوگی ہاں، جب مجلس برخاست ہو جائے تو بیع لازم سمجھی جائے گی۔ اگر ان میں سے کسی کو دوران مجلس میں بیع پختہ یا فسخ کرنے کا اختیار دے دیا جائے اور وہ اپنے اختیارات کو استعمال کر کے دوران مجلس ہی میں بیع کو پختہ یا فسخ کر دے تو اسے یہ حق حاصل ہے۔ اس کے لیے مجلس کی برخاستگی ضروری نہیں ہے۔ یہ اختیار بائع اور مشتری دونوں میں سے کسی کو بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اس اختیار کو مشتری کے ساتھ خاص کرنا اور بائع کو اس سے الگ رکھنا صحیح نہیں کیونکہ حدیث کے الفاظ اس تفریق کی اجازت نہیں دیتے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسی بات کو ثابت کیا ہے۔

٢١١٤ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا حَبَّانُ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَبِي الْخَلِيلِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ حَتَّى يَتَفَرَّقَا». قَالَ هَمَّامٌ: وَجَدْتُ فِي كِتَابِي: «يَخْتَارُ - ثَلَاثَ مِرَارٍ - فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا فَعَسَى أَنْ يَرْبَحَا رِبْحًا وَيُمْحَقَا بَرَكَةَ بَيْعِهِمَا».

[2114] حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”بائع اور مشتری کو اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں..... ہمام کہتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میں اس طرح پایا کہ وہ تین بار اختیار کرے..... اگر وہ دونوں سچ بولیں اور صاف صاف بیان کریں تو ان کی اس بیع میں برکت ہوگی اور اگر وہ جھوٹ سے کام لیں اور عیب وغیرہ چھپائیں تو شاید انھیں نفع تو ہوگا لیکن اس بیع سے برکت کو ختم کر دیا جائے گا۔“

قَالَ: وَحَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا أَبُو التَّيَّاحِ: أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ الْحَارِثِ يُحَدِّثُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٢٠٧٩]

حبان نے کہا: ہم کو ہمام نے خبر دی، انھوں نے کہا: ہم سے ابو تیاح نے بیان کیا، انھوں نے عبداللہ بن حارث کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا، انھوں نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے اور انھوں نے اس حدیث کو نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ﴿1﴾ بیعان سے خرید و فروخت کرنے والے دونوں مراد ہیں۔ عقد مجلس میں سودا پختہ یا فسخ کرنے کا دونوں کو اختیار ہے۔ جس طرح خریدنے والا دوران مجلس میں بیع واپس کرنے اور قیمت لینے کا مجاز ہے اسی طرح بائع بھی قیمت واپس کرنے اور اپنی فروخت کردہ چیز لینے کا اختیار رکھتا ہے۔ مشتری کو اختیار دینا اور بائع کو اس سے محروم رکھنا قرین انصاف نہیں۔ بائع کو اختیار دینے سے بیع کا انعقاد متاثر نہیں ہوگا۔ ﴿2﴾ روایت میں حضرت ہمام کے حوالے سے بیان ہوا ہے کہ انھوں نے یہ حدیث اپنی یادداشت سے بیان کرنے کے بعد اپنی کتاب دیکھی تو وہاں اس طرح پایا: "وہ تین بار اختیار کرے" یعنی خریدنے والا تین دفعہ اپنی پسند کا اعلان کرے۔ یہ الفاظ غیر محفوظ ہیں اور حضرت قتادہ سے بیان کرنے والے دوسرے راویوں کے بھی خلاف ہیں، لہذا یہ الفاظ کسی صورت میں قبول نہیں ہوں گے۔[1]

(٤٧) بَابٌ: إِذَا اشْتَرَى شَيْئًا فَوَهَبَ مِنْ سَاعَتِهِ قَبْلَ أَنْ يَتَفَرَّقَا وَلَمْ يُنْكِرِ الْبَائِعُ عَلَى الْمُشْتَرِي أَوِ اشْتَرَى عَبْدًا فَأَعْتَقَهُ

باب: 47- ایک شخص جب کوئی چیز خریدے اور جدا ہونے سے پہلے اسی وقت وہ کسی کو ہبہ کر دے، فروخت کنندہ خریدار پر کوئی اعتراض نہ کرے یا کوئی غلام خریدے اور اسی وقت اسے آزاد کر دے (تو بیع نافذ ہو جائے گی)

وَقَالَ طَاوُسٌ فِيمَنْ يَشْتَرِي السِّلْعَةَ عَلَى الرِّضَا ثُمَّ بَاعَهَا: وَجَبَتْ لَهُ وَالرِّبْحُ لَهُ.

حضرت طاوس نے اس شخص کے متعلق کہا جو (فریق ثانی کی) رضامندی سے کوئی سامان خریدے پھر (جدا ہونے سے قبل) اسے فروخت کر دے تو یہ بیع لازم ہو جائے گی اور اس کا نفع بھی خریدار ہی کا ہوگا۔

وضاحت: عنوان میں بیان کردہ دونوں صورتوں میں بائع کو فسخ بیع کا اختیار نہ رہے گا کیونکہ اس نے مشتری کے تصرف پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی اس عنوان سے غرض یہ ہے کہ ان احادیث سے خیار مجلس کی نفی نہیں ہوتی جس کا ثبوت حضرت ابن عمر اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث سے ملتا ہے۔ ان احادیث کے اعتبار سے خیار اس لیے ختم ہوا کہ

1 فتح الباري: 4/422.

مشتری نے تصرف کیا اور بائع نے اس پر سکوت اختیار کیا، گویا اس کے سکوت (خاموشی) نے اس کے خیار مجلس کو ختم کر دیا ہے۔

٢١١٥ - وَقَالَ الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ فَكُنْتُ عَلَى بَكْرٍ صَعْبٍ لِعُمَرَ، فَكَانَ يَغْلِبُنِي فَيَتَقَدَّمُ أَمَامَ الْقَوْمِ فَيَزْجُرُهُ عُمَرُ وَيَرُدُّهُ، ثُمَّ يَتَقَدَّمُ فَيَزْجُرُهُ عُمَرُ وَيَرُدُّهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِعُمَرَ: «بِعْنِيهِ». قَالَ: هُوَ لَكَ يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «بِعْنِيهِ»، فَبَاعَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «هُوَ لَكَ يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ! تَصْنَعُ بِهِ مَا شِئْتَ». [انظر: ٢٦١٠، ٢٦١١]

[2115] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہم کسی سفر میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھے اور میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک سرکش اونٹ پر سوار تھا۔ وہ اونٹ میرے قابو میں نہ آتا تھا اور سب سے آگے بڑھ جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے ڈانٹ کر پیچھے کر دیتے مگر وہ پھر آگے بڑھ جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے پھر ڈانٹ کر پیچھے کر دیتے۔ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم اسے میرے ہاتھ فروخت کر دو۔'' انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! وہ آپ ہی کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اسے میرے ہاتھ فروخت کر دو۔'' چنانچہ انھوں نے وہ اونٹ رسول اللہ ﷺ کو فروخت کر دیا۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا: ''عبداللہ بن عمر! یہ اونٹ تمھارا ہے، اس کے ساتھ جو چاہو سلوک کرو۔''

فوائد و مسائل: ⓵ امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں شرط کے ساتھ اس کا جواب ذکر نہیں کیا کیونکہ مذکورہ مسئلے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی چیز خریدی اور جدا ہونے سے پہلے ہی فوراً کسی کو ہبہ کر دی، اس پر بائع نے مشتری پر کوئی اعتراض نہ کیا بلکہ اس کے فعل پر خاموش رہ کر اپنی رضامندی کو ظاہر کیا تو بیع جائز ہے۔ اگر بائع نے انکار کر دیا اور اس معاملے پر راضی نہ ہوا تو بیع جائز نہیں ہوگی کیونکہ انعقادِ بیع کے لیے جسمانی جدائی ضروری تھی۔ لیکن مذکورہ صورت میں بائع کے خاموش رہنے سے خیار مجلس ختم ہو جاتا ہے۔ اس حدیث میں صرف ہبہ کا ذکر ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے غلام آزاد کرنے کو ہبہ پر قیاس کیا کیونکہ دونوں عطیہ کرنے کی قسم سے ہیں۔ ⓶ ابن بطال نے کہا ہے: جن حضرات کے نزدیک تفرق ابدان کے بغیر بیع پوری نہیں ہوتی اور وہ مشتری کا تصرف قبل از تفرق جائز خیال نہیں کرتے یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔[1]

٢١١٦ - قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: بِعْتُ مِنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ

[2116] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں نے امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ وادی کے اندر جو میری زمین تھی ان کے خیبر والے مال کے عوض فروخت کر دی۔ جب ہم بیع کر چکے تو میں

---

[1] فتح الباري: 424/4.

عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَالًا بِالْوَادِي بِمَالٍ لَهُ بِخَيْبَرَ، فَلَمَّا تَبَايَعْنَا رَجَعْتُ عَلَى عَقِبِي حَتَّى خَرَجْتُ مِنْ بَيْتِهِ خَشْيَةَ أَنْ يُرَادَّنِي الْبَيْعَ، وَكَانَتِ السُّنَّةُ أَنَّ الْمُتَبَايِعَيْنِ بِالْخِيَارِ حَتَّى يَتَفَرَّقَا. قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: فَلَمَّا وَجَبَ بَيْعِي وَبَيْعُهُ رَأَيْتُ أَنِّي قَدْ غَبَنْتُهُ بِأَنِّي سُقْتُهُ إِلَى أَرْضِ ثَمُودَ بِثَلَاثِ لَيَالٍ وَسَاقَنِي إِلَى الْمَدِينَةِ بِثَلَاثِ لَيَالٍ.

[راجع: ٢١٠٧]

الٹے پاؤں واپس چلا حتی کہ ان کے مکان سے باہر نکل گیا مبادا وہ بیع واپس کر دیں کیونکہ طریقہ مروجہ یہ تھا کہ بائع اور مشتری دونوں کو اختیار ہوتا حتی کہ وہ جدا ہو جائیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب میری اور ان کی بیع پوری ہو گئی تو میرے خیال کے مطابق میں نے ان سے نقصان کیا، اس لیے کہ میں نے انھیں ارض ثمود کی طرف تین راتوں کا سفر دور کر دیا اور انھوں نے مجھے مدینہ طیبہ کی طرف تین دن کی مسافت قریب کر دیا۔

فوائد و مسائل: ① جس وادی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی زمین تھی اس کا نام وادی قریٰ ہے جو مدینہ طیبہ سے چھ سات منزل دور تبوک کے قریب تھی اور قوم ثمود اسی جگہ آباد تھی۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے خیار مجلس ثابت کیا ہے۔ خیار مجلس کے اثبات کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سرکش اونٹ والا واقعہ رکاوٹ کا باعث تھا، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں کچھ الفاظ کا اضافہ کر کے اس کا جواب دیا ہے۔ وہاں خیار مجلس اس لیے جاتا رہا کہ مشتری نے بائع کی موجودگی میں تصرف کیا اور اس کے سکوت (خاموشی) نے خیار مجلس کو ختم کر دیا۔ ③ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے سے پہلے تفرق بالابدان متروک ہو چکا تھا لیکن یہ خیال حدیث کے ظاہری الفاظ کے خلاف ہے، نیز ایوب بن سوید کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ہم جب خرید و فروخت کرتے تو بائع اور مشتری دونوں کو اختیار رہتا جب تک کہ وہ الگ الگ نہ ہو جاتے، چنانچہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک سودا کیا، پھر انھوں نے یہ واقعہ بیان کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سودا کرنے کے وقت تک بھی اس پر عمل ہوتا تھا۔[1]

(٤٨) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْخِدَاعِ فِي الْبَيْعِ

باب: 48- خرید و فروخت میں فریب کاری اور دھوکا دہی ناجائز ہے

٢١١٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَجُلًا ذَكَرَ لِلنَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ يُخْدَعُ فِي الْبُيُوعِ، فَقَالَ: «إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ». [انظر: ٢٤٠٧، ٢٤١٤، ٦٩٦٤]

[2117] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ اسے خرید و فروخت میں (اکثر) دھوکا دیا جاتا ہے تو آپ نے فرمایا: ''جب تم خرید و فروخت کرو تو کہہ دیا کرو کہ مجھے دھوکا نہ ہو۔''

[1] فتح الباري: 424/4.

فوائد و مسائل: ① یہ شخص حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ تھے۔ جنگ کے دوران میں ان کے سر پر پتھر لگنے کی وجہ سے ان کی زبان اور عقل متاثر ہوگئی تھی۔ اس بنا پر انھیں اکثر خرید و فروخت کرتے وقت نقصان ہو جاتا۔ جب انھوں نے شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کوئی چیز خرید کرو تو بائع (بیچنے والا) کے ساتھ یہ شرط کر لیا کرو کہ اس میں کسی قسم کا دھوکا نہ ہو۔" کیونکہ دین خیر خواہی کا نام ہے۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خرید و فروخت کرتے وقت دھوکا دہی اور فریب کاری حرام ہے۔ ایک روایت میں اتنا اضافہ ہے: "جب تو کوئی چیز خریدے تو تجھے تین دن تک اختیار ہوگا۔"[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے سے خریدار کو بیع فسخ کرنے کا اختیار مل جاتا ہے۔[2]

(٤٩) بَابُ مَا ذُكِرَ فِي الْأَسْوَاقِ

باب: 49- بازاروں کی بابت جو کچھ کہا گیا

وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ: لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ، [قُلْتُ]: هَلْ مِنْ سُوقٍ فِيهِ تِجَارَةٌ؟ فَقَالَ: سُوقُ قَيْنُقَاعَ. وَقَالَ أَنَسٌ: قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: دُلُّونِي عَلَى السُّوقِ. وَقَالَ عُمَرُ: أَلْهَانِي الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ.

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم مدینہ طیبہ آئے تو میں نے کہا: یہاں کوئی بازار ہے جس میں تجارت ہوتی ہو؟ (میرے دینی بھائی) سعد بن ربیع نے بتایا کہ قینقاع بازار ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے بازار (کی راہ) بتاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے بازاروں میں تجارت نے غافل کر دیا۔

وضاحت: اس باب کا مقصد یہ ہے کہ ایک حدیث کے مطابق بازار اگرچہ زمین کا بدترین خطہ ہیں کیونکہ ان میں شور و غل، گالی گلوچ اور بلاوجہ لڑائی جھگڑا رہتا ہے، تاہم اشراف و فضلاء کے وہاں جانے اور کاروبار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا کسب معاش کے لیے بازار جانا ثابت ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ یہ تمام آثار کتاب البیوع کے آغاز میں متصل سند سے بیان ہوئے ہیں۔[3]

٢١١٨ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوقَةَ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ: حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «يَغْزُو جَيْشٌ الْكَعْبَةَ، فَإِذَا كَانُوا بِبَيْدَاءَ مِنَ الْأَرْضِ يُخْسَفُ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ». قَالَتْ:

[2118] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایک لشکر خانہ کعبہ پر چڑھائی کرے گا۔ جب وہ مقام بیداء پر پہنچے گا تو اول سے آخر تک تمام لشکر کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! تمام کو کیسے زمین میں دھنسا دیا جائے گا؟ جبکہ ان میں دوکاندار

---

[1] السنن الكبرى للبيهقي: 273/5. [2] فتح الباري: 427/4. [3] فتح الباري: 429/4.

قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! كَيْفَ يُخْسَفُ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ وَفِيهِمْ أَسْوَاقُهُمْ وَمَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ؟ قَالَ: «يُخْسَفُ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ، ثُمَّ يُبْعَثُونَ عَلَى نِيَّاتِهِمْ».

بھی ہوں گے اور وہ لوگ بھی جن کا لشکر سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ آپ نے فرمایا: ”اول سے آخر تک سب کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا، پھر انھیں ان کی اپنی نیتوں کے مطابق (قبروں سے) اٹھایا جائے گا۔“

✸ فوائد و مسائل: ﴿1﴾ اس حدیث کے مطابق مقام بیداء میں بازاروں یا بازاروں میں کام کرنے والے دوکانداروں کا ثبوت ملتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صرف انھی کو ثابت کرنے کے لیے حدیث ذکر کی ہے۔ ﴿2﴾ بازار میں اگرچہ شور و شغب ہوتا ہے لیکن اگر شرفاء اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے وہاں جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ ﴿3﴾ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل شر اور فتنہ پرور لوگوں کے ساتھ میل ملاپ رکھنا خود اپنی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ ﴿4﴾ بعض روایات میں ”أشرافهم“ کے الفاظ ہیں، اس بنا پر بخاری کے بیان کردہ الفاظ أسواقهم پر تصحیف کا اعتراض کیا گیا ہے جو مبنی بر حقیقت نہیں۔[1]

٢١١٩ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «صَلَاةُ أَحَدِكُمْ فِي جَمَاعَةٍ تَزِيدُ عَلَى صَلَاتِهِ فِي سُوقِهِ وَبَيْتِهِ بِضْعًا وَعِشْرِينَ دَرَجَةً، وَذَلِكَ بِأَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ أَتَى الْمَسْجِدَ لَا يُرِيدُ إِلَّا الصَّلَاةَ لَا يَنْهَزُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ لَمْ يَخْطُ خَطْوَةً إِلَّا رُفِعَ بِهَا دَرَجَةً، أَوْ حُطَّتْ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ، وَالْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ الَّذِي يُصَلِّي فِيهِ: اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ، اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ مَا لَمْ يُحْدِثْ فِيهِ، مَا لَمْ يُؤْذِ فِيهِ». وَقَالَ: «أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا كَانَتِ الصَّلَاةُ تَحْبِسُهُ». [راجع: ١٧٦]

[2119] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کسی ایک کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اس کے بازار اور گھر میں نماز پڑھنے سے بیس سے کئی درجے زیادہ باعث ثواب ہے۔ یہ اس لیے کہ جب وہ وضو کرتا ہے اور اسے اچھی طرح بجا لاتا ہے، پھر مسجد میں آتا ہے اور اس کا ارادہ صرف نماز پڑھنے کا ہوتا ہے اور اس کو نماز ہی مسجد میں لے جاتی ہے تو ایسے حالات میں وہ قدم نہیں اٹھاتا مگر اس کے باعث ایک درجہ بلند ہوتا ہے، نیز اس کے بدلے میں اس کا ایک گناہ بھی معاف ہوتا ہے اور فرشتے تو مسلسل اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں، جب تک وہ اپنے مصلے پر بیٹھا رہتا ہے جس پر اس نے نماز پڑھی ہو۔ فرشتے کہتے ہیں: اے اللہ! اس شخص پر اپنی رحمت بھیج، اے اللہ! اس پر رحم فرما، جب تک وہ بے وضو نہ ہو اور کسی کو اذیت نہ پہنچائے۔“ نیز آپ نے فرمایا: ”جتنی دیر تک آدمی نماز کی وجہ سے مسجد میں رکا رہتا ہے وہ نماز ہی میں شمار ہوتا ہے۔“

[1] فتح الباري: 430/4.

فائدہ: اس حدیث میں بازار کا ذکر آیا ہے اور اس میں نماز پڑھنے کا بیان ہوا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اسلام میں بازاروں کا وجود قائم رکھا گیا ہے، وہاں آنا جانا، خرید و فروخت کرنا بھی جائز ہے تاکہ تمدنی امور کو ترقی حاصل ہو، مگر کچھ لوگ بازاروں میں لوٹ کھسوٹ، دھوکا، جھوٹ، مکر و فریب کرتے ہیں، اس اعتبار سے انھیں زمین کا بدترین خطہ قرار دیا گیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث کو بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اس میں بازار کا ذکر ہے اور وہاں نماز پڑھنے کا بیان ہے۔

٢١٢٠ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ فِي السُّوقِ فَقَالَ رَجُلٌ: يَا أَبَا الْقَاسِمِ! فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: إِنَّمَا دَعَوْتُ هٰذَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي». [انظر: ٢١٢١، ٣٥٣٧]

[2120] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ ایک دفعہ بازار میں تھے تو ایک شخص نے "ابوالقاسم" کہہ کر آواز دی۔ جب نبی ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے کہا کہ میں نے تو اس شخص کو بلایا تھا۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: "تم لوگ میرے نام پر نام رکھ لیا کرو لیکن میری کنیت پر اپنی کنیت نہ رکھا کرو۔"

٢١٢١ - حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: دَعَا رَجُلٌ بِالْبَقِيعِ: يَا أَبَا الْقَاسِمِ! فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: لَمْ أَعْنِكَ، قَالَ: «سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي». [راجع: ٢١٢٠]

[2121] حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ایک شخص نے بقیع میں "ابوالقاسم" کہہ کر پکارا تو نبی ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس نے کہا: میرا مقصد آپ کو بلانا نہیں تھا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: "میرے نام پر نام تو رکھو لیکن میری کنیت پر اپنی کنیت نہ رکھو۔"

فوائد و مسائل: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو دو طریق سے بیان کیا ہے جس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ پہلی روایت میں سوق سے مراد سوق بقیع ہے۔ اس کی تائید مسند احمد کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس بقیع میں تشریف لائے اور فرمایا: "اے تاجروں کے گروہ! خرید و فروخت کرتے وقت جھوٹی قسم اور دھوکے وغیرہ میں انسان مبتلا ہو جاتا ہے، لہٰذا تم اس قسم کی لغزش کو صدقے وغیرہ سے دھو دیا کرو۔"[1] ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں وہاں بازار لگتا ہو۔ اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کا بازار جانا ثابت ہوتا ہے، اس لیے بوقت ضرورت بازار جانا مباح ہے مگر وہاں قدم قدم پر امانت و دیانت کو ملحوظ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ کافر لوگ رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کرتے تھے کہ یہ رسول کھانا کھاتا اور بازار جاتا ہے، گویا ان کے نزدیک بازار جانا منصب نبوت کے خلاف تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ کا بازار جانا شان رسالت اور منصب امامت کے خلاف نہیں۔ قرآن کریم نے بھی اس

1 مسند أحمد: 4/6.

اعتراض کا جواب دیا ہے۔[1]

٢١٢٢ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ الدَّوْسِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فِي طَائِفَةِ النَّهَارِ لَا يُكَلِّمُنِي وَلَا أُكَلِّمُهُ حَتَّى أَتَى سُوقَ بَنِي قَيْنُقَاعَ فَجَلَسَ بِفِنَاءِ بَيْتِ فَاطِمَةَ فَقَالَ: «أَثَمَّ لُكَعُ؟ أَثَمَّ لُكَعُ؟» فَحَبَسَتْهُ شَيْئًا فَظَنَنْتُ أَنَّهَا تُلْبِسُهُ سِخَابًا أَوْ تُغَسِّلُهُ، فَجَاءَ يَشْتَدُّ حَتَّى عَانَقَهُ وَقَبَّلَهُ وَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ أَحِبَّهُ وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُ».

[2122] حضرت ابوہریرہ دوسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ دن کے وقت ایک طرف نکلے، نہ آپ مجھ سے باتیں کرتے اور نہ میں آپ سے کوئی بات کرتا تھا حتی کہ آپ بنو قینقاع کے بازار میں پہنچ گئے۔ (پھر واپس ہوئے) اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے صحن میں بیٹھ گئے تو فرمایا: ''کیا یہاں کوئی بچہ ہے؟ کیا ادھر کوئی بچہ ہے؟'' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اسے کچھ دیر کے لیے روکے رکھا۔ میں نے خیال کیا کہ وہ انھیں ہار وغیرہ پہنا رہی ہیں یا اسے نہلا رہی ہیں۔ پھر وہ (حضرت حسن رضی اللہ عنہ) دوڑتے ہوئے آئے تو آپ ﷺ نے انھیں گلے لگایا اور ان سے پیار کیا، پھر فرمایا: ''اے اللہ! تو اس سے محبت کر اور جو اس سے محبت کرے اسے بھی اپنا محبوب بنا۔''

قَالَ سُفْيَانُ: قَالَ عُبَيْدُ اللهِ: أَخْبَرَنِي أَنَّهُ رَأَى نَافِعَ بْنَ جُبَيْرٍ أَوْتَرَ بِرَكْعَةٍ. [راجع: ٥٨٨٤]

سفیان ثوری نے کہا کہ مجھے عبیداللہ نے بتایا کہ انھوں نے نافع بن جبیر کو دیکھا کہ انھوں نے ایک رکعت وتر ادا کیا۔

فوائد و مسائل: ① صحیح مسلم کی روایت میں وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بازار بنو قینقاع سے واپس آئے، پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہوئے۔[2] یہ وضاحت اس لیے کی گئی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا گھر بنو قینقاع کے بازار میں نہیں تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بخاری کی اس روایت میں راوی سے کچھ الفاظ رہ گئے ہیں۔[3] ② اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بازار بنو قینقاع تشریف لے گئے، اس لیے بازاروں میں آنا جانا اور معاملات کرنا کوئی مذموم امر نہیں۔ ضروریات زندگی کے لیے بہرحال ہر کسی کو بازار جانا پڑتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد بھی اس امر کا بیان کرنا ہے کیونکہ بیوع کا تعلق زیادہ تر بازاروں ہی سے ہے۔ ③ وتر سے متعلق نافع رحمہ اللہ کے عمل کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ عبیداللہ کی نافع سے ملاقات ثابت ہے، اس لیے مذکورہ سند میں ان کا ''عن'' سے بیان کرنا صحت حدیث پر اثر انداز نہیں ہوگا۔[4]

٢١٢٣ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا أَبُو

[2123] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ

[1] الفرقان 25:20. [2] صحیح مسلم، فضائل الصحابۃ، حدیث: 6257 (2421). [3] فتح الباری: 4/432. [4] عمدۃ القاري: 8/404.

ضَمْرَةَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُمَرَ: أَنَّهُمْ كَانُوا يَشْتَرُونَ الطَّعَامَ مِنَ الرُّكْبَانِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَيَبْعَثُ عَلَيْهِمْ مَنْ يَمْنَعُهُمْ أَنْ يَبِيعُوهُ حَيْثُ اشْتَرَوْهُ حَتَّى يَنْقُلُوهُ حَيْثُ يُبَاعُ الطَّعَامُ. [انظر: ٢١٣١، ٢١٣٧، ٢١٦٦، ٢١٦٧، ٦٨٥٢]

کے زمانے میں لوگ اہل قافلہ سے غلہ خرید لیتے۔ آپ ان کی روک تھام کے لیے کسی ایسے شخص کو ان کے پاس بھیج دیتے جو ان کو خریداری کی جگہ غلہ بیچنے سے منع کرتا یہاں تک وہ اسے منڈی میں نہ پہنچا دیں جہاں غلہ فروخت ہوتا ہے۔

٢١٢٤ - قَالَ: وَحَدَّثَنَا ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يُبَاعَ الطَّعَامُ إِذَا اشْتَرَاهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ. [انظر: ٢١٢٦، ٢١٣٣، ٢١٣٦]

[2124] حضرت ابن عمر ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ اس بات سے منع کرتے تھے کہ غلہ جس وقت خریدا جائے اسی وقت وہیں فروخت کر دیا جائے یہاں تک کہ اس پر پورا پورا قبضہ کر لیا جائے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں صحابۂ کرام ؓ کا بازار میں آنا جانا مذکور ہے۔ اگرچہ اس میں بازار کی صراحت نہیں ہے لیکن اکثر طور پر غلہ وغیرہ بازار اور منڈی ہی میں فروخت ہوتا ہے، اس لیے بازار جانے کا جواز ثابت ہوا۔ ② یہ بھی پتہ چلا کہ خریدی ہوئی چیز کو قبضے سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں۔ ہم اس کی وضاحت آئندہ کریں گے۔ باذن اللہ۔ ③ کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ پر متعدد جاہلانہ اعتراضات کیے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ رسول کم از کم کوئی مافوق البشر ہستی ہونی چاہیے جو حوائج بشریہ (انسانی ضروریات) سے بے نیاز ہو۔ کم از کم دنیا کے دھندوں سے آزاد اور تارک دنیا قسم کے لوگوں سے ہو۔ بازاروں میں آنا جانا، کسب معاش کے لیے دوڑ دھوپ کرنا ان کے نزدیک شان نبوت کے خلاف تھا۔ قرآن کریم نے ان کا اعتراض بایں الفاظ نقل کیا ہے: ﴿وَقَالُوا مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ﴾ "یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟" اللہ تعالیٰ نے ان اعتراض کا جواب بایں اسلوب دیا ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ﴾[2] "ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔" یعنی ان کفار مکہ کو خوب علم ہے کہ سیدنا نوح، سیدنا ابراہیم، سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ ؑ سب کے سب انسان ہی تھے، ضروریات زندگی اور حوائج بشریہ ان کے ساتھ لگی ہوئی تھیں اور وہ اپنی زندگی کی بقا کے لیے کھاتے پیتے بھی تھے اور کسب معاش یا خرید و فروخت کی خاطر وہ بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے۔ ان سب باتوں کے باوجود لوگ انھیں رسول تسلیم کرتے تھے۔ ④ اس سے معلوم ہوا کہ کھانا پینا یا بازاروں میں چلنا پھرنا بزرگی یا نبوت کے منافی نہیں۔ بازاروں میں جس چیز کی ممانعت ہے اس کا ذکر آئندہ باب میں آ رہا ہے۔

---

1 الفرقان 25:7. 2 الفرقان 25:20.

(٥٠) بَابُ كَرَاهِيَةِ السَّخَبِ فِي السُّوقِ

باب : 50- بازار میں شور و غل کرنا ناپسندیدہ عمل ہے

٢١٢٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ: حَدَّثَنَا هِلَالٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ: لَقِيتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قُلْتُ: أَخْبِرْنِي عَنْ صِفَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي التَّوْرَاةِ، قَالَ: أَجَلْ، وَاللهِ إِنَّهُ لَمَوْصُوفٌ فِي التَّوْرَاةِ بِبَعْضِ صِفَتِهِ فِي الْقُرْآنِ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾ [الأحزاب: ٤٥] وَحِرْزًا لِلْأُمِّيِّينَ، أَنْتَ عَبْدِي وَرَسُولِي، سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ، لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيظٍ، وَلَا سَخَّابٍ فِي الْأَسْوَاقِ، وَلَا يَدْفَعُ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ، وَلٰكِنْ يَعْفُو وَيَغْفِرُ، وَلَنْ يَقْبِضَهُ اللهُ حَتَّى يُقِيمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ، بِأَنْ يَقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَيَفْتَحُ بِهَا أَعْيُنًا عُمْيًا، وَآذَانًا صُمًّا، وَقُلُوبًا غُلْفًا.

[2125] حضرت عطاء بن یسار سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے ملا اور عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی جو صفت تورات میں ہے، مجھے اس سے مطلع کیجیے۔ انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! آپ کی بعض صفات تورات میں وہی ہیں جو قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں۔ (قرآن کریم کی طرح تورات میں بھی اس قسم کا مضمون ہے:) اے نبی! یقیناً ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، خوش خبری سنانے والا، ڈرانے والا اور امیین کی نگہبانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے۔ میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے۔ نہ تو بدخلق ہے اور نہ سنگ دل۔ نہ تو بازاروں میں شور و شغب کرنے والا ہے اور نہ برائی کا بدلہ برائی ہی سے دیتا ہے بلکہ درگزر اور مہربانی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اس وقت تک ہرگز موت سے دوچار نہیں کرے گا جب تک کہ اس کے ذریعے سے ایک کج رو (ٹیڑھی) قوم کو سیدھا نہ کر دے بایں طور کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہنے لگیں اور اس کے ذریعے سے نابینے بینے ہو جائیں اور بہرے کان کھول دیے جائیں اور بے بصیرت دل آگاہ کیے جائیں۔

تَابَعَهُ عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ هِلَالٍ. وَقَالَ سَعِيدٌ عَنْ هِلَالٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ سَلَامٍ. [انظر: ٤٨٣٨]

عبدالعزیز بن ابو سلمہ نے ہلال سے روایت کرنے میں فلیح کی متابعت کی ہے اور سعید نے ہلال سے، انھوں نے عطاء سے، انھوں نے ابن سلام سے اسے روایت کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام، بادشاہ اور معزز لوگوں کا بازار جانا مذموم نہیں۔ ② اس سے بازاری لوگوں کی مذمت بھی ثابت ہوتی ہے جو بازار میں اپنی چیز کی جھوٹی تعریف اور دوسروں کی بلاوجہ برائی کرتے ہیں، جھوٹی قسمیں اٹھاتے، آوازیں بلند کرتے اور شور مچاتے ہیں۔ غالباً انھی مذموم اوصاف کی بنا پر بازاروں کو زمین کا بدترین خطہ قرار دیا گیا

ہے۔ ﴿۲﴾ نیز ملت کو سیدھا کرنے کے یہ معنی ہیں کہ وہ لوگوں کو کفر سے نکال کر ایمان کی راہ دکھائیں گے حتی کہ وہ اقرار شہادتین سے اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ الغرض رسول اللہ ﷺ نے واقعی ملت ابراہیمی کو پاک صاف کر کے اصل صورت میں پیش فرمایا۔ ﴿۳﴾ عبدالعزیز بن ابوسلمہ کی متابعت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب التفسیر میں بیان کیا ہے۔[1] ﴿۴﴾ سعید بن ابو ہلال نے متابعی کی تعیین میں عبدالعزیز اور فلیح کی مخالفت کی ہے کیونکہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے جبکہ سعید نے حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت کیا ہے۔ ممکن ہے کہ عطاء بن یسار نے حضرت عبداللہ بن عمرو اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما دونوں سے اس روایت کو حاصل کیا ہو۔[2]

(٥١) بَابُ الْكَيْلِ عَلَى الْبَائِعِ وَالْمُعْطِي

باب: 51- ناپ تول کرنا بیچنے والے اور دینے والے کے ذمے ہے

وَقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ﴾ [المطففين: ٣]: يَعْنِي كَالُوا لَهُمْ أَوْ وَزَنُوا لَهُمْ. كَقَوْلِهِ: ﴿يَسْمَعُونَكُمْ﴾ [الشعراء: ٧٢]: يَسْمَعُونَ لَكُمْ. وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اكْتَالُوا حَتَّى تَسْتَوْفُوا». وَيُذْكَرُ عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «إِذَا بِعْتَ فَكِلْ، وَإِذَا ابْتَعْتَ فَاكْتَلْ».

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "جب انھیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔" اس کے معنی ہیں کہ وہ جب دوسروں کو ناپ کر یا تول کر دیں جیسا کہ قرآن میں ہے: ﴿يَسْمَعُونَكُمْ﴾ اس کے معنی ہیں: کیا وہ تمھارے لیے سنتے ہیں۔ نیز نبی ﷺ نے فرمایا: "ناپ کر لو یہاں تک کہ اسے پورا کر لینا۔" بیان کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "جب فروخت کرو تو ناپ کر دو اور جب خریدو تو ناپ کر لو۔"

وضاحت: اس عنوان کا مقصد یہ ہے کہ وزن اور ناپ کر کے دینا فروخت کرنے والے کے ذمے ہے اور اس کی اجرت بھی وہی ادا کرے گا۔ البتہ ثمن (قیمت) کی اجرت خریدار کے ذمے ہے اگر اسے تولنے اور ناپ کر دینے کی ضرورت ہو، چنانچہ مندرجہ بالا آیت میں ناپ اور تول کی نسبت اس شخص کی طرف کی گئی ہے جو فروخت کنندہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی کو امام ابن حبان رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طارق بن عبداللہ محاربی سے کھجوروں کے عوض ایک اونٹ خریدا، پھر آپ نے ایک شخص کے ہاتھ اس کی قیمت کھجوروں کی صورت میں روانہ کر دی اور انھیں کہلا بھیجا کہ اپنا حق اچھی طرح ناپ لو۔[3] اس سے معلوم ہوا کہ وزن کرنا یا ناپنا اس کا کام ہے جو چیز دیتا ہے خواہ وہ بائع ہو یا مشتری۔ بعض اوقات خریدار چیز کی قیمت کسی جنس کی صورت میں ادا کرتا ہے، اس لیے اسے وزن کر کے دینا اس کی ذمہ داری

1 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4838. 2 فتح الباري: 4/434. 3 صحيح ابن حبان (ابن بلبان): 14/517.

ہے۔ حضرت عثمان ؓ سے منسوب روایت کو امام دارقطنی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔[1] کیل اور اکتیال میں فرق یہ ہے کہ اکتیال صرف اپنی ذات کے لیے ہوتا ہے جبکہ کیل عام ہے، خواہ اپنی ذات کے لیے ہو یا کسی دوسرے کے لیے۔ بہرحال وزن اور ماپ کرنے کی ذمہ داری جنس دینے والے پر ہے اور وہی اس کی اجرت ادا کرنے کا پابند ہے۔

٢١٢٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ». [راجع: ٢١٢٤]

[2126] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص غلہ خریدے تو اس وقت تک اسے فروخت نہ کرے جب تک اس کو پوری طرح قبضے میں نہ لے لے۔“

فوائد و مسائل: ① صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جو شخص غلہ خریدے اسے آگے نہ بیچے یہاں تک کہ اسے پورا پورا ماپ کر کے لے لے۔[2] ② اس سے معلوم ہوا کہ ماپ کر دینا بائع کا کام ہے۔ مذکورہ عنوان بایں طور بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس حدیث میں طعام کی بیع سے ممانعت ہے یہاں تک کہ قبضہ ہو اور قبضے کے بعد جب اسے آگے فروخت کرے گا تو ماپ کر کے دینا اس، یعنی فروخت کرنے والے کی ذمہ داری ہوگی۔[3] بہرحال وزن یا ماپ کی ذمہ داری فروخت کرنے والے پر ہے خریدار پر نہیں۔ اگر خود وزن کر کے نہیں دیتا تو وزن کرنے کی اجرت برداشت کرے گا۔

٢١٢٧ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ مُغِيرَةَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: تُوُفِّيَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ حَرَامٍ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ، فَاسْتَعَنْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَلَى غُرَمَائِهِ أَنْ يَضَعُوا مِنْ دَيْنِهِ، فَطَلَبَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَيْهِمْ فَلَمْ يَفْعَلُوا، فَقَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ: «اذْهَبْ فَصَنِّفْ تَمْرَكَ أَصْنَافًا، الْعَجْوَةَ عَلَى حِدَةٍ، وَعِذْقَ ابْنِ زَيْدٍ عَلَى حِدَةٍ، ثُمَّ أَرْسِلْ إِلَيَّ». فَفَعَلْتُ، ثُمَّ أَرْسَلْتُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَجَاءَ فَجَلَسَ عَلَى أَعْلَاهُ أَوْ فِي وَسَطِهِ، ثُمَّ قَالَ: «كِلْ لِلْقَوْمِ». فَكِلْتُهُمْ حَتَّى أَوْفَيْتُهُمُ الَّذِي لَهُمْ وَبَقِيَ تَمْرِي كَأَنَّهُ لَمْ

[2127] حضرت جابر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ (میرے والد) حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام ؓ نے جب وفات پائی تو ان پر کچھ قرض تھا، لہٰذا میں نے نبی ﷺ سے سفارش کرائی کہ قرض خواہ کچھ معاف کر دیں۔ نبی ﷺ نے اس کے لیے ان لوگوں سے سفارش کی لیکن انھوں نے اسے منظور نہ کیا۔ تب نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ”جاؤ اپنی کھجوروں کو چھانٹ کر ہر قسم علیحدہ علیحدہ کر لو۔ عجوہ اور عذق ابن زید الگ الگ کر کے مجھے اطلاع دو۔“ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد نبی ﷺ کو بلانے کے لیے (کسی کو) بھیجا۔ آپ تشریف لائے اور کھجوروں کے ڈھیر پر یا ان کے درمیان بیٹھ گئے۔ پھر مجھے فرمایا: ”قرض

[1] مسند أحمد: 62/1، و سنن الدارقطني: 8/3. [2] صحيح مسلم، البيوع، حديث: 3838 (1525). [3] عمدة القاري: 410/8.

يَنْقُصْ مِنْهُ شَيْءٌ.

خواہوں کو ناپ تول کر دو۔" میں نے ناپ کر سب کے حصے پورے کر دیے، پھر بھی اس قدر کھجوریں باقی رہیں، جیسے ان سے کچھ بھی کم نہ ہوا ہو۔

وَقَالَ فِرَاسٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ: حَدَّثَنِي جَابِرٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: فَمَا زَالَ يَكِيلُ لَهُمْ حَتَّى أَدَّاهُ. وَقَالَ هِشَامٌ عَنْ وَهْبٍ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «جُذَّ لَهُ فَأَوْفِ لَهُ». [انظر: ٢٣٩٥، ٢٣٩٦، ٢٤٠٥، ٢٦٠١، ٢٧٠٩، ٢٧٨١، ٣٥٨٠، ٤٠٥٣، ٦٢٥٠]

فراس نے امام شعبی سے بیان کیا، انھیں حضرت جابر ؓ نے نبی ﷺ سے کہ وہ (حضرت جابر ؓ) ان کے لیے کھجوریں ماپتے رہے یہاں تک کہ قرض ادا کر دیا۔ حضرت ہشام کی روایت کے مطابق نبی ﷺ نے فرمایا: "کھجوریں توڑ کر ان کا قرض ادا کر دو۔"

فوائد و مسائل: ① مذکورہ بالا عنوان کے دو جز ہیں: * ناپ تول فروخت کرنے والے کے ذمے ہے۔ * دینے والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ ناپ تول کرے یا اس کی مزدوری دے۔ پہلا حصہ پہلی حدیث سے ثابت ہوا۔ اس حدیث سے جہاں ایک عظیم معجزہ ثابت ہوا وہاں یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ ناپ تول کا کام دینے والے کے ذمے ہے، خواہ وہ قرض اتارنے والا ہی کیوں نہ ہو۔ چونکہ حضرت جابر ؓ قرض اتارنے کے لیے کھجوریں دے رہے تھے، اس لیے ناپ تول کر دینا بھی انھی کی ذمہ داری تھی۔ بہر حال جنس دینے والا خواہ اپنے ہاتھ سے وزن کر کے دے، خواہ وہ فروخت کرنے والا ہو یا قرض اتارنے والا ہو۔ اگر وہ خود وزن نہیں کرتا تو اس کی مزدوری برداشت کرے۔ ② واضح رہے کہ عذق ابن زید اور عجوہ کھجوروں کی اقسام ہیں۔ مدینہ طیبہ میں کئی قسم کی کھجوریں پائی جاتی ہیں۔ شیخ ابو محمد جوینی نے لکھا ہے: مدینہ طیبہ میں سیاہ کھجوروں کی اقسام ساٹھ سے زائد ہیں اور سرخ کھجوروں کی اقسام ان سے بھی زیادہ ہیں۔[1] ③ فراس کی روایت کو امام بخاری ؒ نے خود ہی متصل سند سے بیان کیا ہے۔[2] ہشام سے مراد ہشام بن عروہ ہیں اور اس روایت کو بھی امام بخاری ؒ نے موصولاً بیان کیا ہے۔[3]

(٥٢) بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْكَيْلِ

باب: 52- غلہ وغیرہ ناپنا مستحب ہے

٢١٢٨ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ عَنْ ثَوْرٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «كِيلُوا طَعَامَكُمْ يُبَارَكْ لَكُمْ».

[2128] حضرت مقدام بن معدیکرب ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اپنا غلہ ناپ لیا کرو، اس سے تمھیں برکت حاصل ہوگی۔"

فوائد و مسائل: ① یہ حکم اس وقت ہے جب غلہ خریدا جائے اور اسے گھر لایا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی بدولت اس

1 فتح الباري: 438/4. 2 صحيح البخاري، الوصايا، حديث: 2781. 3 صحيح البخاري، الاستقراض، حديث: 2396.

میں برکت حاصل ہوگی اور نبی ﷺ کی حکم عدولی کی صورت میں برکت اٹھالی جائے گی، لیکن خرچ کرتے وقت وزن کرتے رہنا اس کی برکت کو ختم کرنے کے مترادف ہے جیسا کہ حضرت عائشہ ؓ کا بیان ہے کہ میرے پاس کچھ جو تھے جنھیں میں ایک مدت تک استعمال کرتی رہی، آخر میں نے ایک دن ان کا وزن کیا تو وہ ختم ہو گئے۔"[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ خرید و فروخت کے وقت ماپ اور تول باعث برکت ہے جبکہ مال کو اگر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے وقت ماپا اور تولا جائے تو اس سے بے برکتی ہوگی۔ امام بخاری ؒ کا بھی رجحان معلوم ہوتا ہے کیونکہ انھوں نے اس حدیث کو خرید و فروخت کے احکام میں ذکر کیا ہے۔ ﴿ہمارے نزدیک اللہ کی طرف سے برکت رسول اللہ ﷺ کے حکم کی بجا آوری میں ہے۔ جب نافرمانی کرتے ہوئے خرید و فروخت کے وقت وزن یا ماپ کرنے سے پہلو تہی کی جائے گی تو اس کی نحوست سے برکت اٹھالی جائے گی۔ اسی طرح گھر کے اخراجات کا حساب لگانے کے لیے اگر اس کا وزن کیا جائے تو بھی فلاں نحوست کی بنا پر برکت سے محروم ہو جائے گا۔[2] واللہ أعلم.

(٥٣) بَابُ بَرَكَةِ صَاعِ النَّبِيِّ ﷺ وَمُدِّهِ

باب: 53- نبی ﷺ کے صاع اور مد کی برکت کا بیان

فِيهِ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس کے متعلق ایک روایت حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتی ہیں۔

وضاحت: حضرت عائشہ ؓ سے مروی حدیث امام بخاری ؒ نے "کتاب فضائل المدینہ" (حدیث: 1889) کے آخر میں متصل سند سے بیان کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: "اے اللہ! ہمارے صاع اور مد میں برکت عطا فرما۔"

٢١٢٩ - حَدَّثَنَا مُوسَى: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «أَنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَدَعَا لَهَا، وَحَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ كَمَا حَرَّمَ إِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ، وَدَعَوْتُ لَهَا فِي مُدِّهَا وَصَاعِهَا مِثْلَ مَا دَعَا إِبْرَاهِيمُ [عَلَيْهِ السَّلَامُ] لِمَكَّةَ».

[2129] حضرت عبداللہ بن زید ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "حضرت ابراہیم ؑ نے جس طرح مکہ کو حرم قرار دیا اور اس کے لیے دعا فرمائی، اسی طرح میں مدینہ طیبہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔ اور میں مدینہ طیبہ کے مد اور صاع میں برکت کی دعا کرتا ہوں جس طرح حضرت ابراہیم ؑ نے مکہ مکرمہ کے لیے دعا کی تھی۔"

فوائد و مسائل: ﴿1﴾ مدینہ طیبہ کے صاع اور مد میں برکت سے مراد یہ ہے کہ جو چیز ان میں ماپی جائے اس میں برکت ہو، نیز سابقہ حدیث میں جو غلے کی خیر و برکت کا ذکر ہے وہ اس صورت میں ممکن ہے جب اسے اہل مدینہ کے صاع اور مد سے ناپ تول کیا جائے یا پھر جو ان کے موافق ہو۔ ﴿2﴾ مدینہ طیبہ کو حرم قرار دینے کے یہ معنی ہیں کہ وہاں کے درخت وغیرہ نہ کاٹے جائیں

[1] صحيح البخاري، الرقاق، حديث: 6451. [2] فتح الباري: 4/ 438.

تاکہ اس مقدس شہر کی تعمت برقرار رہے اور اس کے متعلق لوگوں کی محبت میں کمی نہ آئے۔ واللہ أعلم.

۲۱۳۰ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مِكْيَالِهِمْ، وَبَارِكْ لَهُمْ فِي صَاعِهِمْ، وَمُدِّهِمْ» يَعْنِي أَهْلَ الْمَدِينَةِ. [انظر: ٦٧١٤، ٧٣٣١]

[2130] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! اہل مدینہ کے ناپ تول میں برکت دے، نیز ان کے صاع اور مد میں بھی خیر و برکت عطا فرما۔''

فوائد و مسائل: ① اس وقت ناپ تول کے لیے دو پیمانے ہیں: ٭ صاع حجازی۔ ٭ صاع کوفی۔ صاع حجازی میں 5.33 رطل ہوتے ہیں جبکہ ایک رطل نوے مثقال کا ہوتا ہے۔ اس حساب کے مطابق ایک صاع حجازی کے 480 مثقال ہوئے۔ ایک مثقال ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے۔ اس طرح 480 مثقال کے دو ہزار ایک سو ساٹھ (2160) ماشے بنتے ہیں۔ چونکہ ایک تولہ بارہ ماشے کا ہوتا ہے، لہٰذا بارہ پر تقسیم کرنے سے ایک صاع حجازی کا وزن ایک سو اسی (180) تولے بنتا ہے۔ ② جدید اعشاری نظام کے مطابق تین تولے کے چھتیس گرام ہوتے ہیں۔ اس حساب کے مطابق ایک سو اسی تولے وزن کے دو ہزار ایک سو (2100) گرام ہوئے، یعنی صاع حجازی کا وزن دو کلو سو گرام ہے۔ اس کے متعلق ہم مکمل تحقیق کتاب کفارات الأیمان، باب: 5 میں بیان کریں گے جہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے صاع حجازی کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے تین احادیث بیان کی ہیں۔ واللہ المستعان.

(٥٤) بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي بَيْعِ الطَّعَامِ وَالْحُكْرَةِ

باب: 54- غلہ فروخت کرنے اور اس کے ذخیرہ کرنے کے متعلق جو منقول ہے

۲۱۳۱ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: رَأَيْتُ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ الطَّعَامَ مُجَازَفَةً يُضْرَبُونَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنْ يَبِيعُوهُ حَتَّى يُؤْوُوهُ إِلَى رِحَالِهِمْ. [انظر: ٢١٣٣]

[2131] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اندازے سے غلہ خریدنے والوں کو اس بات پر پٹتے دیکھا ہے کہ وہ اس پر قبضہ کر کے اپنے گھروں میں لانے سے پہلے اسے (آگے) فروخت کریں۔

فوائد و مسائل: ① لغوی طور پر اشیائے ضرورت کو فروخت سے روک لینا احتکار کہلاتا ہے۔ شرعی طور پر احتکار یہ ہے کہ نرخ بڑھنے کے انتظار میں اشیائے ضرورت کو روک لینا، انھیں فروخت نہ کرنا جبکہ عوام کو ان کی شدید ضرورت ہو اور ذخیرہ کرنے والا

اس سے مستثنیٰ ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس غلے کو ان ایام میں خرید کر ذخیرہ کرے جن میں یہ سستا ہو یا اگر کوئی مہنگائی کے وقت میں اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے خریدتا ہے یا اسے خرید کر فوراً فروخت کر دیتا ہے تو یہ احتکار نہیں اور نہ ایسا کرنا حرام ہی ہے۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث سے احتکار کا جواز پیش کیا ہے کیونکہ مذکورہ حدیث میں غلے کو اپنے گھر یا دکان میں منتقل کرنے سے پہلے فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اگر احتکار حرام ہوتا تو آپ یہ حکم نہ دیتے بلکہ خریدتے ہی فروخت کرنے کا حکم دے دیتے۔ شاید ان کے نزدیک وہ حدیث ثابت نہیں ہے جسے امام مسلم نے بیان کیا ہے کہ ذخیرہ اندوزی وہی کرتا ہے جو گناہ گار ہے۔[1] نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے لوگوں پر ان کا غلہ ذخیرہ کر لیا اللہ تعالیٰ اسے کوڑھ اور افلاس میں مبتلا کر دے گا۔“[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔[3] لیکن غلے کو صرف گھر منتقل کرنا شرعی احتکار نہیں، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ ان کے نزدیک ذخیرہ اندوزی مخصوص حالات میں مخصوص شرائط کے ساتھ منع ہے۔ اس کی مذمت میں متعدد احادیث مروی ہیں۔ موجودہ حالات میں ذخیرہ اندوزی ایک سنگین جرم ہے جبکہ لوگ اس کے ضرورت مند ہوں اور وہ قحط سالی کا شکار ہوں۔ اگر لوگوں کو اشیائے ضرورت بہ سہولت دستیاب ہیں تو غلہ خرید کر ذخیرہ کر لینا منع نہیں۔ واللہ أعلم۔

٢١٣٢ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى أَنْ يَبِيعَ الرَّجُلُ طَعَامًا حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ. قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: كَيْفَ ذَاكَ؟ قَالَ: ذَاكَ دَرَاهِمُ بِدَرَاهِمَ، وَالطَّعَامُ مُرْجَأٌ. قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: ﴿مُرْجَوْنَ﴾ [التوبة: ١٠٦]: مُؤَخَّرُونَ. [انظر: ٢١٣٥]

[2132] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی آدمی قبضہ کرنے سے پہلے غلہ فروخت کرے۔ (راوی حدیث) حضرت طاؤس کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ ایسا کرنا کیوں منع ہے؟ فرمایا کہ یہ تو دراہم کے عوض دراہم فروخت کرنا ہے جبکہ غلہ بعد میں دیا جاتا ہے۔

ابو عبداللہ (امام بخاری) رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قرآنی لفظ: ﴿مُرْجَوْنَ﴾ کے معنی ہیں: ”ان کا معاملہ (اللہ کے حکم تک کے لیے) مؤخر کر دیا گیا ہے۔“

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اور استدلال پچھلی حدیث کے فوائد میں بیان ہو چکا ہے۔ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے موقف کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں جس کی صورت یہ ہے کہ زید نے عمر سے دو من غلہ دو سو روپے میں خریدا اور یہ طے پایا کہ غلہ دو ماہ بعد دیا جائے گا۔ اب زید نے خرید کردہ دو من غلہ بکر کو چار سو روپے میں فروخت کر دیا۔ یہ صریح سود ہے کیونکہ غلے کا ابھی تک وجود نہیں وہ تو دو ماہ بعد ملے گا اب تو روپوں کے عوض روپے فروخت کیے گئے ہیں۔ ② چونکہ روایت میں [وَالطَّعَامُ مُرْجَأٌ] کے الفاظ آئے تھے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے ادنیٰ مناسبت سے قرآنی آیت ﴿وَآخَرُونَ مُرْجَوْنَ﴾

1 صحیح مسلم، المساقاۃ، حدیث: 4122 (1605). 2 سنن ابن ماجہ، التجارات، حدیث: 2155. 3 فتح الباري: 440/4.

لا تبیعوہ کی لغوی تشریح فرمائی کہ اس کے معنی مؤخر کرنے کے ہیں۔

٢١٣٣ - حَدَّثَنِي أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ. قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتَّى يَقْبِضَهُ». [راجع: ٢١٢٤]

[2133] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص غلہ خریدے تو اسے فروخت نہ کرے تا آنکہ اس پر قبضہ کر لے۔''

فوائد و مسائل: ﴿1﴾ امام بخاری ؒ نے یہ حدیث احتکار کے جواز کے لیے پیش کی ہے جس کی تفصیل اس سے پہلے وضاحت ہو چکی ہے۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ احتکار خوراک اور غیر خوراک ہر چیز میں منع ہے یا صرف انسانوں اور حیوانوں کی خورد و نوش کی اشیاء میں۔ ہمارے نزدیک کسی بھی چیز کی ذخیرہ اندوزی منع ہے بشرطیکہ لوگوں کو دستیاب نہ ہو اور وہ اس کے محتاج بھی ہوں لیکن وہ شخص عام انسانوں کے لیے مہنگا کرنا چاہتا ہو۔ اگرچہ بعض احادیث میں لفظ طعام کی صراحت ہے لیکن بعض احادیث میں مطلق طور پر احتکار کی ممانعت ہے، انھیں مقید احادیث پر محمول کرنا مناسب نہیں کیونکہ اس طرح کی احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک ہر وہ چیز جسے روک رکھنا لوگوں کے لیے باعث تکلیف ہو احتکار میں شامل ہے، خواہ وہ سونا ہو یا کپڑا یا غلہ وغیرہ۔ ﴿2﴾ واضح رہے کہ حضرت سعید بن مسیب نے جب احتکار کے متعلق حدیث بیان کی تو کسی نے ان سے سوال کیا کہ آپ کیوں احتکار کرتے ہیں؟ تو کہنے لگے کہ اس حدیث کے راوی حضرت معمر ؓ بھی احتکار کرتے تھے۔[1] یہ دونوں زیتون کے تیل کی ذخیرہ اندوزی کرتے تھے لیکن یہ اس وقت جب بازار میں عام دستیاب تھا کیونکہ جب بازار میں ضرورت کی اشیاء نایاب ہوں تو ایک صحابی کا ایسے حالات میں ذخیرہ اندوزی کرنا سمجھ سے بالاتر ہے۔

٢١٣٤ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: كَانَ عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ يُحَدِّثُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسٍ أَنَّهُ قَالَ: مَنْ عِنْدَهُ صَرْفٌ؟ فَقَالَ طَلْحَةُ: أَنَا، حَتَّى يَجِيءَ خَازِنُنَا مِنَ الْغَابَةِ. قَالَ سُفْيَانُ: هُوَ الَّذِي حَفِظْنَاهُ مِنَ الزُّهْرِيِّ لَيْسَ فِيهِ زِيَادَةٌ، فَقَالَ: أَخْبَرَنِي مَالِكُ ابْنُ أَوْسٍ: أَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُخْبِرُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «الذَّهَبُ بِالْوَرِقِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا إِلَّا

[2134] حضرت مالک بن اوس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نقدی کس کے پاس ہے؟ حضرت طلحہ ؓ نے فرمایا: میرے پاس ہے تا آنکہ میرا خزانچی غابہ جنگل سے واپس آ جائے۔ (راوی حدیث) حضرت سفیان نے کہا کہ ہم نے اس حدیث کو اسی طرح اپنے شیخ امام زہری سے محفوظ کیا ہے، اس میں کسی لفظ کا اضافہ نہیں۔ مالک بن اوس ؓ فرماتے ہیں، انھوں نے حضرت عمر بن خطاب ؓ سے سنا، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''سونے کو چاندی کے عوض فروخت کرنا سود ہے مگر یہ کہ

[1] صحيح مسلم، المساقاة، حديث: 4122 (1605).

هَاءَ وَهَاءَ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ». [انظر: ٢١٧٠، ٢١٧٤]

دست بدست ہو۔ گندم کو گندم کے عوض بیچنا بھی سود ہے مگر جب نقد بنقد ہو۔ اسی طرح کھجور کو کھجور کے بدلے اور جو کو جو کے بدلے فروخت کرنا سود ہے مگر جب ہاتھوں ہاتھ ہو (تو جائز ہے)۔"

فائدہ: ایک کرنسی کو دوسری کرنسی کے بدلے خرید وفروخت کرنا "صرف" کہلاتا ہے۔ بیع صرف میں قبضہ اور دست بدست ہونا شرط ہے۔ اگر دونوں عوض ایک جنس ہوں تو کسی بھی طرف زیادہ یا کم لینا حرام ہے، نیز یہ سودا نقد بنقد ہونا چاہیے۔ اسی طرح اگر جنس مختلف ہو تو زیادتی اور کمی تو جائز ہے لیکن یہ خرید وفروخت دست بدست ہونی چاہیے۔ دراصل حضرت مالک بن اوس ؓ کے پاس سو دینار تھے وہ ان کے بدلے دراہم لینا چاہتے تھے۔ ان کا حضرت طلحہ سے سودا طے ہوا لیکن حضرت طلحہ ؓ نے فرمایا: اس وقت میرے پاس دراہم موجود نہیں ہیں، میرا خزانچی غابہ سے آئے گا تو آپ کو دراہم فراہم کر دیے جائیں گے۔ حضرت عمر ؓ یہ باتیں سن رہے تھے، انھوں نے فرمایا: تم اس وقت تک الگ الگ نہ ہو جب تک اس سے دراہم وصول نہ کر لو کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "سونے کے بدلے چاندی لینا سود ہے مگر جب دست بدست ہو تو جائز ہے۔" واللّٰہ أعلم.

(٥٥) بَابُ بَيْعِ الطَّعَامِ قَبْلَ أَنْ يُقْبَضَ، وَبَيْعِ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ

باب: 55- قبضے سے پہلے کسی چیز کا فروخت کرنا اور ایسی چیز کا بیچنا جو موجود نہ ہو

٢١٣٥ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: الَّذِي حَفِظْنَاهُ مِنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، سَمِعَ طَاوُسًا يَقُولُ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: أَمَّا الَّذِي نَهَى عَنْهُ النَّبِيُّ ﷺ فَهُوَ الطَّعَامُ أَنْ يُبَاعَ حَتَّى يُقْبَضَ.

[2135] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے جس چیز سے منع فرمایا وہ غلہ ہے جسے قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کیا جائے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: وَلَا أَحْسِبُ كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا مِثْلَهُ. [انظر: ٢١٣٢]

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ میرے خیال کے مطابق ہر چیز کا یہی حکم ہے (کہ اسے قبضے میں لینے سے پہلے فروخت نہیں کرنا چاہیے)۔

٢١٣٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ».

[2136] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جو شخص غلہ خریدے تو جب تک اسے پورا وصول نہ کر لے اسے آگے فروخت نہ کرے۔"

زَادَ إِسْمَاعِيلُ : «فَلَا يَبِعْهُ حَتَّى يَقْبِضَهُ». [راجع: ٢١٢٦]

(راوی حدیث) اسماعیل بن ابی اویس نے یہ اضافہ کیا ہے: ''جو کوئی غلہ خریدے اسے آگے فروخت نہ کرے حتی کہ اسے اپنے قبضے میں لے لے۔''

فوائد و مسائل: ① ان دونوں احادیث میں خریدی ہوئی چیز کو قبضے میں لینے سے قبل آگے فروخت کرنے کی ممانعت کا ذکر ہے۔ جو چیز موجود نہ ہو اسے فروخت کرنے کی ممانعت کا ذکر ان احادیث میں نہیں ہے لیکن یہ ممانعت پہلے جز میں داخل ہے کیونکہ جو چیز پاس موجود نہ ہو اسے فروخت کرنا قبضے سے پہلے فروخت کرنے کے مترادف ہے۔ حضرت حکیم بن حزام ﷺ کے واقعے میں اس کی صراحت ہے۔ انھوں نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اللہ کے رسول! میرے پاس ایک شخص آتا ہے اور وہ مجھ سے کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے جو میرے پاس نہیں ہے۔ میں اس کا سودا کر لیتا ہوں اور اسے وہ چیز بازار سے خرید کر دے دیتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: ''جو چیز تمھارے پاس موجود نہ ہو اسے فروخت نہ کرو۔''[1] اس سے معلوم ہوا کہ ایسی چیز کی خرید و فروخت جائز نہیں جو فروخت کے وقت بیچنے والے کی ملکیت میں نہ ہو۔ ② واضح رہے کہ بعض اوقات مشتری کوئی چیز خریدتا ہے اور اس کا وزن کرنے کے بعد بائع کے پاس ہی رہنے دیتا ہے، یعنی اپنے قبضے میں نہیں لیتا، ایسی چیز کو آگے فروخت جائز نہیں۔ امام بخاری نے اسماعیل بن ابو اویس کے اضافے سے اسی نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے۔[2] حضرت ابن عباس سے مروی حدیث میں چونکہ غلے کا ذکر تھا، اس لیے انھوں نے قیاس کیا کہ ہر چیز حکم میں غلے کی مانند ہے، دراصل انھیں حضرت حکیم بن حزام ﷺ سے مروی حدیث کا علم نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم کوئی چیز خریدو تو اسے قبضے میں لینے سے پہلے فروخت نہ کرو۔''[3] اسی طرح حضرت زید بن ثابت ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سودے کو اسی جگہ فروخت کرنے سے منع فرمایا جہاں اسے خریدا گیا ہو یہاں تک کہ تاجر اسے اپنے ٹھکانوں میں لے جائیں۔[4] بہر حال خریدی ہوئی چیز غلہ ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز، قبضے سے پہلے اسے آگے فروخت کرنا منع ہے۔ ہمارے ہاں کھل، منڈا خرید کر اسے کارخانے ہی میں رہنے دیا جاتا ہے، مالک کو قیمت ادا کر کے اس سے پرچی لے لی جاتی ہے، پھر اس پرچی کو آگے فروخت کر دیا جاتا ہے ایسا کرنا شرعاً ناجائز ہے۔

(٥٦) بَابُ مَنْ رَأَى إِذَا اشْتَرَى طَعَامًا جِزَافًا أَنْ لَا يَبِيعَهُ حَتَّى يُؤْوِيَهُ إِلَى رَحْلِهِ، وَالْأَدَبِ فِي ذَلِكَ

باب: 56- جو شخص غلے کا ڈھیر ماپ تول کے بغیر خریدے وہ اسے فروخت نہ کرے تا آنکہ اپنے ٹھکانے میں لے جائے اور خلاف ورزی کرنے پر سزا کا بیان

٢١٣٧ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي

[2137] حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک

1 مسند أحمد: 402/3. 2 فتح الباري: 442/4. 3 مسند أحمد: 402/3. 4 المستدرك للحاكم: 40/2.

سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُ النَّاسَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَبْتَاعُونَ جِزَافًا - يَعْنِي الطَّعَامَ - يُضْرَبُونَ أَنْ يَبِيعُوهُ فِي مَكَانِهِمْ حَتَّى يُؤْوُوهُ إِلَى رِحَالِهِمْ. [راجع: ٢١٢٣]

میں ان لوگوں کو پیٹتے دیکھا جو غلے کا ڈھیر اندازے سے خریدتے، پھر اسی جگہ فروخت کرتے تا آنکہ وہ غلہ اپنے ٹھکانوں میں لے جاتے۔

فوائد و مسائل: ① قبضے میں لینے کی تفصیل یہ ہے کہ اگر خریدی ہوئی چیز ہاتھ میں پکڑی جا سکتی ہو جیسا کہ درہم و دینار یا ہار اور کا سونا وغیرہ تو اسے ہاتھ میں لینے سے قبضہ مکمل ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی جائیداد غیر منقولہ ہے تو اس کا قبضہ یہ ہے کہ مالک اس سے دست بردار ہو جائے، مثلاً: زمین یا باغ کا قبضہ یہ ہے کہ مالک اسے خریدار کے حوالے کر دے اور اگر کوئی چیز ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جا سکتی ہے تو اس کا قبضہ یہ ہے کہ خریدار اسے اپنی جگہ منتقل کر دے جہاں مالک کا عمل دخل نہ ہو جیسا کہ غلہ اور حیوان کی خرید و فروخت کے وقت ہوتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ اگر بیع کو ماپ تول کر مالک کے پاس ہی رہنے دیا جائے تو اسے شرعی قبضہ نہیں کہا جائے گا یہاں تک کہ مشتری اسے اپنی جگہ منتقل کر دے جہاں مالک کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔ ② اس عنوان اور پیش کردہ حدیث کا یہی مقصد ہے کہ خریدی ہوئی چیز خواہ ماپ تول کر لی جائے یا اندازے سے، اس پر قبضے سے پہلے اسے فروخت کرنا صحیح نہیں جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: جو چیز ماپ تول کے بغیر صرف اندازے سے خریدی جائے اسے قبضے کے بغیر بھی آگے فروخت کیا جا سکتا ہے۔ یہ موقف حدیث کے خلاف تھا، اس لیے تردید ضروری تھی۔ ③ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حاکم وقت خلاف شرع خرید و فروخت کرنے پر سزا دے سکتا ہے۔ حاکم کو چاہیے کہ وہ منڈیوں میں اپنے کارندے تعینات کرے جو خلاف شرع کاموں کی نگہداشت کریں۔[1]

(٥٧) بَابٌ: إِذَا اشْتَرَى مَتَاعًا أَوْ دَابَّةً فَوَضَعَهُ عِنْدَ الْبَائِعِ أَوْ مَاتَ قَبْلَ أَنْ يُقْبَضَ

باب: 57- جب کسی نے کوئی سامان یا جانور خریدا اور اسے فروخت کنندہ کے پاس رکھ دیا یا پھر وہ قبضہ کرنے سے پہلے تلف ہو گیا یا مر گیا

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: مَا أَدْرَكَتِ الصَّفْقَةُ حَيًّا مَجْمُوعًا فَهُوَ مِنَ الْمُبْتَاعِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر سودا صحیح سالم اور زندہ پر ہوا تھا تو وہ خریدار کے مال سے ہوگا۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کا اس عنوان سے یہ مقصد ہے کہ خریدی ہوئی چیز یا جانور فروخت کرنے والے کے پاس رکھنا جائز ہے۔ اس کے بعد ایک مسئلے کو اس عنوان پر متفرع کیا گیا ہے کہ اگر وہ سامان ضائع ہو جائے یا جانور مر جائے تو نقصان بائع

[1] فتح الباري: 444/4.

کا ہوگا یا مشتری کا؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا کیونکہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، البتہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر بیان کر کے اپنا رجحان واضح کر دیا ہے کہ اس صورت میں نقصان خریدار کا ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر امام طحاوی اور دارقطنی نے متصل سند سے بیان کیا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے وضاحت کی ہے۔[1]

٢١٣٨ – حَدَّثَنَا فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ: أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَقَلَّ يَوْمٌ كَانَ يَأْتِي عَلَى النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا يَأْتِي فِيهِ بَيْتَ أَبِي بَكْرٍ أَحَدَ طَرَفَيِ النَّهَارِ، فَلَمَّا أُذِنَ لَهُ فِي الْخُرُوجِ إِلَى الْمَدِينَةِ لَمْ يَرُعْنَا إِلَّا وَقَدْ أَتَانَا ظُهْرًا، فَخُبِّرَ بِهِ أَبُو بَكْرٍ، فَقَالَ: مَا جَاءَنَا النَّبِيُّ ﷺ فِي هٰذِهِ السَّاعَةِ إِلَّا لِأَمْرٍ حَدَثَ، فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ قَالَ لِأَبِي بَكْرٍ: «أَخْرِجْ مَنْ عِنْدَكَ»، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّمَا هُمَا ابْنَتَايَ – يَعْنِي عَائِشَةَ وَأَسْمَاءَ – قَالَ: «أَشَعَرْتَ أَنَّهُ قَدْ أُذِنَ لِي فِي الْخُرُوجِ؟» قَالَ: الصُّحْبَةَ يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: «الصُّحْبَةَ»، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ عِنْدِي نَاقَتَيْنِ أَعْدَدْتُهُمَا لِلْخُرُوجِ فَخُذْ إِحْدَاهُمَا، قَالَ: «قَدْ أَخَذْتُهَا بِالثَّمَنِ». [راجع: ٤٧٦]

[2138] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا کہ نبی ﷺ دن کے وقت صبح وشام کے کسی حصے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر نہ آتے ہوں۔ اور جب آپ کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی گئی تو آپ اچانک ظہر کے وقت تشریف لائے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر دی گئی تو انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کسی ناگہانی ضرورت کے پیش نظر ہی اس وقت ہمارے ہاں تشریف لاتے ہیں۔ جب آپ گھر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو ان سے فرمایا: "افراد خانہ میں سے اس وقت جو آپ کے پاس ہیں انھیں الگ کر دو۔" انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! صرف میری دو بیٹیاں عائشہ اور اسماء رضی اللہ عنہما ہیں۔ آپ نے فرمایا: "آیا تمھیں معلوم ہے کہ مجھے ہجرت کرنے کی اجازت مل چکی ہے؟" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں بھی آپ کے ساتھ رہوں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم بھی میرے ساتھ رہو گے۔" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے پاس دو اونٹنیاں ہیں جنھیں میں نے ہجرت کے لیے تیار کر رکھا ہے، آپ ان میں سے ایک لے لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں نے ایک، قیمت کے عوض لے لی۔"

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس طویل حدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ کوئی چیز یا جانور خرید کر کے فروخت کرنے والے کے پاس رکھنا جائز ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اونٹنی خرید کر انھی کے پاس رہنے دی۔ ایسا کرنے سے بیع مکمل ہے اور مشتری کو اس میں تصرف کرنے کا پورا پورا حق مل جاتا ہے، مگر ایسے حالات میں فروخت کردہ چیز

[1] سنن الدارقطني: 53/3، طبع دارالمعرفة، بيروت، ومشكل الآثار للطحاوي: 405/11، وفتح الباري: 446/4.

تلف ہو جائے تو اس کا نقصان مشتری کو برداشت کرنا ہوگا۔ اس میں فروخت کرنے والا ضامن نہیں ہوگا الا یہ کہ وہ کسی کوتاہی کا مرتکب ہو۔ واللّٰہ أعلم۔ ③ اجازت لے کر کسی ناگزیر ضرورت کے پیش نظر کسی کے گھر وغیرہ کے وقت جانا جائز ہے۔

(٥٨) بَابٌ: لَا يَبِيعُ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ، وَلَا يَسُومُ عَلَى سَوْمِ أَخِيهِ حَتَّى يَأْذَنَ لَهُ أَوْ يَتْرُكَ

باب: 58- کوئی مسلمان اپنے بھائی کی بیع میں دخل اندازی نہ کرے اور نہ اس کے بھاؤ لگاتے وقت اپنا بھاؤ لگائے تاآنکہ وہ اجازت دے یا بیع چھوڑ دے

٢١٣٩ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا يَبِيعُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ». [انظر: ٢١٦٥، ٥١٤٢]

[2139] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی خرید و فروخت میں دخل اندازی نہ کرے۔"

٢١٤٠ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا يَبِيعُ الرَّجُلُ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ، وَلَا يَخْطُبُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ، وَلَا تَسْأَلُ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَكْفَأَ مَا فِي إِنَائِهَا. [انظر: ٢١٤٨، ٢١٥٠، ٢١٥١، ٢١٦٠، ٢٧٢٣، ٢٧٢٧، ٥١٤٤، ٥١٥٢، ٦٦٠١]

[2140] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے شہری کو دیہاتی کے لیے خرید و فروخت کرنے سے منع فرمایا، نیز بھاؤ بڑھا دینے کے لیے قیمت بڑھانے سے بھی منع کیا اور کوئی آدمی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نہ اپنے بھائی کی منگنی کے پیغام پر اپنی منگنی کا پیغام ہی بھیجے۔ اسی طرح نہ کوئی عورت اپنی بہن کو طلاق دینے کا مطالبہ ہی کرے تاکہ جو کچھ اس کے برتن میں ہے اسے انڈیل دے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے اپنے عنوان کو اجازت دینے یا چھوڑ جانے کے ساتھ مقید کیا ہے جبکہ احادیث میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: امام بخاری ؒ نے صحیح مسلم کی روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں اس قید کی صراحت ہے۔[1] اسی طرح بھاؤ پر بھاؤ لگانے کا ذکر بھی ان احادیث میں نہیں ہے، البتہ امام بخاری ؒ نے کتاب الشروط میں جس روایت کو بیان کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: "کوئی آدمی اپنے بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ نہ لگائے۔"[2] ② واضح رہے کہ ان احادیث میں پانچ احکام بیان ہوئے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ٭ کسی دوسرے کی خرید و فروخت میں مداخلت کرنا، یہ امر

1 صحيح مسلم، البيوع، حديث: 3812 (1412). 2 صحيح البخاري، الشروط، حديث: 2727.

اخلاق کریمانہ سے بعید ہے کہ ایک شخص اپنا سامان بیچ رہا ہو یا کوئی شخص کچھ خرید رہا ہو تو کوئی دوسرا شخص درمیان میں کود پڑے اور ان کے سودے میں مداخلت کرے۔ * دیہاتی لوگ جو اپنی اشیاء اہل شہر سے سستے داموں فروخت کر جاتے ہیں، ان سے کوئی شہری کہے کہ تم اسے فروخت نہ کرو بلکہ میرے پاس رکھ جاؤ، میں اسے مہنگے دام فروخت کروں گا۔ ایسا کرنا منع ہے کیونکہ اس سے شہر والوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ * کچھ لوگ بھاؤ بڑھانے کے لیے بولی دیتے ہیں جبکہ ان کی نیت کچھ بھی خریدنے کی نہیں ہوتی، ایسا کرنا شرعاً ناجائز ہے کیونکہ اس سے دوسروں کو نقصان پہنچتا ہے، البتہ نیلامی میں لینے کی نیت سے بڑھ چڑھ کر بولی دی جا سکتی ہے۔ * اگر کسی مرد نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا ہے، ابھی بات چیت کسی منطقی انجام کو نہیں پہنچی کہ دوسرا اسے پیغام دے دے، ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ اس سے پہلے مرد کی حق تلفی ہوتی ہے۔ * کوئی عورت کسی شادی شدہ مرد سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو وہ پہلی بیوی کو طلاق دینے کی شرط لگا دے، ایسا کرنا بھی جائز نہیں۔ ایسا کرنے سے مرد اور عورت دونوں گناہ گار ہوں گے۔

(٥٩) بَابُ بَيْعِ الْمُزَايَدَةِ

باب: 59- نیلامی کی بیع کا بیان

وَقَالَ عَطَاءٌ: أَدْرَكْتُ النَّاسَ لَا يَرَوْنَ بَأْسًا بِبَيْعِ الْمَغَانِمِ فِيمَنْ يَزِيدُ.

حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو دیکھا وہ مال غنیمت نیلام کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کیا کرتے تھے۔

وضاحت: نیلامی میں بڑھ چڑھ کر بولی دی جاتی ہے، اسے عربی میں "بیع مزایدہ" کہتے ہیں۔ اگر مال لینے کی نیت ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ حضرت عطاء کے اثر کو مصنف ابن ابی شیبہ (7/180) میں متصل سند سے بیان کیا گیا ہے۔[1]

٢١٤١ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا الْحُسَيْنُ الْمُكْتِبُ، عَنْ عَطَاءِ ابْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَجُلًا أَعْتَقَ غُلَامًا لَهُ عَنْ دُبُرٍ، فَاحْتَاجَ فَأَخَذَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «مَنْ يَشْتَرِيهِ مِنِّي؟» فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بِكَذَا وَكَذَا، فَدَفَعَهُ إِلَيْهِ. [انظر: ٢٢٣٠، ٢٢٣١، ٢٤٠٣، ٢٤١٥، ٢٥٣٤، ٦٧١٦، ٦٩٤٧، ٧١٨٦]

[2141] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے غلام کو اپنے مرنے کے بعد آزادی کا اختیار سونپ دیا مگر وہ شخص کچھ مدت کے بعد محتاج ہو گیا تو نبی ﷺ نے غلام کو پکڑ کر فرمایا: "اس غلام کو مجھ سے کون خریدتا ہے؟" حضرت نعیم بن عبداللہ ؓ نے کسی قدر مال کے عوض اسے خرید لیا، پھر آپ نے وہ قیمت اس کے مالک کو دے دی۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے مذکورہ عنوان سے اس روایت کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نیلامی کی بیع سے منع کیا ہے۔[2] ② بعض حضرات نے اعتراض کیا ہے کہ پیش کردہ حدیث میں نیلامی کا ذکر

---

[1] فتح الباري: 448/4. [2] كشف الأستار عن زوائد البزار: 90/2.

نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ اسے کون خریدتا ہے؟ بھی نیلامی کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔ بہر حال نیلامی اگر قیمت بڑھانے کے لیے کی جائے تو منع ہے۔ اگر خریدنے کا ارادہ ہو تو نیلامی جائز ہے۔ مذکورہ حدیث میں اس کا واضح ثبوت ہے۔

(٦٠) بَابُ النَّجْشِ، وَمَنْ قَالَ: لَا يَجُوزُ ذَلِكَ الْبَيْعُ

باب: 60- دھوکا دہی کے لیے نرخ بڑھانا، بعض نے کہا کہ یہ بیع جائز ہی نہیں

وَقَالَ ابْنُ أَبِي أَوْفَى: اَلنَّاجِشُ آكِلُ رِبًا خَائِنٌ، وَهُوَ خِدَاعٌ بَاطِلٌ لَا يَحِلُّ. قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْخَدِيعَةُ فِي النَّارِ، وَمَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ».

حضرت ابن ابی اوفی ؓ بیان کرتے ہیں کہ دھوکا دہی کے لیے قیمت بڑھانے والا سود خور اور خیانت پیشہ ہے۔ یہ دھوکا کسی صورت میں جائز نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "دھوکا کرنے والا جہنم میں ہوگا۔ اور جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہماری شریعت کے مطابق نہیں تو وہ مردود ہے۔"

وضاحت: حضرت ابن ابی اوفی ؓ کے اثر کو امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1] نیز فرمان نبوی ہے: "دھوکا دینے والا جہنم میں ہوگا۔" اسے علامہ ابن عدی نے اپنی تصنیف الکامل میں متصل سند سے ذکر کیا ہے۔[2] اور حدیث نبوی: "شریعت کے خلاف ہر عمل مردود ہے۔" اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے موصولاً روایت کیا ہے۔[3]

٢١٤٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ النَّجْشِ. [انظر: ٦٩٦٣]

[2142] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے دھوکا دینے کے لیے نرخ بڑھانے سے منع کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① نجش کے لغوی معنی، شکار کو اس کی جگہ سے بھگانا ہے تاکہ اسے اپنے جال میں پھانسا جائے۔ شرع میں اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص قیمت زیادہ لگائے، حالانکہ اس کا خریدنے کا ارادہ نہیں۔ وہ صرف دوسرے کو چیز خریدنے پر اکساتا ہے اور دھوکے میں ڈالتا ہے۔ چونکہ فروخت کرنے والا اس کی موافقت کرتا ہے اس لیے دونوں گناہ میں شریک ہوں گے۔ ② ہمارے ہاں تجارتی منڈیوں میں تاجر حضرات ایسے ایجنٹ مقرر کر دیتے ہیں جن کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر ممکن خریدار کو دھوکا دے کر زیادہ قیمت دینے پر آمادہ کریں۔ ایسے ایجنٹ بعض اوقات خریدار کی موجودگی میں مطلوبہ چیز کی قیمت بڑھا کر خریدار بنتے ہیں، حالانکہ یہ خریدار نہیں ہوتے۔ گاہک دھوکے میں آ کر زیادہ قیمت پر چیز خرید لیتا ہے۔ الغرض خرید و فروخت میں دھوکا دہی کی جملہ صورتیں حرام اور کبیرہ گناہ کا درجہ رکھتی ہیں۔ شریعت نے ان سے منع کیا ہے۔

[1] صحيح البخاري، الشهادات، حديث: 2675. [2] الكامل لابن عدي: 56/2. [3] صحيح مسلم، الأقضية، حديث: 4492 (18)-(17).

(٦١) بَابُ بَيْعِ الْغَرَرِ وَحَبَلِ الْحَبَلَةِ

باب: 61- دھوکے اور حبل الحبلہ کی بیع

٢١٤٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ، وَكَانَ بَيْعًا يَتَبَايَعُهُ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ كَانَ الرَّجُلُ يَبْتَاعُ الْجَزُورَ إِلَى أَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ ثُمَّ تُنْتَجُ الَّتِي فِي بَطْنِهَا. [انظر: ٢٢٥٦، ٣٨٤٣]

[2143] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ''حبل الحبلہ'' کی بیع سے منع فرمایا۔ یہ بیع زمانۂ جاہلیت میں بایں صورت رائج تھی کہ ایک شخص کوئی اونٹنی اس وعدے پر خرید کرتا کہ جب وہ بچہ جنے گی، پھر وہ بڑی ہو کر بچہ جنم دے تب اس کی قیمت ادا کروں گا۔

فوائد و مسائل: ① دھوکے کی بیع یہ ہے کہ پرندہ ہوا میں اڑ رہا ہے یا مچھلی دریا میں تیر رہی ہے یا ہرن جنگل میں بھاگ رہا ہے اسے پکڑنے سے پہلے بیع کر دے۔ اسی طرح وہ غلام یا لونڈی جو بھاگ گئے ہوں جنھیں خریدار کے سپرد کرنے کی قدرت نہ ہو انھیں فروخت کرنا بھی دھوکے کی بیع ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے دھوکے کی بیع کے متعلق کوئی صریح حدیث پیش نہیں کی بلکہ حبل الحبلة کی ممانعت سے استنباط کیا ہے۔ ممکن ہے کہ انھوں نے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہو جسے امام احمد نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دھوکے کی بیع سے منع فرمایا۔[1] دھوکے کی بیع میں کئی ایک بیوع شامل ہیں۔ معدوم، مجہول اور مبہم اشیاء کی بیع بھی اس میں شامل ہے۔ ③ حبل الحبلة کی تفسیر میں کئی اقوال مروی ہیں جن میں سے ایک مذکورہ حدیث میں بیان ہوا ہے۔ اس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ اونٹنی کے بچے کے بچے کی بیع کی جائے۔ دونوں تفسیروں کے مطابق یہ بیع باطل ہے کیونکہ پہلی تفسیر کے مطابق قیمت کی ادائیگی کی مدت مجہول ہے اور دوسری تفسیر کے مطابق یہ معدوم کی بیع ہے۔ یہ دونوں ممنوع ہیں۔[2]

(٦٢) بَابُ بَيْعِ الْمُلَامَسَةِ

باب: 62- بیع ملامسہ کا بیان

قَالَ أَنَسٌ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْهُ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے اس بیع سے منع فرمایا ہے۔

وضاحت: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی معلق روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے آگے (حدیث: 2207) متصل سند سے بیان کیا ہے۔ ملامسہ کے لغوی معنی چھونے یا ہاتھ لگانے کے ہیں۔ اصطلاحی طور پر اس کی تفسیر میں تین اقوال ہیں: ٭ ایک آدمی تاریکی میں کوئی کپڑا لائے یا روشنی میں لپٹا ہوا تھان کسی کو دے اور خریدار سے کہے کہ یہ کپڑا میں نے تجھے لمسے میں اس شرط پر فروخت کیا کہ تیرا

[1] مسند أحمد: 144/2. [2] فتح الباري: 459/4.

ہاتھ لگا دینا ہی اسے دیکھنے کے قائم مقام ہوگا۔ * ایجاب وقبول کے بغیر صرف ہاتھ لگا دینے ہی کو بیع قرار دیا جائے۔ * صرف ہاتھ لگا دینے سے خیار مجلس کو ختم کر دیا جائے۔ ان سب صورتوں میں بیع باطل ہے کیونکہ اس میں جہالت اور دھوکا ہے۔

٢١٤٤ – حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُنَابَذَةِ، وَهِيَ طَرْحُ الرَّجُلِ ثَوْبَهُ بِالْبَيْعِ إِلَى رَجُلٍ قَبْلَ أَنْ يُقَلِّبَهُ أَوْ يَنْظُرَ إِلَيْهِ، وَنَهَى عَنِ الْمُلَامَسَةِ، وَالْمُلَامَسَةُ لَمْسُ الثَّوْبِ لَا يَنْظُرُ إِلَيْهِ. [راجع: ٣٦٧]

[2144] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع منابذہ سے منع فرمایا اور وہ یہ ہے کہ کوئی شخص خرید و فروخت کرتے وقت کپڑا خریدار کی طرف پھینک دے قبل اس کے کہ وہ اسے الٹ پلٹ کر دیکھے۔ اسی طرح آپ نے بیع ملامسہ سے بھی منع فرمایا اور ملامسہ یہ ہے کہ دیکھے بغیر صرف کپڑے کو ہاتھ لگانے ہی سے بیع پختہ ہو جائے۔

فائدہ: بیع ملامسہ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے کہ جب تو میرے کپڑے کو چھولے اور میں تیرے کپڑے کو چھولوں تو بیع واجب ہو جائے گی۔ زمانہ جاہلیت میں اس قسم کی بیع کا عام رواج تھا۔ چونکہ اس میں دھوکا اور جہالت ہے، اس لیے شریعت نے اس سے منع فرمایا۔

٢١٤٥ – حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: نُهِيَ عَنْ لِبْسَتَيْنِ، أَنْ يَحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ ثُمَّ يَرْفَعَهُ عَلَى مَنْكِبِهِ، وَعَنْ بَيْعَتَيْنِ: اللِّمَاسِ وَالنِّبَاذِ. [راجع: ٣٦٨]

[2145] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ دو قسم کے لباسوں سے منع کیا گیا ہے: ایک تو یہ کہ صرف ایک ہی کپڑے میں کوئی آدمی احتباء کرے، پھر اسے کندھوں تک اٹھا لے۔ اور دو قسم کی خرید و فروخت سے روکا گیا ہے: ایک ہاتھ لگا دینے سے بیع پختہ کر لینا اور دوسری صرف پھینک دینے کو بیع کے قائم مقام قرار دے لینا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں بھی بیع ملامسہ سے منع کیا گیا ہے۔ اس کی وضاحت پہلی حدیث میں ہو چکی ہے۔ ② اس حدیث میں دو قسم کے لباس سے منع کیا گیا ہے، ان میں سے صرف ایک کو اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے، وہ احتباء ہے۔ دوسرا لباس اشتمال الصماء ہے جس کا اس حدیث میں ذکر نہیں ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ انسان کپڑا اس طریقے سے اوڑھ لے کہ اس کے ہاتھ اس میں بالکل بند ہو جائیں۔ اس میں انسان تھوڑی سی ٹھوکر لگنے سے گر پڑتا ہے۔ چونکہ یہ پرخطر لباس ہے، اس لیے منع کیا گیا ہے۔ احتباء یہ ہے کہ ایک چادر بطور تہبند پہن لی جائے اور پھر اس کا کچھ حصہ کندھوں پر ڈال لیا جائے۔ اس میں کیونکہ بے پردہ ہونے کا امکان بہت زیادہ ہوتا ہے، اس لیے یہ بھی منع ہے۔ اس کی تفصیلی بحث کتاب اللباس میں آئے گی۔ إن شاء الله.

(٦٣) بَابُ بَيْعِ الْمُنَابَذَةِ

باب:63- بیع منابذہ کا بیان

وَقَالَ أَنَسٌ: نَهَى عَنْهُ النَّبِيُّ ﷺ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس بیع سے منع فرمایا ہے۔

وضاحت: یہ معلق روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے خود ہی (حدیث: 2207) متصل سند سے بیان کی ہے۔ منابذہ کے لغوی معنی پھینکنا ہیں۔ اصطلاحی طور پر اس کی تفسیر میں بھی تین اقوال ہیں: * صرف چیز پھینکنے ہی سے بیع پختہ ہو جائے، یعنی جو تھان پھینکا جائے اسی کی بیع قرار پائے۔ * ایجاب و قبول کے بغیر محض پھینکنے کو بیع قرار دیا جائے۔ * صرف چیز پھینک دینے سے خیار مجلس کو ختم کر دیا جائے۔ بعض لوگوں نے کنکری پھینکنے کو منابذہ قرار دیا ہے جو صحیح نہیں۔ فقہاء کے ہاں اسے بیع الحصاۃ کہا جاتا ہے۔ حدیث میں اس کی الگ طور پر ممانعت بیان کی گئی ہے۔ بہرحال منابذہ کی یہ تمام صورتیں جہالت اور دھوکے پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ممنوع ہیں۔

٢١٤٦ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ. [راجع: ٣٦٨]

[2146] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع ملامسہ اور بیع منابذہ سے منع فرمایا ہے۔

٢١٤٧ - حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَطَاءِ ابْنِ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ لِبْسَتَيْنِ وَعَنْ بَيْعَتَيْنِ، الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ. [راجع: ٣٦٧]

[2147] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے دو قسم کے لباسوں اور دو قسم کی خرید و فروخت سے منع کیا ہے (خرید و فروخت کی دو اقسام) بیع ملامسہ اور بیع منابذہ ہیں۔

فائدہ: منابذہ یہ ہے کہ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک اپنا اپنا کپڑا دوسرے کی طرف پھینکتا اور کوئی بھی ایک دوسرے کے کپڑے کو الٹ پلٹ کر کے نہ دیکھتا، اسی سے بیع پختہ ہو جاتی۔ زمانہ جاہلیت میں اس قسم کی خرید و فروخت عام تھی اور اس میں جہالت اور دھوکے کے علاوہ جوئے کا عنصر بھی شامل تھا۔ جوئے کی یہ صورت ہوتی کہ بائع اور مشتری میں یہ طے پا جاتا کہ جو میرے پاس ہے وہ میں تیری طرف پھینکتا ہوں اور جو تیرے پاس ہے تو میری طرف پھینک دے، بس اس شرط پر بیع ہو جائے، کسی کو معلوم نہ ہو کہ دوسرے کے پاس کیا اور کتنا مال ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے۔[1]

1 فتح الباري: 454/4.

(٦٤) بَابُ النَّهْيِ لِلْبَائِعِ أَنْ لَا يُحَفِّلَ الْإِبِلَ وَالْبَقَرَ وَالْغَنَمَ وَكُلَّ مُحَفَّلَةٍ

باب: 64- بائع کے لیے اونٹ، گائے اور بکری وغیرہ کے تھنوں میں دودھ جمع کرنے کی ممانعت

وَالْمُصَرَّاةُ الَّتِي صُرِّيَ لَبَنُهَا وَحُقِنَ فِيهِ وَجُمِعَ فَلَمْ يُحْلَبْ أَيَّامًا. وَأَصْلُ التَّصْرِيَةِ: حَبْسُ الْمَاءِ، يُقَالُ مِنْهُ: صَرَّيْتُ الْمَاءَ: إِذَا حَبَسْتَهُ.

مصراۃ وہ جانور ہے جس کا دودھ بند لگا دیا گیا ہو اور اس کے تھنوں میں جمع کیا گیا ہو اور کئی دنوں تک اسے نہ دوہا جائے۔ تصریہ کے اصل معنی پانی کو روک لینا ہیں۔ عربی میں صرَّیْتُ الْمَاءَ کا محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب پانی کو روک لیا جائے۔

وضاحت: رسول اللہ ﷺ نے دھوکے کی بیع سے منع کیا ہے۔ اس کی ایک صورت بیع المصراۃ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بیع کی حقیقت واضح کرنے کے لیے مذکورہ عنوان قائم کیا ہے۔ مصراۃ سے مراد وہ جانور ہے جس کے تھنوں میں دودھ روک لیا گیا ہوتا کہ خریدار اسے زیادہ دودھ دینے والا جانور خیال کر کے زیادہ قیمت دینے پر آمادہ ہو۔ اگر کسی نے جانور کے بچے یا اپنے اہل و عیال کو دودھ پلانے کے لیے یہ عمل کیا تو منع نہیں۔ صحیح بخاری کی جس روایت میں ہے: "جانوروں کا دودھ مت روکو۔"[1] تو اس مطلق روایت کو ان روایات پر محمول کیا جائے گا جن میں "بیچنے کی غرض سے روکنے" کی قید ذکر ہوئی ہے، یعنی جانور فروخت کرنے کی غرض سے اس کا دودھ روکنا تاکہ خریدنے والا یہ سمجھے کہ بہت زیادہ دودھ والا جانور ہے، منع ہے۔ سنن نسائی کی روایت میں ہے کہ اونٹنیوں اور بکریوں کا دودھ خرید و فروخت کے لیے ان کے تھنوں میں مت جمع کرو۔[2] ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب بکری یا کوئی دودھ دینے والا جانور فروخت کرو تو اس کا دودھ تھنوں میں مت روکو۔[3] بعض اہل علم نے کہا ہے کہ جانوروں کا دودھ روکنا مطلقاً منع ہے کیونکہ اس سے جانوروں کو تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن راجح بات یہی ہے کہ کسی خاص ضرورت کے پیش نظر جبکہ کسی کو دھوکا دینا مقصود نہ ہو جانور کا دودھ روکنا جائز ہے، تاہم بلاوجہ جانور کو دودھ روک کر تکلیف اور اذیت دینا درست نہیں۔ حدیث میں ہے: اگر کوئی اس طرح کا دودھ روکا ہوا جانور خرید لے تو اسے اختیار ہے چاہے تو اسے رکھ لے اور چاہے تو واپس کر دے لیکن واپس کرنے کی صورت میں (جھگڑا ختم کرنے کے لیے) اسے کھجوروں کا ایک صاع واپس کرنا ہوگا۔[4] اس میں دودھ کی کمی بیشی کا خیال نہیں رکھا جائے گا۔

٢١٤٨ - حَدَّثَنَا ابْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنِ الْأَعْرَجِ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «لَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ

[2148] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: "اونٹنی اور بکری کے تھنوں میں دودھ مت روکو۔ اور جس کسی نے دودھ بند

[1] صحيح البخاري، الشروط، حديث: 2727. [2] سنن النسائي، البيوع، حديث: 4492. [3] سنن النسائي، البيوع، حديث: 4491. [4] صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2148.

وَالْغَنَمَ، فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدُ فَإِنَّهُ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْتَلِبَهَا، إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ وَإِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَصَاعَ تَمْرٍ».

جانور خریدا تو اسے دوہنے کے بعد خریدار کو دو باتوں میں سے بہتر اور پسندیدہ کے اختیار کرنے کا حق حاصل ہے، چاہے تو اسے اپنے پاس رکھ لے اور چاہے تو اس کو واپس کر دے اور صاع بھر کھجوریں ساتھ دے۔“

وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ وَمُجَاهِدٍ وَالْوَلِيدِ بْنِ رَبَاحٍ وَمُوسَى بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «صَاعَ تَمْرٍ».

ابو صالح، مجاہد، ولید بن رباح اور موسیٰ بن یسار حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا: ”صاع بھر کھجوروں کا۔“

وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ: صَاعًا مِنْ طَعَامٍ وَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلَاثًا.

کچھ راوی حضرت ابن سیرین سے صاع بھر غلے کا ذکر کرتے ہیں، نیز کہتے ہیں کہ اسے تین دن تک اختیار ہے۔

وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ: «صَاعًا مِنْ تَمْرٍ»، وَلَمْ يَذْكُرْ: ثَلَاثًا. وَالتَّمْرُ أَكْثَرُ. [راجع: ۲۱۴۰]

اور بعض نے ابن سیرین سے ”کھجوروں کا ایک صاع“ ذکر کیا ہے اور تین دن تک اختیار کا ذکر نہیں کیا، البتہ اکثر راویوں نے کھجوروں کا ذکر کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① یہ مسئلہ ”مصراۃ“ کے نام سے مشہور ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں لوگوں نے جب کوئی جانور فروخت کرنا ہوتا تو وہ ایک دو دن تک اس کا دودھ نہیں دوہتے تھے تاکہ دودھ اس کے تھنوں میں جمع ہو کر زیادہ معلوم ہو لیکن جب خریدار اپنے گھر جا کر اس کیفیت کو ملاحظہ کرتا تو پریشان ہو جاتا۔ اس بنا پر رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ اگر کوئی گائے، بکری یا اونٹنی اس طرح بذریعہ دھوکا فروخت کی جائے تو خریدار کو اختیار ہے چاہے تو اسی پر راضی رہے چاہے اسے واپس کر دے اور ایک صاع کھجور ساتھ دے تاکہ جھگڑا ختم ہو جائے۔ لیکن تقلید و جمود کی کرشمہ سازی ملاحظہ ہو کہ صحیح احادیث کو رد کر نے کے لیے اصول سازی کی گئی، چنانچہ ایک اصول بنایا گیا کہ حدیث اس وقت قبول نہ کی جائے جب اس کا راوی غیر فقیہ ہو اور وہ ہر طرح سے قیاس کے خلاف ہو۔ مذکورہ حدیث صحیح بخاری کو بھی اس خود ساختہ اصول کی بھینٹ چڑھا دیا گیا اور اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ ان کے ہاں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں، غیر فقیہ ہیں اور یہ حدیث قیاس کے خلاف ہے۔ اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی ان کے ہاں غیر فقیہ ہیں اور ان کی بیان کردہ صحیح بخاری کی ایک روایت کو رد کر دیا گیا۔ حدیث میں ہے کہ کچھ لوگ مدینے آئے لیکن انھیں وہاں کی آب و ہوا راس نہ آئی اور ان کے پیٹ پھول گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پینے کی اجازت دی۔[1] ان حضرات کے اس اصول میں علم و اجتہاد سے بہرہ ور بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بے ادبی کا پہلو تو پایا ہی جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کا ثبوت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نہیں ملتا

[1] صحيح البخاري، حديث: 233.

بلکہ یہ عیسیٰ بن ابان کا مذہب ہے جس پر بہت سے متأخرین نے ان کی متابعت کر لی ہے۔ تفصیل کے لیے اصول الشاشی میں بحث السنۃ کے حواشی پڑھ لیے جائیں۔ علامہ کرخی نے اس اصول کے خلاف آواز اٹھائی کہ راوی کی فقہ کا روایت کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ روایت کی صحت کا دارومدار راوی کے عادل اور ضابط ہونے پر ہے۔ ان حضرات نے قیاس کو حضرت ابوہریرہ کی بیان کردہ روایت پر ترجیح دے کر خود کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا ہے۔ حضرت ابوہریرہ ؓ تو حدیث کا تمام صحابۂ کرام ؓ سے زیادہ علم رکھنے والے بلکہ راویٔ اسلام کے لقب سے مشہور ہیں، پھر انھوں نے تو رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کن حکم نقل کیا ہے جو اپنی جگہ واجب تعمیل ہے۔ واللہ المستعان۔ (2) امام بخاری ؒ کی بیان کردہ متابعات کو مسلم وغیرہ میں متصل سند سے بیان کیا گیا ہے۔[1] بعض میں کھجور کے بجائے "طعام" کے الفاظ ہیں۔[2] امام بخاری ؒ نے "طعام" کی روایات کو مرجوح قرار دیا ہے۔[3]

٢١٤٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ: حَدَّثَنَا أَبُو عُثْمَانَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: مَنِ اشْتَرَى شَاةً مُحَفَّلَةً فَرَدَّهَا فَلْيَرُدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، وَنَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ تُلَقَّى الْبُيُوعُ. [انظر: ٢١٦٤]

[2149] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ اگر کسی نے بکری خریدی جس کے تھن میں دودھ روکا گیا ہو تو اسے واپس کر دے اور ساتھ کھجوروں کا ایک صاع دے، نیز نبی ﷺ نے فروخت کار سے آگے جا کر ملنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

فائدہ: امام بخاری ؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی مذکورہ روایت اس لیے بیان کی ہے کہ راویٔ حدیث حضرت ابوہریرہ ؓ پر غیر فقیہ ہونے کی پھبتی کس کر مذکورہ حدیث کو مسترد کرنے والے حضرات کے بیان میں نظر ثانی کریں کہ مذکورہ حدیث کا مضمون حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے بھی مروی ہے جنھیں یہ حضرات فقہ اور اجتہاد میں امام تسلیم کرتے ہیں۔ اس موضوع پر امام ابن قیم نے اعلام الموقعین میں بہت کچھ لکھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے ایک روایت بایں الفاظ مروی ہے: "میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ صادق و مصدوق رسول اللہ ﷺ نے دودھ روکے ہوئے جانوروں کی بیع کو فریب قرار دیا ہے اور فرمایا کہ مسلمان کے ساتھ اس طرح کا دھوکا کرنا جائز نہیں۔"[4]

٢١٥٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ، وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ،

[2150] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تجارتی قافلوں کو آگے جا کر نہ ملو (آگے جا کر ان سے مال نہ خریدو) اور نہ کوئی ایک دوسرے کی بیع پر بیع کرے، نیز بھاؤ بڑھانے کے لیے قیمت نہ لگاؤ اور نہ کوئی شہری کسی دیہاتی کے لیے خرید و فروخت

1 صحیح مسلم، البیوع، حدیث: 3831 (1524)، والمعجم الأوسط للطبراني: 249/7، طبع دار الحرمین، قاهرة. 2 صحیح مسلم، البیوع، حدیث: 3832 (1524)۔ 3 فتح الباري: 460/4۔ 4 سنن ابن ماجه، التجارات، حدیث: 2241۔

وَلَا تُصَرُّوا الْغَنَمَ، وَمَنِ ابْتَاعَهَا فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْتَلِبَهَا، إِنْ رَضِيَهَا أَمْسَكَهَا، وَإِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَصَاعًا مِنْ تَمْرٍ». [راجع: ٢١٤٠]

کرے، نہ کوئی بکریوں کے تھنوں میں دودھ روکے۔ اگر کسی نے ایسی بکری خرید لی تو دودھ دوہنے کے بعد اسے دو باتوں میں سے بہتر اور پسندیدہ کے اختیار کرنے کا حق حاصل ہے، چاہے تو اس جانور کو اپنے پاس رکھ لے اور چاہے تو ایک صاع کھجور ساتھ دے کر واپس کر دے۔“

فائدہ: اس حدیث میں چند ایک کاروباری طریقۂ واردات سے منع کیا گیا ہے۔ تلقي الرکبان اور تلقي البيوع ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، مثلاً: شہریوں کو خبر ملی کہ مال تجارت باہر سے آ رہا ہے۔ وہ شہر سے باہر دور چلے جائیں اور انھیں شہر میں آنے اور بھاؤ کا علم ہونے سے پہلے ان سے کم قیمت پر مال تجارت خرید لیں، پھر وہ شہر لا کر اسے مہنگے داموں فروخت کریں، ایسا کرنا جائز نہیں۔ حدیث میں مذکورہ دیگر معاملات کی شرح پہلے بیان ہو چکی ہے۔

(٦٥) بَابُ إِنْ شَاءَ رَدَّ الْمُصَرَّاةَ وَفِي حَلْبَتِهَا صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ

باب: 65- خریدار اگر چاہے تو دودھ بستہ جانور کو واپس کر دے لیکن دودھ کے بدلے ایک صاع کھجوریں دے

٢١٥١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو: حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي زِيَادٌ: أَنَّ ثَابِتًا مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زَيْدٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنِ اشْتَرَى غَنَمًا مُصَرَّاةً فَاحْتَلَبَهَا، فَإِنْ رَضِيَهَا أَمْسَكَهَا، وَإِنْ سَخِطَهَا فَفِي حَلْبَتِهَا صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ». [راجع: ٢١٤٠]

[2151] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر کوئی دودھ بستہ بکری خرید لے تو اس کا دودھ دوہنے کے بعد اسے پسند ہو تو رکھ لے اور اگر پسند نہ ہو تو اس کے دودھ کے عوض صاع بھر کھجوریں دے دے (اور اسے واپس کر دے)۔“

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے دودھ روکے ہوئے جانور کے سلسلے میں ایک اور مسئلہ بیان کیا ہے کہ جانور ایک ہو یا زیادہ، دودھ کے مقابلے میں اسے صرف صاع کھجوریں ساتھ واپس کرنا ہوں گی۔ ہر جانور کی طرف سے الگ الگ صاع نہیں دیا جائے گا کیونکہ ایک صاع کھجور دودھ کا عوض نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات ایک جانور کا دودھ ایک صاع کھجور کی مالیت سے زیادہ ہو سکتا ہے، لہٰذا صاع تمر تو جھگڑا ختم کرنے کے لیے ہے۔ اس میں جانوروں کی قلت یا کثرت برابر ہے۔ بعض علماء نے ہر جانور کی طرف سے ایک صاع واپس کرنے کا موقف اختیار کیا ہے۔ ② امام ابن حزم ؒ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ خریدار کو

دودھ اور صاع کھجور دونوں واپس کرنا ہوں گے، صرف کھجور دینے سے کام نہیں چلے گا۔ ابن حزم کا یہ موقف محل نظر اور جمہور علماء کے خلاف ہے۔[1]

(٦٦) بَابُ بَيْعِ الْعَبْدِ الزَّانِي

باب: 66- زنا کار غلام کی خرید و فروخت

وَقَالَ شُرَيْحٌ: إِنْ شَاءَ رَدَّ مِنَ الزِّنَا.

قاضی شریح نے فرمایا: خریدار اگر چاہے تو عیب زنا کی وجہ سے واپس کر سکتا ہے۔

وضاحت: اس اثر کو سعید بن منصور نے متصل سند سے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی نے کسی سے لونڈی خریدی جو عادت زنا میں مبتلا تھی۔ اس عیب کا خریدار کو علم نہیں تھا۔ وہ اپنا معاملہ قاضی شریح کے پاس لے گیا تو انھوں نے فرمایا: اگر تو چاہے تو اس عیب کی بنا پر واپس کر سکتا ہے۔[2]

٢١٥٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِذَا زَنَتِ الْأَمَةُ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا فَلْيَجْلِدْهَا وَلَا يُثَرِّبْ، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَلْيَجْلِدْهَا وَلَا يُثَرِّبْ، ثُمَّ إِنْ زَنَتِ الثَّالِثَةَ فَلْيَبِعْهَا وَلَوْ بِحَبْلٍ مِنْ شَعَرٍ».

[أطرافه: ٢١٥٣، ٢٢٣٤، ٢٥٥٥، ٦٨٣٧، ٦٨٣٩]

[2152] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: "اگر لونڈی زنا کرے اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اس کا مالک اسے کوڑے لگائے صرف ڈانٹ ڈپٹ پر اکتفا نہ کرے۔ اگر پھر زنا کرے تو پھر اسے کوڑے لگائے، زجر و توبیخ پر اکتفا نہ کرے۔ اگر تیسری مرتبہ زنا کرے تو اس کو فروخت کر دے خواہ بالوں کی رسی کے عوض ہی ہو۔"

٢١٥٣، ٢١٥٤ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ سُئِلَ عَنِ الْأَمَةِ إِذَا زَنَتْ وَلَمْ تُحْصِنْ، قَالَ: «إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَبِيعُوهَا وَلَوْ بِضَفِيرٍ».

[2154,2153] حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کنواری لونڈی کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: "اگر وہ زنا کرے تو اس کو کوڑے مارو۔ پھر اگر زنا کرے تو اس کو حد لگاؤ۔ پھر اگر بدکاری کا ارتکاب کرے تو اسے فروخت کر دو اگرچہ بالوں کی رسی کے عوض کیوں نہ ہو۔"

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: لَا أَدْرِي أَبَعْدَ الثَّالِثَةِ أَوْ

ابن شہاب کہتے ہیں: مجھے معلوم نہیں کہ (آپ نے بیچنے کا

① فتح الباري: 486/4. ② فتح الباري: 486/4.

الرابعة. [راجع: ۲۱۵۲، وأطرافه: ۲۲۳۴، ۲۵۵۵، ۶۸۳۹] تیسری مرتبہ کے بعد فرمایا یا چوتھی مرتبہ کے بعد فرمایا تھا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زناکاری ایک عیب ہے۔ خریدار اس عیب کے مطلع ہونے پر اس غلام یا لونڈی کو واپس کر سکتا ہے۔ اگرچہ حدیث میں لونڈی کا ذکر ہے لیکن غلام کو اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ احناف لونڈی کے متعلق یہ قاعدہ درست کہتے ہیں لیکن غلام کے متعلق اسے تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک زنا اور بدکاری لونڈی میں عیب ہے غلام میں نہیں کیونکہ لونڈی میں جماع اور طلب ولد مقصود ہے اور زناکاری اس مقصد میں رکاوٹ کا باعث ہے جبکہ غلام سے مقصد خدمت لینا ہے اور زنا اس خدمت میں مخل نہیں ہوتا۔ ہاں، اگر زنا اس کی مستقل عادت ہو تو یہ ایک عیب ہے۔ بہرحال ہر ایک دانا اور غیرت مند کے نزدیک بدکاری ایک عیب ہے، خواہ غلام میں ہو یا لونڈی میں۔ یہاں ایک سوال ہے کہ اس عیب دار چیز کو فروخت کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے جبکہ حدیث میں ہے کہ مسلمان اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ شاید وہ دوسرے شخص کے پاس جا کر اس کی معیت کی وجہ سے بدکاری سے رک جائے کیونکہ بعض اوقات بدکار عورتیں مضبوط اور طاقتور مردوں سے نکاح کرنے کے بعد اس بے حیائی سے رک جاتی ہیں بشرطیکہ نکاح کرنے والا غیرت مند ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خریدنے والا اس کا آگے کسی سے نکاح کر دے یا بذات خود اسے زنا سے بچانے کے لیے کوئی صورت پیدا کر دے۔ واللہ أعلم

(۶۷) بَابُ الشِّرَاءِ وَالْبَيْعِ مَعَ النِّسَاءِ

۲۱۵۵ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَذَكَرْتُ لَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اشْتَرِي وَأَعْتِقِي فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ». ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الْعَشِيِّ فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: «مَا بَالُ النَّاسِ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ، مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ شَرْطٍ،

باب: 67- عورتوں سے خرید و فروخت کرنا

[2155] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ سے (حضرت بریرہ ؓ کی خرید کا) ذکر کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم (بریرہ کو) خرید کر آزاد کر سکتی ہو۔ ولاء تو اسی کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرے۔" پھر آپ شام کے وقت منبر پر کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے شایان شان حمد و ثنا کی، اس کے بعد فرمایا: "لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ (معاملات میں) ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں۔ جس نے ایسی شرط لگائی جو کتاب اللہ میں نہیں تو

(۱) فتح الباري: 4/86.

شَرْطُ اللهِ أَحَقُّ وَأَوْثَقُ». [راجع: ٤٥٦]

وہ باطل ہے اگرچہ اس طرح کی سو شرطیں لگائے۔ اللہ تعالیٰ کی شرط ہی زیادہ حق اور مضبوط ہے۔"

٢١٥٦ - حَدَّثَنَا حَسَّانُ بْنُ أَبِي عَبَّادٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ قَالَ: سَمِعْتُ نَافِعًا عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا سَاوَمَتْ بَرِيرَةَ فَخَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ، فَلَمَّا جَاءَ قَالَتْ: إِنَّهُمْ أَبَوْا أَنْ يَبِيعُوهَا إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطُوا الْوَلَاءَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ». قُلْتُ لِنَافِعٍ: حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا أَوْ عَبْدًا؟ فَقَالَ: مَا يُدْرِينِي؟ [انظر: ٢١٦٩، ٢٥٦٢، ٦٧٥٢، ٦٧٥٧، ٦٧٥٩]

[2156] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے حضرت بریرہ ؓ کا سودا کیا۔ آپ ﷺ نماز کے لیے تشریف لے گئے۔ جب واپس آئے تو ام المومنین نے کہا کہ وہ لوگ حضرت بریرہ ؓ کو فروخت کرنے سے انکاری ہیں مگر اس شرط پر کہ ولاء ان کی ہو۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "ولاء تو اسی کا حق ہے جس نے اسے آزاد کیا ہو۔" (راوی حدیث ہمام کہتے ہیں کہ) میں نے (اپنے شیخ) حضرت نافع سے پوچھا: بریرہ کا شوہر آزاد تھا یا غلام؟ انھوں نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں ہے۔

فوائد و مسائل: ﴿1﴾ ولاء اس تعلق کو کہتے ہیں جو کسی آزاد کردہ غلام اور اس کے آزاد کرنے والے کے درمیان قائم ہوتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ غلام مرتے دم تک خاندانی طور پر اپنی نسبت اپنے محسن، آزاد کرنے والے کی طرف کرتا ہے اور مرنے کے بعد اس کے ترکے کا حق دار بھی وہی محسن ہوتا ہے۔ دور جاہلیت میں اس نسبت کا حق دار سابق مالک ہوتا تھا، خواہ آزاد کرنے والا کوئی دوسرا ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت بریرہ ؓ کے مالکان اسی شرط جاہلیت پر اصرار کرتے تھے جس کی رسول اللہ ﷺ نے بر سر عام تردید فرمائی۔ ﴿2﴾ اس حدیث سے حضرت عائشہ ؓ کا حضرت بریرہ ؓ کو خریدنے کا ثبوت ملتا ہے اور عنوان کے ساتھ مطابقت اسی طرح ہے کہ عورتیں خرید و فروخت کر سکتی ہیں۔ اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ ﴿3﴾ اس حدیث سے امام بخاری ؒ نے متعدد مسائل و احکام اخذ کیے ہیں جن کی موقع و محل کے اعتبار سے وضاحت ہوتی رہے گی۔ ﴿4﴾ اس روایت کے آخر میں حضرت بریرہ ؓ کے خاوند حضرت مغیث ؓ کے متعلق حضرت نافع نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ہے کہ حضرت بریرہ ؓ کی آزادی کے وقت وہ غلام تھا یا آزاد۔ اسی طرح ایک روایت میں شعبہ نے اپنے شیخ عبدالرحمن بن قاسم سے اس کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے بھی فرمایا کہ مجھے علم نہیں۔[1] البتہ حضرت ابن عباس ؓ نے صراحت بیان کی ہے کہ حضرت بریرہ ؓ کی آزادی کے وقت اس کا خاوند غلام تھا اور وہ اپنی شریک حیات کے فراق پر مدینے کی گلی کوچوں میں روتا اور آنسو بہاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی اس کیفیت پر بڑے تعجب کا اظہار کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بریرہ ؓ کو اسے بطور خاوند قبول کرنے کے متعلق مشورہ بھی دیا لیکن انھوں نے علیحدگی کو اختیار کیا۔[2]

1 صحیح البخاري، الهبة، حدیث: 2578. 2 صحیح البخاري، الطلاق، حدیث: 5282، 5283.

(٦٨) بَابٌ: هَلْ يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ بِغَيْرِ أَجْرٍ؟ وَهَلْ يُعِينُهُ أَوْ يَنْصَحُهُ؟

باب: 68- کیا شہری کسی دیہاتی کے لیے بلا معاوضہ بیع کر سکتا ہے؟ نیز کیا اسے اس کی خیر خواہی یا مدد کرنے کا حق ہے؟

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِذَا اسْتَنْصَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيَنْصَحْ لَهُ». وَرَخَّصَ فِيهِ عَطَاءٌ.

نبی ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے اگر کوئی اپنے بھائی کے ساتھ خیر خواہی کا مطالبہ کرے تو اسے ضرور خیر خواہی کرنی چاہیے۔" حضرت عطاء نے بھی اس کی اجازت دی ہے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ شہری کا دیہاتی کے لیے خرید و فروخت کرنا اس وقت مکروہ ہے جب وہ اجرت لے کر بیع کرے کیونکہ جو شخص اجرت لے کر خرید و فروخت کرتا ہے وہ خیر خواہ نہیں ہوتا، اس کا مقصد اجرت کا حصول ہوتا ہے اور جس حدیث میں اس کی ممانعت ہے وہ خاص تاکید پر محمول ہے کہ اجرت لے کر بیع کرے۔ الغرض امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک اجرت لے کر خرید و فروخت ممنوع اور اجرت کے بغیر بطور خیر خواہی کسی دیہاتی کے لیے خرید و فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس سلسلے میں پیش کردہ ارشاد نبوی کو امام بیہقی نے اپنی سند میں متصل متن سے بیان کیا ہے۔[1] اور حضرت عطاء کا قول مصنف عبدالرزاق میں موصولاً بیان ہوا ہے۔[2]

٢١٥٧ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسٍ: سَمِعْتُ جَرِيرًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: بَايَعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ. [راجع: ٥٧]

[2157] حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی اس بات پر پابند رہنے کی بیعت کی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول اور نمائندے ہیں، نیز نماز قائم کرنے، زکاۃ دینے، اپنے حکمران کی بات سننے اور اس پر عمل کرنے، نیز ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے کی بیعت کی۔

فوائد و مسائل: ﷺ اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ دوسرے مسلمان کی خیر خواہی کرے۔ اس خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ وہ اجرت کے بغیر اس کی خرید و فروخت کرے۔ اس میں اخلاص اور اس کی مدد ہوگی جس کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے۔ ﷺ ایک دیہاتی حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس دودھ لے کر آیا تاکہ اسے فروخت کر دے۔ انھوں نے فرمایا: تم بازار جاؤ اور پہلے خریدار کو تلاش کرو۔ اس کے بعد میرے پاس آنا تاکہ تجھے اس سلسلے

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی: 347/5. [2] المصنف لعبدالرزاق: 201/8.

میں مفید مشورہ دوں۔[1] اس روایت سے بھی خیر خواہی کے طور پر کسی دوسرے کے مال کو فروخت کرنے کا پتہ چلتا ہے۔[2]

٢١٥٨ - حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ وَلَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ». قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: مَا قَوْلُهُ: «لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ»؟ قَالَ: لَا يَكُونُ لَهُ سِمْسَارًا. [انظر: ٢١٦٣، ٢٢٧٤]

[2158] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قافلے کو آگے جا کر نہ ملو اور کوئی مقامی آدمی کسی بیرونی شخص کے لیے خرید و فروخت نہ کرے۔" راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا مطلب پوچھا کہ کوئی مقامی کسی بیرونی کے لیے بیع نہ کرے؟ تو انھوں نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دلال نہ بنے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک مذکورہ حدیث ایک خاص معنی پر محمول ہے کہ اجرت لے کر بیع کرنا ممنوع ہے۔ اس کے برعکس اگر شہری آدمی باہر سے آنے والے کسی دیہاتی کا سامان تعاون اور خیر خواہی کے طور پر فروخت کرتا ہے تو ایسا کرنے میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ دوسری احادیث میں مسلمان کی خیر خواہی اور اس کے ساتھ ہمدردی کرنے کا حکم ہے۔ ② جو شخص اجرت لے کر کسی کی خرید و فروخت کرتا ہے، اس کا مقصد خیر خواہی نہیں بلکہ صرف اجرت کا حصول ہے۔

(٦٩) بَابُ مَنْ كَرِهَ أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ بِأَجْرٍ

باب: 69- جس نے دیہاتی کے لیے شہری کا اجرت کے ساتھ بیع کرنا مکروہ خیال کیا

٢١٥٩ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ صَبَّاحٍ: حَدَّثَنَا أَبُو عَلِيٍّ الْحَنَفِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ ابْنِ دِينَارٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ.

[2159] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال بیچے۔

وَبِهِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہی کہا ہے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث میں اجرت کے ساتھ شہری کا دیہاتی کے لیے خرید و فروخت کی ممانعت کا ذکر نہیں ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سابقہ تفسیر کی وجہ سے اسے مقید کیا گیا ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد

---

1 سنن أبي داود، البيوع، حديث: 3441. 2 فتح الباري: 468/4.

یہ ہے کہ اجرت کے ساتھ کسی دوسرے کے لیے خرید و فروخت ناجائز ہے اور اجرت کے بغیر خیرخواہی کے طور پر ایسا کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک ممانعت کے لیے پانچ باتوں کا ہونا ضروری ہے: * دیہات سے کوئی آدمی اپنا سامان بیچنے کے لیے آئے۔ * وہ اسی دن کے بھاؤ پر سامان فروخت کرنا چاہتا ہو۔ * بھاؤ کا اسے علم نہ ہو۔ * شہری آدمی قصد کر کے اس کے پاس جائے۔ * مسلمانوں کو دیہاتی کے سامان کی ضرورت ہو۔ اگر یہ باتیں موجود ہوں تو شہری کا دیہاتی کے لیے خرید و فروخت کرنا ناجائز ہے بصورت دیگر صحیح ہے۔ یہ جملہ احتمالات درحقیقت اس لیے ہیں کہ کوئی شہری کسی بھی صورت میں کسی دیہاتی سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے۔

(٧٠) بَابٌ: لَا يَشْتَرِي حَاضِرٌ لِبَادٍ بِالسَّمْسَرَةِ

باب: 70- کوئی شہری کسی دیہاتی کے لیے دلالی کے ساتھ خرید نہ کرے

وَكَرِهَهُ ابْنُ سِيرِينَ وَإِبْرَاهِيمُ لِلْبَائِعِ وَلِلْمُشْتَرِي. قَالَ إِبْرَاهِيمُ: إِنَّ الْعَرَبَ تَقُولُ: بِعْ لِي ثَوْبًا، وَهِيَ تَعْنِي الشِّرَاءَ.

امام ابن سیرین اور حضرت ابراہیم نخعی بائع اور مشتری دونوں کے لیے دلالی مکروہ خیال کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا: عرب کہتے ہیں: بِعْ لِي ثَوْبًا "میرے لیے کپڑا خریدو" یعنی بیع سے شراء مراد لیتے ہیں۔

وضاحت: اس عنوان کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح شہری کا دیہاتی کے لیے اجرت کے ساتھ سامان فروخت کرنا منع ہے اسی طرح اس کے لیے اجرت کے ساتھ سامان خریدنا بھی منع ہے۔ حدیث میں بیع کا لفظ ہے جو خرید و فروخت دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ امام ابن سیرین کا قول ابو عوانہ نے متصل سند سے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔[1] لیکن ابراہیم نخعی کے قول کے متعلق کوئی سراغ نہیں مل سکا، البتہ ان کے نزدیک اجرت کے ساتھ خرید و فروخت دونوں منع ہیں۔

٢١٦٠ - حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَبْتَاعُ الْمَرْءُ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ». [راجع: ٢١٤٠]

[2160] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نہ دھوکا دہی کے لیے بھاؤ ہی چڑھائے، نیز کوئی شہری کسی دیہاتی کے لیے بیع نہ کرے۔"

٢١٦١ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا

[2161] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

1: مسند أبي عوانة المسند الصحيح: 427/5۔

مُعَاذٌ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدٍ: قَالَ أَنَسُ ابْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: نُهِينَا أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ.

انھوں نے فرمایا کہ ہمیں اس سے منع کیا گیا کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال تجارت بیچے۔

فوائد و مسائل: ① شہری آدمی کو کسی دیہاتی کی سادگی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے، دلالی کے ساتھ اس کا سامان خریدے اور پھر بازار سے اسے سامان لے کر بیچ دے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں ایک خاص اسلوب اختیار کیا ہے اور اس کے متعلق تین عنوان قائم کیے ہیں: پہلے عنوان میں حل کے ساتھ اس کی کراہت کو ذکر کیا۔ دوسرے عنوان میں اجرت کے ساتھ اس کی خرید و فروخت کو مکروہ قرار دیا اور اس تیسرے عنوان میں دلالی کے ساتھ بیع کو مقید کیا۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ہمیں منع کیا گیا کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا سامان فروخت کرے، خواہ وہ اس کا حقیقی بھائی یا باپ ہی ہو۔[1] بہرحال منع کی صورت یہ ہے کہ ایک اجنبی آدمی دیہات یا کسی دوسرے شہر سے ایسا سامان لے کر آتا ہے جس کی تمام لوگوں کو ضرورت ہے اور وہ اس دن کے بھاؤ سے فروخت کرنا چاہتا ہے، اگر اسے شہری کہتا ہے کہ اپنا یہ سامان میرے پاس چھوڑ دو تاکہ میں اسے بتدریج اعلیٰ نرخ پر فروخت کروں۔ بعض فقہاء ان احادیث کو منسوخ کہتے ہیں جن میں ممانعت کا ذکر ہے۔ ان کے ہاں ایسا کرنا مطلق طور پر جائز ہے۔ ہمارے نزدیک ان کا موقف محل نظر ہے۔ ③ واضح رہے کہ جس طرح شہری کے لیے کسی دیہاتی کا سامان فروخت کرنا جائز نہیں، اسی طرح اس کے لیے خریدنا بھی جائز نہیں کیونکہ لفظ بیع دونوں معنوں (خرید و فروخت) میں مستعمل ہے۔ واللہ أعلم۔

(٧١) بَابُ النَّهْيِ عَنْ تَلَقِّي الرُّكْبَانِ، وَأَنَّ بَيْعَهُ مَرْدُودٌ لِأَنَّ صَاحِبَهُ عَاصٍ آثِمٌ إِذَا كَانَ بِهِ عَالِمًا وَهُوَ خِدَاعٌ فِي الْبَيْعِ، وَالْخِدَاعُ لَا يَجُوزُ

باب: 71- آگے جا کر قافلے والوں سے سامان خریدنا منع ہے اور یہ خرید و فروخت مردود ہے کیونکہ ایسا کرنے والا نافرمان اور گناہگار ہے جبکہ وہ دیدہ دانستہ ایسا کرے، اس طرح کی خرید و فروخت دھوکا دہی ہے اور دھوکا دینا جائز نہیں

٢١٦٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ الْعُمَرِيُّ عَنْ سَعِيدِ ابْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ التَّلَقِّي وَأَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ. [راجع: ٢١٤٠]

[2162] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے (تجارتی قافلوں سے) آگے بڑھ کر ملنے سے منع فرمایا اور اس سے بھی (منع فرمایا) کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال تجارت بیچے۔

[1] صحیح مسلم، البیوع، حدیث: 3828 (1523).

فوائد و مسائل: ① تلقی کے معنی استقبال کرنا ہیں۔ اس کی دو صورتیں ہیں: ٭ قحط سالی کے وقت غلہ خریدنے والے شہر سے باہر جا کر دیہاتیوں سے سستے داموں غلہ خرید کریں اور شہر میں لا کر اسے زیادہ قیمت پر فروخت کریں۔ ٭ دیہاتیوں کو شہر کے بھاؤ کا علم نہ ہو، خریدار شہر سے باہر جا کر سستے نرخ پر خرید کریں، پھر اسے مہنگے نرخ پر فروخت کریں۔ یہ دونوں صورتیں شرعاً ممنوع ہیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک ایسی خرید و فروخت مردود ہے کیونکہ کسی کام سے نہی اس کے فساد کا تقاضا کرتی ہے۔ اہل ظاہر کا بھی یہی مذہب ہے جبکہ بعض محققین کہتے ہیں: بیع صحیح ہے، البتہ اختیار ثابت ہوگا کیونکہ نہی رکبان کا قافلہ والوں کا نقصان دور کرنے کے لیے ہے اور ان کا نقصان انھیں اختیار ملنے سے دور ہو سکتا ہے۔

٢١٦٣ – حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: مَا مَعْنَى قَوْلِهِ: «لَا يَبِيعَنَّ حَاضِرٌ لِبَادٍ»؟ فَقَالَ: لَا يَكُونُ لَهُ سِمْسَارًا. [راجع: ٢١٥٨]

[2163] حضرت طاؤس سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ "کوئی شہری کسی دیہاتی کے لیے خرید و فروخت نہ کرے" اس کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے فرمایا: شہری، کسی دیہاتی کا دلال نہ بنے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں اختصار ہے۔ مفصل حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں قافلے والوں کا استقبال کرنے سے منع کیا گیا ہے۔[1] بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ قافلے والوں سے غلہ خریدنا جائز ہے جبکہ دوسری احادیث میں اس کی ممانعت ہے؟ ان کے درمیان تطبیق بایں طور ہے کہ اگر اس بیع سے منڈی والوں کو نقصان ہو تو منع ہے، اگر نقصان نہ ہو تو جائز ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آگے جا کر قافلے والوں سے غلہ نہ خریدو، اگر کسی نے ایسی بیع کی تو بائع جب منڈی میں آئے تو اس کو اختیار ہے کہ اس بیع کو جائز رکھے یا اسے فسخ کر دے۔"[2] ② اس حدیث میں اس بیع سے منع کرنے کے باوجود بائع کو فسخ کا اختیار دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ بیع صحیح ہے ورنہ خیار کے کیا معنی ہیں؟ اگر بیع فاسد ہوتی تو بائع اور مشتری کو اسے ختم کرنے پر مجبور کیا جاتا۔ البتہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس قسم کی بیع کو دوٹوک الفاظ میں مردود قرار دیا ہے۔

٢١٦٤ – حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَ: حَدَّثَنِي التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: مَنِ اشْتَرَى مُحَفَّلَةً فَلْيَرُدَّ مَعَهَا صَاعًا. قَالَ: وَنَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ تَلَقِّي الْبُيُوعِ. [راجع: ٢١٤٩]

[2164] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جس کسی نے دودھ بستہ جانور خریدا (اگر اسے واپس کرنا چاہے تو) وہ اس کے ساتھ ایک صاع (کھجور) واپس کرے۔ نیز انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے (تجارتی قافلوں سے) آگے بڑھ کر ملنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

فوائد و مسائل: ① محفلة کے معنی یہ ہیں کہ دودھ والے جانور کا ایک یا دو دن دودھ نہ دوہا جائے تاکہ دودھ اس کے

---

1 صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2158. 2 صحيح مسلم، البيوع، حديث: 3873 (1519).

تھنوں میں جمع ہو جائے۔ خریدار جب اس قسم کے جانور کو دوہتا ہے تو دودھ کے زیادہ ہونے کی وجہ سے جانور مہنگے داموں خرید لیتا ہے، اسے بعد میں پتہ چلتا ہے کہ میرے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے، اس لیے شریعت نے اسے تین دن تک بیع واپس کرنے کا اختیار دیا ہے۔ اگر واپس کرنا چاہے تو جھگڑا ختم کرنے کے لیے صاع کھجوریں ساتھ دے۔ ③ تلقی الجلب کے معنی یہ ہیں کہ باہر سے کوئی قافلہ سامان تجارت لے کر آ رہا ہو اور اس کے منڈی پہنچنے سے پہلے پہلے شہری لوگ آگے جا کر سستے داموں سامان خرید لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

٢١٦٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا يَبِيعُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ، وَلَا تَلَقَّوُا السِّلَعَ حَتَّى يُهْبَطَ بِهَا إِلَى السُّوقِ». [راجع: ٢١٣٩]

[2166] حضرت ابن عمر ؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کوئی ایک دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے اور نہ باہر جا کر قافلے سے سامان ہی خرید و حتی کہ اسے بازار میں لایا جائے۔"

فوائد و مسائل: ① بیع پر بیع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بائع اور مشتری دونوں کسی قیمت پر اتفاق کر لیں، پھر کوئی شخص مالک سے کہے: تم یہ چیز مجھے زیادہ قیمت پر فروخت کرو یا خریدار سے کہے کہ میں تمھیں اس سے سستی چیز دیتا ہوں۔ اس طرح دونوں کے درمیان دخل دینا حرام ہے۔ اگر قیمت طے نہ ہوئی ہو تو اس وقت چیز کی بولی دینا اور قیمت بڑھانا جائز ہے۔ ② اس حدیث میں باہر جا کر قافلے والوں سے سامان خریدنے کی ممانعت ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شہری آدمی سامان تجارت لانے والوں کو شہر کی مارکیٹ میں سامان لانے سے پہلے پہلے راستے ہی میں جا ملے تاکہ بھاؤ کے متعلق غلط بیانی کر کے اس سے سستے داموں خریدے اور اس کی اصل قیمت سے کم قیمت پر اسے حاصل کرے۔ منع کرنے سے مقصود یہ ہے کہ فروخت کرنے والا دھوکا دیے جانے اور نقصان پہنچائے جانے سے محفوظ رہے۔ امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک ایسا کرنا جائز ہے جبکہ مذکورہ احادیث اس بات کا رد کرتی ہیں۔ الغرض بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شہری بیوپاری بیرونی قافلوں سے غلے کی رسد کو شہر سے دور باہر نکل کر خرید لیتے ہیں اور منڈی میں اسے مہنگے دام فروخت کرتے ہیں۔ امام بخاری ؒ کے نزدیک ایسی بیع حرام ہے۔ بعض محدثین کے نزدیک یہ بیع صحیح ہے، البتہ مالک کو اختیار ہے کہ منڈی کا بھاؤ معلوم ہونے کے بعد اگر چاہے تو سودا برقرار رکھے، چاہے تو فسخ کر دے۔ واللہ أعلم۔

(٧٢) بَابُ مُنْتَهَى التَّلَقِّي

باب: 72- (تجارتی قافلے سے) کتنی دور مل جا سکتا ہے؟

٢١٦٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا نَتَلَقَّى الرُّكْبَانَ فَنَشْتَرِي مِنْهُمْ

[2166] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہم باہر سے آنے والے قافلوں کو آگے جا کر ملتے اور ان سے غلہ خریدتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے

الطَّعَامِ فَنَهَانَا النَّبِيُّ ﷺ أَنْ نَبِيعَهُ حَتَّى يَبْلُغَ بِهِ سُوقَ الطَّعَامِ. [راجع: ۲۱۲۳]

ہمیں اس غلے کو فروخت کرنے سے منع فرما دیا تا آنکہ اسے منڈی میں پہنچا دیا جائے۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: هَذَا فِي أَعْلَى السُّوقِ وَيُبَيِّنُهُ حَدِيثُ عُبَيْدِ اللهِ.

ابو عبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) بیان کرتے ہیں کہ ان کا قافلے والوں سے ملنا بازار کے اعلیٰ کنارے میں ہوتا تھا جیسا کہ حضرت عبیداللہ کی حدیث سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔ (اور وہ حدیث آگے مذکور ہے)

۲۱۶۷ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانُوا يَبْتَاعُونَ الطَّعَامَ فِي أَعْلَى السُّوقِ فَيَبِيعُونَهُ فِي مَكَانِهِ، فَنَهَاهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يَبِيعُوهُ فِي مَكَانِهِ حَتَّى يَنْقُلُوهُ. [راجع: ۲۱۲۳]

[2167] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ لوگ بازار کے بلند کنارے میں غلہ خریدتے اور اسی جگہ فروخت کر دیتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں اسی جگہ فروخت کرنے سے منع فرما دیا حتی کہ اسے وہاں سے نقل کر لیں۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے باہر سے آنے والے قافلوں کے استقبال کے جواز اور عدم جواز کی حدود کا تعین کیا ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک ممنوع استقبال شہر کے داخلے تک ہے، خواہ منڈی میں آئے یا نہ آئے۔ اصل بات یہ ہے کہ قافلے والے جب شہر میں آئیں اور منڈی کا بھاؤ معلوم کرنا ممکن ہو جائے تو اس وقت استقبال کر کے ان سے غلہ خریدا جا سکتا ہے کیونکہ شہر سے باہر رہتے ہوئے اس وقت منڈی کے بھاؤ کا پتہ کرنا ناممکن تھا، اس لیے منع کیا گیا۔ اگر شہر میں داخل ہونے کے بعد وہ بھاؤ کا پتہ نہ کریں تو یہ ان کا اپنا قصور ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے ممنوع استقبال کی ابتدا بازار سے خروج کو قرار دیا ہے۔ اگر منڈی میں داخل ہو جائیں تو ان کا استقبال منع نہیں اور منڈی سے باہر استقبال منع ہے اگرچہ شہر میں داخل ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ الغرض جہاں آگے جا کر آنے والے قافلوں سے غلہ خریدنا جائز ہے وہ بازار کا آخری کنارہ ہے اور جہاں خریدنا منع ہے وہ بازار سے خروج ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو اسی جگہ خرید کر مال فروخت کرنے سے منع فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسا استقبال منع نہیں۔ ممنوع استقبال منڈی سے باہر ہے اور انتہا کی کوئی حد نہیں۔ واللّٰہ أعلم.

(۷۳) بَابٌ: إِذَا اشْتَرَطَ فِي الْبَيْعِ شُرُوطًا لَا تَحِلُّ

باب: 73- جب خرید و فروخت کرتے وقت ناجائز شرطیں لگائی جائیں

۲۱۶۸ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا

[2168] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے

مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: جَاءَتْنِي بَرِيرَةُ فَقَالَتْ: كَاتَبْتُ أَهْلِي عَلَى تِسْعِ أَوَاقٍ، فِي كُلِّ عَامٍ أُوقِيَّةٌ، فَأَعِينِينِي. فَقُلْتُ: إِنْ أَحَبَّ أَهْلُكِ أَنْ أَعُدَّهَا لَهُمْ وَيَكُونَ وَلَاؤُكِ لِي فَعَلْتُ، فَذَهَبَتْ بَرِيرَةُ إِلَى أَهْلِهَا، فَقَالَتْ لَهُمْ فَأَبَوْا ذَلِكَ عَلَيْهَا. فَجَاءَتْ مِنْ عِنْدِهِمْ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ جَالِسٌ، فَقَالَتْ: إِنِّي عَرَضْتُ ذَلِكَ عَلَيْهِمْ فَأَبَوْا إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْوَلَاءُ لَهُمْ، فَسَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ، فَأَخْبَرَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: «خُذِيهَا وَاشْتَرِطِي لَهُمُ الْوَلَاءَ، فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ». فَفَعَلَتْ عَائِشَةُ، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ، مَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللهِ؟ مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ، قَضَاءُ اللهِ أَحَقُّ، وَشَرْطُ اللهِ أَوْثَقُ، وَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ». [راجع: ٤٥٦]

فرمایا: میرے پاس حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا آئی اور کہا کہ میں نے اپنے مالکوں سے نو اوقیہ چاندی کے بدلے اس شرط پر مکاتبت کر لی ہے کہ ہر سال ایک اوقیہ چاندی دوں گی، لہذا آپ میری مدد کریں۔ میں نے کہا: اگر تیرے مالک اس بات کو پسند کریں کہ میں یہ رقم یک مشت انھیں دے دوں لیکن تیری ولا میرے لیے ہو تو میں تجھے خرید لیتی ہوں، چنانچہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا اپنے مالکوں کے پاس گئی اور ان سے ماجرا بیان کیا تو انھوں نے اس سے انکار کر دیا۔ جب وہ ان کے پاس سے واپس آئی تو رسول اللہ ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔ وہ عرض کرنے لگی: میں نے یہ بات ان پر پیش کی تو انھوں نے انکار کر دیا ہے مگر یہ کہ ولا ان کے لیے ہو۔ نبی ﷺ نے (اجمالاً یہ واقعہ) سنا۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کو اس کے متعلق (تفصیل سے) آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا: ”اسے خرید لو اور ان کی شرط بھی مان لو لیکن حقیقت یہ ہے کہ ولا تو آزاد کرنے والے کا حق ہوتا ہے۔“ چنانچہ حضرت عائشہ نے اسے خرید لیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ (خطاب فرمانے کے لیے) لوگوں میں کھڑے ہوئے۔ آپ نے اللہ کی حمد و ثنا کی، پھر فرمایا: ”اما بعد! لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں؟ خبردار! جو شرط اللہ کی کتاب کے مطابق نہیں وہ باطل ہے اگرچہ سو شرطیں ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ کا فیصلہ برحق ہے اور اس کی شرط ہی قابل وثوق ہے۔ ولا صرف اسی شخص کے لیے ہے جو آزاد کرے۔“

٢١٦٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ أَرَادَتْ أَنْ

[2169] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک لونڈی خرید کر اسے آزاد کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس کے مالکوں نے کہا: ہم

تَشْتَرِي جَارِيَةً تُعْتِقُهَا، فَقَالَ أَهْلُهَا: نَبِيعُكِهَا عَلَى أَنَّ وَلَاءَهَا لَنَا، فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: «لَا يَمْنَعُكِ ذَلِكِ، فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ». [راجع: ٤٥٦]

اس شرط پر یہ لونڈی آپ کو فروخت کرتے ہیں کہ اس کی ولا ہمارے لیے ہو۔ حضرت عائشہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ”یہ شرط تمھیں خریدنے سے منع نہ کرے کیونکہ ولا کا حق دار وہ ہوتا ہے جو اسے آزاد کرے۔“

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر خرید و فروخت کرتے وقت کوئی ناجائز شرط لگا دی جائے تو شرط باطل لیکن بیع صحیح ہے۔ اس حدیث میں ایک اشکال ہے کہ حضرت عائشہ ؓ کا حضرت بریرہ ؓ کو خریدنا، اس کے مالکوں کے لیے ولا کی شرط کرنا، اس شرط کے باعث بیع کا فاسد ہونا، فروخت کرنے والوں کو اندھیرے میں رکھنا، ان کے لیے شرط کرنا جو ان کے لیے صحیح نہ ہو اور نہ انھیں کچھ حاصل ہی ہو، ایسے حالات میں رسول اللہ ﷺ کا اسے خریدنے کی اجازت دینا یہ تمام معاملات اشکالات کا باعث ہیں۔ بعض علماء نے تو ان اشکالات کی وجہ سے اس حدیث کا انکار کر دیا ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔ بعض حضرات نے اس شرط کرنے کی یہ تاویل کی ہے کہ ان پر شرط لگا دی جائے کہ ولاء تمھاری نہیں ہوگی۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ انھیں ولاء کا حکم بتا دیا جائے کہ ولاء اس کی ہے جو آزاد کرنے والا ہے۔ بعض حضرات اس شرط کو زجر و توبیخ پر محمول کرتے ہیں کیونکہ جب بریرہ ؓ کے مالکان نے ولاء کی شرط پر اصرار کیا اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کی تو آپ نے حضرت عائشہ ؓ سے فرمایا: ”اس شرط کی پروا نہ کرو کیونکہ یہ شرط باطل اور مردود ہے۔“ ہمارا رجحان اس آخری تاویل کی طرف ہے۔ واللہ أعلم۔

(٧٤) بَابُ بَيْعِ التَّمْرِ بِالتَّمْرِ

باب: 74- کھجور کو کھجور کے عوض فروخت کرنا

٢١٧٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسٍ: سَمِعَ [عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ] عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ». [راجع: ٢١٣٤]

[2170] حضرت عمر ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”گندم کے بدلے گندم فروخت کرنا سود ہے مگر یہ کہ ہاتھوں ہاتھ ہو۔ جو کے عوض جو بیچنا سود ہے مگر یہ کہ ہاتھوں ہاتھ ہو اور کھجور کے عوض کھجور فروخت کرنا سود ہے مگر یہ کہ ہاتھوں ہاتھ ہو۔“

فوائد و مسائل: ① اس روایت میں اختصار ہے۔ تفصیلی روایت حسب ذیل ہے: ”سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گندم گندم کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے یہ تمام اشیاء برابر برابر اور نقد بنقد فروخت کی جائیں۔ جو زیادہ لے یا زیادہ دے تو اس نے سودی کاروبار کیا۔ سود لینے والا اور دینے والا دونوں گناہ میں برابر

ہے۔"[1] ④ جمہور فقہاء کے نزدیک سود کی دو قسمیں ہیں: ○ ربا الفضل: ایک جنس کی دو اشیاء کو کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا۔ ○ ربا النسیئہ: ان میں کمی بیشی تو نہ ہو لیکن ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار کا معاملہ ہو۔ حدیث بالا میں غذائی اجناس کے باہمی تبادلے کا بیان ہے کہ ہم جنس اشیاء کا تبادلہ اس صورت میں جائز ہے کہ جب برابر برابر اور نقد بنقد ہوں۔ اگر ایک جنس کا دوسری جنس سے تبادلہ کرنا ہو تو پھر کمی بیشی کی اجازت ہے بشرطیکہ سودا نقد بنقد ہو۔[2] احادیث میں صرف چھ اشیاء کے تبادلے کا ذکر ہے: سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک۔ ظاہری حضرات ان چھ اشیاء کے لیے اس حکم کو محدود کرتے ہیں لیکن باقی تمام مکاتب فکر دوسری اشیاء کو بھی ان پر قیاس کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہی نقطۂ نظر صحیح ہے کیونکہ پاکستان اور اس کے گرد ممالک میں جس طرح گندم بنیادی غذائی جنس ہے، اسی طرح مشرق بعید (ملائشیا، انڈونیشیا، جاپان، کوریا وغیرہ) میں چاول خوراک کا بنیادی حصہ ہے۔ عرب اور ارد گرد کے ممالک میں جو حیثیت کھجور کی ہے پاکستان کے شمالی حصوں بلتستان وغیرہ میں وہی حیثیت خوبانی کی اور کشمیر و روم کے علاقوں میں کشمش کی ہے، اس لیے ان اشیاء کو گندم، جو اور کھجور پر قیاس کرنا چاہیے۔ بہرحال ہم جنس غذائی اشیاء کا تبادلہ کرنے میں دو شرطیں ہیں: برابر برابر ہوں اور نقد بنقد ہوں۔ اور اگر مختلف اجناس کا تبادلہ کرنا ہو تو ایک شرط ہے کہ سودا نقد بنقد ہو، ان میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے۔

(٧٥) بَابُ بَيْعِ الزَّبِيبِ بِالزَّبِيبِ، وَالطَّعَامِ بِالطَّعَامِ

٢١٧١ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ. وَالْمُزَابَنَةُ: بَيْعُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ كَيْلًا، وَبَيْعُ الزَّبِيبِ بِالْكَرْمِ كَيْلًا. [انظر: ٢١٧٢، ٢١٨٥، ٢٢٠٥]

باب: 75- کشمش کی کشمش کے عوض اور غلے کی غلے کے عوض خرید و فروخت کرنا

[2171] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے "مزابنہ" سے منع فرمایا ہے۔ مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر لگی ہوئی تازہ کھجور کو خشک کھجور کے عوض ماپ کر فروخت کیا جائے۔ اسی طرح (بیل پر لگے) انگوروں کو کشمش کے عوض ماپ کر فروخت کیا جائے۔

فوائد و مسائل: ① بعض روایات میں کھیتی کی غلے سے خرید و فروخت کا ذکر ہے کہ ایسا کرنا منع ہے۔[3] اس حدیث میں ثمر سے مراد خشک کھجور ہے، دیگر پھل مراد نہیں کیونکہ دوسرے پھلوں کی کھجور سے خرید و فروخت جائز ہے۔ حدیث میں ماپ کر بیچنے کا ذکر نفس الامر کے اعتبار سے ہے کیونکہ اس وقت لوگ ماپ کر خرید و فروخت کرتے تھے لیکن ایسا تبادلہ مطلق طور پر ناجائز ہے، خواہ ماپ کر ہو یا ماپ کے بغیر کیا جائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: کیا تازہ کھجوریں خشک کھجوروں کے عوض فروخت کی جا سکتی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: "وہ خشک ہو کر وزن میں کم ہو جاتی ہیں؟" لوگوں نے کہا: ہاں، تو آپ نے

---

[1] صحيح مسلم، المساقاة، حديث: 4061 (1587). [2] صحيح مسلم، المساقاة، حديث: 4063 (1587). [3] مسند أحمد: 5/2.

اس سے منع فرمایا۔[1] ② حدیث میں اگرچہ طعام کا ذکر نہیں ہے، تاہم معنی کے اعتبار سے اس عنوان کو ثابت کیا گیا ہے۔ بعض روایات میں طعام کا ذکر بھی ہے، شاید امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی طرف اشارہ کیا ہو۔[2] بہرحال وہ کھجور جو درختوں سے نہ اتاری گئی ہو اور اسی طرح وہ انگور جو بیلوں پر ہوں ان کا اندازہ کر کے خشک کھجوروں یا منقی کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ اس سے ایک فریق کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، البتہ عرایا میں ایسا کیا جا سکتا ہے جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

٢١٧٢ – حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ. قَالَ: وَالْمُزَابَنَةُ: أَنْ يَبِيعَ الثَّمَرَ بِكَيْلٍ إِنْ زَادَ فَلِي وَإِنْ نَقَصَ فَعَلَيَّ. [راجع: ٢١٧١]

[2172] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مزابنہ سے منع فرمایا۔ اور مزابنہ یہ ہے کہ (تازہ) پھل (خشک پھل کے عوض) اس طرح ناپ کر فروخت کرے کہ اگر زیادہ ہوا تو میرا اور اگر کم ہوا تو میں خود اس کا ذمہ دار ہوں گا۔

فائدہ: بیع مزابنہ یہ ہے کہ اندازے سے تازہ کھجوروں کو خشک کے عوض خرید کیا جائے اور خریدتے وقت یہ کہا جائے کہ اندازہ کردہ کھجور جو ماپ کے مساوی خیال کی گئی ہیں اگر زیادہ ہوئیں تو میری اور اگر کم ہوئیں تو اس کا نقصان میں خود برداشت کروں گا۔ اس قسم کی خرید و فروخت سے ایک فریق کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا۔

٢١٧٣ – قَالَ: وَحَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَخَّصَ فِي الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا. [انظر: ٢١٨٨، ٢١٩٢، ٢٣٨٠]

[2173] حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عرایا میں اندازے سے کھجور لینے دینے کی اجازت دی ہے۔

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث دراصل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کا حصہ ہے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی۔ اس میں ایک استثنائی صورت کا بیان ہے کہ تازہ پھل کے عوض خشک پھل لینا عرایا میں جائز ہے۔ اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ ہم صرف دو قول بیان کرتے ہیں: ٭ فقراء کے پاس خشک کھجوریں ہوتی ہیں۔ جب تازہ کھجوروں کا موسم آتا ہے تو وہ بھی تازہ کھجوریں کھانا چاہتے ہیں، اس لیے انھیں اجازت دی گئی کہ وہ درخت پر موجود تازہ کھجوریں خشک کھجوروں کے عوض اندازے سے خرید لیں۔ ٭ کوئی شخص کسی غریب کو کھجور کا درخت دے دے کہ تم اس کا پھل استعمال کر سکتے ہو، پھر جب وہ اس درخت سے تازہ کھجوریں کھانے باغ میں آئے تو اس کے آنے سے مالک کو تکلیف ہو تو اس کے لیے اجازت ہے کہ وہ اسے خشک کھجوریں دے دے اور تازہ کھجوروں کا درخت خود رکھ لے۔ ② اہل عرایا کے لیے پانچ وسق، یعنی تقریباً 20 من تک کی مقدار لینے دینے کی اجازت ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پانچ وسق یا اس سے کم مقدار میں بیع عریہ کی اجازت دی ہے۔[3] اس کی مزید تفصیل آئندہ بیان ہو گی۔

---

1 سنن أبي داود، البيوع، حديث: 3358. 2 فتح الباري: 478/4. 3 صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2190.

(٧٦) بَابُ بَيْعِ الشَّعِيرِ بِالشَّعِيرِ

٢١٧٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسٍ: أَخْبَرَهُ أَنَّهُ الْتَمَسَ صَرْفًا بِمِائَةِ دِينَارٍ، فَدَعَانِي طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ فَتَرَاوَضْنَا حَتَّى اصْطَرَفَ مِنِّي فَأَخَذَ الذَّهَبَ يُقَلِّبُهَا فِي يَدِهِ ثُمَّ قَالَ: حَتَّى يَأْتِيَ خَازِنِي مِنَ الْغَابَةِ، وَعُمَرُ يَسْمَعُ ذٰلِكَ، فَقَالَ: وَاللهِ لَا تُفَارِقُهُ حَتَّى تَأْخُذَ مِنْهُ، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالشَّعِيرُ [بِالشَّعِيرِ] رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ». [راجع: ٢١٣٤]

باب:76- جو کے عوض جو فروخت کرنا

[2174] حضرت مالک بن اوس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ مجھے سو دینار کے عوض ریزگاری کی ضرورت پیش آئی تو مجھے حضرت طلحہ بن عبیداللہ ؓ نے بلایا۔ ہم آپس میں نرخ کے متعلق گفتگو کرنے لگے۔ بالآخر انھوں نے مجھ سے بیع صرف، یعنی دراہم دینے کا معاملہ طے کرلیا۔ انھوں نے سونا یعنی دینار لیے اور ہاتھوں میں لے کر انھیں الٹ پلٹ کر کے دیکھنا شروع کر دیا، پھر کہا: اس قدر انتظار کرو کہ میرا خزانچی مقام غابہ سے آ جائے۔ حضرت عمر ؓ بھی یہ گفتگو سن رہے تھے۔ انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! جب تک دراہم وصول نہ کرلو اس سے جدا نہ ہونا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”سونا سونے کے عوض فروخت کرنا سود ہے جب تک دست بدست نہ ہو، اور گندم کو گندم کے عوض فروخت کرنا سود ہے مگر نقد بنقد سودا کرنا جائز ہے۔ اسی طرح جو کی بیع جو کے ساتھ سود ہوگی جب تک دست بدست نہ ہو۔ اور کھجور کی بیع بھی کھجور کے ساتھ سود ہے جب تک دست بدست نہ ہو۔“

فوائد و مسائل: ① حضرت عمر ؓ کا استدلال اس صورت میں پورا ہوسکتا ہے جب حدیث کے الفاظ اس طرح ہوں: ”سونا چاندی کے عوض فروخت کرنا سود ہے مگر جبکہ نقد بنقد ہو۔“ چنانچہ ایک دوسری روایت میں یہی الفاظ مروی ہیں جسے امام بخاری ؒ نے بھی بیان کیا ہے۔[1] ② سونے کو چاندی کے عوض یا اس کے برعکس تبدیل کرنا بیع صرف کہلاتا ہے۔ اس میں فوری طور پر قبضہ شرط ہے۔ ادھار کرنا سود ہے، اس لیے حضرت عمر ؓ نے حضرت مالک بن اوس ؓ کو فوری قبضہ کرنے کا حکم دیا۔ ③ حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گندم اور جو الگ الگ جنس ہیں جبکہ امام مالک اور اوزاعی نے انھیں ایک ہی جنس قرار دیا ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے: گندم کو جو کے بدلے جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ سودا نقد بنقد ہو۔[2] یہ حدیث صحیح اور صریح ہے کہ یہ دونوں الگ الگ اجناس ہیں۔[3]

---

1 صحیح البخاري، البیوع، حدیث: 2134. 2 السنن الکبری للبیهقي: 5/277. 3 فتح الباري: 4/478.

(٧٧) بَابُ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالذَّهَبِ

باب:77- سونے کے عوض سونا فروخت کرنا

٢١٧٥ – حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ: أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ: قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ: [قَالَ] أَبُو بَكْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ، وَالْفِضَّةَ بِالْفِضَّةِ إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ، وَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ وَالْفِضَّةَ بِالذَّهَبِ كَيْفَ شِئْتُمْ». [انظر: ٢١٨٢]

[2175] حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سونے کو سونے کے عوض فروخت نہ کرو مگر برابر برابر۔ چاندی کو چاندی کے عوض فروخت نہ کرو مگر برابر برابر اور سونے کو چاندی کے عوض اسی طرح چاندی کو سونے کے عوض جیسے چاہو فروخت کرو۔"

فائدہ: سونے کو سونے کے عوض اور چاندی کو چاندی کے عوض برابر برابر فروخت کیا جائے اور اگر اجناس مختلف ہوں، مثلاً: ایک طرف سے سونا ہو اور دوسری طرف سے چاندی تو اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے، البتہ ادھار ناجائز ہے بلکہ دونوں طرف سے نقد ہونا ضروری ہے۔ ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار جائز نہیں۔ اسی طرح دونوں طرف سے ادھار بھی ممنوع ہے۔ بہرحال اگر اجناس مختلف ہوں تو کمی بیشی کی جا سکتی ہے مگر مجلس بیع میں قبضے میں لینا شرط ہے۔ ادھار کرنا حرام ہے۔ اسے شریعت نے سود قرار دیا ہے۔

(٧٨) بَابُ بَيْعِ الْفِضَّةِ بِالْفِضَّةِ

باب:78- چاندی کو چاندی کے عوض فروخت کرنا

٢١٧٦ – حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعْدٍ: حَدَّثَنَا عَمِّي: حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ عَنْ عَمِّهِ قَالَ: حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ حَدَّثَهُ مِثْلَ ذٰلِكَ حَدِيثًا عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَلَقِيَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ، فَقَالَ: يَا أَبَا سَعِيدٍ! مَا هٰذَا الَّذِي تُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ فِي الصَّرْفِ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ مِثْلًا

[2176] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کی ایک حدیث بیان کی (جس کا مضمون حضرت عمر اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ملتا جلتا تھا) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان سے ملے اور فرمایا: اے ابوسعید! آپ رسول اللہ ﷺ سے یہ کیا بیان کرتے ہیں؟ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے بیع صرف کے متعلق رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "سونا سونے کے عوض اور چاندی، چاندی کے عوض برابر برابر فروخت کرو۔"

بِمِثْلٍ، وَالْوَرِقُ بِالْوَرِقِ مِثْلٌ بِمِثْلٍ». [انظر: ٢١٧٧، ٢١٧٨]

٢١٧٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيعُوا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ». [راجع: ٢١٧٦]

[2177] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سونے کو سونے کے عوض مت فروخت کرو مگر برابر برابر، یعنی ایک دوسرے سے کم، زیادہ کر کے فروخت نہ کرو۔ اور چاندی کے عوض چاندی کو فروخت نہ کرو مگر برابر برابر، یعنی ایک دوسرے میں کمی بیشی کر کے فروخت نہ کرو۔ اسی طرح غائب چیز کو حاضر کے عوض نہ فروخت کرو، یعنی ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار نہ ہو۔''

فوائد و مسائل: ① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مثل ذلك سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی طرح حدیث بیان کی جیسا کہ اسماعیلی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ اس میں صراحت ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وہی مضمون تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے، نیز یہ واقعہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ پیش آیا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ بھی ہے جو آئندہ (حدیث: 2179,2178) میں بیان ہوگا۔ ② واضح رہے کہ ایک شخص نے کسی سے درہم لینے ہیں اور کسی اور نے اس سے دینار لینے ہیں تو یہ دونوں آپس میں درہم و دینار کی خرید و فروخت نہیں کر سکتے کیونکہ جب ایک طرف سے ادھار اور دوسری طرف سے نقد کی خرید و فروخت جائز نہیں تو دونوں طرف سے ادھار کی بیع کیسے درست ہو سکتی ہے۔[1]

(٧٩) بَابُ بَيْعِ الدِّينَارِ بِالدِّينَارِ نَسَاءً

باب: 79- دینار کو دینار کے عوض ادھار فروخت کرنا

٢١٧٨، ٢١٧٩ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ: أَنَّ أَبَا صَالِحٍ الزَّيَّاتَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: اَلدِّينَارُ بِالدِّينَارِ، وَالدِّرْهَمُ بِالدِّرْهَمِ، فَقُلْتُ لَهُ: إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ

[2179,2178] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ دینار کو دینار کے عوض اور درہم کو درہم کے عوض (برابر، برابر) فروخت کرنا جائز ہے۔ راوی حدیث نے ان سے عرض کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو اس کے قائل نہیں ہیں، چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ آپ نے اس سلسلے میں

[1] فتح الباري: 481/4.

لَا يَقُولُهُ، فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: سَأَلْتُهُ، فَقُلْتُ: سَمِعْتَهُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ أَوْ وَجَدْتَهُ فِي كِتَابِ اللهِ تَعَالٰى؟ فَقَالَ: كُلَّ ذٰلِكَ لَا أَقُولُ وَأَنْتُمْ أَعْلَمُ بِرَسُولِ اللهِ [ﷺ] مِنِّي، وَلٰكِنِّي أَخْبَرَنِي أُسَامَةُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَا رِبًا إِلَّا فِي النَّسِيئَةِ».

[راجع: ٢١٧٦]

نبی ﷺ سے سنا ہے یا کتاب اللہ میں دیکھا ہے؟ حضرت ابن عباس ؓ نے کہا کہ میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں کہتا کیونکہ آپ رسول اللہ ﷺ کے فرمودات کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں، البتہ مجھے حضرت اسامہ ؓ نے خبر دی تھی کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''سود صرف ادھار میں ہوتا ہے۔''

فائدہ: جب ایک جنس کا باہمی تبادلہ ہو تو برابر، برابر اور نقد بنقد ہونا چاہیے، لیکن حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کا موقف تھا کہ دست بدست ایک دینار کو دو دینار کے عوض فروخت کیا جا سکتا ہے۔ ان کے نزدیک سود صرف اس صورت میں تھا جب ایک طرف سے ادھار ہو۔ جب حضرت ابوسعید خدری ؓ کی ان سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے فرمایا: ابن عباس! تمھیں اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ کب تک لوگوں کو سود کھلاتے رہو گے؟ پھر انھوں نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کھجور کے بدلے کھجور، گندم کے بدلے گندم، جو کے بدلے جو، سونے کے بدلے سونا اور چاندی کے بدلے چاندی فروخت کرنا جائز ہے جب برابر برابر اور دست بدست ہو، جس نے زیادہ وصول کیا اس نے سود لیا۔'' اس حدیث نبوی کو سن کر حضرت ابن عباس ؓ نے کہا: ابوسعید! اللہ تعالیٰ آپ کو جنت عطا فرمائے! آپ نے مجھے ایسا کام یاد دلا دیا ہے جسے میں فراموش کر چکا تھا۔ میں اللہ سے معافی مانگتا ہوں اور اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس ؓ بہت سختی سے منع کرتے تھے۔[1] چونکہ حضرت ابن عباس ؓ کا موقف دیگر صحیح احادیث کے خلاف تھا، اس لیے انھوں نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا، البتہ حضرت ابن عباس ؓ سے مروی حدیث بھی صحیح ہے۔ اس کی حسب ذیل تاویلات کی گئی ہیں: ○ اس سود سے زیادہ سنگین کوئی نہیں جو ادھار میں ہے۔ ○ اس سے مختلف اجناس کا باہمی تبادلہ مراد ہے کہ وہاں سود صرف ادھار میں ہوتا ہے، اس میں کمی بیشی جائز ہوتی ہے۔ واللہ أعلم.

(٨٠) بَابُ بَيْعِ الْوَرِقِ بِالذَّهَبِ نَسِيئَةً

باب: 80- چاندی کو سونے کے عوض ادھار فروخت کرنا

٢١٨٠، ٢١٨١ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي حَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْمِنْهَالِ قَالَ: سَأَلْتُ الْبَرَاءَ ابْنَ عَازِبٍ وَزَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ عَنِ

[2181,2180] حضرت ابومنہال سے روایت ہے، انھوں نے حضرت براء بن عازب اور حضرت زید بن ارقم ؓ سے بیع صرف کے متعلق دریافت کیا تو ان دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کے متعلق کہا کہ یہ مجھ سے بہتر ہے۔

1 المستدرك للحاكم: 43/2.

الصَّرْفِ فَكُلُّ وَّاحِدٍ مِّنْهُمَا يَقُولُ: هٰذَا خَيْرٌ مِّنِّي، فَكِلَاهُمَا يَقُولُ: نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالْوَرِقِ دَيْنًا. [راجع: ٢٠٦٠، ٢٠٦١]

پھر دونوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے سونے کو چاندی کے عوض ادھار فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

فوائد ومسائل: ① عام طور پر خرید وفروخت کرنسی کے ذریعے سے ہوتی ہے لیکن فقہاء کی اصطلاح میں خرید وفروخت کی اقسام درج ذیل ہیں: ○ مقایضہ: غلہ، کپاس وغیرہ دے کر ضرورت کی دیگر اشیاء خریدنا۔ ابتدائی دور کے بعض دیہات میں آج کل بھی گندم وغیرہ دے کر دکان سے اشیاء خریدی جاتی ہیں۔ ○ مراطلہ: ایک کرنسی کی اسی کرنسی کے بدلے خرید وفروخت کرنے کو مراطلہ کہا جاتا ہے۔ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ تبادلے میں دونوں کی مقدار ایک جتنی ہو اور سودا بھی دست بدست ہو۔ ○ صرف سونے کو چاندی یا ایک کرنسی کو دوسری کرنسی کے بدلے خرید وفروخت کرنے کو صرف کہتے ہیں۔ اس میں باہمی کمی بیشی تو جائز ہے مگر ادھار کی اجازت نہیں۔ ایک سو گرام سونے کے عوض کئی سو گرام چاندی یا ایک ریال کے بدلے کئی روپے خریدے جاسکتے ہیں لیکن ایک ملکی کرنسی کے نئے نوٹوں کو پرانے نوٹوں کے عوض کمی بیشی سے خریدنا جائز نہیں۔ ○ نقدی دے کر اشیائے ضرورت خریدنا، اس کی نقد خرید وفروخت تو ہر وقت جاری رہتی ہے۔ اس میں ادھار بھی جائز ہے۔ اگر قیمت پہلے ادا کر دی جائے اور چیز بعد میں لینا طے پائے تو اسے سلم کہتے ہیں اور ایسا کرنا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ اسی طرح چیز لے کر قیمت بعد میں ادا کرنا بھی جائز ہے لیکن قیمت اور جنس دونوں کو ادھار رکھنا جائز نہیں۔ اسے بیع سلم بھی نہیں کہا جاسکتا۔ بہرحال ان تمام اقسام کا حکم یہ ہے کہ دست بدست تو سب جائز ہیں، البتہ ادھار لین دین میں کچھ تفصیل ہے۔ نقدی کا نقدی کے عوض ادھار جائز نہیں، البتہ سامان کا نقدی کے عوض ادھار جائز ہے۔ اگر نقدی وصول کر کے سامان بعد میں حوالے کرنا ہے تو بھی جائز ہے۔ اگر دونوں طرف سے ادھار ہے تو یہ کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ ② امام بخاری ؒ نے چاندی کو سونے کے عوض ادھار خرید وفروخت کرنے کے متعلق عنوان قائم کیا تھا۔ حدیث سے ثابت ہوا کہ ایسا کرنا جائز نہیں۔ اس میں کمی بیشی تو ہوسکتی ہے لیکن خرید وفروخت کا ہاتھوں ہاتھ ہونا ضروری ہے۔

(٨١) بَابُ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالْوَرِقِ يَدًا بِيَدٍ

باب: 81- سونے کو چاندی کے عوض دست بدست فروخت کرنا

٢١٨٢ - حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ: حَدَّثَنَا عَبَّادُ ابْنُ الْعَوَّامِ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْفِضَّةِ بِالْفِضَّةِ، وَالذَّهَبِ بِالذَّهَبِ إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ،

[2182] حضرت ابوبکرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے چاندی کو چاندی کے عوض اور سونے کو سونے کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا مگر برابر، برابر بیچنا جائز ہے۔ اور آپ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سونے کو چاندی کے بدلے جس طرح چاہیں خریدیں، اسی طرح چاندی کو سونے

وَأَمَرَنَا أَنْ نَّبْتَاعَ الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ كَيْفَ شِئْنَا، وَالْفِضَّةَ [بِالذَّهَبِ] كَيْفَ شِئْنَا. [راجع: ٢١٧٥]

کے عوض جس طرح چاہیں خریدیں۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ بعض اوقات عنوان قائم کر کے اس کے تحت آنے والی حدیث کی وضاحت کرتے ہیں۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ ہم سونے کو چاندی کے عوض اور چاندی کو سونے کے عوض جس طرح چاہیں خریدیں۔ اس حدیث میں نقد بنقد سودا کرنے کی قید نہیں ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان قائم کر کے اس حدیث کے بعض طرق کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں دست بدست خرید وفروخت کرنے کے الفاظ ہیں، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ اختلاف اجناس کی صورت میں تم جس طرح چاہو خرید وفروخت کرو بشرطیکہ نقد بنقد ہو۔[1] ③ مذکورہ حدیث میں بیع صرف کا بیان ہے، یعنی جب ایک ملک کی کرنسی کو دوسرے ملک کی کرنسی سے خریدنا چاہیں تو کمی بیشی تو ہو سکتی ہے لیکن ادھار کی اجازت نہیں ہے۔ اگر آپ دینار کے عوض پاکستانی روپے خریدنا چاہتے ہیں تو جس وقت دینار دیں اسی وقت روپے حاصل کر لیں۔ اگر ایک طرف سے بھی تاخیر ہوئی تو اسلام اسے سود قرار دیتا ہے۔ یہ آج کل کا عام مشاہدہ ہے کہ کرنسیوں کا شرح تبادلہ اور سونے چاندی کا ریٹ لمحہ بہ لمحہ بدلتا رہتا ہے، فوری تبادلہ نہ ہو اور ایک چیز دے کر اس کے بدلے دوسری چیز حاصل کرنے میں تاخیر ہو گئی تو ریٹ بدل چکا ہو گا۔ سونے چاندی کے علاوہ بنیادی غذائی اجناس کے ایک دوسرے کے ساتھ تبادلے میں بھی یہی حکم ہو گا کہ کمی بیشی تو جائز ہے لیکن لین دین دست بدست ہو ادھار نہ ہو۔

(٨٢) بَابُ بَيْعِ الْمُزَابَنَةِ، وَهِيَ بَيْعُ التَّمْرِ بِالثَّمَرِ وَبَيْعُ الزَّبِيبِ بِالْكَرْمِ، وَبَيْعُ الْعَرَايَا

باب: 82- مزابنہ اور عرایا کی بیع کا بیان، مزابنہ یہ ہے کہ خشک کھجور کو تازہ کھجور اور کشمش کو انگوروں کے عوض فروخت کیا جائے

قَالَ أَنَسٌ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے مزابنہ اور محاقلہ کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

وضاحت: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے خود ہی متصل سند سے (حدیث: 2207) بیان کی ہے۔

٢١٨٣ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا تَبِيعُوا

[2183] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس وقت تک پھلوں کو فروخت نہ کیا کرو جب تک ان میں پکنے کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے، نیز فرمایا: (درخت کی) تازہ کھجور کو خشک کھجور کے

1 صحيح مسلم، المساقاة، حديث: 4063 (1587).

التَّمَرَ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ، وَلَا تَبِيعُوا الثَّمَرَ بِالتَّمْرِ». [راجع: ١٤٨٦]

عوض مت فروخت کرو۔"

٢١٨٤ - قَالَ سَالِمٌ: وَأَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ رَخَّصَ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا بِالرُّطَبِ أَوْ بِالتَّمْرِ، وَلَمْ يُرَخِّصْ فِي غَيْرِهِ. [راجع: ٢١٧٣]

[2184] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ مجھے حضرت زید بن ثابت ؓ نے بتایا کہ اس کے بعد رسول اللہ نے درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو تازہ یا خشک کھجور کے عوض فروخت کرنے کی اجازت بیع عرایا کی صورت میں دی ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور صورت میں اجازت نہیں دی۔

٢١٨٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ. وَالْمُزَابَنَةُ: بَيْعُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ كَيْلًا، وَبَيْعُ الْكَرْمِ بِالزَّبِيبِ كَيْلًا. [راجع: ٢١٧١]

[2185] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع مزابنہ سے منع فرمایا ہے۔ اور مزابنہ تازہ کھجور کو خشک کے عوض ماپ کر خریدنا ہے اور انگور کو کشمش کے بدلے بھرتی کر کے فروخت کرنا ہے۔

٢١٨٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ مَوْلَى ابْنِ أَبِي أَحْمَدَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ. وَالْمُزَابَنَةُ: اشْتِرَاءُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ عَلَى رُؤُوسِ النَّخْلِ.

[2186] حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا ہے۔ مزابنہ، خوشوں میں لگی ہوئی تازہ کھجور کو خشک کھجور کے عوض خریدنا ہے۔

٢١٨٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ.

[2187] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے محاقلہ اور مزابنہ (دونوں) سے منع فرمایا ہے۔

٢١٨٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا

[2188] حضرت زید بن ثابت ؓ سے روایت ہے کہ

مَالِكٌ عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَرْخَصَ لِصَاحِبِ الْعَرِيَّةِ أَنْ يَّبِيعَهَا بِخَرْصِهَا.

[راجع: ٢١٧٣]

رسول اللہ ﷺ نے عریہ کے مالک کو اجازت دی کہ وہ کھجور کو اندازے سے فروخت کر سکتا ہے۔

فوائد ومسائل: ① مزابنہ، زبن سے مشتق ہے جس کے معنی دفع کرنے کے ہیں۔ چونکہ مزابنہ، جو تازہ کھجور کو خشک کھجور کے عوض فروخت کرنے سے عبارت ہے، اس کے عوضین میں فرق زیادہ ہوتا ہے، اس لیے اس میں لڑائی جھگڑے کا زیادہ احتمال ہے۔ فریقین میں سے کوئی اپنے حق میں نقصان محسوس کرے گا تو اس بیع کو دفع کرنے کی کوشش کرے گا۔ حدیث میں اس کی دو صورتیں بیان ہوئی ہیں: ○ تازہ کھجور خشک کھجور کے عوض فروخت کرنا۔ ○ انگور ومنقی کے عوض فروخت کرنا۔ اگرچہ عوضین ماپ اور وزن میں برابر ہی کیوں نہ ہوں، تاہم تازہ پھل خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتا ہے، اس لیے منع کیا گیا ہے، البتہ محدود پیمانے پر عرایا کی اجازت ہے۔ اس کا تعلق عرب کے عطایا خاصہ سے ہے۔ عرب لوگ غرباء اور مساکین کو کھجور کے درخت عنایت کر دیتے کہ تم ان کا پھل استعمال کر سکتے ہو لیکن جب ان کا آنا جانا ہوتا تو باغ والا تنگی محسوس کرتا، اس لیے انھیں اجازت دی گئی کہ وہ درختوں پر کھجور کا اندازہ کر کے اتنی مقدار میں خشک کھجوریں دے دیں اور درخت اپنے پاس رہنے دیں۔ یہ بیع اصلاً ناجائز ہے کیونکہ ہو سکتا ہے ایک طرف کی کھجوریں زیادہ ہوں لیکن شارع علیہ السلام نے اس کی اجازت دی ہے کیونکہ یہ فقراء کی بیع ہے۔ حدیث میں پانچ وسق یا اس سے کم مقدار میں اس طرح خرید وفروخت کرنے کی اجازت ہے۔ ② ان احادیث میں لفظ محاقلہ بھی استعمال ہوا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں: خوشے میں گندم کی بیع صاف گندم کے عوض کرنا۔ اس سے بھی رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

(٨٣) بَابُ بَيْعِ الثَّمَرِ عَلَى رُؤُوسِ النَّخْلِ بِالذَّهَبِ أَوِ الْفِضَّةِ

باب: 83- درخت پر لگی کھجور، سونے یا چاندی کے عوض فروخت کرنا

٢١٨٩ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ وَأَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتَّى يَطِيبَ، وَلَا يُبَاعُ شَيْءٌ مِّنْهُ إِلَّا بِالدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ إِلَّا الْعَرَايَا.

[راجع: ١٤٨٧]

[2189] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے پھل کی فروخت سے منع فرمایا ہے تاوقتیکہ وہ پک جائے۔ اور ان کی کوئی قسم درہم ودینار کے علاوہ کسی اور چیز کے عوض فروخت نہ کی جائے سوائے عرایا کے (کہ ان کو پھلوں کے عوض بھی فروخت کیا جا سکتا ہے۔)

٢١٩٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ:

[2190] عبیداللہ بن ربیع نے امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا:

سَمِعْتُ مَالِكًا، وَسَأَلَهُ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ الرَّبِيعِ: أَحَدَّثَكَ دَاوُدُ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا فِي خَمْسَةِ أَوْسُقٍ أَوْ دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ؟ قَالَ: نَعَمْ. [انظر: ٢٣٨٢]

کیا آپ سے داود نے سفیان سے، انھوں نے حضرت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے بیع عرایا کی اجازت دی ہے بشرطیکہ وہ پانچ وسق یا پانچ وسق سے کم ہوں؟ انھوں (امام مالک رحمہ اللہ) نے کہا: ہاں۔

فوائد ومسائل: ① کھجور جب درخت پر ہو تو اسے خشک کھجور کے عوض خریدنا منع ہے، البتہ اسے درہم ودینار اور دیگر سامان کے عوض خریدنا جائز ہے۔ حدیث میں اگرچہ سونے چاندی کا ذکر ہے لیکن وہ امر واقعہ کے اعتبار سے ہے کیونکہ اس وقت لوگ درہم ودینار کے ذریعے سے معاملات کرتے تھے۔ ممانعت صرف تازہ پھل کی خشک پھل کے عوض ہے، البتہ عرایا کو ایک محدود مقدار میں پھلوں کے عوض خریدا جا سکتا ہے۔ دوسری حدیث میں پانچ وسق یا اس سے کم کی مقدار بیان ہوئی ہے، اس لیے اگر درخت پر لگی کھجوروں کا اندازہ پانچ وسق یا اس سے کم کا ہو تو بیع عرایا جائز ہے اس سے زیادہ کی جائز نہیں، تاہم احتیاط کا تقاضا ہے کہ اس کا جواز پانچ سے کم میں محدود کر دیا جائے۔[1] ② بعض فقہاء کے نزدیک بیع عرایا منسوخ ہے۔ ان احادیث کے پیش نظر ان کا موقف محل نظر ہے، نیز نسخ کے لیے تقدیم وتاخیر کو ثابت کرنا ضروری ہے جبکہ اس سے قبل حدیث میں ممانعت کے بعد رخصت کا واضح ذکر ہے۔[2]

٢١٩١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: سَمِعْتُ بُشَيْرًا قَالَ: سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ أَبِي حَثْمَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ، وَرَخَّصَ فِي الْعَرِيَّةِ أَنْ تُبَاعَ بِخَرْصِهَا، يَأْكُلُهَا أَهْلُهَا رُطَبًا.

[2191] حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خشک کھجور کے عوض درخت پر لگی ہوئی تازہ کھجور کی بیع سے منع فرمایا، البتہ بیع عریہ کی آپ نے رخصت دی کہ اسے اندازہ کر کے فروخت کیا جا سکتا ہے تاکہ عریہ والے تازہ کھجور کھائیں۔

وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً أُخْرَى: إِلَّا أَنَّهُ رَخَّصَ فِي الْعَرِيَّةِ يَبِيعُهَا أَهْلُهَا بِخَرْصِهَا، يَأْكُلُونَهَا رُطَبًا. قَالَ: هُوَ سَوَاءٌ.

(راوی حدیث) حضرت سفیان نے کبھی اس حدیث کو بایں الفاظ بیان کیا کہ آپ ﷺ نے عریہ کی اجازت دی کہ اندازہ کر کے اسے فروخت کیا جا سکتا ہے تاکہ اس کے مالک خود انھیں رطب کی شکل میں کھاتے رہیں۔ ان دونوں روایات کا مفہوم ایک ہی ہے۔

---

1 صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2183، 2184.

قَالَ سُفْيَانُ: فَقُلْتُ لِيَحْيَى وَأَنَا غُلَامٌ: إِنَّ أَهْلَ مَكَّةَ يَقُولُونَ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَخَّصَ لَهُمْ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا، فَقَالَ: وَمَا يُدْرِي أَهْلَ مَكَّةَ؟ قُلْتُ: إِنَّهُمْ يَرْوُونَهُ عَنْ جَابِرٍ، فَسَكَتَ قَالَ سُفْيَانُ: إِنَّمَا أَرَدْتُ أَنَّ جَابِرًا مِّنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ.

سفیان نے کہا میں نے (اپنے شیخ) یحییٰ بن سعید سے عرض کیا، حالانکہ میں اس وقت کم سن بچہ تھا، کہ اہل مکہ کہتے تھے کہ نبی ﷺ نے بیع عرایا کی اجازت دی۔ انھوں نے جواب دیا کہ اہل مکہ کو یہ کس طرح معلوم ہوا؟ (کیونکہ وہ تاجر پیشہ لوگ تھے، باغبانی کا پیشہ نہیں کرتے تھے۔) میں نے عرض کیا: وہ حضرت جابر ؓ سے روایت کرتے تھے، تو وہ خاموش ہو گئے۔ سفیان کہتے ہیں کہ میرا مقصد یہ تھا کہ حضرت جابر ؓ تو اہل مدینہ سے ہیں۔

قِيلَ لِسُفْيَانَ: أَلَيْسَ فِيهِ: نَهَى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ؟ قَالَ: لَا. [انظر: ٢٣٨٤]

سفیان سے پوچھا گیا: کیا اس حدیث میں یہ نہیں کہ آپ ﷺ نے پھلوں کی صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے پہلے انھیں فروخت کرنے سے منع کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں۔

فائدہ: اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ یحییٰ بن سعید اور اہل مکہ کی روایت میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ یحییٰ بن سعید کی روایت میں بیع عرایا کے جواز کے لیے دو قیود ہیں: * اندازے سے فروخت کرنا۔ * تازہ کھجوریں کھانے کے لیے فروخت کرنا۔ جبکہ اہل مکہ اپنی روایت میں ان قیود کا حوالہ نہیں دیتے بلکہ وہ مطلق طور پر عرایا کے جواز کا رجحان رکھتے ہیں۔ اندازہ کر کے فروخت کرنے کی صراحت تو ایک ثقہ راوی نے کی ہے، اس لیے اس کا اعتبار کرنا ضروری ہے، البتہ تازہ کھجور کھانے کا ذکر محض اتفاقی ہے احترازی نہیں اگرچہ بعض حضرات اسے بطور شرط بیان کرتے ہیں جو صحیح نہیں۔[1] واللہ أعلم.

(٨٤) بَابُ تَفْسِيرِ الْعَرَايَا

باب: 84 - عرایا کی تفسیر کا بیان

وَقَالَ مَالِكٌ: اَلْعَرِيَّةُ أَنْ يُعْرِيَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ النَّخْلَةَ، ثُمَّ يَتَأَذَّى بِدُخُولِهِ عَلَيْهِ، فَرُخِّصَ لَهُ أَنْ يَشْتَرِيَهَا مِنْهُ بِتَمْرٍ.

امام مالک ؒ بیان کرتے ہیں کہ "عریہ" یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کے لیے اپنے باغ میں سے ایک دو کھجوریں ہبہ کر دیتا ہے، پھر باغ میں اس کے آنے جانے سے اذیت محسوس کرتا ہے تو اسے اجازت ہے کہ خشک کھجور دے کر اس سے درخت خرید لے۔

وَقَالَ ابْنُ إِدْرِيسَ: اَلْعَرِيَّةُ لَا تَكُونُ إِلَّا

ابن ادریس (امام شافعی ؒ) نے کہا کہ عریہ کی بیع خشک

[1] فتح الباري: 492/4.

بِالْكَيْلِ مِنَ التَّمْرِ يَدًا بِيَدٍ، وَلَاتَكُونُ بِالْجِزَافِ.

کھجور کے عوض ناپ کر دست بدست ہوتی ہے، اندازے سے نہیں ہوتی۔

وَمِمَّا يُقَوِّيهِ قَوْلُ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ: بِالْأَوْسُقِ الْمُوَسَّقَةِ.

حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کا قول اس کی تائید کرتا ہے کہ عریہ کی بیع وسق کے ذریعے سے ناپ تول کر ہوتی ہے۔

وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ فِي حَدِيثِهِ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: كَانَتِ الْعَرَايَا أَنْ يُعْرِيَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي مَالِهِ النَّخْلَةَ وَالنَّخْلَتَيْنِ.

ابن اسحاق نے اپنی حدیث میں حضرت نافع سے، انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ بیع عرایا یہ ہے: کوئی شخص اپنے مال میں سے کھجور کے ایک یا دو درخت کسی کو دے دے۔

وَقَالَ يَزِيدُ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ حُسَيْنٍ: اَلْعَرَايَا نَخْلٌ كَانَتْ تُوهَبُ لِلْمَسَاكِينِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ أَنْ يَنْتَظِرُوا بِهَا، فَرُخِّصَ لَهُمْ أَنْ يَبِيعُوهَا بِمَا شَاءُوا مِنَ التَّمْرِ.

یزید نے حضرت سفیان بن حسین سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ عرایا کھجوروں کے درخت ہوتے تھے جو مساکین کو ہبہ کیے جاتے اور وہ ان کے پختہ ہونے کا انتظار نہ کر سکتے تھے تو انھیں اجازت دی گئی کہ وہ خشک کھجور کے عوض جتنی چاہیں بیچ لیں۔

وضاحت: عربوں کے ہاں یہ عادت تھی کہ وہ ایک دو کھجوروں کا پھل کسی مسکین ومحتاج کو ہبہ کر دیتے جیسا کہ بکری اور اونٹ وغیرہ کسی کو صرف دودھ پینے کے لیے دے دیتے تھے، پھر بعض اوقات مساکین کو تنگ دستی کی وجہ سے ان کھجوروں کے پختہ ہونے کی تاب نہ ہوتی تو انھیں خشک کھجوروں کے عوض بیچنے کی اجازت دی گئی۔ اور بعض اوقات خود مالک ان کے باغ میں آنے جانے سے تکلیف محسوس کرتا تو اسے اجازت دی گئی کہ وہ اپنے پاس سے خشک کھجوریں دے کر وہ درخت ان سے خرید لے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال ملتے جلتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ امام مالک کی تفسیر کے مطابق ہبہ کرنے والا ہبہ شدہ درختوں کا پھل خرید لیتا اور ابوحنیفہ کی تفسیر کے مطابق ہبہ کرنے والا اس کا بدل دے کر اپنا وعدہ پورا کرتا تھا، لیکن اس سلسلے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف ان حضرات سے مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ پھل کی مقدار معلوم ہونا ضروری ہے، اس میں اندازہ لگانا صحیح نہیں۔ احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ پانچ وسق یا اس سے کم مقدار میں یہ بیع کرنے کی اجازت ہے، مطلق طور پر رخصت نہیں دی گئی۔ بہر حال بیع عرایا کے جواز میں اہم پہلو غرباء اور مساکین کا مفاد ہے جو اپنی تنگ دستی کی وجہ سے پھل کے پختہ ہونے کا انتظار کرنے سے معذور ہیں لیکن انھیں پیٹ پالنے کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے انھیں محدود پیمانے پر اس بیع کی اجازت دی گئی۔ عقل صحیح بھی اس کے جواز کا تقاضا کرتی ہے۔ عام طور پر اس خرید وفروخت کی اجازت نہیں ہے۔

٢١٩٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ

[2192] حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرایا کے متعلق اجازت دی کہ انھیں

عُمَرَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ رَخَّصَ فِي الْعَرَايَا أَنْ تُبَاعَ بِخَرْصِهَا كَيْلًا.

اندازے سے ناپ کر فروخت کیا جائے۔

قَالَ مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ: وَالْعَرَايَا نَخَلَاتٌ مَّعْلُومَاتٌ تَأْتِيهَا فَتَشْتَرِيهَا. [راجع: ٢١٧٣]

حضرت موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ عرایا چند معین کھجوریں ہیں جن کا پھل اتری ہوئی کھجوروں کے عوض خریدا جاتا ہے۔

فائدہ: راوی نے عرایا کی تفسیر میں اختصار سے کام لیا ہے کیونکہ اس میں درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض خریدا جاتا ہے۔ چونکہ عرایا میں یہ امر معروف ہے، اس لیے اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ واللّٰہ أعلم.

(٨٥) بَابُ بَيْعِ الثِّمَارِ قَبْلَ أَنْ يَبْدُوَ صَلَاحُهَا

باب: 85- صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے پھلوں کو فروخت کرنا

٢١٩٣ - وَقَالَ اللَّيْثُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ: كَانَ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ يُحَدِّثُ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ مِنْ بَنِي حَارِثَةَ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ عَنْ زَيْدِ ابْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّاسُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَتَبَايَعُونَ الثِّمَارَ، فَإِذَا جَدَّ النَّاسُ وَحَضَرَ تَقَاضِيهِمْ، قَالَ الْمُبْتَاعُ: إِنَّهُ أَصَابَ الثَّمَرَ الدُّمَانُ، أَصَابَهُ مَرَضٌ، أَصَابَهُ قُشَامٌ، عَاهَاتٌ يَحْتَجُّونَ بِهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَمَّا كَثُرَتْ عِنْدَهُ الْخُصُومَةُ فِي ذٰلِكَ: «فَإِمَّا لَا، فَلَا تَتَبَايَعُوا حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُ الثَّمَرِ»، كَالْمَشُورَةِ يُشِيرُ بِهَا لِكَثْرَةِ خُصُومَتِهِمْ.

[2193] حضرت سہل بن ابی حثمہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جو بنو حارثہ سے تھے، وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں لوگ پھلوں کی خرید وفروخت اس طرح کرتے تھے کہ جب پھل کاٹنے کا وقت آتا اور ایک دوسرے سے تقاضے کا وقت آتا تو خریدار کہتا: پھل دمان ہو گیا، اسے بیماری لگ گئی، اسے قشام نے آ لیا۔ یہ سب پھلوں کی بیماریاں ہیں جن کا وہ ذکر کر کے آپس میں جھگڑتے تھے۔ جب اس کے متعلق بکثرت جھگڑے رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے لگے تو آپ نے فرمایا: ”تم ایسی خرید وفروخت نہ کیا کرو تا آنکہ وہ انتفاع کے قابل ہو جائیں اور ان میں کھانے کی صلاحیت ظاہر ہو جائے۔“ گویا کثرت تنازعات کی بنا پر آپ نے مشورے کے طور پر یہ ارشاد فرمایا۔

وَأَخْبَرَنِي خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ: أَنَّ زَيْدَ ابْنَ ثَابِتٍ لَمْ يَكُنْ يَبِيعُ ثِمَارَ أَرْضِهِ حَتَّى تَطْلُعَ

خارجہ بن زید بن ثابت نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنی زمین کے پھل نہیں بیچتے تھے حتی کہ

الثُّرَيَّا، فَيَتَبَيَّنَ الْأَصْفَرُ مِنَ الْأَحْمَرِ.

ثریا ستارہ طلوع ہو جاتا اور زرد پھل سرخ پھل سے نمایاں ہو جاتا۔ (زردی سرخی سے ظاہر ہو جاتی۔)

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: رَوَاهُ عَلِيُّ بْنُ بَحْرٍ: حَدَّثَنَا حَكَّامٌ: حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ عَنْ زَكَرِيَّا، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ سَهْلٍ، عَنْ زَيْدٍ.

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے کہا: اس روایت کو علی بن بحر نے بیان کیا، وہ حکام سے، وہ عنبسہ سے، وہ زکریا سے، وہ ابوزناد سے، وہ حضرت عروہ سے، انھوں نے حضرت سہل سے اور وہ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے (روایت کرتے ہیں۔)

فوائد ومسائل: ① پھلوں کی صلاحیت ظاہر ہونے اور ان کے قابل انتفاع ہونے سے پہلے خرید وفروخت کے متعلق کافی اختلاف ہے۔ اس قوتِ اختلاف کی بنا پر امام بخاری رحمہ اللہ نے جزم و وثوق کے ساتھ کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ ابن ابی یعلی اور امام ثوری کے نزدیک ایسا کرنا مطلق طور پر ناجائز ہے جبکہ کچھ حضرات مطلقاً اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ احناف اسے جائز کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ پھلوں کے وجود سے پہلے خرید وفروخت کرنا ممنوع ہے۔ ② صلاحیت ظاہر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ پھلوں کی ترشی اور سختی جاتی رہے اور ان میں مٹھاس اور نرمی آ جائے، یعنی وہ قابل انتفاع ہو جائیں۔ ثریا ستارے کے طلوع کے وقت پھل انتفاع کے قابل ہو جاتے تھے، اس لیے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ طلوع ثریا کے بعد اپنے پھلوں کو فروخت کرتے تھے۔ کثرت نزاع کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تک پھل قابل انتفاع نہ ہو اسے فروخت نہ کیا جائے تاکہ جھگڑا وغیرہ نہ ہو۔'' واضح رہے کہ دمان پھلوں کی بیماری ہے جس سے پھل سیاہ ہو جاتے تھے۔ ایک روایت میں مرض کی بجائے مراض ہے۔ مراض ایک آسمانی آفت ہے جس کے آنے سے پھل تباہ ہو جاتا تھا۔ قشام بھی ایک بیماری ہے جس سے پھل زرد ہونے سے پہلے ہی گر جاتا تھا۔ جب ایسی آفتوں اور بیماریوں سے پھل محفوظ ہو جائے تو پھر اس کی خرید وفروخت کی اجازت ہے۔[1]

٢١٩٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا. نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُبْتَاعَ.

[2194] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کی صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے انھیں فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے فروخت کرنے والے اور خریدار دونوں کو منع فرمایا ہے۔

[راجع: ١٤٨٦]

فوائد ومسائل: ① پھلوں کی قابل انتفاع ہونے سے قبل خرید وفروخت کرنا پہلے تو بطور صلاح ومشورہ تھا جیسا کہ قبل ازیں حدیث میں بیان ہوا ہے، اس کے بعد قطعی طور پر اس سے منع کر دیا گیا جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے۔ اس کا قرینہ ایک یہ ہے: ممانعت بطور مشورہ والی روایت کے راوی، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ خود اپنے پھل پختہ ہونے سے پہلے فروخت نہیں کرتے تھے۔ ایسا کرنا فروخت کرنے والے کے لیے اس لیے ناجائز ہے کہ وہ اپنے بھائی کا مال باطل طریقے سے نہ کھائے۔ اور خریدار کو

1 فتح الباري: 499/4.

اس لیے منع کیا گیا کہ اپنے مال کو ضائع کرنے اور فروخت کرنے والے کے لیے باطل طریقے سے مال کھانے کا ذریعہ نہ بنے۔ ② واضح رہے کہ ممانعت صرف پھلوں سے متعلق ہے اگر درخت فروخت کرنے مقصود ہوں تو پھلوں کے پکنے کا انتظار ضروری نہیں کیونکہ درختوں کی خرید وفروخت میں یہ پابندی نہیں ہے۔ والله أعلم.

٢١٩٥ - حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ الطَّوِيلُ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى أَنْ تُبَاعَ ثَمَرَةُ النَّخْلِ حَتَّى تَزْهُوَ.

[2195] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پکنے سے پہلے کھجور کا پھل فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: يَعْنِي حَتَّى تَحْمَرَّ. [راجع: ١٤٨٨]

ابوعبداللہ (امام بخاری) رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ان کا سرخ ہونا ہے، یعنی سرخ ہونے سے قبل انھیں فروخت نہ کیا جائے۔

٢١٩٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سَلِيمِ بْنِ حَيَّانَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مِينَاءَ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ تُبَاعَ الثَّمَرَةُ حَتَّى تُشْقِحَ. فَقِيلَ: وَمَا تُشْقِحُ؟ قَالَ: تَحْمَارُّ وَتَصْفَارُّ وَيُؤْكَلُ مِنْهَا. [راجع: ١٤٨٧]

[2196] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا جب تک وہ مُشقح نہ ہو جائیں۔ عرض کیا گیا مُشقح کیا ہوتا ہے؟ انھوں نے فرمایا: جب تک وہ سرخ یا زرد اور کھانے کے قابل نہ ہو جائیں۔

فوائد ومسائل: ① حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں لفظ زھو استعمال ہوا ہے۔ جب کھجور کا پھل ظاہر ہو کر پختگی پر آنے کے لیے سرخ یا زرد ہو جائے تو اس حالت پر یہ لفظ بولا جاتا ہے اور اس کا موسم ہاڑ کا مہینہ ہے۔ اس وقت ثریا ستارہ صبح کے وقت طلوع ہونے لگتا ہے۔ طلوع ثریا اس کے پختہ ہونے کی علامت ہے۔ اس وقت پھلوں کے لیے خطرات کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ حجاز کے علاقے میں اس وقت سخت گرمی ہوتی ہے اور پھل وغیرہ پک جاتے ہیں۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ نے حسن ترتیب سے ان احادیث کو بیان کیا ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ممانعت کا سبب بیان ہوا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ممانعت کی صراحت ہے، پھر حضرت انس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی احادیث میں اس حکم امتناعی کی انتہا کا بیان ہے جہاں اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔[1]

1 فتح الباري: 502/4.

(٨٦) بَابُ بَيْعِ النَّخْلِ قَبْلَ أَنْ يَبْدُوَ صَلَاحُهَا

باب: 86- قابل انتفاع ہونے سے قبل کھجور فروخت کرنا

٢١٩٧ - حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ الْهَيْثَمِ: حَدَّثَنَا مُعَلًّى: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ: أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا، وَعَنِ النَّخْلِ حَتّٰى يَزْهُوَ. قِيلَ: وَمَا يَزْهُو؟ قَالَ: يَحْمَارُّ أَوْ يَصْفَارُّ. [راجع: ١٤٨٨]

[2197] حضرت انس ؓ سے روایت ہے وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے پھل فروخت کرنے سے منع فرمایا تاآنکہ وہ نفع کے قابل ہو جائے اور کھجور بیچنے سے منع فرمایا حتی کہ وہ زہو ہو جائے۔ عرض کیا گیا زہو کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: سرخ ہو جائے یا زرد ہو جائے۔

فوائد و مسائل: ① حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں: اس عنوان سے مراد کھجوروں کے درخت فروخت کرنا ہے اور قبل ازیں پھل فروخت کرنے کا ذکر تھا، اس بنا پر یہ تکرار نہیں۔[1] لیکن ہمارے نزدیک اس عنوان سے مراد کھجور کا پھل فروخت کرنا ہی ہے کیونکہ زہو کا تعلق کھجور کے اس پھل سے ہوتا ہے جو تازہ ہو۔ قبل ازیں پھلوں کا ذکر تھا اور اس عنوان میں کھجور کے پھل کا بطور خاص ذکر ہوا ہے کیونکہ عربوں کے ہاں علاقۂ حجاز میں کھجور ہی بکثرت پائی جاتی تھی۔ ② ایک روایت میں وضاحت ہے کہ سوال کرنے والے حضرت انس ؓ کے شاگرد خاص حضرت حمید ہیں اور جواب دینے والے حضرت انس ؓ ہیں۔[2] ③ بہر حال قابل انتفاع ہونے سے قبل کسی قسم کے پھل کی خرید و فروخت درست نہیں کیونکہ ایسا کرنے سے کسی ایک فریق کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے جس کی وضاحت آئندہ آئے گی۔

(٨٧) بَابٌ: إِذَا بَاعَ الثِّمَارَ قَبْلَ أَنْ يَبْدُوَ صَلَاحُهَا ثُمَّ أَصَابَتْهُ عَاهَةٌ فَهُوَ مِنَ الْبَائِعِ

باب: 87- جب پھل قبل از صلاحیت بیچا گیا تو آفت آنے پر نقصان کی ذمہ داری بائع پر ہوگی

٢١٩٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى تُزْهِيَ، فَقِيلَ لَهُ: وَمَا تُزْهِيَ؟ قَالَ: حَتّٰى تَحْمَرَّ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَرَأَيْتَ إِذَا مَنَعَ

[2198] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کے زہو ہونے سے قبل انھیں فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ زہو کیا ہوتا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ ان کا سرخ ہونا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بھلا بتاؤ اگر اللہ پھل کو ضائع کر

[1] فتح الباري: 502/4. [2] صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2208.

اللهُ الثَّمَرَةَ، بِمَ يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ مَالَ أَخِيهِ؟». [راجع: ١٤٨٨]

دے تو تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا مال کس چیز کے عوض کھائے گا؟"

فائدہ: امام بخاری رشاللہ کا موقف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ پختگی سے قبل پھلوں کی خرید وفروخت درست نہیں، تاہم اگر کوئی پختگی سے پہلے ان کی خرید وفروخت کرتا ہے تو ایسا کرنے سے بیع کا معاملہ درست ہوگا لیکن آفت آجانے (بیماری لگنے) کی صورت میں اس کا تاوان بیچنے والے کے ذمے ہوگا، یعنی فروخت کرنے والے کو خریدار کی کل رقم واپس کرنی ہوگی۔ اس سلسلے میں امام بخاری رشاللہ نے امام زہری رشاللہ والا موقف اختیار کیا ہے جیسا کہ آئندہ روایت میں اس کی وضاحت ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آفت کی نوعیت کو دیکھا جائے، اگر ایک تہائی سے کم نقصان ہوا ہے تو اس کا لحاظ نہیں ہوگا اور اگر نقصان ایک تہائی سے زیادہ ہو تو اس کی تلافی کی جائے گی جو بیچنے والے کے ذمے ہے۔

٢١٩٩ - وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: لَوْ أَنَّ رَجُلًا ابْتَاعَ ثَمَرًا قَبْلَ أَنْ يَبْدُوَ صَلَاحُهُ ثُمَّ أَصَابَتْهُ عَاهَةٌ كَانَ مَا أَصَابَهُ عَلَى رَبِّهِ.

[2199] حضرت لیث سے روایت ہے، وہ یونس سے ابن شہاب کے حوالے سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ اگر کسی شخص نے صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے باغ خرید لیا، پھر کوئی آفت آئی تو جو نقصان ہوگا وہ مالک کے ذمے ہوگا۔

أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا تَتَبَايَعُوا الثَّمَرَةَ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا، وَلَا تَبِيعُوا الثَّمَرَ بِالتَّمْرِ». [راجع: ١٤٨٦]

ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے سالم بن عبداللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھل اس وقت تک فروخت نہ کرو جب تک اس کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے۔ اور درخت پر لگی تازہ کھجور، خشک کھجور کے عوض مت فروخت کرو۔"

فوائد ومسائل: ① پھلوں کی پختگی سے پہلے اگر باغ فروخت کیا گیا تو فروخت کرنے والا اس صورت میں نقصان کا ذمہ دار ہوگا جب کوئی آفت آجائے اور باغ کو تباہ کر دے۔ اگر کوئی نقصان نہ ہوا اور پھل صحیح طور پر تیار ہو گیا تو بیع صحیح ہوگی۔ اس تفصیل کے باوجود ہمارا رجحان یہ ہے کہ پھلوں کی پختگی سے پہلے سودا نہ کیا جائے کیونکہ احادیث کے ظاہر الفاظ کا یہی تقاضا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ جن احادیث میں ممانعت ہے وہ اسی احتیاط پر محمول ہیں۔ ② امام بخاری رشاللہ کا رجحان جواز مشروط ہے کیونکہ جب پھل ضائع ہو گیا اور خریدار کی ادا کردہ قیمت کے مقابلے میں کوئی چیز نہ رہی تو بیچنے والے کا قیمت لینا باطل ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر تو نے اپنے بھائی کو پھل کا باغ فروخت کیا اور وہ کسی آفت کے آنے سے تباہ ہو گیا تو تیرے لیے اس سے کوئی قیمت وصول کرنا حلال نہیں۔ استحقاق کے بغیر مال

لینا کیونکر تیرے لیے جائز ہو سکتا ہے؟“ [1]

(٨٨) بَابُ شِرَاءِ الطَّعَامِ إِلَى أَجَلٍ

باب: 88- ایک مدت کے لیے غلہ ادھار خریدنا

٢٢٠٠ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: ذَكَرْنَا عِنْدَ إِبْرَاهِيمَ الرَّهْنَ فِي السَّلَفِ فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِهِ، ثُمَّ حَدَّثَنَا عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ اشْتَرَى طَعَامًا مِّنْ يَهُودِيٍّ إِلَى أَجَلٍ فَرَهَنَهُ دِرْعَهُ. [راجع: ٢٠٦٨]

[2200] حضرت اعمش سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نے ابراہیم نخعی سے قرض کے عوض گروی رکھنے کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ پھر انھوں نے حضرت عائشہ ؓ سے مروی ایک حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے غلہ ادھار خریدا اور اپنی زرہ اس کے پاس گروی رکھی تھی۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت غلہ ادھار پر خریدا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ مسلمانوں میں سے کسی کے پاس زائد غلہ نہ ہو یا اس بنا پر یہودی سے معاملہ کیا ہو کہ کوئی مسلمان رواداری کے طور پر اس کی قیمت وصول نہ کرتا، اس لیے آپ نے انھیں زحمت دینا گوارا نہ فرمایا۔ ایک دوسری روایت میں ہے: آپ نے اس یہودی سے جو لیے تھے اور اس کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی تھی لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور اپنی گروی رکھی ہوئی زرہ قیمت دے کر واپس نہ لے سکے۔ حضرت ابوبکر ؓ نے اسے قیمت ادا کر کے زرہ واپس لی۔ ② اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ آپ کی زندگی کے آخری ایام کا ہے جبکہ صاحب تدبر حدیث نے اسے مدینہ طیبہ کے ابتدائی دور کا قرار دیا ہے۔ یہ ہے ان حضرات کا مبلغ علم؟ ان کے نزدیک یہ روایت قابل اعتماد نہیں ہے۔ [2]

(٨٩) بَابٌ: إِذَا أَرَادَ بَيْعَ تَمْرٍ بِتَمْرٍ خَيْرٍ مِّنْهُ

باب: 89- اگر کوئی بہترین کھجوروں کے عوض عام کھجوروں کو فروخت کرنا چاہے

٢٢٠١، ٢٢٠٢ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَّالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الْمَجِيدِ بْنِ سُهَيْلِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلَى خَيْبَرَ فَجَاءَهُ بِتَمْرٍ

[2202,2201] حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو خیبر کا تحصیل دار بنایا۔ وہ عمدہ قسم کی کھجوریں لے کر حاضر خدمت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی ہوتی ہیں؟“ اس نے عرض کیا: اللہ کے

1. صحيح مسلم، المساقاة، حديث: 3975 (1554)۔ 2 تدبر حديث: 485/1.

جَنِيبٍ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا؟» قَالَ: لَا، وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّا لَنَأْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هٰذَا بِالصَّاعَيْنِ وَالصَّاعَيْنِ بِالثَّلَاثِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَفْعَلْ، بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيبًا».

[الحديث: ٢٢٠١، انظر: ٢٣٠٢، ٤٢٤٤، ٤٢٤٦، ٧٣٥٠]؛ [الحديث: ٢٢٠٢، انظر: ٢٣٠٣، ٤٢٤٥، ٤٢٤٧، ٧٣٥١]

رسول! نہیں، اللہ کی قسم ہم اس عمدہ کھجور کے ایک صاع کو دوسری کھجوروں کے دو صاع کے عوض اور دو صاع کو تین صاع کے عوض لیتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا مت کیا کرو، بلکہ تم ان ردی کھجوروں کو درہموں کے عوض فروخت کر کے پھر ان درہموں سے عمدہ کھجور خرید لیا کرو۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کے پیش نظر سودی معاملات میں اس قسم کے حیلے کو جائز قرار دیا گیا ہے، مثلاً: ایک عمدہ سونے کے عوض کم قیراط والے سونے کو کمی بیشی کے ساتھ لینے کی ضرورت ہو تو پہلے عمدہ سونے کو روپے کے عوض فروخت کر دیا جائے، پھر ان کے عوض دوسرا سونا خریدا جائے۔ ہم جنس اشیاء کا کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ کرنا سود ہے، خواہ نقد بنقد ہی کیوں نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور برابر، برابر لینے دینے کا حکم دیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے۔[1] رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کے سودے کو سود قرار دیا ہے اور اسے واپس کرنے کا حکم دیا ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں اس کی صراحت ہے۔[2] حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کا ایک واقعہ منقول ہے، اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: افسوس! یہ تو بعینہٖ سود ہے آئندہ ایسا مت کرنا۔[3] ہم جنس اشیاء کی باہمی خرید وفروخت کے متعلق اس ضابطے کے حوالے سے آج کل یہ عام سوال کیا جاتا ہے کہ اگر ایک جنس، مثلاً: کھجور بہتر قسم کی ہو اور دوسری کمتر کوالٹی کی ہو جیسا کہ مذکورہ واقعہ میں ہے تو دونوں کو ہم مقدار رکھنا کیسے قرین انصاف ہو سکتا ہے جبکہ اسلام نے ہمیں عدل وانصاف کا حکم دیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر نوع کی کھجور یا گندم بنیادی طور پر انسان کی بھوک مٹاتی ہے، محض تنوع یا ذائقے میں فرق رکھنے کے اعتبار سے تبادلے کی گنجائش ہے لیکن بھوک مٹانے میں دونوں برابر ہیں۔ اس بنا پر تبادلہ کرتے وقت دونوں کی مقدار برابر رکھی جائے۔ عدل و انصاف کا یہی تقاضا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ غذائی ضرورت کو پورا کرنے میں ایک نوع دوسری نوع سے بہتر ہے، اس لیے ان دونوں کا تبادلہ کرتے وقت فرق کو ملحوظ رکھا جائے۔ عام آدمی کے پاس تو ایسا کوئی آلہ یا ترازو موجود نہیں جو عدل و انصاف کے مطابق ایک کوالٹی کے دوسری کوالٹی سے تبادلے میں دونوں کی مقداریں صحیح طور پر متعین کر سکے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کا حل یہ بتایا ہے کہ گھٹیا کوالٹی کی نقدی کے ذریعے سے قیمت طے کر لو اور اسے طے شدہ نقدی کے عوض فروخت کرو پھر اعلیٰ کوالٹی کی قیمت بھی بذریعہ نقدی طے کر لو اور اسے نقدی کے عوض خرید لو۔ اس طرح عدل وانصاف کے تقاضے صحیح معنوں

1 صحیح مسلم، المساقاة، حدیث: 4081 (1593). 2 صحیح مسلم، المساقاة، حدیث: 4083 (1594). 3 صحیح مسلم، المساقاة، حدیث: 4087 (1594).

میں پورے ہو جائیں گے۔ کوالٹی کا فرق کتنا ہے اس کو وزن یا ماپ کے ذریعے سے متعین نہیں کیا جا سکتا، قیمت کے ذریعے سے متعین کیا جا سکتا ہے، کوالٹی کے تعین کے لیے قیمت ہی ایک غیر جانبدار اور مناسب ترین ذریعہ ہے۔ اگر قیمت کا طریقہ اختیار نہ کیا جائے بلکہ محض وزن میں کمی بیشی کے ذریعے سے کام چلانے کی کوشش کی جائے تو دونوں میں سے ایک فریق کا حق ضرور مارا جائے گا۔ کوالٹی کا فرق متعین کرنے کے لیے وزن کو معیار بنایا گیا تو باہمی رضامندی کے تقاضے بھی پورے نہیں ہوں گے جو صحت بیع کے لیے ضروری ہے۔ واللہ أعلم. ② صاحب تدبر قرآن نے حسب عادت اس مقام پر بھی خلط مبحث سے کام لیا ہے۔ ان کی حدیث دانی کا یہ عالم ہے کہ لکھا ہے: رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم نہیں دیا کہ کھجوروں کا مبادلہ برابر مقدار ہی میں کرنا ہوگا۔[1] حالانکہ اس بات کی ایک روایت میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم ایسا مت کرو بلکہ مقدار برابر رکھو یا ایک کو قیمت سے فروخت کر کے اس قیمت سے دوسری کھجوریں خرید لو۔“[2]

(٩٠) بَابُ مَنْ بَاعَ نَخْلًا قَدْ أُبِّرَتْ، أَوْ أَرْضًا مَزْرُوعَةً، أَوْ بِإِجَارَةٍ

باب: 90- پیوند شدہ کھجور کا درخت یا کھیتی کھڑی زمین فروخت کرنا یا ٹھیکے پر دینا

٢٢٠٣ - قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَقَالَ لِي إِبْرَاهِيمُ: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ: يُخْبِرُ عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى ابْنِ عُمَرَ: أَيُّمَا نَخْلٍ بِيعَتْ قَدْ أُبِّرَتْ لَمْ يُذْكَرِ الثَّمَرُ، فَالثَّمَرُ لِلَّذِي أَبَّرَهَا. وَكَذٰلِكَ الْعَبْدُ وَالْحَرْثُ، سَمّٰى لَهُ نَافِعٌ هٰؤُلَاءِ الثَّلَاثَةَ».

[انظر: ٢٢٠٤، ٢٢٠٦، ٢٣٧٩، ٢٧١٦]

[2203] حضرت ابن عمر ؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت نافع نے کہا کہ جب کھجور کا کوئی پیوندی درخت فروخت کیا جائے اور اس کے پھل کا ذکر نہ آئے تو پھل اسی کا ہے جس نے اسے پیوند کیا تھا۔ غلام اور کھیت کا بھی یہی حکم ہے۔ حضرت نافع نے اپنے شاگرد ابن جریج سے ان تینوں کا ذکر کیا۔

فوائد ومسائل: ① صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابن عمر ؓ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جس نے پیوند شدہ کھجور کا درخت فروخت کیا تو اس کا پھل بیچنے والے کا ہوگا مگر یہ کہ خریدار اس کی شرط لگا لے۔ اور جو کوئی غلام فروخت کرے تو اس کا مال فروخت کرنے والے کا ہے مگر یہ کہ خریدار اس کی شرط لگا لے۔“[3] ② یہ تمام معاملات رواج اور عرف پر مبنی ہیں۔ اگر معاشرے میں رائج کوئی چیز شریعت کے خلاف نہیں تو شریعت نے اسے گوارا کیا ہے، اسے ناجائز قرار نہیں دیا۔

٢٢٠٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ

[2204] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر کوئی پیوند کیا ہوا درخت

① تدبر حديث: 486/1. ② صحيح البخاري، الاعتصام، حديث: 7351،7350. ③ صحيح مسلم، البيوع، حديث: 3905 (1543).

عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ بَاعَ نَخْلًا قَدْ أُبِّرَتْ فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ». [راجع: ٢٢٠٣]

فروخت کرے تو اس کا پھل بائع ہی کو ملے گا الا یہ کہ خریدار اس کی شرط کر لے۔"

فوائد ومسائل: ① شریعت کا منشا یہ ہے کہ لین دین کے معاملات میں فریقین کا آپس میں تفصیلات طے کرنا اور دونوں طرف سے ان کا برضا ورغبت قبول کرنا ضروری ہے تاکہ آئندہ چل کر کوئی جھگڑا اور فساد نہ ہو۔ اگر خریدار نے شرط لگا دی تو جھگڑا ہی ختم ہو گیا، اگر شرط نہیں لگائی تو پھل وغیرہ بائع کا ہوگا۔ الغرض معاملہ معروف دستور کے مطابق ہوگا اور جس جگہ جو طریقہ رائج ہوگا اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ ؒ کہتے ہیں کہ پیوند لگائے یا نہ لگائے دونوں صورتوں میں پھل بیچنے والے کا ہے۔ واللہ أعلم۔ ② پیوند کاری یہ ہے کہ مادہ کھجور کے خوشے میں نر کھجور کا خوشہ رکھ دیا جاتا ہے۔ اس پیوند کاری سے پھل زیادہ آتا ہے۔ بعض اوقات ہوا کے ذریعے سے بار آوری خود بخود عمل میں آ جاتی ہے۔

(٩١) بَابُ بَيْعِ الزَّرْعِ بِالطَّعَامِ كَيْلًا

باب: 91- کھڑی کھیتی کو غلے کے عوض ناپ کر فروخت کرنا

٢٢٠٥ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْمُزَابَنَةِ، أَنْ يَبِيعَ ثَمَرَ حَائِطِهِ إِنْ كَانَ نَخْلًا بِتَمْرٍ كَيْلًا، وَإِنْ كَانَ كَرْمًا أَنْ يَبِيعَهُ بِزَبِيبٍ كَيْلًا، وَإِنْ كَانَ زَرْعًا أَنْ يَبِيعَهُ بِكَيْلِ طَعَامٍ، وَنَهَى عَنْ ذٰلِكَ كُلِّهِ. [راجع: ٢١٧١]

[2205] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مزابنہ سے روکا ہے۔ وہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے باغ کا پھل فروخت کرے اگر کھجور ہے تو خشک کھجور سے ماپ کر، اگر انگور ہے تو اسے کشمش کے عوض ماپ کر اور اگر کھیتی ہے تو اسے غلے کے عوض ماپ کر فروخت کرے۔ آپ نے ان تمام سودوں سے منع کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں تین قسم کی بیوع سے منع کیا گیا ہے: پہلی یہ کہ کھجور پر لگی ہوئی کھجوروں کو ناپ کر خشک کھجور کے عوض فروخت کرنا۔ اسے مزابنہ کہتے ہیں۔ دوسری یہ کہ بیل پر لگے ہوئے انگوروں کو ناپ کے حساب سے منقی کے عوض فروخت کرنا۔ اسے بھی مزابنہ کہا جاتا ہے۔ تیسری یہ کہ کھڑی کھیتی کو غلے کے عوض ناپ کے حساب سے بیچنا۔ اسے محاقلہ کہتے ہیں۔ یہ بھی جائز نہیں۔ ان سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ ایک معلوم چیز کے عوض مجہول کو فروخت کرنا ہے۔ ② حافظ ابن حجر ؒ نے ابن بطال کے حوالے سے علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ کھیتی کو کاٹنے سے پہلے غلے کے عوض فروخت کرنا درست نہیں کیونکہ اس میں ہر دو کے لیے نقصان کا احتمال ہے۔ ایسے ہی کھیتی کاٹنے کے بعد تازہ بالیوں کو خشک غلے کے عوض فروخت کرنا بھی درست نہیں، البتہ احناف کہتے ہیں کہ پھل توڑ کر ڈھیری لگا دی جائے تو اس میں چونکہ اندازہ ہو جاتا ہے، لہٰذا اس صورت میں خرید و

فروخت کرنا جائز ہے لیکن اس سے صریح نص کی مخالفت لازم آتی ہے۔[1]

(٩٢) بَابُ بَيْعِ النَّخْلِ بِأَصْلِهِ

باب: 92- کھجور کا درخت جڑ سمیت فروخت کرنا

٢٢٠٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «أَيُّمَا امْرِئٍ أَبَّرَ نَخْلًا ثُمَّ بَاعَ أَصْلَهَا فَلِلَّذِي أَبَّرَ ثَمَرُ النَّخْلِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَهُ الْمُبْتَاعُ». [راجع: ٢٢٠٣]

[2206] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کھجور کو پیوند کرے، پھر اسے فروخت کردے تو اس کا پھل اسی کا ہوگا جس نے اسے پیوند کیا مگر یہ کہ خریدار اس پھل کی شرط کرلے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تنے کو پھل سمیت فروخت کرنا جائز ہے۔ اس صورت میں معاملہ خریدار پر موقوف ہوگا۔ اگر اس نے درخت خریدتے وقت شرط لگا دی کہ پھل سمیت لے رہا ہوں تو وہ شرط نافذ ہوگی اور اگر شرط کے بغیر سودا ہوا ہے تو موجودہ پھل پہلے مالک کا ہوگا، لیکن ہمارے ہاں رواج ہے کہ اگر آم کا باغ فروخت ہوا ہے تو جو کچھ بھی ہوگا وہ خریدار کا ہوگا، یعنی معاشرتی طور پر یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ جو کچھ فروخت ہوا ہے وہ خریدار کا ہے۔ ② بہرحال جھگڑے کی صورت میں حدیث کے مطابق فیصلہ ہوگا کہ اگر درخت فروخت ہوئے اور کسی قسم کی شرط نہیں لگائی گئی تو درختوں کا پھل فروخت کرنے والے کا ہے ہاں، اگر خریدار نے شرط لگا دی تو پھر وہی پھل کا حق دار ہوگا۔ والله أعلم.

(٩٣) بَابُ بَيْعِ الْمُخَاضَرَةِ

باب: 93- بیع مخاضرہ کا بیان

٢٢٠٧ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ وَهْبٍ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ أَبِي طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُخَاضَرَةِ وَالْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ وَالْمُزَابَنَةِ.

[2207] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے محاقلہ، مخاضرہ، ملامسہ، منابذہ اور مزابنہ سے منع فرمایا ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے خرید و فروخت کی چند ایک قسموں سے منع فرمایا ہے جن میں نقصان یا دھوکے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے: محاقلہ، یہ حقل سے مشتق ہے جس کے معنی کھیتی کے ہیں۔ اس سے

[1] فتح الباري: 510/4.

مراد یہ ہے کہ خوشۂ گندم کی بیع کھلی گندم سے کی جائے۔ یہ اس لیے منع ہے کہ اس میں مساوات کا پتہ نہیں چلتا۔ مخاضرہ کا لفظ خضرہ سے ہے جس کے معنی کچی کھیتی یا کچا پھل ہیں، یعنی پھلوں اور دانوں کی صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے خرید وفروخت کرنا، البتہ حیوانات کے چارے کے لیے کچی فصل فروخت کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح گاجر، مولی، شلجم اور پیاز وغیرہ کو زمین کے اندر فروخت کرنا جائز ہے۔ ② واضح رہے کہ محاقلہ اور مخاضرہ دونوں ایک دوسرے کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ ملامسہ اور منابذہ کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے۔ کپڑے کے تھان پر صرف ہاتھ رکھنے سے بیع پختہ ہو جائے، جس کے متعلق علم نہ ہو کہ سوتی ہے یا ریشمی، اسی طرح محض کسی چیز کو پھینک دینے سے بیع پختہ کر لینا۔ لین دین کی ان اقسام میں جوا پایا جاتا ہے، پھر ان میں نقصان اور دھوکے دونوں کا اندیشہ رہتا ہے، اس لیے منع کر دیا گیا۔ مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر لگی کھجوریں اور بیل پر لگے انگور خشک کھجور یا کشمش کے عوض خریدنا، یہ بھی منع ہے، البتہ درخت پر لگی ہوئی کھجوریں عرایا کی صورت میں پختہ کھجوروں کے عوض فروخت کی جاسکتی ہیں جیسا کہ ہم پہلے اس کی وضاحت کر آئے ہیں۔

٢٢٠٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ ثَمَرِ التَّمْرِ حَتَّى يَزْهُوَ، فَقُلْنَا لِأَنَسٍ: مَا زَهْوُهَا؟ قَالَ: تَحْمَرُّ وَتَصْفَرُّ، أَرَأَيْتَ إِنْ مَنَعَ اللهُ الثَّمَرَ بِمَ تَسْتَحِلُّ مَالَ أَخِيكَ؟. [راجع: ١٤٨٨]

[2208] حضرت انس ؓ ہی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے کھجور کے وہ پھل جو درخت پر ہوں فروخت کرنے سے منع فرمایا جب تک کہ یہ زھو نہ ہوں۔ ہم نے حضرت انس ؓ سے عرض کیا: اس کے زھو سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے فرمایا: اس سے مراد پھل کا سرخ یا زرد ہونا ہے۔ دیکھو! اگر اللہ تعالیٰ پھل روک لے تو پھر اپنے بھائی کے مال کو اپنے لیے کیسے حلال خیال کرو گے؟

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں بھی درخت پر لگے ہوئے کچے پھلوں کی خرید وفروخت کے متعلق وضاحت ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ کوئی بھی ایسا پہلو جس میں خریدنے یا بیچنے والے کے لیے نقصان کا اندیشہ ہے، شریعت کی نظر میں ایک ناپسندیدہ عمل ہے۔ حضرت انس ؓ نے وضاحت فرمائی ہے کہ پھل جب سرخ یا زرد ہو جائے یا کسی حد تک کھانے کے قابل ہو جائے تو اسے فروخت کرنا جائز ہے، اس کے بعد نفع یا نقصان قسمت کا معاملہ ہے۔ ② حدیث کے آخری جملے کا مطلب بھی واضح ہے کہ تم نے کچا باغ اپنے بھائی کو فروخت کر دیا اور طے شدہ رقم وصول کر لی بعد میں باغ پھل نہ لایا یا آفت زدہ ہو گیا تو آپ نے جو رقم وصول کی ہے وہ کس طرح اپنے لیے حلال خیال کرو گے؟ ③ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ہاں دو تین سال تک باغات کے جو ٹھیکے ہوتے ہیں شرعاً یہ جائز نہیں۔

(٩٤) بَابُ بَيْعِ الْجُمَّارِ وَأَكْلِهِ

باب: 94- کھجور کا گودا فروخت کرنا اور اسے کھانا

٢٢٠٩ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ

[2209] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں

الْمَلِكِ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ يَأْكُلُ جُمَّارًا، فَقَالَ: «مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةٌ كَالرَّجُلِ الْمُؤْمِنِ»، فَأَرَدْتُ أَنْ أَقُولَ: هِيَ النَّخْلَةُ، فَإِذَا أَنَا أَحْدَثُهُمْ، قَالَ: «هِيَ النَّخْلَةُ». [راجع: ٦١]

نے کہا کہ میں ایک دفعہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا جبکہ آپ کھجور کا گودا کھا رہے تھے، آپ نے فرمایا: ''درختوں میں سے ایک درخت ہے جو بندۂ مومن کی طرح ہے (بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟)'' میں نے یہ کہنے کا ارادہ کیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے لیکن جتنے لوگ وہاں موجود تھے میں ان سب میں کمسن تھا، لہٰذا چپ رہا۔ آپ نے خود ہی فرمایا: ''وہ کھجور کا درخت ہے۔''

فوائد و مسائل: ① جمار کھجور کے سفید رنگ کے کچے گودے کو کہتے ہیں جو تنے کی بالائی جانب ہوتا ہے اور اسے کھانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو وہ کہیں سے تحفے میں آیا تو آپ اسے کھانے لگے۔ ② روایت میں کھانے کا ذکر ہے اس کی خرید و فروخت کا ذکر نہیں ہے، حالانکہ عنوان میں دونوں مذکور ہیں۔ ابن بطال نے کہا ہے: جمار کا کھانا اور فروخت کرنا دونوں مباح ہیں، اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ جسے کھایا جائے اس کی بیع بھی جائز ہے، یعنی امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان کے دوسرے جز کو نص سے ثابت کیا ہے جبکہ پہلے جز کو قیاس سے ثابت کیا ہے۔ ③ ممکن ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہو جس میں اس کی خرید و فروخت کا ذکر ہے لیکن وہ ان کی شرط کے مطابق نہیں تھی۔[1] ④ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس مجلس میں بڑے موجود ہوں چھوٹوں کو ان کے آداب کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

(٩٥) بَابُ مَنْ أَجْرَى أَمْرَ الْأَمْصَارِ عَلَى مَا يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ فِي الْبُيُوعِ وَالْإِجَارَةِ، وَالْكَيْلِ وَالْوَزْنِ، وَسُنَنِهِمْ عَلَى نِيَّاتِهِمْ وَمَذَاهِبِهِمُ الْمَشْهُورَةِ

باب: 95- خرید و فروخت، اجارہ اور ماپ تول میں لوگوں کے عرف، رسم و رواج، نیتوں اور ان کے مشہور طریقوں کے مطابق حکم دیا جائے

وَقَالَ شُرَيْحٌ لِلْغَزَّالِينَ: سُنَّتُكُمْ بَيْنَكُمْ.

قاضی شریح نے سوت فروخت کرنے والوں سے کہا کہ تم باہمی طور پر معاملات میں جو فیصلہ کرتے ہو اسی کا اعتبار ہوگا۔

وَقَالَ عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ: لَا بَأْسَ الْعَشَرَةُ بِأَحَدَ عَشَرَ، وَيَأْخُذُ لِلنَّفَقَةِ رِبْحًا.

عبدالوہاب نے ایوب کے واسطے سے محمد بن سیرین سے روایت کی ہے کہ دس درہم میں خرید کردہ چیز گیارہ درہم میں فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں اور یہ بھی کہ اس پر

① فتح الباري: 4/512.

تمام خرچہ ڈال کر نفع لے سکتے ہو۔

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِهِنْدٍ: «خُذِي مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوفِ». وَقَالَ تَعَالَى: ﴿وَمَن كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [النساء: ٦]

نبی ﷺ نے حضرت ہند ؓ سے فرمایا: ”رواج کے مطابق اتنا لو جو تجھے اور تیرے بچوں کو کافی ہو۔“ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”جو فقیر ہو وہ معروف طریقے سے (مال یتیم) کھائے۔“

وَاكْتَرَى الْحَسَنُ مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مِرْدَاسٍ حِمَارًا فَقَالَ: بِكَمْ؟ قَالَ: بِدَانِقَيْنِ، فَرَكِبَهُ ثُمَّ جَاءَ مَرَّةً أُخْرَى فَقَالَ: الْحِمَارَ الْحِمَارَ، فَرَكِبَهُ وَلَمْ يُشَارِطْهُ، فَبَعَثَ إِلَيْهِ بِنِصْفِ دِرْهَمٍ.

حضرت حسن بصری نے عبداللہ بن مرداس سے ایک گدھا اجرت پر لیا تو پوچھا: کتنا کرایہ ہوگا؟ اس نے کہا: دو دانق، تو وہ سوار ہو گئے۔ پھر دوسری مرتبہ آئے اور فرمایا کہ گدھا لاؤ، گدھا۔ پھر اس پر سوار ہو گئے اور کوئی شرط طے نہ کی، صرف اسے نصف درہم (بطور اجرت) بھیج دیا۔

وضاحت: اس عنوان سے امام بخاری ؒ کا یہ مقصد ہے کہ ہر ملک میں لوگوں کے رسم ورواج اور عرف وعادات پر اعتماد ہوگا، معاملات میں اس پر احکام جاری ہوں گے، تاہم اتنا ضرور ہے کہ وہ رسم ورواج شریعت کے کسی حکم کے منافی نہ ہوں۔ ایسے حالات میں ان کے رواج وچلن کو شریعت ہی کا حصہ تسلیم کیا جائے گا، چنانچہ قاضی شریح کے پاس سوت کے تاجر کوئی معاملہ لے کر آئے اور کہنے لگے: ہمارا آپس میں طریقہ اور رواج یہ ہے تو انھوں نے فرمایا: تم اپنے رسم ورواج کے مطابق اپنا معاملہ طے کر لو۔ امام بخاری ؒ نے اس سلسلے میں جتنے بھی آثار پیش کیے ہیں ان سے یہی بات ثابت کی ہے کہ خرید وفروخت، اجارہ، ماپ و تول کرنے میں نیتوں کے مطابق معاشرے میں جو طریقہ رائج ہے اسی پر عمل ہوگا اور وہی دین ہے بشرطیکہ رواج کی کوئی بات شریعت کے خلاف نہ ہو۔ قاضی شریح کا اثر سنن سعید بن منصور میں موصولاً بیان کیا گیا ہے۔ محمد بن سیرین کا اثر مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ حضرت ہند والی روایت کو امام بخاری ؒ نے خود ہی موصول بیان کیا ہے۔ حضرت حسن بصری کا اثر سعید بن منصور نے موصولاً ذکر کیا ہے۔[1]

٢٢١٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: حَجَمَ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَبُو طَيْبَةَ فَأَمَرَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِصَاعٍ مِّنْ تَمْرٍ، وَأَمَرَ أَهْلَهُ أَنْ يُخَفِّفُوا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ. [راجع: ٢١٠٢]

[2210] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ابو طیبہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ کو سینگی لگائی تو آپ نے اسے ایک صاع کھجور دینے کا حکم دیا، نیز آپ نے اس کے مالکان سے کہا کہ اس کے محصول سے کچھ کمی کر دیں۔

1 فتح الباري: 513/4.

٢٢١١ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: قَالَتْ هِنْدٌ أُمُّ مُعَاوِيَةَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ: إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ، فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ أَنْ آخُذَ مِنْ مَالِهِ سِرًّا؟ قَالَ: «خُذِي أَنْتِ وَبَنُوكِ مَا يَكْفِيكِ بِالْمَعْرُوفِ». [انظر: ٢٤٦٠، ٣٨٢٥، ٥٣٥٩، ٥٣٦٤، ٥٣٧٠، ٦٦٤١، ٧١٦١، ٧١٨٠]

[2211] ام المومنین حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ ؓ کی والدہ حضرت ہند ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: ابوسفیان ؓ بخیل آدمی ہے، اگر میں اس کے مال سے کچھ پوشیدہ طور پر لے لیا کروں تو مجھ پر گناہ تو نہیں ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ''تو دستور کے موافق صرف اتنا لے سکتی ہے جو تجھے اور تیرے بیٹوں کو کافی ہو۔''

٢٢١٢ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ. وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ: سَمِعْتُ عُثْمَانَ بْنَ فَرْقَدٍ قَالَ: سَمِعْتُ هِشَامَ ابْنَ عُرْوَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ: أَنَّهُ سَمِعَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا تَقُولُ: ﴿وَمَن كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَن كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِٱلْمَعْرُوفِ﴾ [النساء: ٦]: أُنْزِلَتْ فِي وَالِي الْيَتِيمِ الَّذِي يُقِيمُ عَلَيْهِ وَيُصْلِحُ فِي مَالِهِ، إِنْ كَانَ فَقِيرًا أَكَلَ مِنْهُ بِالْمَعْرُوفِ». [انظر: ٢٧٦٥، ٤٥٧٥]

[2212] حضرت عائشہ ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے متعلق فرمایا: ''جو مالدار ہو وہ (مال یتیم سے) پرہیز کرے اور جو تنگ دست ہو وہ رواج کے مطابق کھائے'' یہ آیت کریمہ یتیم کے سرپرست کے متعلق نازل ہوئی جو اس کی ضروریات کو پورا کرتا اور اس کے مال کی حفاظت کرتا ہے۔ اگر وہ تنگدست فقیر ہے تو دستور کے مطابق اس کے مال سے کھائے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے اس عنوان اور پیش کردہ احادیث سے معاشرتی رواج کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے کہ خرید و فروخت اور معاملات طے کرتے وقت ملکی دستور اور معاشرتی رواج کو ملحوظ رکھنا ہوگا بشرطیکہ وہ دستور یا رواج شریعت کے خلاف نہ ہو، مثلاً: اگر کسی ملک میں کوئی کرنسی رائج ہے تو خرید و فروخت کے وقت دوسری کرنسی کی شرط نہ لگانے کی صورت میں رائج الوقت کرنسی ہی مراد ہوگی۔ ② اس سلسلے میں امام بخاری ؒ نے تین احادیث ذکر کی ہیں: پہلی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سینگی لگواتے وقت کوئی اجرت وغیرہ طے نہیں کی بلکہ عرف پر اعتماد کرتے ہوئے ایک صاع کھجور ادا کرنے کا حکم دیا، نیز ابوطیبہ کے مالک اس سے کچھ زیادہ محصول لیتے تھے رسول اللہ ﷺ نے اسے کم کروایا تاکہ رواج اور دستور کے مطابق ہو جائے۔ دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ہند ؓ کو حضرت ابوسفیان ؓ کا مال لینے کی اجازت تو دی لیکن اس کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی بلکہ اسے عرف اور دستور پر چھوڑ دیا، یعنی اپنی حیثیت اور ضرورت کے مطابق جو علاقے کا رواج اور چلن ہے اس کے مطابق مال لینے کا حکم دیا۔ اس میں عرفی حیثیت ہی مدنظر رکھی جائے گی۔ تیسری روایت میں حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: یتیم کے سرپرست اگر نادار اور غریب ہیں تو وہ اس مال میں سے جس کی وہ دیکھ بھال کرتے ہیں، دستور کے مطابق کھا سکتے ہیں، یعنی اگر

دستور معروف ہے تو دین ہے اور اگر دین کے مخالف ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

(٩٦) بَابُ بَيْعِ الشَّرِيكِ مِنْ شَرِيكِهِ

باب: 96- ایک شریک اپنا حصہ دوسرے شریک کو فروخت کرسکتا ہے

٢٢١٣ - حَدَّثَنِي مَحْمُودٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: جَعَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الشُّفْعَةَ فِي كُلِّ مَالٍ لَّمْ يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُودُ وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ. [انظر: ٢٢١٤، ٢٢٥٧، ٢٤٩٥، ٢٤٩٦، ٦٩٧٦]

[2213] حضرت جابر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر غیر تقسیم شدہ مال میں حق شفعہ قائم رکھا ہے لیکن جب تقسیم ہونے کے بعد حدیں واقع ہو جائیں اور راستے بدل جائیں تو شفعہ ساقط ہو جاتا ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس مال سے مراد غیر منقولہ جائیداد ہے، مثلاً: مکان، زمین اور باغ وغیرہ کیونکہ منقول جائیداد میں بالاتفاق کسی کو شفعے کا حق نہیں ہے۔ ② ابن بطال فرماتے ہیں: امام بخاری ؒ کا مقصد مشترک چیز کی خرید وفروخت کا جواز ثابت کرنا ہے، یعنی یہ بیع اجنبی کی بیع کی طرح صحیح ہوگی۔ دوسرے حضرات فرماتے ہیں: عنوان سے مقصود شریک کو ترغیب دینا ہے کہ اگر وہ اپنا حصہ فروخت کرنا چاہے تو شریک کے پاس بیچے کیونکہ اگر کسی دوسرے کو فروخت کرے گا تو شریک کو شفعے کا حق ہو گا۔[1] علامہ عینی فرماتے ہیں: اس عنوان کی غرض شریک کو رغبت دلانا ہے کہ اگر وہ اپنا حصہ فروخت کرنا چاہے تو اسے شریک کے پاس فروخت کرے کیونکہ جب شریک فروخت کردہ حصہ بذریعہ عدالت لے سکتا ہے تو رضامندی سے اسے فروخت کرنا زیادہ بہتر ہے، ایسا کرنا اس کی خوش دلی کا باعث ہے۔[2] واضح رہے کہ شفعے کے متعلق احکام ومسائل آئندہ کتاب الشفعہ میں بیان ہوں گے۔ بإذن الله.

(٩٧) بَابُ بَيْعِ الْأَرْضِ وَالدُّورِ وَالْعُرُوضِ مُشَاعًا غَيْرَ مَقْسُومٍ

باب: 97- مشترکہ زمین، مکان اور اسباب کا فروخت کرنا جو ابھی تقسیم نہ کیے گئے ہوں

٢٢١٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَضَى النَّبِيُّ ﷺ

[2214] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے حق شفعہ ہر اس مال میں قائم رکھا ہے جو تقسیم نہ ہوا ہو، جب حدود قائم ہو جائیں اور راستے الگ الگ ہو جائیں تو پھر شفعہ نہیں ہے۔

---

1 فتح الباري: 515/4. 2 عمدة القاري: 521/8.

بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ مَالٍ لَّمْ يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُودُ، وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ.

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بِهٰذَا. وَقَالَ: فِي كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ. تَابَعَهُ هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ. قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ: فِي كُلِّ مَالٍ. رَوَاهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ إِسْحَاقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ. [راجع: ٢٢١٣]

عبدالواحد کی بیان کردہ روایت میں ہے کہ حق شفعہ ہر غیر منقسم چیز میں ہے۔ معمر سے روایت کرنے میں ہشام نے عبدالواحد کی متابعت کی ہے۔ عبدالرزاق نے بایں الفاظ اس روایت کو بیان کیا ہے کہ حق شفعہ ہر اس مال میں ہے (جو تقسیم شدہ نہ ہو۔) اس روایت کو عبدالرحمٰن بن اسحاق نے بھی امام زہری سے بیان کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس عنوان میں امام بخاری ؒ نے زمین اور گھروں کے ساتھ عروض کا لفظ بھی شامل کیا ہے، اس کے معنی ہیں: اسباب وسامان وغیرہ۔ جب اس میں دوسرے شریک ہوں تو ان کے ہاتھ بھی فروخت کیا جا سکتا ہے، مثلاً: ایک گھوڑے میں اگر دو شریک ہیں تو ایک شریک کو چاہیے کہ وہ دوسرے شریک کو پیش کش کرے کہ وہ پورا گھوڑا خرید لے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو جس قیمت میں وہ فروخت ہوا ہے، اس میں سے دوسرے شریک کو حصہ دے۔ ② آخر میں امام بخاری ؒ نے الفاظ حدیث کے اختلاف کو بیان کیا ہے، لیکن یہ اختلاف حدیث کے مفہوم پر کسی طرح اثر انداز نہیں ہوتا۔ والله أعلم.

(٩٨) بَابٌ: إِذَا اشْتَرٰى شَيْئًا لِغَيْرِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ فَرَضِيَ

باب: 98- جب کوئی شخص دوسرے کے لیے اس کی اجازت کے بغیر کوئی چیز خریدے، جس پر وہ راضی ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

٢٢١٥ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «خَرَجَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ يَمْشُونَ فَأَصَابَهُمُ الْمَطَرُ فَدَخَلُوا فِي غَارٍ فِي جَبَلٍ فَانْحَطَّتْ عَلَيْهِمْ صَخْرَةٌ، قَالَ: فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: اُدْعُوا اللهَ بِأَفْضَلِ عَمَلٍ عَمِلْتُمُوهُ، فَقَالَ أَحَدُهُمْ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي كَانَ لِي

[2215] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”تین آدمی کہیں جانے کے لیے نکلے تو راستے میں انھیں بارش نے آ لیا، چنانچہ (بارش سے بچنے کے لیے) وہ تینوں ایک پہاڑ کی غار میں داخل ہو گئے۔ اوپر سے ایک چٹان گری (جس سے غار کا منہ بند ہو گیا)۔ انھوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ اپنے بہترین عمل کا وسیلہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو جو تم نے کیا ہے، تو ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ! میرے والدین

أَبَوَانِ شَيْخَانِ كَبِيرَانِ فَكُنْتُ أَخْرُجُ فَأَرْعٰى، ثُمَّ أَجِيءُ فَأَحْلُبُ فَأَجِيءُ بِالْحِلَابِ فَآتِي بِهِ أَبَوَيَّ فَيَشْرَبَانِ، ثُمَّ أَسْقِي الصِّبْيَةَ وَأَهْلِي وَامْرَأَتِي، فَاحْتَبَسْتُ لَيْلَةً فَجِئْتُ فَإِذَا هُمَا نَائِمَانِ، قَالَ: فَكَرِهْتُ أَنْ أُوقِظَهُمَا وَالصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ رِجْلَيَّ، فَلَمْ يَزَلْ ذٰلِكَ دَأْبِي وَدَأْبَهُمَا حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ، اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا فُرْجَةً نَرٰى مِنْهَا السَّمَاءَ، قَالَ: فَفُرِجَ عَنْهُمْ. وَقَالَ الْآخَرُ: اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي كُنْتُ أُحِبُّ امْرَأَةً مِّنْ بَنَاتِ عَمِّي كَأَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرَّجُلُ النِّسَاءَ، فَقَالَتْ: لَا تَنَالُ ذٰلِكَ مِنْهَا حَتّٰى تُعْطِيَهَا مِائَةَ دِينَارٍ، فَسَعَيْتُ فِيهَا حَتّٰى جَمَعْتُهَا فَلَمَّا قَعَدْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا قَالَتْ: اِتَّقِ اللهَ وَلَا تَفُضَّ الْخَاتَمَ إِلَّا بِحَقِّهِ، فَقُمْتُ وَتَرَكْتُهَا، فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا فُرْجَةً، قَالَ: فَفَرَجَ عَنْهُمُ الثُّلُثَيْنِ. وَقَالَ الْآخَرُ: اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي اسْتَأْجَرْتُ أَجِيرًا بِفَرَقٍ مِّنْ ذُرَةٍ فَأَعْطَيْتُهُ وَأَبٰى ذٰلِكَ أَنْ يَأْخُذَ، فَعَمَدْتُ إِلٰى ذٰلِكَ الْفَرَقِ فَزَرَعْتُهُ حَتّٰى اشْتَرَيْتُ مِنْهُ بَقَرًا وَرَاعِيهَا، ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ: يَا عَبْدَ اللهِ! أَعْطِنِي حَقِّي، فَقُلْتُ: اِنْطَلِقْ إِلٰى تِلْكَ الْبَقَرِ وَرَاعِيهَا فَإِنَّهَا لَكَ، فَقَالَ: أَتَسْتَهْزِئُ بِي؟ قَالَ: فَقُلْتُ: مَا أَسْتَهْزِئُ بِكَ وَلٰكِنَّهَا لَكَ، اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا، فَكُشِفَ عَنْهُمْ». [انظر: ۲۲۷۲، ۲۳۳۳،

بہت بوڑھے تھے، میں گھر سے نکلتا اور اپنے مویشیوں کو چراتا پھر شام کو واپس آتا، دودھ نکالتا، اسے لے کر پہلے والدین کو پیش کرتا۔ جب وہ نوش جان کر لیتے تو پھر بچوں، بیوی اور دیگر اہل خانہ کو پلایا کرتا تھا۔ ایک شام مجھے دیر ہو گئی۔ جب میں واپس گھر آیا تو والدین سو گئے تھے۔ میں نے انھیں بیدار کرنا اچھا خیال نہ کیا۔ دریں حالت میرے بچے پاؤں کے پاس بھوک سے بلبلا رہے تھے۔ میری اور میرے والدین کی کیفیت رات بھر یہی رہی تا آنکہ فجر ہو گئی۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ عمل صرف تیری رضا جوئی کے لیے کیا ہے تو ہم سے یہ پتھر اتنا ہٹا دے کہ کم از کم آسمان تو ہمیں نظر آنے لگے، چنانچہ پتھر کچھ ہٹا دیا گیا۔ دوسرے نے دعا کی: اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں اپنی چچا زاد لڑکی سے بہت محبت کرتا تھا۔ ایسی شدید محبت جو ایک مرد کو عورتوں سے ہو سکتی ہے۔ اس نے مجھ سے کہا: تو وہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا جب تک تو مجھے سو دینار نہ دے دے، چنانچہ میں نے کوشش کر کے سو دینار جمع کر لیے۔ جب میں اس سے صحبت کے لیے بیٹھا تو اس نے کہا: اللہ سے ڈر اور اس مہر کو اس کے حق کے بغیر نہ توڑ۔ تب میں اٹھ کھڑا ہوا اور اسے چھوڑ دیا۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام تیری رضا طلبی کے لیے کیا ہے تو ہم سے چٹان کی رکاوٹ دور کر دے، چنانچہ دو تہائی پتھر ہٹ گیا۔ تیسرے آدمی نے کہا: اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے ایک مزدور کو ایک ''فرق'' جوار کے عوض اجرت پر رکھا تھا۔ جب میں نے اسے غلہ دیا تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ میں نے یہ کیا کہ اس غلے کو زمین میں کاشت کر دیا، پھر اس کی پیداوار سے گائیں خریدیں اور ایک چرواہا بھی رکھ لیا، پھر

[٣٤٦٥، ٥٩٧٤]

ایک دن وہ مزدور آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے بندے! میرا حق مجھے دے دے۔ میں نے کہا وہ گائیں اور چرواہا تمھارے ہیں۔ اس نے کہا: تم میرا مذاق اڑا رہے ہو؟ میں نے کہا: میں تمھارے ساتھ مذاق نہیں کر رہا ہوں، وہ واقعی تمھارے ہیں۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام تیری رضا کو طلب کرتے ہوئے کیا تھا تو ہم سے اس چٹان کو ہٹا دے، چنانچہ اس چٹان کو ان سے ہٹا دیا گیا۔

فوائد و مسائل: ① فرق، دو صاع کے برابر غلہ ناپنے کا ایک پیمانہ ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے بیع فضولی کا جواز ثابت کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کی اجازت کے بغیر اس کے مال سے کوئی چیز خرید لے، پھر وہ راضی ہو جائے تو یہ سودا جائز ہے۔ دوسرے شخص کا راضی ہونا ضروری ہے۔ بیع فضولی، نکاح فضولی کی طرح صحیح ہے اور دوسرے شخص کی اجازت پر نافذ ہو جاتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال اس حدیث میں آخری شخص کا بیان ہے کیونکہ اس نے اصل مالک کی اجازت کے بغیر اس کے مملوکہ مال کو کام میں صرف کیا، اس سے نفع کمایا، گائیں خریدیں اور نگہبانی کے لیے ایک چرواہا رکھا، آخر کار اس مزدور نے اسے قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس واقعے کو بطور مدح و ثنا کے بیان فرمایا۔ اگر آخری شخص کا یہ عمل ناجائز ہوتا تو وہ اسے اللہ کے حضور کیوں پیش کرتا؟ نیز رسول اللہ ﷺ بھی اس کی وضاحت فرما دیتے۔ ③ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہم سے پہلے لوگوں کی شریعت ہمارے لیے حجت ہے بشرطیکہ اس کا کوئی ضابطہ ہماری شریعت کے خلاف نہ ہو اور رسول اللہ ﷺ سے اس پر انکار ثابت نہ ہو، لیکن فکر فراہی کے حاملین کو اس طریق استدلال سے اتفاق نہیں۔ انھوں نے اس حدیث کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا ہے کہ اس قصے سے فقہی اصول مستنبط نہیں کیے جا سکتے، نیز ان کے نزدیک اس حدیث میں بہت عریانی پائی جاتی ہے، اس کے علاوہ دعا کا یہ طریقہ اسلام کے مزاج کے منافی ہے، پھر اس طرح کی دیگر روایات جن سے دعا کرتے وقت کسی نیک عمل یا کسی زندہ نیک شخص کے وسیلے کا ذکر ہے ان کا انکار کیا ہے اور انھیں شیعہ حضرات کی گھڑی ہوئی کہانی قرار دیا ہے، پھر اس انکار کی بنیاد کوئی علمی اصول نہیں بلکہ ان کی طبع زاد ''درایت'' ہے۔ اس درانتی سے صحیح احادیث کو کاٹا جاتا ہے۔[1] بہرحال ہمارے نزدیک بیع فضولی صحیح ہے اور اعمال صالحہ کو اللہ کے حضور بطور وسیلہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی اس کا اشارہ ملتا ہے۔[2]

(٩٩) بَابُ الشِّرَاءِ وَالْبَيْعِ مَعَ الْمُشْرِكِينَ وَأَهْلِ الْحَرْبِ

باب: 99- مشرکین اور اہل حرب سے خرید و فروخت کرنا

٢٢١٦ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ

[2216] حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت

1 تدبر حدیث: 498/1. 2 المآئدة 5:35.

ابْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ مُشْرِكٌ مُشْعَانٌّ طَوِيلٌ بِغَنَمٍ يَسُوقُهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَبَيْعًا أَمْ عَطِيَّةً؟» - أَوْ قَالَ: «أَمْ هِبَةً؟» - قَالَ: لَا، بَلْ بَيْعٌ، فَاشْتَرَى مِنْهُ شَاةً. [انظر: ٢٦١٨، ٥٣٨٢]

ہے، انھوں نے کہا: ہم لوگ نبی ﷺ کے ہمراہ تھے کہ اس دوران پراگندہ بال لمبے قد والا ایک مشرک آیا اور وہ کچھ بکریاں ہانک کر لایا۔ نبی ﷺ نے اس سے پوچھا: ''یہ بکریاں بیچنے کے لیے ہیں یا عطیہ دینے کے لیے ہیں؟'' راوی کو شک ہے کہ عطیہ یا ہبہ کا لفظ کہا۔ اس نے کہا: کچھ نہیں، بلکہ فروخت کے لیے ہیں، چنانچہ آپ نے اس سے ایک بکری خرید لی۔

فوائد ومسائل: ① اس عنوان کا مقصد یہ ہے کہ مشرکین اور اہل حرب کے ساتھ معاملہ اس عالم رنگ و بو کے باشندوں کی حیثیت سے ان کے حقوق تسلیم کرتے ہوئے کیا جائے گا۔ ہاں، اگر ان سے جنگ کی نوبت آ جائے تو ان کے لیے اسلام کا ایک جداگانہ ضابطہ ہے۔ اہل ذمہ اور اہل صلح کے لیے الگ الگ قاعدے ہیں۔ ان کا مال ہمارے اہل اسلام کے مال کی طرح اور ان کا خون ہمارے خون کی طرح محترم ہے۔ مشرک یا کافر کی اہل شرک یا اہل کفر ہونے کی حیثیت سے ان کی گردن مارنے کی اجازت نہیں ہے۔ بہرحال مشرکین و کفار کے بھی حقوق ہیں۔ وہ بھی حق ملکیت رکھتے ہیں، ان سے خرید وفروخت کی جا سکتی ہے لیکن انتہا پسندوں کے خیال کے مطابق مشرک اور کافر جس حالت میں بھی ہو اس کا خون حلال اور مال و آبرو جائز ہے۔ بہرحال اسلام نے کفار و مشرکین کا انسان ہونے کے ناتے سے خیال رکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے حقوق کو تسلیم کرتے ہوئے ایک مشرک سے بکری خریدی جبکہ ہمارے دور کے انتہا پسندوں کے ہاں ایسے حالات میں شاید بکریوں کے ریوڑ کو ذبح کر دینا جائز ہو۔ ② حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں: کفار سے معاملہ داری کرنا جائز ہے مگر ایسا معاملہ درست نہیں جس سے وہ اہل اسلام کے خلاف جنگ کرنے میں مدد حاصل کر سکیں، نیز کافر کی خرید وفروخت صحیح ہے اور وہ اسلامی قانون کے اعتبار سے اپنے اموال کا مالک تسلیم کیا جائے گا۔ اس حدیث کی رو سے کافر سے ہدیہ قبول کرنا بھی جائز ثابت ہوا۔[1] واضح رہے کہ مذکورہ روایت انتہائی مختصر ہے، تفصیلی روایت آئندہ بیان ہوگی۔[2]

(١٠٠) بَابُ شِرَاءِ الْمَمْلُوكِ مِنَ الْحَرْبِيِّ وَهِبَتِهِ وَعِتْقِهِ

باب: 100- حربی سے غلام خریدنا، اس کا ہبہ کرنا اور آزاد کرنا

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِسَلْمَانَ: «كَاتِبْ» - وَكَانَ حُرًّا فَظَلَمُوهُ وَبَاعُوهُ - وَسُبِيَ عَمَّارٌ وَّصُهَيْبٌ وَّبِلَالٌ. وَقَالَ [اللهُ] تَعَالٰى: ﴿وَاللَّهُ فَضَّلَ

نبی ﷺ نے حضرت سلمان فارسی ؓ سے فرمایا: ''تم (اپنے مالکان سے) مکاتبت کر لو'' حالانکہ آپ آزاد تھے لیکن کافروں نے ان پر ظلم کیا اور پکڑ کر انھیں بیچ دیا تھا۔

1 فتح الباري: 4/815. 2 صحيح البخاري، الهبة، حديث: 2618.

بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي ٱلرِّزْقِ فَمَا ٱلَّذِينَ فُضِّلُوا۟ بِرَآدِّى رِزْقِهِمْ عَلَىٰ مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُهُمْ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿أَفَبِنِعْمَةِ ٱللَّهِ يَجْحَدُونَ﴾ [النحل: ٧١].

حضرت عمار، حضرت صہیب اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم یہ سب قید کر لیے گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ نے رزق کے معاملے میں تمھیں ایک کو دوسرے پر برتری دی ہے۔ پھر جن لوگوں کو برتری دی گئی ہے وہ اپنا رزق اپنے غلاموں کو دینے کے لیے تیار نہیں (کہ آقا اور غلام سب برابر ہو جائیں) تو کیا وہ اللہ کی نعمتوں کا انکار ہی کرتے رہیں گے۔''

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ کافر، خواہ حربی ہی کیوں نہ ہو اس کا بھی حق ملکیت تسلیم کیا جائے گا۔ وہ لینے کے لیے قانون کے تقاضوں کو پورا کیا جائے گا۔ اسی طرح حربی سے غلام خریدنا اور اس کا آزاد یا ہبہ کرنا معتبر ہوگا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ آزاد تھے۔ ان پر ظلم کیا گیا اور انھیں پکڑ کر فروخت کر دیا گیا۔ اس طرح وہ غلام بن گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں مشورہ دیا کہ وہ اپنے آقاؤں کو کچھ رقم دے کر آزادی حاصل کرنے کا معاملہ طے کر لیں، پھر اس رقم کا بندوبست کیا جائے۔ یہ واقعہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1] حضرت عمار بن یاسر، حضرت صہیب رومی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم کا بھی یہی حال تھا۔ یہ سب آزاد تھے لیکن کافروں نے انھیں قید کر کے غلام بنا رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت رائج قانون کے تقاضوں کو پورا کیا اور ان کے حق ملکیت کو تسلیم کیا۔ آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک قرآنی آیت کا حوالہ دیا ہے جس میں کفار و مشرکین کے ملک یمین کو تسلیم کیا گیا ہے۔ جب کفار کی ملک یمین صحیح ہے اور قرآن کریم نے اسے تسلیم کیا ہے تو ان سے خرید و فروخت کرنا بھی جائز ثابت ہوا۔ اس کے علاوہ حربی کافر کا اپنا غلام آزاد کرنا یا کسی کو ہبہ کرنا بھی صحیح ہے۔ مکاتبت یہ ہے کہ غلام اپنے آقا کو کچھ رقم قسطوں کی شکل میں ادا کرنا قبول کر لے۔ طے شدہ کل رقم ادا کرنے کے بعد غلام خود بخود آزاد ہو جاتا ہے۔ اس طرح غلام کو خرید کر اسے آزاد کرنے کی بہت فضیلت ہے۔ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ کفار و مشرکین بحیثیت انسان اپنا حق ملکیت رکھتے ہیں، ان کی خرید و فروخت کا اعتبار ہوگا۔

٢٢١٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «هَاجَرَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِسَارَةَ فَدَخَلَ بِهَا قَرْيَةً فِيهَا مَلِكٌ مِّنَ الْمُلُوكِ، أَوْ جَبَّارٌ مِّنَ الْجَبَابِرَةِ، فَقِيلَ: دَخَلَ إِبْرَاهِيمُ بِامْرَأَةٍ هِيَ مِنْ أَحْسَنِ النِّسَاءِ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ: أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ! مَنْ هٰذِهِ

[2217] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کے ساتھ ہجرت کی اور انھیں لے کر ایک شہر پہنچے جہاں ایک سخت گیر ظالم حکمران تھا۔ اسے اطلاع دی گئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک خوبرو عورت کو لے کر آئے ہیں۔ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیغام بھیجا کہ تمھارے ساتھ یہ عورت کون ہے؟ انھوں نے فرمایا: یہ میری بہن ہے،

[1] مسند أحمد: 442/5.

الَّتِي مَعَكَ؟ قَالَ: أُخْتِي، ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهَا فَقَالَ: لَا تُكَذِّبِي حَدِيثِي، فَإِنِّي أَخْبَرْتُهُمْ أَنَّكِ أُخْتِي، وَاللهِ إِنْ عَلَى الْأَرْضِ مِنْ مُّؤْمِنٍ غَيْرِي وَغَيْرُكِ، فَأَرْسَلَ بِهَا إِلَيْهِ فَقَامَ إِلَيْهَا فَقَامَتْ تَوَضَّأُ وَتُصَلِّي، فَقَالَتْ: اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتُ آمَنْتُ بِكَ وَبِرَسُولِكَ وَأَحْصَنْتُ فَرْجِي إِلَّا عَلَى زَوْجِي فَلَا تُسَلِّطْ عَلَيَّ الْكَافِرَ، فَغُطَّ حَتَّى رَكَضَ بِرِجْلِهِ». قَالَ الْأَعْرَجُ قَالَ أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: «قَالَتْ: اَللّٰهُمَّ إِنْ يَمُتْ يُقَالُ: هِيَ قَتَلَتْهُ، فَأُرْسِلَ ثُمَّ قَامَ إِلَيْهَا فَقَامَتْ تَوَضَّأُ وَتُصَلِّي وَتَقُولُ: اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتُ آمَنْتُ بِكَ وَبِرَسُولِكَ وَأَحْصَنْتُ فَرْجِي إِلَّا عَلَى زَوْجِي فَلَا تُسَلِّطْ عَلَيَّ هٰذَا الْكَافِرَ، فَغُطَّ حَتَّى رَكَضَ بِرِجْلِهِ». قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: قَالَ أَبُو سَلَمَةَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: «فَقَالَتْ: اَللّٰهُمَّ إِنْ يَمُتْ فَيُقَالُ: هِيَ قَتَلَتْهُ، فَأُرْسِلَ فِي الثَّانِيَةِ أَوْ فِي الثَّالِثَةِ، فَقَالَ: وَاللهِ مَا أَرْسَلْتُمْ إِلَيَّ إِلَّا شَيْطَانًا، أَرْجِعُوهَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَعْطُوهَا آجَرَ. فَرَجَعَتْ إِلَى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَقَالَتْ: أَشَعَرْتَ أَنَّ اللهَ كَبَتَ الْكَافِرَ وَأَخْدَمَ وَلِيدَةً؟». [انظر: ٢٦٣٥، ٣٣٥٧، ٣٣٥٨، ٥٠٨٤، ٦٩٥٠]

پھر حضرت سارہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم نے میری بات کو جھٹلانا نہیں کیونکہ میں نے ان لوگوں کو بتایا ہے کہ تو میری بہن ہے۔ اللہ کی قسم! اس سرزمین پر میرے اور تیرے علاوہ کوئی دوسرا مومن نہیں ہے۔ پھر انھوں نے حضرت سارہ کو اس ظالم کے پاس بھیج دیا۔ وہ بادشاہ حضرت سارہ کی طرف بڑھنے کے لیے اٹھا تو انھوں نے کھڑے ہو کر وضو کیا، پھر نماز پڑھنے لگیں، پھر دعا کی: اے اللہ! اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور میں نے اپنی شرمگاہ کو اپنے شوہر کے سوا محفوظ رکھا ہے تو اس کافر کو میرے اوپر مسلط نہ ہونے دے۔ اس پر بادشاہ کا سانس گلے میں پھنس گیا اور وہ گر کر ایڑیاں رگڑنے لگا۔'' حضرت اعرج نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا کہ حضرت سارہ نے دعا کی: اے للہ! اگر یہ مر گیا تو کہا جائے گا کہ اسے اس (سارہ) نے قتل کیا ہے، چنانچہ وہ درست ہو گیا۔ پھر وہ (بری نیت سے) اٹھ کر حضرت سارہ کی طرف جانے لگا تو وہ اٹھیں اور وضو کرنے کے بعد نماز شروع کر دی، پھر دعا کی: اے اللہ! اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ہے بجز اپنے خاوند کے کسی کو اجازت نہیں دی تو اس کافر کو مجھ پر مسلط نہ ہونے دے۔ اس پر وہ زمین پر گرا اور اس کا سانس حلق میں پھنس گیا حتی کہ زمین پر ایڑیاں رگڑنے لگا۔'' حضرت عبدالرحمٰن نے ابوسلمہ کے حوالے سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا کہ حضرت سارہ علیہا السلام نے دعا کی: اے اللہ! اگر یہ ظالم مر گیا تو کہا جائے کہ اس عورت نے اسے قتل کیا ہے تو وہ دوسری دفعہ بھی اچھا ہو گیا۔ پھر جب تیسری دفعہ بھی ایسا ہوا

تو بادشاہ نے کہا: اللہ کی قسم! تم لوگوں نے ایک شیطان عورت کو میرے پاس بھیج دیا ہے۔ اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس لے جاؤ اور اسے آجر (حضرت ہاجرہ) بھی دے دو، چنانچہ حضرت سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس آئیں اور فرمایا: تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کو ذلیل و خوار کیا اور اس نے ایک لڑکی خدمت گزاری کے لیے بھی ساتھ دی ہے؟

فوائد و مسائل: ① حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سرزمین کنعان سے مصر جانے کے لیے رخت سفر باندھا تھا کیونکہ کنعان ان دنوں سخت قحط سالی کی زد میں تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی سارہ کے ہمراہ مصر پہنچے تو وہاں ایک ظالم حکمران تھا اور وہ انتہائی عاشق مزاج تھا، اس لیے وہ حسین و جمیل عورتوں کی تلاش میں رہتا تھا۔ جب اس نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے حسن کا چرچا سنا تو انھیں بلایا اور ان سے بدکاری کا ارادہ کیا مگر حضرت سارہ کی بددعا سے برائی پر قادر نہ ہو سکا۔ بالآخر اس کے دل میں، اس خاندان کی عظمت نقش ہو گئی اور حضرت سارہ کو واپس کر دیا، نیز اپنے خلوص و عقیدت کے پیش نظر اپنی بیٹی ہاجرہ کو ان کی نذر کر دیا تاکہ وہ حضرت سارہ کی خدمت میں رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کرے۔ ② کتب یہود میں اس امر کی وضاحت ہے کہ حضرت ہاجرہ شاہ مصر کی بیٹی تھی۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ اس کافر بادشاہ نے اپنی شہزادی ہاجرہ بطور عطیہ پیش کی۔ حضرت سارہ نے اسے قبول فرمایا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اس پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ کافر کے ہدیے کا اعتبار کیا جائے گا۔ امین احسن اصلاحی نے حسب عادت لکھا ہے کہ حدیث میں مذکورہ قصہ یہودیوں کا گھڑا ہوا ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ٹھونس دیا ہے۔[1] ہم قارئین کرام کو یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ فراہی فکر کے حاملین کی کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی زبان کا یہ ادنیٰ سا نمونہ ہے۔ واضح رہے کہ مصلحین کے حلقۂ ارادت میں اصلاحی صاحب کو ''الامام'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے جبکہ علمیت کا یہ حال ہے۔ لکھتے ہیں: یہ روایت صحیح بخاری کے علاوہ، جہاں تک مجھے یاد ہے، اور کہیں نہیں ہے۔[2] حالانکہ یہ روایت درج ذیل کتب حدیث میں دیکھی جا سکتی ہے: ◈ صحيح مسلم، الفضائل، حديث :6145 (2371). ◈ سنن أبي داود، الطلاق، حديث :2212. ◈ جامع الترمذي، التفسير، حديث :3166. ◈ مسند أحمد :403/2. اس مقام پر اصلاحی صاحب نے ایک اعتراض بایں الفاظ اٹھایا ہے: اس قصے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک ایسا جھوٹ بولنے کا مرتکب گردانا گیا ہے جس کا زمین و آسمان میں کوئی فائدہ نہیں، حالانکہ محدثین کرام نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ اگر اس کافر کو پتہ چل جاتا کہ یہ ان کی بیوی ہے تو وہ اس کے حصول کے لیے طلاق کی ناپاک کوشش کرتا یا آپ کو قتل کرنے کی گندی جسارت کرتا، اس لیے آپ نے اپنی بیوی کو بہن کہا، چنانچہ علامہ قسطلانی نے لکھا ہے: اس جابر ظالم کی یہ عادت تھی کہ وہ خاوند والی عورت پر ہاتھ ڈالتا اور خاوند کو قتل کر کے اس کی بیوی پر قبضہ جما لیتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ ذو معنی لفظ استعمال فرمایا اور اس طرح اس ظالم کی ناپاک اور مذموم

---

1 تدبر حديث : 503/1. 2 تدبر حديث : 503/1.

جسارت سے محفوظ رہے۔

٢٢١٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: اِخْتَصَمَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ وَّعَبْدُ ابْنُ زَمْعَةَ فِي غُلَامٍ، فَقَالَ سَعْدٌ: هٰذَا يَا رَسُولَ اللهِ ابْنُ أَخِي عُتْبَةَ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَهِدَ إِلَيَّ أَنَّهُ ابْنُهُ، أُنْظُرْ إِلٰى شَبَهِهِ، وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ: هٰذَا أَخِي يَا رَسُولَ اللهِ! وُلِدَ عَلٰى فِرَاشِ أَبِي مِنْ وَّلِيدَتِهِ، فَنَظَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلٰى شَبَهِهِ فَرَأٰى شَبَهًا بَيِّنًا بِعُتْبَةَ فَقَالَ: «هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ! اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ، وَاحْتَجِبِي مِنْهُ يَا سَوْدَةُ بِنْتَ زَمْعَةَ»، فَلَمْ تَرَهُ سَوْدَةُ قَطُّ.

[2218] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ ؓ نے ایک لڑکے کے متعلق جھگڑا کیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ بچہ میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا لڑکا ہے۔ اس نے مجھے وصیت کی تھی کہ وہ اس کا بیٹا ہے۔ آپ اس کی شکل وصورت کو ملاحظہ فرمالیں۔ عبد بن زمعہ نے کہا: اللہ کے رسول! یہ میرا بھائی ہے۔ میرے باپ کے بستر پر ان کی لونڈی سے پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اس کی شکل وصورت دیکھی تو عتبہ سے واضح طور پر ملتی جلتی تھی، پھر آپ نے فرمایا: ''اے عبد! یہ تیرا (بھائی) ہے۔ لڑکا اس کو ملتا ہے جس کے گھر پیدا ہوا اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔ اے سودہ بنت زمعہ! تم اس لڑکے سے پردہ کرو۔'' چنانچہ حضرت سودہ ؓ نے پھر اسے کبھی نہیں دیکھا۔

فوائد ومسائل: ① اس مقدمے میں بات حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کی مانی جاتی یا عبد بن زمعہ کی تسلیم کی جاتی دونوں صورتوں میں بیٹا کافروں کا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس مقدمے کی سماعت فرمائی۔ زمعہ کی لونڈی اور اس کی ملکیت کو برقرار رکھا اور اس کا انکار نہ کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشرک کا اپنی ملکیت میں ہر طرح کا تصرف جائز ہے۔ ② امام بخاری ؒ نے اس سے ثابت کیا ہے کہ کفار کا آزاد کرنا معتبر ہے۔ ان کی لونڈیاں اور ان کی جائیداد ان کی ملکیت ہوں گی اور دیگر معاملات میں بھی ان کے حقوق کو تسلیم کیا جائے گا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ چونکہ یہ لوگ کافر ہیں، اس لیے ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر ان سے جنگ کا معاملہ پیش آ جائے تو اس کے اصول وضوابط الگ ہیں۔ ③ قانونی اعتبار سے شکل وصورت کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ اس کا بیٹا تسلیم کیا جائے گا جس کے گھر اس کی پیدائش ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سودہ ؓ کو احتیاطاً پردے کا حکم دیا کیونکہ اس کی شکل و صورت عتبہ بن ابی وقاص سے ملتی جلتی تھی۔ واللہ أعلم.

٢٢١٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ: قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لِصُهَيْبٍ:

[2219] حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے حضرت صہیب ؓ سے فرمایا: تم اللہ سے ڈرو اور خود کو اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف منسوب نہ کرو۔ حضرت

اِتَّقِ اللهَ وَلَا تَدَّعِ إِلٰى غَيْرِ أَبِيكَ، فَقَالَ صُهَيْبٌ: مَا يَسُرُّنِي أَنَّ لِي كَذَا وَكَذَا وَأَنِّي قُلْتُ ذٰلِكَ، وَلٰكِنِّي سُرِقْتُ وَأَنَا صَبِيٌّ.

صہیب نے جواب دیا: اگر مجھے اتنا مال ملے تب بھی اس طرح کا دعویٰ کرنا پسند نہ کروں لیکن مجھے بچپن میں چرا لیا گیا تھا۔

فوائد و مسائل: ① یہ روایت انتہائی مجمل ہے۔ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اصلاً عرب تھے۔ ان کے والد قبیلۂ نمر سے اور والدہ بنو تمیم سے تھیں۔ یہ دونوں قبیلے عرب ہیں۔ حضرت صہیب کو بچپن ہی میں کسی نے اغوا کر کے رومیوں کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا، ان کی پرورش رومی علاقے میں ہوئی۔ اس بنا پر رومی لب و لہجے میں عربی بولتے تھے۔ اغوا کے وقت انھیں اتنا شعور تھا کہ وہ کن لوگوں میں پیدا ہوئے ہیں اور کن لوگوں میں انھوں نے پرورش پائی ہے۔ قبیلۂ کلب نے انھیں رومیوں سے خریدا، ان سے ابن جدعان نے خرید کر انھیں آزاد کر دیا تھا۔ عرب میں واپس آنے کے بعد جب انھوں نے اپنے حسب و نسب کا اظہار کیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کے بیان پر شبہ کا اظہار کیا۔ تب حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے وضاحت فرمائی جو حدیث میں ہے۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے اس قسم کی گفتگو کی تھی تو انھوں نے بتایا تھا کہ میں نمر بن قاسط سے ہوں، البتہ بچپن میں مجھے چرا لیا گیا اور رومیوں کے ہاتھوں بیچ دیا گیا اور میری پرورش رومیوں میں ہوئی، اس لیے میں انھی کے لب و لہجے میں عربی بولتا ہوں۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ کفار و مشرکین کی ملک صحیح ہے، اس کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ ابن جدعان نے انھیں خریدا پھر آزاد کیا۔ اس بنا پر کفار کی خرید و فروخت، عتق و ہبہ وغیرہ کا اعتبار ہوگا۔ صرف ان کے کفر کی وجہ سے انکار نہیں کیا جائے گا۔

٢٢٢٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَرَأَيْتَ أُمُورًا كُنْتُ أَتَحَنَّثُ - أَوْ أَتَحَنَّتُ - بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ صِلَةٍ وَّعَتَاقَةٍ وَّصَدَقَةٍ، هَلْ لِّي فِيهَا أَجْرٌ؟ قَالَ حَكِيمٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَسْلَمْتَ عَلٰى مَا سَلَفَ لَكَ مِنْ خَيْرٍ». [راجع: ١٤٣٦]

[2220] حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ان نیک کاموں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے جنھیں میں زمانۂ جاہلیت میں صلہ رحمی، غلام آزاد کرنے اور صدقہ دینے کے سلسلے میں کیا کرتا تھا۔ کیا ان اعمال کا بھی مجھے ثواب ملے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو کچھ بھلائی تم گزشتہ دور میں کر چکے ہو اسے باقی رکھتے ہوئے تم اسلام لائے ہو۔“

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے کفار و مشرکین کے حقوق کے متعلق مزید یہ بیان کیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں اگر کسی نے نیکی کے کام کیے تھے پھر وہ اسلام لے آیا تو اسے ان نیکیوں پر بھی اجر ملے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ان نیکیوں کو

[1] المستدرك للحاكم: 398/3.

ختم کر کے نہیں بلکہ انھیں باقی رکھ کر اسلام لائے ہو اور اس پر تمھیں اجر ملے گا۔ اس کے برعکس جو باطل چیزیں ہیں اسلام لانے کے بعد ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ اسلام ان سب کو مٹا دے گا۔'' ② عنوان سے اس حدیث کی مطابقت بایں طور ہے کہ مشرک کا صدقہ کرنا، اپنے اقارب سے حسن سلوک کرنا اور غلام آزاد کرنا تب ہی درست ہو سکتا ہے کہ ان میں اس کی ملکیت صحیح ہو۔ مشرک کا حق ملکیت تسلیم شدہ ہے کیونکہ غلام آزاد کرنے کی صحت اس بات پر موقوف ہے کہ اس کی ملکیت کو صحیح تسلیم کیا جائے۔[1] ③ اس حدیث کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ تم نے گزشتہ دور میں جو بھلائیاں کی ہیں انھی کی بدولت تمھیں قبول اسلام کی توفیق ملی ہے۔

(١٠١) بَابُ جُلُودِ الْمَيْتَةِ قَبْلَ أَنْ تُدْبَغَ

باب: 101- دباغت سے پہلے مردار کی کھال کا حکم

٢٢٢١ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ أَنَّ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَرَّ بِشَاةٍ مَّيِّتَةٍ فَقَالَ: «هَلَّا اسْتَمْتَعْتُمْ بِإِهَابِهَا؟» قَالُوا: إِنَّهَا مَيِّتَةٌ، قَالَ: «إِنَّمَا حَرُمَ أَكْلُهَا». [راجع: ١٤٩٢]

[2221] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مردار بکری کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''تم نے اس کی کھال سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا؟'' لوگوں نے کہا: یہ تو مردار ہے۔ آپ نے فرمایا: ''مردار کا صرف کھانا حرام ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ مردار کی کھال سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، لہٰذا اس کی خرید وفروخت بھی جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مردار کے کھانے ہی کو حرام قرار دیا ہے اس کی خرید وفروخت کو حرام نہیں فرمایا۔ ② بظاہر حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مردار کی کھال سے فائدہ اٹھانا جائز ہے اگرچہ اسے رنگا نہ گیا ہو۔ امام زہری ؒ نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔ امام بخاری ؒ کا بھی یہی موقف معلوم ہوتا ہے لیکن صحیح مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے: ''تم نے اس کی کھال کو رنگا کیوں نہیں اور پھر اس سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا۔''[2] اس سے معلوم ہوا کہ مردار کی کھال کو دباغت دیے بغیر استعمال نہیں کرنا چاہیے اور نہ اس کی خرید وفروخت ہی کرنی چاہیے۔ ③ امام بخاری ؒ کے موقف کی تاویل بایں الفاظ ہو سکتی ہے کہ ناپختہ چمڑے کی خرید وفروخت کی جا سکتی ہے بشرطیکہ اس کی رطوبت ختم ہو جائے، خواہ وہ رنگنے سے ہو یا دھوپ لگنے سے، اس بنا پر رنگنا جواز بیع کے لیے شرط نہیں۔ اصلاحی صاحب نے اس مقام پر ایک سوال اٹھایا ہے کہ رنگنے کا اس حدیث میں کہاں ذکر آیا جس کا تذکرہ امام بخاری ؒ نے عنوان میں کیا ہے؟[3] اس کا جواب یہ ہے کہ إهاب اس چمڑے کو کہتے ہیں جسے رنگا نہ گیا ہو کیونکہ دباغت کے بعد اسے قربہ کہتے ہیں، اس لیے اصلاحی صاحب کا سوال بے محل ہے۔

1 فتح الباري: 512/4. 2 صحيح مسلم، الحيض، حديث: 806 (363). 3 تدبر حديث: 506/1.

(١٠٢) بَابُ قَتْلِ الْخِنْزِيرِ

باب:102-خنزیر کو قتل کرنا

وَقَالَ جَابِرٌ: حَرَّمَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْعَ الْخِنْزِيرِ.

حضرت جابر ؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے خنزیر کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے۔

وضاحت: اس روایت کو خود امام بخاری ؒ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1] اس عنوان کو کتاب البیوع میں اس لیے ذکر کیا ہے کہ شریعت نے جس جانور کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے وہ اس کے حرام ہونے کی علامت ہے اور حرام چیز کی خرید و فروخت جائز نہیں جیسا کہ حدیث جابر میں اس کی صراحت ہے۔ اس وضاحت کے بعد امین احسن اصلاحی کی قابل اصلاح فکر کو ملاحظہ فرمائیں کہ امام صاحب نے قتل خنزیر کا باب شاید ندرت کے خیال سے باندھا ہے ورنہ کتاب البیوع کے حوالے سے کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔[2] جب انسان کی سوچ و فکر میں کجی ہو اور وہ محدثین کے کارہائے نمایاں کو استخفاف سے دیکھنے کا عادی ہو، وہاں سمجھ میں کیا آ سکتا ہے؟ کاش اس مقام پر فتح الباري کا مطالعہ کیا ہوتا تو یہ حضرت اس قدر ناپختہ بات نہ کہتے۔[3]

٢٢٢٢ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُقْسِطًا فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ، وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيرَ، وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ، وَيَفِيضَ الْمَالُ حَتَّى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ». [انظر: ٢٤٧٦، ٣٤٤٨، ٣٤٤٩]

[2222] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! عنقریب تم میں حضرت عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے۔ اس وقت وہ حاکم منصف ہوں گے۔ صلیب توڑ ڈالیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے۔ جزیہ ختم کر دیں گے اور مال اس طرح بہے گا کہ اسے کوئی قبول کرنے والا نہ ہو گا۔“

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے یہ حدیث کتاب البیوع میں اس لیے ذکر کی ہے کہ جو شے حرام ہو اور اس کی بیع جائز نہ ہو اسے مار ڈالنا جائز ہے۔ خنزیر کی بیع کو رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دیا ہے، اس اعتبار سے اس کا مار ڈالنا جائز ہے۔ لیکن ذمیوں (کافر جو مسلمانوں کی سلطنت میں رہتے ہوں) کے خنزیر کو مارنا جائز نہیں کیونکہ وہ ان کے نزدیک مال ہے اور ہمیں ان کے مال ضائع کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ② سیدنا عیسیٰ ؑ مطلق طور پر خنزیر کو مار ڈالیں گے کیونکہ ان کے زمانے میں کوئی ذمی نہیں ہو گا بلکہ اہل کتاب سب مسلمان ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ صلیب بھی توڑ ڈالیں گے۔ حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں: قتل خنزیر سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے دور میں خنزیر کی نسل کشی کا حکم جاری کریں گے، اس میں اس کے کھانے کی حرمت میں مبالغے کا

1 صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2236. 2 تدبر حديث: 508/1. 3 فتح الباري: 522/4.

بیان ہے اور عیسائیوں کے لیے سخت وعید ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کے مدعی ہیں لیکن خنزیر کھانا حلال سمجھتے ہیں اور اس کی محبت میں مبالغہ کرتے ہیں۔[1] ③ متعدد آیات قرآنیہ اور احادیث شریفہ کی بنا پر جملہ اہل اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں، قرب قیامت کے وقت وہ نازل ہوں گے اور شریعت محمدیہ نافذ کریں گے۔ ④ مذکورہ حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حلفاً بیان فرمایا ہے کہ وہ ضرور نازل ہوں گے۔ لیکن امین احسن اصلاحی نے اس موقع پر بھی دجل سے کام لے کر لکھا ہے کہ نصاریٰ کی یہ روایت ہمارے ہاں بھی آ گئی ہے...... قرآن میں کہیں نہیں ہے کہ مسیح علیہ السلام دوبارہ آئیں گے۔ اتنا بڑا عقیدہ قرآن میں ہونا چاہیے تھا، اخبار آحاد پر ہم کوئی عقیدہ قائم نہیں کر سکتے۔[2] حضرت اصلاحی نے اس حدیث کی سند پر بھی بحث کی ہے، لکھا ہے کہ اس میں ایک راوی تو ابن شہاب ہیں جن کے متعلق میں اپنی رائے کا اظہار کرتا آ رہا ہوں۔ دوسرے راوی سعید بن مسیب ہیں۔ ان سے مجھے پہلے بڑا حسن ظن رہا ہے کہ مدینہ کے جید علماء میں سے ہیں۔ میں ان کی تعریف کرتا کہ فقہ میں ان کا بڑا مقام ہے لیکن میں نے جب ان کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل کی رائے پڑھی تو معلوم ہوا کہ یہ شیعوں کے ساتھ شیعہ اور سنیوں کے ساتھ سنی ہیں تو میں بڑا مایوس ہوا۔[3] ہمارے نزدیک اس سے بڑا کوئی جھوٹ نہیں جو اس ''امام'' نے لکھا ہے۔ ہماری معلومات کے مطابق جرح و تعدیل کے کسی امام نے بھی حضرت سعید بن مسیب کے متعلق ایسا نہیں لکھا۔ عقیدۂ نزول کے متعلق ہم اپنی گزارشات آئندہ کتاب الأنبياء، باب نزول عيسى ابن مريم کے تحت بیان کریں گے۔ باذن اللّٰہ۔

(۱۰۳) بَابٌ: لَا يُذَابُ شَحْمُ الْمَيْتَةِ وَلَا يُبَاعُ وَدَكُهُ

باب: 103- مردار کی چربی نہ پگھلائی جائے اور نہ اس کی چکناہٹ ہی کو فروخت کیا جائے

رَوَاهُ جَابِرٌ [رَضِيَ اللهُ عَنْهُ] عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس مضمون کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

وضاحت: اس روایت کو خود امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے (حدیث: 2236) ذکر کیا ہے۔

۲۲۲۳ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي طَاوُسٌ: أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: بَلَغَ عُمَرَ أَنَّ فُلَانًا بَاعَ خَمْرًا، فَقَالَ: قَاتَلَ اللهُ فُلَانًا، أَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «قَاتَلَ اللهُ الْيَهُودَ، حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ فَجَمَلُوهَا فَبَاعُوهَا». [انظر: ٣٤٦٠]

[2223] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی کہ فلاں آدمی نے شراب بیچی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ فلاں کو ہلاک کرے! کیا وہ نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت کرے کیونکہ ان پر مردار کی چربی حرام کی گئی تو انھوں نے اسے پگھلا کر اس کی خرید وفروخت شروع کر دی۔''

1 فتح الباري: 522/4. 2 تدبر حديث: 509/1. 3 تدبر حديث: 507/1.

فائدہ: صحیح مسلم میں صراحت ہے کہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے شراب فروخت کی تھی۔[1] ان کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بیان جاری کیا تھا، حالانکہ شراب کی حرمت مشہور و معروف تھی۔ اس کی تاویل کے متعلق تین اقوال ہیں: ○ انھوں نے اہل کتاب سے ان پر عائد جزیے کی قیمت کے عوض شراب لی اور پھر اسے ان کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ ان کے گمان کے مطابق ایسا کرنا جائز تھا۔ ○ انھوں نے انگوروں کا شیرہ فروخت کیا تھا جس سے شراب تیار کی جاتی ہے۔ شیرے کو مجازی طور پر شراب کہہ دیا جاتا ہے۔ ○ انھوں نے شراب کا سرکہ بنالیا، پھر اسے فروخت کیا تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہ تھا۔ ایک اور احتمال بھی ہے کہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کو شراب کی حرمت کا علم تھا مگر اس کی خرید و فروخت کے متعلق علم نہ تھا کیونکہ انھیں علم ہوتا اور جان بوجھ کر ایسا کام کرتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ صرف ڈانٹ ڈپٹ پر اکتفا نہ کرتے بلکہ فوراً انھیں معزول کر دیتے۔ بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کام کو اچھا خیال نہ کیا اور فرمایا: اس طرح کی حیلہ سازی تو یہودی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی حرام کی تو انھوں نے اسے پگھلا کر فروخت کرنا شروع کر دیا۔[2]

٢٢٢٤ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «قَاتَلَ اللهُ يَهُودًا، حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ فَبَاعُوهَا وَأَكَلُوا أَثْمَانَهَا».

[2224] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یہود کو تباہ و برباد کرے! ان پر چربی حرام کی گئی تو انھوں نے اسے فروخت کرنا شروع کر دیا اور اس کی قیمتیں کھانے لگے۔''

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: قَاتَلَهُمُ اللهُ: لَعَنَهُمْ. ﴿قُتِلَ﴾: لُعِنَ ﴿الْخَرَّاصُونَ﴾: [الذاريات: ١٠] [الْكَذَّابُونَ].

ابو عبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) بیان کرتے ہیں کہ قاتل کے معنی لعنت کرنا ہے جیسا کہ ﴿قُتِلَ الْخَرَّاصُوْنَ﴾ کے معنی ہیں: ''جھوٹوں پر لعنت کی گئی ہے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی حیلہ سازی اور وسیلہ جوئی جو انسان کو کسی ممنوع کام تک پہنچا دے ناجائز اور حرام ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کی ذات حرام ہے اس کی قیمت کھانا بھی حرام ہے۔ آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے قَاتَلَ کے معنی لَعَنَ کیے ہیں اور یہ معنی انھوں نے قرآن سے اخذ کیے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿قُتِلَ الْخَرَّاصُوْنَ﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے معنی ''لعنت زدگی'' کیے ہیں اور خراصون کے معنی کذابون ہیں۔ اسے امام مجاہد نے اختیار کیا ہے۔[3] ② واضح رہے کہ اس حدیث کے مطابق حرام چیزوں کی شکل تبدیل کر کے انھیں فروخت کرنا اور ان کی قیمت استعمال کرنا حرام ہے۔

---

1 صحيح مسلم، المساقاة، حديث: 4050 (1582). 2 فتح الباري: 523/4. 3 فتح الباري: 525/4.

(١٠٤) بَابُ بَيْعِ التَّصَاوِيرِ الَّتِي لَيْسَ فِيهَا رُوحٌ، وَمَا يُكْرَهُ مِنْ ذٰلِكَ

باب: 104- ایسی تصویروں کی خرید وفروخت جن میں روح نہیں ہوتی اور اس میں جو چیزیں مکروہ ہیں

٢٢٢٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: أَخْبَرَنَا عَوْفٌ عَنْ سَعِيدِ ابْنِ أَبِي الْحَسَنِ قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا إِذْ أَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا أَبَا عَبَّاسٍ! إِنِّي إِنْسَانٌ إِنَّمَا مَعِيشَتِي مِنْ صَنْعَةِ يَدِي، وَإِنِّي أَصْنَعُ هٰذِهِ التَّصَاوِيرَ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَا أُحَدِّثُكَ إِلَّا مَا سَمِعْتُ مِنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ، سَمِعْتُهُ يَقُولُ: «مَنْ صَوَّرَ صُورَةً فَإِنَّ اللهَ مُعَذِّبُهُ حَتَّى يَنْفُخَ فِيهَا الرُّوحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ فِيهَا أَبَدًا». فَرَبَا الرَّجُلُ رَبْوَةً شَدِيدَةً وَّاصْفَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ: وَيْحَكَ إِنْ أَبَيْتَ إِلَّا أَنْ تَصْنَعَ فَعَلَيْكَ بِهٰذَا الشَّجَرِ، كُلِّ شَيْءٍ لَيْسَ فِيهِ رُوحٌ.

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: سَمِعَ سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ مِنَ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ هٰذَا الْوَاحِدَ. [انظر: ٥٩٦٣، ٧٠٤٢]

[2225] حضرت سعید بن ابوالحسن سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں حضرت ابن عباس ؓ کے پاس تھا کہ ان کے ہاں ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: اے ابوعباس! میں ایک ایسا انسان ہوں جس کا پیشہ صرف دستکاری ہے۔ میں یہ تصویریں بناتا ہوں۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: میں تجھے وہی بات کہوں گا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جس نے کوئی تصویر بنائی تو اللہ اسے عذاب دیتا رہے گا تاآنکہ وہ اس میں روح پھونکے اور وہ کبھی اس میں روح نہیں ڈال سکے گا۔'' یہ سن کر اس شخص کی سانس رک گئی اور چہرہ فق ہوگیا۔ حضرت ابن عباس ؓ نے اسے کہا: تیرا بھلا ہو! اگر تجھے تصویریں بنانے پر اصرار ہے تو درختوں یا ان چیزوں کی تصویریں بنالیا کر جن میں روح نہیں ہے۔

ابوعبداللہ (امام بخاری) ؒ نے کہا کہ سعید بن ابی عروبہ نے حضرت نضر بن انس سے یہی ایک حدیث سنی ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذی روح کی تصویر بنانا حرام ہے، خواہ وہ ہاتھ سے ہو یا کیمرے سے، وہ مجسم ہو یا کاغذ پر پرنٹ ہو، کسی حالت میں ذی روح کی تصویر بنانا درست نہیں۔ اس بنا پر تصویر کشی اور فوٹو گرافی کو بطور کاروبار اختیار کرنا بھی شرعاً ناجائز ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں اس کی صراحت ہے کہ حضرت ابن عباس ؓ کے پاس جو آدمی آیا اس کا ذریعہ معاش ہی تصویر کشی تھا، اس پر اسے وعید سنائی گئی۔ ہاں، حضرت ابن عباس ؓ کی نصیحت سے امام بخاری ؒ نے یہ استنباط کیا ہے کہ غیر ذی روح کی تصاویر بنانا اور ان کی خرید وفروخت جائز ہے۔ مذکورہ عنوان میں اس کے جائز ہونے کو بیان کیا گیا ہے۔ ② امام بخاری ؒ نے آخر میں جس حدیث کا حوالہ دیا ہے اسے خود ہی آگے متصل سند سے بیان کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: ''جس نے دنیا میں تصویر کشی کی قیامت کے دن اسے تیار کردہ تصویر میں روح پھونکنے کے متعلق کہا جائے گا لیکن وہ کسی

صورت بھی اس میں روح نہیں ڈال سکے گا۔"[1] ایک روایت میں ہے: "جس نے تصویر بنائی اسے قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا۔"[2] تصویر کشی کے متعلق ہم اپنا موقف کتاب اللباس میں بیان کریں گے۔ باذن اللہ۔

(١٠٥) بَابُ تَحْرِيمِ التِّجَارَةِ فِي الْخَمْرِ

باب: 105-شراب کی تجارت حرام ہے

وَقَالَ جَابِرٌ [رَضِيَ اللهُ عَنْهُ]: حَرَّمَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْعَ الْخَمْرِ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے شراب کی تجارت کو حرام فرمایا ہے۔

وضاحت: اس معلق روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے خود ہی متصل سند سے (حدیث: 2236) بیان کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے وقت اعلان کیا: "اللہ اور اس کے رسول نے شراب کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے۔"

٢٢٢٦ - حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي الضُّحٰى، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: لَمَّا نَزَلَتْ آيَاتُ سُورَةِ الْبَقَرَةِ عَنْ آخِرِهَا خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: حُرِّمَتِ التِّجَارَةُ فِي الْخَمْرِ.

[2226] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ جب سورۂ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو نبی ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا: "شراب کی تجارت کو حرام کر دیا گیا ہے۔"

فوائد و مسائل: ① حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "شراب کی قیمت وصول کرنا اور اسے استعمال کرنا حرام ہے۔"[3] ② اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت اور اس کی خرید و فروخت کی ممانعت ان دونوں میں کچھ آگے پیچھے کا فرق ہے۔ بہرحال اصل یہ ہے کہ جس چیز کا استعمال حرام ہے اس کی تجارت بھی حرام ہے۔ واللہ أعلم۔

(١٠٦) بَابُ إِثْمِ مَنْ بَاعَ حُرًّا

باب: 106- آزاد شخص کو فروخت کرنے کا گناہ

٢٢٢٧ - حَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ مَرْحُومٍ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «قَالَ اللهُ: ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطٰى بِي ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ

[2227] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: میں قیامت کے دن تین آدمیوں کا دشمن ہوں گا: ایک وہ جس نے میرا نام لے کر عہد کیا پھر بے وفائی کی، دوسرا وہ جس نے کسی آزاد کو بیچ دیا اور اس کی قیمت کھائی اور تیسرا وہ جس نے کسی مزدور سے پورا کام لیا لیکن

1. صحيح البخاري، اللباس، حديث: 5963. 2 صحيح البخاري، التعبير، حديث: 7042. 3 مسند أحمد: 117/2.

اِسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفٰى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ». اس کی اجرت نہ دی۔‘‘

فوائد ومسائل: ① حدیث میں مذکور یہ تینوں بڑے اخلاقی جرائم ہیں۔ اللہ کے نام پر کسی سے عہد و پیمان کرنا، پھر اسے توڑ دینا، یہ اللہ تعالیٰ سے بے وفائی ہے۔ ایسے شخص کو سخت عذاب ہوگا کیونکہ اس نے اللہ کے نام کا احترام نہیں کیا، نیز تمام مسلمان آزاد ہونے میں مساوی ہیں لیکن اس سے بڑا ظلم کیا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کسی آزاد کو غلامی کی زنجیر میں جکڑ دے اور اس کے تمام تصرفات ختم کر کے اس کی آزادی سلب کرے۔ تیسرے وہ انسان جو کسی مزدور سے بلا اجرت کام لیتا ہے۔ بہرحال ایسے جرائم پیشہ لوگوں کے خلاف اللہ تعالیٰ خود مدعی ہوگا۔ ایسے لوگوں کی نامرادی اور ناکامی کی کوئی حد نہیں۔ ہاں، اگر کوئی جہالت یا لاعلمی کی وجہ سے کسی آزاد آدمی کو فروخت کرتا ہے تو پھر اس وعید میں داخل نہیں ہوگا۔ ② آزاد آدمی کو غلام بنانے کی دو صورتیں ہیں: ○ غلام کو آزاد کر کے اسے چھپائے رکھے یا اس کی آزادی کا انکار کر دے۔ ○ آزاد کرنے کے بعد زبردستی اس سے خدمت لیتے رہنا۔ لیکن حدیث میں جو صورت بیان کی گئی ہے وہ ان دونوں صورتوں سے زیادہ سنگین ہے کیونکہ اس میں ایک آزاد آدمی کو غلام بنا کر فروخت کرنا، پھر اس کی قیمت ہڑپ کر جانا ہے۔[1]

(۱۰۷) بَابُ أَمْرِ النَّبِيِّ ﷺ الْيَهُودَ بِبَيْعِ أَرَضِيهِمْ حِينَ أَجْلَاهُمْ

باب: 107- یہودیوں کو جلا وطن کرتے وقت نبی ﷺ کا انھیں اپنی زمینیں فروخت کرنے کا حکم دینا

فِيهِ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

اس سلسلے میں حضرت (سعید) مقبری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بیان کی ہے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے اسے کتاب الجہاد میں بایں الفاظ بیان کیا ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم مسجد میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ حجرے سے باہر تشریف لائے اور فرمایا: ’’آؤ یہودیوں کے پاس چلیں۔ چنانچہ ہم یہودیوں کے بیت المدراس میں گئے تو آپ نے ان سے فرمایا: ’’یہودیو! مسلمان ہو جاؤ سلامتی میں رہو گے۔ یقین کر لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے اور میں تمھیں اس سرزمین سے جلا وطن کرنا چاہتا ہوں۔ جس کے پاس کوئی چیز ہو وہ اسے فروخت کر دے ورنہ جان لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔‘‘[2] یہ وہ یہودی ہیں جو بنو قینقاع، بنو قریظہ اور بنو نضیر کے جلا وطن ہونے کے بعد مدینہ طیبہ میں رہ گئے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے زمین کی بیع کو بھی عام اموال کی مثل قرار دیا ہے۔ حدیث میں اگرچہ زمین کا ذکر نہیں ہے، تاہم اس میں لفظ ’’مال‘‘ عام ہے جو زمین کو بھی شامل ہے۔ واضح رہے کہ صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں یہ عبارت نہیں پائی جاتی۔ واللہ أعلم.

---

1 فتح الباري : 528/4. 2 صحيح البخاري، الجزية والموادعة، حديث : 3167.

(١٠٨) بَابُ بَيْعِ الْعَبْدِ وَالْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيئَةً

باب: 108- غلام (کو غلام کے بدلے) اور جانور کو جانور کے عوض ادھار فروخت کرنا

وَاشْتَرَى ابْنُ عُمَرَ رَاحِلَةً بِأَرْبَعَةِ أَبْعِرَةٍ مَضْمُونَةٍ عَلَيْهِ يُوفِيهَا صَاحِبَهَا بِالرَّبَذَةِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَدْ يَكُونُ الْبَعِيرُ خَيْرًا مِّنَ الْبَعِيرَيْنِ. وَاشْتَرَى رَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ بَعِيرًا بِبَعِيرَيْنِ فَأَعْطَاهُ أَحَدَهُمَا، وَقَالَ: آتِيكَ بِالْآخَرِ غَدًا رَهْوًا إِنْ شَاءَ اللهُ. وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ: لَا رِبَا فِي الْحَيَوَانِ، اَلْبَعِيرُ بِالْبَعِيرَيْنِ، وَالشَّاةُ بِالشَّاتَيْنِ إِلَى أَجَلٍ. وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ: لَا بَأْسَ بَعِيرٌ بِبَعِيرَيْنِ وَدِرْهَمٌ بِدِرْهَمٍ نَسِيئَةً.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک اونٹنی چار اونٹیوں کے عوض خریدی اور یہ ضمانت لی کہ ان کا مالک انھیں ربذہ پہنچا دے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کبھی ایک اونٹ دو اونٹوں سے بہتر ہوتا ہے۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ دو اونٹوں کے عوض خرید کیا، ایک تو موقع پر اسی وقت دے دیا اور کہا دوسرا بلا تاخیر ان شاء اللہ کل دوں گا۔ حضرت ابن مسیب نے کہا: حیوانات میں سود نہیں، ایک اونٹ دو اونٹوں کے عوض اور ایک بکری دو بکریوں کے عوض ادھار خریدنا جائز ہے۔ حضرت ابن سیرین نے فرمایا کہ ایک اونٹ کو دو اونٹوں کے عوض اور ایک درہم کو ایک درہم کے عوض ادھار خریدنے میں کوئی حرج نہیں۔

وضاحت: قبل ازیں بیان ہوا تھا کہ اجناس کی باہمی خرید و فروخت کے متعلق دو اصول ہیں: ○ اگر ایک جنس کا اس کے ساتھ تبادلہ مقصود ہو تو دو چیزوں کا خیال رکھنا ہوگا۔ (ا) دونوں برابر، برابر ہوں۔ (ب) سودا نقد بنقد ہو۔ ○ اگر دو اجناس کا باہمی تبادلہ کرنا ہو تو ایک چیز کو پیش نظر رکھنا ہوگا کہ سودا نقد بنقد ہو۔ البتہ اس میں کمی بیشی جائز ہے۔ اس عنوان میں غلام اور حیوانات کے متعلق اجازت دی گئی ہے کہ ان کے تبادلے میں کمی بیشی اور ادھار دونوں کی رعایت ہے۔ ایک اعلیٰ نسل کا اونٹ دو یا اس سے زائد اونٹوں کے بدلے نقد یا ادھار فروخت کیا جا سکتا ہے کیونکہ حیوانات میں سود نہیں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے جواز کے لیے پانچ آثار پیش کیے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1] اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر امام شافعی رحمہ اللہ نے موصولاً ذکر کیا ہے۔[2] حضرت رافع بن خدیج کی خرید و فروخت کا معاملہ مصنف عبدالرزاق (22/8) میں متصل سند سے مذکور ہے۔ حضرت سعید بن مسیب کا قول مصنف عبدالرزاق: (20/8) میں بیان ہوا ہے اور ابن سیرین کا اثر بھی مصنف عبدالرزاق (23/8) میں موجود ہے۔[3]

٢٢٢٨ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ [رَضِيَ اللهُ

[2228] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ (غزوۂ خیبر کے وقت) قیدیوں میں حضرت صفیہ

① الموطأ للإمام مالك: 184/2. ② الأم للإمام الشافعي: 118/3. ③ فتح الباري: 530/4.

عَنْهُ] قَالَ: كَانَ فِي السَّبْيِ صَفِيَّةُ، فَصَارَتْ إِلٰى دِحْيَةَ الْكَلْبِيِّ، ثُمَّ صَارَتْ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ.

[راجع: ٣٧١]

ؓ بھی تھیں۔ وہ دحیہ کلبی کے حصے میں آئیں، پھر نبی ﷺ کو مل گئیں۔

فوائد ومسائل: ① مذکورہ روایت انتہائی مختصر ہے۔ دوسری روایات میں تفصیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ ؓ کو دحیہ کلبی ؓ سے سات غلاموں کے عوض خریدا۔[1] اسی طرح حضرت جابر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو غلاموں کے عوض ایک غلام خرید کیا۔[2] ② حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک لشکر کی تیاری کا حکم دیا، اونٹ ختم ہو گئے تو آپ نے انھیں صدقے کے اونٹ آنے پر ادھار اونٹ لینے کا حکم فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ کہتے ہیں کہ میں ایک اونٹ صدقے کے دو اونٹوں کے بدلے میں لیتا تھا، یعنی دو اونٹوں کی ادائیگی صدقے کے اونٹ آنے پر ہوگی۔[3] ایک روایت ان روایات کے معارض ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حیوان کو حیوان کے بدلے ادھار کی فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔[4] محدثین کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس روایت میں ادھار سے مراد دونوں طرف سے ادھار ہے اور ایسا کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں۔[5] ہمارے رجحان کے مطابق حیوان کی حیوان کے عوض خرید وفروخت ادھار اور کمی بیشی کے ساتھ مطلق طور پر جائز ہے۔ واللہ أعلم.

(١٠٩) بَابُ بَيْعِ الرَّقِيقِ

باب: 109- غلام کی خرید وفروخت

٢٢٢٩ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ مُحَيْرِيزٍ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّا نُصِيبُ سَبْيًا، فَنُحِبُّ الْأَثْمَانَ فَكَيْفَ تَرَى فِي الْعَزْلِ؟ فَقَالَ: «أَوَ إِنَّكُمْ تَفْعَلُونَ ذٰلِكَ؟ لَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَفْعَلُوا ذٰلِكُمْ، فَإِنَّهَا لَيْسَتْ نَسَمَةٌ كَتَبَ اللهُ أَنْ تَخْرُجَ إِلَّا هِيَ خَارِجَةٌ».

[انظر: ٥٢١٠]

[2229] حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ وہ ایک دفعہ نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو عرض کیا: اللہ کے رسول! ہمیں جو لونڈیاں ملتی ہیں (ہم ان سے جماع کرتے ہیں لیکن) ان کے عوض قیمت وصول کرنا بھی پسند کرتے ہیں، ایسے حالات میں عزل کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا: ”کیا تم ایسا کرتے ہو؟ تم ایسا نہ کرو تو بھی کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ جس روح کا آنا اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے وہ تو آ کے رہے گی۔ (تم عزل کرو یا نہ کرو)۔“

[1] مسند أحمد: 123/3. [2] صحيح مسلم، المساقاة، حديث: 4113 (1602). [3] سنن أبي داود، البيوع، حديث: 3357. [4] السنن الكبرٰى للبيهقي: 288/5. [5] معالم السنن: 29/5.

فوائد ومسائل: ① عزل یہ ہے کہ عورت سے جنسی تعلق تو قائم کرلیا جائے لیکن انزال سے قبل آدمی عورت سے الگ ہو جائے تاکہ حمل قرار نہ پا سکے۔ یہ تدبیر مرد وعورت دونوں کے لیے تکلیف دہ اور خلاف فطرت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی لونڈیوں سے جنسی تعلقات تو قائم کرنا چاہتے ہیں لیکن انھیں فروخت کر کے دام کھرے بھی کرنا چاہتے ہیں، البتہ یہ نہیں چاہتے کہ جماع کے نتیجے میں ان سے کوئی اولاد پیدا ہو جائے کیونکہ ایسا ہونے سے وہ ام ولد بن جائے گی جسے فروخت نہیں کیا جا سکتا۔ کیا ایسے حالات میں عزل کیا جا سکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے انھیں تعلیم دی کہ اگر تم لونڈی فروخت کرنے کے خواہش مند ہو تو حمل سے بچنے کے لیے ضبط نفس سے کام لو کیونکہ جو تدبیر تم نے اختیار کی ہے یہ اتنی کارگر ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ دریا میں اترنے کے بعد اپنا دامن تر ہونے سے کون بچا سکتا ہے۔ ② بہرحال امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے لونڈی اور غلام کی خرید وفروخت کو ثابت کیا ہے۔ دیگر مباحث ہم کتاب النکاح میں بیان کریں گے۔ بإذن اللّٰہ۔

(١١٠) بَابُ بَيْعِ الْمُدَبَّرِ

باب: 110- مدبر غلام کی خرید وفروخت کا بیان

وضاحت: مدبر اس غلام کو کہتے ہیں جس کا مالک وصیت کر دے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو گے۔ اس کے متعلق سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اسے فروخت کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بوقت ضرورت اس قسم کے غلام کو فروخت کرنا جائز ہے جیسا کہ حدیث میں اس کی وضاحت ہو گی۔

٢٢٣٠ - حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَاعَ النَّبِيُّ ﷺ الْمُدَبَّرَ. [راجع: ٢١٤١]

[2230] حضرت جابر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے ایک مدبر غلام کو فروخت کیا۔

٢٢٣١ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو: سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: بَاعَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ. [راجع: ٢١٤١]

[2231] حضرت جابر ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ ﷺ نے آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہونے والے غلام کو فروخت کر دیا تھا۔

فوائد ومسائل: ① احادیث میں صراحت ہے کہ غلام کا نام یعقوب، اس کے آقا کا نام ابو مذکور انصاری، جس نے خریدا وہ نعیم بن عبداللہ اور انھوں نے آٹھ سو درہم کے عوض خریدا تھا۔ اس کا مالک چونکہ مقروض تھا اور اس کی غلام کے علاوہ اور کوئی جائیداد نہ تھی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے فروخت کر دیا۔ ② اس سے قرض کی نزاکت کا پتہ چلتا ہے کہ اس کی خاطر مدبر غلام کو نیلام کیا جا سکتا ہے، حالانکہ اس غلام نے اپنے آقا کی وفات کے بعد آزاد ہو جانا تھا۔

٢٢٣٢، ٢٢٣٣ - حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَ ابْنُ شِهَابٍ أَنَّ عُبَيْدَ اللهِ أَخْبَرَهُ أَنَّ زَيْدَ ابْنَ خَالِدٍ وَّأَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَاهُ أَنَّهُمَا سَمِعَا رَسُولَ اللهِ ﷺ يُسْأَلُ عَنِ الْأَمَةِ تَزْنِي وَلَمْ تُحْصَنْ، قَالَ: «اجْلِدُوهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا ثُمَّ بِيعُوهَا بَعْدَ الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ». [راجع: ٢١٥٢]

[2233,2232] حضرت زید بن خالد اور حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا جبکہ آپ سے اس لونڈی کے متعلق سوال کیا گیا جو زنا کرے اور شادی شدہ نہ ہو، تو آپ نے فرمایا: ''اسے کوڑے لگاؤ۔ اگر پھر زنا کرے تو کوڑے لگاؤ۔'' پھر تیسری یا چوتھی مرتبہ کے بعد فرمایا: ''اسے فروخت کردو۔''

٢٢٣٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنِي اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ [رَضِيَ اللهُ عَنْهُ] قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «إِذَا زَنَتْ أَمَةُ أَحَدِكُمْ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ وَلَا يُثَرِّبْ عَلَيْهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ وَلَا يُثَرِّبْ، ثُمَّ إِنْ زَنَتِ الثَّالِثَةَ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا فَلْيَبِعْهَا وَلَوْ بِحَبْلٍ مِّنْ شَعَرٍ». [راجع: ٢١٥٢]

[2234] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے اور وہ ثابت ہو جائے تو اسے بطور حد کوڑے مارے، البتہ اسے طعن و ملامت نہ کرے۔ اگر پھر زنا کا ارتکاب کرے تو اس مرتبہ بھی بطور حد کوڑے لگائے لیکن کسی قسم کی لعنت و ملامت نہ کرے۔ پھر اگر تیسری مرتبہ زنا کرے اور اس کا زنا واضح ہو جائے تو اسے فروخت کر دے، خواہ بالوں کی ایک رسی کے عوض ہی کیوں نہ ہو۔''

فوائد ومسائل: ① اگر لونڈی بار بار بدکاری کی مرتکب ہو تو مفت میں بھی اس سے جان چھڑائی جائے تو اچھا ہے۔ ② واضح رہے کہ اس حدیث میں جو حد لگانے کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ مالک خود ہی اسے کوڑے مارنا شروع کر دے بلکہ حد جاری کرنے کا حق عدالت کو ہے۔ حد جاری ہو جانے کے بعد اسے مزید طعن و ملامت کرنے یا کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ مجرم نے اپنے گناہ کا کفارہ ادا کر دیا ہے اور وہ قانون کی رو سے کیفر کردار کو پہنچ گیا ہے۔ ③ اس حدیث کا عنوان سے بایں طور تعلق ہے کہ اس میں لونڈی کو فروخت کرنے کا حکم عام ہے اور اس لونڈی کو بھی شامل ہے جو مدبرہ ہو۔ علامہ عینی ؒ نے اس استدلال پر اعتراض کیا ہے کہ حدیث میں جواز بیع کو دوبار یا سہ بار زنا کرنے پر موقوف رکھا گیا ہے جبکہ قائلین کے نزدیک تو مدبر کی بیع ہر حال میں درست ہے، خواہ وہ زنا کرے یا نہ کرے۔[1] لیکن علامہ موصوف کا یہ اعتراض درست نہیں

1 عمدة القاري: 526/8.

کیونکہ مدبرہ لونڈی اگر دوبار یا سہ بار زنا کرائے تو اسے فروخت کرنے کا جواز اس حدیث سے معلوم ہوا اور جو لوگ مدبر کی بیع کو جائز خیال نہیں کرتے وہ زنا کرنے کی صورت میں بھی اس کے جواز کے قائل نہیں ہیں، اس لیے یہ حدیث تو ان کے موقف کے خلاف ہے اور جو مدبر کی بیع کے قائل ہیں ان کے موافق ہے، چنانچہ اس میں مطلق لونڈی کا ذکر ہے اور وہ مدبرہ کو بھی شامل ہے۔ واللّٰه أعلم.

(١١١) بَابٌ: هَلْ يُسَافِرُ بِالْجَارِيَةِ قَبْلَ أَنْ يَسْتَبْرِئَهَا؟

باب: 111- کیا آقا اپنی لونڈی کو استبرائے رحم سے پہلے سفر میں لے جا سکتا ہے؟

وَلَمْ يَرَ الْحَسَنُ بَأْسًا أَنْ يُقَبِّلَهَا أَوْ يُبَاشِرَهَا. وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: إِذَا وُهِبَتِ الْوَلِيدَةُ الَّتِي تُوطَأُ أَوْ بِيعَتْ أَوْ عَتَقَتْ فَلْيُسْتَبْرَأْ رَحِمُهَا بِحَيْضَةٍ، وَلَا تُسْتَبْرَأُ الْعَذْرَاءُ. وَقَالَ عَطَاءٌ: لَا بَأْسَ أَنْ يُصِيبَ مِنْ جَارِيَتِهِ الْحَامِلِ مَا دُونَ الْفَرْجِ. وَقَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿إِلَّا عَلَىٰٓ أَزْوَٰجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَـٰنُهُمْ﴾ [المؤمنون:٦].

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آقا کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایسی لونڈی کو بوسہ دے یا اس سے بغل گیر ہو۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب ایسی لونڈی کو ہبہ کر دیا گیا جس کے ساتھ صحبت کی گئی ہو یا اسے فروخت کر دیا گیا یا آزاد کر دیا گیا تو اس کے غیر حاملہ ہونے کا ثبوت ایک حیض آنے پر حاصل ہوگا اور کنواری کے لیے استبرائے رحم کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت عطاء کی رائے یہ ہے کہ اپنی حاملہ لونڈی کے ساتھ شرم گاہ کے علاوہ باقی جسم سے تمتع کیا جا سکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”مگر اپنی بیویوں سے یا لونڈیوں سے۔“

وضاحت: استبرائے رحم کا مطلب یہ ہے کہ زن وشو کا تعلق قائم کرنے سے پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ اس کے رحم میں بچہ تو نہیں ہے۔ اس کے لیے کم از کم ایک حیض آنے کا انتظار کیا جائے۔ ہاں، اگر لونڈی کنواری ہے تو اس کے لیے استبراء کی ضرورت نہیں۔ سفر وحضر میں جماع سے قبل استبرائے رحم ضروری ہے۔ ② عنوان میں سفر کا ذکر اس لیے ہے کہ دوران سفر میں اختلاط وغیرہ سے جماع کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصری کا قول امام ابن ابی شیبہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1] اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر بھی مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔[2] عطاء بن ابی رباح کے کلام میں حاملہ لونڈی سے مراد وہ لونڈی ہے جو اس کے مالک کے علاوہ کسی دوسرے سے حاملہ ہوئی ہو کیونکہ اگر وہ اپنے مالک سے حاملہ ہے تو اس سے جماع کرنے کے جواز میں کوئی شک ہی نہیں۔[3]

① المصنف لابن أبي شيبة: 138/6. ② المصنف لابن أبي شيبة: 133/6. ③ فتح الباري: 536/4.

٢٢٣٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْغَفَّارِ بْنُ دَاوُدَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْبَرَ، فَلَمَّا فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ الْحِصْنَ ذُكِرَ لَهُ جَمَالُ صَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيِّ بْنِ أَخْطَبَ، وَقَدْ قُتِلَ زَوْجُهَا وَكَانَتْ عَرُوسًا، فَاصْطَفَاهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ لِنَفْسِهِ، فَخَرَجَ بِهَا حَتَّى بَلَغْنَا سَدَّ الرَّوْحَاءِ حَلَّتْ فَبَنٰى بِهَا ثُمَّ صَنَعَ حَيْسًا فِي نِطَعٍ صَغِيرٍ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «آذِنْ مَنْ حَوْلَكَ»، فَكَانَتْ تِلْكَ وَلِيمَةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ عَلٰى صَفِيَّةَ، ثُمَّ خَرَجْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ، قَالَ: فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يُحَوِّي لَهَا وَرَاءَهُ بِعَبَاءَةٍ، ثُمَّ يَجْلِسُ عِنْدَ بَعِيرِهِ فَيَضَعُ رُكْبَتَهُ فَتَضَعُ صَفِيَّةُ رِجْلَهَا عَلٰى رُكْبَتِهِ حَتَّى تَرْكَبَ.

[راجع: ٣٧١]

[2235] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ خیبر تشریف لائے۔ جب اللہ تعالیٰ نے خیبر کے قلعوں پر آپ کو فتح عطا فرمائی تو آپ سے حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب ؓ کا حسن و جمال ذکر کیا گیا۔ ان کا شوہر قتل ہو چکا تھا اور وہ خود دلھن بنی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنے لیے منتخب فرما لیا۔ آپ انھیں خیبر سے ساتھ لے کر چلے۔ جب سدروحاء پر پہنچے تو حضرت صفیہ حیض سے پاک ہو گئیں۔ آپ نے ان سے خلوت اختیار کی۔ پھر ایک چھوٹے سے دسترخوان پر حلوہ تیار کر کے رکھ دیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے اردگرد لوگوں میں اعلان کرو (کہ وہ آ کر اسے کھائیں)۔'' بس یہی حضرت صفیہ کے متعلق آپ کی طرف سے دعوت ولیمہ تھی۔ پھر ہم مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ اپنے پیچھے اپنی عباء سے حضرت صفیہ ؓ کے لیے جگہ ہموار کر رہے تھے۔ پھر آپ نے اونٹ کے پاس بیٹھ کر اپنا گھٹنا رکھ دیا تو حضرت صفیہ ؓ نے اپنا پاؤں آپ کے گھٹنے پر رکھا اور اونٹ پر سوار ہو گئیں۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آقا اپنی لونڈی کو سفر میں اپنے ہمراہ لے جا سکتا ہے لیکن استبرائے رحم سے قبل اس سے مجامعت کی اجازت نہیں۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ ؓ کو اپنے لیے منتخب فرما لیا تھا جبکہ حدیث انس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ ؓ حضرت دحیہ کلبی ؓ کو دی تھیں؟ اس تعارض کو اس طرح ختم کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے تو حضرت دحیہ کو دی تھیں، پھر جب پتہ چلا کہ وہ تو سردار کی بیٹی ہیں تو اس وقت کے قانون کے مطابق سردار کی بیٹی اگر گرفتار ہو کر آتی تو سردار ہی کے حصے میں آتی، اس بنا پر آپ نے انھیں حضرت دحیہ ؓ سے سات غلاموں کے عوض واپس لے لیا۔ واللّٰہ أعلم.

(١١٢) بَابُ بَيْعِ الْمَيْتَةِ وَالْأَصْنَامِ

٢٢٣٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ ابْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ وَهُوَ بِمَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ: «إِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ»، فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَرَأَيْتَ شُحُومَ الْمَيْتَةِ فَإِنَّهَا يُطْلَى بِهَا السُّفُنُ وَيُدْهَنُ بِهَا الْجُلُودُ، وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ، فَقَالَ: «لَا، هُوَ حَرَامٌ» ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عِنْدَ ذٰلِكَ: «قَاتَلَ اللهُ الْيَهُودَ، إِنَّ اللهَ لَمَّا حَرَّمَ شُحُومَهَا جَمَلُوهُ ثُمَّ بَاعُوهُ فَأَكَلُوا ثَمَنَهُ».

وَقَالَ أَبُو عَاصِمٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ: كَتَبَ إِلَيَّ عَطَاءٌ: سَمِعْتُ جَابِرًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [انظر: ٤٢٩٦، ٤٦٣٣]

باب:112-مرداراور بتوں کی خرید وفروخت

[2236] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے مکہ مکرمہ میں عام الفتح کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید وفروخت کو حرام کر دیا ہے۔'' عرض کیا گیا: اللہ کے رسول! مردار کی چربی کا کیا حکم ہے؟ لوگ اسے کشتیوں پر ملتے ہیں، کھالوں پر لگاتے ہیں اور اپنے گھروں میں اس سے چراغ بھی جلا لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''نہیں، یہ بھی حرام ہے۔'' پھر اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یہود کو تباہ و برباد کرے! جب اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی کو حرام کیا تو انھوں نے اسے پگھلا کر فروخت کیا اور قیمت کھائی۔''

حضرت عطاء نے یزید کو لکھا کہ میں نے حضرت جابر ؓ سے سنا، وہ نبی ﷺ سے یہ روایت کر رہے تھے۔

فوائد و مسائل: ① شراب، مردار اور خنزیر کی خرید وفروخت اس لیے حرام ہے کہ یہ تمام چیزیں نجس اور پلید ہیں، اسی طرح بتوں کی جب تک صورتیں برقرار ہیں ان سے بھی نفع کمانا جائز نہیں۔ جب انھیں توڑ دیا جائے تو بطور ایندھن خرید و فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ② واضح رہے کہ یہود پر چربی حرام تھی، انھوں نے فتویٰ دیا کہ اس کا صرف کھانا حرام ہے گویا فائدہ اٹھانے کا ایک حیلہ انھوں نے تلاش کر لیا۔ اسی طرح لوگوں نے جب رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مردار کی چربی ہم ان ان کاموں میں استعمال کرتے ہیں تو آپ نے اس موقع پر یہود کا حوالہ دیا کہ حرام کو جائز کرنے کا یہ حیلہ بنتا ہے، اس لیے ایسا کرنا جائز نہیں۔ حلال جانور جب مر جائے تو اس کی کھال کو رنگ کر استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ حدیث میں اس کا جواز ملتا ہے۔

(١١٣) بَابُ ثَمَنِ الْكَلْبِ

باب:113- کتے کی قیمت وصول کرنا

٢٢٣٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ، وَمَهْرِ الْبَغِيِّ، وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ.

[انظر: ٢٢٨٢، ٥٣٤٦، ٥٧٦١]

[2237] حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت، فاحشہ عورت کی کمائی اور کاہن کی نذر و نیاز سے منع فرمایا ہے۔

٢٢٣٨ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَوْنُ بْنُ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ: رَأَيْتُ أَبِي اشْتَرٰى حَجَّامًا فَأَمَرَ بِمَحَاجِمِهِ فَكُسِرَتْ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الدَّمِ، وَثَمَنِ الْكَلْبِ، وَكَسْبِ الْأَمَةِ، وَلَعَنَ الْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ، وَآكِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ وَلَعَنَ الْمُصَوِّرَ. [راجع: ٢٠٨٦]

[2238] حضرت عون بن ابو جحیفہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد گرامی کو دیکھا کہ انھوں نے سینگی لگانے والا ایک غلام خریدا، تو اس کے آلات توڑنے کا حکم دیا۔ میں نے اس کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے خون اور کتے کی قیمت اور لونڈی (زانیہ) کی کمائی سے منع فرمایا ہے۔ اور جلد میں سوئی کے ساتھ سرمہ بھرنے والی اور بھروانے والی، سود کھانے اور کھلانے والے، نیز تصویر بنانے والے سب پر لعنت کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① ان دو احادیث میں پانچ احکام بیان ہوئے ہیں جن کے متعلق شریعت نے حکم امتناعی جاری کیا ہے: ○ کتے کی قیمت۔ ○ فاحشہ عورت کی کمائی۔ ○ کاہن کی شیرینی۔ ○ خون کی خرید وفروخت۔ ○ لونڈی سے پیشہ کرانا۔ اس کے علاوہ تین کاموں کی نشاندہی کی گئی ہے جو باعث لعنت و پھٹکار ہیں۔ (ا) خوبصورتی کے لیے جسم کے کسی حصے میں سرمہ بھرنے بھرانے کا پیشہ کرنا۔ (ب) سودی کاروبار کرنا، یعنی اسے لینا دینا۔ (ج) فوٹو گرافی اور تصویر کشی کو اختیار کرنا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد صرف کتے کی قیمت کے متعلق ہمیں آگاہ کرنا ہے کہ یہ حرام اور ناجائز ہے۔ جمہور محدثین کے نزدیک ہر قسم کے کتے کی قیمت حرام ہے، خواہ سدھایا ہوا ہو یا اس کے علاوہ ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر کوئی اسے مار ڈالے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہوگا۔[1]

1 فتح الباري: 538/4.

لیکن اس دور میں کتوں سے بہت کام لیے جاتے ہیں، مثلاً: جاسوسی، سراغ رسانی اور شکار کرنے کے لیے ان کا استعمال بہت مشہور ہے۔ کسٹم اور دیگر شعبہ جات میں کتوں کی بہت اہمیت ہے۔ گھر کی حفاظت کے لیے کتے رکھنا بھی ہمارے ہاں معمول ہے اور اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ جس چیز سے فائدہ اٹھانا جائز ہے اس کی خرید و فروخت بھی جائز ہے۔ احادیث کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں شکاری کتے کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شکاری کتے کے علاوہ کسی بھی کتے کی قیمت لینے سے منع کیا ہے۔[1] اس روایت کو اگرچہ امام نسائی رحمہ اللہ نے منکر کہا ہے تاہم محدث العصر علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔[2] ③ واضح رہے کہ کتوں میں سونگھنے کی بہت قوت ہوتی ہے۔ یہ سونگھ کر مجرم کا کھوج لگاتے ہیں۔ ان کی باقاعدہ ٹریننگ ہوتی ہے۔ ان پر بہت خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے، پھر ان تربیت یافتہ کتوں کی بہت بھاری قیمتیں ہوتی ہیں۔ بہرحال شوقیہ کتے رکھنے یا دوڑ میں مقابلے کے لیے انھیں پالنے کی شرعاً اجازت نہیں، البتہ کسی ضرورت کے پیش نظر انھیں رکھنا جائز ہے۔

① سنن النسائي، البيوع، حديث: 4672. ② صحيح سنن النسائي، البيوع، حديث: 4353.

بیع سلم کی اہمیت وافادیت

سلم، لفظی اور معنوی طور پر سلف ہی ہے جس کے معنی پیشگی رقم دینے کے ہیں۔ دراصل سلف اہل عراق اور سلم اہل حجاز کی لغت ہے۔ سلف بیوع کی ایک قسم ہے جس میں قیمت پہلے ادا کی جاتی ہے اور سودا تاخیر سے معین مدت پر لیا جاتا ہے۔ جو قیمت پہلے ادا کی جاتی ہے اسے رأس المال اور جو چیز تاخیر سے فروخت کی جاتی ہے اسے مسلم فیہ کہتے ہیں۔ قیمت ادا کرنے والے کو رب السلم اور جنس ادا کرنے والے کو مسلم الیہ کہتے ہیں۔

اسلام کا قاعدہ ہے کہ جو چیز معدوم ہو اس کی خرید و فروخت نہیں کی جا سکتی، لیکن اقتصادی ضرورت اور معاشی مصلحت کے پیش نظر لوگوں کی سہولت کے لیے اسے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اور اس بیع کی مشروعیت پر امت کا اجماع ہے۔ اس کے جواز کے لیے چند ایک شرائط ہیں جنھیں ہم آئندہ بیان کریں گے۔ دور حاضر میں بڑے بڑے کاروبار خصوصاً بیرون ممالک سے تجارت سلم ہی کی بنیاد پر ہو رہی ہے۔ بین الاقوامی تجارت میں رقم پیشگی ادا کر دی جاتی ہے یا بنک گارنٹی مہیا کی جاتی ہے۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ قیمت کا کچھ حصہ پیشگی دیا جاتا ہے اور باقی چیز وصول ہونے کے بعد واجب الادا ہوتا ہے۔ جملہ شرائط ایک معاہدے کی شکل میں تحریر کر لی جاتی ہیں، فریقین اس تحریر کے پابند ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ بیرون ممالک سے تجارت نہیں کی جا سکتی۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر اس کے متعلق الگ عنوان قائم کیا ہے اگرچہ کتاب البیوع میں اسے عام ابواب کی حیثیت سے بھی بیان کیا جا سکتا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں اکتیس احادیث بیان کی ہیں جن میں چار معلق اور باقی ستائیس موصول ہیں۔ اس عنوان کے تحت متعدد احادیث مکرر بیان ہوئی ہیں، صرف پانچ خالص ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ مرفوع احادیث کے علاوہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام سے چھ آثار بھی مروی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث پر چھوٹے چھوٹے آٹھ عنوان قائم کیے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

① معین ماپ میں بیع سلم کرنا۔ ② تول یا وزن مقرر کر کے بیع سلم کرنا۔ ③ ایسے شخص سے بیع سلم کرنا جس کے پاس اصل مال نہیں ہے۔ ④ درخت پر لگی کھجوروں کی بیع سلم کرنا۔ ⑤ بیع سلم میں کسی کو ضامن بنانا۔ ⑥ بیع سلم میں کوئی چیز گروی رکھنا۔ ⑦ مقررہ مدت تک کے لیے بیع سلم کرنا۔ ⑧ اونٹنی کے بچہ جننے کی مدت تک کے لیے بیع سلم کرنا۔

بہر حال بیع سلم کے وقت جنس کا پایا جانا ضروری نہیں، تاہم یہ ضروری ہے کہ اختتام مدت پر اس چیز کا عام دستیاب ہونا ممکن ہو۔ بہر حال ہماری مذکورہ معروضات کو سامنے رکھتے ہوئے امام بخاری ؒ کے قائم کردہ عنوانات اور اس میں پیش کردہ احادیث کا مطالعہ کریں۔ اس سلسلے میں امام بخاری ؒ کی قوت اجتہاد اور مصالح وضروریات سے آگہی کا پتہ چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین یا رب العالمین۔

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

35 - كِتَابُ السَّلَمِ

بیع سلم سے متعلق احکام ومسائل

(١) بَابُ السَّلَمِ فِي كَيْلٍ مَّعْلُومٍ

٢٢٣٩ - حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ: أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَدِمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمَدِينَةَ وَالنَّاسُ يُسْلِفُونَ فِي الثَّمَرِ الْعَامَ وَالْعَامَيْنِ - أَوْ قَالَ: عَامَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً، شَكَّ إِسْمَاعِيلُ - فَقَالَ: «مَنْ سَلَّفَ فِي تَمْرٍ فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَّعْلُومٍ وَّوَزْنٍ مَّعْلُومٍ».

حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ بِهٰذَا: «فِي كَيْلٍ مَّعْلُومٍ وَّوَزْنٍ مَّعْلُومٍ». [انظر: ٢٢٤٠، ٢٢٤١، ٢٢٥٣]

باب: 1- معین ماپ میں بیع سلم کرنا

[2239] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو (مدینہ کے) لوگ پھلوں میں سال یا دو سال کے لیے بیع سلم کرتے تھے...... یا انھوں نے فرمایا کہ دو سال یا تین سال کے لیے بیع سلم کرتے تھے۔ اسماعیل (ابن علیہ) کو شک ہوا تھا...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو کوئی کھجوروں کے لیے پیشگی ادائیگی کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ معین ماپ اور معین وزن کی وضاحت کے ساتھ بیع سلم کرے۔“

محمد نے بھی اسماعیل ابن علیہ کے طریق سے انھی الفاظ میں یہ روایت بیان کی ہے، یعنی معین ماپ اور مقرر وزن میں بیع سلم کرے۔

فوائد ومسائل: ① بیع سلم میں نقد رقم کو رأس المال اور بیع کو مسلم فیہ کہتے ہیں، اس کی چند ایک شرائط ہیں: ○ ماپ یا تول یا گن کر دی جانے والی چیزوں میں ماپ، وزن اور تعداد کا تعین ضروری ہے۔ ○ جو چیز پیشگی قیمت کے عوض ادا کرنی ہے اس کی جنس بیان کی جائے، وہ گندم ہے یا جو یا کھجور۔ ○ اس کی نوعیت اور اوصاف بتانا بھی ضروری ہیں کہ کون سی گندم یا کس قسم کی کھجور

دینی ہے۔ ○ مدت ادائیگی طے کر لی جائے کہ ایک مہینہ یا دو مہینے میں ادائیگی ہوگی، یعنی تاریخ کا تعین بھی ضروری ہے۔ ○ اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ وہ چیز کس جگہ یا مقام پر ادا کی جائے گی۔ ○ رأس المال بھی پیشگی مسلم الیہ کے حوالے کر دیا جائے۔ ② حدیث میں صرف ایک شرط کا بیان ہے کہ کیلی یا وزنی اشیاء کا ماپ اور وزن معین کرنا ضروری ہے، اگر وزن اور ماپ مقرر نہ کیا جائے تو بہت سے مفاسد پیدا ہو سکتے ہیں۔

(٢) بَابُ السَّلَمِ فِي وَزْنٍ مَّعْلُومٍ

باب: 2- تول یا وزن مقرر کر کے بیع سلم کرنا

٢٢٤٠ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يُسْلِفُونَ بِالثَّمْرِ السَّنَتَيْنِ وَالثَّلَاثَ، فَقَالَ: «مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ فَفِي كَيْلٍ مَّعْلُومٍ وَّوَزْنٍ مَّعْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ مَّعْلُومٍ». [راجع: ٢٢٣٩]

[2240] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہاں کے باشندے دو تین سال کی میعاد پر کھجوروں کے متعلق پیشگی رقم ادا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''جب کوئی کسی چیز کے متعلق بیع سلم کرے تو معین ناپ، معین وزن اور معین میعاد ٹھہرا کر کرے۔''

حَدَّثَنَا عَلِيٌّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ وَّقَالَ: «فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَّعْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ مَّعْلُومٍ».

علی نے یہ روایت سفیان عن ابن ابی نجیح کے طریق سے بیان کی تو اس کے الفاظ اس طرح بیان کیے: ''معین ماپ اور معین میعاد ٹھہرا کر بیع سلم کرنی چاہیے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں کھجور کا ذکر ہے کیونکہ مدینہ طیبہ میں کھجوروں کے متعلق ہی بیع سلم ہوا کرتی تھی، لیکن اگر کھجوریں درخت پر ہیں اور ان کی بیع سلم کرنی ہے تو اس کی شرائط آگے بیان ہوں گی، اس مقام پر صرف یہ بیان کرنا مقصد ہے کہ ماپ اور وزن کے ساتھ مدت کا تعین بھی ضروری ہے تاکہ کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو، اگر اس میں خیانت ہو تو مقدمہ کیا جا سکتا ہے اور تاوان بھی وصول کیا جا سکتا ہے۔ ② روز مرہ کی اشیاء ایسی بھی ہیں جن کا سودا گنتی کے اعتبار سے ہوتا ہے، مثلاً: انڈوں کی خرید و فروخت ان میں گنتی کا اعتبار ہوگا۔ یاد رہے کہ رقم کی ادائیگی میں کچھ پیشگی ہو سکتی ہے اور کچھ آئندہ وعدے پر بھی ادا کی جا سکتی ہے۔ اس سلسلے میں بنک گارنٹی بھی کارآمد ہے بشرطیکہ اس میں سود کی آمیزش نہ ہو۔

٢٢٤١ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي

[2241] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جب نبی ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے، پھر

الْمِنْهَالِ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَالَ: «فِي كَيْلٍ مَّعْلُومٍ، وَّوَزْنٍ مَّعْلُومٍ إِلٰى أَجَلٍ مَّعْلُومٍ».

[راجع: ۲۲۳۹]

مذکورہ بالا حدیث یوں بیان فرمائی: ”معین ماپ، معین وزن اور معین مدت ٹھہرا کر بیع سلم کی جائے۔“

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ شوافع کی تردید کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک معاملہ نقد بنقد جائز ہے۔ بہر حال اگر معاہدہ طے ہو جائے کہ ہزار روپے کی دومن گندم آج سے پورے تین ماہ بعد تم سے وصول کروں گا اور گندم کی نوعیت اور وصف بھی طے کر لیا، پھر خریدار نے اسی وقت ہزار روپیہ فروخت کار کے حوالے کر دیا تو جائز ہے۔ اب مدت پوری ہونے کے بعد معین وزن کا غلہ خریدار کو ادا کرنا ہوگا۔ ② کیل اور وزن سے مراد ماپ اور تول ہے۔ ان میں سے جس چیز سے بھی وزن یا پیمائش کرنی ہے، مثلاً: کلوگرام، سیر، چھٹانک، میٹر یا فٹ وغیرہ یہ ساری باتیں طے ہونی ضروری ہیں تاکہ آئندہ کسی قسم کا جھگڑا پیدا نہ ہو۔

۲۲٤۲، ۲۲٤۳ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ ابْنِ أَبِي الْمُجَالِدِ؛ ح: وَحَدَّثَنَا يَحْيٰى: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ أَبِي الْمُجَالِدِ: حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي مُحَمَّدٌ أَوْ عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْمُجَالِدِ قَالَ: اخْتَلَفَ عَبْدُ اللهِ بْنُ شَدَّادِ [بْنِ الْهَادِ] وَأَبُو بُرْدَةَ فِي السَّلَفِ فَبَعَثُونِي إِلَى ابْنِ أَبِي أَوْفٰى رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ: إِنَّا كُنَّا نُسْلِفُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَّعُمَرَ فِي الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالزَّبِيبِ وَالتَّمْرِ، وَسَأَلْتُ ابْنَ أَبْزٰى فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ. [الحديث: ۲۲٤۲، انظر: ۲۲٤٤، ۲۲۵۵]؛ [الحديث: ۲۲٤۳، انظر: ۲۲٤۵، ۲۲۵٤]

[2243,2242] حضرت عبداللہ بن ابو مجالد سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ عبداللہ بن شداد اور ابو بردہ رضی اللہ عنہما نے بیع سلم کے متعلق اختلاف کیا تو لوگوں نے مجھے حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ میں نے ان سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں گندم، جو، منقی اور کھجور میں بیع سلم کرتے تھے۔ پھر میں نے ابن ابزی سے اس کے متعلق پوچھا تو انھوں نے بھی یہی جواب دیا۔

فوائد ومسائل: ① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس امر پر اجماع امت ہے کہ بیع سلم میں جو چیزیں ماپ اور وزن کے قابل ہیں ان کا ماپ اور وزن مقرر ہونا ضروری ہے اور جو چیزیں محض عدد سے تعلق رکھتی ہیں ان کی تعداد کا مقرر ہونا ضروری

ہے، نیز اوصاف کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے تاکہ دوسری چیزوں سے ممتاز ہو سکے اور آئندہ کسی قسم کا جھگڑا پیدا نہ ہو۔[1] ② دراصل کاریگروں اور کاشت کاروں کو پیشگی سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے، اگر ایسا کام جائز نہ ہو تو وہ کاروبار نہیں کر سکیں گے۔ ③ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس قسم کا لین دین مدینہ طیبہ میں بہت عام تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی اصلاح فرما کر اسے جاری رکھا۔

(٣) بَابُ السَّلَمِ إِلَى مَنْ لَيْسَ عِنْدَهُ أَصْلٌ

باب: 3- ایسے شخص سے بیع سلم کرنا جس کے پاس اصل مال ہی نہیں ہے

٢٢٤٤، ٢٢٤٥ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي مُجَالِدٍ قَالَ: بَعَثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ شَدَّادٍ وَّأَبُو بُرْدَةَ إِلَى عَبْدِ اللهِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَقَالَا: سَلْهُ هَلْ كَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ يُسْلِفُونَ فِي الْحِنْطَةِ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: كُنَّا نُسْلِفُ نَبِيطَ أَهْلِ الشَّامِ فِي الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالزَّيْتِ، فِي كَيْلٍ مَّعْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ مَّعْلُومٍ، قُلْتُ: إِلَى مَنْ كَانَ أَصْلُهُ عِنْدَهُ؟ قَالَ: مَا كُنَّا نَسْأَلُهُمْ عَنْ ذٰلِكَ، ثُمَّ بَعَثَانِي إِلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ أَبْزٰى، فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ: كَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ يُسْلِفُونَ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ وَلَمْ نَسْأَلْهُمْ: أَلَهُمْ حَرْثٌ أَمْ لَا؟. [راجع: ٢٢٤٢، ٢٢٤٣]

[2245,2244] محمد بن ابو مجالد سے روایت ہے، انھوں نے کہا مجھے عبداللہ بن شداد اور ابو بردہ ؓ نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی ؓ کے پاس یہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں نبی ﷺ کے صحابۂ کرام گندم میں بیع سلم کیا کرتے تھے؟ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی ؓ نے فرمایا: ہاں! ہم شام کے کاشتکاروں سے گندم، جو اور روغن میں ایک معین ماپ اور معین مدت ٹھہرا کر بیع سلم کیا کرتے تھے۔ میں نے دریافت کیا: آیا تم اس شخص سے یہ سودا کرتے تھے جس کے پاس اصل مال ہوتا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: ہم ان سے یہ نہیں پوچھتے تھے۔ پھر انھوں نے مجھے عبدالرحمن بن ابزی کے پاس بھیجا۔ میں نے ان سے دریافت کیا تو انھوں نے بھی یہی جواب دیا کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں نبی ﷺ کے صحابۂ کرام بیع سلم کیا کرتے تھے۔ اور ہم ان سے یہ نہیں پوچھتے تھے کہ ان کے پاس کھیتی ہے یا نہیں؟

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي مُجَالِدٍ بِهٰذَا، وَقَالَ: فَنُسْلِفُهُمْ فِي الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ. وَقَالَ

محمد بن ابو مجالد کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں: ہم گندم اور جو میں بیع سلم کیا کرتے تھے۔ اور سفیان سے روایت ہے کہ شیبانی نے اس میں لفظ "روغن" کا اضافہ کیا

[1] فتح الباري: 543/4۔

عَبْدُ اللهِ بْنُ الْوَلِيدِ، عَنْ سُفْيَانَ: حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ وَقَالَ: وَالزَّيْتِ. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ وَقَالَ: فِي الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالزَّبِيبِ.

ہے۔ اور جریر نے شیبانی سے جو حدیث بیان کی ہے اس میں ''گندم، جو اور منقیٰ'' کے الفاظ ہیں، یعنی ان اشیاء میں بیع سلم کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں اصل سے مراد ''آئندہ ادا کی جانے والی چیز'' کی اصل ہے، چنانچہ گندم کی اصل کھیتی ہے اور پھلوں کی اصل درخت ہیں۔ مطلب یہ کہ بیع سلم میں کوئی شخص یہ شرط نہ لگائے کہ جس شخص سے معاملہ کیا جا رہا ہے وہ مطلوبہ چیز کے ذرائع بھی رکھتا ہو، مثلاً: یہ ضروری نہیں کہ جن لوگوں سے انڈے لینے کا معاملہ کیا جا رہا ہے ان کے پاس کوئی پولٹری فارم ہو یا گندم کا معاملہ صرف کھیتی یا مالکان زمین سے ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی کے پاس ایک مرغی یا گندم کا ایک پودا بھی نہ ہو لیکن وہ ہزاروں درجن انڈے یا ہزاروں من گندم فراہم کر سکتا ہو۔ ② اس میں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس بیع میں دھوکا ممکن ہے، اس لیے کہ جب ذریعہ ہی نہیں تو کہاں سے فراہم ہوں گے، اس حدیث میں اسی اعتراض کا جواب دیا گیا۔

٢٢٤٦ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: أَخْبَرَنَا عَمْرٌو قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْبَخْتَرِيِّ الطَّائِيَّ قَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ السَّلَمِ فِي النَّخْلِ، قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتَّى يُؤْكَلَ مِنْهُ وَحَتَّى يُوزَنَ، فَقَالَ رَجُلٌ: مَا يُوزَنُ؟ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ إِلَى جَانِبِهِ: حَتَّى يُحْرَزَ.

[2246] ابوبختری طائی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ جو کھجوریں درخت پر لگی ہوئی ہوں ان کے متعلق بیع سلم کرنا کیسا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ نبی ﷺ نے درخت پر لگی کھجور کی بیع سے منع فرمایا ہے جب تک وہ کھانے کے قابل اور وزن کے لائق نہ ہو جائے۔ ایک شخص نے پوچھا: کس چیز کا وزن کیا جائے؟ تو ایک شخص، جو ان کے پاس بیٹھا تھا، بولا، یعنی اندازہ کرنے کے لائق ہو جائے۔

وَقَالَ مُعَاذٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو، قَالَ أَبُو الْبَخْتَرِيِّ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ مِثْلَهُ. [انظر: ٢٢٤٨، ٢٢٥٠]

ابوبختری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت بایں الفاظ بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے اس جیسی بیع سے منع فرمایا ہے۔

فوائد و مسائل: ① بیع سلم کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص پیشگی رقم دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اتنی مدت کے بعد اتنے من کھجوریں درکار ہیں۔ بیع سلم کے اعتبار سے ایسا کرنا جائز ہے۔ اس میں یہ بحث نہیں ہوگی کہ کہاں سے لا کر دے گا، اس کے پاس باغ وغیرہ ہے یا نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص پیشگی رقم دیتے وقت کہتا ہے کہ فلاں باغ کے فلاں درختوں پر لگی ہوئی کھجوریں درکار ہیں۔ ایسا کرنا جائز نہیں جب تک کھجوروں میں کھانے کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے۔ باغ اور درخت کے تعین سے

نقصان اور دھوکے کا اندیشہ ہے، اس لیے ایسا سودا جائز نہیں ہوگا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ فروخت کار کے پاس کسی چیز کی اصل کا نہ ہونا اس وقت فائدہ مند ہے جب عام پھل فراہم کرنے کا سودا ہو لیکن جب کسی خاص باغ کے خاص درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کا سودا ہوگا تو اصل ہونے کے باوجود اس وقت تک سودا جائز نہیں ہوگا جب تک اس پھل میں صلاحیت پیدا نہ ہو جائے۔ اس کی مزید وضاحت آئندہ ہوگی۔

(٤) بَابُ السَّلَمِ فِي النَّخْلِ

باب: 4- درخت پر لگی کھجوروں کی بیع سلم

٢٢٤٧، ٢٢٤٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ قَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ السَّلَمِ فِي النَّخْلِ، فَقَالَ: نُهِيَ عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتَّى يَصْلُحَ وَعَنْ بَيْعِ الْوَرِقِ نَسَاءً بِنَاجِزٍ، وَسَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنِ السَّلَمِ فِي النَّخْلِ فَقَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتَّى يُؤْكَلَ مِنْهُ - أَوْ يَأْكُلَ مِنْهُ - وَحَتَّى يُوزَنَ. [راجع: ١٤٨٦، ٢٢٤٦]

[2248,2247] ابوبختری سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے درخت پر لگی ہوئی کھجور کی بیع سلم کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: درخت پر لگی ہوئی کھجور کی خرید و فروخت سے منع کیا گیا ہے حتی کہ ان میں صلاحیت پیدا ہو جائے۔ اور ادھار چاندی کے عوض نقد چاندی فروخت کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے درخت پر لگی ہوئی کھجور میں سلم سے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے درخت پر لگی کھجور کی خرید و فروخت سے منع فرمایا تا آنکہ وہ کھانے کے قابل ہو جائیں اور وزن کے لائق ہو جائیں۔

٢٢٤٩، ٢٢٥٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ: سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ السَّلَمِ فِي النَّخْلِ، فَقَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتَّى يَصْلُحَ، وَنَهَى عَنِ الْوَرِقِ بِالذَّهَبِ نَسَاءً بِنَاجِزٍ، وَسَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتَّى يَأْكُلَ أَوْ يُؤْكَلَ، وَحَتَّى يُوزَنَ، قُلْتُ: وَمَا يُوزَنُ؟ قَالَ رَجُلٌ عِنْدَهُ: حَتَّى يُحْرَزَ. [راجع: ١٤٨٦، ٢٢٤٦]

[2250,2249] حضرت ابوبختری ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کھجور میں بیع سلم کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے پھلوں کی بیع سے منع کیا ہے تا آنکہ ان میں صلاحیت پیدا ہو جائے۔ اور آپ ﷺ نے سونے کے عوض چاندی کی بیع سے بھی منع کیا جبکہ ایک ادھار اور دوسرا نقد ہو۔ پھر میں نے اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے کھجور کی بیع سے منع کیا حتی کہ وہ کھانے کے قابل ہو جائیں اور ان کا وزن کیا جا سکے۔ میں نے عرض کیا: وزن کیے جانے کا کیا مطلب ہے؟ ان کے

پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص نے کہا کہ ان کو محفوظ کر لیا جائے۔

فوائد و مسائل: ① مطلب یہ ہے کہ درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کی خرید و فروخت اس وقت جائز ہے جب وہ کھانے کے قابل ہو جائیں، استعمال کے لائق ہو جائیں، پورا پکا ہوا نہ سہی نیم پختہ ہونا ضروری ہے۔ اس سے پہلے ان کی خرید و فروخت جائز نہیں۔ ہاں اگر درخت کے ذکر کے بغیر صرف اس طرح معاملہ طے کیا جائے کہ اتنے من یا اتنے ٹوکرے کھجور درکار ہے اور ان کی قیمت پیشگی ادا کر دی جائے تو بیع سلم جائز ہے۔ فروخت کرنے والا جہاں سے بھی فراہم کرے اور اس کے پاس کھجور کا ایک بھی درخت نہ ہو۔ ٹھیکیدار کی حیثیت سے یہ معاملہ شرعاً جائز ہے۔ درخت پر لگی کھجوروں کا وزن کرنا ناممکن ہے، اس لیے وزن کیے جانے کے یہ معنی کیے گئے کہ اس سے مراد انھیں اتار کر محفوظ کر لینا ہے۔ غرض، وزن اور اُکل سب کے ایک ہی معنی ہیں کہ وہ کھانے کے قابل ہو جائیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا ان احادیث سے یہ مقصد ہے کہ درخت پر لگی کھجوروں کے متعلق بیع سلم درست نہیں کیونکہ اس میں دھوکے اور نقصان کا اندیشہ ہے۔

(٥) بَابُ الْكَفِيلِ فِي السَّلَمِ

باب: 5- بیع سلم میں کسی کو ضامن بنانا

٢٢٥١ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ: حَدَّثَنَا يَعْلَى: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: اِشْتَرَى رَسُولُ اللهِ ﷺ طَعَامًا مِّنْ يَّهُودِيٍّ بِنَسِيئَةٍ وَّرَهَنَهُ دِرْعًا لَّهُ مِنْ حَدِيدٍ. [راجع: ٢٠٦٨]

[2251] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے ادھار پر غلہ خریدا اور اس کے پاس اپنی لوہے کی زرہ گروی رکھ دی۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے رہن رکھنے سے کفالت کا مسئلہ ثابت کیا ہے کیونکہ گروی رکھنے سے مقصود بھی کفالت ہی ہوتا ہے، لہذا کسی کی کفالت پر بھی کوئی معاملہ کیا جا سکتا ہے۔ ② دراصل امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ وہ بعض اوقات عنوان سے کسی حدیث کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں، چنانچہ انھوں نے خود کتاب الرہن میں ایک روایت ذکر کی ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی کے پاس رہن اور بیع سلم میں کفیل کا ذکر کیا گیا تو انھوں نے اس کے ثبوت کے لیے مذکورہ حدیث عائشہ پیش کردی۔[1] گویا ابراہیم نخعی نے بیع سلم میں خرید کردہ چیز موقع پر دینے کے لیے اس حدیث سے کفالت کو ثابت کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہی مقصود ہے، لہذا یہ کہنا صحیح نہیں کہ مذکورہ حدیث پیش کردہ عنوان پر دلالت نہیں کرتی۔ واللہ أعلم.

(٦) بَابُ الرَّهْنِ فِي السَّلَمِ

باب: 6- بیع سلم میں گروی رکھنا

٢٢٥٢ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ: حَدَّثَنَا

[2252] حضرت اعمش سے روایت ہے، انھوں نے کہا

1 صحيح البخاري، الرهن، حديث: 2509.

عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: تَذَاكَرْنَا عِنْدَ إِبْرَاهِيمَ الرَّهْنَ فِي السَّلَفِ، فَقَالَ: حَدَّثَنِي الْأَسْوَدُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اشْتَرَى مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا إِلَى أَجَلٍ مَّعْلُومٍ وَّارْتَهَنَ مِنْهُ دِرْعًا مِّنْ حَدِيدٍ. [راجع: ٢٠٦٨]

کہ ہم نے ابراہیم نخعی کے سامنے بیع سلم میں گروی رکھنے کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا: مجھے اسود نے حضرت عائشہ ؓ سے حدیث بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی سے معین مدت تک ادائیگی پر کچھ غلہ خریدا اور اس کے پاس لوہے کی زرہ گروی رکھ دی۔

فوائد و مسائل: ① اس عنوان اور حدیث سے امام بخاری ؒ نے ان حضرات کی تردید فرمائی ہے جو کہتے ہیں کہ بیع سلم میں رہن جائز نہیں۔ ② علامہ اسماعیلی نے ایک روایت بیان کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابراہیم نخعی سے کہا کہ حضرت سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ سلم میں رہن رکھنا سود ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی نے مذکورہ حدیث بیان کر کے اس کی تردید کی، یعنی جب قیمت وصول کرنے کے لیے رہن رکھی جا سکتی ہے تو خرید کردہ چیز وصول کرنے کے لیے گروی کیوں نہیں رکھی جا سکتی۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔[1]

(٧) بَابُ السَّلَمِ إِلَى أَجَلٍ مَّعْلُومٍ

باب: 7- مقررہ مدت تک کے لیے بیع سلم کرنا

وَبِهِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّأَبُو سَعِيدٍ وَّالْحَسَنُ وَالْأَسْوَدُ. وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: لَا بَأْسَ فِي الطَّعَامِ الْمَوْصُوفِ بِسِعْرٍ مَّعْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ مَّعْلُومٍ، مَا لَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ فِي زَرْعٍ لَّمْ يَبْدُ صَلَاحُهُ.

حضرت ابن عباس، حضرت ابوسعید خدری ؓ، حضرت حسن بصری اور حضرت اسود ؒ اسی کے قائل ہیں۔ حضرت ابن عمر ؓ نے فرمایا: اگر غلے کا نرخ اور اس کی صفت معلوم ہو تو اس کی میعاد معین کر کے سلم کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ غلہ کسی خاص کھیت کا نہ ہو جس کی صلاحیت ابھی ظاہر نہ ہوئی ہو۔

وضاحت: حضرت ابن عباس ؓ کا اثر امام شافعی ؒ نے متصل سند سے بیان کیا ہے[2] اور حضرت ابوسعید خدری ؓ کا قول امام بیہقی ؒ نے اپنی سنن (25/6) میں ذکر کیا ہے۔ حضرت حسن بصری کا قول سعید بن منصور نے اور حضرت اسود کا اثر ابن ابی شیبہ نے متصل اسناد سے ذکر کیا ہے۔[3] ابن عمر ؓ کا اثر امام مالک ؒ نے موصولاً ذکر کیا ہے۔[4] بیع سلم کی دو قسمیں ہیں: ○ سلم حالی، یعنی نقد بنقد سودا کیا جائے۔ ○ سلم مالی، یعنی قیمت نقد ہو لیکن خرید کردہ چیز ایک معین مدت تک مؤخر کر دی جائے۔ شافعی حضرات پہلی قسم کو جائز کہتے ہیں اور دوسری قسم ان کے ہاں ناجائز ہے۔ امام بخاری ؒ نے ان کی تردید کے لیے یہ عنوان

1 فتح الباري: 547/4. 2 الأم للشافعي: 94/3. 3 المصنف لابن أبي شيبة: 269/5، و فتح الباري: 547/4.
4 الموطأ للإمام مالك: 177/2، حديث: 1381.

قائم کیا ہے کہ جب جلیل القدر صحابہ اور تابعین اسے جائز کہتے ہیں تو اس کے ناجائز ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

٢٢٥٣ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يُسْلِفُونَ فِي الثِّمَارِ السَّنَتَيْنِ وَالثَّلَاثَ، فَقَالَ: «أَسْلِفُوا فِي الثِّمَارِ فِي كَيْلٍ مَّعْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ مَّعْلُومٍ». وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ، وَقَالَ: «فِي كَيْلٍ مَّعْلُومٍ وَّوَزْنٍ مَّعْلُومٍ». [راجع: ٢٢٣٩]

[2253] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو لوگ پھلوں کے متعلق دو، دو سال اور تین تین سال ادھار پر سودا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم نے پھلوں میں ادھار کرنا ہے تو ماپ بھی معلوم ہو، مدت بھی معین ہو۔'' ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''پھلوں کا ماپ یا وزن معلوم ہو۔''

٢٢٥٤، ٢٢٥٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ سُلَيْمَانَ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي الْمُجَالِدِ قَالَ: أَرْسَلَنِي أَبُو بُرْدَةَ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ شَدَّادٍ إِلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى وَعَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى، فَسَأَلْتُهُمَا عَنِ السَّلَفِ، فَقَالَا: كُنَّا نُصِيبُ الْمَغَانِمَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَكَانَ يَأْتِينَا أَنْبَاطٌ مِنْ أَنْبَاطِ الشَّأْمِ فَنُسْلِفُهُمْ فِي الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالزَّبِيبِ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى، قَالَ: قُلْتُ: أَكَانَ لَهُمْ زَرْعٌ أَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ زَرْعٌ؟ قَالَ: مَا كُنَّا نَسْأَلُهُمْ عَنْ ذٰلِكَ. [راجع: ٢٢٤٢، ٢٢٤٣]

[2255,2254] حضرت محمد بن ابو مجالد سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ مجھے ابو بردہ اور عبداللہ بن شداد ؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابزی اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی ؓ کے پاس بھیجا، چنانچہ میں نے ان سے بیع سلم کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: ہمیں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غنیمت کا مال ملتا تھا اور ہمارے پاس ملک شام کے کاشتکاروں میں سے کچھ لوگ آتے تو ہم ان سے گندم، جو اور منقی کے متعلق معین مدت کی ادائیگی تک بیع سلم کرتے تھے۔ میں نے کہا: ان کی کھیتی ہوتی تھی یا نہیں؟ انھوں نے کہا: اس کے متعلق ہم ان سے دریافت نہیں کیا کرتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① سلف اور سلم دونوں الفاظ کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی کسی چیز کے متعلق پیشگی سودا کر لیا، قیمت پہلے ادا کر دی، پھر معین مدت کے بعد معلوم وزن یا ناپ یا تعداد کے اعتبار سے وہ چیز لے لی۔ ② جن لوگوں سے غلہ وغیرہ خریدا جاتا ان سے یہ نہیں پوچھا جاتا تھا کہ وہ کھیتی باڑی کرتے ہیں یا نہیں۔ اس سے کوئی غرض نہیں۔ وہ جہاں سے چاہیں مال مہیا کر کے وقت مقررہ پر حوالے کر دیں، ہاں اگر متعین طریقے پر یوں معاملہ کیا جائے کہ فلاں کھیت کی گندم اتنے من مطلوب ہے جو وہاں

موجود نہیں تو ایسا معاملہ شرعاً درست نہیں۔

(٨) بَابُ السَّلَمِ إِلَى أَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ

باب: 8- اونٹنی کے بچہ جننے کی مدت تک کے لیے بیع سلم کرنا

٢٢٥٦ - حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: أَخْبَرَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانُوا يَتَبَايَعُونَ الْجَزُورَ إِلَى حَبَلِ الْحَبَلَةِ، فَنَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْهُ، فَسَّرَهُ نَافِعٌ إِلَى أَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ مَا فِي بَطْنِهَا. [راجع: ٢١٤٣]

[2256] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ دور جاہلیت میں لوگ "حبل الحبلہ" کی مدت کے وعدے پر اونٹوں کی خرید وفروخت کرتے تھے تو نبی ﷺ نے اس سے منع فرما دیا۔ حضرت نافع نے حبل الحبلہ کی تفسیر بایں الفاظ کی کہ اونٹنی بچہ جنے جو اس کے پیٹ میں ہے۔

فوائد ومسائل: ① دور جاہلیت میں بیع سلم کی ایک عجیب صورت رائج تھی۔ جب کسی کو پتہ چلتا ہے کہ فلاں آدمی کے پاس اعلیٰ نسل کی اونٹنی ہے تو وہ اس کے مالک سے یہ معاملہ طے کرتا کہ اونٹنی جب حاملہ ہو تو اس کے بچے کا میں خریدار ہوں اور اس کی قیمت پہلے ادا کر دیتا۔ اگر مالک کہتا کہ اس بچے کا سودا ہو چکا ہے تو وہ اگلی نسل کا سودا کرنے کے لیے بھی تیار ہو جاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی خرید وفروخت سے منع فرما دیا کیونکہ یہ معدوم اور موہوم چیز کی بیع ہے۔ معلوم نہیں اونٹنی کیا جنتی ہے؟ جنتی بھی ہے یا نہیں یا مردہ بچہ جنم دیتی ہے۔ ② امام بخاری ؒ نے اس سے ثابت کیا ہے کہ بیع سلم میں اگر میعاد مجہول ہے تو ایسا سودا ناجائز ہے، گو اونٹنی قریب قریب ایک سال کی مدت میں جنم دیتی ہے، تاہم یہ میعاد مجہول ہے۔ آگے پیچھے کئی دن کا فرق ہو سکتا ہے جو جھگڑے کا باعث بنتا ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا۔ بعض دفعہ قیمت کی ادائیگی کے لیے مہینہ اور دن تو متعین نہ کرتے بلکہ اونٹنی کے بچہ جنم دینے کو وعدہ ٹھہرا لیتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ حمل کا بچہ بڑا ہو کر جب بچہ جنے تو قیمت ادا ہوگی جیسا کہ دوسری روایات میں اس کی صراحت ہے۔ اس میعاد میں جہالت تھی، اس لیے منع کر دیا گیا۔ اس حدیث کے متعلق کچھ مباحث کتاب البیوع، حدیث: 2143 کے تحت بیان ہو چکے ہیں۔

شفعے کا بیان

ہر انسان چاہتا ہے کہ وہ جائیداد کا بلا شرکت غیرے مالک ہو، وہ کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا، چنانچہ عام طور پر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی جائیداد کے کئی شریک ہوں تو جب تک ان میں اتفاق رہتا ہے شریک اپنے حصے سے فائدہ اٹھاتا رہتا ہے لیکن جب ان میں تنہا فائدہ لینے کی خواہش پیدا ہوتی ہے تو آپس میں اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں اور ہر شریک دوسرے کو محروم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ صورت اس وقت زیادہ پریشان کن ثابت ہوتی ہے جب کوئی شریک اپنا حصہ کسی غیر شخص کو فروخت کرنا چاہتا ہے۔ اس حق تلفی کی روک تھام کے لیے شریعت نے شریک کو شفعے کا حق دیا ہے جس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی متعدد احادیث پر ہے جن کے مجموعی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ شفعہ شریک اور ہمسایہ دونوں کے لیے ثابت ہے۔ اسلامی قانون شفعہ باہمی امن وسکون کی خاطر اس شریک کو جو اپنا حصہ فروخت کرنا چاہتا ہے مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنا حصہ کسی غیر شخص کو فروخت کرنے کے بجائے اپنے شریک کے ہاتھ فروخت کرے۔ اگر وہ شریک نہ خریدنا چاہے تو اس کو اختیار ہے کہ جس کے ہاتھ چاہے فروخت کر دے۔ اگر ایک شریک جائیداد نے اپنا حصہ کسی غیر شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا تو دوسرے شریک کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس خریدار سے اسی قیمت پر بحق شفعہ اس جائیداد کو حاصل کرے۔

حق شفعہ اس اصول پر قائم ہے کہ جائیداد غیر منقسم کا ہر ایک حصہ دار جائیداد کے ہر فرد میں شریک ہو۔ جو شریک اپنا حصہ فروخت کرتا ہے وہ دوسرے شرکاء کے حصص کے استفادے میں دخل دیتا ہے جس کی اجازت شرکاء کی رضامندی کے بغیر نہیں دی جا سکتی۔ اسی طرح ہر انسان یہ پسند کرتا ہے کہ اسے کوئی ایسا ہمسایہ میسر آئے جو عادات وخصائل اور آداب رہن سہن میں اس جیسا ہو۔ اسلامی قانون شفعہ ایک شخص کو یہ بھی حق دیتا ہے کہ اس کی ہمسائیگی میں اگر کوئی جائیداد فروخت ہو رہی ہے تو وہ اسے بحق شفعہ حاصل کر لے کیونکہ شفعہ کی دو حکمتیں ہیں: ① جائیداد کو تقسیم کے نقصانات سے محفوظ رکھا جائے۔ ② ناپسندیدہ اجنبی شخص کو اس کے پڑوس میں داخل ہونے سے روکا جائے۔

امام بخاری ؒ نے اس سلسلے میں ہماری مکمل رہنمائی فرمائی ہے۔ انھوں نے شفعے کے متعلق صرف تین احادیث بیان کی ہیں جن میں ایک مکرر اور دو خالص ہیں۔ انھیں بیان کرنے میں امام بخاری ؒ منفرد ہیں۔ امام مسلم ؒ نے انھیں روایت نہیں کیا۔ انھوں نے مرفوع احادیث کے علاوہ دو آثار بھی پیش کیے ہیں۔ ان احادیث وآثار پر انھوں نے تین

چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کر کے شفعے کے متعلق اپنے رجحانات کو واضح کیا ہے۔ عنوانات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

① شفعہ صرف اس جائیداد میں ہوگا جس کی تقسیم نہ ہوئی ہو۔ جب حد بندی ہو جائے تو شفعہ ساقط ہو جاتا ہے۔

② فروخت سے پہلے شفعے کو صاحب شفعہ پر پیش کرنا۔

③ کون سا ہمسایہ زیادہ حق دار ہے؟

شفعے کے لیے چند ایک شرائط ہیں جو آئندہ بیان ہوں گی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی مشروعیت کے متعلق لکھتے ہیں: شفعے کی مشروعیت میں ابوبکر الاصم کے علاوہ کسی نے بھی کوئی اختلاف نہیں کیا۔ اہل علم کے نزدیک ایسے شریک کے لیے جس نے ابھی تک اپنا حصہ تقسیم نہیں کیا حق شفعہ ثابت ہے اور اس پر اجماع ہے۔[1]

ہماری ان معروضات کو مدنظر رکھتے ہوئے آئندہ احادیث کا مطالعہ کرنے کی استدعا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق دے۔ آمین.

---

1. فتح الباري: 550/4.

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

36 - كِتَابُ الشُّفْعَةِ (اَلسَّلَمُ فِي الشُّفْعَةِ)

شفعے سے متعلق احکام و مسائل

(١) بَابُ الشُّفْعَةِ فِيمَا لَمْ يُقْسَمْ فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُودُ فَلَا شُفْعَةَ

٢٢٥٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَضَى النَّبِيُّ ﷺ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُودُ، وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ، فَلَا شُفْعَةَ. [راجع: ٢٢١٣]

باب: 1- شفعہ اس جائیداد میں ہوگا جس کی تقسیم نہ ہوئی ہو، جب حد بندی ہوگئی تو پھر شفعہ نہیں

[2257] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے شفعے کے متعلق فیصلہ فرمایا کہ یہ اس شکل میں ہوسکتا ہے جبکہ جائیداد تقسیم نہ ہوئی ہو لیکن جب حد بندی ہو جائے اور راستے بدل دیے جائیں تو پھر شفعہ نہیں ہوگا۔

فوائد و مسائل: ① شفعے کے لغوی معنی ''ایک چیز کو دوسری چیز سے ملا لینے'' کے ہیں۔ چونکہ شفعہ کرنے والا اپنی ملکیت کے ساتھ دوسرے کی ملکیت کو حاصل کر کے ملا لیتا ہے، اس لیے اس فعل کو شفعہ کہا جاتا ہے۔ اصطلاحی طور پر شفعے سے مراد مشتری سے اس کی رضامندی کے بغیر خرید کردہ چیز کو اس قیمت پر حاصل کرنا ہے جس قیمت میں مشتری نے اسے اصل مالک سے خریدا تھا۔ ② شفعے کے بالترتیب تین اسباب حسب ذیل ہیں: ○ شرکتِ ملکیت: ایک شخص فروخت کردہ مشفوعہ جائیداد کی ذات میں شریک ہو جیسا کہ دو یا دو سے زیادہ آدمی غیر منقسم زمین یا مکان میں شریک ہوں۔ ○ شرکتِ حق: دو یا دو سے زیادہ اشخاص فروخت کردہ جائیداد کی ذات کے بجائے اس کے حقوق میں شریک ہوں، مثلاً: حق گزر یا حق سیرابی وغیرہ۔ ○ ہمسائیگی: شفعہ کرنے والے کا مکان فروخت کردہ جائیداد سے متصل ہو۔ ③ شفعہ خلاف اصل ثابت ہوتا ہے کیونکہ اسے مشتری کی ملک سے چھین کر اس کی رضامندی کے بغیر اسے معاوضہ لینے پر مجبور کیا جاتا ہے، تاہم شریعت نے بعض مصالح کی بنا پر اسے جائز قرار دیا ہے، اس لیے

مطلق طور پر اسے جائز نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ اس کے لیے چند ایک شرائط حسب ذیل ہیں: ○ پیش کردہ حدیث کے مطابق شفعے کے لیے ضروری ہے کہ وہ جائیداد مشترک ہو اور اسے تقسیم نہ کیا گیا ہو۔ اگر جائیداد تقسیم ہو جائے اور راستے الگ الگ ہو جائیں تو حق شفعہ ساقط ہو جاتا ہے۔ ○ وہ ایسی جائیداد ہو جو فروخت کرنے والے کی ملکیت غیر منقولہ ہو۔ منقولہ جائیداد فروخت کرنے میں کوئی شفعہ نہیں ہوگا، مثلاً: حیوانات، اناج یا پھل وغیرہ۔ ○ شفعہ کرنے والے کی وہ جائیداد جس کی وجہ سے اسے شفعے کا حق حاصل ہو رہا ہے اس کی اپنی مملوکہ ہو۔ وقف کی اراضی یا حکومت کی جائیداد پر کسی کو شفعے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ ○ شفعے کا حق اس وقت حاصل ہوگا جب کوئی جائیداد بذریعہ عقد بیع قطعی طور پر منتقل کی گئی ہو۔ اس بنا پر ہبہ، وراثت یا صدقے کے ذریعے سے ملنے والی چیز پر شفعہ نہیں ہوگا۔ ○ اس کا مطالبہ بھی فوری ہونا چاہیے۔ جب علم ہونے کے بعد خاموشی اختیار کی جائے تو اس سے حق شفعہ ساقط ہو جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ شفعہ ہر مشترکہ جائیداد میں ہے لیکن سیاق حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حق شفعہ صرف زمین کے ساتھ خاص ہے۔[1] صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "شفعہ ہر مشترکہ جائیداد میں ہے، مثلاً: زمین، دوکان یا باغ وغیرہ۔ انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اسے فروخت کرے یہاں تک کہ اس کا شریک اس کی اجازت دے۔ اگر وہ چاہے تو خود رکھ لے، چاہے تو اس سے دست بردار ہو جائے۔ اس کی اجازت کے بغیر اگر اسے فروخت کر دیا گیا تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔"[2]

(٢) بَابُ عَرْضِ الشُّفْعَةِ عَلَى صَاحِبِهَا قَبْلَ الْبَيْعِ

باب: 2- فروخت سے پہلے شفعے کو صاحب شفعہ پر پیش کرنا

وَقَالَ الْحَكَمُ: إِذَا أَذِنَ لَهُ قَبْلَ الْبَيْعِ فَلَا شُفْعَةَ لَهُ.

حضرت حکم بیان کرتے ہیں کہ جب فروخت کرنے سے پہلے شفعہ کرنے والا اسے فروخت کرنے کی اجازت دے دے تو پھر (بعد میں) وہ شفعہ نہیں کر سکتا۔

وَقَالَ الشَّعْبِيُّ: مَنْ بِيعَتْ شُفْعَتُهُ وَهُوَ شَاهِدٌ لَا يُغَيِّرُهَا فَلَا شُفْعَةَ لَهُ.

امام شعبی نے کہا کہ جب شفعہ فروخت کیا جائے اور وہ فروخت کے وقت موجود ہو لیکن اس پر کوئی اعتراض نہ کرے تو اسے بھی شفعے کا حق نہیں ہے۔

وضاحت: حکم کے قول کو مصنف ابن ابی شیبہ (671/7) میں متصل سند سے بیان کیا گیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: اگر شفعہ کرنے والا خریدار کو جائیداد خریدنے کی اجازت دے دے تو اس کا شفعہ ساقط ہوتا ہے۔ اسی طرح امام شعبی کے قول کو بھی امام ابن ابی شیبہ نے متصل سند سے ذکر کیا ہے۔[3]

٢٢٥٨ - حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا

[2258] حضرت عمرو بن شرید سے روایت ہے، انھوں

---

① فتح الباري: 551/4. ② صحيح مسلم، البيوع، حديث: 4127 (1608). 3: المصنف لابن أبي شيبة: 671/7.

ابْنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَيْسَرَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ قَالَ: وَقَفْتُ عَلَى سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ فَجَاءَ الْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى إِحْدَى مَنْكِبَيَّ إِذْ جَاءَ أَبُو رَافِعٍ مَوْلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا سَعْدُ! اِبْتَعْ مِنِّي بَيْتَيَّ فِي دَارِكَ، فَقَالَ سَعْدٌ: وَاللهِ مَا أَبْتَاعُهُمَا، فَقَالَ الْمِسْوَرُ: وَاللهِ لَتَبْتَاعَنَّهُمَا، فَقَالَ سَعْدٌ: وَاللهِ لَا أَزِيدُكَ عَلَى أَرْبَعَةِ آلَافٍ مُنَجَّمَةً أَوْ مُقَطَّعَةً. قَالَ أَبُو رَافِعٍ: لَقَدْ أُعْطِيتُ بِهَا خَمْسَمِائَةِ دِينَارٍ، وَلَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «اَلْجَارُ أَحَقُّ بِسَقَبِهِ» مَا أَعْطَيْتُكَهَا بِأَرْبَعَةِ آلَافٍ وَأَنَا أُعْطَى بِهَا خَمْسَمِائَةِ دِينَارٍ، فَأَعْطَاهَا إِيَّاهُ. [انظر: ٦٩٧٧، ٦٩٨١]

نے کہا کہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑا تھا کہ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے اپنا ایک ہاتھ میرے کندھے پر رکھا۔ اتنے میں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ جو نبی ﷺ کے آزاد کردہ تھے آئے اور کہا: اے سعد! تم میرے دونوں مکان جو تمھارے محلے میں واقع ہیں، مجھ سے خرید لو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تو نہیں خریدتا۔ حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! تمھیں یہ مکان خریدنا ہوں گے۔ تب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمھیں چار ہزار (درہم) سے زیادہ نہیں دوں گا اور وہ بھی بالاقساط ادائیگی کروں گا۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے تو ان گھروں کے پانچ صد دینار ملتے ہیں، اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے نہ سنا ہوتا کہ ''پڑوسی اپنے قرب کی وجہ سے زیادہ حق دار ہے'' تو میں تمھیں چار ہزار درہم میں ہرگز نہ دیتا خصوصاً جبکہ مجھے پانچ صد دینار مل رہے ہیں۔ بالآخر انھوں نے وہ دونوں مکان حضرت سعد رضی اللہ عنہ ہی کو دے دیے۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے قبل ازیں اثبات شفعہ کے اسباب بتائے تھے اور اس عنوان میں اسقاط شفعہ کے اسباب سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب ایک شریک دوسرے پر شفعہ پیش کرے اور وہ نہ لے تو ایسا کرنے سے حق شفعہ ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن کچھ فقہاء کا خیال ہے کہ ایسا کرنے سے اس کا حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا کیونکہ شفعہ تو ابھی واجب ہی نہیں ہوا۔ وہ بیع کے بعد واجب ہوتا ہے، اس لیے بیع سے پہلے یا بیع کے وقت اس کا اجازت دینا کارگر نہیں ہوگا۔ لیکن یہ موقف صریح طور پر حدیث کے خلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شریک کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے دوسرے شریک کو اطلاع دیے بغیر اسے فروخت کردے اگر وہ چاہے تو اسے رکھ لے اور اگر چاہے تو اسے چھوڑ دے۔''[1] جب اطلاع دینے کے بعد شریک نے اسے نہیں رکھا تو حق شفعہ کس چیز کا باقی رہا۔ اسی طرح جب شفعہ کرنے والے نے مشتری سے مشفوعہ خرید لیا ہو یا خریداری کے لیے بات چیت کرے یا اس سے کرائے پر حاصل کرے یا وہ اپنا حصہ جس کے ذریعے سے شفعے کا حق پیدا ہوا تھا فروخت کردے یا وقف کردے تو ان تمام صورتوں میں حق شفعہ ساقط ہو جاتا ہے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ہمسائے کے لیے بھی حق شفعہ ہے کیونکہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے محلے میں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کے دو مکان تھے۔ ظاہر ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان میں شریک نہ تھے کیونکہ عمر بن شبہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بلاط میں دو مکان تھے

[1] مسند أحمد: 316/3.

ان کے درمیان دس گز کا فاصلہ تھا اور ان میں جو مسجد کے دائیں جانب تھا وہ حضرت ابورافع کا مکان تھا جس کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان سے خریدا تھا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ابورافع رضی اللہ عنہ سے مکان خریدنے سے پہلے ان کے ہمسائے تھے، ان کے شریک نہ تھے۔[1] بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ حضرت ابورافع کا ذاتی عمل ہے۔ ممکن ہے کہ انھوں نے بطور نیکی اپنا مکان پڑوسی کو دے دیا ہو۔ لیکن اس سلسلے میں ہمارا رجحان یہ ہے کہ محض ہمسائیگی کے ذریعے سے حق شفعہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے مشترک راستہ ہونا ضروری ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ ہمسایہ اپنے ہمسائے کا شفعے میں زیادہ حق دار ہے۔ شفعے کی وجہ سے اس کا انتظار کیا جائے گا اگرچہ وہ غائب ہو بشرطیکہ دونوں کا راستہ ایک ہو۔[2] صحیح بخاری کی روایت پہلے گزر چکی ہے کہ جب حد بندی ہو جائے اور راستے جدا جدا ہو جائیں تو پھر شفعے کا حق نہیں رہتا۔ ③ واضح رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں امام شافعی سے اختلاف کیا ہے۔ ان کا موقف ہے کہ اس ہمسائے کو حق شفعہ ملتا ہے جو جائیداد میں شریک ہو دوسرے کے لیے نہیں لیکن اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کی تائید ہوتی ہے۔ ④ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مقلد نہیں تھے۔

(٣) بَابٌ: أَيُّ الْجِوَارِ أَقْرَبُ؟

باب: 3- کون سا ہمسایہ زیادہ حق دار ہے؟

٢٢٥٩ - حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ. ح: وَحَدَّثَنَا عَلِيٌّ [بْنُ عَبْدِ اللهِ]: حَدَّثَنَا شَبَابَةُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا أَبُو عِمْرَانَ قَالَ: سَمِعْتُ طَلْحَةَ بْنَ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ لِي جَارَيْنِ فَإِلَى أَيِّهِمَا أُهْدِي؟ قَالَ: «إِلَى أَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا». [انظر: ٢٥٩٥، ٦٠٢٠]

[2259] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! میرے دو پڑوسی ہیں، ان میں سے پہلے کس کو تحفہ بھیجوں؟ آپ نے فرمایا: "جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو۔"

فوائد و مسائل: ① ابن بطال کہتے ہیں: اس حدیث سے پڑوسی کے لیے حق شفعہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تو یہ سوال کیا تھا کہ اگر کئی پڑوسی ہوں تو پہلے کس کو دوں؟ اسی بات کو امین احسن اصلاحی نے نقل کیا ہے کہ جو پڑوسی زیادہ نزدیک ہے وہ زیادہ حق دار ہے کہ تحفہ اس کو بھیجا جائے لیکن زمین یا جائیداد کی بیع کا معاملہ تحفہ لینے دینے سے بالکل مختلف ہے۔ آگے لکھا ہے کہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ پڑوسی کو ہدیہ دینے کی اس روایت کو امام صاحب یہاں کیوں لائے ہیں اور شفعے سے اس کا کیا تعلق ہے؟[3] کاش! حضرت اس مقام پر فتح الباری دیکھ لیتے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن بطال کا یہی اعتراض نقل کر کے اس کا جواب بھی دیا ہے، فرماتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث ابورافع سے پڑوسی کے لیے حق شفعہ ثابت کیا ہے اور

1 فتح الباري: 4/552,553. 2 مسند أحمد: 3/303. 3 تدبر حديث: 1/544.

حدیث عائشہ کو کتاب الشفعہ میں ذکر کر کے دروازے کے اعتبار سے قریب والے کو دور والے پر مقدم قرار دیا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پڑوسی جس کا گھر صاحب جائیداد سے متصل ہے وہ دوسرے پڑوسی سے مقدم ہوگا، یعنی اسے شفعے کا زیادہ حق ہوگا۔[1]

② ان حضرات کا طریقۂ واردات یہ ہے کہ احادیث کی شروح سے اعتراض لے لیتے ہیں اور اس کے جواب کو نظر انداز کر جاتے ہیں، حالانکہ شارحین نے اعتراض اس لیے ذکر کیا ہوتا ہے کہ اس کا معقول جواب دیا جائے۔ان حضرات نے ''حدیث افک'' پر جو اعتراضات کیے ہیں وہاں بھی یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔اللہ تعالیٰ انھیں اپنے اعمال و عقائد کی اصلاح کرنے کی توفیق دے۔آمین.

1 فتح الباري : 554/4.

اجارے کا مفہوم

لغوی طور پر اجارہ مصدر ہے جو مزدوری کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ایجار اور استیجار کسی کو مزدور بنانے کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ استیجار کے معنی گھر اُجرت پر لینا بھی ہیں۔ مزدور کو اجیر کہتے ہیں۔ فقہاء کی اصطلاح میں طے شدہ معاوضے کے بدلے کسی چیز کی منفعت دوسرے کے حوالے کرنا اجارہ کہلاتا ہے۔ اس کے جواز میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اجرت، جنس (غلہ وغیرہ) اور نقد دونوں صورتوں میں دی جا سکتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت مزدوری کے متعلق جملہ مسائل کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اجرت کے متعلق تیس مرفوع احادیث بیان کی ہیں جن میں پانچ معلق اور پچیس متصل سند سے ذکر کی ہیں۔ ان میں سولہ مکرر اور چودہ خالص ہیں۔ چار احادیث کے علاوہ دیگر احادیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ مرفوع احادیث کے علاوہ صحابۂ کرام اور تابعین عظام سے مروی اٹھارہ آثار بھی پیش کیے ہیں جن سے مختلف مسائل واحکام کا استنباط کیا ہے۔ ہمارے ہاں آئے دن مزدوروں اور مالکان کے درمیان ہنگامہ آرائی رہتی ہے۔ مالکان، مزدوروں کے خلاف استحصالی ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں جبکہ ردعمل کے طور پر مزدور بھی انھیں خوب بلیک میل کرتے ہیں۔ لڑائی جھگڑے، ہنگامے اور ہڑتالیں معمول بن چکا ہے۔ لیبر قوانین کے باوجود اخبارات میں قتل وغارت کی خبریں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ عالمی سطح پر یکم مئی کو یوم مزدوراں منایا جاتا ہے لیکن پھر بھی ہر طرف طوفان بدتمیزی بپا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے احادیث وآثار کی روشنی میں مزدوروں اور مالکان کے متعلق ایک ضابطہ ہمارے سامنے رکھا ہے اور تقریباً بائیس مختلف عنوانات قائم کیے ہیں، جن کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے:

① مزدوری کے لیے کسی سنجیدہ اور نیک شخص کا انتخاب کرنا چاہیے تاکہ وہ ذمے داری کے ساتھ اپنے کام سرانجام دے۔ ② چند ٹکوں کی مزدوری پر کسی کی بکریاں چرانا۔ ③ بوقت ضرورت اہل شرک سے مزدوری پر کام لینا بشرطیکہ وہ دیانت دار ہوں، دھوکے باز نہ ہوں۔ ④ اہل شرک کے ہاں مزدوری کرنا۔ ⑤ فریضۂ جہاد ادا کرتے وقت مزدور ساتھ رکھنا۔ ⑥ مزدوری کے لیے وقت طے کرلیا جائے لیکن کام کی تفاصیل طے نہ کی جائیں، تو اس کا حکم۔ ⑦ جز وقتی مزدور رکھنا۔ ⑧ بلاوجہ مزدوری روک لینے کا گناہ۔ ⑨ کسی شخص کی مزدوری میں اصلاح کی نیت سے تصرف کرنا۔ ⑩ کچھ شرائط کے ساتھ کارخانوں، فیکٹریوں اور مختلف کمپنیوں کا ایجنٹ بننا اور ان کی مصنوعات فروخت کرنا۔ ⑪ دم جھاڑ کرنے پر مزدوری لینا۔

کچھ اجرتیں شرعاً ناجائز ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان میں سے کچھ کی نشاندہی کی ہے، مثلاً: قحبہ گری کرنا اور لونڈیوں سے پیشہ کرانا، سانڈ کی جفتی پر اجرت لینا۔

اس طرح اجرت ومزدوری کے متعلق کچھ مسائل واحکام کی بھی وضاحت کی ہے جن کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ امام صاحب کی مصالح عباد پر گہری نظر تھی لیکن نصوص کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے۔ ان عنوانات اور پیش کردہ احادیث کو صدق نیت سے پڑھ کر ان پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت کے دن محدثین کے ساتھ جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین.

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

37 - كِتَابُ الْإِجَارَةِ (فِي الْإِجَارَاتِ)

اجرت اور مزدوری سے متعلق احکام و مسائل

(۱) بَابُ اسْتِئْجَارِ الرَّجُلِ الصَّالِحِ وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَـْٔجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ﴾ [القصص: ٢٦] وَالْخَازِنُ الْأَمِينُ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَعْمِلْ مَنْ أَرَادَهُ.

باب: 1- نیک شخص کو مزدوری پر رکھنے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''بے شک سب سے اچھا مزدور جو تو رکھے وہ ہے جو طاقتور، امانت دار ہو'' کا بیان، نیز امانت دار خزانچی کا اور اس شخص کا بیان جو عہدے کے خواہشمند کو عہدہ نہ دے

وضاحت: یہ عنوان تین اجزاء پر مشتمل ہے: پہلا جز یہ ہے کہ مزدوری کے لیے کسی نیک سیرت اور امانت دار آدمی کا انتخاب کیا جائے کیونکہ ایسا مزدور اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کا پورا حق ادا کرے گا اور کسی قسم کی کوتاہی کا مرتکب نہیں ہوگا۔ امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ نیک لوگوں کا رزق حلال کی خاطر مزدوری کرنا کوئی عیب اور عار کی بات نہیں اور نیک سیرت لوگوں کو مزدوری پر لگانا بھی کوئی بری بات نہیں بلکہ ہر دو کے لیے باعث خیر و برکت اور موجب اجر و ثواب ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس سلسلے میں ایک آیت کا حوالہ دیا ہے۔ حضرت موسیٰ ؑ کو جب پتہ چلا کہ فرعون میرے قتل کے درپے ہے تو انھوں نے مصر سے بھاگ کر مدین کا رخ کیا۔ راستے میں ایک کنویں کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ وہاں لوگ جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں۔ ان کے ایک طرف دو لڑکیاں اپنی بکریوں کو روکے ہوئے ہیں۔ حضرت موسیٰ ؑ نے ان سے ایک طرف کھڑے ہونے کی وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ ہم لوگوں کے چلے جانے کا انتظار کر رہی ہیں تاکہ ان کے بعد ہم اپنی بکریوں کو پانی پلائیں، چنانچہ موسیٰ ؑ نے کنویں سے پانی کھینچ کر بکریوں کو پلا دیا اور خود ایک طرف درخت کے سائے میں چلے گئے۔ اس وقت لڑکیوں نے اپنے گھر جا کر والد سے کہا: اچھا مزدور جسے آپ رکھیں وہ ہے جو طاقتور اور امانت دار ہو۔ تفسیری روایات میں ہے کہ لڑکی نے حضرت موسیٰ ؑ کے طاقتور اور امانت دار ہونے کی بایں طور وضاحت کی کہ انھوں نے تنہا کنویں کے منہ سے پتھر اٹھایا جسے بمشکل کئی آدمی اٹھاتے

تھے اور گھر واپس ہوتے وقت انھوں نے کہا: تم میرے پیچھے پیچھے چلو تاکہ ان کی نگاہیں لڑکیوں پر نہ پڑیں۔[1] اس آیت کو یہاں نقل کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ مزدور رکھتے وقت ان دو خوبیوں کو ملحوظ رکھا جائے۔ عنوان کے دوسرے جز میں امانت دار خزانچی کے اجر و ثواب کا بیان ہے اور تیسرا جز یہ ہے کہ حرص کے طور پر عہدے کے طالب کو عہدہ نہ دیا جائے۔ اس سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے درج ذیل دو احادیث پیش کی ہیں۔

٢٢٦٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي جَدِّي أَبُو بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْخَازِنُ الْأَمِينُ الَّذِي يُؤَدِّي مَا أُمِرَ بِهِ طَيِّبَةً نَفْسُهُ أَحَدُ الْمُتَصَدِّقِينَ». [راجع: ١٤٣٨]

[2260] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''امانت دار خزانچی جو حکم کے مطابق دلی خوشی سے ٹھیک ٹھیک ادائیگی کرتا ہے وہ صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہے۔''

فائدہ: کسی کے مال کا خزانچی، صاحب مال کا اجیر (مزدور) ہوتا ہے۔ اس مناسبت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اجارے کے باب میں ذکر کیا ہے۔ ہمارے رجحان کے مطابق ''امین خازن'' عام معنوں میں استعمال ہوا ہے، یعنی جو بھی کسی ادائیگی پر مامور ہے اور ادائیگی ٹھیک ٹھیک کرتا ہے، لوگوں کا جو حق بنتا ہے وہ پورا پورا ادا کرتا ہے۔ اگرچہ وہ سرکار کے خزانے سے دے رہا ہوتا ہے لیکن پھر بھی خرچ کرنے کے ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ ایسے آدمی کا امانت دار ہونا انتہائی ضروری ہے، بصورت دیگر بہت سے نقصانات کا اندیشہ ہے۔ ''حضرت'' امین احسن اصلاحی کی بھی سنتے جائیے، فرماتے ہیں: ''باب الاجارہ سے اس روایت کا تعلق نہایت بعید ہے۔''[2] کاش! اصلاحی صاحب کسی ماہر فن، راسخ العلم محدث کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کے ساتھ ساتھ اخلاص کے ساتھ ان سے حدیث پڑھتے تو ایسی ناپختہ باتیں لکھنے کی جرأت نہ کرتے۔

٢٢٦١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ قُرَّةَ ابْنِ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي حُمَيْدُ بْنُ هِلَالٍ: حَدَّثَنَا أَبُو بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: أَقْبَلْتُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَمَعِي رَجُلَانِ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ فَقُلْتُ: مَا عَلِمْتُ أَنَّهُمَا يَطْلُبَانِ الْعَمَلَ، قَالَ: «لَنْ - أَوْ لَا - نَسْتَعْمِلُ عَلَى عَمَلِنَا مَنْ أَرَادَهُ». [انظر: ٣٠٣٨، ٤٣٤١، ٤٣٤٣، ٤٣٤٤،

[2261] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ اشعری قبیلے کے دو آدمی میرے ساتھ تھے۔ میں نے عرض کیا: مجھے یہ علم نہیں تھا کہ یہ دونوں عہدے کے طلب گار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو ہمارے کسی عہدے کا طالب ہوتا ہے ہم اسے وہ عہدہ ہرگز نہیں دیتے۔''

(1) فتح الباري: 556/4. (2) تدبر حديث: 548/1.

٦١٢٤، ٦٩٢٣، ٧١٤٩، ٧١٥٦، ٧١٥٧، ٧١٧٢]

فوائد و مسائل: ① اس روایت میں کچھ اختصار ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے ساتھ دو اشعری آدمی تھے، ایک میری دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت مسواک کر رہے تھے۔ ان دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے عہدہ طلب کیا تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے وضاحت کی: اللہ کے رسول! مجھے ان کی ذہنیت کا قطعاً کوئی علم نہ تھا۔[1] ایک روایت میں ہے کہ ان میں سے ایک نے کہا: اللہ کے رسول! ہمیں کسی عہدے پر مامور کیجیے، دوسرے نے بھی اسی طرح کہا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو کسی عہدے کا طلب گار ہو اور اس کی حرص رکھتا ہو، ہم اسے کسی عہدے پر مامور نہیں کرتے۔''[2] ② روایات میں اس قسم کا اختصار اور اس کی تفصیل چنداں نقصان دہ نہیں ہوتی لیکن اصلاحی صاحب راویوں کے اس انداز سے بہت برہم ہیں۔ راویانِ حدیث کے خلاف ان کے خبث باطن کا اظہار اس طرح ہوا ہے، لکھتے ہیں: اس روایت میں راوی نے عبارت میں سے بہت کچھ اڑا دیا ہے...... راوی حضرات بیان میں اس قسم کے ہاتھی نگل جاتے ہیں، اس کے بعد اپنی طرف سے اس روایت کا مفہوم متعین کیا ہے جو دوسری روایات میں صراحت کے ساتھ آیا ہے۔[3] ③ بالعموم کسی کام کی درخواست اجرت لینے کے لیے ہوتی ہے۔ اس سے اجارہ ثابت ہوتا ہے۔ دیگر ذرائع معاش کو چھوڑ کر نوکری کی درخواست دینا انسان کی طمع اور لالچ کی علامت ہے، لہٰذا شریعت کا یہ کلیہ ہے کہ جو کسی عہدے کا طلب گار ہو اسے خارج از بحث کر دیا جائے، ہاں اگر کسی کو خود پر اعتماد ہو کہ وہ قوم کی مصلحتوں کو دوسروں کی نسبت بہتر سمجھتا ہے اور وہ خدمت خلق کے جذبے سے سرشار بھی ہے تو اس کے لیے عہدہ طلب کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر سے وزارت خزانہ کا قلمدان خود طلب کیا تھا۔ جہاں خیانت کا گمان ہو یا شبہ ہو کہ طالب عہدہ کام کو نہیں نبھا سکے گا یا اچھی طرح سرانجام نہیں دے گا تو وہاں طالب عہدہ کو عامل (سرکاری اہل کار) نہ بنایا جائے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کسی طالب کو مزدور ہی نہ بنایا جائے کیونکہ ایسا کرنے سے تو اجارات کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔ بسا اوقات مزدوروں کا پتہ ہی نہیں چلتا جب تک وہ مزدوری طلب نہ کریں۔ ④ واضح رہے کہ اسلام کا مذکورہ زریں اصول شاید عہد نبوت اور خلافت راشدہ ہی میں استعمال کیا گیا ہو۔ اب اہلیت کے بجائے خویش پروری کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، دوسری طرف نوکری کا حصول اور اس کے لیے دفاتر کی خاک چھاننا اور بھاری رشوتیں پیش کرنا ایک عام فیشن بن گیا ہے۔

(٢) بَابُ رَعْيِ الْغَنَمِ عَلٰى قَرَارِيطَ

باب: 2- چند قیراط پر بکریاں چرانا

٢٢٦٢ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَكِّيُّ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى عَنْ جَدِّهِ، عَنْ أَبِي

[2262] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے

1 صحيح البخاري، استتابة المرتدين، حديث: 6923. 2 صحيح البخاري، الأحكام، حديث: 7149. 3 تدبر حديث: 548-549/1.

هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا بَعَثَ اللهُ نَبِيًّا إِلَّا رَعَى الْغَنَمَ»، فَقَالَ أَصْحَابُهُ: وَأَنْتَ؟ فَقَالَ: «نَعَمْ، كُنْتُ أَرْعَاهَا عَلَى قَرَارِيطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ».

کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔'' صحابۂ کرام نے عرض کیا: آپ نے بھی؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں! میں بھی چند قیراط کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ مزدوری کے طور پر بکریاں چرانا ایک حلال پیشہ ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ پیغمبروں سے بکریاں چروانے میں یہ حکمت ہے کہ اس سے ابتدا ہی میں دوسروں پر رحمت و شفقت کرنے کی عادت پڑتی ہے جو انسانوں کی نگہبانی کے لیے بہت ضروری ہے تاکہ رفتہ رفتہ یہ حضرات انسانوں کی قیادت کرنے سے متعارف ہوجائیں اور آئندہ جب انھیں نبوت کا منصب جلیلہ ملے تو نرمی و ہمدردی کی بنا پر وہ انسانوں کو راہ راست پر لاسکیں۔ اس اصول کی بنا پر جملہ انبیاء علیہم السلام میں انسانوں سے خیرخواہی کا جذبہ بدرجۂ اتم نظر آتا ہے۔ وہ کبھی لوگوں کے اِدھراُدھر بھاگنے سے رنجیدہ خاطر نہیں ہوتے بلکہ انھیں اکٹھا کرنے کی مشقت خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں۔ بکریاں چرانا گویا سیاستِ معاملات اور قیادت اقوام کا پیش خیمہ ہے، اس طرح لوگوں کے امور کا اہتمام اور ان کے احوال کی نگرانی کرنے کا رسوخ پیدا ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بکریاں چرانا صریح نص سے ثابت ہے۔[1] ② اصلاحی لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک درایت کے اصولوں پر یہ روایت ٹھیک نہیں اترتی۔[2] اصلاحی نے درایت کی درانتی سے بہت سی صحیح احادیث کو سبوتاژ کیا ہے، حالانکہ اس روایت میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو عقل و درایت کے خلاف ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا بکریاں چرانا دیگر دلائل سے بھی ثابت ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سفر سے واپس آرہے تھے کہ راستے میں پیلو کے درخت آئے تو ہم اس کے پھل چننے لگے، آپ نے فرمایا: ''سیاہ دانوں کا انتخاب کرنا کیونکہ یہ عمدہ ہوتے ہیں۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: کیا آپ بکریاں چراتے رہے ہیں؟ فرمایا: ''ہاں! ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں۔''[3]

(٣) بَابُ اسْتِئْجَارِ الْمُشْرِكِينَ عِنْدَ الضَّرُورَةِ، أَوْ إِذَا لَمْ يُوجَدْ أَهْلُ الْإِسْلَامِ

باب: 3- مشرکین کو بوقت ضرورت یا اس وقت، جب کوئی مسلمان مزدور نہ ملے، مزدوری کے لیے رکھنا

وَعَامَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَهُودَ خَيْبَرَ.

نبی ﷺ نے یہود خیبر کو کھیتی باڑی کے لیے رکھا۔

وضاحت: مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ فتح خیبر کے وقت ایسے مسلمان کاشتکار موجود نہ تھے جو خیبر کو آباد رکھتے، اس لیے آپ نے یہود کو بلایا اور خیبر کی زمین ایک مناسب حصے پر کھیتی باڑی کے لیے ان کے حوالے کر دی۔[4] حربی کافر سے کوئی کام لینے یا

1 مسند أحمد: 96/3. 2 تدبر حدیث: 550/1. 3 مسند أحمد: 326/3. 4 المصنف لعبد الرزاق الصنعاني: 123/4، حدیث: 7203.

مزدوری کرانے میں کوئی حرج نہیں، صرف یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ دھوکا نہ دے۔

٢٢٦٣ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: وَاسْتَأْجَرَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ رَجُلًا مِّنْ بَنِي الدِّيلِ، ثُمَّ مِنْ بَنِي عَبْدِ بْنِ عَدِيٍّ هَادِيًا [خِرِّيتًا، اَلْخِرِّيتُ]: اَلْمَاهِرُ بِالْهِدَايَةِ، قَدْ غَمَسَ يَمِينَ حِلْفٍ فِي آلِ الْعَاصِي بْنِ وَائِلٍ، وَهُوَ عَلَى دِينِ كُفَّارِ قُرَيْشٍ، فَأَمِنَاهُ، فَدَفَعَا إِلَيْهِ رَاحِلَتَيْهِمَا وَوَاعَدَاهُ غَارَ ثَوْرٍ بَعْدَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، فَأَتَاهُمَا بِرَاحِلَتَيْهِمَا صَبِيحَةَ لَيَالٍ ثَلَاثٍ فَارْتَحَلَا وَانْطَلَقَ مَعَهُمَا عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ وَالدَّلِيلُ الدِّيلِيُّ، فَأَخَذَ بِهِمْ أَسْفَلَ مَكَّةَ وَهُوَ طَرِيقُ السَّاحِلِ. [راجع: ٤٧٦]

[2263] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر ؓ نے ہجرت کا راستہ بتلانے کے لیے ایک ماہر شخص کو رکھا جو بنو دیل سے تھا۔ یہ بنو عبد بن عدی کا ایک خاندان ہے..... خریت راستہ بتانے میں ماہر شخص کو کہتے ہیں..... یہ شخص عاص بن وائل کے خاندان سے معاہدے میں بڑا مضبوط شریک رہا تھا اور کفار قریش کے دین پر تھا۔ دونوں حضرات نے اس پر اعتماد کیا اور اپنی دونوں سواریاں اس کے حوالے کر دیں اور اس سے تین دن کے بعد غار ثور میں آنے کا وعدہ لیا، چنانچہ وہ تیسری رات کی صبح کو دونوں سواریاں لے کر ان کے پاس آیا تو آپ دونوں روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ عامر بن فہیرہ بھی چلے اور وہ رہنما بھی جو قبیلۂ دیل سے تھا۔ وہ انھیں مکہ کے زیریں علاقے، یعنی ساحل سمندر کے راستے پر لے گیا۔

فائدہ: امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے بوقت ضرورت مشرک کو مزدور رکھنے کا جواز ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر ؓ کو جب کوئی مسلمان رہنما نہ ملا تو انھوں نے مشرک کو بطور رہبر ساتھ رکھا۔ اسی طرح خیبر کی زمین کو آباد رکھنے کے لیے جب ماہر مسلمان نہ ملے تو یہود خیبر سے معاملہ طے کیا گیا۔ امام بخاری ؒ کے ترجمۃ الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرک سے بلاضرورت مزدوری نہیں کروانی چاہیے جبکہ ذکر کردہ احادیث میں ایسی کوئی بات نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ ان احادیث میں مشرک سے مزدوری نہ کرانے کی صراحت نہیں ہے لیکن شاید امام بخاری ؒ کے پیش نظر ایک دوسری حدیث ہے جس میں ہے کہ ہم مشرک سے تعاون نہیں لیتے، اس طرح انھوں نے دونوں احادیث میں تطبیق کی صورت پیدا کی ہے کہ بوقت ضرورت مشرک کو اجیر بنایا جاسکتا ہے، تاہم مسلمان کو ترجیح دی جائے۔ لیکن عام فقہاء کا موقف ہے کہ مشرک سے ہر وقت مزدوری کرائی جاسکتی ہے کیونکہ اس سے مزدوری لینے میں اس کی ذلت ہے، البتہ مسلمان کو چاہیے کہ وہ کسی مشرک کا اجیر نہ بنے کیونکہ اس میں مسلمان کی توہین ہے۔[1] مقام غور ہے کہ اس وقت مشرکین بھی اپنے عہد کی کس قدر پاسداری کرتے تھے کہ دشمن ہونے کے باوجود اس شخص نے کسی کو نہیں بتایا، حالانکہ کفار قریش نے رسول اللہ ﷺ کی گرفتاری پر بھاری انعام مقرر کر رکھا تھا۔

1 فتح الباري: 559/4.

(٤) بَابٌ: إِذَا اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا لِيَعْمَلَ لَهُ بَعْدَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، أَوْ بَعْدَ شَهْرٍ، أَوْ بَعْدَ سَنَةٍ جَازَ، وَهُمَا عَلَى شَرْطِهِمَا الَّذِي اشْتَرَطَاهُ إِذَا جَاءَ الْأَجَلُ

باب:4- کوئی شخص کسی کو اس شرط پر مزدور رکھے کہ تین دن، یا ایک ماہ یا ایک سال کے بعد اس کا کام کرے تو جائز ہے۔ جب طے شدہ وقت آئے گا تو دونوں اپنی شرط پر قائم رہیں گے

٢٢٦٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَأَخْبَرَنِي عُرْوَةُ ابْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: وَاسْتَأْجَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ رَجُلًا مِّنْ بَنِي الدِّيلِ هَادِيًا خِرِّيتًا وَهُوَ عَلَى دِينِ كُفَّارِ قُرَيْشٍ، فَدَفَعَا إِلَيْهِ رَاحِلَتَيْهِمَا وَوَاعَدَاهُ غَارَ ثَوْرٍ بَعْدَ ثَلَاثِ لَيَالٍ فَأَتَاهُمَا بِرَاحِلَتَيْهِمَا صُبْحَ ثَلَاثٍ. [راجع: ٤٧٦]

[2264] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ (ام المومنین) حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر ؓ نے بنو دیل کے ایک شخص کو، جو راستہ بتانے میں ماہر تھا، بطور گائیڈ (رہنما) مقرر کیا، حالانکہ وہ کفار قریش کے دین پر تھا۔ ان دونوں نے اپنی اونٹنیاں اس کے حوالے کر دیں اور اس سے یہ وعدہ لیا کہ وہ تین راتوں کے بعد (تیسری رات کی صبح کو اونٹنیاں لے کر) غار ثور پر آئے، چنانچہ وہ (حسب وعدہ) تیسری رات کی صبح دونوں سواریاں لے کر وہاں آ گیا۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ مزدور کے ساتھ مزدوری کا معاملہ طے کرنا اگرچہ کام کا وقت شروع ہونے سے پہلے ہے مگر اجرت اس وقت سے شروع ہوگی جب سے وہ طے شدہ کام کا آغاز کرے گا، اس سے امام بخاری نے اس وہم کو دور کیا ہے کہ عمل شروع کرنے سے مزدور کو پابند کیا گیا ہے، حالانکہ اس پابندی کی کوئی اجرت نہیں، شاید بغیر اجرت یہ معاملہ کرنا ممنوع ہو۔ امام موصوف نے اس روایت سے ثابت کیا ہے کہ مزدوری کا معاملہ پہلے طے کرنا جائز ہے اور اسے بلا معاوضہ کام کا پابند کرنا محض ایک وعدہ ہے عمل نہیں۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ طے شدہ معاوضہ کام اور کام کے لیے پابند کرنا دونوں کے عوض ہو۔ یہ بھی واضح ہے کہ اسے تو صرف راستہ بتانے کے لیے رکھا گیا تھا جس کا کام معاملہ طے ہونے کے تین دن بعد شروع ہوا۔ ② امام بخاری ؒ نے عنوان میں مہینہ اور سال کی مدت کو اس پر قیاس کر کے ثابت کیا، یعنی زیادہ مدت کو تھوڑی مدت پر قیاس کیا کیونکہ کوئی مدت افضل نہیں ہے، نیز اونٹنیوں کے چرانے پر عامر بن فہیرہ مقرر تھا۔[1]

(٥) بَابُ الْأَجِيرِ فِي الْغَزْوِ

باب:5- جہاد میں مزدور ساتھ لے جانا

٢٢٦٥ - حَدَّثَنِي يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا

[2265] حضرت یعلی بن امیہ ؓ سے روایت ہے،

① فتح الباري: 4/560.

إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ : أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى، عَنْ يَعْلَى ابْنِ أُمَيَّةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَكَانَ مِنْ أَوْثَقِ أَعْمَالِي فِي نَفْسِي، فَكَانَ لِي أَجِيرٌ فَقَاتَلَ إِنْسَانًا، فَعَضَّ أَحَدُهُمَا إِصْبَعَ صَاحِبِهِ، فَانْتَزَعَ إِصْبَعَهُ فَأَنْدَرَ ثَنِيَّتَهُ فَسَقَطَتْ، فَانْطَلَقَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَهْدَرَ ثَنِيَّتَهُ، وَقَالَ: «أَفَيَدَعُ إِصْبَعَهُ فِي فِيكَ تَقْضَمُهَا؟» قَالَ: أَحْسِبُهُ قَالَ: «كَمَا يَقْضَمُ الْفَحْلُ». [راجع: ١٨٤٧]

انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کے ہمراہ جیش عسرہ (غزوۂ تبوک) میں شرکت کی۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ جن اعمال پر مجھے اعتماد ہے ان میں سے ایک یہ ہے: (کہتے ہیں کہ) میرے ساتھ میرا ایک مزدور بھی تھا۔ وہ ایک شخص سے لڑ پڑا تو ان میں سے ایک نے دوسرے کی انگلی کاٹ کھائی۔ اس نے اپنی انگلی کھینچی تو سامنے والا اس کا ثنیہ دانت بھی گرا دیا۔ وہ نبی ﷺ کے پاس مقدمہ لے کر گیا تو آپ نے اسے لغو قرار دیا اور فرمایا: "کیا وہ اپنی انگلی تیرے منہ میں چھوڑ دیتا کہ تو اسے چبا جاتا؟" حضرت یعلی رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے گمان کے مطابق آپ نے فرمایا: "جیسے اونٹ چبا جاتا ہے۔"

٢٢٦٦ - قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ جَدِّهِ بِمِثْلِ هٰذِهِ الصِّفَةِ: أَنَّ رَجُلًا عَضَّ يَدَ رَجُلٍ فَأَنْدَرَ ثَنِيَّتَهُ فَأَهْدَرَهَا أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.

[2266] عبداللہ بن ابی ملیکہ سے روایت ہے، وہ اپنے دادا سے اسی طرح کا ایک قصہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے دوسرے کا ہاتھ کاٹا تو اس نے اس کا ثنیہ دانت کھینچ لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دانت کی دیت باطل کر دی۔

فائدہ: اگرچہ جہاد کا مقصد ثواب حاصل کرنا ہے لیکن یہ مقصد خادم سے مدد لینے کے منافی نہیں، تاہم جنگ کرنے کے لیے مزدور رکھنا جائز نہیں کہ اسے محاذ جنگ پر بھیج دیا جائے اور خود پیچھے رہے کیونکہ جہاد، ہر مسلمان پر فرض ہے تاکہ اللہ کا دین بلند ہو۔ اس فریضے میں نیابت صحیح نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ جہاد میں ذاتی خدمت کے لیے مزدور کو ساتھ لے جانا جائز ہے کیونکہ حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ مزدور رکھا تھا۔[1]

(٦) بَابٌ: إِذَا اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَبَيَّنَ لَهُ الْأَجَلَ وَلَمْ يُبَيِّنِ الْعَمَلَ

باب:6- جس نے کسی مزدور کو اجرت پر لگایا، مدت عمل تو طے کر دی لیکن کام کی وضاحت نہ کی

لِقَوْلِهِ: ﴿إِنِّىٓ أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ٱبْنَتَىَّ هَٰتَيْنِ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿وَٱللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے کر دوں...... اور ہم جو

[1] فتح الباري: 560/4.

[القصص: ۲۷، ۲۸] يَأْجُرُ فُلَانًا: يُعْطِيهِ أَجْرًا، وَمِنْهُ فِي التَّعْزِيَةِ: آجَرَكَ اللهُ.

قول وقرار کر رہے ہیں اس پر اللہ نگہبان ہے۔"
امام بخاری فرماتے ہیں کہ یأجر فلانا کے معنی ہیں: "وہ اس کو مزدوری دیتا ہے۔" تعزیت کرتے ہوئے کہا جاتا: آجَرَكَ اللهُ "اللہ تعالیٰ تجھے اجر دے۔"

وضاحت: مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی کو اجرت پر بطور مزدور رکھتا ہے، کام کرنے کی مدت بھی وضاحت سے بیان کر دیتا ہے لیکن کام کی صراحت نہیں کرتا تو ایسا کرنا جائز ہے۔ گھروں میں کام کاج کرنے کے لیے ملازم رکھے جاتے ہیں، کام کی وضاحت نہیں ہوتی، ایسا کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں صرف ایک آیت کا حوالہ دیا ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اہل مدین کے ہاں مزدوری کرنے کا ذکر ہے، لیکن مزدوری کے عوض کیا کام سرانجام دینا ہے؟ اس کی وضاحت نہیں ہے۔ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک فقہی مسئلے کا استنباط فرمایا ہے۔ آخر میں انھوں نے آیت کریمہ میں آنے والے ایک لفظ "تأجرنی" کی لغوی تحقیق بیان فرمائی ہے۔

(۷) بَابٌ: إِذَا اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا عَلَى أَنْ يُقِيمَ حَائِطًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ جَازَ

باب: 7- کسی مزدور کو اس کام کے لیے رکھنا کہ وہ گرتی ہوئی دیوار کو سیدھا کر دے تو ایسا کرنا جائز ہے

٢٢٦٧ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ: أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ: أَخْبَرَنِي يَعْلَى بْنُ مُسْلِمٍ وَّعَمْرُو بْنُ دِينَارٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ - يَزِيدُ أَحَدُهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ - وَغَيْرُهُمَا قَالَ: قَدْ سَمِعْتُهُ يُحَدِّثُهُ عَنْ سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: حَدَّثَنِي أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «﴿فَانطَلَقَا حَتَّىٰٓ إِذَآ أَتَيَآ أَهْلَ قَرْيَةٍ ٱسْتَطْعَمَآ أَهْلَهَا فَأَبَوْا۟ أَن يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَن يَنقَضَّ﴾ [الكهف: ٧٧] - قَالَ سَعِيدٌ بِيَدِهِ هٰكَذَا، وَرَفَعَ يَدَهُ - فَاسْتَقَامَ». قَالَ يَعْلَى: حَسِبْتُ أَنَّ سَعِيدًا قَالَ: «فَمَسَحَهُ بِيَدِهِ فَاسْتَقَامَ ﴿لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾

[2267] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "وہ دونوں (حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام) چلے حتیٰ کہ جب ایک بستی والوں کے پاس آئے تو انھوں نے بستی والوں سے کھانا طلب کیا۔ بستی والوں نے ان کی مہمان نوازی سے انکار کیا تو انھوں نے ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی۔" راوئ حدیث سعید بن جبیر نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کر کے بتایا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ہاتھ اٹھایا تو دیوار کھڑی ہو گئی۔ ایک دوسرے راوی حضرت یعلیٰ بن مسلم کے گمان کے مطابق حضرت سعید بن جبیر نے بتایا کہ انھوں نے دیوار کو اپنے ہاتھ سے چھوا تو وہ کھڑی ہو گئی۔ (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر کہا:) "اگر آپ چاہتے تو اس کام کی مزدوری لے لیتے۔" راوئ حدیث سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ان کی مراد

[الكهف: ٧٧]» قَالَ سَعِيدٌ: أَجْرٌ نَّأْكُلُهُ. [راجع: ٧٤] اجرت تھی کہ ہم اسے کھاتے (استعمال میں لاتے)۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے قبل ازیں بیان کیا تھا کہ ایسا اجارہ جائز ہے جس میں وقت کی تعیین تو ہو لیکن عمل کی وضاحت نہ ہو۔ اسی طرح اگر عمل کی تعیین ہو لیکن مدت مقرر نہ ہو تو ایسا اجارہ بھی جائز ہے، شرعاً اور عرفاً اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ یہ دوسری قسم کا اجارہ ہے۔ امام بخاری کا میلان اس کے جواز کی طرف ہے، اس کے لیے انھوں نے ایک قرآنی واقعے سے استدلال کیا ہے کہ عمل کا تعین عقد اجارہ کے لیے ضروری اور شرط نہیں بلکہ الفاظ کے بجائے مقاصد کا لحاظ رکھا جائے گا۔ وقت کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔ ② حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ قرآن میں تفصیل سے بیان ہوا ہے، اس میں دیوار کو سیدھا کر دینے کا بھی ذکر ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس قسم کی مزدوری کرنے کا جواز ثابت کیا ہے اور ان کا استدلال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خیال تھا کہ آپ کو گاؤں والوں سے اس قسم کے کام کی اجرت لینی چاہیے تھی کیونکہ انھوں نے بے مروتی کا ثبوت دیتے ہوئے انھیں کھانا نہیں کھلایا۔ بہرحال اس قسم کا اجارہ جائز ہے۔ شارح بخاری ابن منیر کہتے ہیں کہ امام بخاری کے نزدیک عقد اجارہ تعیینِ عمل سے منعقد ہو جاتا ہے جیسا کہ تعیین مدت سے اس کا عقد جائز ہے۔[1] ③ واضح رہے کہ سابقہ شرائع ہمارے لیے حجت ہیں بشرطیکہ ان کا کوئی قاعدہ ہماری شریعت کے خلاف نہ ہو۔ مذکورہ استدلال کی بنیاد بھی اسی اصول پر ہے۔ واللہ أعلم.

(٨) بَابُ الْإِجَارَةِ إِلَى نِصْفِ النَّهَارِ

باب: 8- کسی کو دوپہر تک مزدوری پر رکھنا

٢٢٦٨ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَثَلُكُمْ وَمَثَلُ أَهْلِ الْكِتَابَيْنِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَأْجَرَ أُجَرَاءَ، فَقَالَ: مَنْ يَّعْمَلُ لِي مِنْ غُدْوَةٍ إِلَى نِصْفِ النَّهَارِ عَلَى قِيرَاطٍ؟ فَعَمِلَتِ الْيَهُودُ، ثُمَّ قَالَ: مَنْ يَّعْمَلُ لِي مِنْ نِّصْفِ النَّهَارِ إِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ عَلَى قِيرَاطٍ؟ فَعَمِلَتِ النَّصَارَى، ثُمَّ قَالَ: مَنْ يَّعْمَلُ لِي مِنَ الْعَصْرِ إِلَى أَنْ تَغِيبَ الشَّمْسُ عَلَى قِيرَاطَيْنِ؟ فَأَنْتُمْ هُمْ، فَغَضِبَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى فَقَالُوا: مَا لَنَا أَكْثَرَ عَمَلًا وَّأَقَلَّ عَطَاءً؟ قَالَ: هَلْ نَقَصْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ؟

[2268] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''تمھاری مثال اور اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے چند مزدور اجرت پر لگائے اور کہا: وہ کون ہے جو صبح سے دوپہر تک ایک قیراط پر میرا کام کرے؟ تو یہود نے یہ کام کیا۔ پھر اس نے اعلان کیا: تم میں کون ایک قیراط پر دوپہر سے لے کر عصر تک میرا کام کرے گا؟ تو نصاریٰ نے یہ کام کیا۔ پھر اس نے کہا: عصر سے لے کر غروب آفتاب تک دو قیراط پر کون میرا کام کرے گا؟ تو یہ کام کرنے والے تم خود ہو۔ اس پر یہود و نصاریٰ برہم ہوئے۔ انھوں نے کہا: یہ کیا بات ہوئی کام ہم نے زیادہ کیا اور مزدوری تھوڑی ملی؟ اس شخص نے کہا: کیا تمھارا کچھ حق

[1] فتح الباري: 563/4.

قَالُوا: لَا، قَالَ: فَذٰلِكَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ». [راجع: ٥٥٧]

میں نے دبا لیا ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ تب اس شخص نے کہا: یہ میرا فضل ہے، میں جسے چاہوں دوں۔"

فوائد و مسائل: ① اس عنوان اور پیش کردہ حدیث سے ثابت ہوا کہ جز وقتی کام کے لیے جس میں وقت کا صحیح تعین نہیں ہوسکتا، کسی مزدور کو اجرت پر رکھا جا سکتا ہے اگرچہ آج کل گھڑیوں نے وقت کا تعین آسان کر دیا ہے۔ قدیم زمانے میں بھی ظہر کا وقت، عصر کا وقت اور قیلولے کا وقت سب معلوم ہوتا تھا لیکن اس کا تعین نہیں تھا۔ اس کے باوجود ایسا اجارہ جائز ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے جواز کے لیے ایک تمثیل کو پیش کیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے دین حنیف کی خدمت کے لیے یہود کو صبح سے لے کر ظہر تک، نصاریٰ کو ظہر سے عصر تک اور اہل اسلام کو عصر سے مغرب تک مقرر کیا۔ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا کہ جز وقتی اجارہ بھی صحیح ہے اور شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں جبکہ دن کے اس حصے کو معین کر لیا جائے، مثلاً: ایک گھنٹہ یا دو گھنٹے کے لیے مزدور رکھا جائے۔ الغرض اس قسم کے عنوانات سے امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ اجارے کے لیے پورا دن ضروری نہیں بلکہ دن کے حصوں میں بھی اجارہ کیا جا سکتا ہے جسے ہم (Part Time) کہتے ہیں۔

(٩) بَابُ الْإِجَارَةِ إِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ

باب: 9- عصر کی نماز تک کے لیے مزدور رکھنا

٢٢٦٩ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ مَّوْلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّمَا مَثَلُكُمْ وَالْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى كَرَجُلٍ اسْتَعْمَلَ عُمَّالًا، فَقَالَ: مَنْ يَّعْمَلُ لِي إِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ عَلٰى قِيرَاطٍ قِيرَاطٍ؟ فَعَمِلَتِ الْيَهُودُ عَلٰى قِيرَاطٍ قِيرَاطٍ، ثُمَّ عَمِلَتِ النَّصَارٰى عَلٰى قِيرَاطٍ قِيرَاطٍ، ثُمَّ أَنْتُمُ الَّذِينَ تَعْمَلُونَ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلٰى مَغَارِبِ الشَّمْسِ عَلٰى قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ، فَغَضِبَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارٰى وَقَالُوا: نَحْنُ أَكْثَرُ عَمَلًا وَّأَقَلُّ عَطَاءً، قَالَ: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ شَيْئًا؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: فَذٰلِكَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ». [راجع: ٥٥٧]

[2269] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تمھاری مثال اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے مزدوری کے لیے مزدور لگائے اور کہا: کون ہے جو دوپہر تک ایک ایک قیراط کے عوض میرا کام کرے؟ یہود نے ایک ایک قیراط پر کام کیا۔ ان کے بعد نصاریٰ نے ایک ایک قیراط پر کام کیا۔ پھر تم لوگ ہو جو نماز عصر سے غروب آفتاب تک دو، دو قیراط پر کام کرتے ہو۔ یہود و نصاریٰ ناراض ہوئے اور کہنے لگے: ہمارا کام زیادہ ہے لیکن ہمیں مزدوری بہت تھوڑی ملی ہے۔ ارشاد ہوا: کیا میں نے تمھارے حق میں کوئی کوتاہی کی ہے؟ انھوں نے کہا: ایسا ہرگز نہیں۔ فرمایا: یہ میرا فضل و احسان ہے میں جسے چاہوں دوں۔"

فوائد ومسائل: ① ہمیں قرآن وحدیث کی حفاظت واشاعت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ اس عظیم کارنامے کی بدولت اس امت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے نوازا اور یہود ونصاریٰ پر برتری عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اس نعمت کو برقرار رکھنے کی توفیق دے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو کئی ایک جگہ پر نقل کیا ہے اور اس سے مختلف احکام ومسائل کا استنباط کیا ہے۔ اس حدیث میں یہود ونصاریٰ اور اہل اسلام کا تقابل ایک تمثیلی انداز میں دکھایا گیا ہے۔

(۱۰) بَابُ إِثْمِ مَنْ مَنَعَ أَجْرَ الْأَجِيرِ

باب: 10- اس شخص کا گناہ جو مزدور کی اجرت نہ دے

٢٢٧٠ - حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «قَالَ اللهُ تَعَالَى: ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ».

[راجع: ٢٢٢٧]

[2270] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: تین شخص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن میں ان کے خلاف مدعی ہوں گا: ایک وہ شخص جس نے میرے نام کے واسطے سے کسی کے ساتھ عہد وپیمان کیا، پھر عہد شکنی کا مرتکب ہوا۔ دوسرا وہ شخص جس نے کسی آزاد کو غلام بنا کر بیچ ڈالا اور اس کی قیمت ہڑپ کر گیا۔ تیسرا وہ جس نے کوئی مزدور رکھا، اس سے کام تو پورا لیا لیکن اسے اس کی مزدوری نہ دی۔"

فائدہ: اصلاحی صاحب لکھتے ہیں: یہ حدیث تو لاکھوں کی ہے، الفاظ بہت پاکیزہ ہیں، بیان بھی پاکیزہ ہے، دل پسند معلوم ہوتی ہے لیکن بے محل ہے، شارحین بھی کہتے ہیں کہ اس روایت کا محل سمجھ میں نہیں آتا۔ اس سے انھوں نے ثابت کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کو روایات جمع کرنے کا موقع تو ملا لیکن ترتیب وتہذیب کا موقع بالکل نہ ملا اور لوگوں نے غیر مرتب حالت ہی میں صحیح بخاری کو روایت کرنا شروع کر دیا۔[1] اصلاحی صاحب کی یہ بات عقل ونقل کے خلاف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کتاب مرتب کرنے کے بعد مدت دراز تک اپنے تلامذہ کو پڑھاتے رہے ہیں، دراصل امام بخاری رحمہ اللہ ایک نکتے کی خاطر اسے درمیان میں لائے ہیں۔ وہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ جیسے تھوڑا تھوڑا عمل ہوتا جائے ایسے اجرت بھی تھوڑی تھوڑی دینے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ عادت یہ ہے کہ مزدور اپنی اجرت پورا دن یا مہینہ گزرنے کے بعد طلب کرتا ہے لیکن اسے حق پہنچتا ہے کہ دن کے پورا ہونے سے پہلے مطالبہ کرے، مالک کو چاہیے کہ وہ اس کے کام کی مزدوری دے اور اسے نہ روکے۔

① تدبر حدیث: 66/1.

(١١) بَابُ الْإِجَارَةِ مِنَ الْعَصْرِ إِلَى اللَّيْلِ

٢٢٧١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «مَثَلُ الْمُسْلِمِينَ وَالْيَهُودِ وَالنَّصَارَى كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَأْجَرَ قَوْمًا يَعْمَلُونَ لَهُ عَمَلًا يَوْمًا إِلَى اللَّيْلِ عَلَى أَجْرٍ مَّعْلُومٍ، فَعَمِلُوا لَهُ إِلَى نِصْفِ النَّهَارِ، فَقَالُوا: لَا حَاجَةَ لَنَا إِلَى أَجْرِكَ الَّذِي شَرَطْتَ لَنَا وَمَا عَمِلْنَا بَاطِلٌ. فَقَالَ لَهُمْ: لَا تَفْعَلُوا، أَكْمِلُوا بَقِيَّةَ عَمَلِكُمْ وَخُذُوا أَجْرَكُمْ كَامِلًا، فَأَبَوْا وَتَرَكُوا. وَاسْتَأْجَرَ آخَرِينَ بَعْدَهُمْ، فَقَالَ: أَكْمِلُوا بَقِيَّةَ يَوْمِكُمْ هٰذَا، وَلَكُمُ الَّذِي شَرَطْتُ لَهُمْ مِّنَ الْأَجْرِ، فَعَمِلُوا حَتَّى إِذَا كَانَ حِينَ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَالُوا: لَكَ مَا عَمِلْنَا بَاطِلٌ وَّلَكَ الْأَجْرُ الَّذِي جَعَلْتَ لَنَا فِيهِ، فَقَالَ لَهُمْ: أَكْمِلُوا بَقِيَّةَ عَمَلِكُم فَإِنَّ مَا بَقِيَ مِنَ النَّهَارِ شَيْءٌ يَّسِيرٌ، فَأَبَوْا، فَاسْتَأْجَرَ قَوْمًا أَنْ يَّعْمَلُوا لَهُ بَقِيَّةَ يَوْمِهِمْ فَعَمِلُوا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمْ حَتَّى غَابَتِ الشَّمْسُ وَاسْتَكْمَلُوا أَجْرَ الْفَرِيقَيْنِ كِلَيْهِمَا، فَذٰلِكَ مَثَلُهُمْ وَمَثَلُ مَا قَبِلُوا مِنْ هٰذَا النُّورِ». [راجع: ٥٥٨]

باب: 11- عصر سے رات تک مزدور لگانا

[2271] حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''مسلمانوں، یہود اور نصاریٰ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے کچھ لوگوں کو کام پر لگایا کہ وہ دن سے رات تک کام کریں انھیں طے شدہ مزدوری دی جائے گی۔ انھوں نے آدھا دن اس کا کام کیا پھر بولے کہ جو مزدوری آپ نے ٹھہرائی تھی وہ ہمیں نہیں چاہیے اور جو کچھ ہم نے کیا وہ سب باطل اور ضائع ہے۔ اس شخص نے ان سے کہا: ایسا نہ کرو بلکہ اپنا کام پورا کرو اور اپنی مزدوری پوری لو۔ وہ نہ مانے اور کام چھوڑ کر چلے گئے۔ ان کے بعد اس شخص نے دوسرے مزدور رکھے اور ان سے کہا: بقیہ کام باقی دن میں پورا کرو اور تمھیں وہی مزدوری ملے گی جو میں نے پہلے لوگوں سے طے کی تھی۔ انھوں نے کام کیا۔ جب عصر کا وقت ہوا تو انھوں نے کہا کہ اب تک ہم نے جو کام کیا ہے وہ باطل اور ضائع ٹھہرا اور وہ مزدوری جس پر آپ نے ہمیں کام پر لگایا تھا اسے اپنے پاس رکھو۔ اس شخص نے ان سے بھی کہا کہ تم باقی دن پورا کرلو کیونکہ تھوڑا سا دن باقی رہ گیا ہے لیکن انھوں نے انکار کردیا، چنانچہ باقی دن کے لیے اس شخص نے کچھ اور لوگوں کو کام پر لگایا۔ انھوں نے باقی دن کام کیا حتیٰ کہ سورج غروب ہوگیا۔ اس طرح انھوں نے پوری مزدوری پہلے اور دوسرے مزدوروں کی بھی پائی۔ چنانچہ یہ مثال ہے ان (یہود ونصاریٰ) کی (جنھوں نے اس نور کو چھوڑ دیا) اور مثال ہے ان (مسلمانوں) کی جنھوں نے اس نور کو قبول کیا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں یہود ونصاریٰ اور اہل اسلام کی ایک تمثیل ذکر کی گئی ہے کہ یہود ونصاریٰ نے وحی الٰہی کا

نور پھیلانے میں اپنی شرعی ذمہ داریوں کو پورے طور پر ادا نہیں کیا بلکہ وہ وقت سے پہلے ہی اپنا کام اور مزدوری چھوڑ کر بھاگ نکلے، البتہ اہل اسلام نے اپنی ذمہ داری کو پورا کیا جس کے نتیجے میں قرآن مجید اور اسوۂ رسول دونوں محفوظ ہیں اور جب تک اللہ چاہے گا وہ دونوں محفوظ رہیں گے۔ ② اس تمثیل اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ حدیث کی مثال میں کچھ فرق ہے۔ دراصل یہ دو الگ الگ واقعات ہیں کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق مالک نے صبح سے دوپہر تک یہودیوں کو اور دوپہر سے عصر تک عیسائیوں کو مزدور رکھا جبکہ مذکورہ حدیث میں ہے کہ مالک نے انھیں دن بھر کے لیے ایک مقررہ اجرت پر کام کرنے کے لیے رکھا، اسی طرح اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے کچھ مزدوری نہیں لی جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ انھوں نے ایک، ایک قیراط پر کام کیا اور اپنی اپنی مزدوری لے کر چلے گئے۔ ③ دراصل مزدوری چھوڑنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے بعد میں آنے والے نبی کے زمانے کو پایا لیکن اسے ماننے سے انکار کر دیا اور مزدوری لینے والے وہ لوگ ہیں جو بعد میں آنے والے نبی سے پہلے پہلے فوت ہو گئے اور سابقہ شریعت منسوخ ہونے سے پہلے تک زندہ رہے۔ ④ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ جز وقتی کام کے لیے مزدور رکھا جا سکتا ہے، ضروری نہیں کہ پورے دن کی مزدوری پر کسی کو رکھا جائے۔ ان مثالوں سے غرض یہ ہے کہ اس امت کے اعمال کا ثواب دوسری امتوں کے اعتبار سے زیادہ ہے اور دوسری مثال اس لیے ہے کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے، ان کے پہلے دین میں کیے ہوئے اعمال بھی بے کار ہیں، انھیں ان کا کچھ ثواب نہیں ملے گا۔ واللہ أعلم.

(١٢) بَابُ مَنِ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَتَرَكَ أَجْرَهُ فَعَمِلَ فِيهِ الْمُسْتَأْجِرُ فَزَادَ، أَوْ مَنْ عَمِلَ فِي مَالِ غَيْرِهِ فَاسْتَفْضَلَ

باب: 12- جس نے کسی کو کام پر لگایا اور وہ اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا پھر کام پر لگانے والے نے مزدور کی اجرت سے کاروبار کرنا شروع کر دیا اور وہ (اجرت) نفع کی وجہ سے زیادہ ہوگئی، یا جس نے کسی دوسرے کے مال سے کاروبار کیا اور وہ خوب پھلا پھولا

٢٢٧٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ عَبْدَاللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «اِنْطَلَقَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ مِّمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَتَّى أَوَوُا الْمَبِيتَ إِلَى غَارٍ فَدَخَلُوهُ، فَانْحَدَرَتْ صَخْرَةٌ مِّنَ الْجَبَلِ فَسَدَّتْ عَلَيْهِمَا الْغَارَ، فَقَالُوا: إِنَّهُ لَا يُنْجِيكُمْ مِّنْ هٰذِهِ

[2272] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''تم سے پہلے زمانے میں تین آدمی ایک ساتھ روانہ ہوئے تا آنکہ وہ رات گزارنے کے لیے ایک پہاڑ کی غار میں جا داخل ہوئے۔ جب سب غار میں چلے گئے تو ایک پتھر پہاڑ سے لڑھک کر آیا جس نے غار کا منہ بند کر دیا۔ اب ان تینوں نے کہا: ہمیں کوئی چیز اس پتھر سے نجات

الصَّخْرَةِ إِلَّا أَنْ تَدْعُوا اللهَ بِصَالِحِ أَعْمَالِكُمْ، فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ: اَللّٰهُمَّ كَانَ لِي أَبَوَانِ شَيْخَانِ كَبِيرَانِ، وَكُنْتُ لَا أَغْبِقُ قَبْلَهُمَا أَهْلًا وَّلَا مَالًا، فَنَأَى بِي فِي طَلَبِ شَيْءٍ يَّوْمًا فَلَمْ أُرِحْ عَلَيْهِمَا حَتّٰى نَامَا فَحَلَبْتُ لَهُمَا غَبُوقَهُمَا فَوَجَدْتُّهُمَا نَائِمَيْنِ، فَكَرِهْتُ أَنْ أَغْبِقَ قَبْلَهُمَا أَهْلًا أَوْ مَالًا، فَلَبِثْتُ وَالْقَدَحُ عَلٰى يَدَيَّ أَنْتَظِرُ اسْتِيقَاظَهُمَا حَتّٰى بَرَقَ الْفَجْرُ فَاسْتَيْقَظَا فَشَرِبَا غَبُوقَهُمَا، اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَفَرِّجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيهِ مِنْ هٰذِهِ الصَّخْرَةِ، فَانْفَرَجَتْ شَيْئًا لَّا يَسْتَطِيعُونَ الْخُرُوجَ». قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَقَالَ الْآخَرُ: اَللّٰهُمَّ كَانَتْ لِي بِنْتُ عَمٍّ كَانَتْ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيَّ فَأَرَدْتُّهَا عَنْ نَّفْسِهَا، فَامْتَنَعَتْ مِنِّي حَتّٰى أَلَمَّتْ بِهَا سَنَةٌ مِّنَ السِّنِينَ فَجَاءَتْنِي فَأَعْطَيْتُهَا عِشْرِينَ وَمِائَةَ دِينَارٍ عَلٰى أَنْ تُخَلِّيَ بَيْنِي وَبَيْنَ نَفْسِهَا فَفَعَلَتْ، حَتّٰى إِذَا قَدَرْتُ عَلَيْهَا قَالَتْ: لَا أُحِلُّ لَكَ أَنْ تَفُضَّ الْخَاتَمَ إِلَّا بِحَقِّهِ، فَتَحَرَّجْتُ مِنَ الْوُقُوعِ عَلَيْهَا فَانْصَرَفْتُ عَنْهَا وَهِيَ أَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ وَتَرَكْتُ الذَّهَبَ الَّذِي أَعْطَيْتُهَا، اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيهِ، فَانْفَرَجَتِ الصَّخْرَةُ غَيْرَ أَنَّهُمْ لَا يَسْتَطِيعُونَ الْخُرُوجَ مِنْهَا». قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَقَالَ الثَّالِثُ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي اسْتَأْجَرْتُ أُجَرَاءَ فَأَعْطَيْتُهُمْ أَجْرَهُمْ غَيْرَ

نہیں دلا سکتی مگر ایک ذریعہ ہے کہ اپنی اپنی نیکیوں کو بیان کر کے اللہ سے دعا کریں، چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ! میرے والدین بہت بوڑھے تھے، میں ان سے پہلے کسی کو شام کا دودھ نہیں پلاتا تھا نہ اپنے بال بچوں کو اور نہ ہی لونڈی غلاموں کو۔ ایک دن کسی چیز کی تلاش میں مجھے اتنی دیر ہوگئی کہ جب میں ان کے پاس آیا تو وہ سو گئے تھے، چنانچہ میں نے شام کا دودھ دوہا اور اس کا برتن اپنے ہاتھ میں اٹھا لیا اور مجھے یہ سخت ناگوار تھا کہ ان سے پہلے میں اپنے اہل و عیال یا لونڈی غلاموں کو دودھ پلاؤں، لہٰذا میں پیالہ ہاتھ میں لیے ان کے بیدار ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ جب صبح ہوئی تو دونوں نے بیدار ہو کر اپنا شام کا دودھ پیا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ کام صرف تیری رضا جوئی کے لیے کیا تھا تو ہم کو اس مصیبت سے نجات دے دے، چنانچہ وہ پتھر تھوڑا سا اپنی جگہ سے ہٹ گیا لیکن وہ اس غار سے نکل نہ سکتے تھے۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''دوسرے شخص نے کہا: اے اللہ! میرے چچا کی ایک بیٹی تھی جو مجھے سب سے محبوب تھی۔ میں نے اس سے برے کام کی خواہش کی لیکن وہ راضی نہ ہوئی۔ ہوا یوں کہ ایک سال قحط پڑا تو وہ میرے پاس آئی۔ میں نے اس کو ایک سو بیس دینار اس شرط پر دیے کہ وہ مجھے برا کام کرنے دے۔ وہ راضی ہوگئی لیکن جب مجھے اس پر قدرت حاصل ہوئی تو کہنے لگی: میں تجھے ناحق مہر توڑنے کی اجازت نہیں دیتی۔ (یہ سن کر) میں نے بھی اس بات کو گناہ خیال کیا اور اس سے الگ ہوگیا، حالانکہ وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی۔ اور میں نے جو سونا اسے دیا تھا وہ بھی چھوڑ دیا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ کام محض تیری رضا جوئی کے لیے کیا تھا تو جس مصیبت میں ہم مبتلا ہیں اس کو

رَجُلٍ وَّاحِدٍ تَرَكَ الَّذِي لَهُ وَذَهَبَ فَثَمَّرْتُ أَجْرَهُ حَتّٰى كَثُرَتْ مِنْهُ الْأَمْوَالُ فَجَاءَنِي بَعْدَ حِينٍ فَقَالَ: يَا عَبْدَ اللهِ! أَدِّ إِلَيَّ أَجْرِي، فَقُلْتُ لَهُ: كُلُّ مَا تَرٰى مِنْ أَجْلِكَ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ وَالرَّقِيقِ. فَقَالَ: يَا عَبْدَ اللهِ! لَا تَسْتَهْزِئْ بِي، فَقُلْتُ: إِنِّي لَا أَسْتَهْزِئُ بِكَ، فَأَخَذَهُ كُلَّهُ فَاسْتَاقَهُ فَلَمْ يَتْرُكْ مِنْهُ شَيْئًا، اَللّٰهُمَّ فَإِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيهِ، فَانْفَرَجَتِ الصَّخْرَةُ فَخَرَجُوا يَمْشُونَ».

[راجع: ٢٢١٥]

دور کر دے، چنانچہ وہ پتھر تھوڑا سا اپنی جگہ سے اور سرک گیا مگر وہ اس غار سے نہیں نکل سکتے تھے۔" نبی ﷺ نے فرمایا: "اب تیسرے شخص نے کہا: اے اللہ! میں نے کچھ لوگوں کو مزدوری پر لگایا تھا اور انھیں ان کی مزدوری بھی دے دی تھی، لیکن ایک شخص اپنی مزدوری لیے بغیر چلا گیا۔ میں نے اس کی رقم کو کام میں لگایا جس سے بہت سا مال حاصل ہوا، چنانچہ ایک مدت کے بعد وہ مزدور آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے بندے! مجھے میری مزدوری دے۔ میں نے اسے کہا: یہاں جتنے اونٹ، گائے، بکریاں اور غلام تو دیکھ رہا ہے یہ سب کے سب تیری مزدوری کے ہیں۔ اس نے کہا: اے اللہ کے بندے! مجھ سے مذاق نہ کر۔ میں نے کہا: (ایسی کوئی بات نہیں) میں تیرے ساتھ مذاق نہیں کر رہا۔ تب اس نے تمام چیزیں اپنے قبضے میں لے لیں اور انھیں ہانک کر لے گیا اور اس میں سے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ کام محض تیری خوشنودی کے لیے کیا تھا تو یہ مصیبت ہم سے ٹال دے جس میں ہم مبتلا ہیں، چنانچہ وہ پتھر بالکل ہٹ گیا اور وہ اس غار سے باہر نکل کر چلے گئے۔"

فوائد و مسائل: ① استدلال کی بنیاد حدیث مذکور میں تیسرے شخص کا کردار ہے کہ اس نے ایک مزدور کے مال کو از خود کام میں لگایا جس سے خوب نفع حاصل ہوا، پھر اسی کو دے دیا۔ یہ اس صورت میں ہے جب سابقہ امتوں کے احکام ہمارے لیے مشروع ہوں اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع نہ کیا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ واقعہ بطور مدح و ثنا ذکر فرمایا اور ان کے کردار پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا۔ اگر یہ کام ہماری شریعت میں جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس کی وضاحت فرما دیتے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ واقعہ اگرچہ بطور وعظ و نصیحت بیان فرمایا، تاہم امام بخاری ؒ نے اس سے ایک فقہی مسئلے کا استنباط کیا ہے۔ ② شارح بخاری ابن بطال لکھتے ہیں کہ اگر کسی نے غصب کردہ یا امانت والے مال کو تجارت میں لگایا تو اس کا نفع اس کے لیے جائز ہے جبکہ اصل مال اس کے مالک کو واپس کر دیا جائے۔[1] ہمارے رجحان کے مطابق کسی کی امانت میں تصرف کرنے کا کسی کو حق نہیں۔ اگر کوئی تصرف کر کے نفع کماتا ہے تو وہ اصل مالک کا ہے زیادہ سے زیادہ وہ اپنی محنت کا معاوضہ "معروف طریقے" کے

1 فتح الباري: 517/4۔

مطابق لے سکتا ہے۔ اگر اس مال میں کمی ہو جائے یا وہ ضائع ہو جائے تو کام میں لانے والا اس کا ضامن ہوگا کیونکہ اس نے مال غیر میں بلا اجازت تصرف کیا ہے جو اس کے لیے شرعاً جائز نہ تھا۔ ③ اصلاحی صاحب اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: ''میرے نزدیک یہود میں مروج یہ ایک حکایت ہے ضروری نہیں کہ یہ حقیقی واقعہ ہو۔ اہل کتاب میں یہود کا مزاج اسی طرح کا ہے۔[1] گویا مولانا اصلاحی اور ان کے ہمنواؤں کے نزدیک یہ کوئی سچی حکایت نہیں بلکہ ایک فرضی داستان ہے۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْهَفَوَاتِ الْإِصْلَاحِيِّ وَ أَنْصَارِهِ.

(١٣) بَابُ مَنْ آجَرَ نَفْسَهُ لِيَحْمِلَ عَلَى ظَهْرِهِ، ثُمَّ تَصَدَّقَ بِهِ، وَأَجْرِ الْحَمَّالِ

باب: 13- بار برداری سے مزدوری کمانے، پھر اسے صدقہ کرنے اور بار برداری کی اجرت کا بیان

٢٢٧٣ - حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْقُرَشِيُّ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ، اِنْطَلَقَ أَحَدُنَا إِلَى السُّوقِ فَيُحَامِلُ فَيُصِيبُ الْمُدَّ وَإِنَّ لِبَعْضِهِمْ لَمِائَةَ أَلْفٍ، قَالَ: مَا نَرَاهُ إِلَّا نَفْسَهُ.

[2273] حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب صدقہ وخیرات کرنے کا حکم دیتے تو ہم میں سے کوئی شخص بازار جاتا اور بار برداری کر کے (بوجھ اٹھا کر) ایک مد غلہ حاصل کرتا (اور اسے صدقہ کرتا) جبکہ آج ان میں سے بعض لاکھوں میں کھیلتے ہیں۔ راوی حدیث (حضرت شقیق) کہتے ہیں کہ میرے خیال کے مطابق حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے ''بعض'' سے مراد خود ہی کو لیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① بار برداری کر کے مزدوری کرنے میں انسان کی توہین نہیں بلکہ بوجھ اٹھا لینا سوال کرنے کی ذلت سے بہتر ہے۔ جس طرح کام کاج اور مزدوری چھوڑ دینا سوال کرنے کی ذلت کا باعث ہے، اسی طرح صدقہ و خیرات ترک کرنا اخروی افلاس اور ذلت کا باعث بنتا ہے۔ ایک حدیث میں بہترین صدقہ اسے قرار دیا گیا ہے کہ انسان اس کے بعد خود محتاج نہ بن جائے بلکہ غنی رہے۔[2] اس حدیث سے وہم پیدا ہوتا ہے کہ صدقہ وہ مال دار آدمی کرے جس کی رقم ضروریات سے زائد ہو اور جس کے پاس کچھ نہ ہو وہ صدقہ و خیرات نہ کرے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس وہم کو دور کرنے کے لیے مذکورہ عنوان اور حدیث کو پیش کیا ہے کہ دور اول میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا لیکن جب رسول اللہ ﷺ انھیں خیرات کرنے کا حکم دیتے تو وہ منڈی جاتے اور بار برداری کر کے کچھ غلہ حاصل کرتے اور اسے اللہ کی راہ میں دے دیتے۔ ② صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا کتنا جذبہ رکھتے تھے! لیکن افسوس کہ آج لاکھوں رکھنے والے صدقہ و خیرات کا خیال ہی نہیں کرتے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مزدوری اس لیے کرتے تھے کہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ یقیناً یہ وہ انفاق ہے جس سے دل میں نور حکمت پیدا

---

1 تدبر حدیث : 566/1. 2 صحیح البخاري، الزكاة، حديث :1426.

ہوتا ہے جو بہت بڑا خزانہ ہے۔

(١٤) بَابُ أَجْرِ السَّمْسَرَةِ

وَلَمْ يَرَ ابْنُ سِيرِينَ وَعَطَاءٌ وَّإِبْرَاهِيمُ وَّالْحَسَنُ بِأَجْرِ السِّمْسَارِ بَأْسًا. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَا بَأْسَ أَنْ يَّقُولَ: بِعْ هٰذَا الثَّوْبَ، فَمَا زَادَ عَلٰى كَذَا وَكَذَا فَهُوَ لَكَ. وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ: إِذَا قَالَ: بِعْهُ بِكَذَا فَمَا كَانَ مِنْ رِّبْحٍ فَلَكَ أَوْ بَيْنِي وَبَيْنَكَ؛ فَلَا بَأْسَ بِهِ. وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْمُسْلِمُونَ عِنْدَ شُرُوطِهِمْ».

باب: 14- دلال کی اجرت

امام ابن سیرین، حضرت عطاء، ابراہیم نخعی اور حسن بصری ؒ کہتے ہیں کہ دلالی کی اجرت میں کوئی قباحت نہیں۔ حضرت ابن عباس ؓ کہتے ہیں: اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ جاؤ یہ کپڑا اتنے میں فروخت کردو اور اس (مقررہ قیمت) سے زیادہ جو نفع ہو وہ تمھارا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ ابن سیرین ؒ کہتے ہیں کہ اس میں بھی کوئی خرابی نہیں کہ اگر کوئی دوسرے سے کہتا ہے کہ فلاں چیز اتنے میں فروخت کردو اور جو نفع ہو وہ تمھارا یا میرے اور تمھارے درمیان مشترک ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''مسلمان اپنی شرائط کے پابند ہیں۔''

وضاحت: امام ابن سیرین، حضرت عطاء اور حضرت ابراہیم نخعی کے اقوال کو مصنف ابن ابی شیبہ (531/7) میں متصل سند سے بیان کیا گیا ہے، اسی طرح حضرت ابن عباس ؓ کے اثر کو بھی مصنف ابن ابی شیبہ (213/7) میں موصولاً روایت کیا گیا ہے۔ ابن سیرین ؒ کے دوسرے اثر کو بھی ابن ابی شیبہ میں مختلف الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔[1] رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی کو امام بخاری ؒ نے کسی مقام پر متصل سند سے بیان نہیں کیا ہے، البتہ امام اسحاق نے اپنی مسند میں اسے ذکر کیا ہے۔ اس میں یہ اضافہ ہے کہ ایسی شرط نہ ہو جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر دے۔ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب دلالی طے کر لی جائے تو دلال اور سامان کے مالک کو اپنی شرائط پر قائم رہنا چاہیے۔[2]

٢٢٧٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يُّتَلَقَّى الرُّكْبَانُ وَلَا يَبِيعَ حَاضِرٌ لِّبَادٍ، قُلْتُ: يَا ابْنَ عَبَّاسٍ! مَا قَوْلُهُ: «لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِّبَادٍ»؟ قَالَ: لَا يَكُونُ لَهُ سِمْسَارًا. [راجع: ٢١٥٨]

[2274] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے اس امر سے منع فرمایا ہے کہ بازار میں مال تجارت لانے والوں سے آگے بڑھ کر معاملہ طے کیا جائے۔ اور فرمایا کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال نہ فروخت کرے۔ راوی حدیث کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس ؓ سے دریافت کیا کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال

1 المصنف لابن أبي شيبة: 213/7. 2 فتح الباري: 570/4.

فروخت نہ کرے، اس کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ اس کا دلال نہ بنے۔

فوائدومسائل: ① آج کل ہمارے ہاں کسی کارخانے یا فرم کا مال ایجنٹ بن کر فروخت کیا جاتا ہے، بڑے بڑے کاروبار اسی طرز پر چلتے ہیں۔ طے شدہ کمیشن پر ایسا کرنا جائز ہے۔ صارفین کے لیے اس میں آسانی ہے۔ اگر کسی نے جائیداد خریدنی یا فروخت کرنی ہو تو اسے ڈیلر حضرات کے ذریعے سے فروخت کیا یا خریدا جا سکتا ہے، ان کا کمیشن فیصد کے حساب سے طے ہوتا ہے۔ ڈیلر حضرات کے لیے ضروری ہے کہ وہ جھوٹ اور فریب سے کام نہ لیں اور دیانت داری کے ساتھ اپنی ذمہ داری پوری کریں۔ ② اس حدیث میں دیہات سے مال لانے والوں کو آگے بڑھ کر ملنے اور ان سے معاملہ طے کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اس کا دلال نہ بنے۔ یہ حکم امتناعی اس صورت میں ہے کہ شہری آدمی دیہات سے مال لانے والے کو بازار کے نرخ سے بے خبر رکھے۔ ایسا کرنے سے بازار والوں کے لیے بھی نقصان کا پہلو پیدا ہوتا ہے۔ اگر بازار کے ریٹ پر، دوسرے خریداروں پر اور بازار والوں پر ایسا کرنے سے کوئی غلط اثر یا دباؤ نہیں پڑتا تو اس طریقے سے کسی دوسرے کا ایجنٹ بن کر مال خریدا جا سکتا ہے اور اسے فروخت بھی کیا جا سکتا ہے، دونوں طرف سے کمیشن وصول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ③ چیز فروخت کرنے کے بعد ایجنٹ حضرات سبزی یا پھلوں سے اپنی پسند کی سبزی یا پھل لے لیتے ہیں، ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ صرف طے شدہ کمیشن کے حق دار ہیں جو انھوں نے وصول کر لیا ہے۔

(١٥) بَابٌ: هَلْ يُؤَاجِرُ الرَّجُلُ نَفْسَهُ مِنْ مُشْرِكٍ فِي أَرْضِ الْحَرْبِ؟

باب: 15- کیا کوئی شخص دارالحرب میں کسی مشرک کی مزدوری کر سکتا ہے؟

٢٢٧٥ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ مُسْلِمٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ: حَدَّثَنَا خَبَّابٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ رَجُلًا قَيْنًا فَعَمِلْتُ لِلْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ فَاجْتَمَعَ لِي عِنْدَهُ فَأَتَيْتُهُ أَتَقَاضَاهُ فَقَالَ: لَا، وَاللهِ لَا أَقْضِيكَ حَتَّى تَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ، فَقُلْتُ: أَمَا وَاللهِ حَتَّى تَمُوتَ ثُمَّ تُبْعَثَ، فَلَا، قَالَ: وَإِنِّي لَمَيِّتٌ ثُمَّ مَبْعُوثٌ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنَّهُ سَيَكُونُ لِي ثَمَّ مَالٌ وَوَلَدٌ فَأَقْضِيكَ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: ﴿أَفَرَءَيْتَ ٱلَّذِى كَفَرَ بِـَٔايَـٰتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا

[2275] حضرت خباب بن ارت ؓ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا: میں لوہار کا پیشہ کرتا تھا۔ میں نے عاص بن وائل کے لیے کام کیا۔ اس کے پاس میری مزدوری جمع ہو گئی۔ میں نے اس سے اپنی اجرت کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں تمھیں کوڑی نہ دوں گا تا آنکہ تو "محمد" کا انکار کرے۔ (حضرت خباب کہتے ہیں) میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں آپ کا انکار نہیں کروں گا حتی کہ تو مر جائے، پھر زندہ کیا جائے۔ اس نے کہا: کیا مجھے مرنا بھی ہے اور پھر اٹھنا بھی ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: پھر تو وہاں میرے پاس مال بہت ہو گا اور اولاد بھی تو (وہاں) تیری مزدوری ادا

وَوَلَدًا﴾ [مريم: ٧٧]. [راجع: ٢٠٩١]

کردوں گا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''(اے نبی!) کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے میری آیات کا انکار کیا اور کہا کہ میں مال اور اولاد دیا جاؤں گا۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ مسلمان تھے اور عاص بن وائل مشرک تھا۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ میں جو اس وقت دارالحرب تھا، عاص بن وائل کا اجرت پر کام کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس پر مطلع ہوئے، اسے برقرار رکھا اور آپ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ② امام بخاری نے اس کے متعلق پورے جزم سے کوئی فیصلہ نہیں کیا کیونکہ احتمال تھا کہ آپ نے یہ کام نظریۂ ضرورت کے پیش نظر کیا ہو یا مشرکین سے قتال کا حکم نہ آیا ہو اور یہ اس سے پہلے کا واقعہ ہو۔ بعض اہل علم نے دو شرطوں کے ساتھ اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے: ○ وہ کام مسلمانوں کے لیے حلال اور جائز ہو، یعنی خنزیر ذبح کرنے یا شراب کشید کرنے پر مزدوری نہ کی جائے۔ ○ مسلمانوں کو اس کام سے کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ نہ ہو، یعنی کفار کے لیے اسلحہ وغیرہ تیار کرنے پر اجرت لینا جائز نہیں ہوگا۔ ہمارے رجحان کے مطابق کسی ضرورت کے پیش نظر مذکورہ شرائط کے ساتھ کفار و مشرکین کی مزدوری کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اسے مطلقاً جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ واللہ أعلم.

(١٦) بَابُ مَا يُعْطَى فِي الرُّقْيَةِ عَلَى أَحْيَاءِ الْعَرَبِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

باب: 16- قبائل عرب پر فاتحہ پڑھ کر دم کرنے کے عوض جو کچھ دیا جائے اس کا حکم

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «أَحَقُّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللهِ». وَقَالَ الشَّعْبِيُّ: لَا يَشْتَرِطُ الْمُعَلِّمُ إِلَّا أَنْ يُعْطَى شَيْئًا فَلْيَقْبَلْهُ. وَقَالَ الْحَكَمُ: لَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا كَرِهَ أَجْرَ الْمُعَلِّمِ. وَأَعْطَى الْحَسَنُ دَرَاهِمَ عَشَرَةً. وَلَمْ يَرَ ابْنُ سِيرِينَ بِأَجْرِ الْقَسَّامِ بَأْسًا، وَقَالَ: كَانَ يُقَالُ: اَلسُّحْتُ: اَلرِّشْوَةُ فِي الْحُكْمِ وَكَانُوا يُعْطَوْنَ عَلَى الْخَرْصِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ ''سب سے زیادہ اجرت لینے کے لائق اللہ کی کتاب ہے۔'' امام شعبی نے کہا: معلم شرط نہ کرے (کہ اسے کچھ دیا جائے) البتہ اسے جو کچھ دیا جائے اسے قبول کرلے۔ حضرت حکم کہتے ہیں: میں نے کسی سے نہیں سنا کہ اس نے معلم کی اجرت کو مکروہ خیال کیا ہو۔ حضرت حسن بصری نے دس درہم بطور اجرت ادا کیے۔ ابن سیرین نے تقسیم کرنے والے کی اجرت میں کوئی قباحت نہیں سمجھی۔ انھوں نے کہا کہ فیصلے میں رشوت لینے کو سحت کہا جاتا ہے جبکہ خرص، یعنی اندازہ لگانے والے لوگوں کو اجرت دی جاتی تھی۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس مرفوع حدیث کو خود ہی کتاب الطب، حدیث: 5737 کے تحت متصل سند سے روایت کیا ہے۔ امام شعبی رحمہ اللہ کا قول مصنف ابن ابي شيبہ (293/7) میں متصل سند سے بیان ہوا ہے۔ حکم

کا قول بھی مصنف ابن ابی شیبہ (7/295) میں موصولاً بیان کیا ہے۔ حضرت حسن بصری کے عمل کو طبقات ابن سعد میں ذکر کیا گیا ہے۔[1] تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے متعلق بعض روایات انتہائی سخت ہیں۔ دراصل قرآن مجید پڑھانے پر اجرت نہیں ہوتی بلکہ معلم کو پابند کرنے پر اجرت دی جاتی ہے کہ اس سے جو وقت لیا جاتا ہے، اس کے عوض جو کچھ دیا جائے وہ اس کا حق ہے۔ اس عنوان کے تحت تقسیم کرنے والے اور اندازہ لگانے والے کی اجرت کو تبعاً بیان کیا گیا ہے۔

٢٢٧٦ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: انْطَلَقَ نَفَرٌ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفْرَةٍ سَافَرُوهَا حَتَّى نَزَلُوا عَلَى حَيٍّ مِّنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ فَاسْتَضَافُوهُمْ فَأَبَوْا أَنْ يُّضَيِّفُوهُمْ، فَلُدِغَ سَيِّدُ ذٰلِكَ الْحَيِّ فَسَعَوْا لَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ لَّا يَنْفَعُهُ شَيْءٌ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَوْ أَتَيْتُمْ هٰؤُلَاءِ الرَّهْطَ الَّذِينَ نَزَلُوا لَعَلَّهُ أَنْ يَّكُونَ عِنْدَ بَعْضِهِمْ شَيْءٌ، فَأَتَوْهُمْ فَقَالُوا: يَا أَيُّهَا الرَّهْطُ! إِنَّ سَيِّدَنَا لُدِغَ وَسَعَيْنَا لَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ لَّا يَنْفَعُهُ، فَهَلْ عِنْدَ أَحَدٍ مِّنْكُمْ مِّنْ شَيْءٍ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: نَعَمْ، وَاللهِ إِنِّي لَأَرْقِي وَلٰكِنْ وَاللهِ لَقَدِ اسْتَضَفْنَاكُمْ فَلَمْ تُضَيِّفُونَا، فَمَا أَنَا بِرَاقٍ لَّكُمْ حَتَّى تَجْعَلُوا لَنَا جُعْلًا، فَصَالَحُوهُمْ عَلَى قَطِيعٍ مِّنَ الْغَنَمِ، فَانْطَلَقَ يَتْفِلُ عَلَيْهِ وَيَقْرَأُ: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ فَكَأَنَّمَا نُشِطَ مِنْ عِقَالٍ فَانْطَلَقَ يَمْشِي وَمَا بِهِ قَلَبَةٌ، قَالَ: فَأَوْفُوهُمْ جُعْلَهُمُ الَّذِي صَالَحُوهُمْ عَلَيْهِ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: اقْسِمُوا، فَقَالَ الَّذِي رَقٰى: لَا تَفْعَلُوا حَتَّى نَأْتِيَ النَّبِيَّ ﷺ فَنَذْكُرَ لَهُ الَّذِي كَانَ فَنَنْظُرَ مَا

[2276] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ کے کچھ صحابہ کسی سفر پر روانہ ہوئے۔ جاتے جاتے انھوں نے عرب کے ایک قبیلے کے پاس پڑاؤ کیا اور چاہا کہ اہل قبیلہ ان کی مہمانی کریں مگر انھوں نے اس سے صاف انکار کر دیا۔ اسی دوران میں اس قبیلے کے سردار کو کسی زہریلی چیز نے ڈس لیا۔ ان لوگوں نے ہر قسم کا علاج کیا مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ کسی نے کہا: تم ان لوگوں کے پاس جاؤ جو یہاں پڑاؤ کیے ہوئے ہیں، شاید ان میں سے کسی کے پاس کوئی علاج ہو، چنانچہ وہ لوگ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے لوگو! ہمارے سردار کو کسی زہریلی چیز نے ڈس لیا ہے اور ہم نے ہر قسم کی تدبیر کی ہے مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا، کیا تم میں سے کسی کے پاس کوئی چیز (علاج) ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا: اللہ کی قسم! میں جھاڑ پھونک کرتا ہوں، لیکن واللہ! تم لوگوں سے ہم نے اپنی مہمانی کی خواہش کی تھی تو تم نے اسے مسترد کر دیا تھا، اب میں بھی تمھارے لیے جھاڑ پھونک نہیں کروں گا جب تک تم ہمارے لیے کوئی اجرت مقرر نہیں کرو گے۔ آخر انھوں نے چند بکریوں کی اجرت پر ان کو راضی کر لیا، چنانچہ (صحابہ میں سے) ایک آدمی گیا اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے لگا تو وہ شخص (ایسا صحت یاب ہوا) گویا اس کے بند کھول دیے گئے ہوں، پھر وہ اٹھ کر چلنے پھرنے لگا۔ ایسا

---

[1] فتح الباري: 4/573.

يَأْمُرُنَا، فَقَدِمُوا عَلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَذَكَرُوا لَهُ فَقَالَ: «وَمَا يُدْرِيكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ؟» ثُمَّ قَالَ: «قَدْ أَصَبْتُمْ، اِقْسِمُوا وَاضْرِبُوا لِي مَعَكُمْ سَهْمًا». فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ.

معلوم ہوتا تھا کہ اسے کوئی بیماری تھی ہی نہیں۔ راوی کہتے ہیں: ان لوگوں نے ان کی مقررہ اجرت ان کے حوالے کر دی تو صحابۂ کرام ؓ آپس میں کہنے لگے: اسے تقسیم کر لو لیکن دم کرنے والے نے کہا: ابھی تقسیم نہ کرو تاوقتیکہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر اس واقعے کا تذکرہ کریں اور معلوم کریں کہ آپ ﷺ اس کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے یہ واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا: ''تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ (سورۂ فاتحہ) سے جھاڑ پھونک کی جاتی ہے؟'' پھر فرمایا: ''تم نے ٹھیک کیا۔ انھیں تقسیم کر لو، بلکہ اپنے ساتھ میرا حصہ بھی رکھو۔'' یہ کہہ کر نبی ﷺ مسکرا دیے۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَقَالَ شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا أَبُو بِشْرٍ: سَمِعْتُ أَبَا الْمُتَوَكِّلِ بِهٰذَا. [انظر: ٥٠٠٧، ٥٧٣٦، ٥٧٤٩]

ابو عبداللہ (امام بخاری ؒ) کہتے ہیں: حضرت شعبہ نے کہا کہ ہم سے ابوبشر نے بیان کیا، انھوں نے کہا: میں نے ابوالمتوکل سے یہ حدیث سنی ہے۔

فوائد و مسائل: ① سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرنا اور اس کے عوض اجرت لینا جائز ہے جیسا کہ اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ دوسری روایات میں صراحت ہے کہ دم کرنے والے نے تیس بکریاں لینے پر معاملہ طے کیا تھا۔ ان بکریوں کا مالک وہ اکیلا تھا، البتہ ان کو تقسیم کرنا صرف اخلاقی طور پر مستحسن تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی تسلی کے لیے فرمایا: ''ان بکریوں میں میرا بھی حصہ رکھو۔'' تاکہ انھیں مزید یقین ہو جائے کہ مذکورہ مال ان کے لیے حلال اور پاکیزہ ہے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآنی آیات کو جھاڑ پھونک یا دم کے طور پر پڑھنا جائز ہے، اسی طرح وہ منتر جس کے الفاظ قرآن و حدیث میں نہیں آئے لیکن ان کا مفہوم واضح ہے اور وہ قرآن و حدیث کے خلاف نہیں انھیں عمل میں لانا بھی جائز ہے۔ ③ تعلیم قرآن پر اجرت کے متعلق ہمارا رجحان یہ ہے کہ یہ جائز ہے اور اجرت قرآن پڑھنے پڑھانے کی نہیں ہوتی بلکہ معلم کو پابند کرنے کے عوض ہوتی ہے کیونکہ یہ پابندی اسے باندھ دیتی ہے اور وہ آسانی کے ساتھ کہیں آ جا نہیں سکتا۔ اس بنا پر اسے جو کچھ دیا جائے گا وہ اس کے کام کی اجرت نہیں بلکہ اس وقت کا معاوضہ ہے جو اس نے تعلیم قرآن کے لیے دیا ہے، اس بنا پر جہاں اس کے متعلق سخت وعید ہے اس کا محل کچھ اور ہے اور جس چیز کی اجرت مباح کی گئی ہے اس کی صورت اور ہے۔ واللہ أعلم. ④ آخر میں امام بخاری ؒ نے اس حدیث کی ایک مزید سند ذکر کی ہے جسے امام ترمذی ؒ نے بیان کیا ہے۔ امام بخاری نے بھی اسے روایت کیا ہے

لیکن اس میں تصریح سماع نہیں۔[1] اس بنا پر ہم نے امام ترمذی کا حوالہ دیا ہے کیونکہ اس میں تصریح سماع ہے۔[2]

(١٧) بَابُ ضَرِيبَةِ الْعَبْدِ وَتَعَاهُدِ ضَرَائِبِ الْإِمَاءِ

باب: 17- غلام پر ٹیکس عائد کرنا اور لونڈیوں کے ذمے واجبات کی نگرانی کرنا

٢٢٧٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: حَجَمَ أَبُو طَيْبَةَ النَّبِيَّ ﷺ فَأَمَرَ لَهُ بِصَاعٍ أَوْ صَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ، وَكَلَّمَ مَوَالِيَهُ فَخَفَّفَ عَنْ غَلَّتِهِ أَوْ ضَرِيبَتِهِ. [راجع: ٢١٠٢]

[2277] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ابوطیبہ نے نبی ﷺ کو پچھنے لگائے تو آپ نے اس کے لیے ایک یا دو صاع اناج دینے کا حکم دیا اور اس کے مالکان سے سفارش کی کہ جو ٹیکس اس پر مقرر ہے، اس میں کچھ کمی کر دیں (تو وہ کم کر دیا گیا)۔

فوائد و مسائل: ① مالک اپنے زرخرید غلام پر جو ٹیکس مقرر کرتا ہے جسے وہ ہر روز ادا کرتا ہے اسے ضريبة العبد کہا جاتا ہے۔ حدیث میں مذکور ابوطیبہ نے اپنے مالک کی طرف سے عائد کردہ رقم کے زیادہ ہونے کا شکوہ کیا ہوگا تو آپ ﷺ نے اس میں کمی کرنے کی سفارش کر دی۔ ② اس حدیث میں لونڈی کے ٹیکس کی صراحت نہیں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے غلام کے ٹیکس پر اسے قیاس کیا ہے کیونکہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں، البتہ لونڈیوں کے ذرائع آمدن پر نگرانی کرنے کا حکم ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ پیشۂ زنا سے حاصل کرنے لگیں، اس لیے مالک کو چاہیے کہ لونڈی پر عائد کردہ ٹیکس کا خیال رکھے کہ وہ زنا اور بدکاری سے حاصل کر کے اسے نہ دے رہی ہو۔ اگرچہ غلام کی کمائی بھی چوری وغیرہ سے ہو سکتی ہے لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔[3]

(١٨) بَابُ خَرَاجِ الْحَجَّامِ

باب: 18- سینگی لگانے والے کی اجرت

٢٢٧٨ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: احْتَجَمَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَعْطَى الْحَجَّامَ أَجْرَهُ. [راجع: ١٨٣٥]

[2278] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے سینگی لگوائی اور سینگی لگانے والے کو اجرت دی۔

٢٢٧٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ خَالِدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ

[2279] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے پچھنا لگوایا اور حجام کو اس کی

① صحيح البخاري، الطب، حديث: 5749. ② جامع الترمذي، الطب، حديث: 2064. ③ فتح الباري: 578/4.

اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: احْتَجَمَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَعْطَى الْحَجَّامَ أَجْرَهُ وَلَوْ عَلِمَ كَرَاهِيَةً لَمْ يُعْطِهِ. [راجع: ١٨٣٥]

اجرت دی۔ اگر آپ حجام کی اجرت مکروہ خیال کرتے تو اسے نہ دیتے۔

٢٢٨٠ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَحْتَجِمُ وَلَمْ يَكُنْ يَظْلِمُ أَحَدًا أَجْرَهُ. [راجع: ٢١٠٢]

[2280] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ سینگی لگواتے تھے اور کسی کی مزدوری میں کمی نہیں فرماتے تھے۔

فائدہ: قبل ازیں ایک روایت گزر چکی ہے کہ ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک سینگی لگانے والا غلام خریدا تو اس کے آلات وغیرہ توڑ ڈالے، بیٹے کے سوال کرنے پر بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے خون کی قیمت سے منع کیا ہے[1] اس روایت کے پیش نظر کچھ لوگوں کو تردد تھا کہ پچھنا لگوانا اور اس پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان روایات سے یہ ثابت کیا ہے کہ سینگی لگوانا جائز ہے اور اس پر مزدوری لینا بھی مباح ہے۔ بعض روایات میں سینگی لگانے کی اجرت کو خبیث کہا گیا ہے، اس سے مراد نہی تحریم نہیں بلکہ نہی تنزیہ ہے، یعنی بہتر ہے کہ اس طرح کے کاروبار سے بچا جائے کیونکہ بعض دفعہ خون وغیرہ انسان کے حلق سے نیچے بھی اتر سکتا ہے، اس لیے آپ نے اس کی اجرت کو لفظ ''خبیث'' سے تعبیر کیا ہے۔[2]

(١٩) بَابُ مَنْ كَلَّمَ مَوَالِيَ الْعَبْدِ أَنْ يُخَفِّفُوا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ

باب: 19- غلام کے مالکان سے اس کا یومیہ ٹیکس کم کرنے کی سفارش کرنا

٢٢٨١ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: دَعَا النَّبِيُّ ﷺ غُلَامًا حَجَّامًا فَحَجَمَهُ وَأَمَرَ لَهُ بِصَاعٍ أَوْ صَاعَيْنِ، أَوْ مُدٍّ أَوْ مُدَّيْنِ، وَكَلَّمَ فِيهِ فَخُفِّفَ مِنْ ضَرِيبَتِهِ. [راجع: ٢١٠٢]

[2281] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے سینگی لگانے والے غلام کو بلایا تو اس نے آپ کو پچھنے لگائے اور آپ نے اس کے لیے ایک صاع یا دو صاع یا ایک یا دو مد غلہ دینے کا حکم دیا اور اس کے معاملے کے متعلق گفتگو فرمائی تو اس کے مقررہ یومیہ ٹیکس میں کمی کردی گئی۔

فوائد و مسائل: ① سینگی لگانے والے غلام کی کنیت ابوطیبہ اور نام نافع تھا۔ اس روایت میں راوی کو تردد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے کتنا غلہ دیا جبکہ قبل ازیں روایت گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے کھجور کا ایک صاع عنایت فرمایا تھا۔[3] جامع

1 صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2238. 2 فتح الباري: 579/4. 3 صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2102.

ترمذی اور سنن ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ انھیں ایک صاع دیں۔[1] مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت کیا کہ تیرا یومیہ ٹیکس کس قدر ہے؟ تو اس نے کہا: دو صاع، پھر آپ کی سفارش سے اس کے مالکان نے ایک صاع معاف کر دیا۔[2] اس کے مالکان بنو حارثہ قبیلے کے لوگ تھے، ان میں سے حضرت محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بنو بیاضہ کے غلام تھے، حالانکہ یہ وہم ہے کیونکہ ان کا غلام ابوہند تھا۔[3] اس روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اس غلام کے متعلق سفارش فرمائی تھی۔ ② اگر غلام کا محصول اس قدر زیادہ ہو کہ اسے ادا کرنے کی طاقت نہ ہو تو حاکم وقت اس میں تخفیف لازم کر سکتا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب اسلام کی برکت سے غلامی کا دور ختم ہو چکا ہے لیکن اب افراد کو غلام بنانے کے بجائے قوموں کو غلام بنایا جاتا ہے جس کے لیے نئے نئے طریقے ایجاد ہو چکے ہیں۔ أعاذنا الله منه.

(٢٠) بَابُ كَسْبِ الْبَغِيِّ وَالْإِمَاءِ

وَكَرِهَ إِبْرَاهِيمُ أَجْرَ النَّائِحَةِ وَالْمُغَنِّيَةِ. وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَن يُكْرِههُّنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِن بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ [النور:٣٣]، وَقَالَ مُجَاهِدٌ: فَتَيَاتِكُمْ: إِمَاءَكُمْ.

باب: 20- فاحشہ عورت اور لونڈیوں کی کمائی

حضرت ابراہیم نخعی نے بین کرنے والی اور گلوکارہ کی اجرت کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اور اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ عفت اور پاکدامنی چاہتی ہیں، محض اس لیے کہ کچھ متاع دنیا تمھیں حاصل ہو جائے اور جو انھیں مجبور کرے گا تو یقیناً اس مجبوری کے بعد اللہ بے حد بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔"

حضرت مجاہد کہتے ہیں: فَتَيَاتِكُمْ سے مراد تمھاری لونڈیاں ہیں۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کا حکم بیان نہیں کیا کیونکہ فاحشہ عورت کی کمائی تو مطلق طور پر حرام ہے اور لونڈی کی وہ کمائی حرام ہے جو زنا اور بدکاری سے ہو، اس کی دست کاری وغیرہ کی کمائی حرام نہیں۔ اس سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک آیت کا حوالہ دیا ہے جس میں لونڈیوں کو بدکاری کرانے پر مجبور کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ دور جاہلیت میں کئی لوگ چکلے قائم کر لیتے اور اپنی لونڈیوں سے پیشہ کرا کر اس کی آمدنی سے فائدہ اٹھاتے۔ اس آیت کی رو سے حرام کاری کی کمائی حرام ٹھہرتی ہے، خواہ یہ حرام کاری کسی لونڈی سے کرائی جائے یا کوئی طوائف یا زانیہ اس کا ذریعہ بنے۔ ابراہیم نخعی کا اثر مصنف ابن ابی شیبہ (551/7) میں متصل سند سے بیان ہوا ہے۔ اس کی باب سے مناسبت اس طرح ہے کہ فاحشہ عورت اور بین کرنے والی، نیز

---

1 جامع الترمذي، البيوع، حديث: 1278، وسنن ابن ماجه، التجارات، حديث: 2163. 2 المصنف لابن أبي شيبة: 267/6. 3 فتح الباري: 561/4.

گلوکارہ کی اجرت میں مناسبت ہے کیونکہ یہ تمام افعال کبیرہ گناہ ہیں اور ان پر اجرت لینا حرام ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس اثر سے آئندہ آنے والی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ اس سے وہ کسب حرام ہے جو حرام ہو یا حرام کی طرف لے جانے والا ہو۔[1]

٢٢٨٢ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ، وَمَهْرِ الْبَغِيِّ، وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ. [راجع: ٢٢٣٧]

[2282] حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت، زانیہ کی کمائی اور کاہن کی شیرینی سے منع فرمایا ہے۔

فائدہ: اس حدیث کے مطابق زانیہ عورت کی کمائی حرام ٹھہرتی ہے، خواہ آزاد ہو یا لونڈی، اس طرح یہ حدیث عنوان کے ہر دو اجزاء سے مطابق ہو جاتی ہے۔ ویسے بھی زانیہ اور لونڈی میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے کیونکہ زانیہ کبھی لونڈی ہوتی ہے تو کبھی آزاد عورت بھی یہ پیشہ اختیار کر لیتی ہے۔ بہر حال مذکورہ حدیث کے مطابق یہ پیشہ اختیار کرنا حرام اور اس کی کمائی باطل ہے۔

٢٢٨٣ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُحَادَةَ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ كَسْبِ الْإِمَاءِ. [انظر: ٥٣٤٨]

[2283] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے لونڈیوں کی (بدکاری کی) کمائی سے منع فرمایا ہے۔

فائدہ: لونڈیوں کی اجرت سے مراد زنا کر کے اجرت حاصل کرنا۔ یہ حرام ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں، البتہ ان کے ہاتھ کی ہنر مندی اور اس کی آمدنی جائز ہے۔ ② بہر حال قرآنی آیت اور مذکورہ ہر دو احادیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ رنڈی کی کمائی اور لونڈی کا پیشے کے ذریعے سے کمائی کرنا حرام ہے۔ دور جاہلیت میں کچھ لوگ اپنی لونڈیوں سے پیشہ کرانے کے بعد حرام کمائی کھاتے تھے، اسلام نے سختی کے ساتھ جسم فروشی سے منع کر دیا اور ایسی کمائی کو لقمۂ حرام قرار دیا۔

(٢١) بَابُ عَسْبِ الْفَحْلِ

باب: 21- جانور کی جفتی پر اجرت لینا

٢٢٨٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ

[2284] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں

1 فتح الباري: 581/4.

وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحَكَمِ، عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ.

نے کہا: نبی ﷺ نے جفتی کرانے کا معاوضہ لینے سے منع فرمایا ہے۔

فائدہ: اس کی صورت یہ ہے کہ ایک ریوڑ والا اپنی ضرورت کے پیش نظر دوسرے ریوڑ والے سے سانڈ مانگے اور وہ اجرت لیے بغیر سانڈ نہ دے بلکہ اس پر کرایہ وصول کرے، اجارے کی یہ صورت ناجائز اور حرام ہے۔ ہاں، عاریتاً نر جانور کا دینا جائز ہے کیونکہ اسے بھی ناجائز قرار دیا جائے تو اس سے نسل ختم ہونے کا اندیشہ ہے، اسی طرح اگر مادہ والا غیر مشروط طور پر نر والے کو ہدیہ کے طور پر کچھ دے تو اس کے لینے میں کوئی قباحت نہیں، البتہ جفتی کرانے کا کرایہ وصول کرنا حرام ہے کیونکہ اس سے معلوم نہیں کہ مادہ جفتی سے بارآور ہوتی ہے یا نہیں، نیز حیوان کا نطفہ کوئی قیمتی چیز نہیں اور نہ اس کا دینا کسی کے بس میں ہے۔[1]

(۲۲) بَابٌ: إِذَا اسْتَأْجَرَ أَرْضًا فَمَاتَ أَحَدُهُمَا

باب: 22- جب کوئی زمین ٹھیکے پر لے اور معاملے کا ایک فریق مر جائے

وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ: لَيْسَ لِأَهْلِهِ أَنْ يُّخْرِجُوهُ إِلَى تَمَامِ الْأَجَلِ. وَقَالَ الْحَكَمُ وَالْحَسَنُ وَإِيَاسُ بْنُ مُعَاوِيَةَ: تُمْضَى الْإِجَارَةُ إِلَى أَجَلِهَا. وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: أَعْطَى النَّبِيُّ ﷺ خَيْبَرَ بِالشَّطْرِ، فَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَّصَدْرًا مِّنْ خِلَافَةِ عُمَرَ. وَلَمْ يُذْكَرْ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ جَدَّدَ الْإِجَارَةَ بَعْدَ مَا قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ.

ابن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ متوفی کے ورثاء کے لیے جائز نہیں کہ وہ مدت پوری ہونے سے پہلے ٹھیکے دار کو بے دخل کریں۔ حضرت حکم، امام حسن بصری اور ایاس بن معاویہ رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ مدت ختم ہونے تک اجارہ باقی رکھا جائے گا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے خیبر کی زمین بٹائی پر دی۔ پھر یہی اجارہ نبی ﷺ کے عہد، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی ایام تک جاری رہا۔ اور یہ ذکر کہیں نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر (اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) نے نبی ﷺ کی وفات کے بعد اس اجارے کی تجدید کی ہو۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان بالا میں کوئی فیصلہ نہیں کیا کیونکہ ان کی عادت ہے کہ جہاں قوی اختلاف ہو وہاں اس کا حکم ذکر نہیں کرتے، البتہ پیش کردہ آثار سے ان کے رجحان کا پتہ چلتا ہے کہ فریقین میں سے کسی ایک کے فوت ہونے سے اجارہ ختم نہیں ہوگا، ہاں اگر کوئی معاملہ فریقین میں سے کسی ایک کی موت کے ساتھ مشروط ہو تو اسے ختم کیا جا سکتا ہے۔ مذکورہ

[1] فتح الباري: 582/4.

آثار کو محدث ابن ابی شیبہ نے متصل سند سے ذکر کیا ہے۔[1] اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی متصل روایت کو خود ہی موصولاً ذکر کیا ہے۔ وہ متصل روایت حسب ذیل ہے۔

٢٢٨٥ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَعْطَى رَسُولُ اللهِ ﷺ خَيْبَرَ الْيَهُودَ أَنْ يَعْمَلُوهَا وَيَزْرَعُوهَا وَلَهُمْ شَطْرُ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا، وَأَنَّ ابْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ الْمَزَارِعَ كَانَتْ تُكْرَى عَلَى شَيْءٍ سَمَّاهُ نَافِعٌ لَا أَحْفَظُهُ. [انظر: ٢٣٢٨، ٢٣٢٩، ٢٣٣١، ٢٣٣٨، ٢٤٩٩، ٢٧٢٠، ٣١٥٢، ٤٢٤٨]

[2285] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زمین یہودیوں کو اس شرط پر دی کہ وہ اس میں محنت کریں اور کاشت کریں اور پیداوار کا نصف حصہ انھیں ملے گا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ زرعی اراضی کا ایک کرایہ ٹھہرا کر کاشت کے لیے دی جاتی تھی۔ (راوی کہتا ہے کہ) کرائے کا تعین حضرت نافع نے بیان کیا تھا لیکن مجھے یاد نہیں رہا۔

٢٢٨٦ - وَأَنَّ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ حَدَّثَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ.

[2286] حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے زرعی اراضی کو کرائے پر دینے سے منع فرمایا ہے۔

وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: حَتَّى أَجْلَاهُمْ عُمَرُ. [انظر: ٢٣٣٢، ٢٣٤٤، ٢٧٢٢]

حضرت عبیداللہ نے اس روایت کو حضرت نافع سے، انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے۔ اس میں اتنا اضافہ ہے: تا آنکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کو جلاوطن کر دیا۔

فوائد و مسائل: ① مؤجر اور مستاجر دونوں میں سے کسی ایک کی موت سے اجارے کے فسخ ہو جانے یا عدم فسخ کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے۔ حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ دونوں میں سے کسی ایک کا مر جانا، فسخ اجارہ کے لیے دلیل نہیں ہے، تاہم علمائے کوفہ کے نزدیک ایسا اجارہ فسخ ہو جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے احادیث و آثار سے ثابت کیا ہے کہ ایسے حالات میں اجارہ فسخ نہیں ہوگا، جمہور کا یہی موقف ہے جسے انھوں نے اختیار کیا ہے۔[2] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت کئی ایک روایات ذکر کی ہیں: پہلی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زرعی اراضی پر یہود کو مقرر کیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک مقررہ کرائے پر زرعی اراضی ٹھیکے پر دی جاتی تھیں۔ تیسری روایت حضرت رافع بن خدیج کی ہے کہ زمین کو ٹھیکے پر دینا منع ہے۔ چوتھی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کو جلاوطن کیا تھا۔ خیبر کی زمین کو بٹائی پر دینے کے متعلق حضرت نافع سے دو راوی بیان کرتے ہیں: ایک حضرت جویریہ بن اسماء اور

1 المصنف لابن أبي شيبة: 277,276/7. 2 فتح الباري: 583/4.

دوسرے حضرت عبیداللہ۔ حضرت عبیداللہ نے آخر حدیث میں یہ اضافہ ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان یہودیوں کو ان کی شرارتوں کی وجہ سے جلاوطن کر دیا تھا۔ اس روایت کو امام مسلم نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1] زمین کو ٹھیکے پر دینے کے متعلق ہم اپنی گزارشات کتاب الحرث والزراعۃ میں بیان کریں گے۔

1 صحیح مسلم، المساقاۃ والمزارعۃ، حدیث : 3967 (1551).

حوالے کی تعریف و اہمیت

لغوی اعتبار سے حوالات، حوالہ کی جمع ہے جو تحول سے مشتق ہے۔ اس کے معنی انتقال، یعنی پھیر دینے کے ہیں۔ فقہاء کی اصطلاح میں کسی کے قرض کو دوسرے کی طرف منتقل کر دینا حوالہ کہلاتا ہے۔ جس طرح ایک ضرورت مند آدمی کی حاجت روائی کے لیے اسلامی شریعت نے قرض لینے کی اجازت دی ہے اور جس طرح مقروض کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے اس نے کفالت کا طریقہ بتایا ہے، اسی طرح قرض میں پھنسے ہوئے آدمی کے لیے آسانی کی ایک اور صورت پیدا کی ہے جسے حوالہ کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے آسودہ حال افراد کو حکم دیا ہے کہ اگر کوئی اپنے قرض کی ذمہ داری اس پر ڈالے تو اسے قبول کر لینی چاہیے جیسا کہ آئندہ حدیث میں اس کا ذکر آئے گا۔ اس سلسلے میں چند ضروری اصطلاحات کی وضاحت حسب ذیل ہے:

① صاحبِ دَین، یعنی قرض خواہ کو محتال یا محال لہ کہا جاتا ہے۔ ② جس پر قرض ہو اور وہ اپنے ذمے کی رقم دوسرے کے ذمے ڈالنا چاہتا ہو اسے محیل یا مدیون کہتے ہیں۔ ③ جس شخص نے مقروض کی رقم اپنے ذمے لی ہے، اسے محتال علیہ یا محال علیہ کہا جاتا ہے۔ ④ وہ رقم جس کا حوالہ کیا گیا ہے اسے محتال بہ یا محال بہ کہتے ہیں۔

مثال کے طور پر محمد کے ذمے احمد کے ایک ہزار روپے ہیں۔ اب محمد نے ایک تیسرے شخص حامد سے کہا کہ آپ احمد کی رقم جو میرے ذمے ہے، اس کی ادائیگی کریں، میں اس وقت ادا نہیں کر سکتا۔ حامد نے اسے قبول کر لیا تو محمد کو محیل، احمد کو محتال، حامد کو محتال علیہ، ایک ہزار کو محتال بہ اور اس پورے معاملے کو حوالہ کہا جائے گا۔ کفالت اور حوالہ میں فرق یہ ہے کہ کفالت میں حق دار اصل مقروض اور کفیل دونوں سے مطالبہ کر سکتا ہے جبکہ حوالے میں مقروض سے اب کوئی واسطہ نہیں رہا بلکہ حق دار صرف محتال علیہ، جس نے ذمہ داری قبول کی ہے صرف اس سے مطالبہ کرنے کا روادار ہے۔ حوالے کی عام طور پر دو قسمیں ہیں:

① حوالہ مقیدہ: محیل، یعنی مقروض کا جو روپیہ کسی دوسرے کے ذمے ہے وہ اپنے قرض میں محتال، یعنی قرض خواہ کو دلا دے۔

② حوالہ مطلقہ: محیل، یعنی مقروض کا کسی کے ذمے کچھ نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے قرض کی ادائیگی کسی دوسرے کے حوالے کرتا ہے۔

حوالے کے لیے ضروری ہے کہ جس کو رقم دلانا ہے اور جس سے دلانا ہے، دونوں کو خبر ہو اور دونوں اس پر راضی

ہوں، اگر ان میں سے کسی کو خبر نہ ہو تو پھر حوالہ صحیح نہیں ہوگا۔ بہرحال حوالے کے ذریعے سے مقروض کو اپنے معاشی حالات درست کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ روزمرہ کی ضروریات کے علاوہ غیر ملکی تجارتوں میں تبادلۂ زر اور تبادلۂ جنس دونوں میں حوالے سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ آج کل رقم کی ادائیگی کا طریقہ منی آرڈر، چیک، ڈرافت اور ہنڈی وغیرہ ہے۔ وہ بھی حوالے کی صورتیں ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت اس کا جواز ثابت کیا ہے اور اس سلسلے میں تین مرفوع احادیث اور تین آثار پیش کیے ہیں، پھر ان احادیث و آثار پر تین چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

① کسی دوسرے کی طرف اپنا قرض منتقل کرنا، نیز کیا کوئی آدمی حوالے میں رجوع کرسکتا ہے؟ ② اگر مال دار پر قرض کا حوالہ کیا جائے تو اس کا رد کرنا جائز نہیں۔ ③ میت کے ذمے جو قرض ہو اس کا حوالہ کسی زندہ شخص پر کرنا جائز اور درست ہے۔

الغرض امام بخاری رحمہ اللہ نے لوگوں کی ایک ضرورت کو صریح نصوص سے ثابت کیا ہے، نیز حوالہ اور اس کے متعلقات کے بارے میں بحث کی ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ ہماری معروضات کو سامنے رکھتے ہوئے پیش کردہ احادیث کا مطالعہ کریں تاکہ یہ ان کی علمی بصیرت میں اضافے کا باعث ہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

38 - كِتَابُ الْحَوَالَاتِ

حوالوں سے متعلق احکام ومسائل

(١) بَابُ الْحَوَالَةِ، وَهَلْ يَرْجِعُ فِي الْحَوَالَةِ؟

وَقَالَ الْحَسَنُ وَقَتَادَةُ: إِذَا كَانَ يَوْمَ أَحَالَ عَلَيْهِ مَلِيًّا جَازَ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يَتَخَارَجُ الشَّرِيكَانِ وَأَهْلُ الْمِيرَاثِ فَيَأْخُذُ هٰذَا عَيْنًا وَهٰذَا دَيْنًا، فَإِنْ تَوِيَ لِأَحَدِهِمَا لَمْ يَرْجِعْ عَلَى صَاحِبِهِ.

باب: 1- کسی دوسرے کی طرف اپنا قرض منتقل کرنا، نیز کیا حوالے میں رجوع کرسکتا ہے؟

امام حسن بصری اور حضرت قتادہ نے کہا ہے کہ جس نے حوالہ کیا اگر محال علیہ اس دن مال دار تھا تو حوالہ جائز ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: دو شریک یا وراثت پانے والے اس طرح تقسیم کرسکتے ہیں کہ ایک نقد سرمایہ لے لے اور دوسرا قرض قبول کرلے۔ اس صورت میں اگر کسی ایک کا مال ضائع ہوگیا تو وہ اپنے ساتھی کی طرف رجوع نہیں کرسکتا۔

وضاحت: اگر ایک شخص کے قرض کو دوسرے کی طرف منتقل کیا جائے تو اسے حوالہ کہتے ہیں۔ فقہاء کا اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ حوالہ عقد لازم ہے یا نہیں۔ جو حضرات اسے عقد لازم کہتے ہیں، ان کے نزدیک رجوع نہیں کرسکتا اور جنھوں نے اسے عقد لازم نہیں خیال کیا ان کے نزدیک رجوع جائز ہے۔ حضرت قتادہ اور حسن بصری کے آثار کو مصنف ابن ابی شیبہ (273/7) میں متصل سند سے بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے: ایک شخص اپنے قرض کو دوسرے کے ذمے منتقل کردیتا ہے، اس کے بعد جس کے ذمے قرض منتقل ہوا ہے وہ مفلس ہوگیا اور وہ قرض ادا کرنے کی ہمت نہیں رکھتا تو کیا صاحب دین اپنے مقروض سابق کی طرف رجوع کرسکتا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ جس روز محیل نے محال کو محتال علیہ کے حوالے کیا تھا اگر محتال علیہ خوشحال تھا تو یہ حوالہ جائز ہے اور وہ رجوع نہیں کرسکتا۔ اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اگر محتال علیہ حوالہ کے وقت مفلس تھا تو محتال لہ اپنے مقروض سے

رجوع کر سکتا ہے۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر کو امام ابن ابی شیبہ نے ذکر کیا ہے۔[2] اس کا مفہوم یہ ہے کہ دو آدمی ایک کاروبار میں شریک ہیں یا ایک آدمی فوت ہو جاتا ہے اور اس کے دو وارث ہیں، متوفی اور شرکاء کا کچھ قرض لوگوں کے ذمے ہے اور کچھ نقدی کی صورت میں ہے، اب شرکاء اور وارثان میں سے ایک قابلِ وصول قرض رکھ لیتا ہے، دوسرا نقدی لے لیتا ہے تو اس کے بعد کسی کا حصہ ڈوب جانے کی صورت میں دوسرے شریک یا وارث سے کچھ نہیں لے سکتا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حوالے کو بھی اس صورت کے ساتھ ملحق کیا ہے۔ واللہ أعلم.

٢٢٨٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ، فَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيٍّ فَلْيَتْبَعْ». [انظر: ٢٢٨٨، ٢٤٠٠]

[2287] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مال دار کا (اپنا قرض ادا کرنے میں) ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اور جب تم میں سے کسی کو مال دار کے حوالے کیا جائے تو وہ حوالہ قبول کر لے۔''

فوائد و مسائل: ① مال دار کا ٹال مٹول کرنا اس وقت ظلم ہوگا جب قرض ادا کرنے کی مدت ختم ہو جائے، نیز اگر کوئی آدمی کسی دوسرے کا حوالہ قبول نہیں کرتا تو اس کے خلاف کوئی قانونی کارروائی تو نہیں کی جا سکتی، البتہ اس نے ایک اخلاقی فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی ضرور کی ہے۔ اسے یہ فرض ادا کرنا چاہیے تھا، خواہ کچھ مالی نقصان ہی کیوں نہ برداشت کرنا پڑتا۔ ② جب کسی شخص نے حوالہ قبول کر لیا ہے تو اس کی ادائیگی ضروری ہوگی، اگر وہ مر جائے تو بھی حوالے کی ادائیگی اس کے ترکے سے کی جائے گی بشرطیکہ وہ بالکل مفلس ہو کر نہ مرا ہو۔ ③ اگر محتال علیہ مفلس مر جائے یا قاضی اسے مفلس قرار دے دے یا وہ حوالہ کر دے اور اس کا گواہ وغیرہ نہ ہو تو صاحب دَین اپنا قرض محیل، یعنی پہلے مقروض سے وصول کرے گا۔ واللہ أعلم.

(٢) بَابٌ : إِنْ أَحَالَ دَيْنَ الْمَيِّتِ عَلَى رَجُلٍ جَازَ وَإِذَا أَحَالَ عَلَى مَلِيٍّ فَلَيْسَ لَهُ رَدٌّ

باب: 2- اگر میت کے قرض کا حوالہ کسی زندہ شخص پر کیا جائے تو جائز ہے، نیز جب کوئی اپنا قرض کسی مال دار کے حوالے کرے تو اسے مسترد نہیں کرنا چاہیے

وضاحت: صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں ہے: ''جس کسی کو مال دار کے حوالے کیا جائے تو وہ اس کی پیروی کرے'' اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کسی کا تجھ پر قرض ہے اور تو اسے کسی مال دار کے حوالے کر دے اور وہ تمھاری طرف سے قرض کا ضامن بن جائے۔ اگر اس کے بعد تو غریب اور مفلس ہو جائے تو قرض خواہ صاحب حوالہ ہی سے قرض وصول کرے گا۔''[3] ہمارے نزدیک مناسب ہے کہ بعض نسخوں کے اضافے کو برقرار رکھا جائے، نیز امام بخاری کا ''اگر تو اس کے بعد مفلس ہو جائے'' کہنا بے محل معلوم ہوتا

1 فتح الباري : 586/4. 2 المصنف لابن أبي شيبة : 284/7. 3 فتح الباري : 588/4.

ہے کیونکہ محیل کا افلاس مؤثر نہیں ہے اور نہ اسے معاملے میں کوئی دخل ہی ہے۔ اگر محتال علیہ کا افلاس ذکر کیا جاتا تو بہتر تھا۔ واللہ أعلم.

٢٢٨٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ ذَكْوَانَ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ، وَمَنْ أُتْبِعَ عَلَى مَلِيٍّ فَلْيَتَّبِعْ».

[راجع: ٢٢٨٧]

[2288] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''مال دار کا (قرض کو ادا کرنے میں) تاخیر کرنا ظلم ہے، پھر اگر تم میں سے کسی کو مال دار پر حوالہ دیا جائے تو چاہیے کہ قبول کرے۔''

فوائد ومسائل: ① ایک امیر آدمی نے اگر کسی سے قرض لیا ہو تو اسے چاہیے کہ وعدے کے مطابق واپس کر دے۔ وہ ٹال مٹول سے کام لے کر اپنے قرض خواہ کو ہر روز نئی تاریخیں نہ دیتا رہے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو یہ ایک جرم ہوگا۔ اس ظلم کی تلافی کے لیے عدالتی چارہ جوئی کی جا سکتی ہے۔ ② جملہ شارحین کے نزدیک غني اور ملي کے معنی مال دار ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کا قرض کسی مال دار کے حوالے کیا جائے تو یہ تجویز قبول کر لینی چاہیے لیکن یہ حکم واجب نہیں، اس کی حیثیت ایک مشورے کی ہے۔

(٣) بَابٌ: إِذَا أَحَالَ دَيْنَ الْمَيِّتِ عَلَى رَجُلٍ جَازَ

باب: 3- میت پر جو قرض ہے اس کا حوالہ کسی (زندہ) شخص پر کرنا جائز ہے

٢٢٨٩ - حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ أُتِيَ بِجَنَازَةٍ فَقَالُوا: صَلِّ عَلَيْهَا، فَقَالَ: «هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ؟» قَالُوا: لَا، قَالَ: «فَهَلْ تَرَكَ شَيْئًا؟» قَالُوا: لَا، فَصَلَّى عَلَيْهِ، ثُمَّ أُتِيَ بِجَنَازَةٍ أُخْرَى فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! صَلِّ عَلَيْهَا، قَالَ: «هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ؟» قِيلَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَهَلْ تَرَكَ شَيْئًا؟» قَالُوا: ثَلَاثَةَ دَنَانِيرَ، فَصَلَّى عَلَيْهَا، ثُمَّ أُتِيَ بِالثَّالِثَةِ فَقَالُوا: صَلِّ عَلَيْهَا، قَالَ: «هَلْ تَرَكَ شَيْئًا؟» قَالُوا: لَا،

[2289] حضرت سلمہ بن اکوع ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک جنازہ لایا گیا۔ لوگوں نے عرض کیا: آپ اس پر نماز جنازہ پڑھیں۔ آپ نے فرمایا: ''کیا اس پر کوئی قرض ہے؟'' لوگوں نے کہا: کوئی نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اس نے کچھ مال چھوڑا ہے؟'' لوگوں نے عرض کیا: نہیں، تو آپ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔ پھر ایک اور جنازہ لایا گیا تو لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اس پر نماز جنازہ پڑھیں۔ آپ نے فرمایا: ''آیا اس کے ذمے قرض ہے؟'' بتایا گیا: ہاں، (یہ قرض دار ہے۔) آپ نے پوچھا: ''اس نے کچھ مال چھوڑا ہے؟'' لوگوں نے کہا: ہاں، تین دینار۔ آپ نے اس پر بھی

قَالَ: «فَهَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ؟» قَالُوا: ثَلَاثَةُ دَنَانِيرَ، قَالَ: «صَلُّوا عَلٰى صَاحِبِكُمْ»! فَقَالَ أَبُو قَتَادَةَ: صَلِّ عَلَيْهِ يَا رَسُولَ اللهِ! وَعَلَيَّ دَيْنُهُ، فَصَلّٰى عَلَيْهِ. [انظر: ٢٢٩٥]

نماز جنازہ پڑھی۔ پھر تیسرا جنازہ لایا گیا۔ لوگوں نے عرض کیا: آپ اس پر نماز جنازہ پڑھیں۔ آپ نے فرمایا: ''کیا اس نے کوئی چیز چھوڑی ہے؟'' انھوں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''کیا اس پر قرض ہے؟'' انھوں نے کہا: تین دینار۔ آپ نے فرمایا: ''تم لوگ اپنے ساتھی کی نماز جنازہ خود پڑھ لو۔'' حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اس پر نماز جنازہ پڑھیں۔ میں اس کا قرض اپنے ذمے لیتا ہوں۔ تب آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

فوائدومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میت کے قرض والے دو دینار تیرے ذمے، تیرے مال میں سے ادا کرنا واجب ہیں اور میت ان سے بری ہوگئی۔''[1] بظاہر یہ روایت متن میں مذکور روایت کے مخالف ہے کہ اس میں تین دینار کا ذکر ہے۔ اس میں تطبیق یہ ہے کہ وہ قرض دو دینار سے زیادہ اور تین سے کم تھا۔ جس نے تین کہے اس نے کم پیسوں کا لحاظ کیے بغیر عدد پورا کر دیا اور جس نے دو کہے اس نے اوپر والے پیسوں کو شمار نہیں کیا۔ مقصد پورے قرض کی ادائیگی ہے۔ واللہ أعلم۔ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنا دعویٰ ثابت کیا کہ میت پر جو قرض ہے اس کا حوالہ جائز ہے۔ ② اس پر اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ یہ تو ضمان ہے حوالہ نہیں جیسا کہ ابن ماجہ کی روایت میں صراحت ہے جبکہ عنوان میں حوالے کا ذکر ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مفلس میت کی ضمان یہ ہے کہ اس کا قرض اس کے ذمے سے دوسرے ذمے کی طرف منتقل کیا جائے اور حوالے کے بھی یہی معنی ہیں۔ ③ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ اگر میت اپنے قرض کی مقدار جائیداد چھوڑ گیا ہے تو حوالہ صحیح ہے بصورت دیگر اس کی طرف سے ضمانت صحیح نہیں۔ یہ موقف مذکورہ حدیث کے صریح خلاف ہے۔ ④ واضح رہے کہ مذکورہ حدیث میں امام بخاری رحمہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں، ایسی حدیث کو ثلاثی کہا جاتا ہے اور یہ ساتویں ثلاثی حدیث ہے۔

① المستدرك على الصحيحين (طبع دار المعرفة بيروت): 87/3.

کفالت اور اس کی اقسام

کفالت کے لغوی معنی ''ملانے اور چمٹانے'' کے ہیں اور فقہاء کی اصطلاح میں ''کسی مال یا قرض کی ادائیگی یا کسی شخص کو بروقت حاضر کر دینے کی ذمہ داری قبول کرنے کو ''کفالت'' کہا جاتا ہے۔'' اسی طرح اگر کسی نے بے سہارا آدمی کے اخراجات کی کوئی ذمہ داری اٹھالی تو اسے ''کفیل'' کہتے ہیں۔ کفالت کا دوسرا نام ضمان ہے، اس لیے کہ کفالت میں ضمانت کا ہونا ضروری ہے۔ کفالت سے متعلقہ اصطلاحات کی وضاحت حسب ذیل ہے:

کفیل: ضمانت لینے اور ذمہ داری قبول کرنے والے کو کفیل کہا جاتا ہے۔

اصیل: جس کے ذمے کوئی قرض یا چیز ہو اور وہ کسی کو کفیل بنائے، اسے مکفول عنہ بھی کہتے ہیں۔

مکفول لہ: جس کا مطالبہ یا قرض باقی ہو اور اسے اعتماد میں رکھنے کے لیے ذمہ داری اٹھائی جائے۔

مکفول بہ: وہ مال، قرض یا شخص جس کے متعلق ذمہ داری قبول کی گئی ہو۔

* کفالت کی تین قسمیں ہیں: ① ادائیگی قرض کی ضمانت کو کفالت بالدین کہتے ہیں۔ ② کسی چیز کی حفاظت کی ذمہ داری کو کفالت بالعین کہا جاتا ہے۔ ③ کسی شخص کے متعلق ذمہ داری قبول کرنے کو کفالت بالنفس کا نام دیا جاتا ہے۔

ذمہ داری قبول کرنے کی متعدد صورتیں ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے: ① کفیل مطلق طور پر ذمہ داری قبول کرلے کہ میں اس قرض کو ادا اور شخص کو حاضر کروں گا۔ اس صورت میں حق دار چاہے کفیل سے مطالبہ کرے یا اصیل سے، اسے دونوں کا حق ہے۔ ② کفیل نے کہا: اگر اصیل ادا نہیں کرے گا تو میں دوں گا۔ اس صورت میں حق دار پہلے اصیل سے مطالبہ کرے گا اگر وہ ادا نہ کرے تو کفیل سے مطالبہ کیا جائے گا۔ ③ حق دار نے اصیل کو ایک سال کی مہلت دی۔ اس صورت میں ایک سال تک کفیل سے مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ مدت گزرنے کے بعد اگر وہ ادا نہ کرے تو کفیل سے مطالبہ کرنا صحیح ہوگا۔

کفالت کا طریقہ یہ ہے کہ ذمہ داری لینے والا، حق دار سے کہے کہ آپ کی جو رقم یا جو مال فلاں کے ذمے ہے میں اس کا ضامن ہو یا فلاں مجرم کا میں ذمہ دار ہوں۔ اب اگر قرض دار اپنا قرض بروقت ادا نہیں کرتا تو ادائیگی کی ذمہ داری کفیل پر ہوگی۔ جس طرح مال کی ادائیگی یا شخص کی حاضری کی کفالت صحیح ہے، اسی طرح کسی چیز کے نقل وحمل کی کفالت بھی صحیح ہے۔ سامان کی نقل وحرکت اسی ضمن میں آتی ہے، نیز جس طرح زندہ شخص کے قرض کی کفالت صحیح ہے اسی طرح

مردہ کی طرف سے بھی قرض وغیرہ کی کفالت لی جا سکتی ہے۔

امام بخاری ؒ نے اس عنوان کے تحت نو احادیث پیش کی ہیں جن میں دو معلق اور سات متصل ہیں۔ حدیث ابن عباس اور حدیث سلمہ بن اکوع کے علاوہ دیگر احادیث کو امام مسلم ؒ نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ مرفوع احادیث کے علاوہ پانچ آثار بھی پیش کیے ہیں جو صحابۂ کرام اور تابعین عظام سے مروی ہیں۔ پھر ان احادیث و آثار پر پانچ چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

* قرض وغیرہ کے متعلق شخصی اور مالی ضمانت۔ * میت کا قرض اتارنے کی ضمانت کے بعد اس سے پھرنا جائز نہیں۔ * حضرت ابوبکر ؓ کی پناہ گیری۔ * قرض کی سنگینی اور اس کی ضمانت۔

ہم آئندہ احادیث کے فوائد میں امام بخاری ؒ کے موقف کی وضاحت کریں گے جو انھوں نے کفالت و ضمانت کے سلسلے میں اختیار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حسن اخلاص اور خالص عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

39 - كِتَابُ الْكَفَالَةِ

کفالت سے متعلق احکام و مسائل

(١) بَابُ الْكَفَالَةِ فِي الْقَرْضِ، وَالدُّيُونِ بِالْأَبْدَانِ وَغَيْرِهَا

باب : 1- قرضوں کے متعلق شخصی اور مالی ضمانت

وضاحت: دین اور قرض میں فرق یہ ہے کہ خرید و فروخت میں جو چیز کسی کے ذمے ہو اسے دین کہا جاتا ہے جبکہ ایک مقررہ مدت کی ادائیگی پر روپیہ وغیرہ لینا قرض ہے۔ اہل مدینہ ضامن کو زعیم، اہل مصر حمیل اور اہل عراق کفیل کہتے ہیں۔ شریعت میں قرض اور دین کے متعلق شخصی اور مالی ضمانت لینا جائز ہے۔

٢٢٩٠ - وَقَالَ أَبُو الزِّنَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَمْزَةَ ابْنِ عَمْرٍو الْأَسْلَمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بَعَثَهُ مُصَدِّقًا، فَوَقَعَ رَجُلٌ عَلٰى جَارِيَةِ امْرَأَتِهِ فَأَخَذَ حَمْزَةُ مِنَ الرَّجُلِ كُفَلَاءَ حَتّٰى قَدِمَ عَلٰى عُمَرَ وَكَانَ عُمَرُ قَدْ جَلَدَهُ مِائَةَ جَلْدَةٍ فَصَدَّقَهُمْ وَعَذَرَهُم بِالْجَهَالَةِ.

[2290] حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں زکاۃ کا تحصیل دار بنا کر بھیجا۔ وہاں ایک آدمی نے اپنی بیوی کی لونڈی سے زنا کر لیا تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے زانی مرد سے ضمانت لی اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے پہلے سو کوڑے مار چکے تھے۔ اس آدمی نے لوگوں کے الزام کی تصدیق کی اور جرم قبول کیا تھا لیکن جہالت کا عذر پیش کیا تھا۔

وَقَالَ جَرِيرٌ وَالْأَشْعَثُ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ فِي الْمُرْتَدِّينَ: إِسْتَتِبْهُمْ وَكَفِّلْهُمْ فَتَابُوا وَكَفَلَهُمْ عَشَائِرُهُمْ. وَقَالَ حَمَّادٌ: إِذَا تَكَفَّلَ بِنَفْسٍ فَمَاتَ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ. وَقَالَ الْحَكَمُ: يَضْمَنُ.

حضرت جریر اور اشعث نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرتدین کے متعلق کہا کہ ان سے توبہ کرائیں اور ضمانت لیں (کہ دوبارہ مرتد نہیں ہوں گے)، چنانچہ انھوں نے توبہ کی اور ان کے کنبے والوں نے ان کی ضمانت دی۔

حضرت حماد نے کہا: جس شخص نے کسی شخص (کو حاضر کرنے) کی ضمانت اٹھائی ہو، اگر وہ مر جائے تو ضامن پر کچھ تاوان نہیں ہوگا جبکہ حضرت حکم نے کہا ہے کہ وہ ذمہ دار ہوگا۔

فوائد ومسائل: ① حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔[1] اس واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ شخصی ضمانت لی جا سکتی ہے کیونکہ انھوں نے زانی آدمی کے متعلق شخصی ضمانت لی تا کہ وہ بھاگ نہ جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ② حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی یہاں مختصر طور پر بیان ہوا ہے، چنانچہ سنن کبریٰ بیہقی میں اس کی تفصیل ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے بیان کیا کہ ابن نواحہ اذان دیتے وقت یوں کہتا ہے: [أشهد أن مسيلمة رسول الله] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابن نواحہ اور اس کے ساتھیوں کو بلایا، مؤذن ابن نواحہ کو تو قتل کر دیا اور دیگر ساتھیوں کے متعلق مشورہ کیا۔ حضرت عدی بن حاتم نے کہا کہ انھیں بھی قتل کر دیا جائے لیکن حضرت جریر اور اشعث نے کہا کہ ان سے توبہ کرائیں اور ضمانت لیں کہ آئندہ اس جرم کا ارتکاب نہیں کریں گے۔ وہ ایک سو ستر آدمی تھے۔[2] بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ نے ان واقعات سے شخصی ضمانت کو ثابت کیا ہے اور اس پر مالی ضمانت کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ والله أعلم.

٢٢٩١ - قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ، وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ: أَنَّهُ ذَكَرَ رَجُلًا مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ: «سَأَلَ بَعْضَ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ يُّسْلِفَهُ أَلْفَ دِينَارٍ فَقَالَ: ائْتِنِي بِالشُّهَدَاءِ أُشْهِدُهُمْ، فَقَالَ: كَفٰى بِاللهِ شَهِيدًا قَالَ: فَأْتِنِي بِالْكَفِيلِ قَالَ: كَفٰى بِاللهِ كَفِيلًا. قَالَ: صَدَقْتَ، فَدَفَعَهَا إِلَيْهِ إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى، فَخَرَجَ فِي الْبَحْرِ فَقَضٰى حَاجَتَهُ ثُمَّ الْتَمَسَ مَرْكَبًا يَّرْكَبُهَا يَقْدَمُ عَلَيْهِ لِلْأَجَلِ الَّذِي أَجَّلَهُ فَلَمْ يَجِدْ مَرْكَبًا، فَأَخَذَ خَشَبَةً فَنَقَرَهَا فَأَدْخَلَ فِيهَا أَلْفَ دِينَارٍ وَّصَحِيفَةً مِّنْهُ إِلٰى صَاحِبِهِ ثُمَّ زَجَّجَ مَوْضِعَهَا ثُمَّ أَتٰى بِهَا

[2291] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا ذکر کیا جس نے بنی اسرائیل کے کسی دوسرے شخص سے ایک ہزار دینار قرض مانگا تو اس نے کہا کہ گواہوں کو لاؤ تا کہ یہ خطیر رقم ان کے سامنے دوں۔ قرض مانگنے والے نے کہا: اللہ کی شہادت کافی ہے۔ اس نے کہا: اچھا کوئی ضامن لاؤ تو قرض لینے والے نے کہا: اللہ کی ضمانت کافی ہے۔ اس نے کہا: تو نے سچی بات کہی ہے، چنانچہ اس نے ایک متعین مدت کے لیے ایک ہزار دینار بطور قرض اس کے حوالے کر دیے۔ پھر جس نے قرض لیا تھا اس نے سمندر کا سفر کیا اور اپنا کام پورا کر کے کوئی جہاز تلاش کرتا رہا جس پر سوار ہو کر متعین وقت پر قرض خواہ کے پاس پہنچ جائے لیکن کوئی جہاز نہ ملا۔ آخر اس نے ایک

[1] شرح معاني الآثار: 147/3. [2] السنن الكبرى للبيهقي: 206/8، وفتح الباري: 592/4.

إِلَى الْبَحْرِ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنِّي كُنْتُ تَسَلَّفْتُ فُلَانًا أَلْفَ دِينَارٍ فَسَأَلَنِي كَفِيلًا فَقُلْتُ: كَفٰى بِاللّٰهِ كَفِيلًا فَرَضِيَ بِكَ، وَسَأَلَنِي شَهِيدًا فَقُلْتُ: كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا فَرَضِيَ بِذٰلِكَ، وَإِنِّي جَهَدْتُ أَنْ أَجِدَ مَرْكَبًا أَبْعَثُ إِلَيْهِ الَّذِي لَهُ فَلَمْ أَقْدِرْ، وَإِنِّي أَسْتَوْدِعُكَهَا، فَرَمٰى بِهَا فِي الْبَحْرِ حَتّٰى وَلَجَتْ فِيهِ، ثُمَّ انْصَرَفَ، وَهُوَ فِي ذٰلِكَ يَلْتَمِسُ مَرْكَبًا يَخْرُجُ إِلٰى بَلَدِهِ فَخَرَجَ الرَّجُلُ الَّذِي كَانَ أَسْلَفَهُ يَنْظُرُ لَعَلَّ مَرْكَبًا قَدْ جَاءَ بِمَالِهِ فَإِذَا بِالْخَشَبَةِ الَّتِي فِيهَا الْمَالُ، فَأَخَذَهَا لِأَهْلِهِ حَطَبًا، فَلَمَّا نَشَرَهَا وَجَدَ الْمَالَ وَالصَّحِيفَةَ، ثُمَّ قَدِمَ الَّذِي كَانَ أَسْلَفَهُ فَأَتٰى بِالْأَلْفِ دِينَارٍ، فَقَالَ: وَاللّٰهِ مَا زِلْتُ جَاهِدًا فِي طَلَبِ مَرْكَبٍ لِآتِيَكَ بِمَالِكَ فَمَا وَجَدْتُّ مَرْكَبًا قَبْلَ الَّذِي أَتَيْتُ فِيهِ قَالَ: هَلْ كُنْتَ بَعَثْتَ إِلَيَّ بِشَيْءٍ؟ قَالَ: أُخْبِرُكَ أَنِّي لَمْ أَجِدْ مَرْكَبًا قَبْلَ الَّذِي جِئْتُ فِيهِ، قَالَ: فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَدّٰى عَنْكَ الَّذِي بَعَثْتَ [فِي] الْخَشَبَةِ وَانْصَرِفْ بِالْأَلْفِ الدِّينَارِ رَاشِدًا». [راجع: ١٤٩٨]

لکڑی لے کر اسے کھوکھلا کیا، پھر ایک ہزار دینار اور قرض خواہ کے نام ایک خط لکھ کر اس میں رکھ دیا۔ اس کے بعد لکڑی کو اوپر سے بند کر کے سمندر پر آیا اور کہنے لگا: یااللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ہزار دینار قرض لیے تھے، اس نے مجھ سے ضمانت مانگی تو میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی ضمانت کافی ہے، چنانچہ وہ تجھ سے راضی ہو گیا اور اس نے مجھ سے گواہ بھی مانگے تھے، تو میں نے کہا تھا: اللہ گواہ کافی ہے۔ وہ تیری گواہی پر بھی راضی ہو گیا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کوئی جہاز مل جائے تاکہ میں اس کا قرض وعدے کے مطابق ادا کر دوں لیکن کوئی جہاز نہ مل سکا۔ اب میں یہ مال تیرے سپرد کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے وہ لکڑی سمندر میں پھینک دی یہاں تک وہ سمندر میں ڈوب گئی اور وہ خود واپس چلا آیا اور اس مدت میں سواری تلاش کرتا رہا تاکہ اپنے شہر جائے۔ دوسری طرف وہ شخص جس نے قرض دیا تھا باہر نکلا تاکہ دیکھے شاید کوئی جہاز آئے اور اس کا مال لائے۔ اتنے میں اسے ایک لکڑی دکھائی دی جس میں مال تھا۔ وہ اسے گھر میں جلانے کے لیے لے آیا۔ جب اسے پھاڑا تو اس میں اپنا مال اور خط پایا۔ پھر وہ شخص بھی آ پہنچا جس نے قرض لیا تھا اور ایک ہزار دینار پیش کر کے معذرت کرنے لگا کہ اللہ کی قسم! میں برابر جہاز کی تلاش میں رہا تاکہ تمھارا قرض ادا کر دوں مگر جس جہاز میں اب آیا ہوں، اس سے پہلے کوئی جہاز نہ پا سکا۔ قرض خواہ نے پوچھا: کیا تو نے اس سے پہلے میرے پاس کچھ بھیجا تھا؟ مقروض نے کہا: میں تمھیں بتا رہا ہوں کہ میں جس جہاز میں آیا ہوں اس سے پہلے مجھے کوئی جہاز نہیں ملا۔ قرض خواہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تیری اس امانت کو مجھے پہنچا دیا جو تو نے لکڑی میں بھیجی تھی، چنانچہ اب تو ہزار دینار لے کر بخوشی واپس چلا جا۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت کے مطابق اس نے خط میں لکھا کہ یہ خط فلاں کی طرف سے فلاں کی جانب ہے، میں نے تیرا مال اس ضامن کے حوالے کر دیا ہے جس نے میری ضمانت دی تھی۔ واقعی اس اسرائیلی مومن نے اللہ پر توکل کرتے ہوئے ایک ہزار دینار کی خطیر رقم اللہ کے حوالے کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بندے کے گمان کو صحیح کر دکھایا۔ ② ان کے متعلق مزید تفصیلات کا پتہ نہیں چل سکا کہ لوگ کون تھے؟ کہاں کے باشندے تھے؟ اور کس زمانے سے ان کا تعلق تھا؟ ③ اگرچہ یہ دنیا دارالاسباب ہے اور یہاں ہر چیز کسی نہ کسی سبب سے وابستہ ہے مگر کچھ چیزیں استثنائی طور پر وقوع پذیر ہو جاتی ہے جیسا کہ یہ واقعہ ہے۔ ④ امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے شخصی کفالت کو ثابت کیا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس واقعے کو بطور مدح و تعریف ذکر کیا ہے، اگر اس میں کوئی چیز خلاف شریعت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اسے ضرور بیان کرتے۔ ⑤ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قرض کی ادائیگی کے لیے وقت مقرر کیا جا سکتا ہے اور پھر اس مقررہ وقت پر اس کی ادائیگی واجب ہے، نیز قرض کے متعلق گواہی اور ضمانت لی جا سکتی ہے۔ یہ تمام باتیں اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہوتی ہیں۔[1]

(٢) بَابُ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَالَّذِينَ عَاقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ﴾

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور جن لوگوں سے تم نے قسم اٹھا کر عہد کیا تو ان کو ان کا حصہ دو'' کا بیان

٢٢٩٢ - حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ إِدْرِيسَ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ قَالَ: وَرَثَةً (وَالَّذِينَ عَاقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ) قَالَ: كَانَ الْمُهَاجِرُونَ لَمَّا قَدِمُوا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ الْمَدِينَةَ وَرِثَ الْمُهَاجِرُ الْأَنْصَارِيَّ دُونَ ذَوِي رَحِمِهِ لِلْأُخُوَّةِ الَّتِي آخَى النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهُمْ، فَلَمَّا نَزَلَتْ ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ نَسَخَتْ، ثُمَّ قَالَ: (وَالَّذِينَ عَاقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ) إِلَّا النَّصْرَ وَالرِّفَادَةَ وَالنَّصِيحَةَ، وَقَدْ ذَهَبَ الْمِيرَاثُ وَيُوصَى لَهُ.

[انظر: ٤٥٨٠، ٦٧٤٧]

[2292] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ ''اور ہم نے ہر ایک کے لیے موالی ٹھہرائے ہیں۔'' اس میں موالی سے مراد وارث ہیں اور ''جن سے تم نے قسم اٹھا کر پیمان باندھا'' اس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ مہاجرین جب مدینہ طیبہ آئے تو نبی ﷺ نے ان میں اور انصار میں بھائی چارہ کرا دیا، چنانچہ مہاجر، نبی ﷺ کے کرائے ہوئے اس مواخات کے سبب انصاری کا ترکہ پاتا اور اس کے رشتہ داروں کو کچھ نہ ملتا۔ اور جب یہ آیت ''ہم نے ہر ایک کے موالی ٹھہرائے ہیں'' نازل ہوئی تو اس سے مذکورہ اجازت، ''اور جن لوگوں سے تم نے قسم اٹھا کر عہد و پیمان کیا انھیں ان کا حصہ دو'' منسوخ ہو گئی۔ پھر حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ اب (وَالَّذِينَ عَاقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ) کی رو سے صرف مدد، معاونت اور خیر خواہی کی گنجائش باقی رہی اور وراثت

1. فتح الباري: 595/4.

میں حصہ پانے کا حق جاتا رہا، البتہ ان کے لیے وصیت کی جا سکتی ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس روایت کے ذریعے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے ﴿وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ﴾ کی وضاحت کی گئی ہے۔ ان کے نزدیک قسم اٹھا کر عہد و پیمان باندھنے والوں سے مراد انصار ہیں جنھوں نے مؤاخات کے سبب مہاجرین کو وراثت میں شامل کر لیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کہنے کے مطابق ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ کے نزول کے بعد ترکے میں حصے کی اجازت ختم ہوگئی، البتہ مؤاخات صرف مدد، اعانت اور خیرخواہی تک محدود ہوگئی۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ کفالہ کا مقصد یہ ہے کہ حصول ثواب کے لیے کسی چیز کو اپنے ذمے کر لیا جائے تو وہ لازم ہو جاتی ہے جیسے قسم اٹھا کر عہد کرنے سے وراثت کا استحقاق لازم ہو جاتا تھا۔ شارح بخاری ابن منیر نے لکھا ہے کہ کفالت کے باب میں امام بخاری یہ روایت اس لیے لائے ہیں کہ جب آغاز اسلام میں عقد حلف سے ترکے کا استحقاق پیدا ہو جاتا تھا تو کفالت سے بھی مال کی ذمہ داری کفیل پر عائد ہوگی کیونکہ وہ بھی ایک عقد ہے۔[1] ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے جس آیت کو باب کے طور پر پیش کیا ہے اس میں وارد لفظ ﴿عَاقَدَتْ﴾ کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے۔ عاصم، حمزہ اور کسائی کی قراءت ﴿عَقَدَتْ﴾ ہے جو ہمارے ہاں معروف ہے اور دیگر قراء اسے ﴿عَاقَدَتْ﴾ پڑھتے ہیں، تاہم دونوں کے معنی میں کوئی فرق نہیں۔[2]

٢٢٩٣ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَدِمَ عَلَيْنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فَآخَى رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَهُ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ.

[راجع: ٢٠٤٩]

[2293] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو رسول اللہ ﷺ نے ان میں اور حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ میں بھائی چارہ کرا دیا۔

فوائد و مسائل: ① قبل ازیں قسم اٹھا کر عہد و پیمان کرنے کا بیان تھا، اس روایت سے پتہ چلا کہ اس سے مراد مؤاخات ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ نے ایک مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی قرار دینے کی اسکیم ہجرت کے فوراً بعد شروع کر دی تاکہ انصار آنے والے مہاجرین کو نئے ماحول میں رہنے سہنے کی کچھ سہولتیں مہیا کریں اور انھیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد دیں۔ اس روایت میں اسی قسم کی مؤاخات کا ایک واقعہ بیان ہوا ہے۔

٢٢٩٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ: حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّا: حَدَّثَنَا عَاصِمٌ قَالَ: قُلْتُ

[2294] حضرت عاصم سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: کیا آپ کو یہ بات

1 فتح الباري: 596/4. 2 إرشاد الساري: 263/5.

لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَبَلَغَكَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَا حِلْفَ فِي الْإِسْلَامِ؟» فَقَالَ: قَدْ حَالَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَ قُرَيْشٍ وَّالْأَنْصَارِ فِي دَارِي.

[انظر: ٦٠٨٣، ٧٣٤٠]

پہنچی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اسلام میں عقد حلف کی کوئی حیثیت نہیں ہے؟" تو انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش اور انصار میں عہد و پیمان میرے اپنے گھر میں کرایا تھا۔

فائدہ: دور جاہلیت میں عقد حلف کسی دشمن سے لڑنے اور اس پر حملہ کرنے کے لیے کیا جاتا تھا۔ اسلام میں اس طرح کے عہد و پیمان کی کوئی گنجائش نہیں جیسا کہ صحیح مسلم میں اس حدیث کو حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔[1] چونکہ راوی نے عقد حلف کی ممانعت کا موقع و محل متعین نہیں کیا تھا، اس طرح ہر قسم کا حتمی معاہدہ غلط قرار پاتا تھا، اس لیے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وضاحت فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان باہمی تعاون کا معاہدہ ہمارے گھر کرایا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ معاہدہ نیک مقاصد اور نصرت حق کے لیے اب بھی ہو سکتا ہے۔ البتہ جاہلیت کے اطوار کہ تیرا خون ہمارا خون، جس سے تم لڑو گے اس سے ہم لڑیں گے وغیرہ کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ اس میں حق اور ناحق کی تمیز نہیں ہوتی تھی بلکہ ان کے ہاں معاہدات کی بنیاد قبائلی عصبیت پر ہوتی تھی۔ واللہ أعلم.

(٣) بَابُ مَنْ تَكَفَّلَ عَنْ مَّيِّتٍ دَيْنًا فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَّرْجِعَ

باب: 3- جو شخص میت کے قرض کی ضمانت دے تو وہ اس سے رجوع نہیں کر سکتا

وَبِهِ قَالَ الْحَسَنُ.

امام حسن بصری نے بھی یہی فرمایا ہے۔

وضاحت: جمہور کا یہی موقف ہے کہ میت کے قرض کی ضمانت دینے کے بعد اسے پھرنے کی اجازت نہیں کیونکہ ذمہ داری اٹھانے کے بعد وہ اس پر لازم ہو چکا ہے۔[2]

٢٢٩٥ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ يَّزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُتِيَ بِجَنَازَةٍ لِّيُصَلِّيَ عَلَيْهَا فَقَالَ: «هَلْ عَلَيْهِ مِنْ دَيْنٍ؟» فَقَالُوا: لَا، فَصَلّٰى عَلَيْهِ، ثُمَّ أُتِيَ بِجَنَازَةٍ أُخْرٰى فَقَالَ: «هَلْ عَلَيْهِ مِنْ دَيْنٍ؟» قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: «فَصَلُّوا عَلٰى صَاحِبِكُمْ»، قَالَ أَبُو قَتَادَةَ: عَلَيَّ دَيْنُهُ يَا رَسُولَ

[2295] حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک جنازہ لایا گیا تاکہ آپ اس پر نماز جنازہ پڑھیں۔ آپ نے پوچھا: "کیا اس پر قرض ہے؟" لوگوں نے عرض کیا: نہیں۔ تو آپ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔ پھر ایک اور جنازہ لایا گیا تو آپ نے پوچھا: "کیا اس پر قرض ہے؟" لوگوں نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: "تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو۔" حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ

---

① صحیح مسلم، فضائل الصحابة، حدیث: 6465 (2530). ② عمدة القاري: 660/8.

اللهِ، فَصَلَّى عَلَيْهِ. [راجع: ٢٢٨٩]

نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں اس کا قرض اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ تب آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضامن اپنی ضمانت سے رجوع نہیں کرسکتا جبکہ وہ میت کے قرض کی ضمانت اٹھا چکا ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی ضمانت کی وجہ سے میت کی نماز جنازہ پڑھی۔ اگر رجوع جائز ہوتا تو جب تک ابوقتادہ رضی اللہ عنہ عملاً اس کی ادائیگی نہ کر دیتے نبی ﷺ اس کی نماز نہ پڑھتے۔ ② واضح رہے کہ جب کوئی شخص میت کے قرض کی ذمہ داری لے لے تو میت بری الذمہ ہو جاتی ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی۔ جمہور کا یہی موقف ہے کہ مرنے والا مال چھوڑے یا نہ چھوڑے ذمہ اٹھا لینے سے وہ بری الذمہ ہو جاتا ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف اس حدیث کے خلاف ہے۔[1]

٢٢٩٦ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو: سَمِعَ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَوْ قَدْ جَاءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ قَدْ أَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا فَلَمْ يَجِئْ مَالُ الْبَحْرَيْنِ حَتَّى قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ، فَلَمَّا جَاءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ أَمَرَ أَبُو بَكْرٍ فَنَادَى: مَنْ كَانَ لَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ عِدَةٌ أَوْ دَيْنٌ فَلْيَأْتِنَا، فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِي كَذَا وَكَذَا، فَحَثَا لِي حَثْيَةً فَعَدَدْتُهَا فَإِذَا هِيَ خَمْسُمِائَةٍ وَقَالَ: خُذْ مِثْلَيْهَا. [انظر: ٢٥٩٨، ٢٦٨٣، ٣١٣٧، ٣١٦٤، ٤٣٨٣]

[2296] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے (مجھ سے) فرمایا: اگر بحرین کا خراج آیا تو میں تجھے اس طرح (دونوں لپ بھر کر) دوں گا لیکن بحرین کا خراج آنے سے پہلے ہی نبی ﷺ وفات پا گئے۔ جب بحرین کا خراج آیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے منادی کرائی کہ نبی ﷺ نے جس سے کوئی وعدہ کیا ہو یا اس کا آپ پر قرض ہو تو وہ ہمارے پاس آئے، چنانچہ میں آپ کے پاس گیا اور عرض کیا: نبی ﷺ نے مجھے اتنا اتنا دینے کا وعدہ کیا تھا تو انھوں نے مجھے لپ بھر روپے دیے۔ میں نے انھیں گنا تو پانچ سو تھے۔ انھوں نے فرمایا: اس سے دوگنا (مزید) لے لو۔

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو انھوں نے اس بات کا التزام کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے ذمے جو اشیاء تھیں انھیں ادا کرنا ہے، خواہ وعدے کی شکل میں ہوں یا قرض کی صورت میں۔ اس التزام سے وہ آپ کے ذمہ لازم ہو گئے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ ایفائے عہد کو پسند کرتے تھے، اس لیے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے بدستور نافذ کیا۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے تین دفعہ ہاتھ پھیلا کر دینے کا وعدہ کیا تھا، اس لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تین لپ بھر کر دیے، یعنی آپ کے وعدے کو پورا پورا ادا کیا۔[2]

① فتح الباري: 598/4. ② فتح الباري: 599/4.

(٤) بَابُ جِوَارِ أَبِي بَكْرٍ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَعَقْدِهِ

باب: 4- رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو (ایک مشرک کا) پناہ دینا اور اس کے ساتھ آپ کا عہد کرنا

٢٢٩٧ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَأَخْبَرَنِي عُرْوَةُ ابْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: لَمْ أَعْقِلْ أَبَوَيَّ إِلَّا وَهُمَا يَدِينَانِ الدِّينَ. وَقَالَ أَبُو صَالِحٍ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ عَنْ يُونُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَمْ أَعْقِلْ أَبَوَيَّ قَطُّ إِلَّا وَهُمَا يَدِينَانِ الدِّينَ، وَلَمْ يَمُرَّ عَلَيْنَا يَوْمٌ إِلَّا يَأْتِينَا فِيهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ طَرَفَيِ النَّهَارِ بُكْرَةً وَعَشِيَّةً، فَلَمَّا ابْتُلِيَ الْمُسْلِمُونَ خَرَجَ أَبُو بَكْرٍ مُهَاجِرًا قِبَلَ الْحَبَشَةِ حَتَّى إِذَا بَلَغَ بَرْكَ الْغِمَادِ لَقِيَهُ ابْنُ الدَّغِنَةِ وَهُوَ سَيِّدُ الْقَارَةِ فَقَالَ: أَيْنَ تُرِيدُ يَا أَبَا بَكْرٍ؟ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: أَخْرَجَنِي قَوْمِي فَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أَسِيحَ فِي الْأَرْضِ وَأَعْبُدَ رَبِّي، قَالَ ابْنُ الدَّغِنَةِ: إِنَّ مِثْلَكَ لَا يَخْرُجُ وَلَا يُخْرَجُ، فَإِنَّكَ تَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ، وَأَنَا لَكَ جَارٌ فَارْجِعْ فَاعْبُدْ رَبَّكَ بِبِلَادِكَ، فَارْتَحَلَ ابْنُ الدَّغِنَةِ فَرَجَعَ مَعَ أَبِي بَكْرٍ فَطَافَ فِي أَشْرَافِ كُفَّارِ قُرَيْشٍ فَقَالَ لَهُمْ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ لَا يَخْرُجُ مِثْلُهُ وَلَا يُخْرَجُ،

[2297] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ (ام المومنین) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا اپنے والدین کو اسی دین اسلام پر پایا اور ہم پر کوئی دن نہیں گزرتا تھا مگر رسول اللہ ﷺ صبح وشام دونوں وقت ہمارے ہاں تشریف لاتے تھے۔ جب مسلمانوں کا ابتلا بہت شدید ہوگیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے نکلے یہاں تک کہ جب وہ ''برک غماد'' پہنچے تو انھیں ابن دغنہ ملا جو قارہ قبیلے کا سردار تھا۔ اس نے پوچھا: اے ابوبکر! کہاں کا ارادہ ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی زمین میں گھوم پھر کر اس کی عبادت کرتا رہوں۔ ابن دغنہ نے کہا: تم جیسا کوئی شخص نہ نکلتا ہے اور نہ ہی نکالا جاتا ہے کیونکہ تم غریبوں کی اعانت کرتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو، لوگوں کا بار (بوجھ) اٹھاتے ہو، مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہو اور حق پر ثابت رہنے کی وجہ سے کسی پر آنے والے مسائل و مشکلات میں ان کی مدد کرتے ہو۔ آؤ میں تمھیں پناہ دیتا ہوں۔ گھر واپس چلے آؤ اور اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کرو، چنانچہ ابن دغنہ وہاں سے روانہ ہوا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ واپس آ گیا۔ اس کے بعد ابن دغنہ گھوم پھر کر کفار قریش کے سرداروں سے ملا اور ان سے کہنے لگا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا انسان نہ خود نکل سکتا ہے اور نہ ہی اسے نکالا جاسکتا ہے۔ کیا تم ایسے شخص کو یہاں سے نکلنے پر مجبور کرتے

أَتُخْرِجُونَ رَجُلًا يَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَيَصِلُ الرَّحِمَ وَيَحْمِلُ الْكَلَّ، وَيَقْرِي الضَّيْفَ، وَيُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ؟ فَأَنْفَذَتْ قُرَيْشٌ جِوَارَ ابْنِ الدَّغِنَةِ وَآمَنُوا أَبَا بَكْرٍ وَّقَالُوا لِابْنِ الدَّغِنَةِ: مُرْ أَبَا بَكْرٍ فَلْيَعْبُدْ رَبَّهُ فِي دَارِهِ، فَلْيُصَلِّ، وَلْيَقْرَأْ مَا شَاءَ، وَلَا يُؤْذِينَا بِذٰلِكَ، وَلَا يَسْتَعْلِنْ بِهِ فَإِنَّا قَدْ خَشِينَا أَنْ يَّفْتِنَ أَبْنَاءَنَا وَنِسَاءَنَا، قَالَ ذٰلِكَ ابْنُ الدَّغِنَةِ لِأَبِي بَكْرٍ، فَطَفِقَ أَبُو بَكْرٍ يَّعْبُدُ رَبَّهُ فِي دَارِهِ، وَلَا يَسْتَعْلِنُ بِالصَّلَاةِ، وَلَا الْقِرَاءَةِ فِي غَيْرِ دَارِهِ، ثُمَّ بَدَا لِأَبِي بَكْرٍ فَابْتَنٰى مَسْجِدًا بِفِنَاءِ دَارِهِ وَبَرَزَ فَكَانَ يُصَلِّي فِيهِ وَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ، فَيَتَقَصَّفُ عَلَيْهِ نِسَاءُ الْمُشْرِكِينَ وَأَبْنَاؤُهُمْ يَعْجَبُونَ وَيَنْظُرُونَ إِلَيْهِ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ رَّجُلًا بَكَّاءً لَّا يَمْلِكُ دَمْعَهُ حِينَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ، فَأَفْزَعَ ذٰلِكَ أَشْرَافَ قُرَيْشٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ، فَأَرْسَلُوا إِلَى ابْنِ الدَّغِنَةِ فَقَدِمَ عَلَيْهِمْ فَقَالُوا لَهُ: إِنَّا كُنَّا أَجَرْنَا أَبَا بَكْرٍ عَلٰى أَنْ يَّعْبُدَ رَبَّهُ فِي دَارِهِ، وَإِنَّهُ جَاوَزَ ذٰلِكَ فَابْتَنٰى مَسْجِدًا بِفِنَاءِ دَارِهِ وَأَعْلَنَ الصَّلَاةَ وَالْقِرَاءَةَ، وَقَدْ خَشِينَا أَنْ يَّفْتِنَ أَبْنَاءَنَا وَنِسَاءَنَا فَأْتِهِ، فَإِنْ أَحَبَّ أَنْ يَّقْتَصِرَ عَلٰى أَنْ يَّعْبُدَ رَبَّهُ فِي دَارِهِ فَعَلَ، وَإِنْ أَبٰى إِلَّا أَنْ يُّعْلِنَ ذٰلِكَ فَسَلْهُ أَنْ يَّرُدَّ إِلَيْكَ ذِمَّتَكَ فَإِنَّا كَرِهْنَا أَنْ نُّخْفِرَكَ وَلَسْنَا مُقِرِّينَ لِأَبِي بَكْرٍ الْاِسْتِعْلَانَ. قَالَتْ عَائِشَةُ: فَأَتَى ابْنُ الدَّغِنَةِ أَبَا بَكْرٍ فَقَالَ: قَدْ عَلِمْتَ الَّذِي عَقَدْتُ لَكَ عَلَيْهِ، فَإِمَّا أَنْ تَقْتَصِرَ عَلٰى ذٰلِكَ، وَإِمَّا أَنْ تَرُدَّ إِلَيَّ ذِمَّتِي فَإِنِّي

ہو جو بے بس لوگوں کے لیے کمائی کرتا ہے، صلہ رحمی کرتا ہے، عاجز اور مجبور لوگوں کا بوجھ اٹھاتا ہے، مہمانوں کو کھانا کھلاتا ہے اور حق پر ثابت قدم رہنے والے پر آنے والی مشکلات میں اس کی مدد کرتا ہے؟ چنانچہ قریش نے ابن دغنہ کی پناہ کو مان لیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امان دے دی لیکن ابن دغنہ سے انھوں نے کہا کہ آپ انھیں خبردار کردیں کہ وہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کریں، نماز پڑھیں اور جو چاہیں قراءت کریں مگر ہمیں اذیت نہ دیں اور نہ اس کا اعلان ہی کریں کیونکہ ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ ہمارے بچوں اور عورتوں کو فتنہ میں مبتلا کردیں گے۔ ابن دغنہ نے یہ سب کچھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہہ دیا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں عبادت کرنے لگے اور علانیہ اپنے گھر کے سوا کسی دوسری جگہ نماز اور قرآن پڑھنا چھوڑ دیا۔ پھر انھیں خیال آیا تو انھوں نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالی اور باہر نکل کر وہاں نماز پڑھنا شروع کردی۔ وہ جب وہاں قرآن پڑھتے تو ان کے پاس مشرکین کے بچوں اور عورتوں کا ہجوم ہوجاتا۔ وہ تعجب کرتے اور انھیں غور سے دیکھتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت رونے والے انسان تھے۔ وہ جب قرآن پڑھتے تو اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ سکتے تھے، اس چیز نے مشرکین کے سرداروں کو گھبراہٹ میں ڈال دیا تو انھوں نے ابن دغنہ کو پیغام بھیجا۔ وہ آیا تو انھوں نے اس سے کہا: ہم نے ابوبکر کو اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کریں لیکن انھوں نے اس سے آگے ایک اور قدم بڑھا لیا ہے اور اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالی ہے، اس میں علانیہ طور پر نماز پڑھنے اور قرآن کی تلاوت کرنے لگے ہیں۔ ہمیں خطرہ ہے کہ وہ اس

لَا أُحِبُّ أَنْ تَسْمَعَ الْعَرَبُ أَنِّي أُخْفِرْتُ فِي رَجُلٍ عَقَدْتُ لَهُ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ: فَإِنِّي أَرُدُّ إِلَيْكَ جِوَارَكَ وَأَرْضَى بِجِوَارِ اللهِ، وَرَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَئِذٍ بِمَكَّةَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قَدْ أُرِيتُ دَارَ هِجْرَتِكُمْ، رَأَيْتُ سَبْخَةً ذَاتَ نَخْلٍ بَيْنَ لَابَتَيْنِ» وَهُمَا الْحَرَّتَانِ، فَهَاجَرَ مَنْ هَاجَرَ قِبَلَ الْمَدِينَةِ حِينَ ذَكَرَ ذٰلِكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، وَرَجَعَ إِلَى الْمَدِينَةِ بَعْضُ مَنْ كَانَ هَاجَرَ إِلَى أَرْضِ الْحَبَشَةِ، وَتَجَهَّزَ أَبُو بَكْرٍ مُهَاجِرًا فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «عَلَى رِسْلِكَ، فَإِنِّي أَرْجُو أَنْ يُؤْذَنَ لِي»، قَالَ أَبُو بَكْرٍ: هَلْ تَرْجُو ذٰلِكَ بِأَبِي أَنْتَ؟ قَالَ: «نَعَمْ»، فَحَبَسَ أَبُو بَكْرٍ نَفْسَهُ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ لِيَصْحَبَهُ وَعَلَفَ رَاحِلَتَيْنِ كَانَتَا عِنْدَهُ وَرَقَ السَّمُرِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ. [راجع: ٤٧٦]

طرح ہمارے بچوں اور عورتوں کو فتنے میں مبتلا کر دیں گے۔ تم ان کے پاس جاؤ اگر وہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرنے پر قناعت کریں تو ٹھیک ہے اور اگر وہ اس پر راضی نہیں اور علانیہ عبادت کرنا چاہتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ وہ تمھیں تمھارا عہد (اور ذمہ) واپس کر دیں کیونکہ ہمیں تمھاری امان توڑنا اچھا معلوم نہیں ہوتا اور نہ ہمیں ابوبکر کا اس طرح علانیہ عبادت کرنا ہی گوارا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابن دغنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: آپ جانتے ہیں کہ جس شرط پر میں نے آپ کا ذمہ لیا تھا یا تو آپ اسی شرط پر قائم رہیں بصورت دیگر میرا ذمہ میرے حوالے کر دیں کیونکہ یہ بات مجھے قطعاً گوارا نہیں کہ اہل عرب کے ہاں اس بات کا چرچا ہو کہ میں نے ایک شخص کا ذمہ لیا تھا جس کو توڑ دیا گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تیرا ذمہ تیرے حوالے کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی پناہ پر راضی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت مکہ ہی میں تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تمھاری ہجرت کا مقام دکھایا گیا ہے۔ میں نے دو پتھریلے میدانوں کے درمیان کھجور کے درختوں پر مشتمل کلر والی زمین دیکھی ہے۔'' جب مسلمانوں نے رسول اللہ کی یہ بات سنی تو جن لوگوں (مسلمانوں) نے ہجرت کرنی چاہی وہ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر گئے اور بعض لوگ (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم) جو ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے وہ بھی مدینہ کی طرف لوٹ آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کی تیاری شروع کر دی تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرمایا: ''ابھی ذرا ٹھہرو (جلدی نہ کرو) کیونکہ امید ہے کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت مل جائے گی۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان

ہوں! کیا آپ بھی ہجرت کے امیدوار ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں۔'' تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ ہجرت کرنے کے لیے رک گئے، چنانچہ انھوں نے دو اونٹنیاں اس سفر کے لیے خاص طور پر رکھیں اور چار مہینے تک انھیں کیکر کے پتے بطور چارہ کھلاتے رہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو شخص کسی کو پناہ دے وہ اس بات کا التزام کر لیتا ہے کہ جس کو پناہ دی گئی ہے اسے کوئی اذیت نہیں پہنچے گی۔ گویا وہ اس کا ضامن ہوتا ہے کہ اسے کسی قسم کی تکلیف سے دوچار نہیں ہونے دیا جائے گا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صرف اسی مقصد کے لیے اس طویل حدیث کو ذکر کیا ہے۔ ② اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جب کسی مومن کو ظالم سے خطرہ ہو تو وہ ایسے شخص کی پناہ حاصل کر سکتا ہے جو اس کی حفاظت کرے اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو اور جو شخص عزیمت کو اختیار کرتے ہوئے صرف اللہ پر توکل کرتا ہے اور کسی کا سہارا تلاش نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے اور اسے لوگوں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑتا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس مقام پر مذکورہ حدیث لانے کی غرض یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ابن دغنہ کی ضمانت اور اس کے امان دینے پر راضی ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اسے برقرار رکھا۔ اور اسے کتاب الکفالہ میں لانے کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث سے شخصی ضمانت ثابت ہوتی ہے۔ گویا جس نے انھیں پناہ دی تھی اس نے آپ کی حفاظت کی پوری پوری ذمہ داری اٹھائی کہ انھیں کسی قسم کی تکلیف سے دوچار نہیں ہونے دیا جائے گا۔[1]

(٥) بَابُ الدَّيْنِ

باب: 5- قرض کا بیان

٢٢٩٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُؤْتَى بِالرَّجُلِ الْمُتَوَفَّى عَلَيْهِ الدَّيْنُ فَيَسْأَلُ: «هَلْ تَرَكَ لِدَيْنِهِ فَضْلًا؟» فَإِنْ حُدِّثَ أَنَّهُ تَرَكَ لِدَيْنِهِ وَفَاءً صَلَّى وَإِلَّا قَالَ لِلْمُسْلِمِينَ: «صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ». فَلَمَّا فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ الْفُتُوحَ قَالَ: «أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، فَمَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَتَرَكَ دَيْنًا

[2298] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی میت لائی جاتی جس پر قرض ہوتا تو آپ پوچھتے: ''کیا اس نے قرض کی ادائیگی کے لیے کچھ مال چھوڑا ہے؟'' اگر بیان کیا جاتا کہ اس نے اتنا مال چھوڑا ہے جس سے قرض کی ادائیگی ہو سکتی ہے تو آپ اس کی نماز جنازہ پڑھ دیتے ورنہ مسلمانوں سے کہہ دیتے: ''تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھو۔'' جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر فتوحات کے دروازے کھول دیے تو آپ نے فرمایا: ''میں اہل ایمان پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھتا ہوں، لہٰذا جو کوئی

1. فتح الباري: 600/4.

فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ، وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ». [انظر: ٢٣٩٨، ٢٣٩٩، ٤٧٨١، ٥٣٧١، ٦٧٣١، ٦٧٤٥، ٦٧٦٣]

مومن فوت ہو جائے اور وہ قرض چھوڑ جائے تو اس کی ادائیگی میرے ذمے ہوگی اور جو مال چھوڑے وہ اس کے وارثوں کے لیے ہے۔"

فوائد و مسائل: ① ہر پیغمبر کا یہ منصب ہے کہ وہ اہل ایمان کا سب سے زیادہ خیر خواہ ہوتا ہے، اس کے بعد اسلامی حکومت پر یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ قرض چھوڑنے والوں کا قرض اتارنے کا بندوبست کرے، بشرطیکہ اس کا ترکہ قرض کی ادائیگی کے لیے ناکافی ہو۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرض انتہائی بری بلا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی موجودگی میں نماز جنازہ نہیں پڑھائی، نیز آپ ﷺ قرض سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے تھے۔ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے قرض لینا پڑے تو اس کی ادائیگی کی فکر دامن گیر ہونی چاہیے۔ اگر اسے ادا کرنے کی نیت ہے تو اللہ تعالیٰ مقروض کی مدد کرتا ہے اور اگر دل میں قرض کی ادائیگی کے متعلق فتور ہے تو ایسے ظالم انسان کی اللہ مدد نہیں کرتا۔

وکالت کی تعریف واہمیت

وکالت کے لغوی معنی نگرانی، حفاظت اور سپرد کرنے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ''وکیل'' بھی ہے کیونکہ وہ ہمارے تمام کاموں کا نگران اور محافظ ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں ''کسی آدمی کا دوسرے کو اپنا کام سپرد کرنا وکالت کہلاتا ہے۔'' آدمی کو زندگی میں بے شمار ایسے کاموں سے واسطہ پڑتا ہے جن کو وہ خود انجام نہیں دیتا یا نہیں دے سکتا۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں: * کبھی یہ ہوتا ہے کہ آدمی کو کسی کام کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس کام کو خود انجام دینے کی اس میں اہلیت نہیں ہوتی۔ * کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود ایک کام میں مشغول ہوتا ہے، اس دوران میں کوئی دوسرا کام پیش آجاتا ہے ایسے کام کی انجام دہی کے لیے کسی دوسرے سے مدد لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ * بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ کام اتنا وسیع اور پھیلا ہوتا ہے کہ اسے انجام دینا ایک آدمی کے بس میں نہیں ہوتا، اس لیے دوسروں کو شریک کرنا پڑتا ہے، الغرض جو کام انسان خود کر لیتا ہے یا کر سکتا ہے اسے دوسروں سے بھی کرا سکتا ہے۔ شریعت میں اس کی اجازت ہے اور اسی کو وکالت کہتے ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ دوسرا آدمی اس کام کو بجا لانے کی استعداد و لیاقت رکھتا ہو۔ اس کے متعلق چند ایک اصطلاحات حسب ذیل ہیں:

> ۞ جو شخص کسی دوسرے کو اپنا کام سپرد کرتا ہے یا ذمہ دار بناتا ہے اسے مؤکل کہتے ہیں۔ ۞ جو آدمی کام کی ذمہ داری قبول کرتا ہے یا اسے کام سونپا جاتا ہے وہ وکیل کہلاتا ہے۔ ۞ جس کام کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے اسے مؤکل بہ کہا جاتا ہے۔ ۞ دوسرے کی جگہ کام کی انجام دہی کو وکالت کہتے ہیں۔

وکالت کا لفظ ہماری زبان میں عام طور پر اس پیشے پر بولا جاتا ہے جس کے ذریعے سے حق کو ناحق اور سچ کو جھوٹ بتایا جاتا ہے۔ اس کے ذریعے سے قاتلوں، ڈاکوؤں اور رہزنوں کو چھڑایا جاتا ہے۔ اور وکیل اس شخص کو کہتے ہیں جو غیر اسلامی قانون کے ذریعے سے لوگوں کے جھوٹے سچے مقدمات کی پیروی اور نمائندگی کرے۔ یہی وجہ ہے کہ جرائم میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور جرائم پیشہ لوگ شرفاء کی عزتوں سے کھیلتے نظر آتے ہیں۔ شریعت میں اس قسم کا پیشہ اختیار کرنے کی ممانعت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا﴾ ''آپ کو بد دیانت لوگوں کی حمایت میں جھگڑا نہیں کرنا چاہیے۔''[1]

---

1 النسآء 4:105.

امام بخاری ﷫ نے وکالت کے متعلق عنوان قائم کر کے اس کی حدود و شرائط کو متعین کیا ہے اور اس کے احکام و مسائل کو قرآن وحدیث کی صریح نصوص سے ثابت کیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے کل چھبیس احادیث پیش کی ہیں جن میں چھ معلق اور بیس موصول ہیں۔ ان میں بارہ مکرر اور چودہ خالص ہیں۔ احادیث کے علاوہ صحابۂ کرام اور تابعین عظام سے چھ آثار بھی ذکر کیے ہیں۔ پانچ احادیث کے علاوہ دیگر احادیث کو امام مسلم ﷫ نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

امام بخاری ﷫ نے ان احادیث پر تقریباً سولہ چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں جن میں کچھ حسب ذیل ہیں:

❁ تقسیم اور دیگر کاموں میں ایک شریک کا دوسرے شریک کو وکیل بنانا۔ ❁ مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ دارالحرب یا دارالاسلام میں کسی حربی کو اپنا وکیل بنائے۔ ❁ موجود اور غیر حاضر آدمی کو وکیل بنانا۔ ❁ کسی عورت کا حاکم وقت کو نکاح کے لیے وکیل بنانا۔ ❁ وقف اور اس کے اخراجات میں وکیل کا دائرۂ کار۔ ❁ حدود کے معاملے میں وکالت۔ ❁ قربانی کے جانوروں کی نگہداشت کے لیے وکیل بنانا۔

الغرض امام بخاری ﷫ نے بندوں کے مفادات اور مصالح کے پیش نظر وکالت کے متعلق متعدد احکام ذکر کیے ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر صدق دل سے عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

40 - كِتَابُ الْوَكَالَةِ

وکالت سے متعلق احکام و مسائل

(١) [بَابٌ]: وَكَالَةُ الشَّرِيكِ الشَّرِيكَ فِي الْقِسْمَةِ وَغَيْرِهَا

باب: 1- تقسیم اور دوسرے کاموں میں ایک شریک کا دوسرے شریک کے لیے وکیل بننا

وَقَدْ أَشْرَكَ النَّبِيُّ ﷺ عَلِيًّا فِي هَدْيِهِ، ثُمَّ أَمَرَهُ بِقِسْمَتِهَا.

نبی ﷺ نے حضرت علی ؓ کو (پہلے) اپنی قربانی میں شریک کیا پھر انھیں ان کی تقسیم پر مامور کیا۔

وضاحت: مذکورہ کلام دو احادیث سے ماخوذ ہے: حدیث جابر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنے احرام پر برقرار رہیں اور آپ نے انھیں اپنی قربانی میں بھی شریک کیا۔[1] دوسری حدیث حضرت علی ؓ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اونٹوں کی نگہداشت پر مامور کیا تھا اور کہا تھا کہ انھیں تقسیم کر دیں۔[2] ان احادیث سے معلوم ہوا کہ شریک کار کو وکیل بنایا جا سکتا ہے، خواہ وہ کام تقسیم کا ہو یا کسی اور چیز سے متعلق ہو۔ اس میں کوئی قباحت نہیں۔

٢٢٩٩ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ أَبِي لَيْلٰى، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: أَمَرَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ أَتَصَدَّقَ بِجِلَالِ الْبُدْنِ الَّتِي نُحِرَتْ وَبِجُلُودِهَا. [راجع: ١٧٠٧]

[2299] حضرت علی ؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں قربانی کے ان اونٹوں کی جھولیں اور کھالیں صدقہ کردوں جنھیں نحر (ذبح) کیا گیا تھا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریک کو وکیل بنانا جائز ہے جیسا کہ وکیل کو کسی کام میں شریک بنانا جائز ہے۔ ② اگرچہ اس حدیث میں شریک بنانے کا ذکر نہیں ہے، تاہم دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے

---

① صحيح البخاري، الشركة، حديث: 2505. ② صحيح البخاري، الحج، حديث: 1717.

حضرت علی ؓ کو اپنی قربانیوں میں شریک کیا، پھر انھیں تقسیم کرنے پر مامور فرمایا، یعنی قربانیوں کے گوشت، کھالوں اور جھولوں کو تقسیم کرنے کا حکم دیا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سو اونٹوں کی قربانی دی تھی، ان میں سے تریسٹھ اونٹ خود ذبح کیے اور باقی اونٹوں کو ذبح کرنے کے متعلق حضرت علی ؓ کو حکم دیا۔[1]

٢٣٠٠ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَعْطَاهُ غَنَمًا يَقْسِمُهَا عَلَى صَحَابَتِهِ، فَبَقِيَ عَتُودٌ، فَذَكَرَهُ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «ضَحِّ بِهِ أَنْتَ». [انظر: ٢٥٠٠، ٥٥٤٧، ٥٥٥٥]

[2300] حضرت عقبہ بن عامر ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے انھیں بکریاں دیں تاکہ وہ آپ کے صحابۂ کرام میں تقسیم کر دیں۔ تقسیم کے بعد بکری کا ایک بچہ باقی رہ گیا۔ انھوں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ”اس کی تم قربانی کر لو۔“

فائدہ: ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عقبہ بن عامر ؓ کے حوالے بکریاں کیں، قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ قربانی خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، ان میں تقسیم کرنے کے لیے انھیں حکم دیا گیا۔ حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ ”بکری کے بچے کی تم قربانی کر لو“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی ان لوگوں میں شامل تھے جن کا تقسیم میں حصہ تھا اور انھیں تقسیم پر بھی مامور کیا گیا تھا، اس طرح یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ شریک کو وکیل بنایا جا سکتا ہے۔[2]

(٢) بَابٌ: إِذَا وَكَّلَ الْمُسْلِمُ حَرْبِيًّا فِي دَارِ الْحَرْبِ أَوْ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ جَازَ

باب: 2- جب مسلمان کسی حربی کو دارالحرب یا دارالاسلام میں وکیل مقرر کرے تو جائز ہے

وضاحت: حربی سے مراد اس ملک کا باشندہ ہے جس سے حالت جنگ ہو۔ امام بخاری ؒ کا مقصد ہے کہ جس ملک کے ساتھ آپ عملاً حالت جنگ میں ہیں وہاں کے حربی، یعنی باشندے کو کسی کام کے لیے اپنا وکیل مقرر کیا جا سکتا ہے، اسی طرح وہاں کا کوئی شخص بھی کسی مسلمان کو اپنے معاملات کے لیے وکیل بنا سکتا ہے۔

٢٣٠١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي يُوسُفُ بْنُ الْمَاجِشُونِ عَنْ صَالِحِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَاتَبْتُ أُمَيَّةَ بْنَ خَلَفٍ كِتَابًا بِأَنْ يَحْفَظَنِي

[2301] حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے امیہ بن خلف سے ایک تحریری معاہدہ کیا کہ وہ مکہ میں میرے حقوق کی حفاظت کرے میں مدینہ میں اس کے حقوق کی نگہداشت کروں گا۔ تحریر کرتے وقت جب ”الرحمٰن“ کا ذکر آیا تو وہ کہنے لگا کہ میں ”الرحمٰن“

1. صحيح مسلم، الحج، حديث: 2950 (1218)، وفتح الباري: 604/4. 2 فتح الباري: 604/4.

فِي صَاغِيَتِي بِمَكَّةَ، وَأَحْفَظَهُ فِي صَاغِيَتِهِ بِالْمَدِينَةِ، فَلَمَّا ذَكَرْتُ: الرَّحْمٰنَ، قَالَ: لَا أَعْرِفُ: الرَّحْمٰنَ، كَاتِبْنِي بِاسْمِكَ الَّذِي كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَكَاتَبْتُهُ: عَبْدُ عَمْرٍو، فَلَمَّا كَانَ فِي يَوْمِ بَدْرٍ خَرَجْتُ إِلَى جَبَلٍ لِأُحْرِزَهُ حِينَ نَامَ النَّاسُ، فَأَبْصَرَهُ بِلَالٌ فَخَرَجَ حَتَّى وَقَفَ عَلَى مَجْلِسٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ: أُمَيَّةُ بْنُ خَلَفٍ، لَا نَجَوْتُ إِنْ نَجَا أُمَيَّةُ، فَخَرَجَ مَعَهُ فَرِيقٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ فِي آثَارِنَا، فَلَمَّا خَشِيتُ أَنْ يَّلْحَقُونَا خَلَّفْتُ لَهُمُ ابْنَهُ لِأَشْغَلَهُمْ، فَقَتَلُوهُ ثُمَّ أَبَوْا حَتَّى يَتْبَعُونَا، وَكَانَ رَجُلًا ثَقِيلًا، فَلَمَّا أَدْرَكُونَا قُلْتُ لَهُ: اُبْرُكْ، فَبَرَكَ فَأَلْقَيْتُ عَلَيْهِ نَفْسِي لِأَمْنَعَهُ فَتَجَلَّلُوهُ بِالسُّيُوفِ مِنْ تَحْتِي [حَتّٰى] قَتَلُوهُ، وَأَصَابَ أَحَدُهُمْ رِجْلِي بِسَيْفِهِ. وَكَانَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ يُرِينَا ذٰلِكَ الْأَثَرَ فِي ظَهْرِ قَدَمِهِ. قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: سَمِعَ يُوسُفُ صَالِحًا وَّإِبْرَاهِيمُ أَبَاهُ. [انظر: ٣٩٧١]

کو نہیں جانتا۔ تم اپنا نام وہی لکھو جو زمانۂ جاہلیت میں تمھارا رہا ہے، چنانچہ میں نے عبد عمرو لکھ دیا۔ جب بدر کی لڑائی کا دن تھا تو اس وقت جب تمام لوگ سو گئے تو میں ایک پہاڑ کی طرف نکلا تاکہ امیہ کو حفاظت میں لے لوں۔ (اس دوران) حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ لیا، وہ نکلے اور انصار کی ایک مجلس میں پہنچے اور کہا: یہ امیہ بن خلف موجود ہے۔ اگر امیہ نجات پا گیا تو میری خیر نہیں۔ ان کے ساتھ انصار کا ایک گروہ ہمارے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔ جب مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ وہ ہمیں پا لیں گے تو میں نے اس کا بیٹا ان کے لیے چھوڑ دیا تاکہ وہ ذرا اس کے ساتھ الجھے رہیں، چنانچہ لوگوں نے اسے قتل کر دیا، پھر وہ نہ رکے اور ہمارے پیچھے چلے آئے۔ امیہ بھاری بھرکم آدمی تھا۔ جب وہ ہم تک پہنچ گئے تو میں نے امیہ سے کہا: بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گیا تو میں نے خود کو اس پر ڈال دیا تاکہ اسے حملے سے بچاؤں لیکن لوگوں نے نیچے سے اس کو تلواروں سے ڈھانپ لیا حتی کہ اسے قتل کر دیا۔ ان میں سے ایک کی تلوار میرے پاؤں کو لگ گئی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنے پاؤں کے اوپر زخم کا نشان ہمیں دکھاتے بھی تھے۔

ابو عبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے کہا کہ یوسف نے صالح سے اور ابراہیم نے اپنے باپ سے سنا ہے۔

فوائد ومسائل: ① حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مسلمان، دارالاسلام مدینہ طیبہ میں تھے اور امیہ بن خلف کافر، دارالحرب میں تھا۔ ان دونوں کا باہمی معاہدہ ہوا کہ ہم اپنے اپنے علاقے میں ایک دوسرے کے حقوق اور مصالح کا خیال رکھیں گے۔ یہی وکالت ہے۔ وکیل کا یہی کام ہوتا ہے کہ وہ اپنے مؤکل کے مصالح کا خیال رکھے۔ یقیناً عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی اطلاع کے بعد ہی ایسا کیا ہوگا جس پر آپ نے انکار نہیں کیا۔ اس سے وکالت صحیح ثابت ہوگئی۔ حافظ ابن حجر، امام ابن منذر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مسلمان کا کسی حربی مستامن (امن چاہنے والے) کو وکیل بنانا، اسی طرح حربی مستامن کا کسی

مسلمان کو وکیل بنانا اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔[1] ② ابن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک مشرک کو بچانے کی سرتوڑ کوشش کیوں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انھوں نے حسب ذیل مقاصد کے پیش نظر یہ اقدام کیا: ○ اسے بھگانے میں ایک یہ مقصد تھا کہ وہ اس وقت موت سے بچ جائے۔ ○ فرار کی صورت میں اس کے ایمان لانے کی امید تھی شاید وہ آئندہ مسلمان ہو جائے۔ ○ اسے بھگانے سے کفار کی شان شوکت توڑنا مقصود تھی کیونکہ جب اس کے متبعین اور ماننے والوں کو معلوم ہوگا کہ ہمارا سردار بھاگ گیا ہے تو وہ بھی میدان جنگ میں نہیں ٹھہریں گے، یعنی اس اقدام سے ان کی جماعت کو منتشر کرنا اور مسلمانوں کو ان کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھنا مقصود تھا۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں وضاحت کی ہے کہ یوسف کی صالح سے اور ابراہیم کی اپنے باپ سے ملاقات ثابت ہے۔ واللہ أعلم.

(٣) بَابُ الْوَكَالَةِ فِي الصَّرْفِ وَالْمِيزَانِ

باب: 3- کرنسی کے تبادلے اور ماپ تول میں کسی کو وکیل بنانا

وَقَدْ وَكَّلَ عُمَرُ وَابْنُ عُمَرَ فِي الصَّرْفِ.

حضرت عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہم نے سونے چاندی کے مبادلے میں وکیل مقرر کیا تھا۔

وضاحت: حضرت عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کے آثار کو سعید بن منصور نے اپنی متصل سند سے بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے۔[2]

٢٣٠٢، ٢٣٠٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الْمَجِيدِ بْنِ سُهَيْلِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلَى خَيْبَرَ فَجَاءَهُمْ بِتَمْرٍ جَنِيبٍ فَقَالَ: «أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا؟» فَقَالَ: إِنَّا لَنَأْخُذُ الصَّاعَ بِالصَّاعَيْنِ، وَالصَّاعَيْنِ بِالثَّلَاثَةِ فَقَالَ: «لَا تَفْعَلْ، بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيبًا»، وَقَالَ فِي الْمِيزَانِ مِثْلَ

[2303,2302] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو خیبر کا عامل بنایا تو وہ وہاں سے عمدہ کھجوریں لے کر حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا: ''کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی ہیں؟'' اس نے کہا: (نہیں بلکہ) ہم ان کھجوروں کا ایک صاع، دو صاع کے عوض اور دو صاع تین صاع کے عوض لیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا مت کرو، بلکہ اچھی اور ردی کھجوریں دراہم کے عوض فروخت کرو، پھر دراہم کے عوض عمدہ کھجوریں خریدو۔'' نیز آپ نے وزن (سے فروخت ہونے والی اشیاء) کے متعلق بھی اسی

① فتح الباري: 4/605. ② فتح الباري: 4/606.

ذٰلِكَ . [راجع: ٢٢٠١، ٢٢٠٢]

طرح فرمایا۔

فوائدومسائل: ① سونے چاندی اور کرنسی کے تبادلے کو صَرف کہا جاتا ہے۔ اس بیع میں وہم ہوسکتا ہے کہ شاید اس میں وکالت جائز نہ ہو کیونکہ اس بیع میں عوضین (سونے یا چاندی) کے قبض سے پہلے تفارق (ایک دوسرے سے الگ ہونا) جائز نہیں، وکالت میں مؤکل اصل ہے جو عقد کے وقت موجود نہیں ہوتا تو قبض کے بغیر تفارق لازم آتا ہے، اس وہم کو امام بخاری رحمہ اللہ نے دور کیا ہے کہ وکیل ہی براہِ راست عقد کرنے والا ہے، لہٰذا سب حقوق اسی کی طرف راجع ہوں گے، وکیل کا قبضہ اصیل کا قبضہ شمار ہوگا۔ بہرحال بیع صرف وکالتاً جائز ہے اور مؤکل کی جگہ وکیل کا قبضہ بھی معتبر ہے۔ ② اس حدیث میں ہے کہ ماپ سے خرید وفروخت والی اشیاء کو ایک صاع، دو صاع کے عوض مت لو بلکہ انھیں دراہم سے فروخت کرو، پھر دراہم سے دوسری عمدہ کھجور خرید لو، اسی طرح وزن سے خرید وفروخت والی اشیاء کا بھی یہی حکم ہے۔ ③ اس حدیث کی عنوان سے مناسبت اس طرح ہے کہ جب وکیل کو دو صاع کے عوض ایک صاع لینے سے منع کیا گیا تو معلوم ہوا کہ درہم کی بیع درہم سے اور دینار کی بیع دینار سے بھی اسی طرح ہے۔ اس میں توکیل کے معنی بھی واضح ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے عامل کو اس طرح کرنے میں وکیل مقرر کیا تھا۔

(٤) بَابٌ: إِذَا أَبْصَرَ الرَّاعِي أَوِ الْوَكِيلُ شَاةً تَمُوتُ أَوْ شَيْئًا يَفْسُدُ ذَبَحَ أَوْ أَصْلَحَ مَا يَخَافُ عَلَيْهِ الْفَسَادَ

باب: 4- جب چرواہا یا وکیل کسی بکری کو مرتا دیکھے تو اسے ذبح کردے یا کسی چیز کو خراب ہوتا دیکھے تو اسے درست کردے

٢٣٠٤ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: سَمِعَ الْمُعْتَمِرَ: أَنْبَأَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ: أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ كَانَتْ لَهُ غَنَمٌ تَرْعَى بِسَلْعٍ، فَأَبْصَرَتْ جَارِيَةٌ لَّنَا بِشَاةٍ مِّنْ غَنَمِنَا مَوْتًا فَكَسَرَتْ حَجَرًا فَذَبَحَتْهَا بِهِ، فَقَالَ لَهُمْ: لَا تَأْكُلُوا حَتَّى أَسْأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَوْ أُرْسِلَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ مَنْ يَسْأَلُهُ، وَأَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ ذَاكَ أَوْ أَرْسَلَ فَأَمَرَهُ بِأَكْلِهَا. قَالَ عُبَيْدُ اللهِ: فَيُعْجِبُنِي أَنَّهَا أَمَةٌ وَأَنَّهَا ذَبَحَتْ.

[2304] حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے پاس بکریوں کا ایک ریوڑ تھا جو سلع پہاڑ پر چرتی تھیں۔ ہماری لونڈی نے ایک بکری کو مرتے دیکھا تو اس نے ایک پتھر توڑا اور اس سے بکری کو ذبح کردیا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: اسے کھاؤ نہیں تاآنکہ میں خود رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق پوچھ لوں یا نبی ﷺ کے پاس کسی آدمی کو بھیجوں جو آپ سے اس کے متعلق دریافت کرے۔ چنانچہ انھوں نے خود نبی ﷺ سے دریافت کیا یا کسی آدمی کو بھیجا تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اسے کھا سکتے ہیں۔ (راویٔ حدیث) عبیداللہ نے کہا: مجھے حیرت ہوئی کہ وہ لونڈی تھی اور اس نے بکری ذبح کردی۔

تَابَعَهُ عَبْدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ . [انظر : ٥٥٠١، ٥٥٠٢، ٥٥٠٤]

(اس روایت کو) عبیداللہ سے بیان کرنے میں عبدہ نے (سلیمان بن معتمر کی) متابعت کی ہے۔

فوائد ومسائل: ① اگر کوئی چیز خراب ہو رہی ہو تو مالک سے پوچھنے کی ضرورت نہیں بلکہ وکیل یا ملازم اسے خود ہی ٹھیک کر دے۔ اسی طرح چرواہے بکریاں چراتے ہیں، ممکن ہے کہ کوئی بکری بیمار ہو جائے یا کوئی درندہ اسے زخمی کر دے اور وہ ہلاکت کے قریب ہو جائے تو مالک کے مفاد میں ہے کہ اسے مرنے سے پہلے پہلے ذبح کر دیا جائے۔ اگر مالک سے پیشگی اجازت لینا ضروری قرار دیا جائے تو بکری ہلاک ہو جائے گی۔ بہرحال اس قسم کی صورت میں بطور وکیل قدم اٹھانے کی اجازت ہے۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کام کے لیے کوئی وکیل مقرر کیا گیا ہے تو جب تک اس کی خیانت ظاہر نہ ہو اس کی تصدیق کرنا جائز ہے۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث سے ذبیحہ کے حلال یا حرام ہونے کے بارے میں بحث کرنا مقصود نہیں بلکہ آپ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ چرواہے اور وکیل سے ضمان ساقط ہوگی، اس قسم کے نقصان ہونے کی صورت میں ان پر کوئی تاوان نہیں ہوگا، مگر وکیل کے لیے ضروری ہے کہ وہ موکل کا مال ہڑپ کرنے کے لیے اس قسم کا راستہ اختیار نہ کرے۔[1] آخر میں بیان کردہ متابعت کو خود امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی متصل سند سے بیان کیا ہے۔[2]

(٥) بَابٌ: وَكَالَةُ الشَّاهِدِ وَالْغَائِبِ جَائِزَةٌ

باب: 5- موجود اور غیر حاضر دونوں کو وکیل بنانا جائز ہے

وَكَتَبَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو إِلٰى قَهْرَمَانِهِ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهُ أَنْ يُزَكِّيَ عَنْ أَهْلِهِ الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے اپنے منشی کو لکھا جبکہ وہ غائب تھا کہ وہ ان کے چھوٹے بڑے اہل خانہ کی طرف سے فطرانہ ادا کر دے۔

٢٣٠٥ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ لِرَجُلٍ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ جَمَلٌ سِنٌّ مِّنَ الْإِبِلِ، فَجَاءَهُ يَتَقَاضَاهُ فَقَالَ: «أَعْطُوهُ»، فَطَلَبُوا سِنَّهُ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُ إِلَّا سِنًّا فَوْقَهَا، فَقَالَ: «أَعْطُوهُ»، فَقَالَ: أَوْفَيْتَنِي أَوْفَى اللهُ بِكَ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ

[2305] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کے ذمے ایک شخص کا ایک خاص عمر کا اونٹ قرض تھا۔ وہ تقاضا کرتے آیا تو آپ نے فرمایا: ''اسے اونٹ دے دو۔'' صحابۂ کرام نے اس عمر کا اونٹ تلاش کیا لیکن نہ مل سکا اور اس کے اونٹ سے بڑا اونٹ پایا تو آپ نے فرمایا: ''وہی اس کو دے دو۔'' اس شخص نے کہا: آپ نے میرا حق پورا پورا دے دیا ہے، اللہ تعالیٰ بھی آپ کو پورا

1 فتح الباري: 4/607. 2 صحيح البخاري، الذبائح، حديث: 5504.

خِيَارَكُمْ أَحْسَنَكُمْ قَضَاءً». [انظر: ٢٣٠٦، ٢٣٩٠، ٢٣٩٢، ٢٣٩٣، ٢٤٠١، ٢٦٠٦، ٢٦٠٩]

بدلہ دے۔ نبی نے فرمایا: ”تم میں سے اچھا شخص وہ ہے جو ادائیگی کرنے میں بہتر ہو۔“

فوائد ومسائل: ① بعض حضرات کا موقف ہے کہ بیماری یا سفر کے عذر کی وجہ سے وکیل کیا جا سکتا ہے، اگر کوئی عذر نہیں ہے تو فریق ثانی کی رضامندی سے وکیل کرنا چاہیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک یہ تکلف محض ہے۔ جو شخص شہر میں موجود ہے، اسے کوئی عذر نہیں وہ بھی وکیل کرسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے موجود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ”اسے اونٹ دے دو۔“ اگرچہ یہ خطاب حاضرین کے لیے ہے لیکن عرف کے اعتبار سے ہر وکیل کو شامل ہے۔ خواہ وہ غائب ہو یا حاضر، نیز رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو وکیل بنایا، حالانکہ آپ مقیم اور تندرست تھے، نہ آپ غائب تھے اور نہ آپ بیمار اور مسافر ہی تھے۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جب حاضر کے لیے وکیل کرنا جائز ہے، حالانکہ وہ خود کام کرسکتا ہے تو غائب کو بطریق اولیٰ وکیل کرنا جائز ہے، اس لیے کہ وہ اس کا محتاج ہے۔[1]

(٦) بَابُ الْوَكَالَةِ فِي قَضَاءِ الدُّيُونِ

باب: 6- قرضوں کی ادائیگی کے لیے کسی کو وکیل بنانا

٢٣٠٦ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ يَتَقَاضَاهُ فَأَغْلَظَ، فَهَمَّ بِهِ أَصْحَابُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «دَعُوهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا»، ثُمَّ قَالَ: «أَعْطُوهُ سِنًّا مِّثْلَ سِنِّهِ»، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! إِلَّا أَمْثَلَ مِنْ سِنِّهِ، فَقَالَ: «أَعْطُوهُ، فَإِنَّ مِنْ خَيْرِكُمْ أَحْسَنَكُمْ قَضَاءً». [راجع: ٢٣٠٥]

[2306] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص قرض کی ادائیگی کا تقاضا کرتے ہوئے آیا اور اس سلسلے میں اس نے کچھ سخت لہجہ اختیار کیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے چاہا کہ اسے دبوچ لیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایسا نہ کرو، اسے نظر انداز کردو کیونکہ حق دار کو اس انداز سے بات چیت کرنے کا حق حاصل ہے۔“ پھر آپ نے فرمایا: ”اس کو اس کے اونٹ جیسا اونٹ دے دو۔“ صحابۂ کرام نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہمارے ہاں اس کے اونٹ سے بہتر اونٹ موجود ہے؟ آپ نے فرمایا: ”وہی دے دو۔ تم میں سے اچھے وہی لوگ ہیں جو واجبات خوبی کے ساتھ ادا کریں۔“

فوائد ومسائل: ① حق طلب کرنے میں سخت رویہ اختیار کرنا اس وقت روا ہے جب فریق ثانی ٹال مٹول سے کام لے اور واجبات کی ادائیگی میں اچھا رویہ اختیار نہ کرے لیکن جو شخص انصاف پسند اور معاملات کا اچھا ہو اور اگر پاس نہ ہو تو معذرت کرے، ایسے شخص کے ساتھ سخت کلامی درست نہیں۔ ② اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کریمانہ کا پتہ چلتا ہے کہ آپ

1 فتح الباري: 608/4.

نے قرض خواہ کی سخت کلامی کا مطلقاً کوئی اثر نہیں لیا بلکہ خندہ پیشانی سے قبل از وقت اس کا قرض ادا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو یہ اخلاق حسنہ اپنانے کی توفیق دے۔ ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے شارح بخاری ابن منیر کے حوالے سے اس عنوان کی فقاہت بایں الفاظ بیان کی ہے: قرض کی ادائیگی بروقت کرنا ضروری ہے اس بنا پر اعتراض ہوسکتا ہے کہ اس میں وکالت صحیح نہیں کیونکہ مؤکل کی طرف سے وکیل اختیار کرنے میں دیر ہوسکتی ہے، اس اعتراض کو دور کرنے کے لیے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے اور یہ ممانعت ٹال مٹول کے قبیل سے نہیں ہے۔[1]

(٧) بَابٌ: إِذَا وَهَبَ شَيْئًا لِوَكِيلٍ أَوْ شَفِيعِ قَوْمٍ جَازَ

باب:7- آدمی جب کسی قوم کے سفارشی یا وکیل کو کچھ دے تو جائز ہے

لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لِوَفْدِ هَوَازِنَ حِينَ سَأَلُوهُ الْمَغَانِمَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «نَصِيبِي لَكُمْ».

وفد ہوازن نے جب غنائم کی واپسی کا سوال کیا تھا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”میرا جو حصہ ہے وہ میں تمھیں دیتا ہوں۔“

وضاحت: یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ایک طویل روایت کا حصہ ہے جسے ابن اسحاق نے کتاب المغازی میں بیان کیا ہے۔[2]

٢٣٠٧، ٢٣٠٨ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: وَزَعَمَ عُرْوَةُ أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَاهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَامَ حِينَ جَاءَهُ وَفْدُ هَوَازِنَ مُسْلِمِينَ، فَسَأَلُوهُ أَنْ يَرُدَّ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَسَبْيَهُمْ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَحَبُّ الْحَدِيثِ إِلَيَّ أَصْدَقُهُ، فَاخْتَارُوا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ: إِمَّا السَّبْيَ وَإِمَّا الْمَالَ، فَقَدْ كُنْتُ اسْتَأْنَيْتُ بِهِمْ»، وَقَدْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ انْتَظَرَهُمْ بِضْعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً حِينَ قَفَلَ مِنَ الطَّائِفِ، فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ غَيْرُ رَادٍّ إِلَيْهِمْ إِلَّا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ قَالُوا:

[2308,2307] حضرت مروان بن حکم رحمہ اللہ اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ جب وفد ہوازن مسلمان ہوکر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور انھوں نے مطالبہ کیا کہ ان کے قیدی اور اموال انھیں واپس کر دیے جائیں تو رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہوکر ان سے فرمایا: ”سچ بات کہنا مجھے پسند ہے۔ تم دو باتوں میں سے ایک کا انتخاب کرلو: قیدی واپس لے لو یا اپنے مال کو اختیار کرلو۔ میں نے ان کے بارے میں خاصا توقف کیا تھا۔“ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب طائف سے لوٹے تو دس راتوں سے زیادہ ان کا انتظار کیا۔ جب انھیں یقین ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ ان کو صرف ایک چیز واپس کریں گے تو انھوں نے کہا: ہم اپنے قیدی واپس لینے کو اختیار کرتے

---

① فتح الباري: 609/4. ② فتح الباري: 610/4.

فَإِنَّا نَخْتَارُ سَبْيَنَا، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي الْمُسْلِمِينَ فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ إِخْوَانَكُمْ هٰؤُلَاءِ قَدْ جَاؤُنَا تَائِبِينَ، وَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ أَنْ أَرُدَّ إِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ، فَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يُطَيِّبَ بِذٰلِكَ فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يَكُونَ عَلَى حَظِّهِ حَتَّى نُعْطِيَهُ إِيَّاهُ مِنْ أَوَّلِ مَا يُفِيءُ اللهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ»، فَقَالَ النَّاسُ: قَدْ طَيَّبْنَا ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّا لَا نَدْرِي مَنْ أَذِنَ مِنْكُمْ فِي ذٰلِكَ مِمَّنْ لَمْ يَأْذَنْ، فَارْجِعُوا حَتَّى يَرْفَعُوا إِلَيْنَا عُرَفَاؤُكُمْ أَمْرَكُمْ»، فَرَجَعَ النَّاسُ فَكَلَّمَهُمْ عُرَفَاؤُهُمْ ثُمَّ رَجَعُوا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرُوهُ أَنَّهُمْ قَدْ طَيَّبُوا وَأَذِنُوا. [الحديث: ٢٣٠٧، انظر: ٢٥٣٩، ٢٥٨٤، ٢٦٠٧، ٣١٣١، ٤٣١٨، ٧١٧٦]، [الحديث: ٢٣٠٨، انظر: ٢٥٤٠، ٢٥٨٣، ٢٦٠٨، ٣١٣٢، ٤٣١٩، ٧١٧٧]

ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مسلمانوں سے خطاب کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ نے پہلے اللہ تعالیٰ کے شایان شان تعریف بیان کی، پھر فرمایا: اما بعد! تمھارے یہ بھائی تائب ہوکر تمھارے پاس آئے ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ ان کے قیدی انھیں واپس کر دیے جائیں۔ تم میں سے جو شخص خوش دلی سے اس کو پسند کرے تو قیدی واپس کر دے اور جو کوئی یہ پسند کرتا ہو کہ اس کا حصہ باقی رہے، تا آنکہ جو اول مال غنیمت آئے ہم اس میں سے اسے معاوضہ دیں تو وہ بھی قیدی واپس کر دے۔'' چنانچہ سب مسلمانوں نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کی خاطر خوشی سے ان کو قیدی واپس کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمیں معلوم نہیں ہو رہا کہ تم میں سے کس نے اجازت دی ہے اور کس نے نہیں دی۔ واپس چلے جاؤ، تمھارے فیصلے سے تمھارے سردار ہمیں آگاہ کریں۔'' وہ سب لوگ واپس چلے گئے۔ ان کے سرداروں نے ان سے گفتگو کی، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو آگاہ کیا کہ وہ خوش ہیں اور انھوں نے قیدی واپس کرنے کی اجازت دے دی ہے۔

فوائد و مسائل: ① قبیلۂ ہوازن کا جو وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا وہ ان کا وکیل بھی تھا اور قیدیوں کو واپس کرانے میں سفارشی بھی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی سفارش قبول کرتے ہوئے قیدیوں میں سے اپنا حصہ انھیں واپس کر دیا اور باقی قیدیوں کے متعلق لوگوں سے بات کی۔ تمام مسلمانوں نے خوش دلی سے قیدی واپس کر دیے۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن منیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ بظاہر یہ ہبہ ان لوگوں کے لیے تھا جو اپنی قوم کی طرف سے وکیل اور سفارشی بن کر آئے تھے مگر درحقیقت یہ ہبہ سب کے لیے تھا جو حاضر تھے ان کے لیے بھی اور جو غائب تھے ان کے لیے بھی۔ ③ اس سے معلوم ہوا کہ الفاظ مقاصد پر وارد ہوتے ہیں، ظاہر صورتوں پر نہیں، اس بنا پر اگر کوئی غیر کے لیے ہبہ کی سفارش کرے اور سفارشی سے کہا جائے کہ یہ چیز تیرے لیے ہبہ کر دی گئی ہے تو سفارشی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ ظاہر الفاظ کا اعتبار کرتے ہوئے اپنے لیے ہبہ رکھ لے

بلکہ وہ اس کے لیے ہوگا جس کے لیے اس نے سفارش کی تھی۔[1] ④ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی اجتماعی معاملہ درپیش ہو تو انفرادی طور پر بات چیت کرنے کے بجائے اجتماعی طور پر قوم کے نمائندے طلب کرنا اور ان سے گفتگو کرنا مناسب ہے۔ کوئی قومی مسئلہ ہو تو قومی نمائندوں کے ذریعے سے اسے حل کیا جائے۔ وہ نمائندے قومی وکیل ہوں گے اور کوئی قومی امانت بھی ان کے ذریعے سے قوم کے حوالے کی جائے گی۔ بہر حال اجتماعیت کے بہت فوائد ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے متعدد مواقع پر بہت اہمیت دی ہے۔

(٨) بَابٌ: إِذَا وَكَّلَ رَجُلٌ رَجُلًا أَنْ يُعْطِيَ شَيْئًا وَلَمْ يُبَيِّنْ كَمْ يُعْطِي فَأَعْطَى عَلَى مَا يَتَعَارَفُهُ النَّاسُ

باب: 8- جب آدمی کسی کو وکیل بنائے کہ وہ کوئی چیز دے دے لیکن یہ وضاحت نہ کرے کہ کتنی دے تو وہ لوگوں کے دستور کے مطابق دے

٢٣٠٩ - حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ وَّغَيْرِهِ - يَزِيدُ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ، وَّلَمْ يُبَلِّغْهُ كُلُّهُ - رَجُلٌ مِّنْهُمْ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ، فَكُنْتُ عَلَى جَمَلٍ ثَفَالٍ إِنَّمَا هُوَ فِي آخِرِ الْقَوْمِ، فَمَرَّ بِيَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «مَنْ هٰذَا؟» قُلْتُ: جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: «مَا لَكَ؟» قُلْتُ: إِنِّي عَلَى جَمَلٍ ثَفَالٍ، قَالَ: «أَمَعَكَ قَضِيبٌ؟» قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «أَعْطِنِيهِ»، فَأَعْطَيْتُهُ فَضَرَبَهُ فَزَجَرَهُ، فَكَانَ مِنْ ذٰلِكَ الْمَكَانِ مِنْ أَوَّلِ الْقَوْمِ، قَالَ: «بِعْنِيهِ»، : بَلْ هُوَ لَكَ يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: «بَلْ بِعْنِيهِ، قَدْ أَخَذْتُهُ بِأَرْبَعَةِ دَنَانِيرَ وَلَكَ ظَهْرُهُ إِلَى الْمَدِينَةِ»، فَلَمَّا دَنَوْنَا مِنَ الْمَدِينَةِ أَخَذْتُ أَرْتَحِلُ، قَالَ: «أَيْنَ تُرِيدُ؟» قُلْتُ: تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً قَدْ خَلَا مِنْهَا، قَالَ:

[2309] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں ایک سفر میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھا۔ چونکہ میں ایک سست رفتار اونٹ پر سوار تھا جو سب لوگوں سے بالکل پیچھے تھا، اس لیے نبی ﷺ میرے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''یہ کون ہے؟'' میں نے عرض کیا: جابر بن عبداللہ ہوں۔ آپ نے پوچھا: ''کیا ماجرا ہے؟'' میں نے عرض کیا: میں ایک سست رفتار اونٹ پر سوار ہوں۔ آپ نے پوچھا: ''تمھارے پاس کوئی چھڑی ہے؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''وہ مجھے دو۔'' میں نے آپ کو چھڑی دی تو آپ نے اونٹ کو رسید کی اور ڈانٹا۔ اب وہ تمام لوگوں سے آگے پہنچ گیا۔ آپ نے فرمایا: ''یہ اونٹ مجھے بیچ دو۔'' میں نے کہا: اللہ کے رسول! یہ آپ ہی کا ہوا۔ آپ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ اسے میرے ہاتھ بیچ دو۔ میں نے اسے چار دینار میں خرید لیا، نیز تمھیں اجازت ہوگی کہ مدینہ طیبہ تک تم اس پر سوار ہو کر جاؤ۔'' جب ہم مدینہ طیبہ کے قریب آئے تو میں نے الگ راہ لی۔ آپ نے فرمایا: ''کہاں کا

[1] فتح الباري: 610/4.

«فَهَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ؟» قُلْتُ: إِنَّ أَبِي تُوُفِّيَ وَتَرَكَ بَنَاتٍ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَنْكِحَ امْرَأَةً قَدْ جَرَّبَتْ خَلَا مِنْهَا، قَالَ: «فَذٰلِكَ»، فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ قَالَ: «يَا بِلَالُ اقْضِهِ وَزِدْهُ»، فَأَعْطَاهُ أَرْبَعَةَ دَنَانِيرَ وَزَادَهُ قِيرَاطًا. قَالَ جَابِرٌ: لَا تُفَارِقُنِي زِيَادَةُ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَلَمْ يَكُنِ الْقِيرَاطُ يُفَارِقُ قِرَابَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ. [راجع: ٤٤٣]

ارادہ ہے؟" عرض کیا: میں نے ایک بیوہ سے شادی کی ہے جس کا شوہر فوت ہوگیا تھا۔ آپ نے فرمایا: "کسی نوخیز سے شادی کیوں نہیں کی، وہ تمھاری خوش طبعی کا ذریعہ ہوتی اور تم اسے خوش کرتے؟" میں نے عرض کیا: میرا باپ فوت ہوگیا ہے پس ماندگان میں چند بیٹیاں ہیں، میں نے چاہا کہ ایسی عورت سے شادی کروں جس کا شوہر فوت ہوگیا ہو اور وہ خود تجربہ کار ہو۔ آپ نے فرمایا: "یہی چاہیے تھا۔" جب ہم مدینہ طیبہ پہنچے تو آپ نے حضرت بلال ؓ سے فرمایا: "اے بلال! ان (جابر) کو پیسے دو اور کچھ زیادہ دو۔" حضرت بلال ؓ نے چار دینار دیے اور ایک قیراط زیادہ دیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا زیادہ عنایت کردہ قیراط ہمیشہ میرے پاس رہتا تھا، چنانچہ وہ اس قیراط کو اپنے بٹوے میں ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال ؓ کو صاف طور پر نہیں بتایا تھا کہ اتنا زیادہ دے مگر حضرت بلال ؓ نے اپنی رائے سے زمانے کے دستور کے مطابق ایک قیراط زائد سونا دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے درمیان متعارف چیز کی حیثیت منصوص علیہ کی سی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کسی کو صدقہ دینے کا حکم دے تو وہ اگر لوگوں کے تعارف اور دستور کے مطابق دے تو جائز ہے اگر دستور سے زیادہ دے گا تو وہ مالک کی رضامندی پر موقوف ہے۔ اگر وہ راضی ہوگیا تو درست ہے بصورت دیگر زائد مقدار واپس لینے کا مجاز ہوگا۔ ② حضرت جابر ؓ کے عمل سے ثابت ہوا کہ کوئی اپنے بزرگ کے عطیہ یا کسی حقیقی یادگار کو تاریخی طور پر اپنے پاس محفوظ رکھے تو جائز ہے۔ واللہ أعلم.

(٩) بَابُ وَكَالَةِ الْمَرْأَةِ الْإِمَامَ فِي النِّكَاحِ

باب: 9- کسی عورت کا حاکم وقت کو نکاح میں وکیل بنانا

٢٣١٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي قَدْ وَهَبْتُ لَكَ مِنْ نَفْسِي،

[2310] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اللہ کے رسول! میں خود کو آپ کے لیے ہبہ کرتی ہوں۔ ایک شخص بولا: اللہ کے رسول! آپ اس

فَقَالَ رَجُلٌ: زَوِّجْنِيهَا، قَالَ: «قَدْ زَوَّجْنَاكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ». [انظر: ٥٠٢٩، ٥٠٣٠، ٥٠٨٧، ٥١٢١، ٥١٢٦، ٥١٣٢، ٥١٣٥، ٥١٤١، ٥١٤٩، ٥١٥٠، ٥٨٧١، ٧٤١٧]

کا نکاح میرے ساتھ کر دیں۔ آپ نے فرمایا: ''میں نے اس قرآن کے بدلے جو تجھے یاد ہے اس کا نکاح تجھ سے کر دیا۔''

فوائد و مسائل: ① اس عورت نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: میں نے خود کو آپ کے لیے ہبہ کر دیا ہے تو گویا اس نے آپ کو اس بات کا وکیل بنایا کہ آپ اس کا نکاح اپنے ساتھ کر لیں یا جس کے ساتھ آپ مناسب خیال کریں اس کے ساتھ کر دیں۔ عنوان بھی یہی ہے۔ ہبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مہر وغیرہ کا میری طرف سے کوئی مطالبہ نہیں اور میں اپنے آپ کو آپ کے نکاح میں دیتی ہوں لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس قانون کی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی بلکہ دوسری روایت میں ہے کہ آپ کچھ دیر سوچتے رہے۔ یہ تردد دیکھ کر ایک شخص نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ اس کا نکاح مجھ سے کر دیں۔[1] ② واضح رہے کہ عورت کا کسی کو اپنا نفس ہبہ کرنا صرف رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے، کسی امتی کے لیے اس طرح عورت کا ہبہ جائز نہیں، نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ مہر میں تعلیم قرآن بھی طے ہو سکتی ہے۔ واللہ أعلم.

(١٠) بَابٌ: إِذَا وَكَّلَ رَجُلًا فَتَرَكَ الْوَكِيلُ شَيْئًا فَأَجَازَهُ الْمُوَكِّلُ فَهُوَ جَائِزٌ، وَإِنْ أَقْرَضَهُ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى جَازَ

باب: 10- جب ایک شخص نے کسی کو وکیل مقرر کیا، وکیل نے کسی چیز کو چھوڑ دیا اور مؤکل نے اس کی اجازت دے دی تو جائز ہے۔ اسی طرح اگر وکیل متعین مدت تک قرض دے تو وہ بھی جائز ہے

وضاحت: اس عنوان کے حسب ذیل دو حصے ہیں: * اگر ایک صاحب نے کسی کو وکیل بنایا اور وکیل نے کوئی چیز نظر انداز کر دی تو اب یہ مؤکل پر موقوف ہے اگر وہ اسے جائز قرار دے تو جائز ہو جائے گی اور اگر نہیں تو جائز نہیں ہو گی۔ * وکیل اس کے مال سے کسی کو قرض دیتا ہے تو مؤکل اگر اجازت دے دیتا ہے تو جائز بصورت دیگر اسے قرض دیا ہوا مال واپس لینا ہو گا۔

٢٣١١ - وَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ أَبُو عَمْرٍو: حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: وَكَّلَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ بِحِفْظِ زَكَاةِ رَمَضَانَ، فَأَتَانِي آتٍ فَجَعَلَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَامِ، فَأَخَذْتُهُ وَقُلْتُ: لَأَرْفَعَنَّكَ

[2311] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فطرانے کی نگہداشت کا وکیل بنایا۔ میرے پاس ایک شخص آیا اور لپ بھر بھر کر اناج اٹھانے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا: اللہ کی قسم! میں تجھے رسول اللہ ﷺ کے حضور پیش کروں گا۔ اس نے کہا: میں

① صحيح البخاري، النكاح، حديث: 5126, 5135.

إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، قَالَ: إِنِّي مُحْتَاجٌ وَّعَلَيَّ عِيَالٌ وَّلِيَ حَاجَةٌ شَدِيدَةٌ، قَالَ: فَخَلَّيْتُ عَنْهُ، فَأَصْبَحْتُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ الْبَارِحَةَ؟» قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ شَكَا حَاجَةً شَدِيدَةً وَّعِيَالًا فَرَحِمْتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ، قَالَ: «أَمَا إِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُودُ»، فَعَرَفْتُ أَنَّهُ سَيَعُودُ لِقَوْلِ رَسُولِ اللهِ ﷺ: «إِنَّهُ سَيَعُودُ»، فَرَصَدْتُهُ، فَجَعَلَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَامِ فَأَخَذْتُهُ فَقُلْتُ: لَأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، قَالَ: دَعْنِي فَإِنِّي مُحْتَاجٌ وَعَلَيَّ عِيَالٌ، لَا أَعُودُ، فَرَحِمْتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ، فَأَصْبَحْتُ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ؟» قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! شَكَا حَاجَةً شَدِيدَةً وَّعِيَالًا فَرَحِمْتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ، قَالَ: «أَمَا إِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُودُ»، فَرَصَدْتُهُ الثَّالِثَةَ فَجَعَلَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَامِ فَأَخَذْتُهُ، فَقُلْتُ: لَأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَهٰذَا آخِرُ ثَلَاثِ مَرَّاتٍ أَنَّكَ تَزْعُمُ لَا تَعُودُ ثُمَّ تَعُودُ، قَالَ: دَعْنِي أُعَلِّمْكَ كَلِمَاتٍ يَّنْفَعُكَ اللهُ بِهَا، قُلْتُ: مَا هُنَّ؟ قَالَ: إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ: ﴿اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ [البقرة ٢٥٥] حَتَّى تَخْتِمَ الْآيَةَ، فَإِنَّكَ لَنْ يَّزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللهِ حَافِظٌ وَّلَا يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ حَتَّى تُصْبِحَ، فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ، فَأَصْبَحْتُ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ الْبَارِحَةَ؟» قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! زَعَمَ أَنَّهُ يُعَلِّمُنِي كَلِمَاتٍ

محتاج ہوں۔ مجھ پر عیال داری کا بوجھ ہے اور مجھے شدید ضرورت تھی۔ حضرت ابوہریرہ نے کہا: تب میں نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوہریرہ! رات تمھارے قیدی کا کیا ماجرا ہوا؟'' میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اس نے اپنی ضرورت مندی بیان کی اور عیال داری کی شکایت کی تو مجھے اس پر ترس آ گیا اور اسے چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا: ''آگاہ رہو! اس نے تجھ سے جھوٹ بولا ہے اور وہ پھر آئے گا۔'' رسول اللہ ﷺ کے ارشاد: ''وہ ضرور آئے گا۔'' کے پیش نظر مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گا، اس لیے میں اس کی گھات میں رہا، چنانچہ وہ آیا اور غلے سے لپ بھرنے لگا تو میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ اس بار تو میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ضرور پیش کروں گا۔ اس نے کہا: مجھے چھوڑ دے۔ میں انتہائی محتاج ہوں اور مجھ پر بال بچوں کا بوجھ ہے۔ میں دوبارہ نہیں آؤں گا۔ مجھے اس پر ترس آیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابوہریرہ! تمھارے قیدی کا کیا ماجرا ہوا؟'' میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اس نے اپنی شدید ضرورت کو بیان کیا اور بال بچوں کی شکایت کی تو مجھے اس پر رحم آیا، اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خبردار رہو! اس نے جھوٹ بولا ہے۔ وہ پھر آئے گا۔'' چنانچہ میں اس بار اس کی گھات میں رہا۔ جب وہ آیا اور لپ بھر بھر کر اناج اٹھانے لگا تو میں نے اسے پکڑ کر کہا: اب تو میں تجھے ضرور رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر جاؤں گا۔ یہ آخری بار ہے۔ تین بار تو یہ حرکت کر چکا ہے۔ تو کہتا ہے نہیں آؤں گا، پھر آ جاتا ہے۔ اس نے کہا: مجھے چھوڑ دو۔ میں تجھے چند کلمات بتاتا ہوں جن کے

يَنْفَعُنِي اللهُ بِهَا فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ، قَالَ: «مَا هِيَ؟» قُلْتُ: قَالَ لِي: إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ مِنْ أَوَّلِهَا حَتَّى تَخْتِمَ الْآيَةَ: ﴿ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْحَىُّ ٱلْقَيُّومُ﴾ وَقَالَ لِي: لَنْ يَزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللهِ حَافِظٌ وَلَا يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ حَتَّى تُصْبِحَ، وَكَانُوا أَحْرَصَ شَيْءٍ عَلَى الْخَيْرِ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَمَا إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوبٌ، تَعْلَمُ مَنْ تُخَاطِبُ مُذْ ثَلَاثِ لَيَالٍ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «ذَاكَ شَيْطَانٌ».

[انظر: ٣٢٧٥، ٥٠١٠]

ذریعے سے اللہ تعالیٰ تمھیں نفع دے گا۔ میں نے کہا: وہ کیا ہیں؟ تو اس نے کہا: جب تم اپنے بستر پر سونے کے لیے آؤ تو آیت الکرسی ﴿اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ......﴾ شروع سے لے کر آخر آیت تک پڑھ لیا کرو۔ ایسا کرو گے تو اللہ کی طرف سے ایک نگران تمھاری حفاظت کرے گا اور صبح تک شیطان تمھارے قریب نہیں آئے گا۔ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''گزشتہ رات تمھارے قیدی نے کیا کیا؟'' میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اس نے مجھے کہا کہ وہ مجھے چند کلمات بتائے گا جن کے ذریعے سے اللہ مجھے نفع دے گا تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ نے پوچھا: ''وہ کلمات کیا ہیں؟'' میں نے عرض کیا: اس نے مجھ سے کہا کہ جب تم اپنے بستر پر آؤ تو آیت الکرسی ﴿اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ......﴾ شروع سے آخر تک پڑھو۔ یہ کام کرنے سے اللہ کی طرف سے تمھارے لیے ایک نگران مقرر ہو جائے گا جو تمھاری حفاظت کرے گا اور صبح تک شیطان بھی تمھارے پاس نہیں بھٹکے گا۔ حضرات صحابۂ کرام کارہائے خیر کے بڑے حریص تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''سنو! اس نے بات تو سچی کی ہے لیکن خود وہ جھوٹا ہے۔ اے ابوہریرہ! تم جانتے ہو کہ جس سے تم تین راتوں سے باتیں کرتے رہے ہو وہ کون ہے؟'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نہیں جانتا تو آپ نے فرمایا: ''وہ شیطان تھا۔''

فوائد و مسائل: ① اس سے ملتا جلتا واقعہ پانچ چھ جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بھی پیش آیا، چنانچہ روایات میں حضرت ابی بن کعب، حضرت ابوایوب انصاری، حضرت ابواسید انصاری اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کا ذکر ملتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ شیطان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا: میں نصیبین سے آ رہا ہوں، اگر مجھے کہیں سے کچھ مل جاتا تو میں تمھارے پاس نہ آتا، حقیقت یہ ہے کہ ہم تمھارے ہی شہر میں رہا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کے رسول حضرت محمد ﷺ

تشریف لائے۔ جب ان پر دو آیات نازل ہوئیں تو ہم یہاں سے بھاگ گئے ہیں۔ اگر تو مجھے چھوڑ دے تو وہ آیات تجھے بتا دوں گا۔ پھر اس نے آیت الکرسی اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات آمن الرسول سے آخر سورت تک کی نشاندہی کی۔[1] ② یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ عنوان کے عین مطابق ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فطرانے کی حفاظت کے لیے بطور وکیل تعینات تھے۔ جب شیطان نے غلے سے کچھ لیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خاموش رہے اور اسے کچھ نہ کہا، پھر جب رسول اللہ ﷺ کے حضور معاملہ پیش ہوا تو آپ نے اس کا نوٹس نہ لیا تو گویا آپ کی طرف سے یہ اجازت تھی اور قرض کی صورت بایں طور ہے کہ وہ غلہ فطرانے کا تھا۔ جب چور نے اسے لیا اور اپنی محتاجی کا عذر پیش کیا تو اسے چھوڑ دیا گیا تو گویا یہ غلہ اسے تقسیم ہونے کے وقت تک قرض دیا گیا کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم فطرانہ تقسیم سے تین دن پہلے جمع کرتے تھے۔ پھر اسے تقسیم کرتے تھے اس حدیث سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے متعدد فوائد اخذ کیے ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔[2]

(١١) بَابٌ: إِذَا بَاعَ الْوَكِيلُ شَيْئًا فَاسِدًا فَبَيْعُهُ مَرْدُودٌ

باب: 11- اگر وکیل فاسد چیز کی خرید وفروخت کرے تو اس کی بیع مسترد ہوگی

٢٣١٢ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ - هُوَ ابْنُ سَلَّامٍ - عَنْ يَحْيَى قَالَ: سَمِعْتُ عُقْبَةَ بْنَ عَبْدِ الْغَافِرِ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ بِلَالٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِتَمْرٍ بَرْنِيٍّ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: «مِنْ أَيْنَ هٰذَا؟» قَالَ بِلَالٌ: كَانَ عِنْدِي تَمْرٌ رَدِيءٌ فَبِعْتُ مِنْهُ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ لِنُطْعِمَ النَّبِيَّ ﷺ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عِنْدَ ذٰلِكَ: «أَوَّهْ أَوَّهْ، عَيْنُ الرِّبَا، عَيْنُ الرِّبَا، لَا تَفْعَلْ، وَلٰكِنْ إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَشْتَرِيَ فَبِعِ التَّمْرَ بِبَيْعٍ آخَرَ ثُمَّ اشْتَرِ بِهِ».

[2312] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں برنی کھجور لے کر آئے تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ کہاں سے لائے ہو؟'' حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میرے پاس ہلکی قسم کی کھجوریں تھیں تو میں نے ان میں سے دو صاع ایک صاع کے عوض فروخت کیے ہیں تاکہ نبی ﷺ کو یہ (برنی) کھجوریں کھلائیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اوہ اوہ! یہ تو خالص سود ہے۔ یہ تو سراسر سود ہے۔ ایسا مت کرو۔ اگر تم اس طرح خریدنا ہی چاہو تو اپنی کھجور فروخت کرو، پھر اس کی قیمت سے یہ اچھی کھجور خرید لو۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں اگرچہ کھجوریں واپس کرنے کی صراحت نہیں ہے، تاہم امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی عادت کے مطابق اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے: ''انھیں واپس کرو کیونکہ یہ سودی معاملہ

1 فتح الباري: 615/4. 2 فتح الباري: 616/4.

ہے۔"[1] دراصل اس قسم کا واقعہ دو مرتبہ پیش آیا: ایک واقعہ تحریم ربا سے پہلے کا ہے، وہاں آپ نے اس بیع کو مسترد کرنے کا حکم نہیں دیا اور دوسرا تحریم ربا کے بعد کا ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ نے اس بیع کو مسترد کرنے کا حکم دیا۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر وکیل نے کوئی بیع فاسد کر ڈالی ہے تو یہ نافذ نہیں ہوگی بلکہ اسے مسترد کرتے ہوئے سودا واپس کرنا ہوگا۔[2] ③ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سود حرام ہے اور اسے کسی صورت میں لینا جائز نہیں اگرچہ وہ کسی وجہ سے ہمارے اکاؤنٹ میں جمع ہی کیوں نہ ہو۔

(١٢) بَابُ الْوَكَالَةِ فِي الْوَقْفِ وَنَفَقَتِهِ وَأَنْ يُطْعِمَ صَدِيقًا لَهُ وَيَأْكُلَ بِالْمَعْرُوفِ

باب: 12- وقف (کے مال) میں وکالت اور وکیل کا خرچ، نیز وکیل کا اپنے دوست کو کھلانا اور خود بھی دستور کے مطابق کھانا

٢٣١٣ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، قَالَ فِي صَدَقَةِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: لَيْسَ عَلَى الْوَلِيِّ جُنَاحٌ أَنْ يَأْكُلَ وَيُؤْكِلَ صَدِيقًا غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ مَّالًا. فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ هُوَ يَلِي صَدَقَةَ عُمَرَ، يُهْدِي لِنَاسٍ مِّنْ أَهْلِ مَكَّةَ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ. [انظر: ٢٧٣٧، ٢٧٦٤، ٢٧٧٢، ٢٧٧٣، ٢٧٧٧]

[2313] حضرت عمرو بن دینار سے روایت ہے، انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صدقے کے متعلق کہا: متولی پر کوئی اعتراض نہیں کہ ضرورت کے مطابق کھائے یا کسی دوست کو کھلائے، البتہ مال جمع کرنے میں نہ لگا رہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صدقے کے متولی تھے، وہ مکہ مکرمہ سے آنے والے مہمانوں کو اس سے ہدیہ بھی دیتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نخلستان اللہ کی راہ میں وقف کیا تھا، دیگر ہدایات میں سے ایک ہدایت یہ تھی کہ اس وقف کا متولی دستور کے مطابق خود بھی کھا سکتا ہے اور کسی دوست کو بھی کھلا سکتا ہے لیکن وہ ذخیرہ اندوزی نہیں کرے گا۔[3] ② امام بخاری رحمہ اللہ اس عنوان سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وکالت جس طرح بندوں کی خالص املاک میں ہو سکتی ہے اس طرح اوقاف میں اس سے کام لیا جا سکتا ہے۔ وقف کا متولی اگر اس کی نگہداشت کے لیے اپنا وقت صرف کرتا ہے تو اس کے لیے اپنی ضرورت کے مطابق لینے میں کوئی حرج نہیں۔ ③ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ضابطہ قرآن کریم سے اخذ کیا تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ "یتیم کا سرپرست اگر ضرورت مند ہے تو دستور کے مطابق لے سکتا ہے۔"[4] اس روایت کو علامہ مزی نے متصل سند سے بیان کیا ہے، اس میں حضرت عمرو بن دینار حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے

---

① صحيح مسلم، المساقاة والمزارعة، حديث: 4084 (1594). ② فتح الباري: 617/4. ③ صحيح البخاري، الوصايا، حديث: 2764. ④ النسآء 4:6.

روایت کرتے ہیں۔[1] ④ حضرت ابن عمر ؓ اہل مکہ کو بطور ہدیہ دیتے تھے، وہ اس لیے کہ وقف عمر میں یہ شرط تھی کہ مہمانوں کو بھی اس سے کھلایا جائے۔[2] وقف سے متعلق دیگر احکام و مسائل کتاب الوقف میں بیان کیے جائیں گے۔

(١٣) بَابُ الْوَكَالَةِ فِي الْحُدُودِ

باب:13- حدود کے نفاذ میں وکیل بنانا

٢٣١٤، ٢٣١٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ وَّأَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ إِلَى امْرَأَةِ هٰذَا فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا».

[الحديث: ٢٣١٤، انظر: ٢٦٤٩، ٢٦٩٦، ٢٧٢٥، ٦٦٣٤، ٦٨٢٨، ٦٨٣١، ٦٨٣٦، ٦٨٤٣، ٦٨٦٠، ٧١٩٤، ٧٢٥٩، ٧٢٧٩]، [الحديث: ٢٣١٥، انظر: ٢٦٩٥، ٢٧٢٤، ٦٦٣٣، ٦٨٢٧، ٦٨٣٣، ٦٨٣٥، ٦٨٤٢، ٦٨٥٩، ٧١٩٣، ٧٢٥٨، ٧٢٦٠، ٧٢٧٨]

[2315,2314] حضرت زید بن خالد اور حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اے انیس! تم اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ، اگر وہ زنا کا اعتراف کرے تو اسے رجم کر دو۔"

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے اس عنوان سے ایسے خالص حقوق اللہ میں وکالت کو ثابت کیا ہے جو عبادت کے علاوہ ہیں۔ واضح رہے کہ عبادات محضہ، مثلاً: نماز، روزہ اور طہارت وغیرہ میں وکالت جائز نہیں۔ ② رسول اللہ ﷺ نے حضرت انیس کو حد قائم کرنے کے لیے بھیجا کیونکہ وہ اس عورت کے قبیلے سے تھے، اگر کسی دوسرے قبیلے کے شخص کو حد قائم کرنے کے لیے بھیجا جاتا تو ممکن تھا کہ وہ اس حکم سے نفرت کرتے۔ حضرت انیس اور ملزمہ عورت کا تعلق قبیلۂ اسلم سے تھا۔ ③ اس حدیث سے قانونی پہلو یہ برآمد ہوتا ہے کہ اقرار جرم سے گواہوں کی ضرورت ساقط ہو جاتی ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ شادی شدہ زانی یا زانیہ کے لیے زنا کی حد سنگساری ہے۔

٢٣١٦ - حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ عَنْ أَيُّوبَ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ: جِيءَ

[2316] حضرت عقبہ بن حارث ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ حضرت نعیمان یا ابن نعیمان ؓ کو اس حالت میں لایا گیا کہ اس نے شراب پی رکھی تھی۔ رسول اللہ

① فتح الباري: 619/4. ② صحيح البخاري، الوصايا، حديث: 2764.

بِالنُّعَيْمَانِ أَوِ ابْنِ النُّعَيْمَانِ شَارِبًا، فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ كَانَ فِي الْبَيْتِ أَنْ يَضْرِبُوهُ، قَالَ: فَكُنْتُ أَنَا فِيمَنْ ضَرَبَهُ، فَضَرَبْنَاهُ بِالنِّعَالِ وَالْجَرِيدِ. [انظر: ٦٧٧٤، ٦٧٧٥]

ﷺ نے گھر کے اندر جو موجود تھے انھیں حکم دیا کہ وہ اسے ماریں۔ (حضرت عقبہ ؓ کہتے ہیں کہ) میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے اسے مارا، چنانچہ ہم نے اسے جوتوں اور کھجور کی شاخوں (چھڑیوں) سے مارا تھا۔

فوائدومسائل: ① اسماعیلی کی روایت میں بغیر تردد اور شک کے نعیمان کے الفاظ ہیں۔ ان کا نام نعیمان بن عمرو بن رفاعہ انصاری ہے۔ یہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ بڑے خوش مزاج قسم کے انسان تھے۔ انھوں نے شراب نوشی کی تو نشے کی حالت میں انھیں رسول اللہ ﷺ کے حضور پیش کر دیا گیا تو آپ نے گھر والوں ہی کو حد مارنے کا حکم دیا۔ گویا وہی آپ کی طرف سے وکیل تھے، چنانچہ ان میں سے کچھ نے جوتے مارے اور کچھ نے چھڑیوں سے پٹائی کر دی۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی حد تمام حدود سے ہلکی ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ حد کے لیے شرابی کو ہوش میں آنے کا انتظار نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے نشے کی حالت ہی میں حد لگائی جا سکتی ہے جبکہ حاملہ عورت کو بچہ جننے تک مہلت دی جائے گی، وضع حمل کے بعد اس پر حد جاری ہوگی۔[1]

(١٤) بَابُ الْوَكَالَةِ فِي الْبُدْنِ وَتَعَاهُدِهَا

باب: 14- قربانی کے اونٹوں اور ان کی نگرانی کرنے میں وکالت کرنا

٢٣١٧ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ: قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَا فَتَلْتُ قَلَائِدَ هَدْيِ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِيَدَيَّ، ثُمَّ قَلَّدَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ بَعَثَ بِهَا مَعَ أَبِي، فَلَمْ يَحْرُمْ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ شَيْءٌ أَحَلَّهُ اللهُ لَهُ حَتَّى نُحِرَ الْهَدْيُ. [راجع: ١٦٩٦]

[2317] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی قربانیوں کے ہار میں نے اپنے ہاتھوں سے تیار کیے: پھر رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنے ہاتھوں سے ان کے گلے میں ڈالا۔ اس کے بعد آپ نے میرے والد گرامی (حضرت ابوبکر ؓ) کے ہمراہ انھیں مکہ مکرمہ روانہ کیا لیکن رسول اللہ ﷺ پر کوئی چیز حرام نہ ہوئی جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کی تھی تا آنکہ ان قربانیوں کو ذبح کر دیا گیا۔

فائدہ: ہدی کے جانور وہ ہوتے ہیں جن کے متعلق یہ نیت کی جاتی ہے کہ انھیں مکہ لے جا کر ذبح کیا جائے گا۔ ایسا کرنے سے جانور بھیجنے والے پر احرام کی کوئی پابندی عائد نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے ہدی کے جانور مکہ لے جانے کے

1 فتح الباري: 620/4.

لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو وکیل بنایا اور ان کی نگہداشت کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تعینات تھیں۔ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ہے کہ قربانی بھی عبادت ہے، اس قسم کی عبادت میں کسی دوسرے کو وکیل بنایا جا سکتا ہے کیونکہ یہ عبادت محضہ نہیں ہے۔ واللّٰه أعلم.

(١٥) بَابٌ: إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِوَكِيلِهِ: ضَعْهُ حَيْثُ أَرَاكَ اللهُ، وَقَالَ الْوَكِيلُ: قَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ

باب: 15- اگر کسی نے اپنے وکیل سے کہا کہ جہاں تم مناسب سمجھو اسے خرچ کرو، اس کے جواب میں وکیل نے کہا: میں نے آپ کی بات سن لی ہے

٢٣١٨ - حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ: أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: كَانَ أَبُو طَلْحَةَ أَكْثَرَ أَنْصَارِيٍّ بِالْمَدِينَةِ مَالًا، وَكَانَ أَحَبُّ أَمْوَالِهِ إِلَيْهِ بِيرُحَاءَ، وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَّاءٍ فِيهَا طَيِّبٍ، فَلَمَّا نَزَلَتْ: ﴿لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ [آل عمران: ٩٢] قَامَ أَبُو طَلْحَةَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: ﴿لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ [آل عمران: ٩٢] وَإِنَّ أَحَبَّ أَمْوَالِي إِلَيَّ بِيرُحَاءَ، وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ أَرْجُو بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللهِ، فَضَعْهَا يَا رَسُولَ اللهِ حَيْثُ شِئْتَ، فَقَالَ: «بَخٍ، ذٰلِكَ مَالٌ رَّائِحٌ، ذٰلِكَ مَالٌ رَّائِحٌ، قَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ فِيهَا وَأَرَى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِينَ»، قَالَ: أَفْعَلُ يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَسَمَهَا أَبُو طَلْحَةَ فِي أَقَارِبِهِ وَبَنِي عَمِّهِ.

[2318] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کے انصار میں سے سب سے زیادہ مال دار تھے۔ اور ان کے نزدیک ان کا بہترین مال ان کا باغ بیرحاء تھا۔ اور وہ مسجد نبوی کے بالکل سامنے واقع تھا۔ رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے جایا کرتے اور اس کا شیریں پانی نوش فرماتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ "تم بھلائی ہرگز نہیں حاصل کر سکتے حتی کہ اپنی محبوب چیز خرچ کرو۔" تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ﴿لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ "تم پوری نیکی ہرگز نہیں حاصل کر سکتے جب تک اپنا پسندیدہ مال خرچ نہ کرو۔" اور میرا محبوب ترین مال یہ باغ بیرحاء ہے تو وہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے۔ میں اللہ کے ہاں اس کی نیکی اور ثواب کا امیدوار ہوں۔ اللہ کے رسول! آپ جہاں چاہیں اسے خرچ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بہت خوب! یہ مال تو چلا جانے والا ہے، یہ مال تو چلا جانے والا ہے۔ بہرحال اس کے متعلق جو تم نے کہا اسے میں نے سن لیا ہے، تاہم

میری رائے ہے کہ تم اسے اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کرو۔" انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! میں ایسا ہی کروں گا۔ پھر حضرت ابوطلحہ ؓ نے اپنے قریبی رشتہ داروں اور چچا کے بیٹوں میں اسے تقسیم کر دیا۔

تَابَعَهُ إِسْمَاعِيلُ عَنْ مَالِكٍ، وَقَالَ رَوْحٌ عَنْ مَالِكٍ: «رَابِحٌ». [راجع: ١٤٦١]

اسماعیل نے مالک سے روایت کرنے میں یحییٰ بن یحییٰ کی متابعت کی ہے۔ اور (راوئ حدیث) روح نے امام مالک سے (''رائح'' کے بجائے، لفظ) ''رابح'' بیان کیا ہے۔ (اس کے معنی ہیں کہ یہ مال تو بہت نفع بخش ہے۔)

فوائد و مسائل: ① اس عنوان کا مقصد یہ ہے کہ وکالت کا معاملہ اس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک وکیل اس وکالت کو قبول نہ کرلے۔ ''جو تو نے کہا اسے میں نے سن لیا ہے'' اس سے مراد وکیل کا قبول کرنا اور اس کا اظہار آمادگی ہے۔ حضرت ابوطلحہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ کو بیرحاء کے متعلق اپنا وکیل ٹھہرایا تو آپ نے اس وکالت کو قبول فرمایا۔ آپ نے اسے رائے دی کہ اسے اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کر دیں۔ چونکہ رشتہ داروں کا حق مقدم ہے اور وہی وراثت میں حصہ پاتے ہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق کو ترجیح دی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی دور اندیشی تھی۔ ② حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ عقد وکالت اس وقت مکمل ہوگا جب وکیل اسے قبول کرلے۔[1] واللہ أعلم۔ ③ اسماعیل کی متابعت کو امام بخاری ؒ نے خود ہی متصل سند سے بیان کیا ہے۔[2] ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوطلحہ ؓ نے وہ باغ حضرت حسان بن ثابت اور ابی بن کعب ؓ میں تقسیم کیا۔ حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ مجھے اس باغ سے کچھ نہیں ملا۔[3]

(١٦) بَابُ وَكَالَةِ الْأَمِينِ فِي الْخِزَانَةِ وَنَحْوِهَا

باب: 16- خزانہ وغیرہ میں کسی امانت دار کو وکیل بنانا

٢٣١٩ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْخَازِنُ الْأَمِينُ الَّذِي يُنْفِقُ - وَرُبَّمَا قَالَ: اَلَّذِي يُعْطِي - مَا أُمِرَ بِهِ كَامِلًا مُوَفَّرًا،

[2319] حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''امانت دار خزانچی جو چیز جس پر خرچ کرنے یا دینے کا حکم دیا جائے وہ خوشی سے بلاکم و کاست اس اس کے حوالے کر دے تو وہ بھی صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہوگا۔''

① فتح الباري: 621/4. ② صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4554. ③ صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4555.

طَيِّبًا نَفْسُهُ إِلَى الَّذِي أُمِرَ بِهِ أَحَدُ الْمُتَصَدِّقِينَ».

[راجع: ١٤٣٨]

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ خازن جو خزانے پر مقرر ہے، جب خوش دلی اور دیانت داری کے ساتھ ادائیگی کرتا ہے تو اسے بھی صدقہ کرنے والوں میں شمار کیا جائے گا، یعنی اس کو مالک کے برابر ثواب ملے گا کہ اس نے مالک کے حکم کو بخوشی قبول کیا اور اسے بجالایا۔ مالک کی طرف سے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے مال خرچ کرنے میں وہ وکیل ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ عنوان کا بھی یہی مقصد ہے۔

کھیتی باڑی اور مزارعت کے احکام و آداب

انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے تین بڑے بڑے ذرائع ہیں، انسان ان سے روزی کماتا ہے اور اپنی حاجات پوری کرتا ہے: ① تجارت اور خرید وفروخت۔ ② صنعت و حرفت۔ ③ زراعت و کھیتی باڑی۔ زراعت کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ ہے کہ آدمی کوئی زمین جائز طریقے سے حاصل کرے یا اس کو وراثت میں ملے، پھر اس میں اپنے ہاتھ سے کھیتی باڑی کرے اور اس سے اپنی جائز ضروریات پوری کرے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ کسی مصروفیت یا مجبوری کی وجہ سے خود کھیتی باڑی سے قاصر ہے تو اسلام اسے حق دیتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں دوسروں سے مدد لے۔ اس مدد لینے کی تین صورتیں ہیں:

* اپنی زمین کسی کو بٹائی پر دے دے، یعنی زمین اور بیج وغیرہ اس کا ہو، البتہ محنت، ہل اور بیل وغیرہ دوسرے شخص کے ہوں۔ اس اشتراک سے جو کچھ پیدا ہو دونوں اسے تقسیم کر لیں۔
* زمین کا مالک نقد ٹھیکہ لے کر اپنی زمین کسی دوسرے کو دے دے۔ مالک طے شدہ ٹھیکہ وصول کرے اور ٹھیکہ دینے والا پوری پیداوار سے فائدہ اٹھائے۔
* زمین، بیج، ہل اور بیل وغیرہ ایک آدمی کا ہو اور وہ دوسروں سے مزدوری پر کام لے کر زمین کو کاشت کرے اور پیداوار اٹھائے۔ اب گویا کل چار صورتیں ہوئیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت تین صورتوں کو بیان کیا ہے: ① آدمی خود کاشت کرے۔ ② اسے بٹائی پر دے دے۔ ③ ٹھیکہ طے کر کے کسی دوسرے کو اپنی زمین حوالے کر دے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید کھیتی باڑی کرنا جائز نہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''کھیتی باڑی جس گھر میں داخل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس میں ذلت و رسوائی بھی داخل کر دیتا ہے۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے تو کھیتی باڑی کی مشروعیت کو ثابت کیا ہے اور مذکورہ حدیث کا مصداق بھی ذکر کیا ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا، نیز بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ زمین بٹائی پر دینا یا اس کا طے شدہ ٹھیکہ وصول کرنا جائز نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کے پاس زمین ہو وہ یا خود کھیتی باڑی کرے یا پھر اپنی زمین کسی دوسرے بھائی کو

---

1 صحيح البخاري، الحرث والمزارعة، حديث: 2321.

بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں چالیس مرفوع احادیث پیش کی ہیں جن میں نو معلق اور اکتیس متصل ہیں۔ ان میں بائیس مکرر اور اٹھارہ خالص ہیں۔ سات احادیث کے علاوہ دیگر احادیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔ مرفوع احادیث کے علاوہ امام بخاری نے صحابۂ کرام اور تابعین عظام سے انتالیس آثار بھی پیش کیے ہیں۔ ان مرفوع احادیث اور آثار پر تقریباً اکیس چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں، ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

① کاشتکاری اور شجرکاری کی فضیلت۔ ② زرعی آلات میں حد سے زیادہ مصروفیت کے سنگین نتائج۔ ③ کھیتی کی حفاظت کے لیے کتا پالنا۔ ④ کاشتکاری کے لیے گائے بیل سے کام لینا۔ ⑤ نصف پیداوار پر زمین کاشت کرنا۔ ⑥ مدت کے تعین کے بغیر زمین کاشت کے لیے دینا۔ ⑦ مزارعت میں کون سی شرائط مکروہ ہیں؟ ⑧ بنجر زمین کو آباد کرنے کا حکم۔ ⑨ سونے چاندی کے عوض زمین ٹھیکے پر دینا۔ ⑩ شجرکاری کی اہمیت و افادیت۔

اس عنوان کے تحت زمین کرائے پر دینے اور بٹائی کے متعلق ارکان و شرائط کا بھی بیان ہوگا۔ اس کے علاوہ بے شمار اسنادی مباحث اور حدیثی فوائد ذکر ہوں گے جن سے امام بخاری رحمہ اللہ کی جلالت قدر اور فقہی استعداد و ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر عمل کی توفیق دے اور قیامت کے دن ہمیں زمرۂ محدثین سے اٹھائے۔ أُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ ...... لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِي صَلَاحًا. وصلى الله على نبيه محمد وآله وأصحابه أجمعين.

بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں چالیس مرفوع احادیث پیش کی ہیں جن میں نو معلق اور اکتیس متصل ہیں۔ ان میں بائیس مکرر اور اٹھارہ خالص ہیں۔ سات احادیث کے علاوہ دیگر احادیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔ مرفوع احادیث کے علاوہ امام بخاری نے صحابۂ کرام اور تابعین عظام سے انتالیس آثار بھی پیش کیے ہیں۔ ان مرفوع احادیث اور آثار پر تقریباً اکیس چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں، ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

① کاشتکاری اور شجر کاری کی فضیلت۔ ② زرعی آلات میں حد سے زیادہ مصروفیت کے سنگین نتائج۔ ③ کھیتی کی حفاظت کے لیے کتا پالنا۔ ④ کاشتکاری کے لیے گائے بیل سے کام لینا۔ ⑤ نصف پیداوار پر زمین کاشت کرنا۔ ⑥ مدت کے تعین کے بغیر زمین کاشت کے لیے دینا۔ ⑦ مزارعت میں کون سی شرائط مکروہ ہیں؟ ⑧ بنجر زمین کو آباد کرنے کا حکم۔ ⑨ سونے چاندی کے عوض زمین ٹھیکے پر دینا۔ ⑩ شجر کاری کی اہمیت و افادیت۔

اس عنوان کے تحت زمین کرائے پر دینے اور بٹائی کے متعلق ارکان و شرائط کا بھی بیان ہوگا۔ اس کے علاوہ بے شمار اسنادی مباحث اور حدیثی فوائد ذکر ہوں گے جن سے امام بخاری رحمہ اللہ کی جلالت قدر اور فقہی استعداد و ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر عمل کی توفیق دے اور قیامت کے دن ہمیں زمرۂ محدثین سے اٹھائے۔ أُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ ...... لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِي صَلَاحًا. وصلى الله على نبيه محمد وآله وأصحابه أجمعين.

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

41 - كِتَابُ الْحَرْثِ وَالْمُزَارَعَةِ

کھیتی باڑی اور بٹائی سے متعلق احکام و مسائل

(١) بَابُ فَضْلِ الزَّرْعِ وَالْغَرْسِ إِذَا أُكِلَ مِنْهُ.

باب: 1- کاشتکاری اور شجر کاری کی فضیلت جبکہ اس سے کھایا جائے

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ۝ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ ٱلزَّٰرِعُونَ ۝ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَٰهُ حُطَٰمًا﴾ [الواقعة: ٦٣-٦٥].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تم جو کچھ کاشت کرتے ہو اس پر غور تو کرو، کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم اسے پروان چڑھانے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیں۔''

وضاحت: یہ آیت کریمہ کھیتی اور زراعت پر مشتمل ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ سے زراعت اور کاشت کاری کا جائز ہونا ثابت کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے بطور احسان ذکر کیا ہے۔ اگر کھیتی باڑی جائز نہ ہوتی تو اس سے احسان وامتنان کے کیا معنی؟ اس میں شک نہیں ہے کہ کھیتی باڑی مباح ہے بشرطیکہ جہاد اور اس طرح کے دیگر کاموں کے لیے رکاوٹ کا باعث نہ ہو۔ شارح بخاری ابن منیر نے لکھا ہے کہ آیت کریمہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے کھیتی باڑی کے مباح ہونے کا استدلال کیا ہے اور جن احادیث میں اس کی ممانعت آتی ہے اس سے مراد ایسی کھیتی باڑی ہے جو مسلمانوں کو جہاد اور دیگر شرعی امور سے غافل کر دے۔[1]

٢٣٢٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ؛ ح: وَحَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْمُبَارَكِ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا مِنْ مُسْلِمٍ

[2320] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی مسلمان شجر کاری یا کاشتکاری کرتا ہے، پھر اس میں سے کوئی پرندہ، انسان یا حیوان کھاتا ہے تو اسے صدقہ و خیرات کا ثواب

1. فتح الباري: 5/5.

يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ».

ملتا ہے۔"

وَقَالَ مُسْلِمٌ: حَدَّثَنَا أَبَانُ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [انظر: ٦٠١٢]

اور مسلم (بن ابراہیم) نے کہا کہ ہم سے ابان نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہم سے قتادہ نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہم سے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان فرمایا۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے باغبانی، زراعت اور زمین آباد کرنے کی فضیلت ثابت کی ہے۔ مسلمان کی تخصیص اس لیے ہے کہ کافر کو آخرت میں ثواب نہیں ملے گا، البتہ دنیا میں اسے اچھے کام کا اچھا بدلہ مل سکتا ہے۔ مسلمان کے لیے یہ ثواب قیامت تک کے لیے ہے۔[1] ② بعض علماء کہتے ہیں: کھیتی باڑی دیگر کاموں سے افضل ہے جبکہ بعض حضرات صنعت وحرفت کی فضیلت کے قائل ہیں۔ کچھ اہل علم تجارت کو افضل کہتے ہیں، لیکن اکثر احادیث میں دستکاری کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ دراصل افضلیت لوگوں کے احوال کے اعتبار سے ہے جہاں لوگ خوراک کے زیادہ محتاج ہوں وہاں زراعت افضل ہے تاکہ وہ قحط زدہ نہ ہوں اور جہاں کاروبار کی زیادہ ضرورت ہو وہاں تجارت افضل ہے اور جہاں دستکاری کی ضرورت ہو وہاں صنعت وحرفت افضل ہے۔ دور حاضر میں حالات کا تقاضا یہ ہے کہ سب اپنی اپنی جگہ فضیلت رکھتی ہیں۔ واللہ أعلم۔[2]

(٢) بَابُ مَا يُحْذَرُ مِنْ عَوَاقِبِ الْاِشْتِغَالِ بِآلَةِ الزَّرْعِ أَوْ مُجَاوَزَةِ الْحَدِّ الَّذِي أُمِرَ بِهِ

باب: 2- زرعی آلات (کھیتی باڑی) میں بہت مصروف رہنے اور جائز حدود سے تجاوز کرنے کے بُرے انجام کا بیان

٢٣٢١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ سَالِمٍ [الْحِمْصِيُّ]: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ زِيَادٍ الْأَلْهَانِيُّ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ قَالَ: - وَرَأَى سِكَّةً وَشَيْئًا مِنْ آلَةِ الْحَرْثِ، فَقَالَ: - سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «لَا يَدْخُلُ هٰذَا بَيْتَ قَوْمٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللهُ الذُّلَّ».

قَالَ مُحَمَّدٌ: وَاسْمُ أَبِي أُمَامَةَ: صُدَيُّ بْنُ عَجْلَانَ.

[2321] حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے ہل کا پھل اور کھیتی کے کچھ دوسرے آلات دیکھے تو کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: "یہ زرعی آلات جس قوم کے گھر میں گھس آتے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں ذلت ورسوائی سے دوچار کر دیتا ہے۔"

محمد (امام بخاری رحمہ اللہ) نے کہا: حضرت ابو امامہ کا نام صدی بن عجلان ہے۔

فائدہ: حدیث میں مذکورہ ذلت ورسوائی اس بنا پر ہوگی کہ جب انسان دن رات کھیتی باڑی میں لگا رہے گا، جہاد اور اس کے لوازمات سے غافل ہو جائے گا تو دشمن کا غالب آ جانا یقینی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "جب تم بیع عینہ

---

1 فتح الباري: 6/5. 2 عمدة القاري: 9/5.

کرنے لگو گے، بیلوں کی دمیں پکڑ لو گے، کھیتی باڑی ہی میں مگن ہو جاؤ گے اور جہاد کو نظر انداز کر دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا، پھر اس ذلت کو تم سے اس وقت تک دور نہیں کرے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف لوٹ نہ آؤ۔"[1] الغرض ترک جہاد اور کھیتی باڑی میں مصروفیت سے دشمن غالب ہوگا اور انھیں اپنا محکوم بنا لے گا جو محض ذلت و رسوائی ہے، اس لیے کھیتی باڑی اور اس طرح کی دوسری چیزوں میں حد سے زیادہ دلچسپی اور مصروفیت مناسب نہیں۔ اس کے مفاسد و خطرات سے انسان کو بچنا چاہیے۔

(٣) بَابُ اقْتِنَاءِ الْكَلْبِ لِلْحَرْثِ

باب:3- کھیت کی حفاظت کے لیے کتا رکھنا

٢٣٢٢ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ أَمْسَكَ كَلْبًا فَإِنَّهُ يَنْقُصُ كُلَّ يَوْمٍ مِّنْ عَمَلِهِ قِيرَاطٌ، إِلَّا كَلْبَ حَرْثٍ أَوْ مَاشِيَةٍ». قَالَ ابْنُ سِيرِينَ وَأَبُو صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «إِلَّا كَلْبَ غَنَمٍ أَوْ حَرْثٍ أَوْ صَيْدٍ». وَقَالَ أَبُو حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «كَلْبَ مَاشِيَةٍ أَوْ صَيْدٍ».

[انظر: ٣٣٢٤]

[2322] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے زراعت اور مویشیوں کے نگہبان کتے کے علاوہ کوئی کتا رکھا تو اس کے عمل سے روزانہ ایک قیراط اجر کم ہوتا رہے گا۔" ابن سیرین اور ابوصالح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، اور وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں: "سوائے اس کتے کے جو بکریوں یا کھیتی یا شکار کے لیے ہو۔" ابو حازم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، اور وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں: "شکار یا ریوڑ کا کتا مستثنیٰ ہے۔"

٢٣٢٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ: أَنَّ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ حَدَّثَهُ: أَنَّهُ سَمِعَ سُفْيَانَ بْنَ أَبِي زُهَيْرٍ - رَجُلٌ مِنْ أَزْدِ شَنُوءَةَ، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ - قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «مَنِ اقْتَنَى كَلْبًا لَا يُغْنِي عَنْهُ زَرْعًا وَّلَا ضَرْعًا نَقَصَ كُلَّ يَوْمٍ مِّنْ عَمَلِهِ قِيرَاطٌ». قُلْتُ: أَنْتَ سَمِعْتَ

[2323] حضرت سفیان بن ابو زہیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جو قبیلۂ ازد شنوءہ سے ہیں اور انھیں نبی ﷺ کی صحبت حاصل ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے: "جس نے کتا پالا جو کھیتی اور ریوڑ کے لیے نہ ہو تو اس کے عمل سے ہر روز ایک قیراط ثواب کم ہوتا رہتا ہے۔" (راویِ حدیث سائب بن یزید کہتے ہیں کہ) میں نے (ان سے) کہا: واقعی تم نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے

[1] السنن الكبرى للبيهقي: 316/5.

هٰذَا مِنْ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَ: إِي وَرَبِّ هٰذَا الْمَسْجِدِ. [انظر: ٣٣٢٥]

سنی ہے؟ تو انھوں نے کہا: جی ہاں، مجھے اس مسجد کے رب کی قسم!

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کتا رکھنے کے جواز سے کھیتی باڑی کے جواز کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کتا رکھنا منع ہے، لہٰذا جب کھیتی باڑی کی وجہ سے اس کا پالنا اور رکھنا جائز ہے تو کم از کم کھیتی باڑی مباح تو ضرور ہوگی۔ ② اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ کتا رکھنے والے کے اعمال کا ثواب کم ہوتا رہتا ہے، اس کمی کے کئی ایک اسباب ہیں، مثلاً: ○ کتا رکھنے سے رحمت کے فرشتے گھر میں داخل نہیں ہوتے۔ ○ اس سے مسافروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ ○ کثرت نجاسات کھانے کی وجہ سے یہ بدبو کا باعث ہے۔ ○ بعض کتوں کو شیطان کہا گیا ہے۔ ○ اہل خانہ کی غفلت کی وجہ سے برتنوں کو سونگھتا پھرتا ہے اور انھیں پلید کر دیتا ہے۔ لیکن وہ کتا مستثنیٰ ہے جس سے کوئی نفع ہو۔ مصلحت کو اس کے فساد پر ترجیح ہوگی۔ کھیتی، ریوڑ کی حفاظت اور شکار کے لیے کتے تو قدیم زمانے سے رکھے جاتے ہیں۔ دور حاضر میں تفتیشی کتے بھی رکھے جاتے ہیں، فوج میں سراغ رسانی کے لیے انھیں استعمال کیا جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک شوقیہ اور فیشن کے طور پر جو کتے رکھے جاتے ہیں وہ مذکورہ وعید کی زد میں آتے ہیں۔ واللہ اعلم. ③ قیراط سے کیا مراد ہے؟ اس کی صحیح مقدار تو اللہ ہی جانتا ہے، البتہ ایک تصور دلایا گیا ہے کہ ایسا کام کرنے سے ثواب میں اتنی کمی ہو جائے گی۔

(٤) بَابُ اسْتِعْمَالِ الْبَقَرِ لِلْحِرَاثَةِ

باب: 4- گائے، بیل کو کھیتی کے لیے استعمال کرنا

٢٣٢٤ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «بَيْنَمَا رَجُلٌ رَاكِبٌ عَلٰى بَقَرَةٍ الْتَفَتَتْ إِلَيْهِ فَقَالَتْ: لَمْ أُخْلَقْ لِهٰذَا، خُلِقْتُ لِلْحِرَاثَةِ، - قَالَ: - آمَنْتُ بِهِ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ. وَأَخَذَ الذِّئْبُ شَاةً فَتَبِعَهَا الرَّاعِي فَقَالَ لَهُ الذِّئْبُ: مَنْ لَهَا يَوْمَ السَّبُعِ؟ يَوْمَ لَا رَاعِيَ لَهَا غَيْرِي؟ - قَالَ: - آمَنْتُ بِهِ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ». قَالَ أَبُو سَلَمَةَ: وَمَا هُمَا يَوْمَئِذٍ فِي الْقَوْمِ. [انظر: ٣٤٧١، ٣٦٦٣، ٣٦٩٠]

[2324] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”کوئی شخص ایک بیل پر سوار ہو کر جا رہا تھا تو بیل نے متوجہ ہو کر کہا کہ میں اس (سواری) کے لیے نہیں بلکہ کھیتی کے لیے پیدا کیا گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا: میں اس پر یقین رکھتا ہوں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی یقین رکھتے ہیں، نیز آپ نے فرمایا: ایک بھیڑیا بکری لے گیا تو چرواہا اس کے پیچھے بھاگا تو بھیڑیے نے کہا کہ جس دن (مدینہ میں) درندے ہی درندے ہوں گے تو اس دن بکریوں کا محافظ کون ہوگا؟ اس دن تو میرے علاوہ کوئی ان کا نگران نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اس پر یقین رکھتا ہوں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی اس پر یقین رکھتے ہیں۔“ (راوی حدیث) حضرت ابوسلمہ (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

سے) بیان کرتے ہیں کہ اس دن یہ دونوں حضرات مجلس میں موجود نہیں تھے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ گائے بیل کو کھیتی باڑی کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے اگرچہ ان میں دیگر منافع اور فوائد بھی ہیں، مثلاً: ان کا گوشت کھانا، دودھ حاصل کرنا وغیرہ، تاہم انھیں کھیتی باڑی کے لیے استعمال کرنا تو نص سے ثابت ہے۔ بیل کا یہ کہنا کہ میں کھیتی کے لیے پیدا کیا گیا ہوں، اس میں حصر نہیں بلکہ اس سے دیگر منافع بھی حاصل ہو سکتے ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ ایک فائدے کے ذکر کرنے سے دوسرے کی نفی نہیں ہوتی۔ اگرچہ اس مشینی دور میں اس کے استعمال میں کچھ کمی آئی ہے، تاہم اب بھی پیشۂ زراعت اس کے بغیر ادھورا ہے۔ ② واضح رہے کہ اس حدیث میں کوئی بات خلاف عقل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حیوانات کو بھی زبان دی ہے، وہ جب چاہے ان میں قوت گویائی پیدا کر سکتا ہے، ان کا بات کرنا کوئی دشوار معاملہ نہیں، البتہ خلاف عادت ضرور ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس کی خبر دی ہے، لہٰذا ہمیں اس پر ایمان اور یقین ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے شیخین (حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کے متعلق جو فرمایا ہے وہ ان کے ایمان پر پختہ اعتماد اور قوت یقین کا اظہار ہے۔ واللہ أعلم.

(٥) بَابٌ: إِذَا قَالَ: اكْفِنِي مَؤُونَةَ النَّخْلِ وَغَيْرِهِ وَتُشْرِكُنِي فِي الثَّمَرِ

باب: 5- جب کوئی دوسرے سے کہے کہ تو نخلستان وغیرہ میں محنت کر اور مجھے اس کی پیداوار سے حصہ دے (ہم دونوں اس میں شریک ہیں، تو ایسا کرنا جائز ہے)

٢٣٢٥ - حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَتِ الْأَنْصَارُ لِلنَّبِيِّ ﷺ: اِقْسِمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ إِخْوَانِنَا النَّخِيلَ، قَالَ: «لَا»، فَقَالُوا: تَكْفُونَا الْمَؤُونَةَ وَنُشْرِكُكُمْ فِي الثَّمَرَةِ، قَالُوا: سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا.

[انظر: ٢٧١٩، ٣٧٨٢]

[2325] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ انصار نے نبی ﷺ سے عرض کیا: آپ نخلستان کو ہمارے اور ہمارے (مہاجر) بھائیوں کے درمیان تقسیم کر دیں۔ آپ نے فرمایا: "ایسا نہیں ہوسکتا۔" اس پر انصار نے مہاجرین سے کہا: آپ لوگ ہمارے نخلستان کی دیکھ بھال اپنے ذمے لیں تو ہم آپ کو پیداوار میں شریک کر لیں گے۔ مہاجرین نے کہا: ہم نے سنا اور قبول کیا۔ (ہمیں یہ قبول ہے۔)

فوائد و مسائل: ① اس روایت کا پس منظر یہ ہے کہ جب مہاجرین مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو انصار نے ازراہ ہمدردی، اخوت کی بنا پر اپنی زمینوں اور باغات کو مہاجرین میں تقسیم کر دینے کی پیشکش کی لیکن رسول اللہ ﷺ کو یقین تھا

کہ آئندہ فتوحات ہوں گی، مسلمان ترقی کریں گے، انھیں غنیمت کے طور پر زمین اور باغات ملیں گے، اس لیے آپ نے مدینہ طیبہ کی زمین اور باغات انصار کے پاس رہنے کو مناسب خیال کیا، البتہ دوسری تجویز سے اتفاق کیا کہ کھیت اور باغات انصار کے پاس رہیں، اس میں محنت اور دیکھ بھال کی ذمہ داری مہاجرین اٹھائیں، اس شرکت کار سے مہاجرین پیداوار میں اپنا حصہ وصول کریں گے۔ اس تجویز سے اتفاق کیا گیا۔ (2) مزارعت کے ابواب میں اس حدیث کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کاشت کاری کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ زمین یا باغ کا مالک کسی دوسرے کو اس شرط پر شریک کرے کہ وہ کھیت میں محنت اور باغ کی نگرانی کرے گا، اس طرح پیداوار اور پھل کو اسلامی دستور کے مطابق تقسیم کرلیا جائے گا۔ محنت کرنے والے کا کتنا حصہ ہو، اس کا تعلق حالات وظروف پر ہے۔ اگر پانی وغیرہ آسانی سے دستیاب ہے تو حصہ کم ہوسکتا ہے اور اگر اس کے برعکس پانی کی فراہمی مشکل ہے اور اسے محنت زیادہ کرنی پڑتی ہو تو حصہ زیادہ ہوسکتا ہے۔ عقل کا بھی یہی تقاضا ہے کہ حصے کا تعین حالات وظروف کے اعتبار سے کیا جائے۔ والله أعلم.

(٦) بَابُ قَطْعِ الشَّجَرِ وَالنَّخْلِ

باب:6- درختوں اور کھجوروں کا کاٹنا

وَقَالَ أَنَسٌ: أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِالنَّخْلِ فَقُطِعَ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حکم دیا تو کھجور کے درخت کاٹ دیے گئے۔

وضاحت: بعض حضرات کا خیال ہے کہ پھل دار درخت کاٹنا منع ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس موقف کی تردید فرمائی ہے کہ ضرورت یا جنگی مصلحت کے پیش نظر پھل دار درخت کاٹے جاسکتے ہیں، چنانچہ غزوۂ احد کے بعد یہودی قبیلے بنو نضیر پر حملہ کیا گیا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ نے جنگی مصلحت کے پیش نظر کھجوروں کے کچھ درخت کاٹنے کا حکم دیا۔ سورۂ حشر میں اس کی وضاحت ہے کہ کھجوروں کے کاٹنے کی کارروائی اللہ کے حکم سے کی گئی تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے پیش کردہ حدیث انس کو متصل سند سے بیان کیا ہے کہ جب مسجد نبوی کی تعمیر کا آغاز ہوا تو وہاں کھجوروں کے درخت کاٹ دیے گئے اور مشرکین کی پرانی قبروں کو ہموار کردیا گیا۔[1]

٢٣٢٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ حَرَّقَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَقَطَعَ، وَهِيَ الْبُوَيْرَةُ، وَلَهَا يَقُولُ حَسَّانُ:

لَهَانَ عَلَى سَرَاةِ بَنِي لُؤَيٍّ
حَرِيقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيرُ

[2326] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے بنو نضیر کی کھجوروں کو جلانے اور کاٹنے کا حکم دیا۔ جس باغ کے درخت کاٹے گئے تھے اس کا نام "بویرہ" تھا۔ اس کے متعلق حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک شعر کہا ہے: بنی لوی کے سرداروں کے لیے آسان ہوگیا تھا کیونکہ بویرہ نامی باغ میں آگ

1 صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 428.

[انظر: ٣٠٢١، ٤٠٣١، ٤٠٣٢، ٤٨٨٤] شعلے پھینک رہی تھی۔

فوائد ومسائل: ① بنولوی سے مراد قریش کے اکابر ہیں۔ بنونضیر نے عین موقع پر غداری کی تھی، اس لیے جنگی مصلحت کے پیش نظر ان کے پھل دار درختوں کو کاٹا گیا اور کچھ کو جلا دیا گیا۔ اگر چہ بنولوی اور بنونضیر میں معاہدہ تھا کہ مصیبت کے وقت وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے لیکن اس مصیبت میں بنولوی ان کی کچھ مدد نہ کر سکے بلکہ غداری کی وجہ سے سزا کے طور پر خود بنولوی نے ان کے باغات جلائے اور کھجوروں کے درخت کاٹے۔ یہ کام ان کے لیے بالکل آسان تھا کیونکہ وہاں کوئی رکاوٹ ڈالنے والا نہیں تھا۔ ② امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ جب دشمن کے درخت کاٹنے میں مصلحت ہو تو ایسے حالات میں کھجوروں اور دوسرے پھل دار درختوں کو کاٹنا جائز ہے۔

(٧) بَابٌ:

باب: 7- بلاعنوان

٢٣٢٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ الْأَنْصَارِيِّ: سَمِعَ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ قَالَ: كُنَّا أَكْثَرَ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مُزْدَرَعًا، كُنَّا نُكْرِي الْأَرْضَ بِالنَّاحِيَةِ مِنْهَا مُسَمًّى لِّسَيِّدِ الْأَرْضِ، قَالَ: فَمِمَّا يُصَابُ ذٰلِكَ وَتَسْلَمُ الْأَرْضُ، وَمِمَّا يُصَابُ الْأَرْضُ وَيَسْلَمُ ذٰلِكَ، فَنُهِينَا، فَأَمَّا الذَّهَبُ وَالْوَرِقُ فَلَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ.

[2327] حضرت رافع بن خدیج ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ تمام اہل مدینہ سے ہمارے کھیت زیادہ تھے اور ہم زمین کو بایں شرط بٹائی پر دیا کرتے تھے کہ زمین کے ایک خاص حصے کی پیداوار مالک زمین کی ہوگی، چنانچہ کبھی ایسا ہوتا کہ کھیت کے اس معین حصے پر آفت آ جاتی اور باقی زمین کی پیداوار اچھی رہتی اور کبھی باقی کھیت پر آفت آ جاتی اور معین قطعہ سالم رہتا، بنا بریں ہمیں اس معاملے سے روک دیا گیا۔ اور سونے چاندی کے عوض (ٹھیکے پر) دینے کا تو اس وقت رواج ہی نہیں تھا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث پر کوئی عنوان نہیں، گویا عنوان سابق سے ایک گونہ تعلق ہے، وہ اس طرح کہ زمین کو کچھ مدت تک بٹائی پر لیا، اب اسے حق ہے کہ اس میں جو چاہے کاشت کرے لیکن جب مدت ختم ہو جائے گی تو مالک زمین کو حق ہوگا کہ وہ اپنے درخت اکھاڑ کر یا فصل اٹھا کر خاص زمین مالک کے حوالے کرے، اس لحاظ سے عنوان سابق "قطع اشجار" سے کچھ مناسبت ہے۔ امام بخاری ؒ کے مزاج کے مطابق اس قدر مناسبت ہی کافی ہے۔[1] ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بٹائی پر زمین دینا جائز ہے لیکن زمین کے کسی مخصوص ٹکڑے کی پیداوار لینے کی شرط لگانا جائز نہیں۔ ③ نقدی کے عوض زمین ٹھیکے پر دینے کا رواج راوی کے بیان کے مطابق اس وقت نہیں تھا لیکن اسی راوی کا بیان ہے کہ درہم و دینار کے عوض زمین ٹھیکے پر دینے میں کوئی حرج نہیں۔[2] اس موضوع پر مکمل بحث آئندہ ہوگی۔

① عمدة القاري: 16/9. ② صحيح البخاري، الحرث والمزارعة، حديث: 2346.

(٨) بَابُ الْمُزَارَعَةِ بِالشَّطْرِ وَنَحْوِهِ

وَقَالَ قَيْسُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ قَالَ: مَا بِالْمَدِينَةِ أَهْلُ بَيْتِ هِجْرَةٍ إِلَّا يَزْرَعُونَ عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ. وَزَارَعَ عَلِيٌّ وَسَعْدُ بْنُ مَالِكٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَالْقَاسِمُ وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ وَآلُ أَبِي بَكْرٍ وَآلُ عُمَرَ وَآلُ عَلِيٍّ وَابْنُ سِيرِينَ. وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْأَسْوَدِ: كُنْتُ أُشَارِكُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيدَ فِي الزَّرْعِ. وَعَامَلَ عُمَرُ النَّاسَ عَلٰى إِنْ جَاءَ عُمَرُ بِالْبَذْرِ مِنْ عِنْدِهِ فَلَهُ الشَّطْرُ، وَإِنْ جَاؤُوا بِالْبَذْرِ فَلَهُمْ كَذَا. وَقَالَ الْحَسَنُ: لَا بَأْسَ أَنْ تَكُونَ الْأَرْضُ لِأَحَدِهِمَا فَيُنْفِقَانِ جَمِيعًا فَمَا خَرَجَ فَهُوَ بَيْنَهُمَا. وَرَأَى ذٰلِكَ الزُّهْرِيُّ، وَقَالَ الْحَسَنُ: لَا بَأْسَ أَنْ يُجْتَنَى الْقُطْنُ عَلَى النِّصْفِ. وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ وَابْنُ سِيرِينَ وَعَطَاءٌ وَالْحَكَمُ وَالزُّهْرِيُّ وَقَتَادَةُ: لَا بَأْسَ أَنْ يُعْطِيَ الثَّوْبَ بِالثُّلُثِ أَوِ الرُّبُعِ وَنَحْوِهِ. وَقَالَ مَعْمَرٌ: لَا بَأْسَ أَنْ تُكْرَى الْمَاشِيَةُ عَلَى الثُّلُثِ أَوِ الرُّبُعِ إِلٰى أَجَلٍ مُسَمًّى.

باب:8- نصف یا اس سے کم و بیش پیداوار پر زمین کاشت کرنا

قیس بن مسلم سے روایت ہے، وہ ابوجعفر سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: مدینہ طیبہ میں کوئی مہاجر خاندان ایسا نہیں تھا جو پیداوار کے تہائی یا چوتھائی حصہ پر زراعت نہ کرتا ہو۔ حضرت علی، حضرت سعد بن مالک، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم، نیز حضرت عمر بن عبدالعزیز، قاسم، عروہ بن زبیر رحمہم اللہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خاندان، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خاندان، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خاندان اور ابن سیرین رحمہ اللہ سب بٹائی پر کاشت کیا کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن اسود کہتے ہیں کہ میں کھیتی باڑی میں عبدالرحمٰن بن یزید کا شریک رہا کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے اس شرط پر معاملہ طے کیا کہ اگر عمر رضی اللہ عنہ بیج دیں گے تو نصف ان کا حصہ ہوگا اور اگر بیج ان لوگوں کا ہو جو کام کریں گے تو وہ پیداوار کا اتنا حصہ لیں گے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: زمین اگر کسی ایک کی ہو اور اس پر خرچ (مالک اور کاشتکار) دونوں مل کر کریں پھر جو پیداوار ہو اسے دونوں تقسیم کر لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ امام زہری نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ حضرت حسن بصری نے مزید فرمایا: کپاس اگر آدھی لینے کی شرط پر چنی جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابراہیم، ابن سیرین، عطاء، حکم، زہری اور قتادہ رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ کپڑا (بننے والوں کو) اگر تہائی یا چوتھائی میں شریک کر لیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ حضرت معمر نے کہا: اس میں کوئی قباحت نہیں کہ کوئی جانور دوسرے کو ایک معین مدت کے لیے اس کی تہائی یا چوتھائی کمائی پر دے

دیا جائے۔

وضاحت: حدیث میں وارد الفاظ کی مناسبت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس طرح عنوان قائم کیا ہے، اگر الفاظ حدیث کی رعایت مقصود نہ ہوتی تو اس طرح عنوان مناسب تھا: ''پیداوار کے طے شدہ حصے پر زمین بٹائی پر دینا۔'' بعض فقہاء کا خیال ہے کہ پیداوار یا کمائی کے حصے پر کسی کو کوئی چیز دینا درست نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک یہ موقف محل نظر ہے، اس لیے انھوں نے عنوان کو ثابت کرنے کے لیے ڈھیروں دلائل اور بکثرت فتاویٰ ذکر کیے ہیں۔ ان آثار سے مقصود یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام سے مزارعت کے جواز کے خلاف کچھ بھی منقول نہیں۔ بالخصوص جو حضرات اہل مدینہ کے عمل کو مرفوع احادیث پر مقدم خیال کرتے ہیں انھیں آئینہ دکھایا ہے کہ متعدد اہل مدینہ مزارعت کے قائل و فاعل ہیں، ان حضرات کی مخالفت چہ معنی دارد؟ انھیں چاہیے کہ کم از کم اپنے مزعومہ قاعدے کا تو لحاظ کریں اور مزارعت کے عدم جواز پر نظر ثانی کریں۔[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے پیش کردہ تمام آثار کی تخریج فرمائی ہے، خوف طوالت کے پیش نظر ہم اسے ذکر نہیں کر رہے۔ بہرحال پیداوار یا مزدوری کے کسی حصے پر کوئی چیز دوسرے کو دی جا سکتی ہے، مثلاً: ○ پیداوار کے طے کردہ حصے پر زمین بٹائی پر دینا۔ ○ جولاہے کو اس شرط پر دھاگا دینا کہ وہ تیار شدہ کپڑے کا ایک تہائی یا چوتھائی خود رکھے گا باقی مالک کو دے گا۔ ○ کسی کو جانور دینا تاکہ اس کے کرائے کا طے شدہ حصہ خود رکھے اور باقی مالک کو دے دے۔ ان تمام صورتوں کو امام بخاری رحمہ اللہ نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ بعض احادیث سے ممانعت معلوم ہوتی ہے لیکن وہ ممانعت قطعۂ ارضی کی تخصیص میں ہے، معلوم منافع، مثلاً: معین مقدار، معین سونا چاندی یا نقدی کے عوض زمین کسی کو برائے کاشت دینا منع نہیں جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، اگر کوئی معین چیز ہو جس کی ضمانت ہو سکے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔''[2]

٢٣٢٨ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَامَلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ أَوْ زَرْعٍ، فَكَانَ يُعْطِي أَزْوَاجَهُ مِائَةَ وَسْقٍ، ثَمَانُونَ وَسْقَ تَمْرٍ، وَعِشْرُونَ وَسْقَ شَعِيرٍ، وَقَسَمَ عُمَرُ خَيْبَرَ فَخَيَّرَ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ ﷺ أَنْ يُقْطِعَ لَهُنَّ مِنَ الْمَاءِ وَالْأَرْضِ أَوْ يُمْضِيَ لَهُنَّ، فَمِنْهُنَّ مَنِ اخْتَارَ الْأَرْضَ، وَمِنْهُنَّ مَنِ اخْتَارَ الْوَسْقَ، وَكَانَتْ عَائِشَةُ اخْتَارَتِ الْأَرْضَ.

[2328] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ نبی ﷺ نے (یہود سے) خیبر کا معاملہ نصف پیداوار پر طے کیا تھا جو اس زمین سے پیدا ہو، خواہ وہ کھجور ہو یا غلہ۔ آپ اپنی ازواج مطہرات کو سو وسق دیتے تھے، جن میں اسی وسق کھجور اور بیس وسق جو ہوتے تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر کی زمین تقسیم کی تو آپ نے نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کو اختیار دیا کہ ان کے لیے زمین اور پانی متعین کر دیا جائے یا جو راشن انھیں ملتا رہا ہے وہی ملتا رہے، چنانچہ ان میں سے بعض نے زمین کا انتخاب کیا اور کچھ نے پیداوار کا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے زمین لینے

---

1 فتح الباري: 15/5. 2 صحيح مسلم، البيوع، حديث: 3951 (1547).

[راجع: ۲۲۸۵] کو پسند فرمایا۔

فوائد و مسائل: ① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مزارعت کے جواز پر یہ حدیث ایک عمدہ دلیل کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر والوں سے نصف پیداوار پر معاملہ کیا، عمر بھر اسی طریق کار کو قائم رکھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی اسی دستور پر عمل ہوتا رہا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انھوں نے یہود کو ان کی سازشوں کی وجہ سے بے دخل کر دیا کیونکہ ان سے اس شرط پر معاملہ طے ہوا تھا کہ جب تک ہم چاہیں گے تم یہ کام کرو گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہود کی جلاوطنی کے بعد خیبر کی زمین تقسیم کر دی۔ ② رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ازواج مطہرات کو اسی (80) وسق کھجور ملتی تھی کیونکہ گھریلو ضروریات کے لیے اس کا استعمال زیادہ تھا اور بیس (20) وسق جو ملتے تھے کیونکہ گھر میں روٹی کبھی کبھار پکائی جاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں اختیار دیا کہ چاہیں تو حسب دستور راشن لیتی رہیں اور چاہیں تو زمین اور پانی قبول کر لیں۔ ③ واضح رہے کہ بٹائی پر زمین کاشت کے لیے دینے میں مالک کا بھی فائدہ ہے کہ وہ محنت کے بغیر پیداوار کا ایک حصہ حاصل کر لیتا ہے اور محنت کرنے والے کے لیے بھی سہولت ہے کہ وہ زمین سے اپنی محنت کے نتیجے میں پیداوار لے لیتا ہے۔ محنت کش انسان کے لیے یہ وہ اعتدال کا راستہ ہے جو اسلام نے پیش کر کے ان کے جملہ مسائل کو حل کر دیا ہے۔

(۹) بَابٌ: إِذَا لَمْ يَشْتَرِطِ السِّنِينَ فِي الْمُزَارَعَةِ

باب: 9- اگر بٹائی پر زمین دیتے وقت سالوں کی تعداد مقرر نہ کی جائے

٢٣٢٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: عَامَلَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ أَوْ زَرْعٍ.

[راجع: ۲۲۸۵]

[2329] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے خیبر کا معاملہ اس شرط پر طے کیا تھا کہ اس سے جو پھل اور اناج ہوگا یہودی اس کا نصف ادا کریں گے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں اس امر کی وضاحت نہیں کی کہ اگر مزارعت کا معاملہ کرتے وقت سالوں کا تعین نہ کیا جائے تو یہ معاملہ جائز ہے یا ناجائز کیونکہ اس میں اختلاف ہے۔ بعض ائمہ اسے ناجائز کہتے ہیں۔ ہمارا رجحان یہ ہے کہ ایسا معاملہ جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بھی خیبر کی زمین بٹائی پر دیتے وقت یہود سے مدت کا تعین نہیں کیا تھا، تاہم مالک زمین یہ وضاحت کر دے کہ جب تک میں چاہوں گا، تمھیں زمین دوں گا تاکہ بعد میں جھگڑا پیدا نہ ہو۔ ایسی صورت میں مالک زمین کو اختیار ہوگا کہ قبل از وقت مزارع کو نوٹس دے کر اپنی زمین واپس لے۔ عرف عام میں بھی ایسے ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی یہود سے فرمایا تھا کہ جب تک ہم چاہیں گے تمھیں برقرار رکھیں گے۔ ② بعض علماء کا خیال ہے کہ جب مدت کا تعین نہ

کیا جائے تو کم از کم معاملہ ایک سال کے لیے ہوگا۔ اگر سال گزرنے کے بعد مالک نے زمین چھوڑ دینے کا مطالبہ نہ کیا اور نہ مزارع نے ازخود زمین چھوڑی تو یہ دلیل ہے کہ دونوں اپنے سابقہ عقد پر قائم ہیں، اس طرح کئی سال تک یہ معاملہ چل سکتا ہے۔ واللہ أعلم.

(۱۰) بَابٌ:

باب:10- بلاعنوان

۲۳۳۰ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: قَالَ عَمْرٌو: قُلْتُ لِطَاوُسٍ: لَوْ تَرَكْتَ الْمُخَابَرَةَ، فَإِنَّهُمْ يَزْعُمُونَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْهُ، قَالَ: أَيْ عَمْرُو! إِنِّي أُعْطِيهِمْ وَأُعِينُهُمْ وَإِنَّ أَعْلَمَهُمْ أَخْبَرَنِي - يَعْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا -: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَنْهَ عَنْهُ وَلٰكِنْ قَالَ: «أَنْ يَمْنَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهِ خَرْجًا مَّعْلُومًا». [انظر: ۲۳۴۲، ۲۶۳۴]

[2330] حضرت عمرو بن دینار سے روایت ہے، انھوں نے حضرت طاوس سے کہا: بہتر ہے کہ تم بٹائی پر زمین دینا چھوڑ دو کیونکہ لوگوں کے بقول نبی ﷺ نے بٹائی کا معاملہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت طاوس نے جواب دیا: اے عمرو! میں لوگوں کو زمین دے کر انھیں فائدہ پہنچاتا ہوں۔ اور لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والے، یعنی حضرت ابن عباس ؓ نے مجھے خبر دی ہے کہ نبی ﷺ نے اس (مزارعت) سے نہیں روکا تھا بلکہ یہ فرمایا تھا: ''تم میں سے کوئی شخص زمین اپنے بھائی کو یوں ہی مفت دے دے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اس کا متعین محصول وصول کرے۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے اس حدیث پر کوئی عنوان قائم نہیں کیا کیونکہ یہ عنوانِ سابق کا تتمہ ہے۔ مزارعت کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ ہے کہ پیداوار کے طے شدہ حصے پر کسی کو زمین دی جائے۔ قبل ازیں یہ صورت بیان کی گئی تھی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ زمین کے عوض طے شدہ اجرت لی جائے۔ وہ اس حدیث میں بیان ہوئی ہے، چنانچہ کتب حدیث میں وضاحت ہے کہ امام طاوس زمین سونے یا چاندی کے عوض اجرت پر دینے کو ناپسند کرتے تھے لیکن تہائی یا چوتھائی پیداوار کے عوض دینے میں کوئی حرج خیال نہیں کرتے تھے۔ امام مجاہد نے ان سے کہا کہ رافع بن خدیج کے بیٹے کے پاس جاؤ ان سے رافع بن خدیج کی بیان کردہ حدیث سنو۔ انھوں نے کہا: اگر مجھے علم ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے تو میں اسے کیوں عمل میں لاؤں لیکن مجھے حضرت ابن عباس نے بیان کیا ہے۔ آگے مذکورہ حدیث کا حوالہ ہے۔ ② حضرت ابن عباس ؓ کی بیان کردہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس فالتو زمین ہے تو بہتر ہے کہ وہ اپنے بھائی کو یوں ہی کاشت کے لیے مفت دے دے، یعنی یہ فضیلت اور احسان کا طریقہ ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ نے معاملے کی حقیقت کو خوب سمجھا جس سے اس مسئلے کی

وضاحت ہوگئی۔[2] ایک روایت میں نہی کی علت ایک دوسرے انداز سے بیان ہوئی ہے، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ رافع بن خدیج کو معاف فرمائے! میں ان سے زیادہ اس حدیث کو جاننے والا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ دو انصاری رسول اللہ ﷺ کے پاس لڑتے جھگڑتے ہوئے آئے تو آپ نے فرمایا: ''اگر تمھارا یہی حال ہے تو زمینوں کو کرائے پر مت دیا کرو۔'' حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے یہ لفظ سن لیا کہ کھیتوں کو کرائے پر مت دیا کرو، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے زمین کرائے پر دینے سے منع نہیں کیا بلکہ آپ نے اس بات کو برا خیال کیا کہ اس کی وجہ سے لوگوں میں فساد اور شر پیدا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اخلاقی اعتبار سے آپ نے اسے اچھا خیال نہیں کیا لیکن اس کی قانونی حیثیت وہی ہے کہ زمین کا مالک بااختیار ہے اسے خود کاشت کرے یا بٹائی اور کرائے پر کسی کو دے یا مفت میں کسی کو دے دے۔[2] ③ اگر آدمی اپنے ہاتھ سے کھیتی باڑی نہ کر سکے تو اسے اجرت یا بٹائی پر دینے کی قانونی اجازت ہے لیکن اس قانونی اجازت کے باوجود اخلاقی اعتبار سے یہ بات زیادہ پسندیدہ ہے کہ اگر وہ کھیتی باڑی نہیں کر پاتا اور اس کے پاس دوسرا ذریعۂ معاش بھی ہے اور اس کا کوئی دوسرا بھائی بالکل بے سہارا اور بے وسیلہ ہے تو وہ اپنی زمین بغیر کسی معاوضے کے دوسرے بھائی کو دے دے تاکہ وہ اپنی ضروریات اس سے پوری کر سکے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تفسیر سے ارشاد نبوی کی اخلاقی حیثیت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

(١١) بَابُ الْمُزَارَعَةِ مَعَ الْيَهُودِ

باب: 11- یہود سے مزارعت کرنا

٢٣٣١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَعْطَى خَيْبَرَ الْيَهُودَ عَلَى أَنْ يَعْمَلُوهَا وَيَزْرَعُوهَا وَلَهُمْ شَطْرُ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا. [راجع: ٢٢٨٥]

[2331] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو خیبر کی زمین اس شرط پر دی کہ وہ اس میں محنت کریں اور کاشتکاری کریں، اس سے جو پیداوار ہوگی ان کو اس کا نصف ملے گا۔

فوائد و مسائل: ① مقصد یہ ہے کہ مزارعت کا معاملہ جیسے مسلمانوں میں ہو سکتا ہے اسی طرح مسلمان اور کافر میں بھی ہو سکتا ہے۔ چونکہ حدیث میں صرف یہود کا ذکر تھا، اس لیے عنوان میں انھی کو بیان کیا۔ بہرحال اسلام نے دنیاوی، تمدنی، معاشرتی اور اقتصادی معاملات میں تنگ نظری سے کام نہیں لیا بلکہ ایسے معاملات میں صرف انسانی مفاد کے پیش نظر وسعت نظری کا مظاہرہ کیا ہے۔ ② اقتصادی معاملات میں مسلم اور غیر مسلم کے لیے کوئی قدغن نہیں، البتہ عدل و انصاف کا مطالبہ مسلم اور کافر دونوں سے ہے۔ عدل و انصاف ہر جگہ ہر شخص کے لیے ضروری ہے۔ دور حاضر میں مسلمان زمین کے ہر حصے میں پھیلے ہوئے ہیں، بسا اوقات غیر مسلم لوگوں سے کاروباری تعلقات قائم ہو سکتے ہیں۔ اسلام نے ایسے معاملات میں مذہبی تعصب سے

1 فتح الباري: 19/5. 2 عمدة القاري: 25/9.

کام نہیں لیا۔

(١٢) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الشُّرُوطِ فِي الْمُزَارَعَةِ

باب: 12- مزارعت میں کون سی شرائط مکروہ ہیں؟

٢٣٣٢ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ يَحْيٰى: سَمِعَ حَنْظَلَةَ الزُّرَقِيَّ، عَنْ رَّافِعٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا أَكْثَرَ أَهْلِ الْمَدِينَةِ حَقْلًا وَّكَانَ أَحَدُنَا يُكْرِي أَرْضَهُ فَيَقُولُ: هٰذِهِ الْقِطْعَةُ لِي وَهٰذِهِ لَكَ، فَرُبَّمَا أَخْرَجَتْ ذِهِ وَلَمْ تُخْرِجْ ذِهِ، فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ.

[راجع: ٢٢٨٦]

[2332] حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم مدینہ طیبہ میں سب سے بڑے زمیندار تھے۔ ہم میں سے ایک شخص اپنی زمین اس شرط پر بٹائی کے لیے دیتا تھا کہ زمین کا یہ قطعہ میرے لیے اور اس ٹکڑے اور قطعے کی پیداوار تیرے لیے ہوگی۔ بسا اوقات یہ قطعہ پیداوار دیتا اور دوسرے میں نہ ہوتی، تو نبی ﷺ نے انھیں اس سے منع فرما دیا۔

فوائد و مسائل: ① اگر معاملے میں کوئی شرط فاسد ہو یا نقصان اور دھوکے کا باعث ہو تو ایسا معاملہ ناجائز قرار پاتا ہے جیسا کہ مزارعت کی مذکورہ صورت میں ہے کہ آپ زمین کا ایک حصہ مخصوص کر لیں اور دوسرا حصہ مزارع کے لیے مخصوص کر دیں، یعنی اس کی پیداوار وہ لے گا۔ یہ شرط جھگڑے کا باعث تھی کیونکہ بسا اوقات ایک حصے میں فصل ہوتی اور دوسرے حصے میں کچھ نہ ہوتا، جب رسول اللہ ﷺ کے پاس بکثرت اس قسم کے مقدمات آنے لگے تو آپ نے اس سے منع فرما دیا۔ ② ہمارے نزدیک مزارعت کی شرائط یہ ہیں: ○ معاملہ کرنے والے دونوں عاقل ہوں، اپنی مرضی سے یہ عقد کریں اور ان کا بالغ ہونا ضروری نہیں۔ ○ جو زمین مزارعت کے لیے دی جائے وہ بنجر نہ ہو بلکہ قابل کاشت ہو کیونکہ بنجر زمین کا معاملہ دوسری نوعیت کا ہے۔ ○ مالک اور مزارع دونوں اپنا اپنا حصہ طے کر لیں کہ کس کو کتنا ملے گا؟ دونوں میں سے کوئی بھی اپنے لیے وزن یا کھیت مخصوص نہ کرے۔ ○ زمین، ہل، بیل، بیج اور پانی کے بارے میں روز اول سے طے ہونا چاہیے کہ کون سی چیز کس کے ذمے ہوگی۔ ○ زمین خالی کر کے کاشتکار کے حوالے کی جائے، کھڑی فصل والی زمین مزارعت کے لیے دینا محل نظر ہے۔ ○ بٹائی پر دینے کے بعد فریقین کو طے شدہ حصے کے مطابق پیداوار میں شریک رہنا ہوگا۔

(١٣) بَابٌ: إِذَا زَرَعَ بِمَالِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ وَكَانَ فِي ذٰلِكَ صَلَاحٌ لَّهُمْ

باب: 13- اگر کوئی آدمی کسی کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر زراعت میں لگا دے اور اس میں اس کی بہتری ہو تو جائز ہے

٢٣٣٣ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا

[2333] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ

أَبُو ضَمْرَةَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «بَيْنَمَا ثَلَاثَةُ نَفَرٍ يَمْشُونَ أَخَذَهُمُ الْمَطَرُ فَأَوَوْا إِلَى غَارٍ فِي جَبَلٍ، فَانْحَطَّتْ عَلَى فَمِ غَارِهِمْ صَخْرَةٌ مِّنَ الْجَبَلِ فَانْطَبَقَتْ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: اُنْظُرُوا أَعْمَالًا عَمِلْتُمُوهَا صَالِحَةً لِّلّٰهِ فَادْعُوا اللهَ بِهَا لَعَلَّهُ يُفَرِّجُهَا عَنْكُمْ، قَالَ أَحَدُهُمْ: اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ كَانَ لِي وَالِدَانِ شَيْخَانِ كَبِيرَانِ، وَلِي صِبْيَةٌ صِغَارٌ كُنْتُ أَرْعَى عَلَيْهِمْ، فَإِذَا رُحْتُ عَلَيْهِمْ حَلَبْتُ فَبَدَأْتُ بِوَالِدَيَّ أَسْقِيهِمَا قَبْلَ بَنِيَّ، وَإِنِّي اسْتَأْخَرْتُ ذَاتَ يَوْمٍ وَّلَمْ آتِ حَتّٰى أَمْسَيْتُ فَوَجَدْتُّهُمَا نَامَا، فَحَلَبْتُ كَمَا كُنْتُ أَحْلُبُ فَقُمْتُ عِنْدَ رُؤُوسِهِمَا، أَكْرَهُ أَنْ أُوقِظَهُمَا وَأَكْرَهُ أَنْ أَسْقِيَ الصِّبْيَةَ، وَالصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ قَدَمَيَّ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ، فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُهُ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ لَنَا فَرْجَةً نَرٰى مِنْهَا السَّمَاءَ، فَفَرَجَ اللهُ فَرَأَوُا السَّمَاءَ. وَقَالَ الْآخَرُ: اَللّٰهُمَّ إِنَّهَا كَانَتْ لِي بِنْتُ عَمٍّ أَحْبَبْتُهَا كَأَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرِّجَالُ النِّسَاءَ فَطَلَبْتُ مِنْهَا فَأَبَتْ عَلَيَّ حَتّٰى آتِيَهَا بِمِائَةِ دِينَارٍ، فَبَغَيْتُ حَتّٰى جَمَعْتُهَا، فَلَمَّا وَقَعْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا قَالَتْ: يَا عَبْدَ اللهِ! اِتَّقِ اللهَ وَلَا تَفْتَحِ الْخَاتَمَ إِلَّا بِحَقِّهِ، فَقُمْتُ، فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُهُ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا فَرْجَةً، فَفَرَجَ. وَقَالَ

نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''تین آدمی سفر میں جا رہے تھے کہ انھیں بارش نے آ لیا۔ انھوں نے ایک پہاڑ کی غار میں پناہ لی۔ غار کے منہ پر پہاڑ کے اوپر سے ایک پتھر آ گرا جس سے غار کا منہ بند ہو گیا۔ انھوں نے ایک دوسرے سے کہا: تم اپنے اپنے اعمال پر نظر کرو کہ کس نے کیا کیا نیک عمل خالص اللہ کی رضا کے لیے کیا ہے، پھر اس کے وسیلے سے اللہ سے دعا کرو شاید اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو تم سے دور کر دے، چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ! میرے بوڑھے والدین اور چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ میں ان کے لیے بکریاں چرایا کرتا تھا۔ جب میں لوٹتا تو دودھ دوہتا اور اپنے بچوں سے پہلے اپنے والدین کو دودھ پلاتا۔ ایک دن مجھے دیر ہو گئی اور رات گئے تک گھر نہ آیا۔ جب آیا تو دیکھا کہ میرے والدین سو گئے ہیں۔ میں نے دودھ دوہا جیسا کہ میں دوہتا تھا اور اسے لیے ان کے سرہانے کھڑا رہا لیکن انھیں بیدار کرنا مجھے اچھا نہ لگا اور یہ بھی مجھے مناسب معلوم نہ ہوا کہ (والدین سے پہلے) بچوں کو دودھ پلا دوں، حالانکہ وہ میرے پاؤں کے پاس بلبلا رہے تھے۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں فجر ہو گئی۔ (اے میرے رب!) اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ عمل تیری رضا کے لیے کیا ہے تو ہم سے یہ پتھر دور کر دے کہ ہمیں آسمان نظر آئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کچھ پتھر ہٹا دیا جس سے انھوں نے آسمان دیکھا۔ دوسرے نے عرض کیا: اے اللہ! میری ایک چچازاد بہن تھی، میں اس سے بہت محبت کرتا تھا جیسا کہ مرد عورتوں سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔ میں نے اس سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو اس نے انکار کر دیا الا یہ کہ میں سو دینار اسے دوں، چنانچہ میں نے کوشش اور محنت

الثَّالِثُ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي اسْتَأْجَرْتُ أَجِيرًا بِفَرَقِ أَرُزٍّ، فَلَمَّا قَضٰى عَمَلَهُ قَالَ: أَعْطِنِي حَقِّي، فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ فَرَغِبَ عَنْهُ، فَلَمْ أَزَلْ أَزْرَعُهُ حَتّٰى جَمَعْتُ مِنْهُ بَقَرًا وَّرُعَاتَهَا، فَجَاءَنِي فَقَالَ: اِتَّقِ اللّٰهَ، فَقُلْتُ: اِذْهَبْ إِلٰى ذٰلِكَ الْبَقَرِ وَرُعَاتِهَا فَخُذْ، فَقَالَ: اِتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَسْتَهْزِئْ بِي، فَقَالَ: إِنِّي لَا أَسْتَهْزِئُ بِكَ، فَخُذْ، فَأَخَذَهُ، فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ مَا بَقِيَ، فَفَرَجَ اللّٰهُ».

کی یہاں تک کہ سو دینار جمع کر لیے۔ جب میں برے کام کے لیے اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھا تو اس نے کہا: اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور حق کے بغیر اس مہر کو نہ توڑ، تو میں اٹھ کھڑا ہوا۔ (اے اللہ!) اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ عمل تیری رضا کے لیے کیا ہے تو ہم سے یہ پتھر ہٹا دے۔ وہ پتھر تھوڑا سا مزید اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ تیسرے شخص نے کہا: اے اللہ! میں نے ایک مزدور چاولوں کے ایک فرق کے عوض مزدوری پر رکھا تھا۔ جب اس نے اپنا کام کر لیا تو کہا: مجھے میری اجرت دو۔ میں نے اسے اجرت پیش کی تو اس نے بے رغبتی سے کام لیا اور چلا گیا۔ میں ان چاولوں کو کاشت کرتا رہا، یہاں تک کہ میں نے اس سے گائیں خریدیں اور چرواہے بھی رکھ لیے۔ آخر کار وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اللہ سے ڈر۔ میں نے کہا: جاؤ وہ گائیں اور چرواہے سب تمھارے ہیں، انھیں لے جاؤ۔ اس نے دوبارہ کہا: اللہ سے ڈر اور میرے ساتھ مذاق نہ کر۔ میں نے کہا: میں تیرے ساتھ مذاق نہیں کر رہا، ان کو لے جاؤ تو وہ لے گیا۔ (اے اللہ!) اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ عمل تیری خوشنودی کے لیے کیا ہے تو باقی ماندہ پتھر بھی ہٹا دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وہ پتھر ہٹا دیا۔"

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ: وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَّافِعٍ: «فَسَعَيْتُ».

[راجع: ٢٢١٥]

ابو عبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے کہا: اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ نے حضرت نافع سے (فَبَغَيْتُ کی جگہ) [فَسَعَيْتُ] کے الفاظ روایت کیے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں واضح طور پر ہے کہ تیسرے شخص نے ایک مزدور کا حق اسے پیش کیا تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد مالک نے اس کی مزدوری میں تصرف کیا اور اسے کام میں لگایا، اگر یہ تصرف جائز نہ ہوتا تو اللہ کی نافرمانی ہوتی جو سراسر گناہ ہے پھر اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب کیونکر حاصل ہو سکتا تھا۔ چونکہ اس نے مزدور کی مرضی کے بغیر اسے

کام میں لگایا تھا اس بنا پر اگر اس کی مزدوری ضائع ہو جاتی تو اس پر تاوان واجب تھا، اس بنا پر عنوان صحیح ہے اور یہ حدیث بھی اس کے مطابق ہے۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے نیک اعمال کے وسیلے سے دعا کرنا جائز اور مشروع ہے۔ حافظ ابن حجر نے شارح بخاری ابن منیر کے حوالے سے لکھا ہے: اس شخص نے مزدور کی اجرت مقرر کر کے اس کے حوالے کر دی مگر اس نے لینے سے انکار کر دیا اور اسے چھوڑ کر چلا گیا، چنانچہ اس شخص نے ترقی اور اصلاح کی نیت سے اسے بڑھانا شروع کر دیا۔ اسے ضائع کرنا مقصود نہیں تھا، اسی نیت خیر کی وجہ سے اس نے اسے اپنا بہترین عمل خیال کیا اور بطور وسیلہ اللہ کے حضور پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرما کر انھیں نجات دی، اس کے باوجود اگر مزدوری ضائع ہو جاتی تو اس کا تاوان ادا کرنا ہوتا کیونکہ اس نے تصرف کی اجازت نہیں دی تھی۔[1] ③ واضح رہے کہ جو لوگ اعمال خیر چھوڑ کر بزرگوں کا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں، پھر وہ ان کے نام پر نذریں، نیازیں دیتے ہیں انھیں اپنے دین و ایمان کی خیر منانی چاہیے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ﴾ ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے کوئی ذریعہ تلاش کرو۔''[2] اعمال خیر کے بغیر کسی اور چیز سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کیا جا سکتا، اس لیے ہمیں نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ آمین.

(١٤) بَابُ أَوْقَافِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَرْضِ الْخَرَاجِ وَمُزَارَعَتِهِمْ وَمُعَامَلَتِهِمْ

باب: 14- نبی ﷺ کے صحابۂ کرام کے اوقاف، خراجی زمین اور اس کی بٹائی کے معاملات

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِعُمَرَ: «تَصَدَّقْ بِأَصْلِهِ، لَا يُبَاعُ وَلٰكِنْ يُنْفَقُ ثَمَرُهُ»، فَتَصَدَّقَ بِهِ.

نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اصل زمین کو وقف کر دو کہ اسے فروخت نہ کیا جائے لیکن اس کی پیداوار کو خرچ کیا جائے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس ہدایت کے مطابق اسے وقف کیا۔

وضاحت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ میں خیبر میں ثمغ نامی باغ صدقہ کرنا چاہتا ہوں تو آپ نے فرمایا: ''اصل صدقہ، یعنی وقف کر دو کہ اسے فروخت نہ کیا جائے اور نہ کسی کو ہبہ ہی کیا جائے، نیز اس میں وراثت بھی جاری نہ ہو، البتہ اس کی پیداوار تقسیم ہوا کرے۔''[3]

٢٣٣٤ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: لَوْلَا آخِرُ الْمُسْلِمِينَ

[2334] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر مجھے بعد میں آنے والے مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو میں جو بھی بستی فتح کرتا اسے وہاں کے مجاہدین میں تقسیم کر دیتا جیسا کہ نبی ﷺ

1 فتح الباري: 21/5. 2 المآئدة 35:5. 3 صحيح البخاري، الوصايا، حديث: 2764.

مَا فَتَحْتُ قَرْيَةً إِلَّا قَسَمْتُهَا بَيْنَ أَهْلِهَا كَمَا قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْبَرَ. [انظر: ٣١٢٥، ٤٢٣٥، ٤٢٣٦]

نے خیبر (فتح کرنے کے بعد اسے) کیا تھا۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں جب ایران اور عراق کے علاقے فتح ہوئے تو انھوں نے وہاں کی زمینیں مجاہدین میں تقسیم نہ کیں بلکہ وہاں کے اہل ذمہ کے پاس بطور مزارعت رہنے دیں، البتہ ان کی پیداوار سے مسلمان مستفید ہوتے تھے۔ ان زمینوں کو حکومت کی ملکیت رکھا کیونکہ اگر مفتوحہ علاقوں کی زمین بانٹ دی جاتی تو بعد میں آنے والے لوگ کہاں جاتے۔ ② رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی فتح تک تمام مفتوحہ زمینیں مجاہدین میں تقسیم کیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کی زمین کو بحق سرکار کیوں روکا؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث لا کر اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ خلیفہ کو حق ہے کہ مصلحت کے پیش نظر اس میں رد و بدل کرے جس طرح رسول اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صدقے کو مسلمانوں کی مصلحت کے لیے بحق سرکار وقف کیا اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کی زمینیں مسلمانوں کی مصلحت کے پیش نظر مزارعت پر دے دیں۔ ③ جب وقف زمینیں مزارعت پر دی جا سکتی ہیں تو مملوکہ زمینیں بھی دی جا سکتی ہیں کیونکہ ان دونوں کا ایک ہی معاملہ ہے۔

(١٥) بَابُ مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَوَاتًا

باب: 15- جس نے بنجر زمین کو آباد کیا

وَرَأَى ذَٰلِكَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي أَرْضِ الْخَرَابِ بِالْكُوفَةِ. وَقَالَ عُمَرُ: مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيِّتَةً فَهِيَ لَهُ. وَيُرْوَى عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، وَقَالَ: «فِي غَيْرِ حَقِّ مُسْلِمٍ، وَلَيْسَ لِعِرْقِ ظَالِمٍ فِيهِ حَقٌّ». وَيُرْوَى فِيهِ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی بنجر زمینوں کے متعلق یہی رائے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے غیر آباد زمین آباد کی وہی اس کا حقدار ہے۔ حضرت عمرو بن عوف (مزنی) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے اس بات کو نقل کیا ہے۔ انھوں (حضرت عمرو رضی اللہ عنہ) نے مزید یہ نقل کیا: "بشرطیکہ وہ زمین کسی مسلمان کا حق نہ ہو، نیز کسی ظالم شخص کا اس میں کوئی حق نہیں۔" اس کے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت بیان کی ہے۔

وضاحت: بنجر زمین وہ ہوتی ہے جو کسی کی ملکیت نہ ہو اور وہاں کاشت کے ذرائع بھی نہ ہوں۔ یہ حکومت کا کام ہے کہ ایسی اراضی کو آباد کرے، اگر وہ خود یہ کام نہ کر سکے تو وہ ایسے لوگوں کو الاٹ کر دی جائیں جو اسے آباد کریں۔ زمین کی آبادکاری کے لیے ہمت افزائی کی ضرورت ہے۔ اسے آباد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہاں پانی کا بندوبست کیا جائے، وہاں باغات لگائے جائیں یا اسے کاشت کیا جائے۔ یہ کام کرنے والے کے لیے حق ملکیت ثابت ہو جاتا ہے۔ اگر حکومت ایسی زمین چھین کر کسی

دوسرے کے نام الاٹ کرتی ہے تو وہ عنداللہ ظالم ہوگی۔ محض قبضہ کر لینے سے حق ملکیت ثابت نہ ہوگا جب تک اسے آباد نہ کیا جائے، بہرحال فالتو زمینوں کو آباد کرنے کے لیے حکومت وقت کی اجازت ضروری ہے کیونکہ آج ملک کا چپہ چپہ حکومت وقت کی ملکیت ہے۔ حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشادات سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنجر زمینوں کی آبادکاری اور ان کی ملکیت حکومت وقت کی اجازت سے وابستہ ہے۔ آج بیشتر ممالک میں بے آباد زمینوں کے متعلق یہی قانون نافذ ہے جو بے آباد زمینوں کی آبادکاری کے لیے بے حد ضروری ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر ہمیں موصولاً نہیں ملا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر امام مالک رحمہ اللہ نے موطأ میں ذکر کیا ہے۔[1] اور حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کی روایت امام بیہقی رحمہ اللہ نے موصولاً ذکر کی ہے،[2] نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام احمد نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔[3]

٢٣٣٥ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَعْمَرَ أَرْضًا لَيْسَتْ لِأَحَدٍ فَهُوَ أَحَقُّ»، قَالَ عُرْوَةُ: قَضَى بِهِ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي خِلَافَتِهِ.

[2335] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جو شخص ایسی غیر آباد زمین کو آباد کرے جو کسی کی ملکیت نہ ہو تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔“ عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں اس کے مطابق فیصلہ کیا تھا۔

فوائد و مسائل: ① زمین کو کئی طرح سے آباد کیا جا سکتا ہے، مثلاً: اسے کھیتی باڑی کے لیے تیار کیا یا وہاں باغ لگایا، اسی طرح اس زمین کو کسی فیکٹری یا کارخانے کے لیے استعمال کیا یا وہاں مکانات تعمیر کر لیے، نیز مویشیوں کی چراگاہیں بھی اس کی آبادی میں شامل ہیں۔ ② دور حاضر میں زمین کے مالک زمیندار ہیں یا حکومت، اسے آباد کرنے سے پہلے حکومت سے اجازت لینا ہوگی، اس کے بعد اگر اسے آباد کر لیا جائے تو وہ اس زمین کا زیادہ حق دار ہے۔ حکومت کی اجازت کے بغیر یہ اقدام کرنا افراتفری کا باعث ہو سکتا ہے، نیز محض قبضہ کرنے سے حق ملکیت ثابت نہیں ہوگا۔ روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کا بھی ذکر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کرایا تھا کہ جس شخص نے تین سال تک زمین کو معطل رکھا اور اسے آباد نہ کیا، اس کے بعد کسی اور نے آباد کر لیا تو وہ اس کی ملکیت ہوگی، اس بنا پر اگر کوئی آدمی بنجر زمین تین سال تک روکے رکھے اور اسے آباد نہ کرے تو حکومت اس سے واپس لے کر کسی دوسرے کو دے سکتی ہے، جو اسے آباد کرے۔ زمین پر قبضہ کر لینا اسے آباد کرنا نہیں ہے۔ ③ اس سلسلے میں ایک فیصلہ درج ذیل ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ بصرہ میں رہنے والا ابو عبداللہ نامی ایک شخص سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے بتایا کہ بصرہ میں ایک ایسی زمین خالی پڑی ہے جس سے کسی مسلمان کو نقصان نہیں اور نہ وہ خراجی ہی ہے، اگر آپ مجھے الاٹ کر دیں تو وہاں بانس اور زیتون کاشت کر کے اسے آباد کر لوں۔ آپ نے بصرہ کے گورنر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو

---

1 الموطأ للإمام مالك: 264/2، حديث: 1490. 2 السنن الكبرى للبيهقي: 142/6. 3 مسند أحمد: 304/3.

لکھا کہ وہاں جا کر زمین کا معائنہ کریں اگر واقعہ یہی ہے تو وہ زمین اسے الاٹ کر دیں۔[1] ④ اس واقعہ سے بھی معلوم ہوا کہ فالتو اور بنجر زمینوں کو آباد کرنے کے لیے حکومت وقت کی اجازت ضروری ہے۔

(١٦) بَابٌ :

باب:16- بلاعنوان

٢٣٣٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُرِيَ وَهُوَ فِي مُعَرَّسِهِ بِذِي الْحُلَيْفَةِ فِي بَطْنِ الْوَادِي، فَقِيلَ لَهُ: إِنَّكَ بِبَطْحَاءَ مُبَارَكَةٍ. فَقَالَ مُوسَى: وَقَدْ أَنَاخَ بِنَا سَالِمٌ بِالْمُنَاخِ الَّذِي كَانَ عَبْدُ اللهِ يُنِيخُ بِهِ، يَتَحَرَّى مُعَرَّسَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَهُوَ أَسْفَلُ مِنَ الْمَسْجِدِ الَّذِي بِبَطْنِ الْوَادِي، بَيْنَهُ وَبَيْنَ الطَّرِيقِ وَسَطٌ مِّنْ ذٰلِكَ. [راجع: ٤٨٣]

[2336] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب رات کے وقت ذوالحلیفہ وادی کے نشیب میں آرام کے لیے اترے تو آپ سے خواب میں کہا گیا: آپ مبارک وادی میں ہیں۔ (راوی حدیث) موسیٰ بن عقبہ نے کہا: حضرت سالم نے ہمارے ساتھ وہیں اونٹ بٹھایا جہاں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بٹھایا کرتے تھے۔ وہ اسی جگہ کا قصد کر رہے تھے جہاں رسول اللہ ﷺ نے پڑاؤ کیا تھا۔ یہ جگہ وادی کے نشیب میں واقع مسجد کے نیچے تھی، یعنی وادیٔ عقیق اور راستے کے درمیان واقع تھی۔

٢٣٣٧ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبُ بْنُ إِسْحَاقَ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَللَّيْلَةَ أَتَانِي آتٍ مِّنْ رَّبِّي وَهُوَ بِالْعَقِيقِ أَنْ صَلِّ فِي هٰذَا الْوَادِي الْمُبَارَكِ، وَقُلْ: عُمْرَةٌ فِي حَجَّةٍ». [راجع: ١٥٣٤]

[2337] حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ جب آپ وادیٔ عقیق میں تھے تو آپ نے فرمایا: ”آج رات میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا میرے پاس آیا۔ اس نے کہا: آپ اس مبارک وادی میں نماز پڑھیں اور فرمائیں کہ عمرہ حج میں داخل ہے۔“

فوائد ومسائل: ① اس باب کا کوئی عنوان نہیں ہے گویا یہ پہلے باب کا تکملہ ہے۔ پہلے باب سے اس کی مناسبت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ کی زمین کے متعلق حکم نہیں دیا کہ جو کوئی اسے آباد کرے گا تو وہ اس کی ملک ہوگی کیونکہ

① فتح الباري: 26/9.

ذوالحلیفہ لوگوں کے پڑاؤ کی جگہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو غیر آباد جگہ کسی اجتماعی مفاد کے لیے ہو وہ کسی کی ملکیت نہیں ہوسکتی وہاں ہر شخص پڑاؤ کرسکتا ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ نے وادئ عقیق میں قیام فرمایا جو کسی کی ملکیت نہیں تھی، آپ کے قیام کرنے سے وہ عام لوگوں کے لیے پڑاؤ کا مقام بن گئی۔

(١٧) بَابٌ: إِذَا قَالَ رَبُّ الْأَرْضِ: أُقِرُّكَ مَا أَقَرَّكَ اللهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ أَجَلًا مَّعْلُومًا، فَهُمَا عَلَى تَرَاضِيهِمَا

باب: 17- اگر زمین کا مالک، کاشتکار سے کہے کہ میں تجھے اس وقت تک رہنے دوں گا جب تک اللہ تمھیں رہنے دے اور کوئی مدت مقرر نہ کرے تو وہ فیصلہ باہمی رضامندی سے کرسکتے ہیں

٢٣٣٨ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ: حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا مُوسَى: أَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ. وَقَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَجْلَى الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى مِنْ أَرْضِ الْحِجَازِ، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَمَّا ظَهَرَ عَلَى خَيْبَرَ أَرَادَ إِخْرَاجَ الْيَهُودِ مِنْهَا، وَكَانَتِ الْأَرْضُ حِينَ ظَهَرَ عَلَيْهَا، لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ ﷺ وَلِلْمُسْلِمِينَ، وَأَرَادَ إِخْرَاجَ الْيَهُودِ مِنْهَا، فَسَأَلَتِ الْيَهُودُ رَسُولَ اللهِ ﷺ لِيُقِرَّهُمْ بِهَا أَنْ يَكْفُوا عَمَلَهَا وَلَهُمْ نِصْفُ الثَّمَرِ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «نُقِرُّكُمْ بِهَا عَلَى ذٰلِكَ مَا شِئْنَا». فَقَرُّوا بِهَا حَتَّى أَجْلَاهُمْ عُمَرُ إِلَى تَيْمَاءَ وَأَرِيحَاءَ. [راجع: ٢٢٨٥]

[2338] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ حضرت عمر بن خطاب ؓ نے یہود ونصاریٰ کو سرزمین حجاز سے نکال دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب خیبر پر غلبہ پایا تو اسی وقت یہودیوں کو وہاں سے نکال دینا چاہا کیونکہ غلبہ پاتے ہی وہ زمین اللہ، اس کے رسول ﷺ اور تمام مسلمانوں کی ہوگئی تھی۔ پھر آپ نے وہاں سے یہود کو نکالنے کا ارادہ فرمایا تو یہود نے آپ سے درخواست کی کہ انھیں اس شرط پر وہاں رہنے دیا جائے کہ وہ کام کریں گے اور انھیں نصف پیداوار ملے گی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہم تمھیں اس کام پر رکھیں گے جب تک ہم چاہیں گے۔“ چنانچہ یہود وہاں رہے تا آنکہ حضرت عمر ؓ نے انھیں مقام تیماء اور مقام اریحاء کی طرف جلاوطن کردیا۔

فوائد ومسائل: ① مزارعت کا معاملہ کرتے وقت جب مدت معین نہ ہو تو انصاف کا تقاضا ہے کہ فیصلہ باہمی رضامندی

سے ہو۔ اس میں کم از کم ایک سال کی مدت تو ہونی چاہیے تاکہ فصل کے درمیان کاشتکار کو بے دخل کر کے اسے نقصان نہ پہنچایا جائے، اسے فصل کی تیاری تک ضرور مہلت دینی چاہیے۔ ② حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہود کو اس لیے بے دخل کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی آخری وصیت تھی کہ یہود کو جزیرۂ عرب سے نکال دیا جائے، چنانچہ جب ان کی شرارتیں اور خباثتیں انتہا کو پہنچ گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں نکال باہر کیا، لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام کسی پیشگی معاہدے کی خلاف ورزی نہیں تھا۔ وقتی طور پر انھیں جلاوطن کرنے کا سبب یہ بنا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے باغات کی دیکھ بھال کے لیے خیبر گئے تو ان کے ہاتھ پاؤں توڑ دیے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس واقعے کی اطلاع ملی تو انھوں نے فرمایا: یہود کے علاوہ ہمارا وہاں کوئی دشمن نہیں، ہمارے وہی دشمن ہیں، لہٰذا ہم ان کے علاوہ اور کسی کو متہم نہیں کرتے، اس لیے میری رائے ہے کہ اب انھیں جلاوطن کر دیا جائے۔[1] ③ امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ عنوان میں یہ الفاظ ہیں: ''میں تمھیں اس وقت تک رہنے دوں گا جب تک اللہ تمھیں رہنے دے گا۔'' جبکہ حدیث میں ہے کہ جب تک ہم تمھیں رکھیں گے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ حدیث، عنوان کے مطابق نہیں جیسا کہ بعض بزعم خویش اہل علم نے دعویٰ کیا ہے بلکہ یہ امام صاحب کی ذہانت اور جودتِ طبع کا نتیجہ ہے۔ دراصل امام بخاری نے مذکورہ عنوان سے اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جو انھوں نے کتاب الشروط (حدیث:2730) میں بیان کی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں: ''جب تک تمھیں اللہ رہنے دے گا۔'' اور اس مقام پر بیان کردہ حدیث پر بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے: ''جب معاملہ مزارعت میں شرط کی جائے کہ جب چاہوں گا تجھے نکال دوں گا۔'' بہرحال ہر عنوان میں ہر حدیث کو ملحوظ رکھ کر ایک کی دوسرے سے تفسیر کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مدت باہمی رضامندی سے طے ہوگی، نیز یہود کا اخراج مشیت الٰہی کے مطابق تھا۔ واللہ أعلم.

(١٨) بَابُ مَا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ يُوَاسِي بَعْضُهُمْ بَعْضًا فِي الزِّرَاعَةِ وَالثَّمَرِ

باب: 18- نبی ﷺ کے صحابۂ کرام ایک دوسرے کو کھیتی اور پھلوں میں شریک کر لیا کرتے تھے

٢٣٣٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ أَبِي النَّجَاشِيِّ مَوْلَى رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ: سَمِعْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيجِ ابْنِ رَافِعٍ عَنْ عَمِّهِ ظُهَيْرِ بْنِ رَافِعٍ قَالَ ظُهَيْرٌ: لَقَدْ نَهَانَا رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ أَمْرٍ كَانَ بِنَا رَافِقًا، قُلْتُ: مَا قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَهُوَ حَقٌّ، قَالَ: دَعَانِي رَسُولُ اللهِ ﷺ، قَالَ: «مَا تَصْنَعُونَ بِمَحَاقِلِكُمْ؟» قُلْتُ: نُؤَاجِرُهَا عَلَى

[2339] حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میرے چچا ظہیر بن رافع رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایسے کام سے منع فرما دیا جو ہمارے لیے بہت نفع بخش تھا۔ میں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا وہ حق ہے۔ حضرت ظہیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلا کر پوچھا: ''تم لوگ اپنے کھیتوں کا کیا کرتے ہو؟'' میں نے عرض کیا کہ ہم ان کو نالی کے کنارے کی پیداوار، نیز کھجور اور جو کے چند وسق کے عوض کرائے پر

1 صحيح البخاري، الشروط، حديث: 2730.

الرَّبِيعِ وَعَلَى الْأَوْسُقِ مِنَ التَّمْرِ وَالشَّعِيرِ، قَالَ: «لَا تَفْعَلُوا، اِزْرَعُوهَا، أَوْ أَزْرِعُوهَا، أَوْ أَمْسِكُوهَا»، قَالَ رَافِعٌ: قُلْتُ: سَمْعًا وَّطَاعَةً.

[انظر: ٢٣٤٦، ٤٠١٢]

دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''ایسا مت کرو۔ تم خود کاشت کرو یا کسی کو کاشت کے لیے دے دو یا اسے اپنے پاس ہی رہنے دو۔'' حضرت رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: ''جو ارشاد ہوا اسے ہم نے سنا اور دل سے مان لیا۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے ذکر کردہ روایات کے معنی کا تعین کیا ہے کہ جن روایات میں مزارعت کی نہی بیان ہوئی ہے وہ زہد کی تعلیم کے لیے ہے تاکہ لوگوں میں ہمدردی اور ایثار کے جذبات پیدا ہوں، اس سے نہی تحریم مراد نہیں۔ ② اگر سوال پیدا ہو کہ زمین کاشت کیے بغیر چھوڑ دینا مال کو ضائع کرنا ہے تو اس کا جواب بایں طور دیا گیا ہے کہ اس سے زمین کی منفعت معطل نہیں ہوتی کیونکہ گھاس وغیرہ خوب اگے گی اس سے جانوروں کے لیے چارے کا انتظام وافر مقدار میں ہوگا، نیز لکڑی وغیرہ بھی حاصل کی جا سکتی ہے اور کچھ نہیں تو زمین کی نمو وقوت میں اضافہ ہوگا تاکہ آئندہ سال زیادہ فصل پیدا ہو۔ بہرحال ممانعت کی مخصوص صورتیں ہیں، جن کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے۔

٢٣٤٠ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانُوا يَزْرَعُونَهَا بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَالنِّصْفِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا، فَإِنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَلْيُمْسِكْ أَرْضَهُ». [انظر: ٢٦٣٢]

[2340] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: لوگ تہائی، چوتھائی اور نصف پیداوار پر زمین کاشت کیا کرتے تھے تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس کی زمین ہو وہ خود کاشت کرے یا کسی کو دے دے۔ اگر ایسا نہ کرے تو اپنی زمین کو روک رکھے۔''

٢٣٤١ - وَقَالَ الرَّبِيعُ بْنُ نَافِعٍ أَبُو تَوْبَةَ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا أَخَاهُ، فَإِنْ أَبَى فَلْيُمْسِكْ أَرْضَهُ».

[2341] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کی زمین ہو وہ خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو کاشت کے لیے دے دے۔ اور اگر ایسا نہیں کرنا چاہتا تو اپنی زمین کو روک رکھے۔''

٢٣٤٢ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو قَالَ: ذَكَرْتُهُ لِطَاوُسٍ فَقَالَ: يُزْرِعُ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَنْهَ عَنْهُ، وَلٰكِنْ قَالَ: «أَنْ يَّمْنَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ

[2342] حضرت عمرو بن دینار سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت طاؤس سے (مزارعت کا) ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا: آدمی دوسرے کو بٹائی پر زمین دے سکتا ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ نبی ﷺ

خَيْرٌ لَّهُ مِنْ أَنْ يَّأْخُذَ شَيْئًا مَّعْلُومًا». [راجع: ٢٣٣٠]

نے اس سے منع نہیں فرمایا، البتہ یہ ضرور کہا ہے: ''اگر تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کاشت کے لیے مفت زمین دے دے تو یہ متعین چیز لینے سے بہت بہتر ہے۔''

فائدہ: مزارعت کی ممنوعہ صورت یہ ہے کہ متعین رقبے کی پیداوار یا متعین مقدار غلے کے عوض زمین کسی کو دی جائے، اس میں نقصان اور دھوکا ہے۔ اسلامی قانون کے اعتبار سے ایسا کرنا جائز نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی مزید وضاحت فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو یہ فرمایا: ''کھیتی خود کاشت کرے یا بطور احسان اپنے بھائی کو دے دے'' تو اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ نرمی اور احسان کا معاملہ کریں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بٹائی پر زمین دینا حرام ہے، البتہ ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے۔ بہر حال قانون اور ہے اور اخلاق و مروت چیزے دیگر است۔ والله أعلم.

٢٣٤٣ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَّافِعٍ: أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا كَانَ يُكْرِي مَزَارِعَهُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَصَدْرًا مِّنْ إِمَارَةِ مُعَاوِيَةَ. [انظر: ٢٣٤٥]

[2343] حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے کھیت، نبی ﷺ کے عہد مبارک اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت، نیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور حکومت تک کرائے پر دیتے تھے۔

٢٣٤٤ - ثُمَّ حُدِّثَ عَنْ رَّافِعِ بْنِ خَدِيجٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ، فَذَهَبَ ابْنُ عُمَرَ إِلَى رَافِعٍ فَذَهَبْتُ مَعَهُ، فَسَأَلَهُ فَقَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: قَدْ عَلِمْتَ أَنَّا كُنَّا نُكْرِي مَزَارِعَنَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِمَا عَلَى الْأَرْبِعَاءِ وَبِشَيْءٍ مِّنَ التِّبْنِ. [راجع: ٢٢٨٦]

[2344] پھر انھیں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث بتائی گئی کہ نبی ﷺ نے کھیت کرائے پر دینے سے منع فرمایا ہے تو وہ خود حضرت رافع رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ (حضرت نافع کہتے ہیں کہ) میں بھی ان کے ساتھ گیا۔ انھوں نے دریافت کیا تو حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے کھیتوں کو کرائے پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم جانتے ہو کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اپنے کھیت اس پیداوار کے بدلے جو نالیوں کے کناروں پر ہوتی تھی اور کچھ گھاس کے عوض بٹائی پر دے دیا کرتے تھے۔

٢٣٤٥ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ

[2345] حضرت سالم سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ

عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمٌ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنْتُ أَعْلَمُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّ الْأَرْضَ تُكْرَى، ثُمَّ خَشِيَ عَبْدُ اللهِ أَنْ يَكُونَ النَّبِيُّ ﷺ قَدْ أَحْدَثَ فِي ذٰلِكَ شَيْئًا لَّمْ يَكُنْ عَلِمَهُ، فَتَرَكَ كِرَاءَ الْأَرْضِ. [راجع: ٢٣٤٣]

بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں زمین بٹائی پر دی جاتی تھی۔ پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اندیشہ لاحق ہوا مبادا رسول اللہ ﷺ نے کوئی نیا حکم دیا ہو جس کی انھیں خبر نہ ہو، اس لیے انھوں نے زمین کرائے پر دینا ترک کر دی۔

فوائد ومسائل: ① حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ مطلق طور پر زمین بٹائی پر دینے سے منع کرتے تھے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس موقف کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مخصوص صورت سے منع فرمایا تھا کیونکہ مخصوص رقبے کی پیداوار کے عوض زمین دی جاتی تھی، اس میں نقصان اور دھوکا تھا کیونکہ ادھر پیداوار ہوتی اور دوسری طرف آفت کا شکار ہو جاتی اور کبھی اس کے برعکس ہوتا تھا جس کی وجہ سے لوگوں میں جھگڑا ہوتا رہتا۔ کبھی تو زمین کا مالک پیداوار سے محروم رہتا اور کبھی مزارع کو نقصان اٹھانا پڑتا، اس سے چوتھائی، تہائی یا نصف پیداوار کے عوض بٹائی پر دینے کی ممانعت نہیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وضاحت کے لیے حضرت سالم رحمہ اللہ کی حدیث ذکر کی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پرہیزگار شخص تھے۔ ایک طویل مدت تک ان کا عمل جس بات پر رہا اس کے متعلق انھیں شبہ لاحق ہو گیا۔ آخر کار انھوں نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی معلومات پر عمل کیا اور احتیاط کے خیال سے زمین کرائے پر دینا ترک کر دی۔ بہرحال قانون الگ ہے اور ایثار و ہمدردی کا پہلو الگ حیثیت رکھتا ہے۔ ③ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی معلومات کو قانون کی حیثیت نہیں دی جا سکتی بلکہ ان سے احسان اور ایثار کا پہلو اجاگر ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زمین بطور ہمدردی کاشت کے لیے اپنے کسی بھائی کو دے دے تو رسول اللہ ﷺ نے اس طرز عمل کی شاندار الفاظ سے حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس عنوان اور پیش کردہ احادیث سے یہی مقصد معلوم ہوتا ہے۔ واللہ أعلم.

(١٩) بَابُ كِرَاءِ الْأَرْضِ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

باب: 19- سونے چاندی، یعنی نقدی کے عوض زمین ٹھیکے پر دینا

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّ أَمْثَلَ مَا أَنْتُمْ صَانِعُونَ أَنْ تَسْتَأْجِرُوا الْأَرْضَ الْبَيْضَاءَ مِنَ السَّنَةِ إِلَى السَّنَةِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بہتر کام جو تم کرنا چاہو یہ ہے کہ خالی زمین ایک سال تک کے لیے ٹھیکے پر دے دو۔

وضاحت: امام ثوری رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں اس اثر کو متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو نقدی کے عوض ٹھیکے پر دیا جا سکتا ہے جس کی کم از کم مدت ایک سال ہو۔ اس میں اگرچہ مالک زمین کو سہولت ہے، تاہم اگر کسی آفت کی وجہ سے کاشتکار کو نقصان ہو تو مالک کو چاہیے کہ وہ اس کی تلافی کرے یا ٹھیکے کی مدت دو یا تین سال رکھی جائے تاکہ ایک سال کا نقصان دوسرے یا تیسرے سال پورا ہو سکے۔

٢٣٤٦، ٢٣٤٧ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ رَّبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ رَّافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَمَّايَ أَنَّهُمْ كَانُوا يُكْرُونَ الْأَرْضَ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ بِمَا يَنْبُتُ عَلَى الْأَرْبِعَاءِ أَوْ بِشَيْءٍ يَّسْتَثْنِيهِ صَاحِبُ الْأَرْضِ، فَنَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ، فَقُلْتُ لِرَافِعٍ: فَكَيْفَ هِيَ بِالدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ؟ فَقَالَ رَافِعٌ: لَيْسَ بِهَا بَأْسٌ بِالدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ. وَقَالَ اللَّيْثُ: وَكَانَ الَّذِي نُهِيَ مِنْ ذٰلِكَ مَا لَوْ نَظَرَ فِيهِ ذَوُو الْفَهْمِ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ لَمْ يُجِيزُوهُ لِمَا فِيهِ مِنَ الْمُخَاطَرَةِ. [راجع: ٢٣٣٩، وانظر: ٤٠١٣]

[2346، 2347] حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے دونوں چچا (ظہیر اور مہیر رضی اللہ عنہما) نبی ﷺ کے عہد مبارک میں زمین اس پیداوار کے عوض کاشت پر دیتے تھے جو کھالوں کے آس پاس اگتی یا ایسی چیز کے عوض جسے مالک زمین مستثنیٰ کر لیتا تھا۔ نبی ﷺ نے اس سے منع فرما دیا۔ (راویٔ حدیث حضرت حنظلہ کہتے ہیں:) میں نے حضرت رافع رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ درہم و دینار کے عوض زمین ٹھیکے پر دینا کیسا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: درہم و دینار کے عوض زمین ٹھیکے پر دینے میں کوئی قباحت نہیں۔ (ایک اور راویٔ حدیث) حضرت لیث کہتے ہیں: جس بٹائی سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر اس میں حلال و حرام سمجھنے والے غور و فکر کریں تو اس میں دھوکے کی وجہ سے اسے جائز قرار نہ دیں۔

فوائد و مسائل: ① بعض حضرات نے نقدی کے عوض زمین کو ٹھیکے پر دینا بھی منع قرار دیا ہے۔ ان کی دلیل جامع ترمذی کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین کی کچھ پیداوار یا دراہم کے عوض زمین اجرت پر دینے سے منع فرمایا۔[2] لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ نے خود اس حدیث کو مضطرب قرار دیا ہے۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی اسے معلول قرار دیا ہے کہ اس روایت میں حضرت مجاہد کا سماع حضرت رافع رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔[3] ② ہمارے ہاں پٹے پر زمین لینے دینے کی مروجہ صورت جائز اور صحیح ہے۔ جس بٹائی کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ وہی ہے جس میں کسی خاص رقبے کی پیداوار کو مالک یا کاشتکار کے لیے نامزد کر دیا جاتا ہے یا متعین مقدار غلہ پر معاملہ طے ہوتا ہے۔ اس میں نقصان اور دھوکا دونوں

[1] فتح الباري: 33/5، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 133/6. [2] جامع الترمذي، الأحكام، حديث: 1384. [3] فتح الباري: 32/5.

خرابیاں ہیں۔ حضرت لیث نے بھی صراحت کی ہے کہ مزارعت کی وہ صورت ممنوع ہے جس میں دھوکا وغیرہ ہو۔ یہ بات اگرچہ کسی نص سے ثابت نہیں لیکن اہل فہم اپنی فہم سے اس کی حرمت کا ادراک کرسکتے ہیں۔ بہرحال جمہور کے نزدیک کراء الارض کی نص اس بات پر محمول ہے کہ جس میں دھوکا اور جہالت ہو، مطلق طور پر مزارعت منع نہیں ہے اور نہ درہم و دینار، یعنی نقدی ہی کے عوض زمین لینا دینا ممنوع ہے۔ اس سلسلے میں ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے کہ زمین تو تین آدمی ہی کاشت کرسکتے ہیں: ایک وہ جس کی اپنی زمین ہو، دوسرا وہ جسے بطور عطیہ یا عاریتاً ملی ہو، تیسرا وہ جس نے سونے چاندی کے عوض ٹھیکے پر لی ہو۔[1] لیکن امام نسائی رحمہ اللہ نے وضاحت کی ہے کہ مرفوع حدیث میں صرف محاقلہ اور مزابنہ کی ممانعت ہے، اس کے بعد والا مذکورہ کلام مدرج ہے اور انھوں نے اسے سعید بن مسیب کا کلام قرار دیا ہے۔[2] امام مالک نے بھی موطا میں اسے سعید بن مسیب کا کلام کہا ہے۔[3]

(٢٠) بَابٌ:

باب:20- بلاعنوان

٢٣٤٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ: حَدَّثَنَا هِلَالٌ؛ ح: وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَوْمًا يُحَدِّثُ، وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ: «أَنَّ رَجُلًا مِّنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ اسْتَأْذَنَ رَبَّهُ فِي الزَّرْعِ فَقَالَ لَهُ: أَلَسْتَ فِيمَا شِئْتَ؟ قَالَ: بَلٰى وَلٰكِنْ أُحِبُّ أَنْ أَزْرَعَ، قَالَ: فَبَذَرَ فَبَادَرَ الطَّرْفَ نَبَاتُهُ وَاسْتِوَاؤُهُ وَاسْتِحْصَادُهُ، فَكَانَ أَمْثَالَ الْجِبَالِ، فَيَقُولُ اللهُ تَعَالٰى: دُونَكَ يَا ابْنَ آدَمَ فَإِنَّهُ لَا يُشْبِعُكَ شَيْءٌ». فَقَالَ الْأَعْرَابِيُّ: وَاللهِ لَا نَجِدُهُ إِلَّا قُرَشِيًّا أَوْ أَنْصَارِيًّا فَإِنَّهُمْ أَصْحَابُ زَرْعٍ، وَأَمَّا نَحْنُ فَلَسْنَا بِأَصْحَابِ زَرْعٍ،

[2348] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی ﷺ کے پاس ایک دیہاتی بیٹھا تھا اور آپ یہ بیان فرما رہے تھے: ''اہل جنت میں سے ایک شخص اپنے رب سے کاشتکاری کی اجازت طلب کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا: کیا تو موجودہ حالت پر خوش نہیں ہے؟ وہ کہے گا: کیوں نہیں (خوش ہوں) لیکن مجھے کھیتی باڑی سے محبت ہے۔ آپ نے فرمایا: وہ بیج کاشت کرے گا تو پل جھپکنے میں وہ اگ آئے گا، فوراً سیدھا ہو جائے گا اور کاٹنے کے قابل ہوجائے گا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پہاڑ کی طرح انبار لگ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم کے بیٹے! یہ لے لے، تجھے کوئی چیز سیر نہیں کرسکتی۔'' یہ سن کر دیہاتی کہنے لگا: اللہ کی قسم! وہ شخص قریشی یا انصاری ہوگا کیونکہ یہی لوگ کھیتی باڑی کرنے والے ہیں، ہم تو کھیتی باڑی والے لوگ نہیں۔ یہ سن کر نبی ﷺ ہنس پڑے۔

1 سنن أبي داود، البيوع، حديث: 3400. 2 سنن النسائي، البيوع، حديث: 3921. 3 فتح الباري: 33/5.

فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ. [انظر: ۷۵۱۹]

فائدہ: اس حدیث پر امام بخاری ؒ نے کوئی عنوان قائم نہیں کیا۔ یہ ضروری نہیں کہ جہاں بھی عنوان نہ ہو، وہ سابق عنوان کا تکملہ ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات امام بخاری کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس پر تم خود کوئی عنوان قائم کرلو کیونکہ یہ موضوع سے متعلق تو ہے۔ دراصل امام بخاری ؒ زراعت کی فضیلت پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ایسی پسندیدہ چیز ہے کہ جنت میں بھی اس کی خواہش کی جا سکے گی اور اسے عمل میں لایا جا سکے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ جنت میں کاشتکاری کے نتائج حاصل کرنے میں دیر نہیں لگے گی بلکہ دیکھتے ہی دیکھتے فصل تیار ہو کر کاٹنے کے قابل ہو جائے گی پھر خود بخود اناج کا ڈھیر لگ جائے گا۔

(۲۱) بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغَرْسِ

باب:21- شجر کاری کے متعلق روایات کا بیان

۲۳٤۹ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: إِنْ كُنَّا لَنَفْرَحُ بِيَوْمِ الْجُمُعَةِ، كَانَتْ لَنَا عَجُوزٌ تَأْخُذُ مِنْ أُصُولِ سِلْقٍ لَنَا كُنَّا نَغْرِسُهُ فِي أَرْبِعَائِنَا، فَتَجْعَلُهُ فِي قِدْرٍ لَهَا، فَتَجْعَلُ فِيهِ حَبَّاتٍ مِّنْ شَعِيرٍ - لَا أَعْلَمُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: لَيْسَ فِيهِ شَحْمٌ وَّلَا وَدَكٌ - فَإِذَا صَلَّيْنَا الْجُمُعَةَ زُرْنَاهَا فَقَرَّبَتْهُ إِلَيْنَا، فَكُنَّا نَفْرَحُ بِيَوْمِ الْجُمُعَةِ مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ، وَمَا كُنَّا نَتَغَدّٰى وَلَا نَقِيلُ إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ. [راجع: ۹۳۸]

[2349] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہمیں جمعے کے دن بہت خوشی ہوا کرتی تھی کیونکہ ہماری ایک بڑھیا تھی جو ہمارے لیے چقندر کی جڑیں لیتی جنھیں ہم کھیتوں میں نالیوں کے کنارے بو دیا کرتے تھے۔ وہ ایک ہنڈیا میں ڈال کر ان کو پکاتی، اوپر سے جو کے کچھ دانے اس میں ڈال دیتی۔ اس میں چربی یا چکنائی نہیں ہوتی تھی۔ ہم جب نماز جمعہ پڑھ کر اس کے پاس جاتے تو وہ ہمارے لیے یہ پکوان رکھ دیتی۔ اس کھانے کے باعث ہمیں جمعے کے دن بہت خوشی ہوا کرتی تھی۔ ہم جمعہ کی نماز کے بعد ہی کھانا کھاتے اور قیلولہ کرتے تھے۔

فائدہ: شجر کاری ہمیشہ سے انسان کا محبوب مشغلہ ہے۔ درخت لگانے اور کھیتی باڑی کرنے کا ایک ہی حکم ہے۔ کسان کھیتوں کے کناروں پر درخت لگاتے ہیں، کھیتوں کے اندر علاقہ کی فصل کاشت کی جاتی ہے، کھیتوں کو پانی دینے کے لیے نالیاں بنائی جاتی ہیں، ان نالیوں کا اردگرد اکثر سیراب رہتا ہے، اس لیے وہاں مناسب سبزیاں کاشت کی جاتی ہیں یا موسمی پودے لگا دیے جاتے ہیں۔ حدیث میں ذکر ہے کہ اس وقت نالیوں کے کناروں پر چقندر کاشت کی جاتی تھی جس کا سالن بہت پسندیدہ ہوتا ہے اور اسے بہترین ڈش کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

۲۳۵۰ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا

[2350] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں

إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: يَقُولُونَ: إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ يُكْثِرُ [الْحَدِيثَ]، وَاللهُ الْمَوْعِدُ، وَيَقُولُونَ: مَا لِلْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ لَا يُحَدِّثُونَ مِثْلَ أَحَادِيثِهِ؟ وَإِنَّ إِخْوَتِي مِنَ الْمُهَاجِرِينَ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ، وَإِنَّ إِخْوَتِي مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ يَشْغَلُهُمْ عَمَلُ أَمْوَالِهِمْ، وَكُنْتُ امْرَأً مِسْكِينًا أَلْزَمُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَى مِلْءِ بَطْنِي، فَأَحْضُرُ حِينَ يَغِيبُونَ، وَأَعِي حِينَ يَنْسَوْنَ، وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا: «لَنْ يَبْسُطَ أَحَدٌ مِنْكُمْ ثَوْبَهُ حَتَّى أَقْضِيَ مَقَالَتِي هٰذِهِ ثُمَّ يَجْمَعَهُ إِلٰى صَدْرِهِ فَيَنْسٰى مِنْ مَقَالَتِي شَيْئًا أَبَدًا»، فَبَسَطْتُ نَمِرَةً لَيْسَ عَلَيَّ ثَوْبٌ غَيْرُهَا، حَتَّى قَضَى النَّبِيُّ ﷺ مَقَالَتَهُ ثُمَّ جَمَعْتُهَا إِلٰى صَدْرِي، فَوَالَّذِي بَعَثَهُ بِالْحَقِّ مَا نَسِيتُ مِنْ مَقَالَتِهِ تِلْكَ إِلٰى يَوْمِي هٰذَا، وَاللهِ لَوْلَا آيَتَانِ فِي كِتَابِ اللهِ مَا حَدَّثْتُكُمْ شَيْئًا أَبَدًا ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَٰتِ وَالْهُدَىٰ﴾ إِلٰى [قَوْلِهِ]: ﴿الرَّحِيمُ﴾ [البقرة: ١٥٩، ١٦٠]. [راجع: ١١٨]

نے فرمایا: لوگ ابوہریرہ کے متعلق بکثرت احادیث بیان کرنے کا اعتراض کرتے ہیں۔ آخر اس نے بھی اللہ تعالیٰ سے ملنا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ دوسرے مہاجرین اور انصار اس (ابوہریرہ) کی طرح احادیث کیوں نہیں بیان کرتے؟ بات دراصل یہ ہے کہ میرے مہاجر بھائی بازاروں میں کاروبار کے لیے مشغول رہتے تھے اور میرے انصاری بھائی اپنے مویشیوں کی ذمہ داری میں لگے رہتے تھے جبکہ میں ایک قلاش آدمی تھا، پیٹ بھر جاتا تو ہر وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس رہتا تھا۔ جب یہ لوگ غائب ہوتے تو میں وہاں موجود رہتا اور جب وہ بھول جاتے تو میں یاد رکھتا تھا۔ ایک دن نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جو کوئی اپنا کپڑا اس وقت تک پھیلائے رکھے جب تک میں اپنی گفتگو ختم کروں پھر اسے سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لے تو وہ میری گفتگو کو کبھی نہیں بھولے گا۔'' یہ سن کر میں نے اپنی چادر بچھا دی جبکہ اس چادر کے علاوہ میرے پاس اور کوئی کپڑا نہ تھا یہاں تک کہ نبی ﷺ نے اپنی تقریر ختم کی تو میں نے اسے سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس ذات کی قسم جس نے رسول اللہ ﷺ کو حق دے کر مبعوث کیا ہے! میں آپ کا وہ کلام آج تک نہیں بھولا۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ کی کتاب میں یہ دو آیات نہ ہوتیں تو میں تم سے کبھی کوئی حدیث بیان نہ کرتا اور وہ دو آیات یہ ہیں: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى...... ﴾ ''بے شک جو لوگ ہماری نازل کردہ واضح دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں...... '' آخر تک۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ اس روایت کو شجرکاری کے باب میں لائے ہیں کیونکہ اس روایت میں انصار کے کام میں شجرکاری بھی داخل ہے۔ چونکہ انصار نخلستان کے علاقے میں آباد تھے، اس لیے باغات کی دیکھ بھال کا کام بھی عمل اموال میں شامل ہے۔ یہی عنوان کا مقصد ہے۔ ② حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان حدیث کے ضمن میں جن آیات کا حوالہ دیا ہے وہ حسب

ذیل ہیں: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ ...... وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ "بے شک جو لوگ ہماری نازل کردہ بینات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں، اس کے بعد کہ ہم نے لوگوں کے لیے ان کو کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے، وہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں، مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ اور اپنی اصلاح کر لی اور (چھپائی ہوئی آیات کی) وضاحت کر دی تو میں ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا انتہائی مہربان ہوں۔"[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عمل اموال سے مراد انصار کا کھیتی باڑی اور شجرکاری میں مصروف ہونا ہے، اس طرح یہ حدیث عنوان کے مطابق ہو جاتی ہے۔[2]

1 البقرة 2:159، 160. 2 فتح الباري: 36/5.

مساقات کا بیان

لغوی طور پر لفظ مساقاۃ سقي سے بنا ہے۔اس کے معنی پانی دینے کے ہیں۔شرعی اصطلاح میں اگر کوئی شخص اپنا تیار شدہ باغ یا درخت کسی شخص کو اس شرط پر دے کہ وہ اسے پانی دے گا اور دیکھ بھال کرے گا، جو پھل ہوگا اسے دونوں تقسیم کرلیں گے تو اس معاملے کو مساقات کہا جاتا ہے۔مساقات دراصل مزارعت ہی کی ایک قسم ہے، فرق صرف یہ ہے کہ زراعت زمین میں ہوتی ہے اور مساقات باغات وغیرہ میں۔ مزارعت کی طرح یہ معاملہ بھی جائز ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فتح خیبر کے بعد وہاں کے باغات یہودیوں کو دے دیے تھے کہ ان باغات میں وہ کام کریں اور جو کچھ پھل ہوں گے ان میں سے نصف ان کو دے دیے جائیں گے۔مساقات کے شرائط وارکان وہی ہیں جو مزارعت کے ہیں لیکن امام بخاری ؒ نے مساقات کو مخصوص اصطلاحی معنوں میں استعمال نہیں کیا بلکہ آپ نے زمین کی آبادکاری کے لیے نظام آبپاشی کی افادیت واہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے مذکورہ عنوان قائم کیا ہے کیونکہ غلے کی پیداوار پانی کی فراہمی اور مناسب آبپاشی پر موقوف ہے۔ جب زمین کو چشموں اور نہروں کے ذریعے سے پانی کی فراوانی حاصل ہوتی ہے تو اناج غذائیت سے بھرپور پیدا ہوتا ہے۔آبپاشی کی اہمیت کے سلسلے میں ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔حضرت محمد بن مسلمہ ؓ، ابن ضحاک کو اپنی زمین سے نہر نکالنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔حضرت عمر ؓ نے ان سے فرمایا: تمھیں اجازت دے دینی چاہیے کیونکہ اس میں تمھارا بھی فائدہ ہے لیکن حضرت محمد بن مسلمہ ؓ اس پر آمادہ نہ ہوئے تو حضرت عمر ؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم! نہر ضرور نکالی جائے گی، خواہ تمھارے پیٹ پر سے ہو کر کیوں نہ گزرے، پھر آپ نے وہاں سے نہر نکالنے کا حکم دیا۔(موطأ امام محمد) اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت راشدہ کے دور میں زمینوں کو آباد کرنے کے لیے آبپاشی کا بندوبست ہوتا تھا۔

چونکہ مزارعت اور بٹائی کے لیے پانی کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اس لیے امام بخاری ؒ نے مساقات کو وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے۔انھوں نے مطلق طور پر اس عنوان کے تحت پانی وغیرہ کے مسائل بیان کیے ہیں۔آپ نے اس میں کل چھتیس احادیث ذکر کی ہیں جن میں پانچ معلق اور اکتیس موصول ہیں۔ ان میں سترہ احادیث مکرر اور انیس خالص ہیں۔ پانچ احادیث کے علاوہ باقی احادیث کو امام مسلم ؒ نے بھی روایت کیا ہے۔مرفوع احادیث کے علاوہ سیدنا عمر ؓ سے مروی دو آثار بھی ذکر کیے ہیں۔امام بخاری ؒ نے ان احادیث وآثار پر تقریباً سترہ عنوان قائم کیے

ہیں۔ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

① پانی پلانے کے احکام۔ ② اپنی زمین میں کنواں کھودنے والا کسی نقصان کا ضامن نہیں ہوگا۔ ③ مسافر کو پانی نہ پلانا گناہ ہے۔ ④ نہروں کی بندش کا بیان۔ ⑤ پانی پلانے کی فضیلت۔ ⑥ نہروں سے لوگوں اور جانوروں کا پانی پینا۔اس عنوان کے تحت بنجر زمین آباد کرنے اور جاگیر دینے کے مسائل بھی ذکر ہوئے ہیں۔

واضح رہے کہ اہل مدینہ کی مخصوص اصطلاح میں مساقات کو معاملہ، مزارعت کو مخابرہ، اجارے کو بیع، مضاربت کو مقارضہ اور نماز کو سجدہ کہا جاتا ہے۔ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ عنوانات اور پیش کردہ احادیث قابل مطالعہ ہیں۔اللہ تعالیٰ انھیں سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے۔ آمین یارب العالمین۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

42 - كِتَابُ الْمُسَاقَاةِ

مساقات سے متعلق احکام و مسائل

[بَابٌ]: فِي الشُّرْبِ.

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ ٱلْمَآءِ كُلَّ شَىْءٍ حَىٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ﴾ [الانبياء: ٣٠] وَقَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿أَفَرَءَيْتُمُ ٱلْمَآءَ ٱلَّذِى تَشْرَبُونَ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ﴾ [الواقعة: ٦٨-٧٠] ﴿أُجَاجًا﴾: مُنْصَبًّا، وَالْأُجَاجُ: اَلْمُرُّ، ﴿ٱلْمُزْنِ﴾: اَلسَّحَابُ، ﴿فُرَاتًا﴾: عَذْبًا.

باب: پانی پینے کا بیان

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے زندگی بخشی، کیا وہ ایمان نہیں لاتے۔'' نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''بھلا جو پانی تم پیتے ہو (کیا اسے بادل سے تم نے اتارا ہے یا ہم اتارنے والے ہیں، اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری بنا دیں) پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے۔'' امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ [اُجَاجٌ] کے معنی کھاری اور [مُزْن] کے معنی بادل ہیں، نیز [فُرَاتًا] کے معنی شیریں ہیں۔

وضاحت: کھیتی باڑی، شجرکاری اور باغبانی میں پانی کی بہت اہمیت ہے۔ اس کے بغیر زندگی برقرار نہیں رہ سکتی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت ان آیات کا انتخاب کیا ہے جن میں پانی کی افادیت و اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ چیز جس میں زندگی کے آثار پائے جاتے ہوں اس کی زندگی کا سبب پانی ہی ہوتا ہے اور اس میں نباتات اور حیوان سب شامل ہیں حتی کہ جمادات میں بھی پانی کا کچھ نہ کچھ حصہ موجود ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کی مضبوطی اور پختگی قائم ہے۔ اگر ان سے پانی کو ختم کر دیا جائے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک عجیب کرشمہ بیان ہوا ہے کہ سمندر کا پانی جس سے بخارات اٹھ کر بادل کی شکل اختیار کرتے ہیں وہ پانی سخت کھاری اور چھاتی جلانے والا ہوتا ہے مگر جو پانی بارش کی شکل میں دوبارہ زمین پر برستا ہے اس میں کھاری پن نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ یہ اللہ کی خاص رحمت ہے ورنہ اس زمین کا کوئی جاندار کھاری پانی پی کر زندہ ہی نہ رہ سکتا اور نہ ایسے پانی سے پیداوار ہی اگ سکتی۔ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ نے

اس عنوان کے تحت ان آیات کا انتخاب کر کے اپنی ذہانت وفقاہت کا ثبوت دیا ہے۔ جو حضرات امام بخاری کے مزاج شناس نہیں وہ خواہ مخواہ ان آیات کے انتخاب پر اعتراض کرتے ہیں جیسا کہ امین احسن اصلاحی نے اس قسم کا انداز اختیار کیا ہے۔[1]

(١) بَابُ مَنْ رَّأَى صَدَقَةَ الْمَاءِ وَهِبَتَهُ وَوَصِيَّتَهُ جَائِزَةً، مَقْسُومًا كَانَ أَوْ غَيْرَ مَقْسُومٍ

باب: 1- جس نے پانی کا صدقہ کرنے، ہبہ کرنے اور اس کے متعلق وصیت کرنے کو جائز خیال کیا، خواہ وہ تقسیم شدہ ہو یا غیر منقسم

وَقَالَ عُثْمَانُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ يَشْتَرِي بِئْرَ رُومَةَ فَيَكُونُ دَلْوُهُ فِيهَا كَدِلَاءِ الْمُسْلِمِينَ؟ فَاشْتَرَاهَا عُثْمَانُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.

حضرت عثمان ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''وہ کون ہے جو بئر رومہ کو خریدے پھر اپنا ڈول اس طرح ڈالے جس طرح دیگر مسلمان ڈالیں؟'' تو اسے حضرت عثمان ؓ نے خرید لیا (اور وقف کر دیا)۔

وضاحت: حضرت عثمان ؓ کے مذکورہ واقعے کو امام ترمذی، امام نسائی اور محدث ابن خزیمہ ؒ نے متصل اسناد سے بیان کیا ہے۔[2] اس سے معلوم ہوا کہ پانی کا صدقہ کرنا جائز ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ پانی میں ملکیت جاری نہیں ہوتی، اس لیے اس کا ہبہ یا صدقہ یا اس کے متعلق وصیت کرنا جائز نہیں۔ امام بخاری ؒ نے اس موقف کی تردید کر کے اس کا جواز ثابت کیا ہے۔[3] پانی کی کئی اقسام ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ وہ پانی جس کا کوئی مالک نہیں ہوتا بلکہ تمام لوگ اس میں شریک ہوتے ہیں جیسا کہ دریا وغیرہ۔ اسے ہر شخص استعمال کر سکتا ہے۔ ○ وہ چشمہ کہ حاکم وقت کسی کو اس کا مالک بنا دے، اس سے دوسرے لوگ بھی پی سکتے ہیں اور اپنے جانوروں کو بھی پلا سکتے ہیں لیکن نالہ کھود کر اس سے اپنی کھیتیاں سیراب نہیں کر سکتے۔ ○ وہ پانی جو برتنوں، ٹینکوں اور مشکیزوں میں محفوظ کر لیا جاتا ہے، وہ پانی صرف اس کا ہے جس نے اسے محفوظ کیا ہے، اس میں اور کسی کا حق نہیں۔ اگر کسی نے ضائع کر دیا تو اسے تاوان دینا ہوگا، لیکن اگر کوئی پیاس سے مر رہا ہو یا اس کی سواری کو پانی کی ضرورت ہو تو اسے پانی سے محروم کرنا جائز نہیں۔ اس آخری قسم کا پانی صدقہ کیا جا سکتا ہے، کسی کو ہبہ بھی دیا جا سکتا ہے۔[4] حضرت عثمان ؓ کے واقعے سے معلوم ہوا کہ کنویں کی خرید وفروخت جائز ہے اور اسے وقف بھی کیا جا سکتا ہے۔ واللہ أعلم.

٢٣٥١ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِقَدَحٍ فَشَرِبَ مِنْهُ وَعَنْ يَمِينِهِ غُلَامٌ أَصْغَرُ الْقَوْمِ

[2351] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک پیالہ پیش کیا گیا اور آپ نے اس سے کچھ نوش فرمایا۔ آپ کی دائیں جانب ایک لڑکا تھا جو حاضرین میں سب سے چھوٹا تھا جبکہ

---

1 تدبر حديث: 115/2. 2 جامع الترمذي، حديث: 3703، وسنن النسائي، الإحباس، حديث: 3638، و صحيح ابن خزيمة: 121/4، حديث: 2492. 3 فتح الباري: 39/5. 4 عمدة القاري: 52/9.

وَالْأَشْيَاخُ عَنْ يَسَارِهِ، فَقَالَ: «يَا غُلَامُ، أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أُعْطِيَهُ الْأَشْيَاخَ؟» قَالَ: مَا كُنْتُ لِأُوثِرَ بِفَضْلِي مِنْكَ أَحَدًا يَا رَسُولَ اللهِ! فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ.

[انظر: ٢٣٦٦، ٢٤٥١، ٢٦٠٢، ٢٦٠٥، ٥٦٢٠]

آپ کی بائیں جانب بزرگ حضرات بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''برخوردار! تم اجازت دیتے ہو کہ میں ان بزرگوں کو یہ پیالہ دے دوں؟'' اس نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ ممکن نہیں کہ آپ کے پس خوردہ پر کسی کو ترجیح دوں، چنانچہ آپ نے وہ پیالہ اسی کو دے دیا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے پانی کی تقسیم کا جواز ثابت ہوا، نیز اس کے حصے کی ملکیت بھی جائز ہے بصورت دیگر اس لڑکے سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ ② یہ بھی معلوم ہوا کہ تقسیم سے پہلے دائیں طرف والوں کا حق فائق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا بچا ہوا پانی لڑکے کو دیا اس سے پانی کا ہبہ کرنا بھی ثابت ہوا۔ واضح رہے کہ حدیث میں مذکور برخوردار حضرت عبداللہ بن عباس ؓ تھے جو اتفاق سے اس وقت رسول اللہ ﷺ کی دائیں جانب بیٹھے تھے، باقی بزرگ حضرات بائیں طرف تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے باقی ماندہ مشروب تقسیم کرنا چاہا تو یہ تقسیم دائیں طرف سے شروع ہونا تھی اور اس کا حق حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کو پہنچتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بائیں جانب والے بزرگوں کا لحاظ کرتے ہوئے ان سے اجازت چاہی تو انھوں نے صاف انکار کر دیا کیونکہ نہ معلوم آپ کا بچا ہوا پانی کب اور کہاں نصیب ہو، اس بنا پر انھوں نے ایثار سے صاف انکار کر دیا۔

٢٣٥٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّهُ حُلِبَتْ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ شَاةٌ دَاجِنٌ وَهِيَ فِي دَارِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَشِيبَ لَبَنُهَا بِمَاءٍ مِّنَ الْبِئْرِ الَّتِي فِي دَارِ أَنَسٍ، فَأُعْطِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْقَدَحَ فَشَرِبَ مِنْهُ، حَتَّى إِذَا نَزَعَ الْقَدَحَ عَنْ فِيهِ وَعَلَى يَسَارِهِ أَبُو بَكْرٍ، وَعَنْ يَمِينِهِ أَعْرَابِيٌّ، فَقَالَ عُمَرُ وَخَافَ أَنْ يُعْطِيَهُ الْأَعْرَابِيَّ: أَعْطِ أَبَا بَكْرٍ يَا رَسُولَ اللهِ عِنْدَكَ، فَأَعْطَاهُ الْأَعْرَابِيَّ الَّذِي عَنْ يَمِينِهِ، ثُمَّ قَالَ: «اَلْأَيْمَنَ فَالْأَيْمَنَ». [انظر: ٢٥٧١، ٥٦١٢، ٥٦١٩]

[2352] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک گھریلو بکری کو دوہا گیا اور وہ بکری حضرت انس ؓ کے گھر میں تھی۔ اس میں ایک کنویں کا پانی ملایا گیا جو حضرت انس ؓ کے گھر میں تھا۔ پھر وہ پیالہ رسول اللہ ﷺ کو پیش کیا گیا۔ آپ نے اس سے نوش فرمایا تا آنکہ آپ نے اپنے دہن (منہ) مبارک سے اسے علیحدہ کیا۔ آپ کی بائیں جانب حضرت ابوبکر ؓ تھے اور دائیں جانب ایک دیہاتی تھا۔ حضرت عمر ؓ نے اس اندیشے کے پیش نظر کہ آپ ﷺ اس دیہاتی کو پیالہ دے دیں گے عرض کیا: اللہ کے رسول! پیالہ ابوبکر ؓ کو دیجیے وہ آپ کے پاس ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے وہ پیالہ اعرابی کو دے دیا جو آپ کے دائیں جانب تھا۔ پھر آپ نے فرمایا: ''دائیں جانب والا زیادہ حق دار ہے، پھر جو اس کے دائیں جانب ہو۔''

فوائد و مسائل: ① حدیث میں ہے کہ تمام مسلمان نمک، گھاس اور پانی میں شریک ہیں۔[1] اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ پانی میں کسی کی ملکیت نہیں ہوتی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس موقف کی تردید فرمائی اور ثابت کیا کہ پانی میں ملکیت جاری ہوتی ہے اور اس کا صدقہ کرنا یا ہبہ کرنا جائز ہے جیسا کہ حدیث بالا سے واضح ہے۔ مسلمان پانی، گھاس اور نمک میں شریک ہیں، اس کا مطلب شرکت ملک نہیں بلکہ شرکت اباحت ہے، یعنی ان میں اجارہ داری نہیں کوئی بھی پہلے جا کر اسے استعمال کر سکتا ہے، اپنے برتن میں ڈال سکتا ہے، اپنے مویشیوں کے لیے کاٹ سکتا ہے۔[2] ② رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر اعرابی کے حق کو مقدم رکھا اور یہی ہونا چاہیے تھا۔ اگر آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ قبول کر لیتے تو اس سے یہ اصول بن جاتا کہ بڑوں کے ہوتے ہوئے چھوٹوں کا حق نہیں رہتا لیکن دین اسلام میں حق کے مقابلے میں کسی کے لیے رعایت نہیں۔ کوئی کتنا بڑا ہو، حق اس سے بھی بڑا ہے، اگر وہ کسی چھوٹے کو پہنچتا ہے تو بڑوں کا فرض ہے کہ اسے فراخ دلی سے منتقل ہونے دیں، لیکن اس دور میں اس قسم کا ایثار کرنا بہت کم ہے۔

(٢) بَابُ مَنْ قَالَ: إِنَّ صَاحِبَ الْمَاءِ أَحَقُّ بِالْمَاءِ حَتَّى يَرْوَى لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ»

باب: 2- پانی کا مالک اس کا زیادہ حق دار ہے حتی کہ سیراب ہو جائے کیونکہ ارشاد نبوی ہے: ''زائد پانی نہ روکا جائے۔''

وضاحت: مذکورہ ارشاد نبوی آئندہ متصل سند سے بیان ہوگا۔ زائد پانی سے مراد وہ پانی ہے جو آدمی کی ذاتی، اہل خانہ اور اس کے مویشیوں کی ضرورت سے زائد ہو۔ پانی کا مالک بن جانا اس بات کی دلیل ہے کہ پانی مملوک بھی ہو سکتا ہے۔

٢٣٥٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُمْنَعَ بِهِ الْكَلَأُ». [انظر: ٢٣٥٤، ٦٩٦٢]

[2353] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فالتو پانی نہ روکا جائے کہ اس طرح زائد گھاس بچانا مقصود ہو۔''

٢٣٥٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا تَمْنَعُوا فَضْلَ الْمَاءِ

[2354] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ضرورت سے زائد پانی سے کسی کو اس غرض سے نہ روکو کہ (اس طرح) تم ضرورت سے زائد گھاس کو بچاؤ۔''

① سنن ابن ماجه، الرهون، حديث: 2472. ② عمدة القاري: 52/9.

لِتَمْنَعُوا بِهِ فَضْلَ الْكَلَإِ» . [راجع: ٢٣٥٣]

فوائدومسائل: ① پانی کو اس وقت روکنا ممنوع ہے جب وہ پانی مالک کی ضروریات سے زائد ہو۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ جب پانی ضروریات سے زائد نہ ہو تو اس کا روکنا جائز ہے۔ زائد پانی وہ ہے جو مالک، اس کے اہل وعیال، کاشتکاری اور مویشیوں کی ضروریات سے فالتو ہو، نیز اس سے مراد وہ پانی ہے جو برتنوں میں محفوظ نہ ہو کیونکہ برتن میں محفوظ زائد پانی کا دینا ضروری نہیں الا یہ کہ پانی لینے والا انتہائی مجبور ہو۔ ② ایک شخص جب کنواں بناتا تو اس کے اطراف میں ایک رقبہ مخصوص ہو جاتا جہاں جانور آتے اور پانی پیتے، کنویں کے پانی سے سیراب ہو کر آس پاس گھاس بھی اگ آتی۔ اب کنویں والے گھاس کی حفاظت کا بہانہ بنا کر فالتو پانی روک لیتے رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا دیا۔ ابن بطال نے کہا ہے کہ پانی کا مالک خود اور اپنی فصل کے سیراب ہونے تک زیادہ حق دار ہے، اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب پانی میں حق ملکیت کو تسلیم کیا جائے گا، جمہور اسی بات کے قائل ہیں کہ پانی ایسی مشترک چیز نہیں جس کا کوئی مالک نہ ہو۔[1] الغرض زائد از ضرورت پانی کسی طرح بھی ہوا سے روکنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

(٣) بَابُ مَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِي مِلْكِهِ لَمْ يَضْمَنْ

باب: 3- جس نے اپنی مملوکہ زمین میں کنواں کھودا تو وہ اس کی وجہ سے ہونے والے نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوگا

٢٣٥٥ - حَدَّثَنِي مَحْمُودٌ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلْمَعْدِنُ جُبَارٌ، وَالْبِئْرُ جُبَارٌ، وَالْعَجْمَاءُ جُبَارٌ، وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ» . [راجع: ١٤٩٩]

[2355] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کان میں کوئی حادثہ ہو جائے تو کوئی معاوضہ نہیں، اسی طرح کنویں کی وجہ سے پہنچنے والے نقصان اور جانور سے پہنچنے والی تکلیف پر بھی کوئی تاوان نہیں ہوگا۔ اور زمین کے دفینے سے پانچواں حصہ دینا ہوگا۔''

فوائدومسائل: ① ایک شخص نے اپنی زمین میں کنواں کھودا تا کہ وہ خود اور دوسرے لوگ اس سے مستفید ہوں، اگر کسی کی بکری اس میں گر کر مر جاتی ہے تو کنویں کا مالک اس کا ضامن نہیں ہوگا بشرطیکہ اس کی سازش کو اس میں کوئی دخل نہ ہو۔ اگر ثابت ہو جائے کہ اس نے دانستہ کوتاہی کا ارتکاب کیا ہے تو اس کے خلاف کارروائی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح کان میں انسان اور مویشی بھی مر سکتے ہیں، اس پر بھی کوئی تاوان یا انتقام نہیں، نیز جانور اگر کسی کو سینگ مارتا ہے تو اس نقصان کی کوئی تلافی نہیں ہوگی۔ ② جب

[1] فتح الباري: 40/5.

کنویں میں گرنے والے کے خون کا ذمہ دار مالک نہیں ہے کیونکہ اس میں مداخلت کرنے کا کسی کو حق نہیں تھا تو پانی کے متعلق بھی یہی ضابطہ ہوگا کہ اس میں بھی کسی کو مداخلت کرنے کا حق نہیں۔ جب پانی اس کی ضروریات ہی پوری کرتا ہے تو دوسروں کی ضروریات پر اسے صرف کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا، البتہ جب کوئی مجبور اور لاچار ہو تو اس پر خرچ کرنا ضروری ہے۔

(٤) بَابُ الْخُصُومَةِ فِي الْبِئْرِ وَالْقَضَاءِ فِيهَا

باب: 4- کنویں کے بارے میں جھگڑنا اور اس کے متعلق فیصلہ کرنا

٢٣٥٦، ٢٣٥٧ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِينٍ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ هُوَ عَلَيْهَا فَاجِرٌ، لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ»، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ ٱللَّهِ وَأَيْمَـٰنِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ اَلْآيَةَ [آل عمران: ٧٧]، فَجَاءَ الْأَشْعَثُ فَقَالَ: مَا حَدَّثَكُمْ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ؟ فِيَّ أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ، كَانَتْ لِي بِئْرٌ فِي أَرْضِ ابْنِ عَمٍّ لِي، فَقَالَ لِي: «شُهُودَكَ» قُلْتُ: مَا لِي شُهُودٌ، قَالَ: «فَيَمِينُهُ»، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ إِذًا يَحْلِفَ، فَذَكَرَ النَّبِيُّ ﷺ هٰذَا الْحَدِيثَ، فَأَنْزَلَ اللهُ ذٰلِكَ تَصْدِيقًا لَهُ». [الحديث: ٢٣٥٦، انظر: ٢٤١٦، ٢٥١٥، ٢٦٦٦، ٢٦٦٩، ٢٦٧٣، ٢٦٧٦، ٤٥٤٩، ٦٦٥٩، ٦٦٧٦، ٧١٨٣، ٧٤٤٥]، [الحديث: ٢٣٥٧، انظر: ٢٤١٧، ٢٥١٦، ٢٦٦٧، ٢٦٧٠، ٢٦٧٧، ٤٥٥٠، ٦٦٦٠، ٦٦٧٧، ٧١٨٤]

[2357,2356] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جس نے کسی مسلمان کا مال ہڑپ کرنے کے لیے کوئی قسم اٹھائی جبکہ وہ اس میں جھوٹا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر غضبناک ہوگا۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی جھوٹی قسموں کے عوض تھوڑا سا دنیوی مال حاصل کر لیتے ہیں (تو ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا)۔'' اس کے بعد حضرت اشعث بن قیس ؓ آئے تو انھوں نے کہا: تمھیں ابوعبدالرحمٰن (عبداللہ بن مسعود ؓ) کیا بیان کر رہے تھے؟ یہ آیت تو میرے متعلق نازل ہوئی تھی۔ واقعہ یہ تھا کہ میرے چچا زاد کی زمین میں میرا ایک کنواں تھا۔ (ہمارا اس کے متعلق جھگڑا ہو گیا تو) آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ''تیرے پاس گواہ ہیں؟'' میں نے عرض کیا: گواہ تو نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''پھر (فریق ثانی سے) قسم لی جائے گی۔'' میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! وہ تو قسم کھا جائے گا۔ اس وقت نبی ﷺ نے یہ حدیث بیان فرمائی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب کنویں کا جھگڑا پیش ہوا تو آپ نے مدعی سے گواہ طلب کیے۔ جب

وہ گواہ پیش کرنے سے عاجز آ گیا تو آپ نے مدعا علیہ سے قسم طلب کی کیونکہ اسلام کا عدالتی قانون ہے کہ مدعی اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لیے گواہ پیش کرے جبکہ قسم اٹھانا مدعی علیہ کا حق ہے۔ چونکہ شہادت حق اس امت کا امتیاز ہے، اس لیے جھوٹ بولنا، جھوٹی قسم اٹھانا اور جھوٹی گواہی دینا کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ کنوؤں میں ملکیت جاری ہوتی ہے، عدالت اس سے متعلقہ مقدمات سننے کی مجاز ہے، پھر اسے حق کے مطابق فیصلہ کرنے کا بھی اختیار ہے۔ اگر یہ تمام لوگوں کے لیے مشترکہ متاع ہے تو اس کے متعلق مقدمہ کیا ہو سکتا ہے، عدالت کیا سماعت کر سکتی ہے؟ ③ ہمارے معاشرے میں فریقین کے جھگڑے کا فیصلہ پنچائیت میں اکثر و بیشتر اس طرح کیا جاتا ہے کہ کوئی تیسرا فرد مدعا علیہ کی طرف سے قسم دیتا ہے، یہ طریقہ اس حدیث کے مخالف ہونے کی وجہ سے سراسر غلط ہے۔ قسم مدعا علیہ ہی دے گا اور مدعی کو اس کی قسم کا اعتبار کرنا چاہیے اگر وہ جھوٹی قسم اٹھاتا ہے تو اللہ کے ہاں سزا پائے گا۔

(٥) بَابُ إِثْمِ مَنْ مَنَعَ ابْنَ السَّبِيلِ مِنَ الْمَاءِ

٢٣٥٨ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «ثَلَاثَةٌ لَّا يَنْظُرُ اللهُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: رَجُلٌ كَانَ لَهُ فَضْلُ مَاءٍ بِالطَّرِيقِ فَمَنَعَهُ مِنَ ابْنِ السَّبِيلِ، وَرَجُلٌ بَايَعَ إِمَامَهُ لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِدُنْيَا، فَإِنْ أَعْطَاهُ مِنْهَا رَضِيَ وَإِنْ لَّمْ يُعْطِهِ مِنْهَا سَخِطَ، وَرَجُلٌ أَقَامَ سِلْعَتَهُ بَعْدَ الْعَصْرِ فَقَالَ: وَاللهِ الَّذِي لَا إِلَٰهَ غَيْرُهُ لَقَدْ أَعْطَيْتُ بِهَا كَذَا وَكَذَا، فَصَدَّقَهُ رَجُلٌ»، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ ٱللَّهِ وَأَيْمَـٰنِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ [آل عمران:٧٧]. [انظر: ٢٣٦٩، ٢٦٧٢، ٧٢١٢، ٧٤٤٦]

باب: 5- اس شخص کا گناہ جو کسی مسافر کو پانی سے منع کرتا ہے

[2358] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین شخص ایسے ہیں جنھیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظر کرم سے نہیں دیکھے گا اور نہ ان کو پاک ہی کرے گا بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا: ایک وہ شخص جس کے پاس لوگوں کے راستے میں فالتو پانی ہو اور وہ مسافروں کو نہ دے۔ دوسرا وہ شخص جو امام کی بیعت صرف حصول دنیا کے لیے کرے۔ اگر امام اسے کچھ دے تو اس سے راضی رہے اور اگر نہ دے تو اس سے ناراض ہو جائے۔ تیسرا وہ شخص جو اپنا سامانِ فروخت لے کر نماز عصر کے بعد بیٹھ جائے اور کہے: اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں! مجھے اس سامان کے عوض اتنا اتنا مال دیا جاتا ہے تو خریدار نے اس کی بات مان لی اور اس سے مال خرید لیا۔'' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی جھوٹی قسموں کے عوض کچھ دنیوی مال حاصل کر لیتے ہیں (تو ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی

حصہ نہیں ہوگا)۔"

فوائد و مسائل: ① حدیث میں عصر کے بعد قسم اٹھانے کا ذکر ہے کیونکہ اس وقت عموماً لوگ تجارت میں زیادہ مصروف ہوتے ہیں، بصورت دیگر یہ حکم عام ہے۔ ہر وقت جھوٹی قسم اٹھانے پر مذکورہ وعید ہے۔ ② فالتو پانی سے پیاسے مسافروں کو محروم کرنے والا انسانیت کا دشمن اور اخلاق کا باغی ہے۔ ایسے انسان کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے۔ ایک پیاسے مسافر کو دیکھ کر دل نرم ہونا چاہیے کیونکہ اس کی جان خطرے میں ہے، اسے پانی پلانا چاہیے نہ کہ اسے محروم کر کے موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا کر دیا جائے کیونکہ چلتے راستہ میں کسی اور ذریعے سے پانی ملنا ممکن نہیں ہوتا۔ واضح رہے کہ اگر کسی کے پاس بقدر ضرورت پانی ہے تو وہ مسافر کی نسبت اس کا زیادہ حق دار ہے۔ واللہ أعلم.

(٦) بَابُ سَكْرِ الْأَنْهَارِ

باب: 6- نہروں کو بند کرنا، یعنی نہروں کا پانی روکنا

٢٣٥٩، ٢٣٦٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ: عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّهُ حَدَّثَهُ أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فِي شِرَاجِ الْحَرَّةِ الَّتِي يَسْقُونَ بِهَا النَّخْلَ، فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: سَرِّحِ الْمَاءَ يَمُرُّ، فَأَبَى عَلَيْهِ، فَاخْتَصَمَا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِلزُّبَيْرِ: «اِسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ»، فَغَضِبَ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ: أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ؟ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُولِ اللهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ: «اِسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ»، فَقَالَ الزُّبَيْرُ: وَاللهِ إِنِّي لَأَحْسِبُ هٰذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ فِي ذٰلِكَ: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ [النساء: ٦٥]

[2360،2359] حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ ایک انصاری نے حضرت زبیر ؓ کے خلاف نبی ﷺ کی خدمت میں حرہ کے برساتی نالے کے متعلق مقدمہ پیش کیا جس سے وہ اپنے کھجور کے درختوں کو سیراب کیا کرتے تھے۔ انصاری نے کہا کہ پانی چھوڑے رکھو کہ چلتا رہے لیکن حضرت زبیر ؓ نے اس کا مطالبہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ نبی ﷺ کے حضور دونوں مقدمہ لے کر حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر ؓ سے فرمایا: "اے زبیر! (اپنا نخلستان) سیراب کر کے پھر پانی اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ دو۔" یہ سن کر انصاری ناراض ہو کر کہنے لگا: یہ (فیصلہ آپ نے) اس بنا پر (کیا ہے) کہ وہ آپ کا پھوپھی زاد بھائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا، پھر آپ نے فرمایا: "اے زبیر! اپنے باغ کو سیراب کرو اور پھر پانی روکے رکھو یہاں تک کہ وہ منڈیر تک چڑھ جائے۔" حضرت زبیر ؓ نے کہا: اللہ کی قسم! یہ آیت اسی بارے میں نازل ہوئی ہے: "نہیں نہیں تیرے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے

جب تک اپنے درمیان ہونے والے جھگڑوں میں آپ کو حاکم نہ تسلیم کر لیں۔"

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَبَّاسِ: قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: لَيْسَ أَحَدٌ يَذْكُرُ عُرْوَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ إِلَّا اللَّيْثُ فَقَطْ. [انظر: ٢٣٦١، ٢٣٦٢، ٢٧٠٨، ٤٥٨٥]

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ سند کے متعلق) فرماتے ہیں کہ عروہ عن عبداللہ کی سند سے لیث کے علاوہ اور کوئی اس حدیث کو بیان نہیں کرتا۔

فوائد ومسائل: ① نہریں دو قسم کی ہوتی ہیں: مملوک اور غیر مملوک۔ جو غیر مملوک ہیں ان کی پھر دو قسمیں ہیں: ایک بڑے دریا جیسے راوی اور چناب وغیرہ اور دوسرے چھوٹے چھوٹے برساتی نالے جو بارش وغیرہ سے بہہ پڑتے ہیں۔ عنوان سے مراد برساتی اور قدرتی نالے ہیں۔ ان میں پانی محض اللہ کے فضل سے آتا ہے۔ اس میں کسی کی محنت کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس میں عوام شریک ہوتے ہیں، بظاہر ان میں کسی کو کسی وقت رکاوٹ پیدا نہیں کرنی چاہیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان برساتی نالوں کے پانی کو ضرورت کے وقت روکنے کا جواز ثابت کیا ہے۔ ② واضح رہے کہ "حرہ" پتھریلی زمین کو کہتے ہیں۔ مدینہ طیبہ کے مشرق و مغرب میں زمین آتش فشانی لاوے پر مشتمل ہے۔ اسی علاقے کو "حرہ" کہتے ہیں۔ وہاں ایک برساتی نالا بہتا تھا جس سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اپنی زمین سیراب کرتے تھے۔ ان کا باغ بالائی علاقے میں تھا اور ایک انصاری کا باغ نشیبی علاقے میں، اس لیے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پانی روک کر اپنے باغ کو سیراب کرتے تھے جبکہ انصاری کا مطالبہ تھا کہ پانی روکا نہ جائے بلکہ اسے جاری رکھا جائے۔ اس سے آگے وہی تفصیل ہے جسے حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ ③ اس سے معلوم ہوا کہ بالائی علاقے پر واقع باغ کو سیراب کرنے کے لیے برساتی نالے کو روکا جا سکتا ہے تاکہ پانی پودوں کی جڑوں تک پہنچ جائے۔ جو ندی نالے وادیوں سے نکلیں یا بارش آنے سے بہہ پڑیں ان کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ جس کی زمین اوپر ہوگی اس کا حق ہے کہ پانی روک کر اپنی زمین کو سیراب کرے، اس قدر بندش کرے کہ پانی فصل کی جڑوں تک کے لیے کافی ہو پھر نیچے والے کے لیے اسے چھوڑ دے۔

(٧) بَابُ شُرْبِ الْأَعْلَى قَبْلَ الْأَسْفَلِ

باب: 7- جس کا کھیت بلندی پر ہو وہ نیچے والے سے پہلے سیراب کرے

٢٣٦١ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ قَالَ: خَاصَمَ الزُّبَيْرُ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَا زُبَيْرُ! اِسْقِ ثُمَّ أَرْسِلْ»، فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: إِنَّهُ ابْنُ عَمَّتِكَ؟ فَقَالَ عَلَيْهِ

[2361] حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا انصار کے ایک آدمی سے جھگڑا ہو گیا تو نبی ﷺ نے حکم دیا: "اے زبیر! تم اپنا کھیت سیراب کرنے کے بعد پانی چھوڑ دیا کرو۔" اس پر انصاری نے کہا: آپ نے یہ فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ وہ آپ کا پھوپھی زاد بھائی

السَّلَامُ: «اِسْقِ يَا زُبَيْرُ حَتَّى يَبْلُغَ الْجَدْرَ ثُمَّ أَمْسِكْ»، قَالَ الزُّبَيْرُ: فَأَحْسِبُ هٰذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ فِي ذٰلِكَ: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ [النساء: ٦٥].

[راجع: ٢٣٥٩]

ہے۔ تب آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''اے زبیر! تم اپنے کھیت کو سیراب کرو، یہاں تک کہ پانی منڈیر تک پہنچ جائے، اتنی دیر تک پانی روکے رکھو۔'' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرے گمان کے مطابق یہ آیت اس معاملے کے متعلق نازل ہوئی ہے: ''نہیں نہیں، مجھے تیرے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے اختلافات میں تجھے حکم نہ تسلیم کرلیں۔''

فوائدومسائل: ① زمیندار لوگ جانتے ہیں کہ باغ کے لیے اتنا پانی کھڑا کیا جاتا ہے کہ درختوں کی جڑوں تک پانی جذب ہوکر پہنچ جائے۔ ظاہر ہے کہ اتنا پانی کھڑا کرنے کے لیے اسے کچھ دیر روکنا پڑے گا۔ پانی سے اپنے باغ کو سیراب کرنا اور برساتی نالے کا پانی روک لینا پہلے اس کا حق ہے جس کا باغ یا کھیت بالائی علاقے میں ہو۔ ② بڑے بڑے دریاؤں کے پانی میں کسی کو مزاحمت نہیں کرنی چاہیے۔ ان میں ہر ایک کو حق ہے جب چاہے، جتنا چاہے، جیسے چاہے اس سے پانی لے سکتا ہے۔ یہ حکم برساتی نالوں اور وادیوں سے بہنے والے پانی کے متعلق ہے کہ اوپر والے پانی استعمال کر کے نیچے والوں کے لیے چھوڑ دیں، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(٨) بَابُ شُرْبِ الْأَعْلَى إِلَى الْكَعْبَيْنِ

باب: 8- بلند کھیت والے کے لیے پانی کا اتنا حصہ ہے کہ اسے ٹخنوں تک بھرے

٢٣٦٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيدَ الْحَرَّانِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ حَدَّثَهُ: أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ فِي شِرَاجٍ مِّنَ الْحَرَّةِ لِيَسْقِيَ بِهَا النَّخْلَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اِسْقِ يَا زُبَيْرُ - فَأَمَرَهُ بِالْمَعْرُوفِ - ثُمَّ أَرْسِلْهُ إِلَى جَارِكَ»، فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ؟ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُولِ اللهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ: «اِسْقِ ثُمَّ احْبِسْ حَتَّى يَرْجِعَ الْمَاءُ إِلَى الْجَدْرِ»، وَاسْتَوْعَى لَهُ حَقَّهُ،

[2362] حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ انصار کے ایک آدمی کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقام حرہ کے ایک برساتی نالے سے اپنے نخلستان کو سیراب کرنے کے متعلق جھگڑا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے زبیر! پانی پلاؤ پھر اسے اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دو۔'' آپ نے دستور کے مطابق ایسا کرنے کا حکم دیا، لیکن انصاری نے کہا: یہ اس وجہ سے کہ وہ (زبیر رضی اللہ عنہ) آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، پھر آپ نے فرمایا: ''زبیر! اپنے درختوں کو سیراب کرو، پھر پانی روک لو تاآنکہ وہ منڈیر پر چڑھ جائے۔'' حضرت زبیر

فَقَالَ الزُّبَيْرُ: وَاللهِ إِنَّ هٰذِهِ الْآيَةَ أُنْزِلَتْ فِي ذٰلِكَ: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ [النساء: ٦٥]

ﷺ کا جو واجبی حق تھا وہ آپ نے دلا دیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! یہ آیت اس معاملے کے متعلق نازل ہوئی: ''نہیں نہیں، تمھارے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو حکم تسلیم نہ کرلیں۔''

فَقَالَ لِي ابْنُ شِهَابٍ: فَقَدَّرَتِ الْأَنْصَارُ وَالنَّاسُ قَوْلَ النَّبِيِّ ﷺ: «اِسْقِ ثُمَّ احْبِسْ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ» وَكَانَ ذٰلِكَ إِلَى الْكَعْبَيْنِ. اَلْجَدْرُ هُوَ: الْأَصْلُ. [راجع: ٢٣٥٩]

ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ انصار اور دوسرے لوگوں نے ارشاد نبوی ''پانی کو روک لو تاآنکہ وہ منڈیر پر چڑھ جائے'' کا یہ اندازہ کیا کہ پانی کی مقدار دونوں ٹخنوں تک ہونی چاہیے۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے پہلے جو فیصلہ کیا وہ اس وقت کے رائج دستور کے مطابق تھا اور آپ نے درمیانی راستہ اختیار کیا جس میں پڑوسی کی رعایت ملحوظ تھی لیکن جب انصاری اس پر راضی نہ ہوا بلکہ اس نے برہمی کا اظہار کیا تو آپ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا پورا پورا حق عطا فرمایا۔ ② جب لوگوں نے دیکھا کہ منڈیر اور دیوار کا طول وعرض مختلف ہوتا ہے تو پیش آمدہ واقعے کو سامنے رکھتے ہوئے ٹخنوں تک کی مقدار مقرر کر دی۔ مقصد یہ ہے کہ بلند کھیت والے کا پانی میں اتنا حق ہے کہ وہ فصل کی جڑوں تک کے لیے کافی ہو، پھر اس پانی کو نیچے والے کے لیے چھوڑے گا، پانی اسی ترتیب سے آگے چلے گا یہاں تک کہ وہ ختم ہو جائے۔ گویا قانونی طور پر اصول یہ قرار پایا کہ کھیت میں ٹخنوں تک پانی کا بھر جانا اس کا سیراب ہونا ہے۔ ③ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کے سامنے بلا چون وچرا سر تسلیم خم کر دینا ہی ایمان کی علامت ہے۔ اگر اس کے متعلق ذرہ بھر بھی دل میں تنگی محسوس کی تو ایمان کی خیر نہیں، یعنی اس کا دل ایمان سے فارغ ہے۔

(٩) بَابُ فَضْلِ سَقْيِ الْمَاءِ

باب:9- پانی پلانے کی فضیلت

٢٣٦٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «بَيْنَا رَجُلٌ يَمْشِي فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ فَنَزَلَ بِئْرًا فَشَرِبَ مِنْهَا، ثُمَّ خَرَجَ فَإِذَا هُوَ بِكَلْبٍ يَلْهَثُ، يَأْكُلُ الثَّرَى مِنَ الْعَطَشِ، فَقَالَ: لَقَدْ

[2363] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک شخص جا رہا تھا، اس کو سخت پیاس لگی تو وہ ایک کنویں میں اترا اور اس سے پانی پیا۔ جب وہ باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی وجہ سے ہانپتے ہوئے گیلی مٹی چاٹ رہا ہے۔ اس شخص نے (دل میں) کہا کہ اسے بھی شدت پیاس سے وہی اذیت ہے جو مجھے تھی۔ اس

بَلَغَ هٰذَا مِثْلُ الَّذِي بَلَغَ بِي، فَمَلَأَ خُفَّهُ ثُمَّ أَمْسَكَهُ بِفِيهِ، ثُمَّ رَقِيَ فَسَقَى الْكَلْبَ، فَشَكَرَ اللهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ». قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا؟ قَالَ: «فِي كُلِّ كَبِدٍ رَّطْبَةٍ أَجْرٌ».

نے اپنا موزہ پانی سے بھرا اور اسے منہ میں لیکر اوپر چڑھا اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی قدردانی کرتے ہوئے اس کو معاف کر دیا۔" صحابۂ کرام نے پوچھا: اللہ کے رسول! کیا ہمیں چوپایوں کی خدمت کرنے میں بھی اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: "ہر وہ جگر جو زندہ ہے، اس کی خدمت میں اجر ہے۔"

تَابَعَهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَالرَّبِيعُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ. [راجع: ١٧٣]

حماد بن سلمہ اور ربیع بن مسلم نے محمد بن زیاد سے اس حدیث کی متابعت ذکر کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے: "اللہ تعالیٰ نے اس کی نیکی قبول کرتے ہوئے اسے جنت میں داخل فرما دیا۔"[1] ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جاندار مخلوق پر شفقت و مہربانی کرنی چاہیے، خاص طور پر لوگوں سے بھلائی کرنے میں بہت فضیلت ہے کیونکہ جب پیاسے کتے کو پانی پلانا باعث مغفرت ہے تو انسانوں کی خدمت کرنے میں عظیم اجر و ثواب کی امید رکھنی چاہیے۔ اس سے پانی پلانے کی فضیلت کا بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ عمل اللہ کے ہاں کس قدر قدر و منزلت کا باعث ہے۔[2]

٢٣٦٤ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنَا نَافِعُ ابْنُ عُمَرَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى صَلَاةَ الْكُسُوفِ فَقَالَ: «دَنَتْ مِنِّي النَّارُ حَتَّى قُلْتُ: أَيْ رَبِّ وَأَنَا مَعَهُمْ، فَإِذَا امْرَأَةٌ - حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: - تَخْدِشُهَا هِرَّةٌ، قَالَ: مَا شَأْنُ هٰذِهِ؟ قَالُوا: حَبَسَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ جُوعًا». [راجع: ٧٤٥]

[2364] حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سورج گہن کی نماز پڑھائی تو فرمایا: "دوزخ میرے قریب ہوئی یہاں تک کہ میں نے عرض کیا: اے میرے رب! میں بھی ان کے ساتھ ہوں۔ اتنے میں ایک عورت دکھائی دی ...... میں سمجھتی ہوں آپ نے فرمایا: ...... بلی اس کو نوچ رہی تھی۔ آپ نے پوچھا: اس کا کیا ماجرا ہے؟ جواب ملا کہ اس عورت نے بلی کو باندھ رکھا تھا یہاں تک کہ وہ بھوک سے مر گئی؟"

٢٣٦٥ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَّافِعٍ، عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ

[2365] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایک عورت کو عذاب دیا گیا، وہ بھی ایک

① صحيح البخاري، الوضوء، حديث: 173. 2 فتح الباري: 5/53.

عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ، حَبَسَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ جُوعًا، فَدَخَلَتْ فِيهَا النَّارَ، قَالَ: فَقَالَ - وَاللهُ أَعْلَمُ -: لَا أَنْتِ أَطْعَمْتِيهَا وَلَا سَقَيْتِيهَا حِينَ حَبَسْتِيهَا، وَلَا أَنْتِ [أَرْسَلْتِيهَا] فَأَكَلَتْ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ». [انظر: ٣٣١٨، ٣٤٨٢]

بلی کے باعث جسے اس نے باندھ رکھا تھا حتی کہ وہ بھوک کی وجہ سے مرگئی۔ اس بنا پر وہ عورت جہنم میں داخل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، حالانکہ وہ خوب جانتا ہے: تو نے اسے کھلایا نہ پلایا جبکہ تو نے اسے باندھے رکھا، اس کو چھوڑا بھی نہیں کہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھا لیتی۔"

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کو اس عالم رنگ و بو میں کئی ایک ایسے مشاہدے کرائے گئے جو مستقبل میں پیش آنے والے ہیں، ان میں سے ایک مذکورہ حدیث میں بیان ہوا ہے۔ ان احادیث کے مطابق ایک بلی کو بھوکا اور پیاسا رکھنے کی وجہ سے عورت کو عذاب دیا گیا۔ اگر وہ اسے کھلاتی اور پلاتی تو عذاب نہ ہوتا۔ اس سے پانی پلانے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ ② آخری حدیث میں عورت کے جرم کی نوعیت بتائی گئی ہے کہ اس عورت کی طبیعت ہی اذیت رسانی کی تھی کیونکہ کوئی شخص اتفاقاً ایسا نہیں کرتا جیسا کہ اس عورت نے بلی کے ساتھ کیا۔ اس واقعے سے اس عورت کے مزاج کا پتہ چلتا ہے۔

(١٠) بَابُ مَنْ رَأَى أَنَّ صَاحِبَ الْحَوْضِ أَوِ الْقِرْبَةِ أَحَقُّ بِمَائِهِ

باب: 10- حوض اور مشکیزے کا مالک اپنے پانی کا زیادہ حق دار ہے

٢٣٦٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِقَدَحٍ، فَشَرِبَ وَعَنْ يَمِينِهِ غُلَامٌ وَهُوَ أَحْدَثُ الْقَوْمِ، وَالْأَشْيَاخُ عَنْ يَسَارِهِ، قَالَ: «يَا غُلَامُ! أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أُعْطِيَ الْأَشْيَاخَ؟» فَقَالَ: مَا كُنْتُ لِأُوثِرَ بِنَصِيبِي مِنْكَ أَحَدًا يَا رَسُولَ اللهِ! فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ. [راجع: ٢٣٥١]

[2366] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پانی کا ایک پیالہ لایا گیا تو آپ نے اس سے نوش فرمایا۔ آپ کی دائیں جانب ایک نوعمر لڑکا تھا جبکہ بزرگ حضرات آپ کی بائیں جانب تھے۔ آپ نے فرمایا: "برخوردار! مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں یہ پیالہ بزرگوں کو دے دوں؟" اس نے کہا: اللہ کے رسول! میں اپنے اس حصے پر جو آپ کی طرف سے میرے نصیب میں ہے کسی کو ترجیح دینے پر راضی نہیں، تو آپ نے وہ پیالہ اسی کو دے دیا۔

فوائد ومسائل: ① شارح بخاری ابن منیر کہتے ہیں کہ جب دائیں جانب بیٹھنے والا صرف دائیں جانب ہونے کی وجہ سے اس پیالے کا زیادہ حق دار ہوا تو جس نے حوض بنایا اور مشکیزہ تیار کیا وہ بطریق اولیٰ پہلے اس پانی کا حق دار ہوگا۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی عنوان سے مناسبت بایں طور ہے کہ حوض اور مشکیزے کے پانی کو پیالے کے پانی پر قیاس کیا۔ اگر

دائیں جانب والا پیالے کا حق دار نہ ہوتا تو آپ اس سے اجازت کیوں طلب کرتے۔[1]

٢٣٦٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَذُودَنَّ رِجَالًا عَنْ حَوْضِي كَمَا تُذَادُ الْغَرِيبَةُ مِنَ الْإِبِلِ عَنِ الْحَوْضِ».

[2367] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! (قیامت کے دن) میں اپنے حوض سے بہت سارے لوگوں کو اس طرح دفع کروں گا جس طرح اجنبی اونٹ حوض پر سے ہانک دیے جاتے ہیں۔''

فائدہ: رسول اللہ ﷺ نے اس حوض والے پر انکار نہیں کیا جو اجنبی اونٹوں کو اپنے حوض سے ہانک دیتا ہے۔ اگر وہ اپنے حوض کے پانی کا زیادہ حق دار نہ ہو تو وہ یہ اقدام کیونکر کر سکتا ہے، نیز اس حدیث میں حوض کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی گئی ہے اور آپ اپنوں کو پلانے اور دوسروں کو بھگانے کے زیادہ حق دار ہیں۔ قیامت کے دن آپ اللہ کی طرف سے عطا کردہ اختیارات استعمال فرمائیں گے۔[2]

٢٣٦٨ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ أَيُّوبَ وَكَثِيرِ بْنِ كَثِيرٍ، يَزِيدُ أَحَدُهُمَا عَلَى الْآخَرِ، عَنْ سَعِيدِ ابْنِ جُبَيْرٍ قَالَ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَرْحَمُ اللهُ أُمَّ إِسْمَاعِيلَ، لَوْ تَرَكَتْ زَمْزَمَ - أَوْ قَالَ: لَوْ لَمْ تَغْرِفْ مِنَ الْمَاءِ - لَكَانَتْ عَيْنًا مَّعِينًا، وَأَقْبَلَ جُرْهُمُ فَقَالُوا: أَتَأْذَنِينَ أَنْ نَّنْزِلَ عِنْدَكِ؟ قَالَتْ: نَعَمْ وَلَا حَقَّ لَكُمْ فِي الْمَاءِ، قَالُوا: نَعَمْ».

[انظر: ٣٣٦٢، ٣٣٦٣، ٣٣٦٤، ٣٣٦٥]

[2368] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ پر رحم کرے! اگر وہ زم زم کو چھوڑ دیتیں..... یا فرمایا: اگر وہ اس میں سے چلو بھر بھر کر پانی نہ لیتیں..... تو وہ ایک جاری چشمہ ہوتا۔ قبیلۂ جرہم کے لوگ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے: کیا آپ اجازت دیتی ہیں کہ ہم آپ کے قریب پڑاؤ کر لیں؟ تو انھوں نے فرمایا: ہاں، (اجازت ہے) لیکن پانی میں تمھارا کوئی حق نہیں ہوگا۔ انھوں نے کہا: ٹھیک ہے۔''

فوائد و مسائل: ① اگرچہ آب زمزم حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ٹھوکر سے جاری ہوا تھا، تاہم وہ ام اسماعیل ہی کا تھا۔ جرہم قبیلے کے لوگوں سے ام اسماعیل نے کہا: تم یہاں پڑاؤ کر سکتے ہو لیکن پانی پر تمھارا کوئی دعویٰ نہیں ہوگا۔ چونکہ وہ لوگ معاملے کی اہمیت کو خوب سمجھتے تھے، اس لیے انھوں نے ام اسماعیل کے حق کو تسلیم کر لیا۔ ② علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر کوئی جنگل میں پانی

1. فتح الباري: 55/5. 2. فتح الباري: 55/5.

کا کنواں کھودے اور پانی نکالے تو وہ اس کا مالک بن جاتا ہے، پھر دوسرا کوئی اس کی رضامندی کے بغیر اس کنویں میں شریک نہیں ہوسکتا۔[1]

٢٣٦٩ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «ثَلَاثَةٌ لَّا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ: رَجُلٌ حَلَفَ عَلَى سِلْعَةٍ لَّقَدْ أَعْطَى بِهَا أَكْثَرَ مِمَّا أَعْطَى وَهُوَ كَاذِبٌ، وَرَجُلٌ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ كَاذِبَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ، لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ، وَرَجُلٌ مَّنَعَ فَضْلَ مَائِهِ، فَيَقُولُ اللهُ: اَلْيَوْمَ أَمْنَعُكَ فَضْلِي كَمَا مَنَعْتَ فَضْلَ مَا لَمْ تَعْمَلْ يَدَاكَ».

[2369] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''تین شخص ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے بات نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت ہی سے دیکھے گا: ایک وہ شخص جس نے سامان فروخت کرتے وقت قسم اٹھائی کہ اس کی قیمت مجھے اس سے کہیں زیادہ مل رہی تھی، حالانکہ وہ اس بات میں جھوٹا تھا۔ دوسرا وہ شخص جس نے عصر کے بعد جھوٹی قسم اٹھائی تا کہ اس سے کسی مسلمان کا مال ہتھیا لے۔ تیسرا وہ شخص جو فالتو پانی سے لوگوں کو منع کرے۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: آج کے دن میں تجھ سے اپنا فضل روک لیتا ہوں جیسا کہ تو نے اس چیز کا فضل روکا تھا جس کو تیرے ہاتھوں نے نہیں بنایا تھا۔''

قَالَ عَلِيٌّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ غَيْرَ مَرَّةٍ، عَنْ عَمْرٍو: سَمِعَ أَبَا صَالِحٍ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ. [راجع: ٢٣٥٨]

علی نے کہا: سفیان نے ہمیں کئی مرتبہ عمرو کے واسطے سے بیان کیا اور عمرو، ابوصالح سے بیان کرتے ہیں جبکہ ابوصالح اس کو بغیر کسی واسطے کے نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کے مطابق تیسرے شخص کو فالتو پانی سے منع کرنے پر عتاب ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ اصل پانی کا وہ حق دار تھا، اگر وہ اصل پانی کو بقدر ضرورت روک لے تو وہ حق بجانب ہے کیونکہ یہ اس کا حق ہے۔ بعض حضرات نے اس طرح مناسبت پیدا کی ہے کہ اللہ کی طرف سے عتاب ہوا کہ پانی تیرا پیدا کردہ نہیں تھا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر پانی کسی نے اپنی محنت سے پیدا کیا ہو جیسا کہ کنواں کھودا جاتا ہے یا مشکیزوں میں بھرا جاتا ہے تو وہ اس کا حق دار ہوگا۔ ② واضح رہے کہ حدیث میں عصر کے بعد قسم اٹھانے کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں کیونکہ عام طور پر لوگ اسی وقت قسم اٹھاتے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس وقت فرشتوں کے آنے جانے کا وقت ہے۔ وقت کی عظمت سے گناہوں میں بھی سنگینی آجاتی ہے۔ ③ حدیث کے آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے سند کے متعلق جو وضاحت فرمائی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ سفیان اس روایت کو اکثر مرسل بیان کرتے ہیں جبکہ

[1] فتح الباري: 5/55.

گزشتہ سلسلۂ روایت میں ان سے اس کا موصول ہونا بھی ثابت ہے۔

(١١) بَابٌ: لَا حِمَى إِلَّا لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ ﷺ

باب: 11- چراگاہ محفوظ کر لینے کا حق صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہے

٢٣٧٠ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ الصَّعْبَ بْنَ جَثَّامَةَ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا حِمَى إِلَّا لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ».

[2370] حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”چراگاہ کو اللہ اور اس کا رسول محفوظ کر سکتا ہے۔“

وَقَالَ: بَلَغَنَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَمَى النَّقِيعَ، وَأَنَّ عُمَرَ حَمَى الشَّرَفَ وَالرَّبَذَةَ. [انظر: ٣٠١٣]

امام زہری نے کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ نبی ﷺ نے نقیع کو محفوظ کیا، نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقام شرف اور ربذہ کو سرکاری چراگاہ قرار دیا۔

فوائد و مسائل: ① ”حِمٰی“ سے مراد وہ محفوظ علاقہ ہے جو حکومت کی ملکیت ہوتا ہے۔ وہاں حکومت کو ملنے والے صدقے کے جانور وغیرہ چرتے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جس علاقے میں گھاس ہوتی یا وادی کا نشیب ہوتا وہاں بڑے سردار یہ اعلان کر دیتے کہ جہاں تک ہمارے کتوں کے بھونکنے کی آواز جاتی ہے وہ ہمارا ممنوعہ علاقہ ہے۔ وہاں کسی دوسرے شخص کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ یہ حکومت کی ملکیت ہے، اس کے علاوہ اور کوئی بھی فالتو پڑی زمین کو چراگاہ نہیں بنا سکتا۔ ہاں اپنی مملوکہ زمین میں اگر کوئی چراگاہ بنانا چاہتا ہو تو اس پر کوئی روک ٹوک نہیں۔ ② وادیوں، پہاڑوں اور فالتو زمین سے اگرچہ مسلمان فائدہ اٹھا سکتے ہیں لیکن وہ ان کے مالک نہیں بن سکتے، یہ حق صرف حکومت کو ہے کہ وہ کسی فالتو زمین کو چراگاہ قرار دے۔ ایسی چراگاہ میں جہاد کے گھوڑے، اونٹ اور زکاۃ کے جانور وغیرہ چرائے جا سکتے ہیں۔ بہر حال جنگلات، پہاڑوں کی چوٹیاں، گھاٹیاں اور برساتی ندی نالوں کے اردگرد چراگاہیں حکومت وقت کی ملکیت ہوتی ہیں کسی دوسرے کو وہاں قبضہ کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ ایسے مقامات رفاہی منصوبوں اور قومی آبادکاری کے لیے ہوتے ہیں۔

(١٢) بَابُ شُرْبِ النَّاسِ وَسَقْيِ الدَّوَابِّ مِنَ الْأَنْهَارِ

باب: 12- نہروں سے لوگوں اور جانوروں کا پانی پینا

٢٣٧١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا

[2371] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول

مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «اَلْخَيْلُ لِرَجُلٍ أَجْرٌ، وَلِرَجُلٍ سِتْرٌ، وَعَلَى رَجُلٍ وِزْرٌ، فَأَمَّا الَّذِي لَهُ أَجْرٌ فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ، فَأَطَالَ لَهَا فِي مَرْجٍ أَوْ رَوْضَةٍ، فَمَا أَصَابَتْ فِي طِيَلِهَا ذٰلِكَ مِنَ الْمَرْجِ أَوِ الرَّوْضَةِ كَانَتْ لَهُ حَسَنَاتٍ، وَلَوْ أَنَّهُ انْقَطَعَ طِيَلُهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا أَوْ شَرَفَيْنِ كَانَتْ آثَارُهَا وَأَرْوَاثُهَا حَسَنَاتٍ لَهُ، وَلَوْ أَنَّهَا مَرَّتْ بِنَهَرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَمْ يُرِدْ أَنْ يَسْقِيَ كَانَ ذٰلِكَ حَسَنَاتٍ لَهُ، فَهِيَ لِذٰلِكَ أَجْرٌ، وَرَجُلٌ رَبَطَهَا تَغَنِّيًا وَتَعَفُّفًا ثُمَّ لَمْ يَنْسَ حَقَّ اللهِ فِي رِقَابِهَا وَلَا ظُهُورِهَا، فَهِيَ لِذٰلِكَ سِتْرٌ، وَرَجُلٌ رَبَطَهَا فَخْرًا وَرِيَاءً وَنِوَاءً لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ، فَهِيَ عَلَى ذٰلِكَ وِزْرٌ». وَسُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْحُمُرِ، فَقَالَ: «مَا أُنْزِلَ عَلَيَّ فِيهَا شَيْءٌ إِلَّا هٰذِهِ الْآيَةُ الْجَامِعَةُ الْفَاذَّةُ: ﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾ [الزلزلة: ٧، ٨]». [انظر: ٢٨٦٠، ٣٦٤٦، ٤٩٦٢، ٤٩٦٣، ٧٣٥٦]

اللہ ﷺ نے فرمایا: ”گھوڑا کسی کے لیے اجر بنتا ہے تو کسی کے لیے پردہ بنتا ہے، نیز کسی کے لیے بوجھ بھی ہوتا ہے۔ ثواب کا ذریعہ اس شخص کے لیے ہے جس نے اسے اللہ کی راہ میں کام کے لیے رکھا۔ وہ شخص اس کی رسی کو چراگاہ یا باغ میں دراز کردے تو جتنا کچھ بھی اس کے دائرے میں رہتے ہوئے چراگاہ یا باغ میں چرے گا وہ اس کے لیے نیکیاں ہوں گی۔ اور اگر اس کی رسی ٹوٹ جائے اور وہ اگلی ٹانگیں اٹھا کر ایک دو چھلانگیں لگائے (اور دوڑے) تو اس کے قدموں کے نشانات اور اس کی لید اس شخص کے لیے نیکیاں ہوں گی۔ اور اگر وہ کسی نہر کے پاس سے گزرے اور اس سے پانی پیے، حالانکہ اس کا پانی پلانے کا ارادہ بھی نہیں تھا تو بھی اس کے لیے نیکیوں کا باعث ہے۔ اور وہ شخص جس نے مال داری اور سوال سے بچنے کے لیے گھوڑا باندھا، پھر اس کی گردن اور پیٹھ کے متعلق اللہ کے حق کو فراموش نہیں کیا تو وہ اس کے لیے بچاؤ اور ستر کا باعث ہوگا۔ اور جس شخص نے اترانے، دکھانے اور مسلمانوں کو گزند پہنچانے کے لیے گھوڑا پالا تو وہ اس کے لیے وبال اور عذاب کا باعث ہے۔“ رسول اللہ ﷺ سے گدھوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ”گدھوں کے متعلق مجھ پر کچھ نازل نہیں ہوا مگر یہ جامع اور منفرد آیت اتری ہے: جو کوئی ذرہ بھر بھلائی کرے گا تو اسے دیکھ لے گا اور جو کوئی رتی بھر برائی کرے گا تو اسے بھی دیکھ لے گا۔“

فوائدومسائل: ① اس حدیث میں گھوڑے کا نہر کے پاس سے گزرنے اور وہاں سے پانی پینے کا ذکر ہے، اگر اس کے مالک کی گھوڑے کو پانی پلانے کی نیت نہ ہو تو بھی اسے اجر وثواب ملے گا اور اگر اسے پانی پلانے کا ارادہ اور نیت ہو تو بالاولیٰ ثواب کا حق دار ہوگا۔ جب رسول اللہ ﷺ سے گدھوں کے متعلق سوال ہوا کہ ان کا حکم بھی گھوڑوں جیسا ہے تو آپ نے فرمایا: ”اگر ان سے خیر مطلوب ہے تو اس کی جزا دیکھ لے گا اور قیامت کے دن اسے ثواب ملے گا بصورت دیگر عقاب وسزا کا حق دار

ہوگا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ جو نہریں راستے پر واقع ہوں، ان میں سے آدمی اور حیوانات پانی پی سکتے ہیں۔ وہ کسی کے لیے خاص نہیں ہوسکتیں، اور نہ ان کے متعلق کوئی حق ملکیت کا دعویٰ ہی کرسکتا ہے۔

۲۳۷۲ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَسَأَلَهُ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ: «اِعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا، ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا فَشَأْنَكَ بِهَا». قَالَ: فَضَالَّةُ الْغَنَمِ؟، قَالَ: «هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ»، قَالَ: فَضَالَّةُ الْإِبِلِ؟ قَالَ: «مَا لَكَ وَلَهَا؟ مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَحِذَاؤُهَا، تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا».

[راجع: ٩١]

[2372] حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے گری پڑی چیز کے متعلق پوچھنے لگا۔ آپ نے فرمایا: ''اس کی تھیلی اور اس کے سر بندھن کو اچھی طرح پہچان لو، پھر ایک سال تک اس کی تشہیر کرو، اگر اس کا مالک آجائے تو بہتر، بصورت دیگر تم اس سے جو چاہو کرو۔'' اس نے کہا: اگر بھولی بھٹکی بکری ملے تو کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا: ''یا تم اس سے فائدہ اٹھاؤ گے، یا تمھارے بھائی کا حصہ بنے گی یا بھیڑیے کا لقمہ ہوگی۔'' اس نے پھر دریافت کیا: اگر بھولا بھٹکا اونٹ ملے تو؟ آپ نے فرمایا: ''تجھے اس سے کیا سروکار ہے؟ اس کا مشکیزہ اور موزہ سب اس کے ساتھ ہے۔ وہ پانی پر پہنچ جائے گا اور درخت کے پتے کھا لے گا تا آنکہ اس کا مالک اس کو پالے گا۔''

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے بھولے بھٹکے اونٹ کو پکڑنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اسے بھوک اور پیاس کا ڈر نہیں ہوتا۔ وہ خود نہروں، چشموں اور برساتی نالوں پر جا سکتا ہے اور وہاں سے پانی پی سکتا ہے، اسے کوئی بھی روکنے والا نہیں ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے یہ وافر مقدار میں پانی انسانوں اور حیوانوں کے لیے پیدا کیا ہے، اس پانی کا اللہ کے سوا اور کوئی مالک نہیں۔ جب ان ندی نالوں سے حیوانات کے لیے پانی پینے کا جواز ثابت ہوا تو انسان جوان سے زیادہ ضرورت مند ہیں، ان کے لیے جواز تو بطریق اولیٰ ثابت ہوگا۔ بہر حال قدرتی چشموں، دریاؤں اور نالوں کا پانی کسی کے لیے مختص نہیں ہے اور ان سے پانی پینے کے لیے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت بھی نہیں۔ ② آج کل ایسے حیوانات کی حفاظت کے لیے مویشی خانے بنے ہوتے ہیں، آوارہ جانوروں کو وہاں پہنچا دیا جاتا ہے۔ مویشی خانے میں آوارہ جانور جتنے دن رہے گا اس کا مالک اس کے چارے اور پانی وغیرہ کے اخراجات ادا کر کے وہاں سے حاصل کرے گا۔

(١٣) بَابُ بَيْعِ الْحَطَبِ وَالْكَلَإِ

باب: 13- سوکھی لکڑی اور گھاس فروخت کرنا

۲۳۷۳ - حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ

[2373] حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ

عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ أَحْبُلًا فَيَأْخُذَ حُزْمَةً مِّنْ حَطَبٍ فَيَبِيعَ فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهُ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ يَّسْأَلَ النَّاسَ أُعْطِيَ أَمْ مُنِعَ». [راجع: ١٤٧١]

رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص رسیاں اٹھا کر لکڑیوں کا گٹھا بنائے، پھر اسے فروخت کردے، اس کے باعث اللہ تعالیٰ اس کی خودداری محفوظ رکھے تو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرے، اسے کچھ دیا جائے یا نہ دیا جائے۔''

٢٣٧٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ مَّوْلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «لَأَنْ يَّحْتَطِبَ أَحَدُكُمْ حُزْمَةً عَلٰى ظَهْرِهِ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ أَنْ يَّسْأَلَ أَحَدًا فَيُعْطِيَهُ أَوْ يَمْنَعَهُ». [راجع: ١٤٧٠]

[2374] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی اپنی کمر پر لکڑیوں کا گٹھا لائے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ دوسروں سے سوال کرے، خواہ کوئی اس کو دے یا نہ دے۔''

فوائد ومسائل: ① ان احادیث سے معلوم ہوا کہ انسان کے لیے اپنی خودداری کا تحفظ بہت ضروری ہے۔ جس طرح بھی ہوسکے اپنے ہاتھ سے کمائی کرے۔ یہ اس بات سے کہیں بہتر ہے کہ دوسروں کے سامنے سوال کرتا پھرے۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ رزق کا راستہ کھول دیتا ہے۔ ② ان احادیث میں لکڑیوں کو فروخت کرنے کا حکم بیان ہوا ہے، پانی پینے پلانے کی احادیث میں انھیں اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ پانی، گھاس اور لکڑیوں سے نفع اٹھانے میں سب لوگ شریک ہیں اور یہ چیزیں کسی کی ملکیت نہیں، جو بھی ان پر پہلے قبضہ کرلے وہی ان کا مالک ہے اور اس کے لیے مباح اور جائز ہیں۔ روایات میں اگرچہ لکڑیوں کا ذکر ہے، تاہم امام بخاری رحمہ اللہ نے گھاس کو بھی اس میں شامل فرمایا ہے۔ جنگل سے گھاس کاٹ کر لانا اور بازار میں اسے فروخت کرنا، اللہ کے ہاں یہ بھی ایک پسندیدہ عمل ہے، اس سے آدمی سوال کرنے کی لعنت سے محفوظ رہتا ہے۔ ③ یاد رہے کہ اگر یہ چیزیں کسی کی ملکیت ہیں تو پھر مالک کی اجازت کے بغیر انھیں استعمال کرنا درست نہیں۔

٢٣٧٥ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ: أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَبِيهِ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَبِيهِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي

[2375] حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ میں نے بدر کے دن مال غنیمت میں سے ایک جوان اونٹنی حاصل کی اور ایک اونٹنی مجھے رسول اللہ ﷺ نے عطا کی تھی۔ میں نے ایک دن ان

طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ أَنَّهُ قَالَ: أَصَبْتُ شَارِفًا مَّعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي مَغْنَمٍ يَوْمَ بَدْرٍ، قَالَ: وَأَعْطَانِي رَسُولُ اللهِ ﷺ شَارِفًا أُخْرٰى فَأَنَخْتُهُمَا يَوْمًا عِنْدَ بَابِ رَجُلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ، وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أَحْمِلَ عَلَيْهِمَا إِذْخِرًا لِّأَبِيعَهُ، وَمَعِي صَائِغٌ مِّنْ بَنِي قَيْنُقَاعَ، فَأَسْتَعِينَ بِهِ عَلٰى وَلِيمَةِ فَاطِمَةَ، وَحَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَشْرَبُ فِي ذٰلِكَ الْبَيْتِ مَعَهُ قَيْنَةٌ، فَقَالَتْ: أَلَا يَا حَمْزَ لِلشُّرُفِ النِّوَاءِ، فَثَارَ إِلَيْهِمَا حَمْزَةُ بِالسَّيْفِ فَجَبَّ أَسْنِمَتَهُمَا وَبَقَرَ خَوَاصِرَهُمَا ثُمَّ أَخَذَ مِنْ أَكْبَادِهِمَا، قُلْتُ لِابْنِ شِهَابٍ: وَمِنَ السَّنَامِ؟ قَالَ: قَدْ جَبَّ أَسْنِمَتَهُمَا فَذَهَبَ بِهَا. قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: فَنَظَرْتُ إِلٰى مَنْظَرٍ أَفْظَعَنِي، فَأَتَيْتُ نَبِيَّ اللهِ ﷺ وَعِنْدَهُ زَيْدُ ابْنُ حَارِثَةَ، فَأَخْبَرْتُهُ الْخَبَرَ، فَخَرَجَ وَمَعَهُ زَيْدٌ فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ، فَدَخَلَ عَلٰى حَمْزَةَ فَتَغَيَّظَ عَلَيْهِ، فَرَفَعَ حَمْزَةُ بَصَرَهُ وَقَالَ: هَلْ أَنْتُمْ إِلَّا عَبِيدٌ لِّآبَائِي؟ فَرَجَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُقَهْقِرُ حَتّٰى خَرَجَ عَنْهُمْ، وَذٰلِكَ قَبْلَ تَحْرِيمِ الْخَمْرِ. [راجع: ٢٠٨٩]

دونوں اونٹنیوں کو ایک انصاری شخص کے دروازے پر بٹھایا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں ان پر اذخر گھاس لاکر فروخت کروں۔ میرے ساتھ بنوقینقاع کا ایک زرگر بھی تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اس کی مدد حاصل کروں اور اذخر فروخت کر کے حضرت فاطمہ ؓ سے شادی کا ولیمہ کروں۔ اس وقت حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ؓ اس گھر میں مے نوشی کررہے تھے۔ ان کے ساتھ ایک گانے والی عورت بھی تھی۔ اس نے جب یہ مصرع گایا: اے حمزہ! اٹھو فربہ جوان اونٹنیوں کے لیے، تو حمزہ ؓ تلوار لے کر ان کی طرف جھپٹ پڑے، ان کے کوہان کاٹ ڈالے اور پیٹ بھی پھاڑ ڈالے، پھر ان دونوں کی کلیجیاں نکال لیں۔ (راویٔ حدیث ابن جریج کہتے ہیں کہ) میں نے ابن شہاب سے پوچھا کہ کوہانوں میں سے کیا لیا؟ تو انھوں نے کہا: کوہان تو وہ کاٹ کر لے گئے۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ حضرت علی ؓ نے فرمایا: میں نے اس منظر کو دیکھا تو انتہائی پریشان ہوا، چنانچہ میں اللہ کے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ کے پاس حضرت زید بن حارثہ ؓ بھی تھے۔ میں نے تمام روئیداد بیان کی تو آپ ﷺ نکلے۔ آپ کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ ؓ بھی تھے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ہولیا۔ آپ ﷺ حضرت حمزہ ؓ کے پاس گئے تو ان پر اظہار ناراضی فرمایا۔ حضرت حمزہ ؓ نے نظر اٹھائی اور کہا: تم تو میرے باپ دادا کے غلام ہی ہو۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ الٹے پاؤں لوٹ آئے۔ یہ واقعہ تحریم خمر سے پہلے کا ہے۔

فوائد ومسائل: ① اذخر ایک خاص قسم کی خوشبودار گھاس ہے، اسے سنار بھی استعمال کرتے ہیں۔ حضرت علی ؓ چاہتے تھے کہ اونٹنیوں پر اذخر گھاس لاد کر لاؤں گا اور اسے کسی زرگر کے پاس فروخت کر کے اپنی شادی کا ولیمہ کروں گا۔ ② امام بخاری ؒ نے اس طویل روایت سے یہ ثابت کیا ہے کہ جنگل سے گھاس کاٹنا اور اسے فروخت کرنا جائز ہے۔ اذخر ایک ایسی گھاس ہے جسے

کوئی اپنے لیے مخصوص نہیں کر سکتا، الا یہ کہ وہ اس کی ملکیتی زمین میں ہو۔ ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ جو شخص بھی اسے پہلے کاٹ لے گا وہی اس کا مالک ہوگا۔ بہر حال جلانے کی لکڑی اور گھاس وغیرہ فروخت کرنا جائز ہے۔

(١٤) بَابُ الْقَطَائِعِ

باب:14- جاگیریں دینا

٢٣٧٦ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَرَادَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُقْطِعَ مِنَ الْبَحْرَيْنِ فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ: حَتَّى تُقْطِعَ لِإِخْوَانِنَا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ مِثْلَ الَّذِي تُقْطِعُ لَنَا، قَالَ: «سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي». [انظر: ٢٣٧٧، ٣١٦٣، ٣٧٩٤]

[2376] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ بحرین کے علاقے میں کچھ جاگیریں لوگوں کو دیں۔ انصار نے مشورہ دیا کہ آپ ایسا نہ کریں تاآنکہ ہمارے مہاجرین بھائیوں کو بھی جاگیریں دیں جیسا کہ ہمیں دیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم عنقریب دیکھو گے کہ لوگوں کو تم پر ترجیح دی جائے گی۔ ایسے حالات میں میری ملاقات تک صبر کرنا۔“

فوائد ومسائل: ① کسی کو اس کی خدمات کے صلے میں حکومت کی طرف سے جاگیر دی جا سکتی ہے، لیکن دور حاضر میں سیاسی شعبدہ بازوں کو بہترین زمینیں اور قیمتی پلاٹ ملتے ہیں۔ ہمارے ہاں ملکی سیاست کا دارومدار اسی سیاسی رشوت پر ہے۔ بہر حال زمانۂ قدیم سے یہ عادت ہے کہ بادشاہ کی طرف سے خاص لوگوں کو غیر آباد زمینیں دی جاتی تھیں جنھیں وہ محنت کر کے آباد کر لیتے اور وہ ان کے مالک قرار پاتے، بطور ملکیت ان سے فائدہ اٹھاتے۔ ② واضح رہے کہ بحرین سے مراد آج کل والا بحرین نہیں بلکہ عہد نبوی کے بحرین میں سعودی عرب کا مشرقی صوبہ شامل تھا جس میں الخبر، الدمام اور ظہران وغیرہ کے علاقے ہیں۔ بہر حال حاکم وقت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی کو اس کی خدمات کے صلے میں کوئی جاگیر دے دے۔

(١٥) بَابُ كِتَابَةِ الْقَطَائِعِ

باب:15- جاگیروں کی سند لکھ کر دینا

٢٣٧٧ - وَقَالَ اللَّيْثُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: دَعَا النَّبِيُّ ﷺ الْأَنْصَارَ لِيُقْطِعَ لَهُمْ بِالْبَحْرَيْنِ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنْ فَعَلْتَ فَاكْتُبْ لِإِخْوَانِنَا مِنْ قُرَيْشٍ بِمِثْلِهَا، فَلَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: «[إِنَّكُمْ] سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي». [راجع: ٢٣٧٦]

[2377] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے انصار کو بلایا تاکہ ان کو علاقۂ بحرین میں جاگیریں دیں۔ انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اگر آپ نے ایسا کرنا ہے تو ہمارے قریشی بھائیوں کو بھی ویسی ہی جاگیروں کی سند لکھ دیں، لیکن نبی ﷺ کے پاس اس وقت اتنی زمین نہیں تھی۔ آپ نے فرمایا: ”تم عنقریب دیکھو گے کہ (تمھیں نظرانداز کر کے) دوسروں کو تم پر ترجیح دی جائے

گی۔ ایسے حالات میں صبر سے کام لینا حتی کہ قیامت کے دن مجھ سے آملو۔“

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں دو چیزوں کا اضافہ ہے: ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ جاگیر کے متعلق حکم نامہ تحریر کرنا چاہتے تھے تاکہ ریکارڈ رہے اور آئندہ کوئی لڑائی جھگڑا نہ ہو، دوسرا یہ کہ اس وقت انصار کی خواہش پوری کرنے کا امکان نہیں تھا۔ حالات ایسے تھے، شاید بحرین کی زمین اس قدر زیادہ نہ تھی کہ مہاجرین اور انصار دونوں کے لیے پوری ہوتی۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکومت اگر کسی کو بطور انعام جاگیر دینا چاہے تو اس کی سند لکھ دینا ضروری ہے تاکہ وہ آئندہ ان کے کام آئے اور کوئی دوسرا ان کا حق مار نہ سکے۔ شاہانِ اسلام کی عطا کردہ سندیں آج بھی عجائب گھروں کی زینت ہیں۔ حالات کے مطابق ایسا کرنا ضروری ہے۔

(١٦) بَابُ حَلَبِ الْإِبِلِ عَلَى الْمَاءِ

باب: 16- اونٹنیوں کو چشموں پر دوہا جائے

٢٣٧٨ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مِنْ حَقِّ الْإِبِلِ أَنْ تُحْلَبَ عَلَى الْمَاءِ». [راجع: ١٤٠٢]

[2378] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”اونٹنیوں کا حق یہ ہے کہ ان کا دودھ چشموں پر دوہا جائے۔“

فوائد و مسائل: ① عربوں کے ہاں یہ بات متعارف تھی کہ جب اونٹوں کو پانی پلانے کے لیے تالابوں یا چشموں پر لے جاتے تو وہاں اونٹنیوں کو دوہتے اور دودھ فقراء و مساکین میں تقسیم کرتے۔ ضرورت مند لوگ چشموں پر جمع رہتے تاکہ دودھ پئیں۔ حدیث میں اسی حق کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ② اسی طرح اگر پھل توڑا جا رہا ہے یا فصل کاٹی جا رہی ہے تو اس وقت بھی غرباء کو کچھ نہ کچھ ضرور دیا جائے۔ یہ باقاعدہ زکاۃ ادا کرنے سے الگ معاملہ ہے۔ ہمارے دور میں دیہاتوں کے اندر یہ حق متعارف تھا کہ جب گندم کا ڈھیر اٹھایا جاتا تو ”ریوڑی“ کے نام سے آخر میں ہاتھ بھر بھر کر گندم تقسیم کی جاتی تھی۔ واضح رہے کہ یہ ”حق“ واجب یا فرض نہیں بلکہ ایک پسندیدہ عمل ہے۔

(١٧) بَابُ الرَّجُلِ يَكُونُ لَهُ مَمَرٌّ أَوْ شِرْبٌ فِي حَائِطٍ أَوْ فِي نَخْلٍ

باب: 17- اس شخص کے متعلق جسے باغ سے گزرنے، پانی دینے یا کھجور کا پھل لینے کا حق ہو

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ بَاعَ نَخْلًا بَعْدَ أَنْ

نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس نے کھجور کا درخت پیوند

تُؤَبَّرَ فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ، وَلِلْبَائِعِ الْمَمَرُّ وَالسَّقْيُ حَتَّى يَرْفَعَ، وَكَذٰلِكَ رَبُّ الْعَرِيَّةِ».

لگانے کے بعد فروخت کیا تو اس کا پھل بیچنے والے کا ہے۔ اسے باغ میں جانے، وہاں سے گزرنے اور سیراب کرنے کا بھی حق حاصل رہتا ہے تا آنکہ وہ اپنا پھل اٹھا لے، صاحب عریہ کو بھی یہ حق حاصل ہوں گے۔''

وضاحت: اس عنوان کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں دو حق جمع ہو جائیں، مثلاً: کسی باغ کے متعلق حق ملکیت اور حق انتفاع جمع ہوں تو حق انتفاع رکھنے والے کے لیے مالک کو کسی قسم کی رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔ اسے چاہیے کہ وہ باغ کو پانی دینے اور پھل توڑنے کے لیے راستہ دینے کی سہولت فراہم کرے۔[1] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی مذکورہ حدیث پہلے متصل سند سے بیان ہو چکی ہے۔[2] اس حدیث کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ کا کلام ہے جو انھوں نے مذکورہ احادیث سے اخذ کیا ہے۔ یہ حدیث کا حصہ نہیں۔

٢٣٧٩ - أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَنِ ابْتَاعَ نَخْلًا بَعْدَ أَنْ تُؤَبَّرَ فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ، وَمَنِ ابْتَاعَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَمَالُهُ لِلَّذِي بَاعَهُ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ». [راجع: ٢٢٠٣]

[2379] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جو کوئی کھجور کا درخت پیوندکاری کے بعد خریدے تو اس کا پھل فروخت کرنے والے کے لیے ہے الا یہ کہ خریدار پھل لینے کی شرط طے کر لے۔ اسی طرح اگر کسی نے ایسا غلام خریدا جس کے پاس مال ہے تو وہ مال بیچنے والے کا ہوگا الا یہ کہ خریدار مال لینے کی شرط لگا دے۔''

وَعَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ عُمَرَ فِي الْعَبْدِ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث صرف غلام کے متعلق ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کے مطابق اگر پیوند کی ہوئی کھجوروں کو فروخت کیا گیا تو ان کا پھل بیچنے والے کا ہو گا۔ جب پھل کا مالک یہ ہے تو اسے باغ میں جانے کے لیے راستہ اور انھیں سیراب کرنے کے لیے پانی کا حصہ بھی دیا جائے گا۔ ② غلام کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو موطأ امام مالک میں متصل سند سے بیان کیا گیا ہے کہ غلام کا مال فروخت کرنے والے کا ہے لیکن جب خریدار شرط لگا لے تو اس صورت میں غلام کا مال خریدار کو مل جائے گا۔ بہرحال پیوند کیے ہوئے باغات کے متعلق عام قاعدہ یہی ہوگا کہ جس شخص نے پیوندکاری کی، اس کے بعد باغ فروخت کر دیا تو پھل کا حق دار وہی ہوگا، خریدار کو اگلے سال پھل ملے گا لیکن اگر خریدنے والے نے شرط لگا دی تو معاملہ شرط کی بنیاد پر ہوگا۔[3]

1 فتح الباري: 63/5. 2 صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2204. 3 فتح الباري: 64/5.

٢٣٨٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ قَالَ: رَخَّصَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ تُبَاعَ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا تَمْرًا. [راجع: ٢١٧٣]

[2380] حضرت زید بن ثابت ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے اجازت دی کہ عرایا کی بیع اندازہ کر کے خشک کھجور کے عوض ہو سکتی ہے۔

فوائد ومسائل: ① عام حالات میں درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی خشک پھل کے عوض خرید وفروخت منع ہے لیکن اصحاب عرایا کو ایک خاص حد تک اجازت دی گئی ہے۔ وہ خاص حد پانچ وسق ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ② عریہ وہ کھجور کا درخت ہے جسے اس کا مالک مساکین کو وقتی طور پر دے دیتا ہے کہ اس سال وہ اس کا پھل کھائیں لیکن فقراء کا باغ میں آنا جانا اسے ناگوار گزرتا ہے کیونکہ مالک اپنے باغ میں رہائش رکھے ہوئے ہے۔ ایسے حالات میں وہ مساکین کو کھجور کے تازہ پھل کے عوض خشک کھجور دے دیتا ہے تاکہ وہ باغ میں آمد ورفت نہ رکھیں۔ امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ اگر کسی کو وقتی طور پر کھجور کے درخت دیے ہیں تو اس سے صاحب عرایا کو بھی باغ میں داخل ہونے سے نہیں روکا جا سکتا، وہ بھی پانی اور راستے کا حق دار ہے۔

٢٣٨١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ: سَمِعَ جَابِرَ ابْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْمُخَابَرَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ، وَعَنِ الْمُزَابَنَةِ، وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ، وَأَنْ لَا تُبَاعَ إِلَّا بِالدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ، إِلَّا الْعَرَايَا. [راجع: ١٤٨٧]

[2381] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے بیع مخابرہ، بیع محاقلہ اور بیع مزابنہ سے منع فرمایا، نیز درختوں پر لگے پھلوں کی خرید وفروخت سے بھی منع فرمایا حتی کہ وہ کھانے کے قابل ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ درختوں پر لگا ہوا پھل صرف درہم ودینار ہی سے فروخت کیا جائے لیکن بیع عرایا کی اجازت ہے۔

٢٣٨٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ دَاوُدَ بْنِ حُصَيْنٍ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ مَوْلَى ابْنِ أَبِي أَحْمَدَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: رَخَّصَ النَّبِيُّ ﷺ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا مِنَ التَّمْرِ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ - أَوْ فِي خَمْسَةِ أَوْسُقٍ، شَكَّ دَاوُدُ فِي ذٰلِكَ -. [راجع: ٢١٩٠]

[2382] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اندازے سے خشک کھجور کے عوض پانچ وسق یا پانچ وسق سے کم (مقدار) میں بیع عرایا کی اجازت دی۔ اس (مقدار) میں راوی حدیث داود کو شک ہوا۔

٢٣٨٣، ٢٣٨٤ - حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيٰى: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي الْوَلِيدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي بُشَيْرُ بْنُ يَسَارٍ مَّوْلٰى بَنِي حَارِثَةَ: أَنَّ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ وَّسَهْلَ بْنَ أَبِي حَثْمَةَ حَدَّثَاهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الْمُزَابَنَةِ: بَيْعِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ، إِلَّا أَصْحَابَ الْعَرَايَا فَإِنَّهُ أَذِنَ لَهُمْ.

[2384،2383] حضرت رافع بن خدیج اور سہل بن ابی حثمہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مزابنہ، یعنی درخت پر لگی ہوئی کھجور کو خشک کھجور کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا، البتہ آپ نے عرایا والوں کو اس کی اجازت دی۔

قَالَ: وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ: حَدَّثَنِي بُشَيْرٌ مِّثْلَهُ. [راجع: ٢١٩١]

ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے بشیر نے اسی طرح بیان کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① جب عریہ کا دینا جائز ہے تو خواہ مخواہ عریہ والا اپنے پھلوں کی حفاظت کے لیے باغ میں جائے گا، اس لیے اسے راستہ اور پانی کا حصہ ملنا چاہیے۔ ② عریہ یہ ہے کہ ایک شخص دو تین کھجور کے درخت وقتی طور پر لے لے، پھر کسی اندازہ کرنے والے کو بلائے وہ اندازہ کرے کہ درخت پر جو تازہ کھجور ہے، وہ خشک ہونے کے بعد اتنی رہ جائے گی، اندازہ کردہ خشک کھجور لے کر درخت کی تازہ کھجور فروخت کر دے۔ ایسا کرنا درست ہے، حالانکہ کھجور کو کھجور کے عوض اندازہ کر کے فروخت کرنا درست نہیں کیونکہ نقصان اور دھوکے کا اندیشہ ہے مگر عریہ والے چونکہ محتاج ہوتے ہیں تو ان کی ضرورت کے پیش نظر محدود مقدار میں اس کی خرید وفروخت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اس کے متعلقہ دیگر مباحث کتاب البیوع میں بیان ہو چکے ہیں۔

قرض لینے اور دینے کے احکام و آداب

امام بخاری ؒ کی عام عادت ہے کہ ایک عنوان کے تحت کئی احادیث ذکر کرتے ہیں، لیکن چند عناوین کو ایک جگہ اکٹھا کر دینا ایسا کبھی کبھی ہوتا ہے جب انھیں ان کے مطابق احادیث کم ملی ہوں۔ اس مقام پر انھوں نے چار چیزوں کو ایک عنوان میں جمع کر دیا ہے: ① استقراض: قرض لینا۔ ② أداء الديون: قرض ادا کرنا۔ ③ حجر: حاکم وقت کسی شخص کو اپنے مال میں تصرف سے وقتی طور پر روک دے۔ ④ تفلیس: حاکم وقت کسی کو مفلس قرار دے کر اسے بقایا املاک میں تصرف سے منع کر دے تاکہ جو کچھ موجود ہے وہ قرض خواہوں کو دے کر ان کے معاملات کو ختم کیا جائے۔

اسلام زندگی میں اعتدال پیدا کرنے اور معیشت میں میانہ روی اختیار کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اس اعتدال اور میانہ روی کا تقاضا یہ ہے کہ کسی مسلمان کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے کبھی قرض لینے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے کیونکہ ایسا کرنے سے پریشانی لاحق ہوتی ہے اور پھر دن بہ دن اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ایسے حالات میں دوسرے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ایسے ضرورت مند کے ساتھ تعاون کریں اور اس کی ضروریات پوری کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی تعریف کی ہے جو اپنی ضروریات کو نظرانداز کر کے اپنے بھائی کی پیش آمدہ ضروریات پوری کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ ”وہ دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ وہ خود فاقے سے ہوں۔“ [1] اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے۔“ [2]

ایک دوسری حدیث میں ہے: ”اللہ تعالیٰ آدمی کی اس وقت تک مدد کرتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔“ [3] خود رسول اللہ ﷺ نے بھی قرض لینے کو ناپسند فرمایا ہے کیونکہ اس سے انسان کی پریشانی میں اضافہ ہوتا ہے۔ آپ نماز میں اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے: ”اے اللہ! میں گناہ سے اور قرض لینے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔“ کسی نے دریافت کیا: اللہ کے رسول! کیا بات ہے آپ اکثر قرض سے پناہ مانگتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”آدمی جب مقروض ہو جاتا ہے تو بات بات پر جھوٹ بولتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔“ [4] ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب انسان کا دل مطمئن ہو تو خواہ مخواہ اسے خوفزدہ اور پریشان نہیں کرنا چاہیے۔“ لوگوں نے پوچھا:

---

1 الحشر 59:9۔ 2 مسند أحمد: 104/4۔ 3 مسند أحمد: 274/2۔ 4 مسند أحمد: 88/6۔

اسے پریشان کرنے والی کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: ''قرض، یعنی قرض لینے کے بعد انسان خواہ مخواہ پریشان اور پراگندہ حال رہتا ہے۔''[1]

ان ہدایات کے پیش نظر ایک مسلمان کو شدید ضرورت کے بغیر قرض نہیں لینا چاہیے اور جب لے تو نیت صاف کر لے اور اسے جلد از جلد ادا کرنے کی کوشش کرے۔ اگر نیت صاف ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد فرماتا ہے اور اس کی ادائیگی کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ نکال دیتا ہے جیسا کہ درج ذیل احادیث سے پتہ چلتا ہے: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''جس شخص نے لوگوں کا مال بطور قرض لیا اور اسے ادا کرنے کا ارادہ بھی کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے اس کا قرض ادا کر دے گا، یعنی اسے توفیق دے دے گا۔''[2]

سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مقروض شخص کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل رہتی ہے حتی کہ وہ اپنا قرض ادا کر دے بشرطیکہ وہ قرض اس کام کے لیے نہ ہو جو اللہ کو ناپسند ہو۔'' سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما اپنے خزانچی سے کہتے: جا کر میرے لیے قرض لے کر آؤ کیونکہ جب سے میں نے رسول اللہ سے یہ سن لیا ہے اس کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی معیت کے بغیر رات گزارنا ناپسند کرتا ہوں۔[3]

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے بھی قرض لیا، انھیں کہا گیا: آپ قرض لے رہی ہیں جبکہ آپ اسے ادا نہیں کر سکتیں؟ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جو شخص قرض لیتا ہے اور اللہ تو خوب جانتا ہے کہ یہ ادا کرنا چاہتا ہے، ایسے انسان کے لیے اللہ تعالیٰ (دنیا ہی میں) ادا کرنے کا کوئی راستہ نکال دیتا ہے۔''[4]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قرض لیا کرتی تھیں۔ جب ان سے دریافت کیا گیا تو فرمایا: میں اس مدد کو حاصل کرنا چاہتی ہوں جس کا وعدہ رسول اللہ ﷺ کی زبان حق ترجمان سے ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''جس انسان نے ادائیگی کی نیت سے قرض لیا اسے اللہ کی طرف سے مدد حاصل ہوتی ہے۔''[5]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص قرض لیتا ہے اور اس کی ادائیگی کے لیے فکر مند رہتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کے شامل حال ہو جاتی ہے۔''[6]

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مقروض انسان کی اگر نیت صاف ہو تو اللہ تعالیٰ اسے قرض واپس کرنے کی توفیق ضرور دے گا بلکہ اس کے ساتھ اللہ کی مدد اور رحمت رہتی ہے۔ ایسے حالات میں اگر کوشش کے باوجود اپنا قرض ادا نہیں کر سکا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اپنے رحم و کرم والا معاملہ فرمائے گا اور اسے لوگوں کے سامنے ذلیل و خوار

---

① مسند أحمد: 146/4. ② مسند أحمد: 361/2. ③ سنن ابن ماجه، الصدقات، حديث: 2409. ④ مسند أحمد: 332/6. ⑤ مسند أحمد: 99/6. ⑥ مسند أحمد: 255/6.

نہیں کرے گا۔ مقروض کو چاہیے کہ وہ قرض سے پناہ طلب کرتا رہے اور اس کی ادائیگی کے لیے بکثرت دعائیں کرتا رہے۔ امید ہے کہ ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ ضرور اس کا بوجھ ہلکا کردے گا۔ ایک صحابی قرض کی وجہ سے بہت پریشان رہتے تھے، انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مدد کی درخواست کی تو انھوں نے فرمایا: میں تمھیں چند کلمات سکھاتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے پڑھنے کی تلقین کی اور فرمایا: ''اگر تیرا قرض ایک بڑے پہاڑ جتنا بھی ہو تو وہ بھی ادا ہو جائے گا۔'' (دعا یہ ہے:)[اَللّٰهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ، وَ أَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ] ''اے اللہ! تو میرے لیے رزق حرام کے بجائے رزق حلال کو کافی بنادے اور اپنی رحمت کے علاوہ مجھے ہر چیز سے بے نیاز کردے۔''[1]

اس کے علاوہ وہ انسان اپنی زبان میں بھی اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری کرسکتا ہے۔ دعا کی کوئی تعداد مقرر نہیں اور نہ یہ کسی خاص وقت کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ مقروض آدمی کو چاہیے کہ اسے جب بھی فرصت ملے بکثرت دعائیں کرتا رہے، خاص طور پر شب خیزی کے وقت نہایت عجز وانکسار سے دعا کرنے کی کوشش کرے۔

قرض دار کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جب اس کے مالی حالات کو اچھا کردے اور اسے قرض کی ادائیگی کے متعلق وسائل مہیا ہو جائیں تو حسب وعدہ اس معاملے کو انتہائی خوش اسلوبی سے پایۂ تکمیل تک پہنچائے جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے:

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ادھار پر ایک اونٹ دیا، جب میں نے اس کی قیمت کا تقاضا کیا تو آپ نے بڑے اچھے انداز سے اسے ادا فرمایا۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے خصوصی ہدایت فرمائی ہے: ''لوگوں میں بہتر وہی انسان ہے جو قرض کی رقم خوش اسلوبی سے ادا کرے۔''[3]

رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص کے بارے میں جنت کی بشارت دی ہے جو فراخ دلی سے تقاضا کرتا ہے اور خوش دلی سے اپنا قرض ادا کرتا ہے۔[4]

مقروض کو چاہیے کہ قرض کی ادائیگی کے وقت قرض خواہ کا شکریہ ادا کرے اور اس کے مال واولاد میں برکت کی دعا بھی کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین کے موقع پر ایک آدمی سے کچھ قرض لیا، ادائیگی کے وقت اس کے لیے ان الفاظ میں دعا فرمائی: [بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ] ''اللہ تعالیٰ تیرے مال و اولاد میں برکت فرمائے۔'' نیز آپ نے فرمایا: ''قرض کا حق یہ ہے کہ اسے بروقت شکریے کے ساتھ ادا کردیا جائے۔''[5]

---

(1) مسند أحمد: 153/1، وجامع الترمذي، الدعوات، حديث: 3563. (2) مسند أحمد: 127/4. (3) مسند أحمد: 377/2.
(4) مسند أحمد: 210/2. (5) مسند أحمد: 36/4.

ادائیگی کے وقت اگر کسی قسم کی سابقہ شرط کے بغیر اصل رقم کے علاوہ کچھ اضافی رقم دے دی جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرا کچھ قرض رسول اللہ ﷺ کے ذمے تھا، آپ نے وہ بھی ادا کیا اور مجھے کچھ مزید رقم بھی دی۔[1]

مقروض کو چاہیے کہ جان بوجھ کر ٹال مٹول سے کام نہ لے کیونکہ شریعت نے گنجائش کے باوجود دیر کرنے کو ظلم سے تعبیر کیا ہے۔ فرمان نبوی ہے: ''صاحب حیثیت مقروض کا جان بوجھ کر ٹال مٹول کرنا صریح ظلم ہے۔''[2] ایسے حالات میں قرض خواہ اس کی بے عزتی کرے یا اسے قید کرا دے تو شریعت نے اسے یہ حق دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''ادائیگی پر قدرت رکھتے ہوئے مقروض کا ٹال مٹول کرنا اس کی بے عزتی اور اسے قید کر دینے کو حلال کر دیتا ہے۔''[3]

ایسے حالات میں اگر موت آ گئی تو اللہ کے حضور مزید سنگینی اور تنگی کا اندیشہ ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ابن آدم کی جان قرض کی وجہ سے معلق رہتی ہے یہاں تک کہ اسے ادا کر دیا جائے۔''[4]

رسول اللہ ﷺ نے ایک دن نماز فجر کے بعد فرمایا: ''فلاں قبیلے کا کوئی شخص ادھر موجود ہے؟'' لوگوں نے کہا: ہاں، موجود ہے۔ آپ نے فرمایا: ''تمھارے ساتھی کو اس کے ذمے قرض کی بنا پر جنت کے دروازے پر روک لیا گیا ہے (لہٰذا اس کی ادائیگی کا بندوبست کرو)۔''[5]

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! اگر میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ''تجھے جنت ملے گی۔'' جب وہ یہ بات سن کر چلا گیا تو آپ نے اسے دوبارہ بلا کر فرمایا: ''جبریل علیہ السلام نے ابھی ابھی میرے کان میں کہا ہے کہ ایسے حالات میں قرض معاف نہیں ہوگا۔''[6]

شریعتِ اسلامیہ نے مقروض انسان کا ہاتھ بٹانے والے کو بہت خیر و برکت سے نوازا ہے بشرطیکہ وہ اس سلسلے میں شرعی آداب کو ملحوظ رکھے۔ اسے چاہیے کہ وہ فراخ دلی اور فیاضی کا مظاہرہ کرے۔ اپنی دی ہوئی رقم کے عوض کسی قسم کا مفاد نہ لے اور نہ اس پر کسی وقت بیگار کا بوجھ ہی ڈالے، نہ اس پر احسان جتلا کر اسے تکلیف ہی پہنچائے بلکہ اگر مقروض تنگ دست ہے تو اسے مزید مہلت دے یا اسے بالکل معاف کر دے۔ قرآن مجید میں اپنے قرض کو مقروض پر صدقہ کر دینے کو بہتر قرار دیا گیا ہے۔ احادیث میں اس کے مندرجہ ذیل فضائل بیان ہوئے ہیں:

---

1 مسند أحمد: 302/3. 2 مسند أحمد: 71/2. 3 مسند أحمد: 222/4. 4 مسند أحمد: 508/2. 5 مسند أحمد: 11/5. 6 مسند أحمد: 139/4.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرض، نصف صدقے کے قائم مقام ہے۔''[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنی رقم قرض دی ہے، قرض دینے والے کو اتنا ثواب ملے گا گویا اس نے نصف رقم اس مقروض پر صدقہ کر دی ہے۔ اس کی مزید وضاحت درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔ حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا: ''جو انسان کسی تنگ دست مقروض کو مہلت دے دیتا ہے اسے ہر روز اتنی ہی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے (جتنی اس نے قرض دی ہے)۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''جو کسی مفلوک الحال کو اس کے حالات درست ہونے تک مہلت دیتا ہے اسے ہر روز قرض سے دوگنی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔'' اس پر میں نے سوال کیا کہ آپ نے اس قدر ثواب کی کمی بیشی کیونکر بیان فرمائی ہے؟ پھر آپ نے وضاحت کی کہ ادائیگی کے وعدے تک تو قرض کی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ اگر وعدے کے بعد مہلت دیتا ہے تو جتنے دن وعدے کے بعد آئیں گے، ان کے عوض ہر روز قرض سے دوگنی رقم صدقہ کرنے کا ثواب دیا جائے گا۔[2]

گویا قرض کی نوعیت کے پیش نظر ثواب میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''جو شخص اپنے مقروض کو کشادگی تک مہلت دیتا ہے یا اسے معاف کر دیتا ہے وہ قیامت کے دن عرش کے سائے تلے ہوگا۔''[3]

رسول اللہ ﷺ نے ایک دعا ان الفاظ میں کی ہے: ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم و کرم کرے جو خرید و فروخت اور قرض کا تقاضا کرنے میں نرمی اور فیاضی کا مظاہرہ کرتا ہے۔''[4]

پیش کردہ ان احادیث کی روشنی میں اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کن حالات میں قرض لینا جائز ہے اور قرض لینے کے بعد اسے کیا کرنا چاہیے۔ ہمارے ہاں جو قومی خزانے سے اپنا سیاسی اثر و رسوخ استعمال کر کے بڑے بڑے قرضے لینے کا رجحان پایا جاتا ہے پھر اسے مختلف حیلوں، بہانوں کے ذریعے سے معاف کرا لیا جاتا ہے، ان حضرات کا اخروی مستقبل انتہائی مخدوش ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ پھر قرض دینے والے حضرات بھی اس کے عوض جو فوائد و ثمرات حاصل کرتے ہیں وہ یقیناً سود ہی کے دائرے میں آتے ہیں۔ دین اسلام نے سود لینے دینے کو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرنا قرار دیا ہے اور حدیث کے مطابق سود کی کئی ایک شاخیں ہیں، سب سے ہلکا جرم گویا اپنی حقیقی ماں سے زنا کرنا ہے۔[5] اللہ تعالیٰ ہمیں ان ہدایات پر عمل کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کی توفیق دے، نیز قیامت کے دن ہمیں ہر قسم کی ذلت و رسوائی سے محفوظ رکھے۔ آمین.

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان میں حجر کو بھی بیان کیا ہے۔ کسی شخص کو عارضی طور پر اس کی ملکیت میں تصرف کرنے

---

1 مسند أحمد: 412/1. 2 مسند أحمد: 360/5. 3 مسند أحمد: 300/5. 4 صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2076. 5 المعجم الأوسط للطبراني: 74,73/8، حديث: 7147.

سے روک دینا حجر کہلاتا ہے۔ حجر کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ جس شخص پر تصرف کی پابندی لگائی جا رہی ہے، یہ پابندی اس کے مفاد اور اس کی خیر خواہی میں ہو جیسا کہ بے وقوف یا فضول خرچ انسان پر پابندی لگائی جاتی ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ دوسروں کی حق تلفی سے بچانے کے لیے پابندی لگائی جائے جیسا کہ کسی مقروض انسان پر قرض خواہوں کی وجہ سے پابندی لگائی جاتی ہے۔ عام طور پر اس حجر کے تین اسباب ہوتے ہیں: ایک یہ کہ کسی میں تصرف کی صلاحیت ہی نہ ہو، دوسرا یہ کہ صلاحیت تو ہو مگر اس کا استعمال غلط ہو رہا ہو، تیسرا یہ کہ اس کے مال میں تصرف سے دوسرے لوگوں کا نقصان ہو رہا ہو۔ اس کے علاوہ حجر کی مزید صورتیں حسب ذیل ہیں:

❁ ایک معلم صحیح تعلیم دینے کے بجائے بچوں کو غلط تعلیم دیتا ہے۔ ❁ کوئی شخص لوگوں کے اخلاق سدھارنے کے بجائے بگاڑتا ہے۔ ❁ کوئی ادارہ گندی اور فحش کتابیں شائع کرتا ہے۔ ❁ کوئی مفتی غلط فتوے دیتا اور لوگوں کا دین خراب کرتا ہے۔ ❁ کوئی جاہل حکیم اپنا مطب کھول کر لوگوں کی صحت برباد کرتا ہے۔ ❁ کوئی پیشہ ور لوگوں سے دھوکا اور فراڈ کرتا ہے۔

حکومت وقت کو چاہیے کہ ایسے لوگوں پر پابندی عائد کرے۔ عوام، حکومت تک اپنی شکایات پہنچا سکتے ہیں مگر انھیں چاہیے کہ قانون اپنے ہاتھ میں لے کر کوئی ایسا اقدام نہ کریں جس سے بدامنی اور بے چینی پھیلے۔ بہر حال یہ بھی حجر کی اقسام ہیں۔ حکومت کو ایسے لوگوں کا ضرور نوٹس لینا چاہیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں پچیس مرفوع احادیث بیان کی ہیں جن پر بیس کے قریب چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں۔ چیدہ، چیدہ عنوان حسب ذیل ہیں:

○ ادھار پر اشیاء خریدنا۔ ○ جو شخص مال ادا کرنے یا ہضم کرنے کی نیت سے قرض لے۔ ○ قرضوں کی ادائیگی کیسے ہو؟ ○ نرمی سے قرض لینے کا تقاضا کرنا۔ ○ اچھی طرح سے قرض ادا کرنا۔ ○ قرض سے پناہ طلب کرنا۔ ○ مقروض کا جنازہ نہ پڑھنا۔ ○ مقروض کا بلاوجہ ادائیگی سے ٹال مٹول کرنا۔ ○ دیوالیہ یا محتاج کا اثاثہ فروخت کر کے قرض خواہوں میں تقسیم کرنا۔ ○ قرض میں کسی کے لیے سفارش کرنا۔

بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ نے قرض کے متعلق بے شمار احکام و مسائل سے ہمیں آگاہ کیا ہے۔ انھوں نے اس سلسلے میں جو احادیث پیش کی ہیں وہ بھی قابل مطالعہ ہیں۔ ہماری گزارشات کو سامنے رکھتے ہوئے انھیں پڑھا جائے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

43 - كِتَابٌ فِي الِاسْتِقْرَاضِ وَأَدَاءِ الدُّيُونِ وَالْحَجْرِ وَالتَّفْلِيسِ

قرض لینے، اتارنے، تصرف سے روکنے اور دیوالیہ قرار دینے کے احکام ومسائل

(١) بَابُ مَنِ اشْتَرَى بِالدَّيْنِ وَلَيْسَ عِنْدَهُ ثَمَنُهُ أَوْ لَيْسَ بِحَضْرَتِهِ

باب: 1- جس نے کوئی چیز ادھار خریدی جبکہ اس کے پاس بالکل یا بروقت کچھ نہیں ہے

٢٣٨٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ - هُوَ الْبِيكَنْدِيُّ -: أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْمُغِيرَةِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «كَيْفَ تَرَى بَعِيرَكَ؟ أَتَبِيعُهُ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، فَبِعْتُهُ إِيَّاهُ، فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ غَدَوْتُ إِلَيْهِ بِالْبَعِيرِ فَأَعْطَانِي ثَمَنَهُ. [راجع: ٤٤٣]

[2385] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں ایک جنگ میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھا، آپ نے میرے اونٹ کے متعلق پوچھا: ”تم اسے کیسا پا رہے ہو؟ کیا تم اسے میرے ہاتھ بیچتے ہو؟“ میں نے عرض کیا: جی ہاں، چنانچہ میں نے وہ اونٹ آپ کو فروخت کر دیا۔ جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو میں آپ کی خدمت میں اونٹ لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے اس کی قیمت ادا کر دی۔

٢٣٨٦ - حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: تَذَاكَرْنَا عِنْدَ إِبْرَاهِيمَ الرَّهْنَ فِي السَّلَمِ فَقَالَ: حَدَّثَنِي الْأَسْوَدُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اشْتَرَى طَعَامًا مِّنْ يَهُودِيٍّ إِلَى أَجَلٍ وَّرَهَنَهُ دِرْعًا مِّنْ حَدِيدٍ. [راجع: ٢٠٦٨]

[2386] حضرت اعمش بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ابراہیم نخعی ؒ کے ہاں بیع سلم (قرض) میں گروی رکھنے کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا: مجھ سے اسود نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ نے ایک یہودی سے ایک معین مدت کے لیے (ادھار پر) غلہ خریدا اور اس کے پاس لوہے کی زرہ گروی رکھ دی۔

فوائد و مسائل: ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب میرے پاس رقم نہیں ہوگی تو میں کسی قسم کی خرید و فروخت نہیں کروں گا۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ عنوان اور پیش کردہ احادیث سے اس حدیث کے کمزور ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ② قیمت نہ ہونے کی دو صورتیں ہیں: ○ رقم بالکل موجود نہ ہو، جیب میں بھی نہیں اور گھر میں بھی موجود نہیں۔ ایسی صورت میں بھی اشیائے ضرورت خریدی جا سکتی ہیں جیسا کہ دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ ○ وقتی طور پر رقم موجود نہ ہو تو بھی خرید و فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ پہلی حدیث سے پتہ چلتا ہے، البتہ جس نے کوئی چیز خریدی لیکن قیمت ادا کرنے کا ارادہ نہیں بلکہ نیت میں فتور ہے تو ایسے شخص کے لیے خرید و فروخت درست نہیں جیسا کہ آئندہ عنوان سے پتہ چلتا ہے۔

(٢) بَابُ مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَدَاءَهَا أَوْ إِتْلَافَهَا

باب: 2- جو شخص قرض کے طور پر لوگوں سے ان کا مال ادا کرنے کی نیت سے لے یا اسے ہضم کرنے کی نیت سے لے

٢٣٨٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأُوَيْسِيُّ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي الْغَيْثِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَدَاءَهَا أَدَّى اللهُ عَنْهُ، وَمَنْ أَخَذَ يُرِيدُ إِتْلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللهُ».

[2387] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جو شخص لوگوں سے مال اس نیت سے لیتا ہے کہ وہ اس کی ادائیگی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ادا کرنے کی توفیق دے گا اور جو شخص لوگوں کا مال ضائع کر دینے کے ارادے سے لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ضائع کر دے گا۔''

فائدہ: بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ان کی نیتوں کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر وہ نیت نیک رکھتے ہیں تو انھیں دنیا و آخرت میں اس کا پھل دیتا ہے اور اگر کسی کی نیت میں فساد ہے تو اسے اس کی بدنیتی کی وجہ سے برے اثرات سے دوچار کر دیتا ہے۔ جو انسان کسی سے کوئی چیز یا نقدی لیتا ہے اور اس کی نیت ادا کرنے کی ہوتی ہے تو اس کی ادائیگی کے لیے اللہ تعالیٰ دنیا میں کوئی نہ کوئی سبب پیدا کر دیتا ہے یا پھر آخرت میں اللہ تعالیٰ قرض خواہ کو حوریں اور خوبصورت محلات دے کر راضی کر دے گا اور مقروض کو لوگوں کے سامنے ذلیل و خوار نہیں کرے گا۔ اس کے برعکس اگر اس کی نیت ادا کرنے کی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی دنیا ہی میں ساکھ خراب کر دیتا ہے۔ دوسرے لوگ اس کی بے ایمانی سے واقف ہو کر اس کے ساتھ لین دین ترک کر دیتے ہیں، نیز اس کی زندگی تنگ ہو جاتی ہے یا اسے کوئی جانی یا مالی نقصان ہوتا ہے اور آخرت میں بھی اسے عذاب سے دوچار کیا جائے گا، الغرض قرض لیتے وقت ہی ادا کرنے کی نیت اور فکر ضروری ہے۔

---

[1] سنن أبي داود، البيوع، حديث: 3344.

(٣) بَابُ أَدَاءِ الدُّيُونِ

باب:3-قرضوں کا ادا کرنا

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ [النساء: ٥٨].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کرو۔ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو۔ بلاشبہ اللہ تمھیں بہت اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔''

وضاحت: یہ آیت کریمہ اپنے عموم کے اعتبار سے ہر قسم کی امانت کو شامل ہے۔ اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو، جیسے نماز اور روزہ وغیرہ یا حقوق العباد سے ہو، جیسے قرض اور ودیعت وغیرہ، اللہ تعالیٰ نے انھیں ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ جو دنیا میں انھیں ادا نہیں کرے گا اسے قیامت کے دن ادا کرنا پڑے گا۔ اس دن اپنی نیکیاں دے کر اور دوسروں کی برائیاں اپنے کھاتے میں ڈال کر حساب چکانا پڑے گا۔

٢٣٨٨ - حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا أَبُو شِهَابٍ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، فَلَمَّا أَبْصَرَ - يَعْنِي أُحُدًا - قَالَ: «مَا أُحِبُّ أَنَّهُ يُحَوَّلُ لِي ذَهَبًا يَمْكُثُ عِنْدِي مِنْهُ دِينَارٌ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا دِينَارًا أُرْصِدُهُ لِدَيْنٍ»، ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ الْأَكْثَرِينَ هُمُ الْأَقَلُّونَ، إِلَّا مَنْ قَالَ بِالْمَالِ هٰكَذَا وَهٰكَذَا»، وَأَشَارَ أَبُو شِهَابٍ بَيْنَ يَدَيْهِ وَعَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ «وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ»، وَقَالَ: «مَكَانَكَ» وَتَقَدَّمَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَسَمِعْتُ صَوْتًا فَأَرَدْتُ أَنْ آتِيَهُ، ثُمَّ ذَكَرْتُ قَوْلَهُ: «مَكَانَكَ حَتَّى آتِيَكَ». فَلَمَّا جَاءَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! اَلَّذِي سَمِعْتُ - أَوْ قَالَ: اَلصَّوْتُ الَّذِي سَمِعْتُ -؟ قَالَ: «وَهَلْ سَمِعْتَ؟»

[2388] حضرت ابوذر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایک مرتبہ نبی ﷺ کے ہمراہ تھا، آپ نے احد پہاڑ کو دیکھ کر فرمایا: ''میں نہیں چاہتا کہ یہ پہاڑ میرے لیے سونے کا بن جائے تو تین دن کے بعد ایک دینار بھی اس میں سے میرے پاس باقی رہے مگر وہ دینار جسے میں نے قرض کی ادائیگی کے لیے رکھ لیا ہو۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''بے شک جو دولت مند ہیں وہی محتاج ہیں مگر وہ شخص جو مال کو اس طرح خرچ کرے۔'' (راوی حدیث) ابوشہاب نے اپنے ہاتھ سے سامنے، دائیں اور بائیں جانب اشارہ کر کے بتایا کہ اس طریقے سے۔ ''لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم یہیں ٹھہرو۔'' پھر آپ تھوڑی دور آگے بڑھ گئے، چنانچہ میں نے کچھ آواز سنی تو ادھر جانا چاہا لیکن مجھے آپ کا فرمان یاد آ گیا کہ ''یہیں ٹھہرے رہنا جب تک میں تیرے پاس نہ آ جاؤں۔'' جب آپ واپس

قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «أَتَانِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَقَالَ: مَنْ مَّاتَ مِنْ أُمَّتِكَ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ»، قُلْتُ: وَمَنْ فَعَلَ كَذَا وَكَذَا؟ قَالَ: «نَعَمْ». [راجع: ١٢٣٧]

آئے تو میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ آواز کیسی تھی جو میں نے سنی؟ آپ نے فرمایا: ''تو نے آواز سنی تھی؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے تھے، انھوں نے کہا: آپ کی امت میں سے جو شخص اس حالت میں فوت ہو کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' میں نے عرض کیا: اگرچہ وہ ایسے ایسے کام کرتا ہو؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں (تب بھی جنت میں ضرور جائے گا)۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کی فیاضی اور سخاوت کا پتہ چلتا ہے کہ آپ نے احد پہاڑ کے سونا بننے کی تمنا کی تا کہ میں اسے تین دن کے اندر اندر لوگوں میں تقسیم کر دوں۔ آپ کی غریب پروری کو بیان کیا گیا ہے، نیز پتا چلا کہ رسول اللہ ﷺ ادائیگی قرض کے معاملے میں انتہائی حساس تھے۔ آپ نے فرمایا: ''تقسیم کے بعد میرے پاس سونا اتنا ہی بچے جس سے میں قرض ادا کرسکوں۔'' ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرض کی ادائیگی صدقہ و خیرات کرنے پر مقدم ہے، نیز اس کی ادائیگی کے لیے انسان کو ہر وقت فکر مند رہنا چاہیے۔

٢٣٨٩ - حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبِ بْنِ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ يُونُسَ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَوْ كَانَ لِي مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا مَّا يَسُرُّنِي أَنْ لَّا يَمُرَّ عَلَيَّ ثَلَاثٌ وَّعِنْدِي مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا شَيْءٌ أُرْصِدُهُ لِدَيْنٍ». رَوَاهُ صَالِحٌ وَّعُقَيْلٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ.

[انظر: ٦٤٤٥، ٧٢٢٨]

[2389] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھے یہ پسند نہیں کہ مجھ پر تین دن گزر جائیں اور اس میں سے کوئی چیز میرے پاس باقی رہے۔ ہاں، قرض کی ادائیگی کے لیے کچھ رکھ لوں تو اور بات ہے۔'' اس روایت کو صالح اور عقیل نے زہری سے بیان کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے بھی ادائیگی قرض کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی آرزو فرمائی، صرف اتنا رکھ لینے کی تمنا کی جس سے قرض ادا ہو سکے۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ خیرات کرنے کے لیے قرض لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ادا کرنے کی نیت ہو تو خیرات کرنے کے لیے قرض لیا جا سکتا ہے بلکہ ایسا کرنا باعث ثواب ہے۔ جو شخص نیک کاموں میں خرچ کرنے کی وجہ سے مقروض ہو جائے تو اللہ تعالیٰ خزانۂ غیب سے اس کے قرض کی ادائیگی کا ضرور بندوبست کر دیتا ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے بتایا ہے کہ اس حدیث کو یونس کے علاوہ صالح اور عقیل

نے بھی امام زہری رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے۔ ان دونوں کی مرویات کو محمد بن یحییٰ ذہلی کی کتاب ''زہریات'' میں متصل سند سے بیان کیا گیا ہے۔[1]

(٤) بَابُ اسْتِقْرَاضِ الْإِبِلِ

باب: 4- اونٹ قرض لینا

٢٣٩٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: أَخْبَرَنَا سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ بِمِنًى يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَجُلًا تَقَاضَى رَسُولَ اللهِ ﷺ فَأَغْلَظَ لَهُ، فَهَمَّ بِهِ أَصْحَابُهُ فَقَالَ: «دَعُوهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا وَّاشْتَرُوا لَهُ بَعِيرًا فَأَعْطُوهُ إِيَّاهُ»، قَالُوا: لَا نَجِدُ إِلَّا أَفْضَلَ مِنْ سِنِّهِ، قَالَ: «اشْتَرُوهُ فَأَعْطُوهُ إِيَّاهُ، فَإِنَّ خَيْرَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً».

[راجع: ٢٣٠٥]

[2390] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے قرض کا تقاضا کیا تو اس نے تقاضا کرنے میں سختی سے کام لیا۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام اس کی طرف لپکے تو آپ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو کیونکہ صاحب حق کو بات کرنے کا حق ہے۔ اس کے لیے کوئی اونٹ خرید و اور اسے دے دو۔'' صحابۂ کرام نے کہا: ہمیں تو اس کے اونٹ (کی عمر) سے زیادہ عمر کا اونٹ ملتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہی خرید لو اور اسے دے دو کیونکہ تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو ادائیگی کے اعتبار سے بہتر ہے۔''

فوائد و مسائل: ① اجناس کے تبادلے میں، اگر وہ ہم جنس ہوں تو دو باتیں ضروری ہیں: برابر ہونا اور نقد ہونا۔ اگر مختلف اجناس کا باہمی تبادلہ کرنا ہو تو ایک چیز کا ہونا ضروری ہے کہ سودا دست بدست ہو، البتہ کمی بیشی جائز ہے لیکن حیوانات میں کوئی پابندی نہیں۔ ان کا باہمی تبادلہ ادھار بھی کیا جا سکتا ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے اور ان میں کمی بیشی بھی درست ہے جیسا کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ایک اونٹ لیتا اور صدقے کے دو اونٹ دینے کا وعدہ کرتا تھا۔[2] البتہ بعض روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حیوان کو حیوان کے بدلے ادھار پر فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔[3] امام شافعی رحمہ اللہ نے ان احادیث کے درمیان تطبیق اس طرح دی ہے کہ یہاں ادھار سے مراد دونوں طرف سے ادھار ہے، یعنی بيع الكالئ بالكالئ مراد ہے۔[4] بہر حال حیوانات کی خرید و فروخت کے متعلق وسعت ہے۔ ایک جانور کو دو یا اس سے زیادہ اسی جنس کے جانوروں کے عوض نقد اور ادھار پر فروخت کرنا جائز ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے دو غلاموں کے عوض ایک غلام خریدا تھا۔[5]

---

① فتح الباري: 71/5. ② مسند أحمد: 171/2. ③ سنن أبي داود، البيوع، حديث: 3356. ④ فتح الباري: 72/5.
⑤ صحيح مسلم، المساقاة، حديث: 4113(1602).

(٥) بَابُ حُسْنِ التَّقَاضِي

باب:5-نرمی سے تقاضا کرنا

٢٣٩١ - حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ رِبْعِيٍّ، عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «مَاتَ رَجُلٌ فَقِيلَ لَهُ: مَا كُنْتَ تَقُولُ؟ قَالَ: كُنْتُ أُبَايِعُ النَّاسَ فَأَتَجَوَّزُ عَنِ الْمُوسِرِ، وَأُخَفِّفُ عَنِ الْمُعْسِرِ، فَغُفِرَ لَهُ». قَالَ أَبُو مَسْعُودٍ: سَمِعْتُهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٢٠٧٧]

[2391] حضرت حذیفہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''ایک شخص مرا تو اس سے پوچھا گیا: تو کیا کرتا تھا؟ اس نے کہا کہ میں لوگوں سے لین دین کرتا تھا، جو لوگ کشادہ حال ہوتے ان سے درگزر کرتا اور جو لوگ تنگ دست ہوتے ان کا بوجھ ہلکا کر دیتا تھا۔ تو اس کے گناہ معاف کر دیے گئے۔'' حضرت ابومسعود ؓ کہتے ہیں: میں نے یہ حدیث نبی ﷺ سے خود سنی ہے۔

فوائدومسائل: ① اس حدیث سے تقاضا کرتے وقت نرمی کرنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کا بھی ذکر ہے کہ وہ معمولی سی نیکی کے بدلے بڑے بڑے گناہ معاف کر دیتا ہے کیونکہ جب انسان اچھی نیت سے کوئی نیکی کرتا ہے تو اللہ کی رحمت سے وہ خسارے میں نہیں رہتا۔ ② حدیث میں مذکور نیکی کو قرآن کریم نے ایک دوسرے انداز میں بیان کیا ہے کہ اگر مقروض تنگ دست ہے تو اسے کشادگی تک مزید مہلت دے دو اور اگر بالکل ہی معاف کر دو تو یہ سب سے بہتر ہے۔[1] بہر حال تقاضا کرتے وقت نرمی اور فراخ دلی کا مظاہرہ کرنا اللہ کے ہاں انتہائی پسندیدہ عمل ہے۔

(٦) بَابٌ: هَلْ يُعْطِي أَكْبَرَ مِنْ سِنِّهِ؟

باب: 6- کیا قرض کے اونٹ کے عوض اس سے زیادہ عمر کا اونٹ دیا جا سکتا ہے؟

٢٣٩٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى، عَنْ سُفْيَانَ: حَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ يَتَقَاضَاهُ بَعِيرًا، قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَعْطُوهُ»، فَقَالُوا: لَا نَجِدُ إِلَّا سِنًّا أَفْضَلَ مِنْ سِنِّهِ، فَقَالَ الرَّجُلُ: أَوْفَيْتَنِي أَوْفَاكَ اللهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَعْطُوهُ فَإِنَّ

[2392] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اپنا اونٹ واپس لینے کا تقاضا کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے اونٹ دو۔'' صحابۂ کرام ؓ نے عرض کیا: ہمیں تو اس کے اونٹ سے بڑی عمر کا بہتر اونٹ ملتا ہے۔ تب وہ شخص کہنے لگا: آپ نے میرا پورا حق ادا کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا پورا پورا بدلہ دے۔ رسول اللہ ﷺ

[1] البقرة 2:280۔

مِنْ خِيَارِ النَّاسِ أَحْسَنُهُمْ قَضَاءً». [راجع: ٢٣٠٥]

نے فرمایا: "اسے وہی اونٹ دے دو کیونکہ اچھے لوگ وہی ہیں جو اچھی طرح قرض ادا کرتے ہیں۔"

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرض کی ادائیگی کے وقت اگر کوئی فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اصل سے زیادہ واپس کر دے تو یہ اس کی سخاوت اور فیاضی ہے۔ ایسا کرنا منع نہیں، البتہ چیز کی پابندی قبول یا عائد کرنا کہ اس قدر دے رہا ہوں اور اتنا وصول کروں گا، یہ صریح سود ہے۔ شریعت نے اس سے منع کیا ہے۔ دراصل بعض حضرات کا موقف ہے کہ قرض کی ادائیگی کے وقت وصف میں عمدہ دینا تو جائز ہے لیکن مقدار میں زیادہ دینا ممنوع ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں تنبیہ فرمائی کہ دونوں طرح جائز ہے بشرطیکہ عقد کرتے وقت اضافے کی شرط نہ ہو یا اُن کے ہاں طے شدہ دستور نہ ہو۔ اگر کوئی اپنی طرف سے عرف اور شرط کے بغیر زیادہ دیتا ہے تو یہ احسان ہے سود نہیں جیسا کہ مقروض آدمی اگر قرض خواہ کی کوئی ضرورت پوری کر دے تو ایسا کرنا سود نہیں۔

(٧) بَابُ حُسْنِ الْقَضَاءِ

باب: 7- اچھی طرح سے قرض ادا کرنا

٢٣٩٣ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ لِرَجُلٍ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ سِنٌّ مِّنَ الْإِبِلِ فَجَاءَهُ يَتَقَاضَاهُ، فَقَالَ ﷺ: «أَعْطُوهُ»، فَطَلَبُوا سِنَّهُ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُ إِلَّا سِنًّا فَوْقَهَا، فَقَالَ: «أَعْطُوهُ»، فَقَالَ: أَوْفَيْتَنِي أَوْفَى اللهُ بِكَ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ خِيَارَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً». [راجع: ٢٣٠٥]

[2393] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ایک شخص کا نبی ﷺ کے ذمے ایک خاص عمر کا اونٹ واجب الادا تھا۔ جب وہ آپ سے تقاضا کرنے آیا تو آپ نے فرمایا: "اسے اونٹ دے دو۔" صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اُس عمر کا اونٹ تلاش کیا تو نہ مل سکا بلکہ اس سے زیادہ عمر کا اونٹ دستیاب ہوا، تو آپ نے فرمایا: "وہی دے دو۔" اس شخص نے کہا: آپ نے مجھے پورا حق دے دیا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا پورا پورا ثواب دے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جو ادائیگی کے لحاظ سے بہترین ہیں۔"

فائدہ: اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ مقروض کو خوش دلی اور فیاضی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ ادائیگی کے وقت بدمزگی پیدا کرنا یا تنگ دلی کا اظہار، اخلاق اور مروت کے منافی ہے۔

٢٣٩٤ - حَدَّثَنَا خَلَّادٌ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ: حَدَّثَنَا مُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ - قَالَ مِسْعَرٌ: أُرَاهُ قَالَ: ضُحًى -

[2394] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں ایک دفعہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ (راوئ حدیث) حضرت مسعر کہتے ہیں کہ میرے گمان کے مطابق

فَقَالَ: «صَلِّ رَكْعَتَيْنِ»، وَكَانَ لِي عَلَيْهِ دَيْنٌ فَقَضَانِي وَزَادَنِي. [راجع: ٤٤٣]

انھوں نے کہا: چاشت کا وقت تھا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''دو رکعت ادا کرو۔'' میرا آپ کے ذمے کچھ قرض تھا تو آپ نے وہ ادا کیا اور مجھے کچھ زیادہ بھی دیا۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کو دوسرے ذرائع سے معلوم ہوا تھا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ آج کل گھریلو مسائل کا شکار ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی دلداری کا سامان کیا، دوران سفر میں ان کا ایک مریل اونٹ خریدا، مدینے پہنچ کر آپ نے اس کی قیمت ادا کی جو چاندی کی شکل میں تھی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کہا کہ انھیں اصل قیمت سے ایک قیراط زیادہ دینا۔ ② یہ اضافہ رسول اللہ ﷺ کا تبرک تھا جسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ بہت حفاظت سے رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی اس فیاضی پر امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان قائم کیا ہے کہ ادائیگی کے وقت خوش دلی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

(٨) بَابٌ: إِذَا قَضَى دُونَ حَقِّهِ أَوْ حَلَّلَهُ فَهُوَ جَائِزٌ

باب:8- اگر کوئی دوسرے کا حق کم ادا کرے (قرض خواہ راضی ہو) یا اس سے معاف کرا لے تو جائز ہے

٢٣٩٥ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَاهُ قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ شَهِيدًا وَعَلَيْهِ دَيْنٌ، فَاشْتَدَّ الْغُرَمَاءُ فِي حُقُوقِهِمْ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَسَأَلَهُمْ أَنْ يَقْبَلُوا تَمْرَ حَائِطِي وَيُحَلِّلُوا أَبِي فَأَبَوْا، فَلَمْ يُعْطِهِمُ النَّبِيُّ ﷺ حَائِطِي وَقَالَ: «سَنَغْدُو عَلَيْكَ»، فَغَدَا عَلَيْنَا حِينَ أَصْبَحَ، فَطَافَ فِي النَّخْلِ وَدَعَا فِي ثَمَرِهَا بِالْبَرَكَةِ، فَجَدَدْتُهَا فَقَضَيْتُهُمْ وَبَقِيَ لَنَا مِنْ تَمْرِهَا. [راجع: ٢١٢٧]

[2395] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے والد غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے اور ان پر قرض تھا تو قرض خواہوں نے حقوق طلبی میں سختی سے کام لیا۔ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے قرض خواہوں سے فرمایا کہ وہ ان کے باغ کا پھل قبول کر لیں اور ان کے والد کو قرض سے بری کر دیں، لیکن ان لوگوں نے اس سے انکار کر دیا۔ نبی ﷺ نے انھیں میرا باغ نہ دیا بلکہ مجھ سے فرمایا: ''میں کل تمھارے باغ میں آؤں گا۔'' چنانچہ آپ ﷺ صبح تشریف لائے تو میرے باغ کا پورا چکر لگایا اور اس کے پھل میں برکت کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد میں نے پھل اتارا، اس میں سے قرض خواہوں کا قرض بھی ادا کر دیا اور ہمارے لیے کچھ کھجوریں بچ بھی گئیں۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے قرض خواہوں کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے باغ کا پھل لینے کی پیش کش فرمائی لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پھل کی مقدار ان کے قرض سے کم تھی، اس پر رسول اللہ ﷺ نے انھیں راضی کرنا چاہا۔ اس پر امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے عنوان کی بنیاد رکھی ہے کہ اگر کسی کو اس کے حق سے کم دینا جائز نہ ہوتا تو آپ ایسا

کیوں کرتے لیکن کم دینے کی صورت میں حق دار کی رضامندی شرط ہے، جب وہ راضی نہ ہوئے تو آپ نے اس پر اصرار نہیں کیا بلکہ معاملہ اگلے دن پر چھوڑ دیا۔ ② جب آدمی کو قرض کا کچھ حصہ معاف کرنے کا اختیار ہے تو وہ تمام قرض بھی معاف کر سکتا ہے، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اس مقام پر امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک وہم دور کیا ہے کہ کسی نے دوسرے سے دس ہزار قرض لینا تھا، جب وہ آٹھ ہزار لینے پر راضی ہو گیا تو دو ہزار مقروض کے ہاں بلاعوض رہ گئے، شاید یہ سود ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس وہم کو دور کیا کہ قرض خواہ کو اپنا قرض معاف کرنے کا اختیار ہے، خواہ کچھ حصہ چھوڑ دے یا تمام قرض اس پر صدقہ کر دے۔ قرآن کریم میں اس کا اشارہ موجود ہے۔[1]

(٩) بَابٌ: إِذَا قَاصَّ أَوْ جَازَفَهُ فِي الدَّيْنِ تَمْرًا بِتَمْرٍ أَوْ غَيْرِهِ

باب: 9- قرض کی ادائیگی میں پورے تول یا اندازے سے کھجوروں یا کسی اور چیز کے بدلے کھجوریں دے تو جائز ہے

٢٣٩٦ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَاهُ تُوُفِّيَ وَتَرَكَ عَلَيْهِ ثَلَاثِينَ وَسْقًا لِّرَجُلٍ مِّنَ الْيَهُودِ، فَاسْتَنْظَرَهُ جَابِرٌ، فَأَبَى أَنْ يُّنْظِرَهُ، فَكَلَّمَ جَابِرٌ رَّسُولَ اللهِ ﷺ لِيَشْفَعَ لَهُ إِلَيْهِ، فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَكَلَّمَ الْيَهُودِيَّ لِيَأْخُذَ ثَمَرَ نَخْلِهِ بِالَّتِي لَهُ فَأَبَى، فَدَخَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ النَّخْلَ فَمَشَى فِيهَا ثُمَّ قَالَ لِجَابِرٍ: «جُدَّ لَهُ فَأَوْفِ لَهُ الَّذِي لَهُ»، فَجَدَّهُ بَعْدَ مَا رَجَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَوْفَاهُ ثَلَاثِينَ وَسْقًا وَّفَضَلَتْ لَهُ سَبْعَةَ عَشَرَ وَسْقًا، فَجَاءَ جَابِرٌ رَّسُولَ اللهِ ﷺ لِيُخْبِرَهُ بِالَّذِي كَانَ، فَوَجَدَهُ يُصَلِّي الْعَصْرَ، فَلَمَّا انْصَرَفَ أَخْبَرَهُ بِالْفَضْلِ فَقَالَ: «أَخْبِرْ ذٰلِكَ ابْنَ الْخَطَّابِ»، فَذَهَبَ جَابِرٌ إِلَى عُمَرَ فَأَخْبَرَهُ،

[2396] وہب بن کیسان کہتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے انھیں بتایا کہ ان کے والد جب فوت ہوئے تو ان پر ایک یہودی کا تیس وسق قرض تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس سے مہلت طلب کی تو اس نے مہلت دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ یہودی سے اس کی سفارش کریں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ یہودی کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے گفتگو کی کہ وہ اپنے قرض کے عوض اس (جابر) کے باغ کی کھجوریں لے لے تو اس نے انکار کر دیا۔ تب رسول اللہ ﷺ باغ میں تشریف لے گئے اور اس کا چکر لگایا، پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اس کا پھل توڑ کر اس کا قرض ادا کرو۔'' چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے واپس جانے کے بعد پھل توڑا اور یہودی کے تیس وسق پورے دے دیے۔ ان کے پاس سترہ وسق کھجور باقی بچ رہی۔ اس کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے

[1] البقرة 2:280.

فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: لَقَدْ عَلِمْتُ حِينَ مَشَى فِيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيُبَارَكَنَّ فِيهَا. [راجع: ٢١٢٧]

تا کہ آپ سے یہ واقعہ بیان کریں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو عصر کی نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ سے کھجور کے باقی بچ رہنے کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: ''ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو بھی اس سے آگاہ کرو۔'' چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اس کی خبر دی تو انھوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے باغ کا چکر لگایا تھا تو مجھے اسی وقت یقین ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس میں ضرور برکت فرمائے گا۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ قرض کی ادائیگی میں سستی اور کاہلی کی جاتی ہے، یعنی اس میں وہ بات جائز ہوتی ہے جو عام لین دین میں جائز نہیں ہوتی، چنانچہ خشک کھجور کے عوض درخت پر لگی ہوئی تازہ کھجور دینا جائز نہیں صرف محدود پیمانے پر عرایا میں جائز ہے۔ لیکن قرض کی ادائیگی اس انداز سے ہو سکتی ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہودی کو خشک کھجوروں کے عوض تازہ کھجوریں ادا کیں تاکہ باپ کا قرض اتر جائے۔ اس یہودی نے اپنے قرض کے عوض باغ کی تازہ کھجوریں یک مشت وصول کر لیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ اس سے سارے باغ کی کھجوریں لینے کی پیشکش کر چکے تھے، لیکن وہ اس کے قرض سے کم معلوم ہوتی تھیں، اس لیے وہ اس پر راضی نہ ہوا۔ اگر کھجوریں زیادہ ہوتیں تو یہودی خوشی سے اس پیشکش کو قبول کر لیتا۔ رسول اللہ ﷺ کی دعا سے اس باغ سے 47 وسق کھجوریں اتریں۔ ② حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتانے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو اس یہودی پر بڑا غصہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ سفارش کے لیے اس کے پاس چل کر گئے لیکن وہ اپنا حق ساقط کرنے پر راضی نہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اطلاع دی تاکہ ان کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے، نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد کے قرض کی بہت فکر لاحق رہتی تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انھیں اطلاع دینا مناسب خیال فرمایا۔

(١٠) بَابُ مَنِ اسْتَعَاذَ مِنَ الدَّيْنِ

باب: 10- جس نے قرض سے پناہ مانگی

٢٣٩٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ؛ ح: وَحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَدْعُو فِي الصَّلَاةِ وَيَقُولُ: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي

[2397] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ دوران نماز میں دعا کیا کرتے تھے: ''اے اللہ! میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔'' کسی کہنے والے نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ قرض سے بکثرت پناہ کیوں مانگتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی جب مقروض ہوتا ہے تو بات بات پر جھوٹ بولتا ہے اور

أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ»، فَقَالَ قَائِلٌ: مَا أَكْثَرَ مَا تَسْتَعِيذُ يَا رَسُولَ اللهِ مِنَ الْمَغْرَمِ! قَالَ: «إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ وَوَعَدَ فَأَخْلَفَ». [راجع: ۸۳۲]

وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔"

فوائد و مسائل: ① تاوان میں پڑنے کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً: مقروض ہو گیا، محتاج ہو گیا یا کسی مالی مشکل میں پھنس گیا۔ جب آدمی اس طرح کی صورتِ حال سے دوچار ہو جائے تو قرض خواہ سے کہتا ہے آپ فکر نہ کریں، انتظام ہو گیا ہے، اتنے دنوں تک آپ کی رقم ادا کر دی جائے گی، لیکن اسے پورا نہیں کر پاتا بلکہ وعدہ خلافی اس کا معمول بن جاتی ہے، ایسے انسان کی امانت و دیانت اور صداقت وغیرہ مجروح ہو جاتی ہے۔ ② حضرت مہلب فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان ذرائع سے بھی پناہ مانگنی چاہیے جو انسان کے لیے گناہ اور وعدہ خلافی کا باعث بنیں۔ نبی ﷺ نے قرض سے اس لیے پناہ مانگی ہے کہ یہ جھوٹ اور وعدہ خلافی کا ذریعہ ہے، دوسرا اس سے ذلت و رسوائی اور قرض خواہ کی طرف سے ڈانٹ ڈپٹ ہوتی ہے۔[1]

(۱۱) بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى مَنْ تَرَكَ دَيْنًا

باب: 11- اس شخص کی نماز جنازہ جو قرض چھوڑ کر مرا

۲۳۹۸ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ، وَمَنْ تَرَكَ كَلًّا فَإِلَيْنَا». [راجع: ۲۲۹۸]

[2398] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "جس نے کوئی مال چھوڑا تو وہ اس کے ورثاء کا حق ہے اور جس نے کوئی بوجھ (اہل و عیال یا قرض) چھوڑا تو وہ ہمارے ذمے ہے۔"

فوائد و مسائل: ① بظاہر اس عنوان کا مقام کتاب الجنائز ہے، پھر اس حدیث میں نماز جنازہ کا کوئی ذکر نہیں ہے؟ دراصل امام بخاری ؒ نے آغاز کار کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ابتدائے اسلام میں اگر کوئی مر جاتا اور اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے کچھ نہ چھوڑا ہوتا تو آپ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھایا کرتے تھے۔ بعد میں جب فتوحات کا زمانہ آیا تو آپ نے میت کا قرض بیت المال کے ذمے کر دیا۔ ② اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مرنے والے کے پاس قرض کی ادائیگی کا سامان نہیں ہے تو اس کا قرض بیت المال کی طرف سے ادا کیا جائے گا، لیکن اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ لوگ قرض لے کر فضول خرچیاں کریں اور اس امید پر اسراف کریں کہ بیت المال کی طرف سے ادا کر دیا جائے گا۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ اس پہلو پر کڑی نظر رکھے تاکہ لوگ اس سہولت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں۔

---

1 فتح الباري: 77/5.

٢٣٩٩ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَا مِنْ مُؤْمِنٍ إِلَّا وَأَنَا أَوْلَى بِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، اِقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾ [الأحزاب: ٦] فَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا فَلْيَرِثْهُ عَصَبَتُهُ مَنْ كَانُوا، وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيَاعًا فَلْيَأْتِنِي فَأَنَا مَوْلَاهُ». [راجع: ٢٢٩٨]

[2399] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”دنیا میں کوئی مومن ایسا نہیں جس سے میرا دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ قریب رشتہ نہ ہو۔ اگر چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ لو: ”نبی اہل ایمان سے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریبی رشتہ رکھتے ہیں۔“ لہٰذا جو کوئی مومن مر جائے اور مال چھوڑ جائے تو وہ اس کے خاندان کو ملے گا جو اس کے وارث ہوں۔ اور جو کوئی قرض یا عیال چھوڑ جائے تو وہ میرے پاس آئے میں اس کا بندوبست کرنے والا ہوں۔“

فائدہ: رسول اللہ ﷺ اہل ایمان پر بہت مہربان ہیں کیونکہ انسان گناہ کر کے خود کو ہلاکت اور بربادی میں ڈالنا چاہتا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ اسے بچانا چاہتے ہیں، اس لیے آپ اہل ایمان پر خود ان سے زیادہ مہربان ہیں، اسی مہربانی کا نتیجہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو مومن فوت ہو جائے تو اس کے مال کے وارث اس کے قریبی رشتہ دار ہوں گے اور جو قرض یا بے سہارا بچے چھوڑ جائیں اس کی سرپرستی رسول اللہ ﷺ کے ذمے ہے۔ رسول اللہ ﷺ پہلے مقروض کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے لیکن فتوحات کے بعد ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھنا شروع کر دی۔

(١٢) بَابٌ: مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ

باب: 12- مالدار کا (قرض خواہ سے) ٹال مٹول کرنا زیادتی ہے

٢٤٠٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ أَخِي وَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ». [راجع: ٢٢٨٧]

[2400] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مالدار کا ٹال مٹول کرنا صریح ظلم ہے۔“

فائدہ: اگر کسی نے قرض لیا، لیکن جب اسے ادا کرنے کے قابل ہوا تو ٹال مٹول کرنے لگا، یہ زیادتی ہے، شریعت کی نظر میں یہ ایک سنگین جرم ہے اور عدالت جرم کی نوعیت کے مطابق اسے سزا دے سکتی ہے۔ یہ ایسی حرکت نہیں جسے نظر انداز کر دیا جائے۔

(۱۳) بَابٌ: لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالٌ

باب: 13-حق دار کو کچھ کہنے (طعن وملامت کرنے) کا حق ہے

وَيُذْكَرُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهُ وَعُقُوبَتَهُ». قَالَ سُفْيَانُ: عِرْضُهُ يَقُولُ: مَطَلْتَنِي، وَعُقُوبَتُهُ: اَلْحَبْسُ.

نبی ﷺ سے یہ منقول ہے: ''جو شخص قدرت کے باوجود ٹال مٹول کرتا ہے، اس کا یہ رویہ، اسے سزا دینے اور اس کی بے عزتی کرنے کو حلال کر دیتا ہے۔'' سفیان کہتے ہیں: اس کی عزت کا حلال ہونا یہ ہے کہ قرض خواہ اسے کہے کہ تم میرے ساتھ صرف ٹال مٹول کر رہے ہو۔ اور سزا سے مراد اسے قید کرنا ہے۔

وضاحت: ''حق دار کو کچھ کہنے'' کی تفسیر مذکورہ معلق روایت سے کی گئی ہے۔ اسے امام احمد، امام ابوداود اور امام نسائی ؒ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1] مطلب یہ ہے کہ کسی نے قرض لیا، پھر قدرتِ ادائیگی کے باوجود ٹال مٹول کرتا ہے تو صاحب حق کو اس سے تلخ کلامی کا حق ہے۔ اس کا یہ حق تسلیم کیا گیا ہے۔ حضرت سفیان ؒ نے جو وضاحت کی ہے اس رو سے اسے طعن وملامت اور برا بھلا کہا جا سکتا ہے اور حدیث کے مطابق اسے قید میں بھی ڈالا جا سکتا ہے۔[2]

٢٤٠١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ يَتَقَاضَاهُ فَأَغْلَظَ لَهُ، فَهَمَّ بِهِ أَصْحَابُهُ فَقَالَ: «دَعُوهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا». [راجع: ٢٣٠٥]

[2401] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص اپنے حق کا مطالبہ کرنے کے لیے حاضر ہوا۔ اس نے حق طلبی میں آپ کے ساتھ کچھ سخت انداز اختیار کیا تو صحابۂ کرام ؓ نے اس کی گوشمالی کرنے (اسے سزا دینے) کا ارادہ کیا۔ آپ نے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو، بے شک صاحب حق کو (کڑوی کسیلی) باتیں کرنے کا حق ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام نے حقوق العباد کے سلسلے میں کس قدر ذمہ داری کا احساس دلایا ہے۔ ② دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ قرض خواہ وقت مقررہ سے پہلے ہی اپنے حق کا تقاضا کرنے آ گیا تھا، اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف اس کے درشت انداز اور سخت کلامی کو برداشت کیا بلکہ اس کے سخت رویے کو قانونی تحفظ دیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ ہی کی شان ہے کہ آپ ایسی باتیں سن کر کہتے ہیں کہ جس کا کوئی حق نکلتا ہے وہ کچھ کہنے کا حق دار بھی

[1] مسند أحمد: 388/4، وسنن أبي داود، القضاء، حديث: 3628، وسنن النسائي، البيوع، حديث: 4693، 4694. [2] فتح الباري: 78/5.

ہے، ہمارے جیسا ہوتا تو ایسے موقع پر اپنی آستین چڑھا لیتا اور اینٹ کا جواب پتھر سے دیتا۔

(١٤) بَابٌ: إِذَا وَجَدَ مَالَهُ عِنْدَ مُفْلِسٍ فِي الْبَيْعِ وَالْقَرْضِ وَالْوَدِيعَةِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ

باب: 14- جب کوئی شخص اپنا مال از قسم بیع، قرض اور امانت کسی دیوالیہ شخص کے پاس پائے تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے

وَقَالَ الْحَسَنُ: إِذَا أَفْلَسَ وَتَبَيَّنَ لَمْ يَجُزْ عِتْقُهُ وَلَا بَيْعُهُ وَلَا شِرَاؤُهُ. وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: قَضَى عُثْمَانُ: مَنِ اقْتَضَى مِنْ حَقِّهِ قَبْلَ أَنْ يُفْلِسَ فَهُوَ لَهُ، وَمَنْ عَرَفَ مَتَاعَهُ بِعَيْنِهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ.

امام حسن بصری ؒ نے کہا: جب کوئی دیوالیہ ہو جائے اور اس کا دیوالیہ پن حاکم کے نزدیک ثابت ہو جائے تو اس کا غلام کو آزاد کرنا اور خرید و فروخت کرنا جائز نہیں۔ حضرت سعید بن مسیب نے کہا کہ حضرت عثمان ؓ کے فیصلے کے مطابق جس نے کسی کے دیوالیہ ہونے سے پہلے اپنا حق لے لیا وہ اس کا ہے اور جس نے بعینہٖ اپنا مال پہچان لیا وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔

وضاحت: امام بخاری ؒ نے قرض کے معاملات بیان کرنے کے بعد اب دیوالیہ کے مسائل شروع کیے ہیں۔ بعض اوقات کوئی کاروباری شخص کسی چکر میں پھنس جاتا ہے جس کے نتیجے میں بہت سے لوگوں کے حقوق تلف ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے، ایسے حالات میں اسے اور اس کے ساتھ معاملہ کرنے والوں کو سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ حکومت ایسے شخص کو دیوالیہ قرار دے دیتی ہے اور اس کے آزادانہ تصرفات پر کچھ قدغن عائد کر دی جاتی ہے۔ اس سے مقصود کسی کو ذلیل کرنا نہیں بلکہ جس کے ذمے کچھ ہے اس کی اور جن کا کچھ تعلق ہے ان کی مدد کرنا ہوتی ہے۔ بعض اوقات عدالت ازخود کسی کو دیوالیہ قرار دے دیتی ہے اور بعض دفعہ وہ شخص خود اپنی مجبوریوں کا اظہار کر کے درخواست کرتا ہے کہ میں اب ادائیگیوں کا اہل نہیں ہوں، میری قانونی اور اخلاقی مدد کی جائے۔ لیکن دور حاضر میں بہت دھوکا اور فراڈ کیا جاتا ہے۔ حکومت سے جو بڑے بڑے قرضے لیے جاتے ہیں انھیں ہڑپ کرنے کے لیے بھی قانونِ دیوالیہ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ عدالت کو اس سلسلے میں مبنی بر انصاف معاملہ کرنا چاہیے۔ امام بخاری ؒ کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنا مال، خواہ اس کی نوعیت خرید و فروخت کی ہو یا قرض کی یا امانت کی، کسی دیوالیہ شخص کے پاس پاتا ہے تو وہ اسے دے دیا جائے گا، اس کے علاوہ جو کچھ ہو گا وہ تناسب کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا تاکہ سب کی اشک شوئی (تسلی) ہو سکے۔ حسن بصری ؒ کہتے ہیں: اگر کوئی عدالت کی طرف سے دیوالیہ قرار دیا جائے تو اس کا اپنے غلام کو آزاد کرنا، کوئی چیز فروخت کرنا اور خریدنا جائز نہیں۔ اگر ایسے حالات میں اسے معاملات کرنے کی اجازت دی جائے تو اپنا سب مال ٹھکانے لگا کر دوسروں کو محروم کر سکتا ہے۔ امام بخاری ؒ نے حسن بصری کے قول کو ابراہیم نخعی کے قول کے مقابلے میں پیش کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک دیوالیہ کا خرید و فروخت کرنا جائز ہے۔ سعید بن مسیب کے حوالے سے حضرت عثمان ؓ کے فیصلے کو امام

بیہقی رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1]

٢٤٠٢ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ - أَوْ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ -: «مَنْ أَدْرَكَ مَالَهُ بِعَيْنِهِ عِنْدَ رَجُلٍ أَوْ إِنْسَانٍ قَدْ أَفْلَسَ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ».

[2402] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جس نے اپنا مال بعینہٖ کسی شخص کے پاس پایا جو دیوالیہ ہو گیا ہے تو وہ دوسروں کی نسبت اس کا زیادہ حق دار ہے۔''

فوائد و مسائل: ① معاملہ عدالت میں پیش ہوگا اور عدالت تحقیق کرنے کے بعد اگر اس نتیجے پر پہنچے کہ واقعی اس کا مال ہے تو اسے حق دار قرار دے کر وہ مال اس کے حوالے کر دے گی۔ وہ ازخود اس پر قبضہ کرنے کا مجاز نہیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ عنوان کے مطابق مختلف صورتیں حسب ذیل ہیں: بیع کی صورت یہ ہے کہ کسی نے اپنا مال ادھار پر کسی کو فروخت کیا، اس کے بعد خریدار مفلس ہو گیا تو بائع نے اپنی فروخت کردہ چیز بعینہٖ خریدار کے پاس پائی تو وہ دوسرے قرض خواہوں سے اس کا زیادہ حق دار ہے۔ قرض کی صورت یہ ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کو قرض دیا، پھر مقروض دیوالیہ ہو گیا تو اگر قرض خواہ اپنا مال بعینہٖ مقروض کے پاس پائے تو وہ دوسرے قرض خواہوں کی نسبت اس کا زیادہ حق دار ہے۔ امانت کی صورت یہ ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کے پاس کوئی امانت رکھی پھر امین مفلس ہو گیا تو امانت دار اس امانت کا زیادہ حق دار ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں، البتہ بیع اور قرض میں کچھ فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔ ③ یہ حدیث اپنے مفہوم میں واضح ہے کہ جب کسی شخص نے کسی دوسرے سے کوئی چیز خریدی اور اس پر قبضہ کر لیا لیکن ابھی ادا نہیں کی تھی کہ وہ دیوالیہ ہو گیا، اگر وہ خرید کردہ چیز بعینہٖ اس کے پاس موجود ہے تو اس کا حق دار فروخت کرنے والا ہے، دوسرے قرض خواہوں کا اس میں کوئی حق نہیں ہوگا اور اگر وہ چیز تبدیل ہو گئی، مثلاً: سونا خریدا تھا تو اس نے اس کا زیور بنا ڈالا، اس صورت میں فروخت کنندہ اکیلا حق دار نہیں ہوگا بلکہ سب قرض خواہ اس میں برابر کے شریک ہوں گے، عدل و انصاف کا بھی یہی تقاضا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا فتویٰ بھی اس کے مطابق ہے۔

1 السنن الكبرٰى للبيهقي: 46/6.

(١٥) بَابُ مَنْ أَخَّرَ الْغَرِيمَ إِلَى الْغَدِ أَوْ نَحْوِهِ وَلَمْ يَرَ ذٰلِكَ مَطْلًا

باب: 15- اگر کسی مال دار نے قرض خواہ کو کل یا پرسوں تک مؤخر کیا تو ایسا کرنا ٹال مٹول نہیں ہوگا

وَقَالَ جَابِرٌ: اِشْتَدَّ الْغُرَمَاءُ فِي حُقُوقِهِمْ فِي دَيْنِ أَبِي، فَسَأَلَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَقْبَلُوا ثَمَرَ حَائِطِي فَأَبَوْا، فَلَمْ يُعْطِهِمُ الْحَائِطَ وَلَمْ يَكْسِرْهُ لَهُمْ، وَقَالَ: «سَأَغْدُو عَلَيْكُمْ غَدًا»، فَغَدَا عَلَيْنَا حِينَ أَصْبَحَ، فَدَعَا فِي ثَمَرِهَا بِالْبَرَكَةِ فَقَضَيْتُهُمْ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے باپ کے ذمے قرض کے معاملے میں قرض خواہوں نے حقوق طلبی میں سختی کی تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا کہ وہ میرے باغ کے پھل قبول کر لیں لیکن انھوں نے اس پیشکش کو مسترد کر دیا۔ آپ ﷺ نے نہ تو انھیں باغ دیا اور نہ پھل ہی توڑ کر ان کے حوالے کیے بلکہ آپ نے فرمایا: ''میں کل تمھارے پاس آؤں گا۔'' جب دوسرے دن صبح کے وقت آپ تشریف لائے اور باغ کے پھلوں میں برکت کی دعا فرمائی تو میں نے ان کا قرض پورا پورا ادا کر دیا۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو انھی الفاظ کے ساتھ دوسرے مقام پر متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1] پہلے ذکر ہوا ہے کہ صاحب مال کی طرف سے جان بوجھ کر قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا صریح ظلم ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ عدالت اس کے خلاف کارروائی کر سکتی ہے۔ اسے تعزیر کے طور پر قید بھی کر سکتی ہے۔ لیکن اگر کوئی ایک یا دو دن کے لیے تاخیر کرتا ہے تو عرف میں اسے ٹال مٹول نہیں کہا جائے گا کہ عدالت مداخلت کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قرض خواہوں کو مزید ایک دن مؤخر کیا تھا، اسے ممنوعہ ٹال مٹول کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہی مقصد ہے جو روایت سے واضح ہے۔

(١٦) بَابُ مَنْ بَاعَ مَالَ الْمُفْلِسِ أَوِ الْمُعْدِمِ فَقَسَمَهُ بَيْنَ الْغُرَمَاءِ أَوْ أَعْطَاهُ حَتَّى يُنْفِقَ عَلَى نَفْسِهِ

باب:16- جس نے دیوالیہ یا محتاج کا مال فروخت کر کے قرض خواہوں میں تقسیم کر دیا یا اسی کو دے دیا تاکہ وہ اپنی ذات پر خرچ کرے

٢٤٠٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ: حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ أَبِي

[2403] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک شخص نے اپنے مرنے کے بعد اپنے

[1] صحيح البخاري، الهبة، حديث: 2601.

رَبَاحٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَعْتَقَ رَجُلٌ غُلَامًا لَهُ عَنْ دُبُرٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ يَشْتَرِيهِ مِنِّي؟» فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ فَأَخَذَ ثَمَنَهُ فَدَفَعَهُ إِلَيْهِ. [راجع: ٢١٤١]

غلام کو آزاد کرنے کی وصیت کر دی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ’’اس غلام کو مجھ سے کون خریدتا ہے؟‘‘ تو اسے حضرت نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے خرید لیا۔ آپ ﷺ نے اس کی قیمت وصول کر کے مالک کو واپس کر دی۔

فوائد و مسائل: ① اس غلام کا نام یعقوب، مالک کا نام ابو مذکور اور اس کی قیمت آٹھ سو درہم تھی۔ ان تمام باتوں کی صراحت سنن نسائی کی ایک روایت میں ہے۔[1] ② ابن بسطامی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے عنوان ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جس نے غلام مدبر کیا تھا اس کے پاس اور کوئی مال نہیں تھا اور روایت میں قرض کی صراحت بھی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس لیے فروخت کیا تھا کہ ایسا نہ ہو وہ اسے آزاد کر کے خود تنگ دست ہو جائے۔ ابن منیر نے جواب دیا ہے کہ شاید اس کا مالک مقروض ہو جیسا کہ بعض روایات میں صراحت ہے کہ مقروض کا مال خود بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے اور قرض خواہ کو بھی تقسیم کے لیے دیا جا سکتا ہے۔ جب غلام کو ذاتی ضروریات کے لیے فروخت کیا جا سکتا ہے تو قرض خواہوں کے لیے اسے فروخت کرنا بالاولیٰ جائز ہوا۔ ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک عبارت اس طرح ہے کہ مفلس کا مال بیچ کر قرض خواہوں میں تقسیم کر دیا جائے اور تنگ دست کا مال فروخت کر کے خود اسے دے دیا جائے تاکہ وہ اپنے آپ پر خرچ کرے، نیز بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرض خواہوں سے فرمایا: ’’تمھارے لیے یہی کچھ ہے، اسے اپنے قرض کے حساب سے تقسیم کر لو۔‘‘[2] واضح رہے کہ جب تک غلام آزاد نہ ہو اس کی آزادی کا وعدہ کرنے والا اپنی رائے بدل سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ اب میرے حالات اس کی اجازت نہیں دیتے۔

(١٧) بَابٌ: إِذَا أَقْرَضَهُ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى أَوْ أَجَّلَهُ فِي الْبَيْعِ

باب: 17- مقررہ مدت تک قرض دینا یا خرید و فروخت میں قیمت کی وصولی کو مؤخر کرنا

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ فِي الْقَرْضِ إِلَى أَجَلٍ: لَا بَأْسَ بِهِ، وَإِنْ أُعْطِيَ أَفْضَلَ مِنْ دَرَاهِمِهِ مَا لَمْ يَشْتَرِطْ. وَقَالَ عَطَاءٌ وَعَمْرُو بْنُ دِينَارٍ: هُوَ إِلَى أَجَلِهِ فِي الْقَرْضِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک معین مدت تک قرض دینے میں کوئی حرج نہیں، نیز اس میں بھی کوئی قباحت نہیں کہ کسی شخص کو دیے ہوئے دراہم سے اچھے درہم واپس ملیں بشرطیکہ پہلے سے یہ بات طے شدہ نہ ہو۔ حضرت عطاء اور عمرو بن دینار نے کہا ہے کہ قرض میں، قرض لینے والا اپنی مقررہ مدت کا پابند ہوگا۔

---

[1] سنن النسائي، البيوع، حديث: 4657. [2] صحيح مسلم، المساقاة، حديث: 3981 (1556).

وضاحت: قدیم زمانے میں درہم، چاندی کے سکے ہوتے تھے جو کثرتِ استعمال سے گھس جاتے تو ان کی قیمت میں کمی آ جاتی۔ اس پس منظر میں بعض اوقات قرض کی واپسی پر جھگڑے بھی پیدا ہو جاتے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ تھا کہ قرض لینے والا اگر اپنی مرضی سے اچھے درہم واپس کر دے تو اس میں کوئی قباحت نہیں، اگر پہلے سے کوئی شرط ہے تو سود ہوگا۔

٢٤٠٤ – وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ: أَنَّهُ ذَكَرَ رَجُلًا مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ سَأَلَ بَعْضَ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ يُسْلِفَهُ، فَدَفَعَهَا إِلَيْهِ إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ. [راجع: ١٤٩٨]

[2404] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا۔ اس نے ایک دوسرے بنی اسرائیلی سے قرض طلب کیا تو اس نے مقررہ مدت تک کے لیے اسے قرض دے دیا۔ پھر آگے پوری حدیث بیان کی۔

فوائد و مسائل: ① اس عنوان میں دو مسئلے بیان ہوئے ہیں: ○ قرض میں مقررہ مدت تک تاخیر کرنا کیسا ہے؟ بعض حضرات کا موقف ہے کہ قرض خواہ جب چاہے اس کا مطالبہ کر سکتا ہے، خواہ مدت مقرر ہی کیوں نہ ہو، لیکن صحیح موقف یہ ہے کہ جب مدت مقررہ تک کے لیے قرض دیا ہے تو اس کا وقت سے پہلے مطالبہ کرنا صحیح نہیں۔ ○ خرید و فروخت میں قیمت کے لیے مدت مقرر کرنا، اس میں سب کا اتفاق ہے کہ اس میں وقت سے پہلے قیمت کا مطالبہ کرنا جائز نہیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ قرض میں مدت مقرر کی جا سکتی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مدح اور تعریف کے طور پر اس واقعے کا ذکر فرمایا ہے۔ اگر اس میں کوئی غلط بات ہوتی تو آپ اس کی تردید کر دیتے۔ پہلی امتوں کی شریعت ہمارے لیے حجت ہے بشرطیکہ ہماری شریعت کے خلاف نہ ہو۔

(١٨) بَابُ الشَّفَاعَةِ فِي وَضْعِ الدَّيْنِ

باب: 18- قرض میں کمی کرنے کے لیے سفارش کرنا

٢٤٠٥ – حَدَّثَنَا مُوسٰى: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أُصِيبَ عَبْدُ اللهِ وَتَرَكَ عِيَالًا وَّدَيْنًا، فَطَلَبْتُ إِلَى أَصْحَابِ الدَّيْنِ أَنْ يَضَعُوا بَعْضًا فَأَبَوْا، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَاسْتَشْفَعْتُ بِهِ عَلَيْهِمْ فَأَبَوْا، فَقَالَ: «صَنِّفْ تَمْرَكَ كُلَّ شَيْءٍ مِّنْهُ عَلٰى

[2405] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ (میرے والد گرامی) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی جب شہادت ہوئی تو وہ اپنے پیچھے بہت سا عیال اور قرض چھوڑ گئے۔ میں نے قرض خواہوں سے گزارش کی کہ وہ کچھ قرض معاف کر دیں لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قرض خواہوں سے سفارش

حِدَةٍ، عِذْقَ ابْنِ زَيْدٍ عَلٰى حِدَةٍ، وَاللِّينَ عَلٰى حِدَةٍ، وَالْعَجْوَةَ عَلٰى حِدَةٍ، ثُمَّ أَحْضِرْهُمْ حَتَّى آتِيَكَ»، فَفَعَلْتُ، ثُمَّ جَاءَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَعَدَ عَلَيْهِ وَكَالَ لِكُلِّ رَجُلٍ حَتَّى اسْتَوْفٰى، وَبَقِيَ التَّمْرُ كَمَا هُوَ كَأَنَّهُ لَمْ يُمَسَّ. [راجع: ٢١٢٧]

کرنے کی درخواست کی لیکن انھوں نے آپ ﷺ کی سفارش کو بھی ٹھکرا دیا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنی کھجوروں کی ہر قسم کو الگ الگ کر دو: عذق ابن زید الگ، لین علیحدہ اور عجوہ ایک طرف رکھو، پھر ان لوگوں کو بلاؤ حتیٰ کہ میں بھی آ جاؤں۔'' میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر آپ علیہ السلام تشریف لائے اور کھجور کے ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے اور ہر قرض خواہ کو ماپ کر دیا حتیٰ کہ سارا قرض ادا کر دیا اور کھجوریں اسی طرح باقی رہیں جس طرح پہلے تھیں، گویا ان کو ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا تھا۔

٢٤٠٦ - وَغَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ عَلٰى نَاضِحٍ لَّنَا، فَأَزْحَفَ الْجَمَلُ فَتَخَلَّفَ عَلَيَّ، فَوَكَزَهُ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ خَلْفِهِ، قَالَ: «بِعْنِيهِ وَلَكَ ظَهْرُهُ إِلَى الْمَدِينَةِ»، فَلَمَّا دَنَوْنَا اسْتَأْذَنْتُ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي حَدِيثُ عَهْدٍ بِعُرْسٍ، قَالَ ﷺ: «فَمَا تَزَوَّجْتَ؟ بِكْرًا أَوْ ثَيِّبًا؟» قُلْتُ: ثَيِّبًا، أُصِيبَ عَبْدُ اللهِ وَتَرَكَ جَوَارِيَ صِغَارًا، فَتَزَوَّجْتُ ثَيِّبًا تُعَلِّمُهُنَّ وَتُؤَدِّبُهُنَّ، ثُمَّ قَالَ: «ائْتِ أَهْلَكَ»، فَقَدِمْتُ فَأَخْبَرْتُ خَالِي بِبَيْعِ الْجَمَلِ فَلَامَنِي، فَأَخْبَرْتُهُ بِإِعْيَاءِ الْجَمَلِ، وَبِالَّذِي كَانَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ وَوَكْزِهِ إِيَّاهُ، فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ غَدَوْتُ إِلَيْهِ بِالْجَمَلِ فَأَعْطَانِي ثَمَنَ الْجَمَلِ وَالْجَمَلَ وَسَهْمِي مَعَ الْقَوْمِ.

[راجع: ٤٤٣]

[2406] حضرت جابر ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے ہمراہ ایک اونٹ پر جہاد کیا۔ وہ اونٹ تھک ہار کر لوگوں سے پیچھے رہ گیا۔ نبی ﷺ نے اسے پیچھے سے چھڑی ماری اور فرمایا: ''اسے میرے ہاتھ فروخت کر دو، تاہم تمھیں مدینے تک اس پر سفر کرنے کی اجازت ہو گی۔'' جب ہم مدینہ طیبہ کے قریب آئے تو میں نے آگے جانے کی اجازت طلب کی اور بتایا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے نئی نئی شادی کی ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''دوشیزہ سے نکاح کیا ہے یا شوہر دیدہ سے؟'' میں نے عرض کیا: شوہر آشنا سے شادی کی ہے، وہ اس لیے کہ (میرے والد گرامی) حضرت عبداللہ ؓ شہید ہو گئے تو انھوں نے چھوٹی چھوٹی بچیاں چھوڑیں، اس لیے میں نے ایک بیوہ سے شادی کی تاکہ وہ انھیں تعلیم دے اور تہذیب سکھائے۔ پھر آپ نے فرمایا: ''تم اپنے اہل خانہ کے ہاں جاؤ۔'' میں نے گھر آ کر اپنے ماموں کو اپنا اونٹ فروخت کرنے کا بتایا تو اس نے مجھے بڑی ملامت کی۔ میں نے

اسے اپنے اونٹ کے تھک جانے کا، نبی ﷺ نے جو کچھ کیا اس کا، نیز اسے چھڑی مارنے کا واقعہ سنایا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ جب تشریف لائے تو صبح کے وقت میں بھی آپ کی خدمت میں اونٹ لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے اونٹ کی قیمت دی اور اونٹ بھی واپس کر دیا، اس کے علاوہ لوگوں کے ساتھ غنیمت میں میرا حصہ بھی دے دیا۔

فوائد و مسائل: ① اس روایت میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرض خواہوں سے خود سفارش کی کہ قرض میں کچھ کمی کر دیں لیکن انھوں نے آپ کی سفارش بھی ٹھکرا دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑے لعین قسم کے لوگ تھے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی بات بھی نہ مانی۔ اس روایت کو مذکورہ عنوان کے تحت لانے کا یہی مقصد ہے۔ ② حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ماموں نے اونٹ فروخت کرنے پر انھیں طعن و ملامت کی، محدثین نے اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں، مثلاً: ○ یہ لوگ کھیتی باڑی اور باغات والے تھے، جن کا اونٹ کے بغیر گزارا نہیں چل سکتا تھا، اس لیے اونٹ بیچنے پر ملامت کی کہ انھیں خود اس کی ضرورت تھی۔ ○ آپ کو بیچنے کی کیا ضرورت تھی، رسول اللہ ﷺ کو یہ اونٹ ہبہ کیوں نہ کر دیا۔ ○ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ماموں میں نفاق تھا، اس لیے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اس نے ملامت کی۔ اس کا نام جد بن قیس ہے۔ واللہ أعلم.

(١٩) بَابُ مَا يُنْهَى عَنْ إِضَاعَةِ الْمَالِ

باب: 19- مال ضائع کرنے کی ممانعت

وَقَوْلِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ [البقرة: ٢٠٥] وَ﴿لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ﴾ [يونس: ٨١] وَقَالَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿أَصَلَوٰتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ ءَابَآؤُنَآ أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِىٓ أَمْوَٰلِنَا مَا نَشَٰٓؤُا۟﴾ [هود: ٨٧] وَقَالَ تَعَالَى: ﴿وَلَا تُؤْتُوا۟ ٱلسُّفَهَآءَ أَمْوَٰلَكُمُ﴾ [النساء: ٥] وَالْحَجْرِ فِي ذٰلِكَ وَمَا يُنْهَى عَنِ الْخِدَاعِ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔“ نیز فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اہل فساد کا منصوبہ چلنے نہیں دیتا۔“ حضرت شعیب کی قوم نے ان سے کہا: ”کیا تمھاری نماز تمھیں حکم دیتی ہے کہ ہم ان بتوں کو جنھیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں چھوڑ دیں اور اپنے مال میں اپنی مرضی کرنا ترک کر دیں۔“ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”تم اپنے مال نادانوں کے حوالے مت کرو۔“ نیز اس میں ان پر تصرف کے متعلق پابندی لگانے اور دھوکا دینے کی ممانعت کا بیان۔

وضاحت: ان قرآنی آیات سے معلوم ہوا کہ حلال اور جائز طریقے سے کمایا ہوا مال بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اسے ضائع

کرنا اور ایسے نادانوں کو دینا جو اس کی حفاظت نہ کر سکیں، اس کے متعلق سخت ممانعت ہے۔ مال ضائع کرنے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اسے حرام کاموں میں خرچ کیا جائے اور دوسری صورت حلال کاموں میں فضول خرچی کی جائے۔ اس عنوان کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے حجر کا بیان بھی کیا ہے جس کے لغوی معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں حجر یہ ہے کہ حاکم وقت کسی کو وقتی طور پر اس کے مال میں تصرف کرنے سے روک دے۔ اس کے عام طور پر تین اسباب ہیں: ○ کسی میں تصرف (خرچ کرنے) کی صلاحیت ہی نہ ہو جیسا کہ بچہ وغیرہ، اسے اپنے مال میں تصرف سے روکنا چاہیے۔ ○ تصرف کی صلاحیت تو ہو مگر اسے غلط استعمال کرتا ہے جس سے کوئی معاشرتی بگاڑ پیدا ہوتا ہے جیسا کہ کوئی فضول خرچی کرتا ہے اور اپنی دولت بے جا خرچ کرتا ہے۔ ○ اگر اس کے تصرف سے دوسروں کو نقصان ہوتا ہو تو اس پر پابندی عائد کی جا سکتی ہے جیسا کہ مقروض آدمی۔ اسے مزید قرض لینے سے روکا جائے، مگر پابندی لگانے کا حق حکومت کو ہے عوام کو نہیں۔

٢٤٠٧ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَجُلٌ لِّلنَّبِيِّ ﷺ: إِنِّي أُخْدَعُ فِي الْبُيُوعِ، فَقَالَ: «إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ: لَا خِلَابَةَ»، فَكَانَ الرَّجُلُ يَقُولُهُ. [راجع: ٢١١٧]

[2407] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ میں لین دین میں بہت دھوکا کھا جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''جب تم کسی سے معاملہ کرو تو کہہ دیا کرو کہ کوئی دھوکا نہیں ہو گا۔'' چنانچہ وہ شخص معاملہ کرتے وقت یہ (الفاظ) کہہ دیتا تھا۔

فوائد و مسائل: ① ''لا خلابة'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی دھوکا ثابت ہوا تو مال واپس کر دیا جائے گا۔ ② عنوان سے اس حدیث کی مطابقت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مال ضائع کرنے اور اسے تباہ کرنے کو برا خیال فرمایا، اس لیے اسے حکم دیا کہ وہ خرید و فروخت کے وقت کہہ دیا کرے کہ اس معاملے میں دھوکا فریب نہیں ہو گا۔

٢٤٠٨ - حَدَّثَنِي عُثْمَانُ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَّنْصُورٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ وَّرَّادٍ مَّوْلَى الْمُغِيرَةِ ابْنِ شُعْبَةَ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ، وَوَأْدَ الْبَنَاتِ، وَمَنَعَ وَهَاتِ، وَكَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ». [راجع: ٨٤٤]

[2408] حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا حرام کر دیا ہے۔ حقوق ادا نہ کرنا اور دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا بھی حرام قرار دیا ہے، نیز تمھارے لیے فضول گفتگو، کثرت سوال اور بربادیٔ مال کو ناپسند کیا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① خلاف شرع خرچ کرنا اپنا مال ضائع کرنے کے مترادف ہے، البتہ دینی کاموں میں دل کھول کر خرچ کرنا چاہیے۔ اپنی حیثیت کے مطابق اپنی ذات پر خرچ کرنا بھی اسراف نہیں، البتہ بلاضرورت تکلفات کرنا شریعت کی منشا کے خلاف ہے۔ ② مال ضائع کرنے کی ممانعت اس لیے ہے کہ مال زندگی کا نظام قائم رکھنے کا ایک اہم ذریعہ ہے، اسے ضائع کر کے انسان اپنے لیے مصائب وآلام اور مشکلات کو دعوت دیتا ہے۔ مذکورہ حدیث اس کے علاوہ دیگر اہم مضامین پر مشتمل ہے جن کی ہم آئندہ وضاحت کریں گے۔ بإذن الله تعالى.

(٢٠) بَابٌ: اَلْعَبْدُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ وَلَا يَعْمَلُ إِلَّا بِإِذْنِهِ

باب: 20- غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے، اسے بلا اجازت (اس میں) تصرف نہیں کرنا چاہیے

٢٤٠٩ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّمَسْؤُولٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ، فَالْإِمَامُ رَاعٍ وَّهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ فِي أَهْلِهِ رَاعٍ وَّهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا رَاعِيَةٌ وَّهِيَ مَسْؤُولَةٌ عَنْ رَّعِيَّتِهَا، وَالْخَادِمُ فِي مَالِ سَيِّدِهِ [رَاعٍ] وَّهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ». قَالَ: فَسَمِعْتُ هٰؤُلَاءِ مِنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ وَأَحْسِبُ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «وَالرَّجُلُ فِي مَالِ أَبِيهِ رَاعٍ وَّهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ، فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ». [راجع: ٨٩٣]

[2409] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور اس سے اس کی رعایا کے متعلق باز پرس ہوگی۔ حاکم وقت نگران ہے اور وہ اپنی رعایا کے بارے میں مسئول ہوگا۔ آدمی اپنے گھر میں نگران ہے، اس سے اس کے اہل خانہ کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ عورت اپنے خاوند کے گھر میں حکومت رکھتی ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔ اور خادم اپنے آقا کے مال میں حکومت رکھتا ہے، وہ بھی اس کے متعلق مسئول ہوگا۔'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ان لوگوں کا ذکر تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا، میرا خیال ہے کہ نبی ﷺ نے یوں بھی فرمایا: ''بیٹا اپنے باپ کے مال میں اختیار رکھتا ہے، اس سے اس کی ذمہ داری کے متعلق سوال ہوگا۔ الغرض تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا۔''

فوائد ومسائل: ① اگرچہ اس روایت میں غلام کے الفاظ نہیں ہیں، البتہ صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں،[1]

[1] صحيح البخاري، النكاح، حديث: 5188.

امام بخاری رحمہ اللہ نے انھی الفاظ سے استنباط کیا ہے کہ خادم سے اپنے مالک کے مال کے متعلق باز پرس ہوگی، آیا اس کے حکم کے مطابق عمل کیا یا اس سے تجاوز کیا۔ [1] ② اس حدیث میں ایک اہم معاشرتی اصول بیان ہوا ہے کہ دنیا میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں جس کی کچھ نہ کچھ ذمہ داریاں نہ ہوں، ان ذمہ داریوں کا احساس کر کے انھیں صحیح طور پر ادا کرنا اس کا عین فرض ہے، لہٰذا جن افراد کے نام حدیث میں مذکور ہیں صرف وہی مراد نہیں لیے جائیں گے بلکہ اس کے دائرے کو آپ جتنا وسیع کرنا چاہیں کر سکتے ہیں، چنانچہ ایک دفتر کا انچارج اپنی اور ماتحت عملے کی ڈیوٹی کے بارے میں، کارخانے، فیکٹری کا مالک اپنے کارکنوں کے بارے میں مسئول ہوگا۔ بہر حال ایک نوکر، غلام اور مزدور کا فرض ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتے ہوئے اپنے فرائض پوری طرح ادا کرے۔

[1] فتح الباري: 87/5.

خصومات کا مفہوم اور معنی

لغوی طور پر خصومات، خصومت کی جمع ہے جس کے معنی لڑائی جھگڑے کے ہیں، لیکن یہاں اس قسم کا جھگڑا مراد ہے جو باہمی اختلاف کا باعث ہو۔ شریعت اسلامیہ میں کسی دینی یا دنیوی معاملے میں اختلاف برقرار رکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر کسی دنیوی معاملے میں اختلاف ہے تو کسی عدالت کی طرف رجوع کرنا ہوگا جو کتاب وسنت کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابند ہے۔ اسی طرح اگر کوئی دینی اختلاف ہے یا کوئی مسئلہ درپیش ہے تو مفتی کی طرف رجوع کیا جائے۔ اسے بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ دینا ہوگا۔ اس کے متعلق متعدد قرآنی نصوص ہیں۔ اختصار کے پیش نظر چند ایک پیش کی جاتی ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ ''اور جس بات میں بھی تم اختلاف کرو تو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے۔''[1] چونکہ وہی ہر چیز کا خالق ہے، اس لیے باہمی اختلافات کا فیصلہ کرنے کا اختیار بھی وہی رکھتا ہے۔ دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے اور قیامت کے دن کھلی عدالت میں خود فیصلے کرے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ ''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کا کہا مانو، نیز اولی الامر کی بھی فرمانبرداری کرو، پھر اگر تمھارا کوئی جھگڑا ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ تمھارے لیے یہ بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔''[2]

اس آیت میں واضح طور پر اختلاف اور جھگڑا ختم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کا قاعدہ یہ ہے کہ اسے کتاب اللہ اور سنت رسول پر پیش کر دیا جائے۔ اس آیت کریمہ سے تقلید جامد کی صراحت کے ساتھ نفی ہوتی ہے۔ اصل اطاعت تو اللہ تعالیٰ کی ہے، تاہم اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اس کے رسول کی اطاعت بھی اللہ ہی کی اطاعت ہے کیونکہ اس کے اوامر ونواہی معلوم کرنے کا ہمارے پاس اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

---

① الشوریٰ 42: 10. ② النسآء 4: 59.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ ''تمھارے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے اختلاف میں آپ کو حاکم تسلیم نہ کرلیں، پھر آپ جو فیصلہ کریں اس کے متعلق اپنے دلوں میں کوئی گھٹن محسوس نہ کریں اور اس فیصلے پر سر تسلیم خم نہ کر دیں۔''[1]

ان قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلافات وتنازعات کو برقرار رکھنا اسلام کے مزاج کے منافی ہے۔ انھیں دور کرنے ہی میں عافیت اور خیر و برکت ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے ہاں ایک مشہور حدیث ہے جس کے خود ساختہ ہونے میں کوئی شک نہیں: ''میری امت کا اختلاف باعث رحمت ہے'' حقیقت یہ ہے کہ امت کا اختلاف باعث رحمت نہیں بلکہ زحمت کا موجب ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ عنوان قائم کر کے ہمیں اختلافات کی حقیقت سے آگاہ کیا ہے۔ اس کے آداب، شرائط اور حدود و قیود کی وضاحت کی ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے انیس مرفوع روایات پیش کی ہیں جن میں تین معلق اور سولہ متصل ہیں۔ مرفوع روایات کے علاوہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام سے مروی تقریباً پانچ آثار بھی پیش کیے ہیں، پھر ان احادیث و آثار پر چھوٹے چھوٹے دس عنوان قائم کیے ہیں، چیدہ، چیدہ عنوانات حسب ذیل ہیں:

* مسلمان اور یہودی کے درمیان جھگڑا ہو جانا۔ * معاملے کے دو فریق کس حد تک ایک دوسرے کو کچھ کہہ سکتے ہیں؟ * جرائم پیشہ اور شرارتی لوگوں کو گھروں سے نکال دیا جائے۔ * جس آدمی سے خطرہ ہو اسے قید کیا جا سکتا ہے۔ * خاص مقصد کے لیے کسی کا تعاقب کیا جا سکتا ہے۔ * حرم میں کسی کو باندھنا اور قید کرنا۔

بہر حال اس عنوان کے تحت بہت سے مسائل زیر بحث آئیں گے جن کا تعلق لڑائی جھگڑے اور باہمی اختلاف سے ہے۔ ہماری معروضات کی روشنی میں ان کا مطالعہ مفید رہے گا۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

[1] النسآء 4:65.

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

44 - كِتَابُ الْخُصُومَاتِ

اختلافی معاملات کے احکام

(١) [بَابُ] مَا يُذْكَرُ فِي الْإِشْخَاصِ وَالْخُصُومَةِ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْيَهُودِ

٢٤١٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَيْسَرَةَ أَخْبَرَنِي، قَالَ: سَمِعْتُ النَّزَّالَ بْنَ سَبْرَةَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَجُلًا قَرَأَ آيَةً سَمِعْتُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ خِلَافَهَا، فَأَخَذْتُ بِيَدِهِ فَأَتَيْتُ بِهِ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «كِلَاكُمَا مُحْسِنٌ»، قَالَ شُعْبَةُ: أَظُنُّهُ قَالَ: «لَا تَخْتَلِفُوا فَإِنَّ مَنْ [كَانَ] قَبْلَكُمُ اخْتَلَفُوا فَهَلَكُوا». [انظر: ٣٤٧٦، ٥٠٦٢]

باب: 1- کسی شخص کو گرفتار کرنے، نیز مسلمان اور یہودی کے درمیان جھگڑے کی بابت کیا منقول ہے؟

[2410] حضرت عبداللہ (بن مسعود) ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے ایک شخص کو قرآن کی ایک آیت اس طرح پڑھتے سنا کہ نبی ﷺ سے میں نے وہ آیت اس کے خلاف سنی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم دونوں کی قراءت ٹھیک ہے۔'' (راوی حدیث) شعبہ نے کہا: میرے خیال کے مطابق آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''اختلاف نہ کیا کرو کیونکہ تم سے پہلے لوگوں نے اختلاف کیا تو وہ ہلاک ہو گئے۔''

فوائد و مسائل: ① اس عنوان کے دو جز ہیں: پہلا یہ ہے کہ کسی شخص کو گرفتار کر کے دوسری جگہ لے جانا۔ اگر ملزم کسی جگہ ہو اور اس کے غائب ہونے یا بھاگ جانے کا اندیشہ ہو تو اسے گرفتار کر کے دوسری جگہ منتقل کرنے یا اس کی نگرانی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے جب ایک شخص کی قراءت سنی جو اس طریقے سے مختلف تھی جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی تو اسے پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے۔ جب قرآن کریم بزعم خویش غلط پڑھنے پر پکڑ کے لے جانا درست ہے تو اپنے حق کے بدلے میں پکڑ کر لے جانے میں کیا حرج ہے؟ جیسے پہلا امر ایک مقدمہ ہے دوسرے کی حیثیت بھی

وہی ہے۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس روایت میں اسے ہاتھ سے پکڑنے کا ذکر ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی سے اپنے عنوان کو ثابت کیا ہے کیونکہ اس میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا پایا جاتا ہے۔ اس حدیث کے آخر میں اختلاف سے بچنے کی تلقین ہے کیونکہ طبعی اختلاف قابل مذمت نہیں بلکہ وہ اختلاف باعث ہلاکت ہے جو موجب افتراق و فساد ہو۔ اس میں شک نہیں کہ تفرقہ امت کو کمزور کرنے والی بیماری ہے جس سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہیے۔

٢٤١١ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: اسْتَبَّ رَجُلَانِ، رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ وَرَجُلٌ مِّنَ الْيَهُودِ، فَقَالَ الْمُسْلِمُ: وَالَّذِي اصْطَفَى مُحَمَّدًا عَلَى الْعَالَمِينَ، فَقَالَ الْيَهُودِيُّ: وَالَّذِي اصْطَفَى مُوسَى عَلَى الْعَالَمِينَ، فَرَفَعَ الْمُسْلِمُ يَدَهُ عِنْدَ ذٰلِكَ فَلَطَمَ وَجْهَ الْيَهُودِيِّ، فَذَهَبَ الْيَهُودِيُّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرَهُ بِمَا كَانَ مِنْ أَمْرِهِ وَأَمْرِ الْمُسْلِمِ، فَدَعَا النَّبِيُّ ﷺ الْمُسْلِمَ فَسَأَلَهُ عَنْ ذٰلِكَ فَأَخْبَرَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا تُخَيِّرُونِي عَلَى مُوسَى، فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَصْعَقُ مَعَهُمْ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ فَإِذَا مُوسَى بَاطِشٌ جَانِبَ الْعَرْشِ، فَلَا أَدْرِي أَكَانَ فِيمَنْ صَعِقَ فَأَفَاقَ قَبْلِي، أَوْ كَانَ مِمَّنِ اسْتَثْنَى اللهُ». [انظر: ٣٤٠٨، ٣٤١٤، ٤٨١٣، ٦٥١٧، ٦٥١٨، ٧٤٢٨، ٧٤٧٢]

[2411] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی نے آپس میں گالی گلوچ کی۔ مسلمان کہنے لگا: اس ذات کی قسم جس نے حضرت محمد ﷺ کو سارے جہانوں پر برتری دی! یہودی نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام اہل جہان پر برگزیدہ کیا! اس پر مسلمان نے ہاتھ اٹھایا اور یہودی کے منہ پر طمانچہ رسید کر دیا۔ وہ یہودی، نبی ﷺ کے پاس گیا اور آپ سے اپنا اور مسلمان کا ماجرا کہہ سنایا۔ نبی ﷺ نے اس مسلمان کو بلا کر دریافت کیا تو اس نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ آپ نے فرمایا: ''تم مجھے موسیٰ پر برتری نہ دو کیونکہ قیامت کے دن جب سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور میں بھی بے ہوش ہو جاؤں گا اور سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا تو میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا ایک پایہ پکڑے کھڑے ہیں۔ اب میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوش ہو کر مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوشی سے مستثنیٰ کر دیا۔''

فائدہ: اس حدیث میں امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان کے دوسرے جز کو ثابت کیا ہے کہ ایک مسلمان کسی بھی غیر مسلم پر اور کوئی بھی غیر مسلم کسی بھی مسلمان پر اسلامی عدالت میں دعویٰ دائر کر سکتا ہے۔ انصاف طلبی کے لیے مدعی اور مدعا علیہ کا ہم مذہب ہونا کوئی شرط نہیں، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ اس یہودی نے کہا: اللہ کے رسول! میں ایک ذمی کی حیثیت سے آپ کی امان میں رہتا ہوں، اس کے باوجود مجھے مسلمان نے تھپڑ مارا ہے۔ آپ ناراض ہوئے اور مسلمان کو ڈانٹ پلائی۔ جب مسلمان نے سارا واقعہ بیان کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس امر کو پسند نہیں فرمایا کہ کسی نبی کی شان میں ایک رائی کے برابر بھی تنقیص کا کوئی پہلو

اختیار کیا جائے۔

٢٤١٢ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ جَالِسٌ جَاءَ يَهُودِيٌّ فَقَالَ: يَا أَبَا الْقَاسِمِ، ضَرَبَ وَجْهِي رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِكَ، فَقَالَ: «مَنْ؟» قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ، قَالَ: «ادْعُوهُ»، فَقَالَ: «أَضَرَبْتَهُ؟» قَالَ: سَمِعْتُهُ بِالسُّوقِ يَحْلِفُ وَالَّذِي اصْطَفَى مُوسَى عَلَى الْبَشَرِ، قُلْتُ: أَيْ خَبِيثُ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ؟ فَأَخَذَتْنِي غَضْبَةٌ ضَرَبْتُ وَجْهَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا تُخَيِّرُوا بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ، فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ، فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى آخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِّنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ، فَلَا أَدْرِي أَكَانَ فِيمَنْ صَعِقَ، أَمْ حُوسِبَ بِصَعْقَةِ الْأُولَى». [انظر: ٣٣٩٨، ٤٦٣٨، ٦٩١٦، ٦٩١٧، ٧٤٢٧]

[2412] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک یہودی آیا اور کہنے لگا: ابوالقاسم! آپ کے ایک صحابی نے میرے منہ پر تھپڑ مارا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کس نے؟'' اس نے عرض کیا: وہ انصار کا ایک آدمی تھا۔ آپ نے فرمایا: ''اسے بلاؤ۔'' آپ نے اس سے فرمایا: ''کیا تو نے اسے مارا ہے؟'' وہ کہنے لگا: میں نے بازار میں اس کو قسم اٹھاتے ہوئے سنا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو لوگوں پر فضیلت دی ہے۔ تو میں نے کہا: اے خبیث! کیا محمد ﷺ پر بھی؟ مجھے غصہ آ گیا اور اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''انبیاء علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دیا کرو کیونکہ قیامت کے دن جب سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے تو سب سے پہلے جس کی قبر کھلے گی وہ میں ہوں گا۔ میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا ایک پایہ تھامے ہوئے ہیں۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ وہ بے ہوش ہونے والوں سے تھے یا ان کی پہلی بے ہوشی ہی ان کے حق میں شمار کر لی گئی۔''

فوائد ومسائل: ① مطلق فضیلت میں تمام انبیاء علیہم السلام برابر درجہ رکھتے ہیں، البتہ خاص وجوہات اور خصوصیات کی وجہ سے ایک کو دوسرے پر برتری حاصل ہے، مثلاً: رسول اللہ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔ آپ سید ولدِ آدم ہیں۔ ایسی خصوصیات میں رسول اللہ ﷺ کو دوسرے انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی جا سکتی ہے، البتہ مطلق فضیلت کا دعویٰ کسی کے لیے نہ کیا جائے، نیز کسی نبی کے لیے ایسی فضیلت نہ ثابت کی جائے جس سے دوسرے نبی کی تنقیص یا توہین ہوتی ہو یا ایسی فضیلت نہ ہو جو باعث فساد بن جائے۔ ② اس روایت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ ایک یہودی مسلمان کے خلاف اسلامی عدالت میں دعویٰ دائر کر سکتا ہے۔ ایسے حالات میں عدالت کو عدل وانصاف کا دامن تھامنا چاہیے۔ مسلمان کی بے جا حمایت سے اجتناب کرنا چاہیے۔

٢٤١٣ - حَدَّثَنَا مُوسَى: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ يَهُودِيًّا

[2413] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا۔

رَضَّ رَأْسَ جَارِيَةٍ بَيْنَ حَجَرَيْنِ، قِيلَ: مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِكِ؟ أَفُلَانٌ أَفُلَانٌ؟ حَتّٰى سُمِّيَ الْيَهُودِيُّ، فَأَوْمَأَتْ بِرَأْسِهَا، فَأُخِذَ الْيَهُودِيُّ فَاعْتَرَفَ، فَأَمَرَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ، فَرُضَّ رَأْسُهُ بَيْنَ حَجَرَيْنِ. [انظر: ٢٧٤٦، ٥٢٩٥، ٦٨٧٦، ٦٨٧٧، ٦٨٧٩، ٦٨٨٤، ٦٨٨٥]

جب اس لڑکی سے پوچھا گیا کہ تیرے ساتھ یہ برتاؤ کس نے کیا ہے؟ کیا فلاں نے؟ کیا فلاں نے؟ یہاں تک کہ اس یہودی کا نام لیا گیا تو لڑکی نے اپنے سر سے اشارہ کیا۔ تب وہ یہودی گرفتار کیا گیا اور اس نے (اپنے جرم کا) اعتراف بھی کر لیا تو نبی ﷺ کے حکم سے اس کا سر بھی پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا گیا۔

فوائد و مسائل: ① پہلی دو روایات میں تھا کہ ایک یہودی کے دعویٰ کرنے پر مسلمان کی سرزنش کی گئی، اس طرح عدل و انصاف کا بول بالا ہوا، اس روایت میں ایک جرم کی پاداش میں یہودی کو کیفر کردار تک پہنچایا گیا۔ اسلامی عدالت سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ بے جا کسی کی طرف داری کرے یا بلاوجہ کسی کی حق تلفی کی مرتکب ہو۔ ② اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قاتل کو اسی طرح سزائے موت دی جائے جس طرح اس نے مقتول کو قتل کیا ہو لیکن کچھ ائمۂ کرام کا موقف ہے کہ قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا لیکن ان کا یہ موقف حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے محل نظر ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے: ایک یہودی ڈاکو نے ایک لڑکی پر حملہ کیا جس نے چاندی کے کڑے پہن رکھے تھے۔ یہودی نے لڑکی کا سر پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا اور اس کے کڑے اتار لیے، چنانچہ سزا کے طور پر یہودی کو بھی اسی طرح قتل کیا گیا۔ واللہ أعلم۔

(٢) بَابُ مَنْ رَدَّ أَمْرَ السَّفِيهِ وَالضَّعِيفِ الْعَقْلِ، وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ حَجَرَ عَلَيْهِ الْإِمَامُ

باب: 2- بے وقوف یا کم عقل کے کسی معاملے کو رد کر دینا اگرچہ قانونی طور پر اسے دیوالیہ نہ قرار دیا گیا ہو

وَيُذْكَرُ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَدَّ عَلَى الْمُتَصَدِّقِ قَبْلَ النَّهْيِ، ثُمَّ نَهَاهُ. وَقَالَ مَالِكٌ: إِذَا كَانَ لِرَجُلٍ عَلَى رَجُلٍ مَالٌ وَلَهُ عَبْدٌ لَا شَيْءَ لَهُ غَيْرُهُ فَأَعْتَقَهُ لَمْ يَجُزْ عِتْقُهُ.

حضرت جابر ؓ سے منقول ہے کہ نبی ﷺ نے ایک صدقہ کرنے والے کے صدقے کو رد کر دیا جبکہ ابھی اس پر پابندی نہیں لگی تھی اس کے بعد اسے ایسی، یعنی تنگ دستی کی حالت میں اس اقدام سے منع کیا۔ امام مالک کہتے ہیں کہ اگر کسی کے ذمے کسی کا کچھ مال باقی ہے اور اس کے پاس ایک غلام کے علاوہ کچھ بھی نہیں اور وہ اسے آزاد کر دے تو اس کا آزاد کرنا جائز نہیں۔

وضاحت: بے وقوف وہ شخص ہے جو خلاف شرع کام کرے اور نفسانی خواہش کے پیش نظر ایسے کام کرے جسے عقل مند لوگ اچھا خیال نہ کریں، مثلاً: گندی اور فحش ویڈیو دیکھے، گانے اور موسیقی سنے اور لہو ولعب میں مال ضائع کرے یا کبوتر بازی کے لیے مہنگی قیمت سے کبوتر خریدے وغیرہ۔ اور کم عقل وہ شخص ہوتا ہے جو غفلت کے باعث اپنے مال کو بے جا خرچ کرے، یعنی کم

عقل، بے وقوف سے عام ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ بیوقوف یا کم عقل پر اگر حکومت کی طرف سے پابندی نہ بھی ہو تو بھی کوئی دوسرا شخص پابندی عائد کر سکتا ہے جیسا کہ بے وقوف کے سرپرست بھی ایسا کر سکتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ ''اور نادانوں کو ان کے مال واپس نہ کرو جسے اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے متاع حیات بنایا ہے۔ ان کے مال سے انھیں کھلاؤ، پہناؤ اور جب ان سے بات کرو تو اچھی بات کرو جس سے ان کو فائدہ ہو۔''[1] اگر حکومت پابندی لگا دے تو اسے قانونی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ دراصل بعض ائمہ کا موقف ہے کہ تصرفات پر پابندی لگانے کا اختیار صرف حکومت کے پاس ہے دوسرا آدمی اس کے اختیارات پر پابندی نہیں لگا سکتا، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بے وقوف اور کم عقل کے ہر تصرف پر پابندی عائد کی جا سکتی ہے اگرچہ حکومت اس کا نوٹس نہ لے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پابندی لگانے سے پہلے ہی صدقہ کرنے والے کا صدقہ واپس کر دیا۔ اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ کے حوالے سے جو کچھ بیان کیا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے ایک اقدام کا خلاصہ ہے، آپ ﷺ نے جب مدبر غلام فروخت کیا اور اس کی قیمت مالک کو دے دی اور اسے اپنی اور اپنے حالات کی اصلاح کرنے کو کہا۔ آپ ﷺ نے قیمت اس لیے واپس کی تھی کہ اس کی کم عقلی صرف غفلت اور عدم بصیرت کے باعث تھی اگر حقیقی سفاہت، یعنی بے وقوفی کے سبب غلام فروخت کیا جاتا تو اس کی قیمت اسے واپس نہ کی جاتی۔

(٣) بَابٌ: وَمَنْ بَاعَ عَلَى الضَّعِيفِ وَنَحْوِهِ فَدَفَعَ ثَمَنَهُ إِلَيْهِ وَأَمَرَهُ بِالْإِصْلَاحِ وَالْقِيَامِ بِشَأْنِهِ، فَإِنْ أَفْسَدَ بَعْدُ مَنَعَهُ؛ لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ إِضَاعَةِ الْمَالِ، وَقَالَ لِلَّذِي يُخْدَعُ فِي الْبَيْعِ: «إِذَا بِعْتَ فَقُلْ: لَا خِلَابَةَ»، وَلَمْ يَأْخُذِ النَّبِيُّ ﷺ مَالَهُ.

باب: 3- جس نے کسی ضعیف یا کمزور کے مال کو فروخت کر دیا اور اس کے بعد اس کی قیمت اسے دے دی تاکہ وہ اپنی اصلاح اور اپنے حالات کو درست کرلے تو ایسا کرنا جائز ہے، اس کے باوجود اگر وہ مال برباد کرتا ہے تو اس کے تصرفات پر پابندی عائد کی جا سکتی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے مال برباد کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور جو شخص معاملہ کرتے وقت خرید و فروخت میں دھوکا کھا جاتا تھا اسے تعلیم دی کہ لَا خِلَابَةَ کہہ دیا کر، یعنی اس میں دھوکا نہیں ہوگا لیکن نبی ﷺ نے اس کا مال نہیں لیا

٢٤١٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ

[2414] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ ایک شخص کو خرید و فروخت میں دھوکا دیا

1- النسآء 4:5.

قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَجُلٌ يُخْدَعُ فِي الْبَيْعِ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: «إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ: لَا خِلَابَةَ»، فَكَانَ يَقُولُهُ. [راجع: ٢١١٧]

جاتا تھا تو نبی ﷺ نے اسے ہدایت فرمائی کہ جب خرید و فروخت کرو تو لَا خِلَابَةَ کے الفاظ کہہ دیا کرو، یعنی اس میں دھوکا نہیں ہوگا، چنانچہ وہ (معاملہ کرتے وقت) یہ (الفاظ) کہہ دیتا تھا۔

٢٤١٥ - حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَجُلًا أَعْتَقَ عَبْدًا لَهُ لَيْسَ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ، فَرَدَّهُ النَّبِيُّ ﷺ فَابْتَاعَهُ مِنْهُ نُعَيْمُ بْنُ النَّحَّامِ. [راجع: ٢١٤١]

[2415] حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنا ایک غلام آزاد کیا جبکہ اس کے پاس اور کوئی مال نہیں تھا۔ نبی ﷺ نے اس کے اقدام آزادی کو مسترد کر دیا۔ پھر (بعد میں) اس غلام کو حضرت نعیم بن نحّام نے خرید لیا۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ نے اس عنوان کے تحت جو احادیث ذکر کی ہیں، ان میں جو مسئلہ زیر بحث ہے اس کے متعلق تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص سے مال کا ضائع ہونا ظاہر ہو جائے اسے تصرفات سے روک دیا جائے اور اس پر پابندی لگا دی جائے بشرطیکہ مال کثیر ہو یا اس کی کل جائیداد کا احاطہ کیے ہوئے ہو جیسا کہ غلام آزاد کرنے والے واقعے سے معلوم ہوتا ہے۔ اور جب کسی معمولی چیز میں تصرف کا معاملہ ہو اور اس سے مال کا ضائع ہونا ظاہر نہ ہوا ہو تو اسے تصرفات سے نہ روکا جائے جیسا کہ خرید و فروخت میں دھوکا کھانے والے کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے۔[1] بہر حال کسی کمزور یا ضعیف العقل کا مال فروخت کر کے اس کی قیمت اس کے حوالے کر دینا اور اسے مشورہ دینا کہ اسے بہتر طور پر خرچ کرو یہ سب نیکی کے کام ہیں۔ بزرگوں کو چھوٹوں کے معاملات میں ایسا ہی کرنا چاہیے تاکہ وہ نیکی کے کاموں میں سوچ سمجھ کر خرچ کریں اور فضول خرچی میں اپنا مال ضائع نہ کریں۔ ② واضح رہے کہ مذکورہ دونوں احادیث کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے، یہاں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جن باتوں سے لڑائی جھگڑا اور اختلاف پیدا ہو ان سے بچنا چاہیے کیونکہ اختلاف وغیرہ سے بغض اور کینہ پیدا ہوتا ہے جو انسان کی تباہی کا باعث ہے۔ واللّٰہ المستعان۔

(٤) بَابُ كَلَامِ الْخُصُومِ بَعْضِهِمْ فِي بَعْضٍ

باب: 4- جھگڑنے والوں کا ایک دوسرے کو کچھ کہنے کا بیان

٢٤١٦، ٢٤١٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ

[2417-2416] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے کسی مسلمان کا مال ہڑپ کرنے کے لیے جھوٹی

[1] فتح الباري: 90/5.

حَلَفَ عَلٰى يَمِينٍ وَّهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ، لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ، لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ». قَالَ: فَقَالَ الْأَشْعَثُ: فِيَّ وَاللهِ كَانَ ذٰلِكَ، كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ مِّنَ الْيَهُودِ أَرْضٌ، فَجَحَدَنِي، فَقَدَّمْتُهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَلَكَ بَيِّنَةٌ؟» قُلْتُ: لَا، قَالَ: فَقَالَ لِلْيَهُودِيِّ: «اِحْلِفْ»، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِذًا يَحْلِفَ وَيَذْهَبَ بِمَالِي، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ إِلٰى آخِرِ الْآيَةِ [آل عمران: ٧٧]. [راجع: ٢٣٥٦، ٢٣٥٧]

قسم اٹھائی تو وہ اللہ سے اس حالت میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔" حضرت اشعث رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! یہ حدیث میرے متعلق وارد ہے۔ ہوا یوں کہ میرے اور ایک یہودی کے درمیان زمین کا تنازع تھا۔ وہ مجھے زمین دینے سے انکار کرتا تھا تو میں اسے نبی ﷺ کے پاس لے گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا: "تیرے پاس کوئی دلیل (گواہ) ہے؟" میں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ نے یہودی سے کہا: "تم قسم اٹھاؤ۔" میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! وہ تو قسم اٹھا کر میرا مال لے اُڑے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "بلاشبہ وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسم کو معمولی قیمت کے عوض بیچ ڈالتے ہیں، ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا....." آخر آیت تک۔

فوائد ومسائل: ① مقصد یہ ہے کہ کسی مقدمے کی سماعت کے دوران کمرۂ عدالت میں مدعی اور مدعا علیہ آپس میں سخت کلامی سے پیش آتے ہیں اور عدالت ان کا کوئی نوٹس نہیں لیتی، تو ایسا ممکن ہے بشرطیکہ وہ گفتگو فحش کلامی اور کردار کشی پر مبنی نہ ہو، ہاں اگر کوئی اپنی گفتگو سے عدالت کا احترام مجروح کرتا ہے تو اس کا نوٹس لیا جائے گا۔ اس حدیث کے مطابق حضرت اشعث رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہودی کے متعلق یہ بیان دیا کہ وہ جھوٹی قسم اٹھا کر میرا مال لے اڑے گا۔ چونکہ حضرت اشعث رضی اللہ عنہ اس یہودی کے کردار سے واقف تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کے بیان پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ② عدالت کے سامنے ایسا بیان جس پر کوئی تعزیر یا حد واجب نہ ہو، اسے حرام غیبت میں شمار نہیں کیا جائے گا اور نہ اسے مدعا علیہ کی کردار کشی ہی پر محمول کیا جائے گا۔[1]

٢٤١٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّهُ تَقَاضَى ابْنَ أَبِي حَدْرَدٍ دَيْنًا كَانَ لَهُ عَلَيْهِ فِي الْمَسْجِدِ، فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا، حَتّٰى سَمِعَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهُوَ

[2418] حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے مسجد میں اپنے قرض کا تقاضا کیا جو اس کے ذمے تھا۔ اس دوران میں ان دونوں کی آوازیں اس قدر بلند ہوگئیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سنیں جبکہ آپ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حجرے کا پردہ اٹھایا اور باہر تشریف لائے اور آواز

① فتح الباري: 93/5.

فِي بَيْتِهِ، فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا حَتَّى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهِ فَنَادَى: «يَا كَعْبُ»، قَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: «ضَعْ مِنْ دَيْنِكَ هٰذَا»، وَأَوْمَأَ إِلَيْهِ أَيِ الشَّطْرَ، قَالَ: لَقَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: «قُمْ فَاقْضِهِ». [راجع: ٤٥٧]

دی: ''اے کعب!'' حضرت کعب ؓ نے جواب دیا: اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''اپنے قرض میں سے اتنا کم کر دو۔'' آپ نے نصف کم کرنے کا اشارہ فرمایا۔ حضرت کعب ؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں نے (آدھا کم) کر دیا۔ آپ نے (دوسرے فریق سے) فرمایا: ''اٹھو اور باقی قرض ادا کرو۔''

فائدہ: ⓵ رسول اللہ ﷺ نے فریقین کے درمیان جھگڑا ختم کرنے کے لیے ایک بہترین راستہ اختیار فرمایا۔ مقروض اگر تنگ دست ہو تو اسے رعایت دینا ضروری ہے اور ایسے حالات میں صاحب مال کو جو کچھ ملے اسے صبر و شکر سے قبول کر لینا چاہیے۔ امام بخاری ؒ نے اپنا مدعا اس طرح ثابت کیا ہے کہ ان دونوں حضرات کی آوازیں جھگڑے کی بنا پر بلند ہونے لگیں۔ بعض روایات میں صراحت ہے کہ وہ دونوں آپس میں تکرار کرنے اور جھگڑنے لگے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی جھگڑے میں مدعی اور مدعا علیہ ایک دوسرے کو سخت سست کہیں تو ایسا ممکن ہے لیکن وہ اخلاق اور شرعی حدود سے آگے نہ بڑھیں۔ [1]

٢٤١٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ عَلٰى غَيْرِ مَا أَقْرَؤُهَا، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَقْرَأَنِيهَا، وَكِدْتُ أَنْ أَعْجَلَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَمْهَلْتُهُ حَتَّى انْصَرَفَ، ثُمَّ لَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهِ فَجِئْتُ بِهِ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ: إِنِّي سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ عَلٰى غَيْرِ مَا أَقْرَأْتَنِيهَا، فَقَالَ لِي: «أَرْسِلْهُ»، ثُمَّ قَالَ لَهُ: «اقْرَأْ» فَقَرَأَ، قَالَ: «هٰكَذَا أُنْزِلَتْ»، ثُمَّ قَالَ لِي: «اقْرَأْ»، فَقَرَأْتُ فَقَالَ: «هٰكَذَا أُنْزِلَتْ»، إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَاقْرَؤُوا مِنْهُ مَا تَيَسَّرَ». [انظر:

[2419] حضرت عمر بن خطاب ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے ہشام بن حکیم بن حزام ؓ کو سورۂ فرقان اس طریقے سے پڑھتے ہوئے سنا کہ جس طرح میں پڑھتا تھا وہ اس کے خلاف تھا، حالانکہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس طریقے کے مطابق پڑھایا تھا۔ قریب تھا کہ میں ان پر جھپٹ پڑوں لیکن میں نے صبر سے کام لیا۔ جب وہ قراءت سے فارغ ہوئے تو میں نے انھی کی چادر ان کے گلے میں ڈالی اور انھیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا۔ میں نے عرض کیا: یہ سورۂ فرقان اس طریقے کے خلاف پڑھتے ہیں جو آپ نے مجھے سکھایا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو۔'' پھر ان سے فرمایا: ''پڑھو۔'' انھوں نے پڑھا۔ آپ نے فرمایا: ''اسی طرح نازل ہوئی ہے۔'' پھر آپ نے مجھ سے فرمایا: ''پڑھو۔'' میں نے پڑھا تو آپ نے فرمایا: ''یہ اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ بے شک قرآن کا

⓵ فتح الباري: 94/5.

٤٩٩٢، ٥٠٤١، ٦٩٣٦، ٧٥٥٠]

نزول سات حروف پر ہوا ہے۔ تمھیں جو آسان ہو اس کے مطابق پڑھو۔"

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کی قراءت کا نوٹس لیا، بلکہ عملی طور پر ان کے گلے میں چادر ڈال کر انھیں رسول اللہ ﷺ کے حضور پیش کر دیا اور ان کے متعلق بیان دیا کہ انھوں نے قرآن اس طریقے کے خلاف پڑھا ہے جو آپ نے مجھے سکھایا تھا، اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ان کا مؤاخذہ نہیں فرمایا بلکہ صحیح صورت حال سے انھیں آگاہ کر دیا۔[1] ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دینی معاملات میں بہت سخت تھے اور ان کے بعد حضرت ہشام رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ سخت تھے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کوئی مکروہ اور ناپسندیدہ چیز دیکھتے تو فرماتے: جب تک میں اور ہشام بن حکیم زندہ ہیں اس قسم کی مکروہ چیز دیکھنے میں نہیں آئے گی۔[2]

(٥) بَابُ إِخْرَاجِ أَهْلِ الْمَعَاصِي وَالْخُصُومِ مِنَ الْبُيُوتِ بَعْدَ الْمَعْرِفَةِ

باب:5- حقیقت حال واضح ہونے کے بعد مجرموں اور جھگڑنے والوں کو گھر سے نکال دینا

وَقَدْ أَخْرَجَ عُمَرُ أُخْتَ أَبِي بَكْرٍ حِينَ نَاحَتْ.

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہمشیر نے جب (ان کی وفات پر) نوحہ کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انھیں گھر سے نکال دیا۔

وضاحت: یہ روایت ابن سعد نے متصل سند سے اپنی کتاب طبقات میں بیان کی ہے۔[3] حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہمشیر کا نام "ام فروہ" تھا، انھیں نوحہ کرنے کی وجہ سے گھر سے نکال دیا گیا تاکہ تجہیز و تکفین جیسے کام میں خلل پیدا نہ ہو۔[4]

٢٤٢٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَتُقَامَ، ثُمَّ أُخَالِفَ إِلَى مَنَازِلِ قَوْمٍ لَا يَشْهَدُونَ الصَّلَاةَ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ». [راجع: ٦٤٤]

[2420] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "میں نے ارادہ کیا کہ نماز کھڑی کر دینے کا حکم دوں۔ جب کھڑی کر دی جائے تو خود ان لوگوں کی طرف نکلوں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے۔ پھر ان سمیت (ان کے) گھروں کو آگ لگا دوں۔"

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے خلاف اپنے قہر و غضب کا اظہار کیا ہے جو نماز کا وقت ہونے پر اذان سنتے ہیں لیکن مشاغل ترک کر کے نماز باجماعت ادا نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا: میں ایسے لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دینا چاہتا

1 فتح الباري: 94/5. 2 عمدة القاري: 148/9. 3 الطبقات الكبرٰى لابن سعد: 144/2. 4 فتح الباري: 93/5.

ہوں کیونکہ جب ان کے گھر جلائے جائیں گے تو وہ خود نکل کر بھاگ جائیں گے، اس بنا پر اہل معاصی کا گھروں سے نکالنا ثابت ہوا۔ ② اس سے پہلے عنوان میں مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان ناروا گفتگو کے متعلق کچھ نرمی تھی، اب اشارہ کیا کہ حد سے بڑھ کر کوئی حرکت ہو تو ان پر سخت گرفت بھی ہو سکتی ہے، انھیں عدالت سے باہر نکالا جا سکتا ہے، اس اعتبار سے یہ حدیث عنوان کے مطابق ہے۔

(٦) بَابُ دَعْوَى الْوَصِيِّ لِلْمَيِّتِ

باب: 6- میت کے وصی کا میت کی طرف سے دعویٰ کرنا

٢٤٢١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ عَبْدَ بْنَ زَمْعَةَ وَسَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ اخْتَصَمَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فِي ابْنِ أَمَةِ زَمْعَةَ، فَقَالَ سَعْدٌ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَوْصَانِي أَخِي: إِذَا قَدِمْتُ أَنِ انْظُرِ ابْنَ أَمَةِ زَمْعَةَ فَاقْبِضْهُ فَإِنَّهُ ابْنِي، وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ: أَخِي وَابْنُ أَمَةِ أَبِي، وُلِدَ عَلَى فِرَاشِ أَبِي، فَرَأَى النَّبِيُّ ﷺ شَبَهًا بَيِّنًا بِعُتْبَةَ، فَقَالَ: «هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ، اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ، وَاحْتَجِبِي مِنْهُ يَا سَوْدَةُ!». [راجع: ٢٠٥٣]

[2421] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت عبد بن زمعہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما نے زمعہ کی لونڈی کے بیٹے کا مقدمہ نبی ﷺ کے حضور پیش کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! میرے بھائی نے مجھے وصیت کی تھی کہ جب میں مکہ آؤں تو زمعہ کی لونڈی کے بیٹے کو نگاہ میں رکھوں اور اسے قبضے میں لے لوں کیونکہ وہ میرا بیٹا ہے۔ عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی لونڈی کا بیٹا ہے۔ میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ نبی ﷺ نے (بچے کی عتبہ سے) واضح مشابہت دیکھی تو فرمایا: ''اے عبد بن زمعہ! یہ تجھے ملے گا کیونکہ بچہ اس کا ہوتا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو۔ اور اے سودہ! تم اس سے پردہ کرو۔''

فوائد و مسائل: ① عتبہ بن ابی وقاص بحالت کفر مر چکا تھا، اس نے اپنے بھائی سے ایک دعویٰ کرنے کے متعلق کہا، چنانچہ فتح مکہ کے وقت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس کی تعمیل کرتے ہوئے زمعہ کی لونڈی کے بیٹے کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ جب عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق جھگڑا کیا تو دونوں مقدمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرنے والا جس کی وصیت کر جائے وہ اپنا حق حاصل کرنے کے لیے دعویٰ کر سکتا ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ گویا امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان اور پیش کردہ حدیث سے اس اجماع امت کا ماخذ بیان کیا ہے۔ ② اس سے یہ بھی معلوم ہوا قیافہ کسی فیصلے کی بنیاد نہیں بن سکتا بلکہ اصولوں کی بنیاد پر فیصلہ کیا جاتا ہے کیونکہ قیافہ کو بنیاد قرار دینے سے بہت سے جھگڑے پیدا ہو سکتے ہیں۔[1]

① فتح الباري: 94/5.

(٧) بَابُ التَّوَثُّقِ مِمَّنْ تُخْشٰى مَعَرَّتُهُ

باب: 7- جس سے کسی فتنے کا اندیشہ ہو اس کی نقل و حرکت پر پابندی لگانا

وَقَيَّدَ ابْنُ عَبَّاسٍ عِكْرِمَةَ عَلَى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَالسُّنَنِ وَالْفَرَائِضِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عکرمہ کو قرآن و سنت اور سنن و فرائض کی تعلیم کے لیے قید کیا تھا۔

وضاحت: حضرت عکرمہ ایک بربر غلام تھے۔ ان کے آقا نے انھیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بطور تحفہ دیا تھا۔ آپ نے انھیں آزاد کر کے اپنی تربیت میں لے لیا۔ طالب علم تو طالب علم ہی ہوتا ہے، وہ خود بتاتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب باہر نکلتے تو میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیتے تاکہ میں بھاگ نہ جاؤں۔[1]

٢٤٢٢ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدِ ابْنِ أَبِي سَعِيدٍ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: بَعَثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ، فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِّنْ بَنِي حَنِيفَةَ يُقَالُ لَهُ ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ سَيِّدُ أَهْلِ الْيَمَامَةِ، فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِّنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ، فَخَرَجَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟» قَالَ: عِنْدِي يَا مُحَمَّدُ خَيْرٌ، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ فَقَالَ: «أَطْلِقُوا ثُمَامَةَ». [راجع: ٤٦٢]

[2422] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے نجد کی طرف ایک دستہ روانہ کیا تو وہ لوگ قبیلۂ بنی حنیفہ کا ایک آدمی پکڑ لائے۔ وہ اہل یمامہ کا سردار ثمامہ بن اُثال تھا۔ انھوں نے اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا: ''اے ثمامہ! اب تمھارے مزاج کا کیا حال ہے؟'' اس نے کہا: اے محمد! میرے پاس تو اب خیر ہی خیر ہے۔ اس کے بعد پوری حدیث کا ذکر ہوا آپ ﷺ نے فرمایا: ''ثمامہ کو آزاد کر دو۔''

فوائد و مسائل: ① اگر کسی کی طرف سے تخریب کاری کا اندیشہ ہو تو اس کی نقل و حرکت پر نظر رکھی جا سکتی ہے۔ اسے قید بھی کیا جا سکتا ہے۔ معاشرے کو پرامن رکھنے کے لیے جس شخص سے جرم ثابت ہو جائے، اسے قانون کے مطابق سزا دی جاتی ہے اور جس شخص کی طرف سے اندیشہ ہو کہ وہ امن عامہ تباہ کر سکتا ہے تو حفاظت عامہ کی خاطر اسے بھی قید کیا جا سکتا ہے۔ اسے دور حاضر کی اصطلاح میں پبلک سیفٹی کہتے ہیں جسے آج کل حکومتیں اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ ② عہد نبوی میں کوئی الگ جیل خانہ نہ تھا، مسجد ہی سے کام لیا گیا، یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ ثمامہ کو اسلام اور اہل اسلام کو دیکھنے کا بہت قریب سے موقع دیا جائے تاکہ وہ اسلام کی خوبیوں اور اہل اسلام کے اوصاف حسنہ کا بغور مطالعہ کر سکے۔ بالآخر وہ رسول اللہ ﷺ کے خلق عظیم سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس واقعے سے یہ ثابت کیا ہے کہ بعض اوقات کسی انسان کو

[1] السنن الكبرٰى للبيهقي: 209/6.

وقتی طور پر قید کرنا ضروری ہوتا ہے اور ایسا کرنا گناہ نہیں بلکہ نتیجے اور انجام کے لحاظ سے مفید ثابت ہوتا ہے۔

(٨) بَابُ الرَّبْطِ وَالْحَبْسِ فِي الْحَرَمِ

باب:8-حرم میں کسی کو باندھنا اور قید کرنا

وَاشْتَرٰى نَافِعُ بْنُ عَبْدِ الْحَارِثِ دَارًا لِلسِّجْنِ بِمَكَّةَ مِنْ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ عَلٰى إِنْ عُمَرُ رَضِيَ فَالْبَيْعُ بَيْعُهُ، وَإِنْ لَّمْ يَرْضَ عُمَرُ فَلِصَفْوَانَ أَرْبَعُمِائَةِ دِينَارٍ. وَسَجَنَ ابْنُ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ.

حضرت نافع بن عبدالحارث نے مکہ میں قید خانہ بنانے کے لیے صفوان بن امیہ سے ایک گھر خریدا تھا اور اس شرط پر معاملہ ہوا تھا کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ راضی ہو گئے تو اس کی بیع مکمل ہو جائے گی بصورت دیگر صفوان بن امیہ کو چار سو دینار دے دیے جائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا قید خانہ بھی مکہ مکرمہ میں تھا۔

وضاحت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت نافع بن حارث رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ کے گورنر تھے، انھوں نے جرائم پیشہ لوگوں کو قید کرنے کے لیے ایک جیل خانہ بنانے کا پروگرام بنایا، اس کے لیے انھوں نے ایک مکان اس شرط پر خریدا کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے منظور کر لیا تو اس کی چار ہزار دینار قیمت ادا کر دی جائے گی، بصورت دیگر وقتی طور پر اسے استعمال کرنے پر چار سو دینار بطور کرایہ ادا کیے جائیں گے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی اپنے دور حکومت میں حسن بن محمد بن حنفیہ کو مکہ مکرمہ کی "سجن عارم" یعنی عارم جیل میں قید کیا تھا اور وہ وہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔[1]

٢٤٢٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ: سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ، فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِّنْ بَنِي حَنِيفَةَ يُقَالُ لَهُ ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ، فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِّنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ. [راجع: ٤٦٢]

[2423] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے نجد کی طرف ایک فوجی دستہ روانہ کیا۔ وہ لوگ بنو حنیفہ قبیلے کا ایک آدمی پکڑ لائے جس کا نام ثمامہ بن اُثال تھا اور انھوں نے اسے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔

فوائد و مسائل: ① حضرت طاؤس حرم میں کسی کو قید کرنا مکروہ خیال کرتے تھے کہ اللہ کے گھر جس میں ہر وقت اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے وہاں کسی کو سزا دی جائے یا سزا کے طور پر اسے قید کیا جائے مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس موقف کی تردید میں مذکورہ عنوان قائم کیا ہے اور حدیث سے ثابت کیا ہے کہ مسجد نبوی کے ستونوں سے یہ کام لیا گیا ہے۔ اس لیے حرم میں قید کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ ② دراصل عباسیوں کے دور تک قید خانہ کے سسٹم نے کوئی ترقی نہیں کی تھی،

1 فتح الباري : 5/95.

قیدیوں کے کھانے پینے کا کوئی انتظام نہیں تھا، شام کے وقت انھیں چھوڑ دیا جاتا تاکہ وہ اپنے کھانے پینے کا بندوبست کر لیں۔ بڑے شریف قسم کے قیدی تھے، کھا پی کر قید خانے میں واپس آ جاتے تھے۔

(٩) بَابٌ فِي الْمُلَازَمَةِ

باب:9-قرض دار کی نگرانی کرنا

٢٤٢٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ، وَقَالَ غَيْرُهُ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبِ ابْنِ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّهُ كَانَ لَهُ عَلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي حَدْرَدٍ الْأَسْلَمِيِّ دَيْنٌ، فَلَقِيَهُ فَلَزِمَهُ، فَتَكَلَّمَا حَتَّى ارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا، فَمَرَّ بِهِمَا النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «يَا كَعْبُ»، وَأَشَارَ بِيَدِهِ كَأَنَّهُ يَقُولُ: اَلنِّصْفَ، فَأَخَذَ نِصْفَ مَا عَلَيْهِ وَتَرَكَ نِصْفًا.

[راجع: ٤٥٧]

[2424] حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کا کچھ قرض حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کے ذمے تھا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ ان سے ملے اور انھیں اپنی نگرانی میں لے لیا، بالآخر دونوں میں جھگڑا ہوا حتی کہ ان کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ نبی ﷺ ان کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ”اے کعب!“ اور آپ نے اپنے دست اقدس سے اشارہ فرمایا کہ آدھا قرض چھوڑ دو، چنانچہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے آدھا قرض وصول کیا اور باقی آدھا چھوڑ دیا۔

فوائد و مسائل: ① عنوان میں ملازمت کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس کے معنی نوکری کرنا نہیں بلکہ کسی کے پیچھے پڑنا اور نگرانی کرنا ہیں۔ آپ نے کسی سے کچھ لینا ہے تو آپ اس کا تعاقب کر سکتے ہیں، اسے اپنی نگرانی میں لے سکتے ہیں، چنانچہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مقروض کو پابند کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ کام ناجائز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس سے منع فرما دیتے۔ آپ ﷺ کا اس کے متعلق انکار نہ کرنا اس کے جواز کی دلیل ہے۔ ہاں اگر مقروض غریب اور نادار ہو تو اس کے ساتھ نرمی کرنی چاہیے۔ اسے نگرانی میں لینے کے بجائے اسے مزید مہلت دی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح طور پر اس کی تلقین فرمائی ہے۔ ② اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نیک کام کے لیے سفارش کی جا سکتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے قرض معاف کر دینے کی سفارش کی تھی۔

(١٠) بَابُ التَّقَاضِي

باب:10-قرض کا مطالبہ کرنا

٢٤٢٥ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ،

[2425] حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں زمانۂ جاہلیت میں لوہار تھا۔ عاص بن وائل کے

عَنْ أَبِي الضُّحٰى، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ خَبَّابٍ، قَالَ: كُنْتُ قَيْنًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ لِي عَلَى الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ دَرَاهِمُ، فَأَتَيْتُهُ أَتَقَاضَاهُ، فَقَالَ: لَا أَقْضِيكَ حَتَّى تَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ، فَقُلْتُ: لَا وَاللهِ، لَا أَكْفُرُ بِمُحَمَّدٍ ﷺ حَتَّى يُمِيتَكَ اللهُ ثُمَّ يَبْعَثَكَ، قَالَ: فَدَعْنِي حَتَّى أَمُوتَ، ثُمَّ أُبْعَثَ فَأُوتَى مَالًا وَوَلَدًا ثُمَّ أَقْضِيَكَ، فَنَزَلَتْ: ﴿أَفَرَءَيْتَ ٱلَّذِى كَفَرَ بِـَٔايَٰتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا﴾ [اَلْآيَةَ] [مريم:٧٧]. [راجع: ٢٠٩١]

ذمے میرے کچھ درہم تھے۔ میں اس کے پاس آیا اور اس سے اپنے قرض کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا: میں اس وقت تک تمھارے پیسے نہیں دوں گا جب تک تم محمد (ﷺ) کا انکار نہیں کرو گے۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں حضرت محمد ﷺ کا انکار نہیں کروں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تجھے مارے اور پھر زندہ کرے۔ اس نے جواب دیا: تو پھر مجھے چھوڑ دو حتیٰ کہ میں مروں اور پھر اٹھایا جاؤں، اور مجھے مال و اولاد ملے، تب میں تمھارا قرض ادا کردوں گا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ آیات اس سلسلے میں نازل ہوئیں: "کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے میری آیات کا انکار کیا اور کہا: میں وہاں مال و اولاد دیا جاؤں گا......"

فائدہ: اس سے پہلے امام بخاری رحمہ اللہ نے قرض کے متعلق ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا تھا: [باب حسن التقاضي] "نرمی سے تقاضا کرنا" اور اس مقام پر قرض کا مطالبہ کرنے کا عنوان قائم کیا ہے۔ عام طور پر یہ محاورہ ہے: [اَلْقَرْضُ مِقْرَاضُ الْمَحَبَّةِ] قرض، محبت کی قینچی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جس سے تعلقات خراب کرنا ہوں اسے قرض دے دیا جائے یا اس سے لے لیا جائے۔ شاید کوئی ان باتوں سے یہ تأثر لے کہ قرض دے کر واپسی کا مطالبہ کرنا اخلاق و مروت کے منافی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ قرض خواہ کا حق ہے کہ قرض دار سے اس کی واپسی کا مطالبہ کرے، بلکہ اس کے پاس جا کر اسے احساس دلانے میں بھی کوئی حرج نہیں، چنانچہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ اپنی مزدوری کا مطالبہ کرنے کے لیے عاص بن وائل غیر مسلم کے ہاں تشریف لے گئے۔ یہ مزدوری گویا وائل کے ذمے قرض تھی۔ اس نے جو کردار ادا کیا وہ انتہائی نامعقول اور تکلیف دہ تھا، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا نوٹس لیا۔ الغرض قرض کی واپسی کا مطالبہ کرنا جائز اور درست ہے اور یہ اخلاقی روا داری کے منافی نہیں۔ واللہ أعلم.

لقطے کی اقسام اور اس کا مفہوم

لغوی طور پر لقطہ گری پڑی چیز کے اٹھانے کو کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَالْتَقَطَهٗ اٰلُ فِرْعَوْنَ﴾ ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آل فرعون نے اُٹھا لیا۔''[1] اسی طرح لقیط اس لاوارث بچے کو کہا جاتا ہے جو کسی جگہ سے ملے۔

شرعی اصطلاح میں لقطے سے مراد ایسی گمشدہ چیز ہے جو راستے میں گری پڑی ملے یا اس کا مالک لاپتا ہو۔ اس کی کئی قسمیں ہیں: بعض ایسی اشیاء ہیں کہ اگر گم ہو جائیں تو ان کا مالک آسانی سے مل جاتا ہے، مثلاً: شناختی کارڈ یا پاسپورٹ وغیرہ یا چیک اور ڈرافٹ یا اس طرح کی دیگر اشیاء جن پر مالک کا نام اور پتا وغیرہ درج ہوتا ہے۔ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ذرا سی کوشش سے اس کے مالک کو تلاش کیا جا سکتا ہے، مثلاً: موبائل وغیرہ ملے تو سم کے ذریعے سے اس کے مالک کا اتا پتا معلوم کیا جا سکتا ہے۔ بعض گمشدہ اشیاء ایسی ہوتی ہیں جن کے مالک کا کوئی اتا پتا نہیں ہوتا۔ احادیث میں اس طرح کی اشیاء کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے کچھ ہدایات دی ہیں۔ محدثین کرام نے ایسی اشیاء سے متعلقہ ہدایات پر ''لقطہ'' کا عنوان قائم کیا ہے۔ چونکہ ان قیمتی اشیاء کا کوئی نہ کوئی مالک ضرور ہوتا ہے، اس لیے انھیں ضائع نہیں کرنا چاہیے بلکہ اٹھا کر پبلک مقامات پر ان کی تشہیر کرنی چاہیے۔ اس کی مشروعیت پر تمام امت کا اتفاق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ ''نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو۔''[2]

فرمان نبوی ہے: ''اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد کرتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔''[3]

گمشدہ چیز کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی اولین ہدایت ہے کہ جو شخص کوئی گمشدہ چیز پائے، تو وہ دو گواہ بنا لے یا اس کے بیگ اور تسمے وغیرہ کی حفاظت کرے۔ اگر اس کا مالک آ جائے تو اس سے کچھ نہ چھپائے کیونکہ وہی اس کا زیادہ حقدار ہے اور اگر وہ نہ آئے تو یہ اللہ کا مال ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔[4]

ایک حدیث میں مزید صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اس کا مالک نہ ملے تو اسے استعمال کر لو لیکن یہ تمھارے پاس امانت ہوگی اور اگر اس کا طلب گار عمر کے کسی حصے میں بھی آ جائے تو وہ چیز اسے ادا کرنا ہوگی۔''[5]

---

1 القصص 28:8. 2 المآئدة 5:2. 3 صحيح مسلم، الذكر والدعاء، حديث: 6853 (2699). 4 مسند أحمد: 266/4.

5 صحيح مسلم، اللقطة، حديث: 4502 (1722).

گمشدہ چیز اٹھانے والا ایک سال تک اس کی تشہیر اور اعلان کرے۔ جب کوئی اس کی علامات کے متعلق نشاندہی کر دے تو اسے وہ چیز ادا کر دینی چاہیے۔ اس سے مزید ثبوت وغیرہ طلب نہ کیا جائے، البتہ مکہ مکرمہ میں گری پڑی چیز اٹھانے والا اس کا اعلان کرتا رہے یا اسے امانت خانے میں جمع کرا دے۔ اگر کوئی ایسی چیز ملتی ہے جس کے گم ہونے سے انسان پریشان نہیں ہوتا یا گمشدہ چیز اس قدر معمولی ہے کہ وہ اسے اہمیت نہیں دیتا تو ایسی چیز اٹھا کر استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں، مثلاً: چھڑی، رسی، پنسل وغیرہ، نیز ایسی اشیاء جو کھانے پینے کے قابل ہوں اور جلد خراب ہونے والی ہوں انھیں بھی اعلان کے بغیر کھایا پیا جا سکتا ہے۔

امام بخاری ؒ نے اس سلسلے میں بہت سے مسائل و احکام بیان کیے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری ؒ لوگوں کی مصلحتوں پر پوری نظر رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ نصوص کا پہلو بھی مضبوط رکھتے ہیں۔ انھوں نے کل اکیس احادیث بیان کی ہیں، جن میں پانچ معلق اور سولہ موصول ہیں۔ ان میں سے اٹھارہ مکرر اور تین خالص ہیں۔ مرفوع احادیث کے علاوہ منبعث کے آزاد کردہ غلام حضرت زید کا ایک اثر بھی بیان کیا ہے۔ ان احادیث پر تقریباً بارہ عنوان قائم کیے ہیں جن سے آپ کی علمی بصیرت اور فقہی استعداد کا پتا چلتا ہے۔ بہرحال اس قسم کے مسائل کا ہماری زندگی کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے، اس لیے ان کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ آمین.

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

45 - كِتَابٌ فِي اللُّقَطَةِ

گم شدہ اشیاء سے متعلق احکام و مسائل

(١) بَابٌ: إِذَا أَخْبَرَ رَبُّ اللُّقَطَةِ بِالْعَلَامَةِ دَفَعَ إِلَيْهِ

٢٤٢٦ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ: سَمِعْتُ سُوَيْدَ بْنَ غَفَلَةَ قَالَ: لَقِيتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ: أَصَبْتُ صُرَّةً فِيهَا مِائَةُ دِينَارٍ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: «عَرِّفْهَا حَوْلًا». فَعَرَّفْتُهَا، فَلَمْ أَجِدْ مَنْ يَعْرِفُهَا، ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقَالَ: «عَرِّفْهَا حَوْلًا»، فَعَرَّفْتُهَا فَلَمْ أَجِدْ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ ثَلَاثًا، فَقَالَ: «احْفَظْ وِعَاءَهَا وَعَدَدَهَا وَوِكَاءَهَا، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا فَاسْتَمْتِعْ بِهَا»، فَاسْتَمْتَعْتُ، فَلَقِيتُهُ بَعْدُ بِمَكَّةَ فَقَالَ: لَا أَدْرِي ثَلَاثَةَ أَحْوَالٍ أَوْ حَوْلًا وَاحِدًا. [انظر: ٢٤٣٧]

باب: 1- اگر گمشدہ چیز کا مالک ٹھیک ٹھیک نشانی بتا دے تو اٹھانے والا اسے واپس کر دے

[2426] سوید بن غفلہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ملا تو انھوں نے کہا: میں نے ایک تھیلی اٹھائی جس میں سو دینار تھے۔ میں اسے لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: ''سال بھر اس کی تشہیر کرتے رہو۔'' میں ایک سال تک دریافت کرتا رہا لیکن کوئی ایسا شخص نہ ملا جو اسے جانتا ہو۔ پھر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: ''ایک سال اور تشہیر کرو۔'' میں اس کے متعلق دریافت کرتا رہا لیکن کسی کو نہیں پایا۔ پھر میں تیسری مرتبہ آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: ''تھیلی کی شناخت کر لو، رقم گن لو اور اس کا بندھن پہچان لو۔ اگر اس کا مالک آ جائے تو بہتر، بصورت دیگر اسے کام میں لاؤ۔'' چنانچہ میں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ شعبہ کہتے ہیں: میں اپنے استاد حضرت سلمہ سے (عرصہ کے بعد) مکہ میں ملا تو کہنے لگے: مجھے یاد نہیں کہ تین سال یا ایک سال تشہیر کے لیے فرمایا تھا۔

فوائد و مسائل: ① گمشدہ چیز کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسے اٹھانا جائز نہیں کیونکہ یہ دوسرے کا مال ہے، اس کی اجازت کے بغیر اسے اٹھانا درست نہیں۔ بعض کے نزدیک اٹھانا جائز ہے مگر نہ اٹھانا بہتر ہے، ممکن ہے کہ اس کا مالک تلاش کرتے کرتے اسی جگہ پہنچ جائے، لیکن عام محدثین اور فقہاء کا موقف ہے کہ چھوڑ دینے سے اس کا اٹھالینا بہتر ہے کیونکہ گمشدہ مال بہر حال ضائع نہیں ہونا چاہیے اور نہ آسانی سے اسے ہضم ہی کیا جا سکتا ہے۔ ② گری پڑی چیز کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ وہ حقیر اور معمولی سی چیز ہو، عموماً مالک اسے تلاش نہیں کرتا۔ اسے اٹھالینا اور اس سے نفع اٹھانا جائز ہے۔ اگر مالک اس کے ہاتھ میں دیکھ لے تو واپس بھی لے سکتا ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ وہ چیز قیمتی اور کثیر مال ہو جس کے متعلق معلوم ہو کہ اس کا مالک اسے ضرور تلاش کرے گا۔ اسے اٹھالیا جائے۔ اٹھانے والا اس کا بیگ یا بٹوہ وغیرہ اچھی طرح پہچان لے، اس کی رقم گن لے اور اس کے بندھن یا زنجیر کو بھی نظر میں رکھے۔ مساجد، شارع عام، بازار اور پبلک مقامات پر اس کی تشہیر کرے، بالخصوص جہاں سے وہ چیز ملی ہے اس کے آس پاس خوب اعلان کیا جائے۔ ایک سال تک اس کی تشہیر ضروری ہے۔ اس دوران میں اگر کوئی آ جائے اور نشانی بتائے تو اس کے حوالے کر دیا جائے، بصورت دیگر بطور امانت اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ اس کے بعد بھی جب کبھی اس کا مالک مل جائے تو اسے ادا کرنا ضروری ہے۔ ③ روایت کے آخر میں تین سال یا ایک سال کا ذکر ہے، اس کے متعلق محتاط موقف یہ ہے کہ ایک سال تک اس کی تشہیر ضروری ہے۔ ایک سال سے زیادہ تشہیر کرنا مزید تقویٰ اور پرہیزگاری کی علامت ہے، واجب نہیں، تاہم اکثر محدثین نے تین سال کے الفاظ کو راویٔ حدیث ''سلمہ بن کہیل'' کی خطا قرار دیا ہے۔ دیگر روایات کے پیش نظر جو بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے وہ ایک سال تک تشہیر ہے کیونکہ یہ مال کسی کا ہے اس کے جائز ہونے کے لیے کوئی دلیل ہونی چاہیے۔ شریعت نے ایک شرط کے ساتھ اسے جائز قرار دیا ہے کہ اس کے متعلق ایک سال تک اعلان کیا جائے۔ مزید برآں اس کی حفاظت بھی کی جائے تاکہ وہ ضائع نہ ہونے پائے۔ ④ اس حدیث میں نشانی بتانے کا ذکر نہیں ہے، تاہم امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان قائم کر کے ان روایات کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں ٹھیک ٹھیک نشانی بتانے کا ذکر ہے۔ نشانی بتانے کے بعد گمشدہ چیز اس کے حوالے کر دی جائے، مزید گواہوں کی ضرورت نہیں۔

(٢) بَابُ ضَالَّةِ الْإِبِلِ

باب: 2- بھولے بھٹکے اور گمشدہ اونٹ کا بیان

٢٤٢٧ - حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ رَبِيعَةَ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَسَأَلَهُ عَمَّا يَلْتَقِطُهُ فَقَالَ: «عَرِّفْهَا سَنَةً ثُمَّ اعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا، فَإِنْ جَاءَ أَحَدٌ

[2427] حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے گری پڑی چیز کو اٹھانے کے متعلق سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سال بھر اس کی تشہیر کرو، پھر اس کی تھیلی اور بندھن کو اچھی طرح پہچان لو، اگر کوئی آئے اور ٹھیک ٹھیک نشانی بتا دے تو اس کے حوالے کر دو بصورت دیگر اسے اپنے مصرف

يُخْبِرُكَ بِهَا وَإِلَّا فَاسْتَنْفِقْهَا»، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! فَضَالَّةُ الْغَنَمِ؟ قَالَ: «لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ»، قَالَ: ضَالَّةُ الْإِبِلِ؟ فَتَمَعَّرَ وَجْهُ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «مَا لَكَ وَلَهَا؟ مَعَهَا حِذَاؤُهَا وَسِقَاؤُهَا، تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ». [راجع: ۹۱]

میں لاؤ۔‘‘ اس نے پوچھا: اللہ کے رسول! بھٹکی ہوئی بکری کا کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: ’’وہ تیرے لیے ہے یا تیرے کسی بھائی کے لیے یا بھیڑیے کے لیے ہے۔‘‘ پھر اس نے گمشدہ اونٹ کے متعلق سوال کیا تو (غصے سے) نبی ﷺ کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ آپ نے فرمایا: ’’تجھے اس سے کیا سروکار ہے؟ اس کے ساتھ اس کا جوتا اور پانی کا مشکیزہ ہے۔ وہ چشموں سے خود پانی پی لے گا اور درختوں کے پتے کھا لے گا۔‘‘

فوائد ومسائل: ① اونٹ کو ریگستان کا جہاز کہا جاتا ہے۔ راستوں کے متعلق اونٹ بہت مہارت رکھتے ہیں۔ گم ہونے کی صورت میں عام طور پر وہ کسی نہ کسی دن گھر پہنچ جاتے ہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے پکڑنے کی ضرورت نہیں۔ وہ خود جنگل کی جھاڑیوں میں چرے گا اور کسی چشمے سے پانی پی لے گا، یہاں تک کہ اس کا مالک اسے پا لے گا۔ ② اس سے معلوم ہوا کہ ایسے حیوانات جو چھوٹے درندوں سے اپنی حفاظت کر سکتے ہیں، مثلاً: اونٹ، گھوڑا، گائے اور بیل وغیرہ یا اڑنے والے پرندے، انھیں پکڑنا جائز نہیں۔ ③ ہمارے رجحان کے مطابق حدیث میں مذکور حکم جنگل کے لیے ہے۔ اگر کسی بستی میں اونٹ ملے تو اسے پکڑ لینا چاہیے تاکہ مسلمان کا مال ضائع نہ ہو اور وہ خود بھی کسی کی فصل خراب نہ کرے، پھر اسے نہ پکڑنے سے ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کسی چور ڈاکو کے ہاتھ لگ جائے گا۔ دور حاضر میں تو کسی مقام پر امن نہیں، ہر جگہ چور ڈاکو دندناتے پھرتے ہیں، اس بنا پر جہاں بھی کسی بھائی کا گمشدہ جانور ملے تو حفاظت کی غرض سے پکڑ لیا جائے یا اسے حکومت کے قائم کردہ کانجی ہاؤس میں پہنچا دیا جائے۔ مالک کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے گمشدہ جانور کے متعلق کانجی ہاؤس سے رابطہ کرے۔

(۳) بَابُ ضَالَّةِ الْغَنَمِ

باب: 3- کھوئی ہوئی بکری کا بیان

٢٤٢٨ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى، عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ: أَنَّهُ سَمِعَ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنِ اللُّقَطَةِ، فَزَعَمَ أَنَّهُ قَالَ: «اِعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا، ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً»، يَقُولُ يَزِيدُ: إِنْ لَمْ تُعْرَفِ اسْتَنْفَقَ بِهَا صَاحِبُهَا وَكَانَتْ وَدِيعَةً عِنْدَهُ. قَالَ يَحْيَى:

[2428] حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ سے گمشدہ چیز اٹھانے کے متعلق سوال ہوا تو میرا خیال ہے کہ آپ نے فرمایا: ’’اس کی تھیلی اور بندھن کو خوب پہچان لو، پھر ایک سال اس کی تشہیر کرو۔‘‘ (راویٔ حدیث) یزید کہتے ہیں (کہ آپ نے یہ بھی فرمایا:) اگر اس کے مالک کا پتا نہ چلے تو جس کو وہ چیز ملی ہو اسے خرچ کر سکتا ہے، البتہ وہ چیز اس کے پاس امانت ہوگی۔ یحییٰ کہتے

هٰذَا الَّذِي لَا أَدْرِي أَهُوَ فِي الْحَدِيثِ أَمْ شَيْءٌ مِّنْ عِنْدِهِ؟ ثُمَّ قَالَ: كَيْفَ تَرَى فِي ضَالَّةِ الْغَنَمِ؟ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «خُذْهَا فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ». قَالَ يَزِيدُ: وَهِيَ تُعَرَّفُ أَيْضًا، ثُمَّ قَالَ: كَيْفَ تَرَى فِي ضَالَّةِ الْإِبِلِ؟ قَالَ: فَقَالَ: «دَعْهَا فَإِنَّ مَعَهَا حِذَاءَهَا وَسِقَاءَهَا، تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ، حَتَّى يَجِدَهَا رَبُّهَا». [راجع: ٩١]

ہیں: مجھے علم نہیں کہ وہ (امانت کے الفاظ) رسول اللہ ﷺ کی بات کا حصہ ہیں یا یزید نے اپنی طرف سے کہے ہیں؟ پھر پوچھا: بھولی بھٹکی بکری کے متعلق کیا حکم ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسے پکڑ لو کیونکہ وہ تمھاری ہو گی (جب اصل مالک نہ ملے) یا تمھارے کسی اور بھائی کی یا وہ بھیڑیے کی نذر ہے۔'' (راویٔ حدیث) یزید کہتے ہیں کہ بکری کا بھی اعلان کیا جاتا رہے۔ پھر پوچھا: گمشدہ اونٹ کے متعلق کیا حکم ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو، اس کے ساتھ اس کا جوتا ہے اور مشکیزہ بھی اس کے پاس ہے، چشمے پر پہنچ کر پانی پی لے گا اور جھاڑیوں سے پتے کھا لے گا یہاں تک کہ اس کا مالک اسے خود پا لے گا۔''

فوائد و مسائل: ① بکری جو ریوڑ سے الگ ہو جائے اور ریوڑ میں شامل ہونے کا کوئی راستہ نہ پائے اور نہ اس کے مالک ہی کا پتہ چلے، ایسی بکری حفاظت کی محتاج ہے، بصورت دیگر کوئی بھیڑیا نما انسان یا حقیقی بھیڑیا دبوچ لے گا، اس طرح وہ ضائع ہو جائے گی۔ اس کی بھی تشہیر کی جائے، جب تک اس کا مالک نہ ملے پکڑنے والا اسے اپنے پاس رکھے اور اس کا دودھ وغیرہ پیتا رہے کیونکہ اس نے اس کے چارے وغیرہ کا بندوبست کیا ہے۔ آج کل بھٹکے ہوئے جانوروں کے لیے کانجی ہاؤس بنے ہوئے ہیں، انھیں وہاں پہنچا دیا جائے اور ان کا جو ضابطہ ہے اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ ② راویٔ حدیث کہتے ہیں: ''ایسا مال امانت ہوگا'' اس فقرے کے متعلق معلوم نہیں ہو سکا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے یا شیخ محترم یزید کی طرف سے اضافہ، لیکن صحیح مسلم کی روایت کے مطابق یہ فقرہ حدیث کا حصہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کا فرمودہ ہے۔[1] البتہ یہ ایسی امانت ہے جس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، اس کی مزید وضاحت آئندہ ہو گی۔

(٤) بَابٌ: إِذَا لَمْ يُوجَدْ صَاحِبُ اللُّقَطَةِ بَعْدَ سَنَةٍ فَهِيَ لِمَنْ وَّجَدَهَا

باب: 4- جب ایک سال بعد بھی گمشدہ چیز کا مالک نہ ملے تو وہ اسی کی ہو جائے گی جسے ملی ہے

٢٤٢٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ رَّبِيعَةَ بْنِ [أَبِي] عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ

[2429] حضرت زید بن خالد جہنی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

[1] صحیح مسلم، اللقطة، حدیث: 4502 (1722).

يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَسَأَلَهُ عَنِ اللُّقَطَةِ، فَقَالَ: «اِعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا، ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا شَأْنَكَ بِهَا»، قَالَ: فَضَالَّةُ الْغَنَمِ؟ قَالَ: «هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ»، قَالَ: فَضَالَّةُ الْإِبِلِ؟ قَالَ: «مَا لَكَ وَلَهَا؟ مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَحِذَاؤُهَا، تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا». [راجع: ٩١]

حاضر ہوا اور گری پڑی چیز کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: ''اس کی تھیلی اور بندھن کو پہچان لو، پھر ایک سال تک اس کا اعلان کرتے رہو، اگر اس دوران میں اس کا مالک آجائے تو بہتر، بصورت دیگر تجھے اختیار ہے۔'' اس نے پوچھا کہ بھٹکی ہوئی بکری کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: ''وہ تیری ہے یا تیرے بھائی کی یا بھیڑیے کی۔'' اس نے پھر دریافت کیا: گمشدہ اونٹ کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تمھیں اس سے کیا سروکار ہے؟ اس کے ہمراہ اس کا مشکیزہ اور جوتا ہے، وہ پانی خود پی لے گا اور پتے کھا لے گا، یہاں تک کہ اس کا مالک اسے خود پا لے گا۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں ''تجھے اختیار ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ تیرے لیے اس میں تصرف کرنا جائز ہوگا، لیکن جب اس کا مالک مل جائے تو وہ چیز یا اس کا بدل دینا لازم ہوگا۔ ② اسلام نے گری پڑی اشیاء کی بڑی حفاظت کی ہے۔ ان کے اٹھانے والوں کو اسی صورت میں اٹھانے کی اجازت ہے کہ وہ انھیں اصل مالک تک لے جانے کی کوشش کریں۔ انھیں ہضم کرنے کے لیے ہرگز نہ اٹھائیں۔ بعض ائمہ کا موقف ہے کہ اگر کوئی جنگل میں بھٹکی ہوئی بکری پائے اور تشہیر کے بعد اسے ذبح کر کے کھا لے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ تیری ہے یا تیرے بھائی کی یا بھیڑیے کی نذر ہے۔'' بھیڑیا اگر کھا جائے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے لیکن یہ موقف وزنی نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بھیڑیے کو اس کا مالک قرار نہیں دیا۔ سنن ابی داود میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اس کا تلاش کرنے والا مل جائے تو اسے دے دو، اگر نہ ملے تو اس کے بیگ، بٹوہ اور بندھن کو پہچان لو، پھر اسے استعمال کر لو، اس کے بعد اگر مالک مل جائے تو اسے ادا کرو۔''[1] اس حدیث کے مطابق کھانے کی اجازت سے پہلے اور بعد دونوں صورتوں میں اسے واپس کرنے کا حکم ہے۔[2]

(٥) بَابٌ: إِذَا وَجَدَ خَشَبَةً فِي الْبَحْرِ أَوْ سَوْطًا أَوْ نَحْوَهُ

باب: 5- اگر دریا سے کوئی لکڑی یا (میدانی علاقے سے) کوئی کوڑا یا اس طرح کی کوئی چیز مل جائے تو کیا حکم ہے؟

٢٤٣٠ - وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

[2430] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے بنی اسرائیل

1 سنن أبي داود، اللقطة، حديث: 1706، 1707۔ 2 فتح الباري: 106/5۔

رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ: أَنَّهُ ذَكَرَ رَجُلًا مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، وَسَاقَ الْحَدِيثَ: «فَخَرَجَ يَنْظُرُ لَعَلَّ مَرْكَبًا قَدْ جَاءَ بِمَالِهِ فَإِذَا هُوَ بِالْخَشَبَةِ فَأَخَذَهَا لِأَهْلِهِ حَطَبًا، فَلَمَّا نَشَرَهَا وَجَدَ الْمَالَ وَالصَّحِيفَةَ». [راجع: ١٤٩٨]

کے ایک مرد کا ذکر کیا۔ پھر پوری حدیث بیان کی۔ اس کے آخر میں ہے: ''وہ شخص باہر نکلا شاید کوئی جہاز اس کا مال لے کر آیا ہو، تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک لکڑی تیر رہی ہے۔ وہ اسے اٹھا لایا تا کہ اہل خانہ اسے جلانے میں استعمال کریں۔ جب اس نے اسے پھاڑا تو (اس میں) اس کا مال اور ایک رقعہ برآمد ہوا۔''

فوائد و مسائل: ① اس سے معلوم ہوا کہ دریا یا میدانی علاقے سے کوئی معمولی چیز ملے تو اٹھانے والا اسے استعمال کر سکتا ہے اور اسے اپنے مصرف میں لانا جائز ہے۔ اس حدیث کے مطابق اس شخص نے دریا میں بہنے والی لکڑی بطور ایندھن اٹھائی۔ یہ اس بنا پر کہ پہلی شریعت بھی ہمارے لیے حجت ہے بشرطیکہ ہماری شریعت کے خلاف نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اس واقعے کو بطور مدح و تعریف بیان کیا ہے اور اس کے متعلق آپ سے انکار منقول نہیں۔ ② اس میں کوئی شک نہیں کہ دریا میں بہنے والی لکڑی یا میدانی علاقے سے ملنے والی کوئی معمولی چیز اٹھائی جا سکتی ہے لیکن آج کل دریاؤں سے بار برداری کا کام لیا جاتا ہے۔ پہاڑوں پر درختوں کی لکڑیاں کاٹ کر دریاؤں میں ڈال دی جاتی ہیں۔ نیچے لکڑی کی منڈیاں ہوتی ہیں جہاں تاجر اپنا مال پہچان کر دریا سے نکال لیتے ہیں۔ اس قسم کی لکڑی اٹھانا جائز نہیں۔ اس کی نوعیت دوسری ہے۔ اسے گری پڑی چیز قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ اسے معمولی ہی خیال کیا جا سکتا ہے۔

(٦) بَابٌ: إِذَا وَجَدَ تَمْرَةً فِي الطَّرِيقِ

باب: 6- اگر راستے میں گری پڑی کھجور پائے تو کیا کرے؟

٢٤٣١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَّنْصُورٍ، عَنْ طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِتَمْرَةٍ فِي الطَّرِيقِ فَقَالَ: «لَوْلَا أَنِّي أَخَافُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَأَكَلْتُهَا». [راجع: ٢٠٥٥]

[2431] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ راستے میں گری ہوئی کھجور کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ کھجور صدقے کی ہوگی تو اسے اٹھا کر ضرور کھا لیتا۔''

٢٤٣٢ - وَقَالَ يَحْيَى: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ، وَقَالَ زَائِدَةُ عَنْ مَّنْصُورٍ، عَنْ طَلْحَةَ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ. وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

[2432] حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جب میں اپنے گھر آتا ہوں تو اپنے بستر پر گری پڑی کھجور پاتا ہوں، اسے کھانے کے لیے اٹھا لیتا ہوں پھر اس اندیشے کے پیش نظر کہ یہ صدقہ ہوگی اسے پھینک

قَالَ: «إِنِّي لَأَنْقَلِبُ إِلٰى أَهْلِي، فَأَجِدُ التَّمْرَةَ سَاقِطَةً عَلٰى فِرَاشِي فَأَرْفَعُهَا لِآكُلَهَا، ثُمَّ أَخْشٰى أَنْ تَكُونَ صَدَقَةً فَأُلْقِيهَا».

دیتا ہوں۔"

فوائد و مسائل: ① معلوم ہوا کہ معمولی چیز اگر راستے یا گھر سے ملے تو اسے کھا لینا درست ہے۔ اس قسم کی چیزوں کے مالک کو تلاش کرنا اور اس کے متعلق تشہیر کرنا ضروری نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جو اس قسم کی کھجور سے پرہیز کیا تو اس لیے نہیں کہ اس پر لقطہ کے احکام جاری ہوتے ہیں بلکہ اس لیے کہ شاید صدقے کی ہو اور صدقہ آپ پر حرام تھا۔ ② حضرت میمونہ ؓ نے ایک گری پڑی کھجور دیکھی تو اسے اٹھا کر کھا لیا اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔"[1] اس حدیث کے تحت حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ اگر حضرت میمونہ ؓ اسے نظر انداز کر دیتیں اور اسے کوئی نہ اٹھاتا تو وہ پڑی پڑی خراب ہو جاتی۔ اس طرح بلاوجہ کسی چیز کو خراب کرنا اللہ کو پسند نہیں، اس لیے انھوں نے اس کھجور کو اٹھا کر کھا لیا۔[2] مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت علی ؓ نے ایک انار راستے میں پڑا ہوا پایا تو اسے اٹھا کر کھا لیا۔[3] اسی طرح حضرت ابن عمر ؓ نے ایک کھجور گری پڑی دیکھی تو اس کے دو حصے کر دیے، ایک خود کھا لیا اور دوسرا حصہ ایک مسکین کو کھلا دیا۔[4]

(٧) بَابٌ: كَيْفَ تُعَرَّفُ لُقَطَةُ أَهْلِ مَكَّةَ؟

باب: 7- اہل مکہ کی گمشدہ اشیاء کا اعلان کیسے کیا جائے؟

وَقَالَ طَاوُسٌ: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهَا إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا».

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "مکہ مکرمہ میں گری پڑی چیز وہ اٹھائے جو اس کا اعلان کرے۔"

وَقَالَ خَالِدٌ، عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهَا إِلَّا مُعَرِّفٌ».

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "مکہ مکرمہ کا لقطہ وہی اٹھائے جو اس کی تشہیر کرے۔"

وضاحت: حضرت ابن عباس ؓ سے مروی پہلی حدیث کو امام بخاری ؒ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[5] دوسری روایت کو بھی امام بخاری ؒ نے موصولاً بیان کیا ہے۔[6]

٢٤٣٣ - وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا رَوْحٌ:

[2433] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ

---

1 المصنف لعبدالرزاق: 144/10. 2 فتح الباري: 107/5. ③ المصنف لعبدالرزاق: 143/10. ④ المصنف لابن أبي شيبة: 416/4. ⑤ صحيح البخاري، جزاء الصيد، حديث: 1834. 6 صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2090.

حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا يُعْضَدُ عِضَاهُهَا، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا، وَلَا تَحِلُّ لُقَطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ، وَلَا يُخْتَلَى خَلَاهَا»، فَقَالَ عَبَّاسٌ: يَا رَسُولَ اللهِ إِلَّا الْإِذْخِرَ، فَقَالَ: «إِلَّا الْإِذْخِرَ». [راجع: ١٣٤٩]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مکہ کی جھاڑیاں نہ کاٹی جائیں اور نہ اس کے شکار ہی کو بھگایا جائے، نیز اس کا لقطہ صرف اس شخص کے لیے اٹھانا جائز ہے جو اس کی تشہیر کرنے والا ہو اور اس کی گھاس کو بھی نہ کاٹا جائے۔'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اذخر کی اجازت دیجیے۔ آپ نے فرمایا: ''اذخر گھاس کی اجازت ہے۔''

٢٤٣٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا فَتَحَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ ﷺ مَكَّةَ قَامَ فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ اللهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْفِيلَ وَسَلَّطَ عَلَيْهَا رَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ، فَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِأَحَدٍ كَانَ قَبْلِي، وَإِنَّهَا أُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ، وَإِنَّهَا لَنْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي، فَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا وَلَا يُخْتَلَى شَوْكُهَا وَلَا تَحِلُّ سَاقِطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ، وَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ: إِمَّا أَنْ يُفْدَى وَإِمَّا أَنْ يُقِيدَ»، فَقَالَ الْعَبَّاسُ: إِلَّا الْإِذْخِرَ فَإِنَّا نَجْعَلُهُ لِقُبُورِنَا وَبُيُوتِنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِلَّا الْإِذْخِرَ»، فَقَامَ أَبُو شَاهٍ - رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْيَمَنِ - فَقَالَ: اُكْتُبُوا لِي يَارَسُولَ اللهِ! فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اُكْتُبُوا لِأَبِي شَاهٍ». قُلْتُ لِلْأَوْزَاعِيِّ: مَا قَوْلُهُ: اُكْتُبُوا لِي يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: هٰذِهِ الْخُطْبَةَ الَّتِي سَمِعَهَا مِنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ. [راجع: ١١٢]

[2434] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے مکہ فتح کر دیا تو آپ لوگوں میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے کے بعد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مکہ سے قتل وغارت کو روک دیا اور اس پر اپنے رسول اور اہل ایمان کو مسلط کر دیا۔ آگاہ رہو کہ یہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں ہوا اور میرے لیے بھی دن کی ایک گھڑی میں حلال ہوا اور میرے بعد کسی کے لیے بھی حلال نہیں ہو گا۔ خبردار! اس کے شکار کو نہ چھیڑا جائے اور نہ اس کی جھاڑیاں ہی کاٹی جائیں۔ اور یہاں کی گری پڑی چیز صرف اس کے لیے جائز ہے جو اس کا اعلان کرنے کے لیے اٹھاتا ہے اور یہاں جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے تو اسے دو معاملات میں سے ایک کا اختیار ہے: دیت قبول کر لے یا بدلہ لے لے۔'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اذخر گھاس کو مستثنیٰ ہونا چاہیے کیونکہ ہم اسے اپنی قبروں اور گھروں میں بچھاتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: ''اذخر گھاس کی اجازت ہے۔'' پھر اہل یمن میں سے ابوشاہ نامی شخص کھڑا ہوا، اس نے عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھے (یہ خطبہ) لکھوا دیجیے۔ آپ نے فرمایا: ''ابوشاہ کے لیے اسے تحریر کر دو۔'' (ولید بن مسلم نے کہا:) میں نے امام اوزاعی

سے پوچھا: ابوشاہ کا عرض کرنا کہ اللہ کے رسول! میرے لیے لکھوا دیجیے، اس کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے کہا: وہی خطبہ جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان تیمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حاجیوں کی گری پڑی چیز اٹھانے سے منع کیا ہے۔[1] اس حدیث کا تقاضا ہے کہ حرم میں کوئی گری پڑی چیز نہیں اٹھانی چاہیے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ عنوان اور پیش کردہ باب پر دو حدیثوں سے ثابت کیا ہے کہ حرم مکی میں گری ہوئی چیز اٹھانا جائز ہے، ممانعت اس صورت میں ہے کہ جب اس کا مالک بننے کے لیے اٹھائی جائے۔ مذکورہ احادیث کا تقاضا ہے کہ حرم کا لقطہ وہی اٹھائے جو اس کی تشہیر کرے، بصورت دیگر اسے وہاں پڑا رہنے دے۔ اعلان کرنے کے بعد اگر اس کا مالک نہ ملے تو اسے استعمال میں لانے کی بھی اجازت نہیں۔ ③ اب حکومت سعودیہ نے حرم میں گری پڑی اشیاء محفوظ کرنے کے لیے حرم ہی میں ایک امانت خانہ قائم کیا ہے، جن لوگوں کو کوئی چیز ملتی ہے وہ وہاں جمع کرا دیتے ہیں اور جن کی اشیاء گم ہو جاتی ہیں وہ ان سے رابطہ قائم کرتے ہیں۔

(٨) بَابٌ: لَا تُحْتَلَبُ مَاشِيَةُ أَحَدٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِ

باب: 8- کسی کے جانور کا دودھ بلا اجازت نہ دوہا جائے

٢٤٣٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَّافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا يَحْلُبَنَّ أَحَدٌ مَّاشِيَةَ امْرِئٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِ، أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تُؤْتَى مَشْرُبَتُهُ فَتُكْسَرَ خِزَانَتُهُ فَيُنْتَقَلَ طَعَامُهُ؟ فَإِنَّمَا تَخْزُنُ لَهُمْ ضُرُوعُ مَوَاشِيهِمْ أَطْعِمَاتِهِمْ، فَلَا يَحْلُبَنَّ أَحَدٌ مَّاشِيَةَ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِهِ».

[2435] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی بھی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کے جانور کا دودھ نہ دوہے۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ کوئی شخص اس کے گودام میں گھس جائے، پھر اس کے تھیلوں کو کھول کر ان سے غلہ لے جائے؟ آگاہ رہو کہ مویشیوں کے تھن بھی لوگوں کے لیے ان کی غذا کے گودام ہیں، لہٰذا یہ جائز نہیں کہ تم میں سے کوئی دوسرے کے مویشی کو اس کی اجازت کے بغیر دوہے۔''

فوائد و مسائل: ① بعض روایات میں ہے کہ اگر جنگل میں بکریوں کا ریوڑ نظر آئے تو تین مرتبہ آواز دو، اگر کوئی چرواہا نہیں ہے تو بکریوں کا دودھ دوہ کر پی سکتے ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس موقف کی تردید کرتے ہیں کہ کسی کے جانور کا دودھ اس کی اجازت کے بغیر دوہنا جائز نہیں، ہاں اگر کوئی بھوک یا پیاس سے مر رہا ہو تو وہ اس حالت میں مالک کی اجازت کے بغیر ریوڑ میں سے کسی جانور کا دودھ نکال کر اپنی جان بچا سکتا ہے۔ یہ ایک اضطراری حالت ہے۔ ② جس روایت کا حوالہ دیا گیا ہے اسے امام ابن ماجہ رحمہ اللہ

1 صحيح مسلم، اللقطة، حديث: 4509 (1724).

نے صحیح سند سے بیان کیا ہے۔[1] اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ اضطراری حالت میں ایسا کیا جا سکتا ہے، عام حالات میں کسی کا مال اجازت کے بغیر لینا جائز نہیں، مجبوری کے وقت بھی اس شرط کے ساتھ لیا جا سکتا ہے کہ اگر مالک تاوان طلب کرے تو دینا ہوگا۔

(۹) بَابٌ: إِذَا جَاءَ صَاحِبُ اللُّقَطَةِ بَعْدَ سَنَةٍ رَدَّهَا عَلَيْهِ لِأَنَّهَا وَدِيعَةٌ عِنْدَهُ

باب: 9- جب سال گزرنے کے بعد گمشدہ چیز کا مالک آ جائے تو اسے واپس کر دی جائے کیونکہ گمشدہ چیز ایک امانت ہے

٢٤٣٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ [أَبِي] عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ اللُّقَطَةِ، قَالَ: «عَرِّفْهَا سَنَةً ثُمَّ اعْرِفْ وِكَاءَهَا وَعِفَاصَهَا، ثُمَّ اسْتَنْفِقْ بِهَا، فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَأَدِّهَا إِلَيْهِ»، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! فَضَالَّةُ الْغَنَمِ؟ قَالَ: «خُذْهَا فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ»، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! فَضَالَّةُ الْإِبِلِ؟ قَالَ: فَغَضِبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ - أَوِ احْمَرَّ وَجْهُهُ - ثُمَّ قَالَ: «مَا لَكَ وَلَهَا؟ مَعَهَا حِذَاؤُهَا وَسِقَاؤُهَا حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا». [راجع: ٩١]

[2436] حضرت زید بن خالد جہنی ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے گمشدہ چیز اٹھانے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''اس کی ایک سال تک تشہیر کرو، پھر اس کا بندھن اور تھیلی یاد کر لو، اس کے بعد اسے اپنے کسی مصرف میں خرچ کر لو، اگر اس کا مالک آ جائے تو اسے واپس کر دو۔'' سائل نے عرض کیا: اللہ کے رسول! بھٹکی ہوئی بکری کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اسے پکڑ لو کیونکہ وہ تمھاری ہے، یا تمھارے بھائی کی یا بھیڑیے کی نذر ہے۔'' اس نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آوارہ اونٹ کے متعلق کیا کریں؟ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر غصے میں آ گئے یہاں تک کہ آپ کے رخسار یا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا، پھر آپ نے فرمایا: ''اونٹ سے تمھیں کیا کام؟ اس کے ساتھ اس کا جوتا اور مشکیزہ ہے، اس کا مالک جب آئے گا تو اسے لے لے گا۔''

فوائد و مسائل: ① اگرچہ اس روایت میں ''امانت'' کے الفاظ نہیں ہیں، تاہم پہلے وہ حدیث بیان ہو چکی ہے کہ گمشدہ چیز اس کے پاس امانت ہوگی۔[2] وہاں راویٔ حدیث نے شک کا اظہار کیا تھا کہ یہ الفاظ میرے شیخ کی طرف سے ہیں یا حدیث کا حصہ ہیں، اس کے متعلق مجھے پوری طرح علم نہیں ہے لیکن صحیح مسلم میں یہ الفاظ بغیر کسی شک و شبہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے حصے کے طور پر بیان ہوئے ہیں،[3] نیز اس میں صراحت ہے کہ اگر گمشدہ چیز کا مالک اور طلبگار عمر کے کسی حصے میں بھی آ جائے تو وہ چیز اسے ادا کرنی ہوگی۔ ② امام بخاری ؒ کا مسلک یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ چیز اٹھانے والے سے ضائع ہو جائے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہوگا کیونکہ امانت کے ضیاع پر تاوان نہیں دیا جاتا، ہاں اس نے استعمال کر لی ہے تو اس کا بدل دینا ہوگا۔[4]

---

(1) سنن ابن ماجه، التجارات، حديث: 2300. (2) صحيح البخاري، اللقطة، حديث: 2428. (3) صحيح مسلم، اللقطة، حديث: 4502 (1722). (4) فتح الباري: 114/5.

اس صورت میں گمشدہ چیز کا بدل واپس کرنا احسان نہیں بلکہ اس کی ذمہ داری اور فرائض میں شامل ہے۔

(١٠) بَابٌ: هَلْ يَأْخُذُ اللُّقَطَةَ وَلَا يَدَعُهَا تَضِيعُ حَتَّى لَا يَأْخُذَهَا مَنْ لَا يَسْتَحِقُّ؟

٢٤٣٧ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ قَالَ: سَمِعْتُ سُوَيْدَ ابْنَ غَفَلَةَ قَالَ: كُنْتُ مَعَ سَلْمَانَ بْنِ رَبِيعَةَ وَزَيْدِ ابْنِ صُوحَانَ فِي غَزَاةٍ، فَوَجَدْتُ سَوْطًا فَقَالَا لِي: أَلْقِهِ، قُلْتُ: لَا، وَلٰكِنْ إِنْ وَّجَدْتُ صَاحِبَهُ وَ إِلَّا اسْتَمْتَعْتُ بِهِ، فَلَمَّا رَجَعْنَا حَجَجْنَا فَمَرَرْتُ بِالْمَدِينَةِ فَسَأَلْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَقَالَ: وَجَدْتُ صُرَّةً عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فِيهَا مِائَةُ دِينَارٍ، فَأَتَيْتُ بِهَا النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: «عَرِّفْهَا حَوْلًا»، فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا، ثُمَّ أَتَيْتُ فَقَالَ: «عَرِّفْهَا حَوْلًا»، فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقَالَ: «عَرِّفْهَا حَوْلًا»، فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا، ثُمَّ أَتَيْتُهُ الرَّابِعَةَ فَقَالَ: «اِعْرِفْ عِدَّتَهَا وَوِكَاءَهَا وَوِعَاءَهَا، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا اسْتَمْتِعْ بِهَا». [راجع: ٢٤٢٦]

باب: 10- کیا گری پڑی چیز کا اٹھا لینا بہتر ہے مبادا وہ ضائع ہو جائے یا کوئی غیر مستحق اٹھا لے؟

[2437] حضرت سوید بن غفلہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں ایک لڑائی میں سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان کے ساتھ تھا۔ میں نے ایک کوڑا دیکھا (تو اسے اُٹھا لیا۔) مجھ سے انھوں نے کہا: اسے پھینک دو۔ میں نے کہا: نہیں پھینکتا، اگر اس کا مالک مل گیا تو اس کے حوالے کر دوں گا بصورت دیگر اسے اپنے کام میں لاؤں گا۔ چنانچہ جب ہم غزوے سے واپس آئے تو حج کیا، پھر مدینہ طیبہ سے گزر ہوا تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انھوں نے بتایا: مجھے نبی ﷺ کے زمانے میں ایک تھیلی ملی تھی جس میں سو دینار تھے۔ میں اسے لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: ''اس کی ایک سال تک تشہیر کرو۔'' میں نے اس کی سال بھر تشہیر کی۔ پھر آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: ''ایک سال مزید تشہیر کرو۔'' میں نے ایک سال مزید ایسا کیا۔ پھر آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: ''ایک سال اور اس کی تشہیر کرو۔'' میں نے اس کی ایک سال اور تشہیر کی۔ پھر چوتھی بار آپ کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: ''اس کی گنتی، بندھن اور تھیلی کی خوب شناخت کرو۔ اگر اس کا مالک آ جائے تو بہتر، بصورت دیگر اس سے فائدہ حاصل کرو۔''

حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سَلَمَةَ بِهٰذَا قَالَ: فَلَقِيتُهُ بَعْدُ بِمَكَّةَ، فَقَالَ: لَا أَدْرِي أَثَلَاثَةَ أَحْوَالٍ أَوْ حَوْلًا وَّاحِدًا.

شعبہ کہتے ہیں: میں اس کے بعد سلمہ بن کہیل سے مکہ مکرمہ میں ملا تو انھوں نے کہا: مجھے معلوم نہیں کہ تین سال یا ایک سال تشہیر کرنے کے لیے کہا تھا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیک نیتی کے ساتھ گری پڑی چیز کو اٹھا لینا ہی بہتر ہے تاکہ وہ ضائع نہ ہو جائے یا کسی غلط آدمی کے ہاتھ نہ لگ جائے، اٹھا لینے کے بعد حدیث کی روشنی میں عمل کیا جائے۔ ② اہل علم کے درمیان اس روایت کے متعلق اختلاف ہے، امام ابن حزم ؒ کہتے ہیں کہ ایک سال سے زیادہ تشہیر کرنا صحیح نہیں۔[1] امام ابن جوزی ؒ کہتے ہیں کہ دیگر احادیث کی روشنی میں جو بات میرے سامنے واضح ہوئی ہے وہ یہ کہ سلمہ بن کہیل راوی نے اس میں غلطی کی ہے، لہذا یہ ثابت ہوا کہ حضرت ابی بن کعب ؓ ایک سال ہی تشہیر کرتے رہے۔[2] امام منذری ؒ کہتے ہیں کہ کسی محدث یا فقیہ نے تین سال کی تشہیر کا فتویٰ نہیں دیا۔[3] ان روایات میں تطبیق کی یہ صورت ممکن ہے کہ ایک سال تک تشہیر کرنا ضروری ہے۔ اگر مالک نہ ملے تو ایک سال سے زائد تشہیر کرنا تقویٰ کی علامت ہے، واجب نہیں۔[4] واللہ أعلم.

(١١) بَابُ مَنْ عَرَّفَ اللُّقَطَةَ وَلَمْ يَدْفَعْهَا إِلَى السُّلْطَانِ

باب: 11- جس نے گمشدہ چیز کا خود اعلان کیا لیکن حکومت کے حوالے نہیں کیا

٢٤٣٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ رَبِيعَةَ، عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ أَعْرَابِيًّا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ اللُّقَطَةِ قَالَ: «عَرِّفْهَا سَنَةً فَإِنْ جَاءَ أَحَدٌ يُخْبِرُكَ بِعِفَاصِهَا وَوِكَائِهَا وَإِلَّا فَاسْتَنْفِقْ بِهَا»، وَسَأَلَهُ عَنْ ضَالَّةِ الْإِبِلِ فَتَمَعَّرَ وَجْهُهُ وَقَالَ: «مَا لَكَ وَلَهَا؟ مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَحِذَاؤُهَا، تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ، دَعْهَا حَتَّى يَجِدَهَا رَبُّهَا»، وَسَأَلَهُ عَنْ ضَالَّةِ الْغَنَمِ فَقَالَ: «هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ».

[راجع: ٩١]

[2438] حضرت زید بن خالد جہنی ؓ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے نبی ﷺ سے گمشدہ چیز کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ''اس کی ایک سال تک تشہیر کر۔ اگر کوئی آئے اور اس کی تھیلی اور بندھن کے بارے میں ٹھیک ٹھیک نشاندہی کر دے تو اس کے حوالے کر دے، بصورت دیگر اسے خرچ کر لے۔'' پھر اس نے آوارہ اونٹ کے متعلق پوچھا تو آپ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: ''اونٹ سے تجھے کیا تعلق؟ اس کا مشکیزہ اور جوتا اس کے ساتھ ہے۔ وہ خود چشمے پر جا کر پانی پی لے گا اور درختوں کے پتے کھا لے گا۔ اُسے چھوڑ حتی کہ اس کا مالک اسے پا لے۔'' پھر اس نے بھٹکی بکری کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: ''وہ تیرے لیے ہے، یا تیرے بھائی کے لیے یا پھر بھیڑیے کے لیے ہے۔''

فوائد ومسائل: ① گری پڑی چیز کے متعلق امام اوزاعی ؒ کا موقف ہے کہ اگر معمولی قیمت کی ہے تو اس کی تشہیر کی جائے اور اگر بیش بہا قیمت کی ہے تو اسے بیت المال میں جمع کرا دے۔ امام بخاری ؒ اس موقف کے خلاف ہیں کہ کسی صورت میں گمشدہ چیز کو بیت المال میں جمع نہ کیا جائے بلکہ خود اس کی تشہیر کرے۔ ② ممکن ہے امام بخاری ؒ کا یہ موقف ہو کہ گمشدہ

1 المحلی لابن حزم: 118/7. 2 فتح الباري: 99/5. 3 نيل الأوطار: 49/4. 4 فتح الباري: 99/5.

چیز حکومت وقت کے حوالے کرنا ضروری نہیں بلکہ لوگ اپنے طور پر اس کا کوئی حل نکالیں۔ اگر وہ مناسب خیال کریں کہ حکومت بہتر طریقے سے اس کی تشہیر کر سکتی ہے تو وہ چیز حکومت کے حوالے کی جا سکتی ہے، البتہ حکومت کے حوالے کرنے کے لیے اس پر دباؤ ڈالنا صحیح نہیں۔ بہر حال گری پڑی چیز جہاں ملے وہاں کے بازاروں، مساجد کے دروازوں، لوگوں کے اجتماعات، پبلک مقامات، مثلاً: ہسپتال، ریلوے اسٹیشن، جنرل بس اسٹینڈ، گراؤنڈ وغیرہ میں اس طرح اعلان کیا جائے کہ جس کسی کی کوئی چیز گم ہو گئی ہو وہ نشانی بتا کر لے جائے۔

(١٢) بَابٌ:

٢٤٣٩ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا النَّضْرُ: أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: أَخْبَرَنِي الْبَرَاءُ عَنْ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا؛ ح: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: اِنْطَلَقْتُ فَإِذَا أَنَا بِرَاعِي غَنَمٍ يَسُوقُ غَنَمَهُ فَقُلْتُ: مِمَّنْ أَنْتَ؟ قَالَ: لِرَجُلٍ مِّنْ قُرَيْشٍ، فَسَمَّاهُ فَعَرَفْتُهُ، فَقُلْتُ: هَلْ فِي غَنَمِكَ مِنْ لَّبَنٍ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، فَقُلْتُ: هَلْ أَنْتَ حَالِبٌ لِّي؟ قَالَ: نَعَمْ، فَأَمَرْتُهُ فَاعْتَقَلَ شَاةً مِّنْ غَنَمِهِ، ثُمَّ أَمَرْتُهُ أَنْ يَّنْفُضَ ضَرْعَهَا مِنَ الْغُبَارِ، ثُمَّ أَمَرْتُهُ أَنْ يَّنْفُضَ كَفَّيْهِ فَقَالَ هٰكَذَا، ضَرَبَ إِحْدٰى كَفَّيْهِ بِالْأُخْرٰى، فَحَلَبَ كُثْبَةً مِّنْ لَّبَنٍ، وَقَدْ جَعَلْتُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ إِدَاوَةً عَلٰى فِيهَا خِرْقَةٌ، فَصَبَبْتُ عَلَى اللَّبَنِ حَتّٰى بَرَدَ أَسْفَلُهُ، فَانْتَهَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقُلْتُ: اِشْرَبْ يَا رَسُولَ اللهِ! فَشَرِبَ حَتّٰى رَضِيتُ. [انظر: ٣٦١٥، ٣٦٥٢، ٣٩٠٨، ٣٩١٧، ٥٦٠٧]

باب:12- بلاعنوان

[2439] حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں چلا تو ایک چرواہے کو دیکھا جو اپنی بکریاں ہانکے جا رہا تھا۔ میں نے پوچھا: تو کس کا چرواہا ہے؟ اس نے کہا: ایک قریشی کا۔ اس نے نام لیا تو میں نے اسے پہچان لیا۔ میں نے کہا: کیا تیری بکریوں میں دودھ ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں، چنانچہ میں نے اس کو دوہنے کے لیے کہا تو اس نے بکریوں میں سے ایک بکری باندھ دی۔ میں نے کہا: اس بکری کے تھن سے غبار صاف کر دے۔ پھر میں نے اس سے کہا: اپنے ہاتھ بھی جھاڑ لے تو اس نے ایسا ہی کیا اور ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مارا، پھر ایک پیالہ دودھ دوہا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے پانی کی ایک چھاگل رکھ لی تھی جس کے منہ پر کپڑا باندھا ہوا تھا۔ میں نے پانی دودھ پر ڈالا حتی کہ وہ نیچے تک ٹھنڈا ہو گیا۔ پھر میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اللہ کے رسول! اسے نوش جان کیجیے! آپ نے اتنا پیا کہ میرا دل خوش ہو گیا۔

فوائد و مسائل: ① ابواب لقطہ میں اس حدیث کو اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ حدیث بھی احکام لقطہ پر مشتمل ہے۔ اس میں ایک ایسی چیز کا ذکر ہے جس کا حال لقطہ کے حال سے ملتا جلتا ہے، یعنی ایسی بکری کا دودھ پینا جس کا چرواہا تنہا جنگل میں ہے اور

اس سے زائد دودھ یقیناً بیکار جائے گا، اس لیے یہ بھی ضائع ہونے والی چیز کے حکم میں ہے۔ جس طرح کوڑے اور رسی کو اٹھانا جائز ہے اسی طرح دودھ کا پینا بھی مباح اور جائز ہے کیونکہ اگر وہ پیا نہ جاتا تو وہ ضائع ہو جاتا۔[1] لیکن ہمارے رجحان کے مطابق اس کی توجیہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ بعض دفعہ تفہیم مسئلہ کے لیے کسی چیز کی ضد ذکر کر دیتے ہیں جس طرح انھوں نے کتاب الایمان میں کفر و نفاق کے مسائل بیان کیے ہیں اور کتاب العلم میں جہالت کا تذکرہ کیا ہے، اسی طرح اس مقام پر باب بلاعنوان کے تحت اس حدیث کو بطور ضد لائے ہیں کہ وہ مال جس کا مالک معلوم ہو وہ لقطہ میں شامل نہیں۔ لیکن اس پر ایک اعتراض ہوتا ہے کہ چرواہا بکریوں کا مالک تو نہ تھا ان کا مالک تو وہ قریشی تھا جسے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جانتے تھے، تو ان کے لیے اجازت کے بغیر دودھ دوہنا کیسے جائز ہوا؟ اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ آپ نے عرب کے ہاں دستور کے مطابق دودھ استعمال کیا کیونکہ مالک کی طرف سے چرواہوں کو اجازت ہوتی تھی کہ اگر کوئی ضرورت مند ہو تو وہ ضرورت کے مطابق اسے دودھ دے دیا کریں جیسا کہ ہمارے معاشرے میں شوہر کی طرف سے بیوی کو اجازت ہوتی ہے کہ وہ دروازے پر آنے والے سائل کو مٹھی یا دو مٹھی آٹا دے دیا کرے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے پہچان لیا ہو کہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو دودھ پینے سے منع نہیں کرے گا۔ واللہ أعلم. ② ہمارے ہاں گمشدہ بچوں اور دیگر چیزوں کے متعلق مساجد میں اعلان کیا جاتا ہے، اس اعلان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ واضح رہے کہ گمشدہ چیز یا بچے یا جانور کا مسجد میں اعلان کرنا شرعاً درست نہیں۔ حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر کوئی مسجد میں اپنی گمشدہ چیز کو تلاش کرتا ہے یا اس کا اعلان کرتا ہے تو اسے ان الفاظ میں جواب دیا جائے: اللہ وہ چیز تجھے واپس نہ کرے کیونکہ مساجد کی تعمیر اس مقصد کے لیے نہیں ہوئی۔''[2] ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ایک ایسے شخص کو دیکھا جو لوگوں سے اپنے گمشدہ سرخ اونٹ کے متعلق دریافت کر رہا تھا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ کرے تو اپنے اونٹ کو نہ پائے کیونکہ مساجد تعمیر کرنے کا مقصد عبادت الٰہی ہے۔''[3] ایک دوسری حدیث میں ان مقاصد کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے جن کے پیش نظر مساجد تعمیر کی جاتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مساجد اللہ کے ذکر، نمازوں کی ادائیگی اور تلاوت قرآن کے لیے بنائی جاتی ہیں۔''[4] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گمشدہ اشیاء (حیوانات وغیرہ) کو مساجد میں تلاش کرنے اور ان کے متعلق دریافت کرنے سے منع فرمایا ہے،[5] نیز ایسے شخص کے لیے اس کی گمشدہ چیز نہ ملنے کے متعلق بددعا دینے کی تلقین کی ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ لفظ ضالہ کا اطلاق گمشدہ حیوان پر ہوتا ہے، اس لیے بچوں وغیرہ کی گم شدگی کا اعلان کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں اس سے اتفاق نہیں کیونکہ حیوانات کے علاوہ دوسری چیزوں کے لیے بھی اس لفظ کو استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض اہل علم نے یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ بقائے نفس اور احترام آدمیت کے پیش نظر گمشدہ بچوں کا اعلان مساجد میں جائز ہونا چاہیے، پھر ضروریات، ممنوع احکام کو جائز قرار دے دیتی ہیں، کے تحت لانے کی کوشش کی ہے، یقیناً یہ ضابطہ اور اصول صحیح ہے لیکن یہ اس صورت میں جب اس کا کوئی متبادل انتظام نہ ہو سکتا ہو، اگر اس کے متبادل ممکن ہو تو مساجد میں اعلان کی گنجائش نہیں۔ بہتر اور افضل بھی ہے کہ اس طرح کے اعلانات کے لیے الگ سے کوئی انتظام کیا جائے۔

---

① عمدة القاري: 180/9. ② صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1260 (568). ③ صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1262 (569). ④ صحيح مسلم، الطهارة، حديث: 661 (285). ⑤ سنن ابن ماجه، المساجد: 766.

مظالم کا مفہوم اور اس کی مذمت

مظالم، مظلمة کی جمع ہے۔ مظلمة، مصدر میمی ہے جس کے معنی ہیں: حد سے تجاوز کرنا۔ شرعی طور پر ظلم، لوگوں پر ناحق زیادتی کرنے، کسی چیز کو بلا استحقاق لے لینے کو کہتے ہیں۔ مظلمہ اس چیز کو بھی کہتے ہیں جو ناحق لے لی جائے۔ اس سے ملتا جلتا ایک لفظ غصب ہے جس کے معنی کسی کا مال زبردستی لینے کے ہیں۔ قرآن وحدیث میں ظلم اور غصب کے متعلق سخت وعید بیان ہوئی ہے۔ اگر کسی نے دوسرے پر ظلم کیا یا اس کا مال زبردستی چھین لیا تو اسے دنیا میں بھی سخت سزا دی جا سکتی ہے اور آخرت میں بھی اسے دردناک عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ غصب، ظلم ہی کی ایک بدترین قسم ہے۔ یہ اس حیثیت سے بھی ظلم ہے کہ غاصب ایک کمزور انسان کا مال ناحق استعمال کرتا ہے۔ اس سلسلے میں چند اصطلاحات حسب ذیل ہیں: * غاصب: زبردستی مال چھیننے والے کو کہا جاتا ہے۔ * مغصوب: وہ مال جو زبردستی چھینا گیا ہو۔ * مغصوب منه: اس شخص کو کہتے ہیں جس سے مال چھینا گیا ہو۔

قیامت کے دن غصب کرنے والے سے غصب کردہ مال واپس کرنے کے متعلق کہا جائے گا، وہاں اس کے پاس کوئی چیز نہیں ہوگی، لہٰذا اس کی نیکیوں میں سے کچھ حصہ اس شخص کو دے دیا جائے گا جس کا حق اس نے دبایا تھا۔ اگر غاصب کے نامۂ اعمال میں کوئی نیکی نہ ہوئی تو مغصوب منہ کے گناہوں کا کچھ حصہ اس کے نامۂ اعمال میں جمع کر دیا جائے گا۔ یہ اس وقت ہوگا جب ظلم کے بدلے میں ظلم نہ کیا گیا ہو اور غصب کے بدلے کوئی غصب نہ کیا گیا ہو۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی میں ظلم وغصب کی برائی اپنے اسلوب میں بیان کی ہے اور ان سے متعلقہ مسائل واحکام واضح کیے ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے اڑتالیس مرفوع احادیث ذکر کی ہیں جن میں چھ معلق اور بیالیس موصول ہیں۔ ان میں اٹھائیس مکرر اور بیس خالص ہیں۔ چھ احادیث کے علاوہ دیگر احادیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔ مرفوع احادیث کے علاوہ صحابۂ کرام اور تابعین عظام سے سات آثار بھی پیش کیے ہیں۔ ان احادیث و آثار پر انھوں نے چھوٹے چھوٹے پینتیس عنوان قائم کیے ہیں۔

الغرض امام بخاری رحمہ اللہ نے ظلم وغصب سے متعلق بیسیوں مسائل سے بھی آگاہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ پیش نظر رہنا چاہیے: ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ﴾ ''ہم قیامت کے دن عدل و انصاف پر مبنی ترازو قائم کریں

گے، لہٰذا کسی کی کچھ بھی حق تلفی نہیں ہوگی۔ اگر ظلم رائی کے دانے کے برابر بھی ہوا تو ہم اسے بھی سامنے لائیں گے اور حساب لینے کے لیے ہم کافی ہیں۔[1]

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ انتہائی غور وفکر سے اور سوچ سمجھ کر احادیث کا مطالعہ کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ آمین.

[1] الأنبياء 47:21.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

46 - كِتَابُ الْمَظَالِمِ

ظلم و استبداد کے احکام و مسائل

(فِي الْمَظَالِمِ وَالْغَصْبِ)

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ۝ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ﴾ [إبراهيم: ٤٢، ٤٣] رَافِعِي رُؤُوسِهِمْ. اَلْمُقْنِعُ وَالْمُقْمِحُ وَاحِدٌ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿مُهْطِعِينَ﴾ مُدِيمِي النَّظَرِ. وَقَالَ غَيْرُهُ: مُسْرِعِينَ ﴿لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ﴾ يَعْنِي جُوفًا لَا عُقُولَ لَهُمْ ﴿وَأَنذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُم مِّن قَبْلُ مَا لَكُم مِّن زَوَالٍ ۝ وَسَكَنتُمْ فِي مَسَاكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْأَمْثَالَ ۝ وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِندَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ وَإِن كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ

(ظلم و استبداد اور ناحق مال چھیننے کی قباحت کا بیان)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور آپ ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ ظالم جو کچھ کر رہے ہیں، اللہ ان سے بے خبر ہے۔ وہ تو انھیں اس دن تک کے لیے مہلت دے رہا ہے جب نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ وہ یوں اپنے سر اٹھائے اور سامنے نظریں جمائے دوڑے جا رہے ہوں گے۔'' مُقْنِع اور مُقْمِح دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ امام مجاہد نے فرمایا: ﴿مُهْطِعِينَ﴾ کے معنی ہیں: ''برابر نظر ڈالنے والے۔'' (امام مجاہد کے علاوہ) بعض نے اس کے معنی ''جلدی بھاگنے والے'' کیے ہیں۔ ''ان کی نگاہیں ان کی اپنی طرف بھی نہ لوٹیں گی اور ان کے دل اڑ رہے ہوں گے۔'' عقل و شعور سے خالی ہوں گے۔ ''(اے نبی) آپ ان لوگوں کو اس دن سے ڈرائیں جب عذاب انھیں آ لے گا، تو اس دن ظالم کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں قریب وقت تک (تھوڑی سی مدت اور) مہلت دے دے، ہم تیری دعوت قبول کریں گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے۔ کیا تم نے اس سے پہلے

﴿مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾

[إبراهيم: ٤٣-٤٧].

قسمیں نہ کھائی تھیں کہ تمھیں کبھی زوال آئے گا ہی نہیں، حالانکہ تم ایسے لوگوں کی بستیوں میں آباد رہے جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور تمھیں خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کس طرح کیا تھا اور ہم نے تمھارے لیے کئی مثالیں بیان کیں۔ انھوں نے خوب چالیں چلیں، حالانکہ ان کی چالوں کا توڑ اللہ کے پاس موجود تھا اور ان کی چالیں ایسی نہ تھیں کہ ان سے پہاڑ ٹل جاتے۔ چنانچہ یہ کبھی خیال نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا، اللہ تعالیٰ یقیناً سب پر غالب اور بدلہ لینے والا ہے۔"

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے ان آیات کریمہ سے ثابت کیا ہے کہ دوسروں کا مال چھیننا اور اسے ہضم کر لینا بہت بڑا ظلم ہے، اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ اس کا انجام دنیا اور آخرت میں بہت برا ہے۔ انسان کو ظلم کرتے وقت یہ سوچ لینا چاہیے کہ ظلم کے بدلے میں اپنی نیکیاں دے کر یا حق داروں کی برائیاں اپنے کھاتے میں ڈال کر نجات ہو سکے گی۔ قیامت کے دن اس کے علاوہ بدلہ دینے کی اور کوئی صورت نہیں ہوگی، لہٰذا انسان آج ہی اس ظلم وغضب سے بچنے کا عہد کرے۔ واللہ المستعان.

(١) بَابُ قِصَاصِ الْمَظَالِمِ

باب: 1- ظلم و زیادتی کا بدلہ لیا جائے گا

٢٤٤٠ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ النَّاجِي، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا خَلَصَ الْمُؤْمِنُونَ مِنَ النَّارِ حُبِسُوا بِقَنْطَرَةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَيَتَقَاصُّونَ مَظَالِمَ كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا، حَتَّى إِذَا نُقُّوا وَهُذِّبُوا أُذِنَ لَهُمْ بِدُخُولِ الْجَنَّةِ، فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ ﷺ بِيَدِهِ، لَأَحَدُهُمْ بِمَسْكَنِهِ فِي الْجَنَّةِ أَدَلُّ بِمَنْزِلِهِ كَانَ فِي الدُّنْيَا».

[2440] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "جب اہل ایمان آگ سے خلاصی پالیں گے تو انھیں دوزخ اور جنت کے درمیان ایک پل پر روک لیا جائے گا۔ وہاں ان سے ان مظالم کا بدلہ لیا جائے گا جو انھوں نے دنیا میں ایک دوسرے پر کیے تھے۔ جب وہ پاک صاف ہو جائیں گے تو پھر انھیں جنت کے اندر جانے کی اجازت ملے گی۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! ہر شخص جنت میں اپنے ٹھکانے کو اس سے بہتر طور پر پہچانے گا جس طرح وہ دنیا میں اپنے مسکن کو پہچانتا تھا۔"

وَقَالَ يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ : حَدَّثَنَا أَبُو الْمُتَوَكِّلِ . [انظر: ٦٥٣٥]

یونس بن محمد نے کہا: ہمیں شیبان نے قتادہ سے خبر دی، انھوں نے کہا: ہم سے ابوالمتوکل نے بیان کیا۔

فوائد ومسائل: ① حدیث میں جن مظالم کا ذکر ہے اس سے مراد وہ مظالم ہوں گے جو ان کی تمام نیکیوں کو فنا نہیں کریں گے یا ایسے مظالم جن کا تعلق بدن کے بدلے سے چکایا جائے گا جیسا کہ انھوں نے ایک دوسرے کو تھپڑ وغیرہ مارے ہوں گے، ان کا بدلہ لیا جائے گا۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قیامت کے دن دو پل ہوں گے: ایک پل صراط جو جہنم پر ہوگا اور دوسرا وہ پل جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، وہ جنت اور دوزخ کے درمیان ہوگا۔ ممکن ہے کہ ایک ہی پل ہو، اس کا ابتدائی حصہ جہنم کے ادھر ہو اور اس کا آخری حصہ جنت کے قریب ہو۔ واللہ أعلم. بہرحال اس سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں دوسروں پر ظلم کرتے رہے۔ ایسے لوگوں کے ذاتی گناہ تو دوزخ کی آگ میں جلا کر ختم کیے جائیں گے لیکن بندوں سے متعلقہ گناہوں کا قصاص لیا جائے گا۔ جب وہ معاملات نمٹا لیں گے تو انھیں جنت میں داخلے کی اجازت ملے گی۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ ظلم وزیادتی کی تلافی اگر دنیا میں نہ کی گئی تو قیامت کے دن بدلہ لے کر کی جائے گی۔

(٢) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى : ﴿أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ﴾ [هود: ١٨]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: ''آگاہ رہو! ظلم پیشہ لوگوں پر اللہ کی پھٹکار ہے'' کا بیان

٢٤٤١ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا هَمَّامٌ قَالَ : حَدَّثَنِي قَتَادَةُ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ الْمَازِنِيِّ قَالَ : بَيْنَمَا أَنَا أَمْشِي مَعَ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا آخِذٌ بِيَدِهِ، إِذْ عَرَضَ رَجُلٌ فَقَالَ : كَيْفَ سَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي النَّجْوَى؟ فَقَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ : «إِنَّ اللهَ يُدْنِي الْمُؤْمِنَ فَيَضَعُ عَلَيْهِ كَنَفَهُ وَيَسْتُرُهُ فَيَقُولُ : أَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا؟ أَتَعْرِفُ ذَنْبًا كَذَا؟ فَيَقُولُ : نَعَمْ أَيْ رَبِّ، حَتَّى قَرَّرَهُ بِذُنُوبِهِ وَرَأَى فِي نَفْسِهِ أَنَّهُ هَلَكَ، قَالَ : سَتَرْتُهَا عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا، وَأَنَا أَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ، فَيُعْطَى كِتَابَ حَسَنَاتِهِ، وَأَمَّا الْكَافِرُ وَالْمُنَافِقُونَ فَيَقُولُ الْأَشْهَادُ : ﴿هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ

[2441] حضرت صفوان بن محرز مازنی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ہاتھ تھامے ان کے ساتھ جا رہا تھا، اچانک ایک شخص سامنے سے آ کر کہنے لگا: آپ نے ''نجویٰ'' یعنی (قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی بندے سے) سرگوشی کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کس طرح سنا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: ''اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب بُلا لے گا اور اس پر اپنا پردۂ عزت ڈال کر اسے چھپا لے گا، پھر فرمائے گا: تجھے اپنا فلاں گناہ معلوم ہے؟ تجھے اپنا فلاں گناہ یاد ہے؟ تو وہ کہے گا: جی ہاں، یارب! مجھے معلوم ہے حتیٰ کہ اس سے تمام گناہوں کا اقرار کرا لے گا۔ اور وہ شخص اپنے دل میں خیال کرے گا کہ وہ اب تباہ ہو چکا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تجھ پر دنیا میں پردہ ڈالا، آج تیرے

أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ﴾ [هود: ١٨]. [انظر: ٤٦٨٥، ٦٠٧٠، ٧٥١٤]

لیے ان گناہوں کو معاف کرتا ہوں، پھر نیکیوں کا ریکارڈ اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔ لیکن کافر اور منافق کے متعلق برملا گواہ بولیں گے: ''یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا۔ سن لو! ظلم پیشہ لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے۔''

فوائد ومسائل: ① نجوی کے معنی سرگوشی کے ہیں جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرمائے گا۔ یہ اس کا خاص فضل وکرم ہوگا کہ وہ درپردہ بندے کو اس کے گناہ بتائے گا اور اس سے ان کا اعتراف کرائے گا، پھر انھیں معاف کر دے گا۔ اس حدیث میں جن گناہوں کا ذکر ہے اس سے مراد حقوق العباد نہیں بلکہ وہ گناہ مراد ہیں جو صرف اللہ اور اس کے بندے کو معلوم ہیں، جنھیں اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا، نیز آیت کریمہ میں ظلم پیشہ لوگوں سے مراد کافر اور منافق ہیں، مسلمان اگر ظلم کرے تو وہ اس آیت میں داخل نہیں ہوگا۔ اس سے ظلم کا بدلہ تو ضرور لیا جائے گا لیکن وہ ملعون قرار نہیں پائے گا۔ ② مجموعۂ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہوں کی ایک قسم تو وہ ہے جو دنیا میں درپردہ تھی، قیامت کے دن بھی اللہ تعالیٰ انھیں پوشیدہ رکھ کر معاف کر دے گا، پھر کچھ گناہ ایسے ہوں گے جو علانیہ سرزد ہوئے ہوں گے جن کے ضمن میں حقوق العباد بھی ہیں جن پر گرفت ہو سکتی ہے۔ باقی رہے کفار ومنافقین ان پر تو سب کے سامنے کھلے عام لعنت ہوگی۔

(٣) بَابٌ: لَا يَظْلِمُ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ وَلَا يُسْلِمُهُ

باب: 3- ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر نہ تو ظلم کرے اور نہ اسے بے یار ومددگار ہی چھوڑے

٢٤٤٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ سَالِمًا أَخْبَرَهُ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ، وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ، كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ». [انظر: ٦٩٥١]

[2442] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، لہٰذا نہ وہ اس پر ظلم کرے اور نہ اسے ظلم کے حوالے ہی کرے۔ اور جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت کو پورا کرنے میں مصروف ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری فرمائے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت کو دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مصیبت دور کرے گا، نیز جو شخص کسی مسلمان کا عیب چھپائے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے گا۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں ترغیب ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں تعاون اور اچھا معاملہ کرنا چاہیے اور جو گناہ کسی

سے سرزد ہو جائے اس کی پردہ پوشی کی جائے، البتہ وہ گناہ جو انسان سے سرزد ہو سکتے ہیں اور خطرہ ہے کہ اگر مسلمان بھائی کو بروقت متنبہ نہ کیا تو وہ گناہ کا مرتکب ہو جائے گا تو ایسے گناہ سے اسے روکنا ضروری ہے۔ حدیث کے راویوں پر جرح وتعدیل کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ اس سلسلے میں پردہ پوشی سے کام نہیں لینا چاہیے کیونکہ ان پر جرح کرنا غیبت میں شمار نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر کسی کے متعلق گواہی دینی پڑے تو بھی ٹھیک ٹھیک گواہی دینی چاہیے کیونکہ درست گواہی معاشرے کا حق ہے۔ ایسے حالات میں اسے قانون سے چھپانے کی کوشش کرنا اور مجرم کی پردہ پوشی کرنا جرم ہے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ انسان کو کسی دوسرے شخص کی غیبت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس سے کسی کی پردہ دری ہوتی ہے، اس طرح انسان خود اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی سے محروم ہو جاتا ہے۔[1]

(٤) بَابٌ: أَعِنْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا

باب: 4- اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم

٢٤٤٣ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسٍ، وَحُمَيْدٌ: سَمِعَا أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا». [انظر: ٢٤٤٤، ٦٩٥٢]

[2443] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔“

٢٤٤٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا»، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! هٰذَا نَنْصُرُهُ مَظْلُومًا، فَكَيْفَ نَنْصُرُهُ ظَالِمًا؟ فَقَالَ: «تَأْخُذُ فَوْقَ يَدَيْهِ». [راجع: ٢٤٤٣]

[2444] حضرت انس ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔“ صحابۂ کرام نے عرض کیا: اللہ کے رسول! وہ مظلوم ہو تو اس کی مدد کریں گے لیکن ظالم کی مدد کس طرح کریں؟ آپ نے فرمایا: ”(ظلم کرنے سے) اس کا ہاتھ پکڑ لو، یعنی اسے ظلم سے روکو۔“

فوائد ومسائل: ① دورِ جاہلیت میں اس جملے کے ذریعے سے قومی عصبیت کو ہوا دی جاتی تھی کہ ہر حال میں اپنے خاندان، قبیلے اور بھائی کی مدد کی جائے، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس جملے کے مفہوم کو یکسر بدل کر محبت واخوت کا سبق دیا ہے۔ ② اہل عرب کے ہاں نصرت کے معنی اعانت کے ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کی تفسیر یہ فرمائی کہ ظالم کی مدد

1 فتح الباري: 121/5.

اسے ظلم سے روکنا ہے کیونکہ اگر اسے ظلم سے نہ روکا گیا تو وہ ظلم کرنے میں مزید آگے بڑھے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک دن اس سے قصاص لیا جائے گا، لہٰذا اسے ظلم سے روکنا اسے قصاص سے نجات دلانا ہے اور یہی اس کی مدد ہے۔

(٥) بَابُ نَصْرِ الْمَظْلُومِ

باب:5- مظلوم کی مدد کرنا

٢٤٤٥ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ: سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ سُوَيْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ: فَذَكَرَ عِيَادَةَ الْمَرِيضِ، وَاتِّبَاعَ الْجَنَائِزِ، وَتَشْمِيتَ الْعَاطِسِ، وَرَدَّ السَّلَامِ، وَنَصْرَ الْمَظْلُومِ، وَإِجَابَةَ الدَّاعِي، وَإِبْرَارَ الْمُقْسِمِ. [راجع: ١٢٣٩]

[2445] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے ہمیں سات کاموں کا حکم دیا اور سات باتوں سے منع فرمایا۔ پھر انھوں نے ان کاموں کا ذکر کیا: مریض کی عیادت کرنا، جنازے کے ساتھ جانا، چھینک لینے والے کو جواب دینا، سلام کا جواب دینا، مظلوم کی مدد کرنا، دعوت قبول کرنا اور کوئی قسم کھا بیٹھا ہو تو اس کی قسم پوری کرا دینا۔

فوائد و مسائل: ① مظلوم کی مدد کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی بھی مظلوم کی مدد کے لیے نہیں اُٹھے گا تو سارا معاشرہ گناہ گار ہو گا۔ پہلے حاکم وقت کو اس کی مدد کرنی چاہیے کہ انصاف اس کی دہلیز پر پہنچایا جائے۔ اگر حاکم وقت کا ہونا نہ ہونا برابر ہے تو جو بھی اس کی مدد کر سکتا ہو وہ مدد کرے۔ ② اگر کسی نے نیک مقصد کے لیے قسم اٹھائی ہے تو اس کی مدد کی جائے اور اگر کسی غلط مقصد کے لیے ہے تو اسے خود چاہیے کہ اپنی قسم توڑ دے اور اس کا کفارہ ادا کرے تاکہ اسے قسم کی اہمیت کا احساس ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مقام پر مذکورہ حدیث اختصار کے ساتھ بیان کی ہے۔ اس کی تفصیل کتاب الادب اور کتاب اللباس میں بیان کی جائے گی۔

٢٤٤٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا»، وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ. [راجع: ٤٨١]

[2446] حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''ایک مومن دوسرے مومن کے لیے دیوار کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔'' پھر آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کر دیا۔

فائدہ: مظلوم کی مدد کرنا اسے تقویت دیتا ہے۔ اس حدیث کے مطابق معاشرے کا ہر فرد محبت و اخوت سے ایک دوسرے کو ملائے اور نفرتیں پھیلا کر انھیں جدا جدا نہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر اس عمل کی تقویت کو سمجھایا ہے۔ بعض احادیث میں اس کیفیت کو ''تشبیک شیطان'' قرار دیا گیا ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب

بطور عبث اور بے ہودہ حرکت کیا جائے۔ جب کسی کو کوئی بات سمجھانی مقصود ہو تو انگلیوں کی مذکورہ کیفیت بنانا جائز اور درست ہے۔ واللہ أعلم.

(٦) بَابُ الْاِنْتِصَارِ مِنَ الظَّالِمِ

باب:6- ظالم سے انتقام لینا

لِقَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَن ظُلِمَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا﴾ [النساء: ١٤٨]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ یہ پسند نہیں کرتا کہ کسی کی برائی کو ظاہر کیا جائے مگر مظلوم ایسا کر سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔''

﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنتَصِرُونَ﴾ [الشورى: ٣٩]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اور وہ لوگ جب ان پر ظلم ہوتا ہے تو مناسب انتقام لیتے ہیں۔''

قَالَ إِبْرَاهِيمُ: كَانُوا يَكْرَهُونَ أَنْ يُسْتَذَلُّوا، فَإِذَا قَدَرُوا عَفَوْا.

حضرت ابراہیم نخعی کہتے ہیں: وہ حضرات ذلیل ہونے کو پسند نہیں کرتے تھے لیکن جب ان کو قدرت حاصل ہوتی تو درگزر کرتے تھے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے ظالم سے بدلہ لینے کے متعلق دو آیات بیان کی ہیں۔ پہلی آیت کی تفسیر میں امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس طرح مظلوم پر ظلم کیا گیا ہے اسی طرح اگر وہ ظالم سے بدلہ لے تو اس پر کوئی ملامت نہیں۔ اسی طرح دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو باغیوں سے زیادتی کے بغیر بدلہ لیتے ہیں۔ اگرچہ معاف کر دینا افضل ہے لیکن اگر معاف کرنے سے کسی فساد کا اندیشہ ہو تو بدلہ لینا ضروری ہو جاتا ہے۔ اسلاف کا یہ طریقہ تھا کہ وہ خود کو کمزور خیال نہیں کرتے تھے کیونکہ ایسا کرنے سے فاسق اور فاجر لوگ مزید دلیر ہو جاتے ہیں لیکن جب بدلہ لینے کا موقع آتا تو معاف کر دیتے، ہر غیرت مند انسان کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ یہ کوئی خاکساری یا تقویٰ کی علامت نہیں کہ انسان ذلیل ہو کر زندگی بسر کرے، البتہ بڑے حوصلے کی بات ہے کہ قدرت رکھتے ہوئے کسی پر ظلم نہ کیا جائے اور جب بدلہ لینے کا موقع آئے تو درگزر کر دیا جائے۔

(٧) بَابُ عَفْوِ الْمَظْلُومِ

باب:7- مظلوم کا ظالم کو معاف کر دینا

لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿إِن تُبْدُوا خَيْرًا أَوْ تُخْفُوهُ أَوْ تَعْفُوا عَن سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا﴾ [النساء: ١٤٩]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اگر تم علانیہ نیکی کرو یا اسے چھپاؤ یا برائی کو معاف کر دو تو اللہ تعالیٰ بھی بہت زیادہ معاف کرنے والا خوب قدرت والا ہے۔''

﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۖ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور برائی کی جزا اس کی مثل

فَأَجْرُهُۥ عَلَى ٱللَّهِ ۚ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلظَّٰلِمِينَ ۝ وَلَمَنِ ٱنتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِۦ فَأُو۟لَٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِم مِّن سَبِيلٍ ۝ إِنَّمَا ٱلسَّبِيلُ عَلَى ٱلَّذِينَ يَظْلِمُونَ ٱلنَّاسَ وَيَبْغُونَ فِى ٱلْأَرْضِ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ ٱلْأُمُورِ ۝ وَمَن يُضْلِلِ ٱللَّهُ فَمَا لَهُۥ مِن وَلِىٍّ مِّنۢ بَعْدِهِۦ ۗ وَتَرَى ٱلظَّٰلِمِينَ لَمَّا رَأَوُا۟ ٱلْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّن سَبِيلٍ﴾ [الشورى: ٤٠-٤٤].

برائی ہے اور جو کوئی درگزر کرے اور بھلائی کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جن لوگوں نے اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد انتقام لیا تو ان پر کسی قسم کا الزام نہیں۔ الزام تو ان لوگوں پر ہے جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ اور جس نے صبر کیا اور معاف کیا تو یہ عزیمت کے اوصاف سے ہے۔ اور جسے اللہ گمراہ کر دے پھر اس کے بعد اس کا کوئی مددگار نہیں۔ اور تو ظالموں کو دیکھے گا کہ جب وہ عذاب سے دوچار ہوں گے تو کہیں گے: کیا اب دنیا کی طرف لوٹ جانے کی کوئی صورت ہے؟"

وضاحت: ظلم معاف کر دینا بڑی ہمت کا کام ہے۔ ذلت پر راضی ہونا الگ بات ہے اور بدلہ لینے کی قدرت کے باوجود ظالم کو معاف کر دینا اور بات ہے۔ اگر کسی شخص نے زیادتی کی ہے اور آپ اس سے بدلہ لے سکتے ہیں لیکن آپ اسے معاف کر دیتے ہیں تو بڑی بہادری اور بلند ہمتی کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ادا بہت پسند ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کوئی حدیث بیان نہیں کی صرف چند آیات کا حوالہ دیا ہے۔

(٨) بَابٌ: اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

باب: 8- ظلم قیامت کے دن کئی تاریکیوں کا باعث ہوگا

٢٤٤٧ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ الْمَاجِشُونُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ».

[2447] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "ظلم قیامت کے دن کئی طرح کی تاریکیاں ثابت ہوگا۔"

فائدہ: ظلم کرنے سے کئی ایک تاریکیاں اس طرح ہوں گی کہ ایک تو کسی کا حق ناجائز طریقے سے لیا، دوسرے وہ اللہ کی مخالفت کر کے اس کے مقابلے پر اتر آیا، یہ گناہ دوسرے گناہوں سے بہت سنگین ہے، نیز ظلم دل میں تاریکی پیدا کرتا ہے جس طرح ایمان سے روشنی پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح ظالم کو کئی طرح کی تاریکیاں گھیر لیں گی اور وہ ان اندھیروں میں دھکے کھاتا اور مصیبت اٹھاتا پھرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ آمین یا رب العالمین.

(٩) بَابُ الْاِتِّقَاءِ وَالْحَذَرِ مِنْ دَعْوَةِ الْمَظْلُومِ

باب: 9- مظلوم کی بددعا سے بچنا اور ڈرتے رہنا چاہیے

٢٤٤٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ إِسْحَاقَ الْمَكِّيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ صَيْفِيٍّ، عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ، فَقَالَ: «اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ». [راجع: ١٣٩٥]

[2448] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن (کا گورنر بنا کر) بھیجا تو ان سے فرمایا: ''مظلوم کی بددعا سے بچتے رہنا کیونکہ اس کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔''

فوائد ومسائل: ① پردہ حائل نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مظلوم کی بددعا بہت جلد قبول ہوتی ہے، چنانچہ امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مظلوم اگرچہ فاجر ہو اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ اپنے فسق کا وبال وہ خود بھگتے گا بہرحال اس کی دعا مسترد نہیں ہوتی۔''[1] ② اس کا مفہوم یہ نہیں کہ ظالم فوراً اللہ کی پکڑ میں آجاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے اس سے معاملہ کرتا ہے۔ کبھی فوراً سزا دے دیتا ہے اور کبھی دیر سے مؤاخذہ کرتا ہے تاکہ وہ مزید ظلم کرے، بالآخر اسے اچانک پکڑ لیتا ہے۔ بہرحال ظالم کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ میں نے ظلم کیا لیکن کچھ بھی سزا نہیں ملی۔ اللہ کے ہاں مہلت تو مل سکتی ہے لیکن اندھیر ممکن نہیں۔

(١٠) بَابُ مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلِمَةٌ عِنْدَ الرَّجُلِ فَحَلَّلَهَا لَهُ، هَلْ يُبَيِّنُ مَظْلَمَتَهُ؟

باب: 10- جس نے کسی پر ظلم کیا پھر مظلوم سے معاف کرا لیا تو کیا اس صورت میں اپنے ظلم کو بیان کرنا ضروری ہے؟

٢٤٤٩ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلِمَةٌ لِأَخِيهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ

[2449] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی نے دوسرے کی عزت یا کسی اور چیز پر ظلم کیا ہو وہ اس سے آج ہی معاف کرا لے پہلے اس سے کہ وہ دن آئے جس میں درہم

1 المصنف لابن أبي شيبة: 10/96، والصحيحة للألباني، تحت حديث: 767.

شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَا يَكُونَ دِينَارٌ وَّلَا دِرْهَمٌ، إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهِ، وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ».

و دینار نہیں ہوں گے، پھر اگر ظالم کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اس کے ظلم کی مقدار اس سے لے لیا جائے گا۔ اگر اس کی نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کے گناہ ظالم کے کھاتے میں ڈال دیے جائیں گے۔"

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: قَالَ إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ: إِنَّمَا سُمِّيَ الْمَقْبُرِيَّ لِأَنَّهُ كَانَ يَنْزِلُ نَاحِيَةَ الْمَقَابِرِ. قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَسَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ هُوَ مَوْلَى بَنِي لَيْثٍ، وَهُوَ سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ، وَاسْمُ أَبِي سَعِيدٍ كَيْسَانُ. [انظر: ٦٥٣٤]

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: اسماعیل بن ابی اویس کو مقبری اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ قبرستان کے ایک کنارے پر رہتے تھے۔ اور سعید مقبری بنولیث کا آزاد کردہ غلام ہے۔ اس کا پورا نام سعید بن ابی سعید ہے، اور اس کے باپ ابوسعید کا نام کیسان ہے۔

فوائد ومسائل: ① اگر کوئی شخص کسی کا حق ضبط کر لیتا ہے، بعد ازاں وہ معافی مانگ کر اسے راضی کر لیتا ہے تو معافی لینے والے کو دنیا وآخرت میں معافی ہو جائے گی اگرچہ اس نے معافی لیتے وقت ظلم کی نوعیت اور حق کی مقدار بیان نہ کی ہو۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ معافی تب ہوگی جب وہ ظلم کی وضاحت کرے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں اس کے متعلق کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا لیکن حدیث میں معافی کا اطلاق اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ جب معاف کر دیا جائے تو اس کی مقدار بیان کرے یا نہ کرے دونوں طرح صحیح ہے۔ ② ہمارا رجحان یہ ہے کہ حقوق دو طرح کے ہیں: اخلاقی، مثلاً: غیبت اور عیب جوئی وغیرہ۔ اس قسم کے حقوق کے لیے معافی لیتے وقت وضاحت ضروری نہیں کیونکہ بعض اوقات وضاحت سے معاملہ مزید بگڑ جاتا ہے۔ دوسرے مالی حقوق ہیں، اگر حق دار اس کا مطالبہ کرے تو وضاحت کر دی جائے بصورت دیگر انھیں مجمل رکھا جا سکتا ہے اور معافی کے بعد اس کا عنداللہ کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ ③ قرآن کریم میں ہے: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ "کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گی۔"[1] یہ قرآنی نص مذکورہ حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ ظالم پر جو مظلوم کی برائیاں ڈالی جائیں گی وہ دراصل اس ظالم کی کمائی کا نتیجہ ہوں گی۔[2]

(١١) بَابٌ: إِذَا حَلَّلَهُ مِنْ ظُلْمِهِ فَلَا رُجُوعَ فِيهِ

باب: 11- اگر کوئی شخص کسی کا ظلم معاف کر دے تو اس میں رجوع نہیں کر سکتا

٢٤٥٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ

[2450] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے اس آیت "اگر عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے بے پروائی

① فاطر 18:35. ② فتح الباري: 127/5.

رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: ﴿وَإِنِ ٱمْرَأَةٌ خَافَتْ مِنۢ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا﴾ [النساء:١٢٨] قَالَتْ: اَلرَّجُلُ تَكُونُ عِنْدَهُ الْمَرْأَةُ لَيْسَ بِمُسْتَكْثِرٍ مِّنْهَا، يُرِيدُ أَنْ يُّفَارِقَهَا فَتَقُولُ: أَجْعَلُكَ مِنْ شَأْنِي فِي حِلٍّ، فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِي ذٰلِكَ. [انظر: ٢٦٩٤، ٤٦٠١، ٥٢٠٦]

یا روگردانی کرنے کا اندیشہ ہو" کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کے پاس ایک بیوی ہوتی ہے جس سے وہ زیادہ تعلق نہیں رکھنا چاہتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ اسے چھوڑ دے تو ایسی حالت میں عورت اسے کہے کہ میں تجھے اپنے خاص معاملات میں بری الذمہ قرار دیتی ہوں۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

فائدہ: عنوان کا مقصد یہ ہے کہ مظلوم جب ظالم کی زیادتی معاف کر دے تو پھر وہ دوبارہ بدلے کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ آیت کریمہ میں متوقع زیادتی کی معافی کا ذکر ہے اس لیے اگر متوقع زیادتی معاف کی جا سکتی ہے تو جو زیادتی اور ظلم ہو چکا ہو اسے معاف کرنا بالاولیٰ جائز ہوگا۔ حضرت سودہ ؓ جب بوڑھی ہو گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تو انھوں نے اپنا حق چھوڑنے پر صلح کر لی کہ میں اپنی باری حضرت عائشہ ؓ کو ہبہ کرتی ہوں، رسول اللہ ﷺ نے اسے قبول فرما لیا اور انھیں طلاق نہ دی۔ بہر حال اپنا ظلم معاف کرنے کے بعد دوبارہ بدلے کا مطالبہ کرنا جائز نہیں، آیت کریمہ میں اس کا واضح اشارہ ملتا ہے۔[1]

(١٢) بَابٌ: إِذَا أَذِنَ لَهُ أَوْ أَحَلَّهُ وَلَمْ يُبَيِّنْ كَمْ هُوَ؟

باب: 12- اگر کوئی دوسرے کو اجازت دے یا اپنا حق ساقط کر دے لیکن اس کی مقدار بیان نہ کرے تو؟

٢٤٥١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي حَازِمِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَ مِنْهُ، وَعَنْ يَّمِينِهِ غُلَامٌ وَعَنْ يَّسَارِهِ الْأَشْيَاخُ، فَقَالَ لِلْغُلَامِ: «أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أُعْطِيَ هٰؤُلَاءِ؟» فَقَالَ الْغُلَامُ: لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ! لَا أُوثِرُ بِنَصِيبِي مِنْكَ أَحَدًا، قَالَ: فَتَلَّهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي يَدِهِ. [راجع: ٢٣٥١]

[2451] حضرت سہل بن سعد ساعدی ؓ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی مشروب لایا گیا جس سے آپ نے کچھ نوش فرمایا۔ آپ کی دائیں جانب ایک لڑکا بیٹھا تھا جبکہ بائیں جانب کچھ بزرگ لوگ تھے۔ آپ ﷺ نے لڑکے سے فرمایا: "تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں اپنا بچا ہوا ان بزرگوں کو دے دوں؟" لڑکے نے کہا: اللہ کی قسم! نہیں اللہ کے رسول! میرا حصہ جو آپ سے مجھے ملنے والا ہے وہ میں کسی اور کو دینے والا نہیں ہوں۔ آخر کار آپ نے وہ پیالہ اسی کے ہاتھ میں تھما دیا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بزرگوں کو بچا ہوا مشروب دینے کے لیے برخوردار سے

[1] فتح الباري: 127/5.

اجازت مانگی۔ اگر وہ اجازت دے دیتا تو یہ اجازت ایسی ہوتی جس میں مشروب کی مقدار معلوم نہیں کہ وہ کتنا پئیں گے اور خود اس کے حصے میں کیا آئے گا۔ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان ثابت کیا کہ اجازت دینے یا حق معاف کرنے کے لیے مقدار کا معلوم ہونا ضروری نہیں۔ ② بعض صورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں وضاحت کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ علامہ عینی کہتے ہیں: اگر وہ لڑکا اجازت دے دیتا تو بزرگوں کے حصے میں جو آتا، اس کی مقدار بھی معلوم نہیں اور جو خود پیتا اس کی مقدار بھی معلوم نہیں تو قیاس سے معلوم ہوا کہ ایسی اجازت جس کی مقدار معلوم نہ ہو جائز ہے۔[1]

(١٣) بَابُ إِثْمِ مَنْ ظَلَمَ شَيْئًا مِّنَ الْأَرْضِ

باب: 13- اس شخص کا گناہ جو کسی کی زمین ہڑپ کرلے

٢٤٥٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي طَلْحَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَمْرِو بْنِ سَهْلٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ ظَلَمَ مِنَ الْأَرْضِ شَيْئًا، طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ». [انظر: ٣١٩٨]

[2452] حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جو شخص ظلم سے کسی کی زمین کا کچھ حصہ چھین لے گا تو قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔''

٢٤٥٣ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ حَدَّثَهُ: أَنَّهُ كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أُنَاسٍ خُصُومَةٌ، فَذَكَرَ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَقَالَتْ لَهُ: يَا أَبَا سَلَمَةَ! اِجْتَنِبِ الْأَرْضَ فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنْ ظَلَمَ قِيدَ شِبْرٍ مِّنَ الْأَرْضِ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ». [انظر: ٣١٩٥]

[2453] حضرت ابوسلمہ سے روایت ہے کہ ان کے اور کچھ لوگوں کے درمیان ایک جھگڑا تھا۔ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: ابوسلمہ! زمین کے معاملے میں اجتناب کرو کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر کسی نے ایک بالشت کے برابر بھی کسی کی زمین ہڑپ کی تو اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔''

٢٤٥٤ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ

[2454] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص تھوڑی سی زمین بھی

[1] عمدة القاري: 201/9.

عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ أَخَذَ مِنَ الْأَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ خُسِفَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى سَبْعِ أَرَضِينَ».

ناحق لے لے گا، اسے قیامت کے دن سات زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا۔"

قَالَ الْفِرَبْرِيُّ: قَالَ أَبُو جَعْفَرِ بْنُ أَبِي حَاتِمٍ: قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: هٰذَا الْحَدِيثُ لَيْسَ بِخُرَاسَانَ فِي كُتُبِ ابْنِ الْمُبَارَكِ، أَمْلَى عَلَيْهِمْ بِالْبَصْرَةِ. [انظر: ٣١٩٦]

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) کہتے ہیں: یہ حدیث عبداللہ بن مبارک کی کتاب میں نہیں جو انھوں نے خراسان میں تصنیف کی تھی، البتہ انھوں نے جو کتاب بصرہ میں لکھوائی تھی اس میں یہ حدیث ہے۔

فوائد ومسائل: ① کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ زمین کا غصب ممکن نہیں کیونکہ غصب ان چیزوں میں ہوتا ہے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل اور کسی کے سپرد اور حوالے کی جا سکتی ہوں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے زمین غصب کرنے کی صورت بتائی، وہ یہ ہے کہ اگر کسی نے تھوڑی سی زمین پر بھی ناجائز قبضہ کر لیا تو قیامت کے دن اسے زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور غصب کردہ زمین اس کے گلے میں طوق کی مانند ہو گی۔ اس کی گردن لمبی کر دی جائے گی تاکہ وہ زمین اس کا طوق بن سکے۔ ② اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے واضح عبرت ہے جو دوسروں کے حقوق غصب کرتے ہیں، خاص طور پر وہ حضرات جو زمین پر ناجائز قبضہ کر کے وہاں مسجد یا مدرسہ تعمیر کر لیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح ہم نے نیکی کا کام کیا ہے، ایسے کام میں کوئی نیکی نہیں۔

(١٤) بَابٌ: إِذَا أَذِنَ إِنْسَانٌ لِآخَرَ شَيْئًا جَازَ

باب: 14- جب کوئی دوسرے کو کسی چیز کی اجازت دے دے تو وہ اسے استعمال کر سکتا ہے

٢٤٥٥ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ جَبَلَةَ: كُنَّا بِالْمَدِينَةِ فِي بَعْضِ أَهْلِ الْعِرَاقِ فَأَصَابَنَا سَنَةٌ، فَكَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ يَرْزُقُنَا التَّمْرَ، فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَمُرُّ بِنَا فَيَقُولُ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْإِقْرَانِ إِلَّا أَنْ يَسْتَأْذِنَ الرَّجُلُ مِنْكُمْ أَخَاهُ. [انظر: ٢٤٨٩، ٢٤٩٠، ٥٤٤٦]

[2455] حضرت جبلہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ اہل عراق کے ہاں ایک شہر میں تھے کہ ہمیں قحط سالی نے آ لیا تو حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ ہمیں کھجوریں کھلایا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہمارے پاس سے گزرتے تو فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو دو کھجوریں ایک بار اٹھا کر کھانے سے منع کیا ہے۔ ہاں، تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے اجازت لے لے تو جائز ہے۔

فائدہ: اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس سے حرص اور لالچ کی نشاندہی ہوتی ہے جو مسلمان کی شان کے خلاف ہے، نیز ایسا کرنا دوسروں کے حقوق تلف کرنے کے مترادف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو مظالم میں اسی لیے بیان کیا ہے۔ اگر

دوسرے شرکاء اس کی اجازت دے دیں اور اپنا حق چھوڑ دیں تو ایسا کرنا جائز ہے، نیز اگر کھجوریں کسی کی ذاتی ہیں تو انھیں مٹھی بھر کر بھی کھا سکتا ہے، لیکن حصے داری کی صورت میں ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں دوسروں کی حق تلفی ہے۔ واللہ أعلم.

٢٤٥٦ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ: أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ: أَبُو شُعَيْبٍ، كَانَ لَهُ غُلَامٌ لَحَّامٌ فَقَالَ لَهُ أَبُو شُعَيْبٍ: اِصْنَعْ لِي طَعَامَ خَمْسَةٍ لَعَلِّي أَدْعُوَ النَّبِيَّ ﷺ خَامِسَ خَمْسَةٍ، وَأَبْصَرَ فِي وَجْهِ النَّبِيِّ ﷺ الْجُوعَ فَدَعَاهُ، فَتَبِعَهُمْ رَجُلٌ لَّمْ يُدْعَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ هٰذَا قَدِ اتَّبَعَنَا، أَتَأْذَنُ لَهُ؟» قَالَ: نَعَمْ. [راجع: ٢٠٨١]

[2456] حضرت ابو مسعود سے روایت ہے کہ ابو شعیب نامی انصاری کا ایک غلام تھا جو گوشت پکانے میں مہارت رکھتا تھا۔ ابو شعیب نے اس سے کہا: پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کرو، میں نبی ﷺ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ پانچ اشخاص میں سے پانچویں ہوں گے، اس نے نبی ﷺ کے چہرۂ انور میں بھوک کے آثار دیکھے تھے، چنانچہ جب انھوں نے آپ ﷺ کو دعوت دی تو آپ کے ساتھ ایک صاحب اور آ گئے جس کو کھانے کی دعوت نہیں تھی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "یہ صاحب ہمارے ساتھ آ گئے ہیں۔ کیا آپ اسے اجازت دیتے ہیں؟" ابو شعیب نے کہا: جی ہاں۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے دعوت کے آداب کا پتا چلتا ہے کہ میزبان جن لوگوں کو بلائے صرف انھی حضرات کو دعوت میں شمولیت اختیار کرنی چاہیے، دعوت کے بغیر شریک ہونا ایک نامعقول حرکت ہے۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو مہمان میزبان کو ضرور مطلع کر دے، تاہم مروت و اخلاق کا تقاضا ہے کہ میزبان ایسے شخص کو بے عزت نہ کرے بلکہ دعوت میں شمولیت کی اجازت دے دے۔ ② امام بخاری ؒ نے میزبان کی اجازت سے عنوان ثابت کیا ہے کہ یہ اس کا حق ہے اور کھانے میں شمولیت کو اس کی اجازت پر موقوف رکھا ہے، اگر وہ اجازت دے تو جائز ہے بصورتِ دیگر دعوت میں شرکت کرنا اس کی حق تلفی ہے، جس کے متعلق دنیا اور آخرت میں باز پرس ہو سکتی ہے۔

(١٥) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ﴾ [البقرة: ٢٠٤].

باب: 15- ارشاد باری تعالیٰ "اور وہ سخت جھگڑالو ہے" کا بیان

٢٤٥٧ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ أَبْغَضَ الرِّجَالِ إِلَى اللهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ». [انظر: ٤٥٢٣، ٧١٨٨]

[2457] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند وہ شخص ہے جو سخت جھگڑالو ہو۔"

فوائد ومسائل: ① ألد الخصم سے مراد وہ شخص ہے جو ذرا ذرا سی بات پر لوگوں سے جھگڑتا ہو یا باطل کا دفاع کرنے میں بڑی مہارت رکھتا ہو۔ امام بخاری ؒ نے اس حدیث کو کتاب التفسیر میں بھی ذکر کیا ہے، تاہم اس مقام پر بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ عام طور پر مظالم اور تنازعات میں جھگڑوں اور جنگ وجدل تک نوبت پہنچ جاتی ہے، لہٰذا حتی الامکان جھگڑوں اور جنگ وقتال سے بچنا چاہیے۔ ② واضح رہے کہ آیت کریمہ میں ﴿أَلَدُّ الْخِصَامِ﴾ سے مراد اخنس بن شریق ہے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک منافق انسان تھا۔

(١٦) بَابُ إِثْمِ مَنْ خَاصَمَ فِي بَاطِلٍ وَّهُوَ يَعْلَمُهُ

باب: 16- اس شخص کا گناہ جو دیدہ دانستہ کسی ناحق بات پر جھگڑا کرے

٢٤٥٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أُمِّ سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ أُمَّهَا أُمَّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهَا عَنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ: أَنَّهُ سَمِعَ خُصُومَةً بِبَابِ حُجْرَتِهِ، فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ: «إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، وَّإِنَّهُ يَأْتِينِي الْخَصْمُ فَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَّكُونَ أَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ، فَأَحْسِبُ أَنَّهُ صَدَقَ فَأَقْضِيَ لَهُ بِذٰلِكَ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَإِنَّمَا هِيَ قِطْعَةٌ مِّنَ النَّارِ، فَلْيَأْخُذْهَا أَوْ لِيَتْرُكْهَا». [انظر: ٢٦٨٠، ٦٩٦٧، ٧١٦٩، ٧١٨١، ٧١٨٥]

[2458] ام المومنین حضرت ام سلمہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے حجرے کے دروازے پر جھگڑنے کی آواز سنی تو باہر تشریف لائے اور فرمایا: ”بس میں تو ایک بشر ہی ہوں۔ میرے پاس ایک فریق آتا ہے اور شاید ایک فریق کی بحث دوسرے فریق سے عمدہ ہو جس سے مجھے خیال ہو کہ اس نے سچ کہا ہے، پھر میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، اندریں حالات اگر میں کسی کو دوسرے مسلمان کا حق دلا دوں تو یہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے، چاہے تو اسے قبول کر لے، چاہے اسے چھوڑ دے۔“

فوائد ومسائل: ① اس سے معلوم ہوا کہ جو انسان جان بوجھ کر کسی ناحق بات پر جھگڑ کر کسی کا حق لینے میں کامیاب ہو جاتا ہے وہ جہنم کا مستحق ہے، نیز قاضی کے فیصلے سے کوئی ناحق چیز جائز نہیں ہو جاتی، اس کا فیصلہ ظاہری طور پر نافذ العمل ہوگا، باطنی طور پر نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ اور ناحق لینے والے کے درمیان وہ فیصلہ نافذ نہیں ہوگا بلکہ قیامت کے دن ضرور باز پرس ہوگی۔ ② جمہور اہل علم کا یہی موقف ہے کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: میں، صورت واقعہ جس شکل میں پیش کی جاتی ہے اسے سامنے رکھ کر فیصلہ دے دیتا ہوں۔ اگر کوئی اپنی چرب زبانی سے بازی جیت لیتا ہے اور میرے فیصلے سے کسی کا حق مارتا ہے تو وہ جو کچھ لے رہا ہے وہ آگ کا ٹکڑا ہے اسے قبول کرے یا ترک کر دے، یعنی وہ کسی کا حق لینے میں خود ذمہ دار ہے میرا فیصلہ اس

کے لیے وہ چیز جائز نہیں کر دے گا۔

(١٧) بَابٌ: إِذَا خَاصَمَ فَجَرَ

باب: 17- اس شخص کا بیان کہ جب وہ جھگڑا کرے تو بدزبانی کرے

٢٤٥٩ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا، أَوْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنْ أَرْبَعٍ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ».

[راجع: ٣٤]

[2459] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''چار باتیں ایسی ہیں کہ وہ جس کے اندر ہوں وہ خالص منافق ہے یا چار خصلتوں میں سے اگر ایک خصلت بھی ہو تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے یہاں تک کہ اس سے باز آ جائے: جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے۔ جب معاہدہ کرے تو بے وفائی کرے۔ اور جب کسی سے جھگڑا کرے تو بدزبانی کرے۔''

فوائد و مسائل: ① سچا مومن کبھی جھوٹ نہیں بولتا، اسی طرح وہ مخالفت کے اظہار میں بھی حدود کا پاس رکھتا ہے۔ آپے سے باہر ہو کر گالی گلوچ اور ناروا باتوں پر نہیں اترتا کہ وہ جھگڑے کے وقت بے لگام بن جائے اور جو منہ میں آئے بکنے لگے، کیونکہ ایسا کرنا منافقانہ خصلت ہے۔ ② حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو مذکورہ خصلتوں پر اصرار کرتا ہے اور ان باتوں کا عادی بن چکا ہے تو ایسے شخص کو منافق کہنا بہتر ہے لیکن جو کبھی کبھار ان خصلتوں کا مرتکب ہوتا ہے اور کبھی انھیں ترک کر دیتا ہے وہ منافق نہیں، یا وہ عملی منافق ہے اعتقادی منافق نہیں۔ چونکہ یہ خصلتیں نفاق کی علامتیں ہیں، اس لیے بعض احادیث میں تین اور بعض میں چار کا ذکر ہوا ہے۔

(١٨) بَابُ قِصَاصِ الْمَظْلُومِ إِذَا وَجَدَ مَالَ ظَالِمِهِ

باب: 18- مظلوم اگر ظالم کا مال پا لے تو بقدر زیادتی اپنا حصہ وصول کر سکتا ہے

وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ: يُقَاصُّهُ، وَقَرَأَ: ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾ [النحل: ١٢٦].

امام ابن سیرین رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایسے حالات میں وہ اپنے حق کے برابر لے لے۔ اور بطور دلیل یہ آیت تلاوت کی: ''اگر تم سزا دینا چاہو تو اسی قدر سزا دو جتنا انھوں نے تمھیں دی تھی۔''

٢٤٦٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: جَاءَتْ هِنْدُ بِنْتُ عُتْبَةَ ابْنِ رَبِيعَةَ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ مِّسِّيكٌ فَهَلْ عَلَيَّ حَرَجٌ أَنْ أُطْعِمَ مِنَ الَّذِي لَهُ عِيَالَنَا؟ فَقَالَ: «لَا حَرَجَ عَلَيْكِ أَنْ تُطْعِمِيهِمْ بِالْمَعْرُوفِ». [راجع: ٢٢١١]

[2460] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہند بنت عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہا آئی اور عرض کرنے لگی: اللہ کے رسول! ابوسفیان رضی اللہ عنہ بڑے کنجوس آدمی ہیں۔ اگر میں ان کے مال میں سے کچھ لے کر اپنے بال بچوں کو کھلاؤں تو اس میں کوئی حرج ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اگر تم بچوں کو رواج کے مطابق کھلاؤ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ ظالم کا جو مال بھی مظلوم کو مل جائے وہ اپنے مال کی مقدار کے مطابق اس سے لے سکتا ہے۔ انھوں نے اپنے مسلک کی ترجیح کے لیے امام ابن سیرین رحمہ اللہ کا قول بھی حسب عادت ذکر کیا ہے۔ ہمارا رجحان بھی یہی ہے کہ جب کسی کو قاضی کے ذریعے سے اپنا حق لینا ممکن نہ ہو اور انکار کی صورت میں صاحب حق کے پاس گواہ بھی نہ ہو تو وہ کسی بھی طریقے سے اپنا حق وصول کر سکتا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ہند رضی اللہ عنہا کو معروف اور دستور کے مطابق ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مال سے بچوں کا خرچہ لینے کی اجازت دی۔ ② دستور کے مطابق ہونے کا تعلق ترازو سے نہیں بلکہ جسے سمجھ دار آدمی کہے کہ اتنا ہے تو وہ لے لینا چاہیے۔ وہ معروف کے مطابق ہوگا۔ اس کی آڑ میں شاہ خرچیوں کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

٢٤٦١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ: قُلْنَا لِلنَّبِيِّ ﷺ: إِنَّكَ تَبْعَثُنَا فَنَنْزِلُ بِقَوْمٍ لَّا يَقْرُونَنَا، فَمَا تَرَى فِيهِ؟ فَقَالَ لَنَا: «إِنْ نَّزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَأُمِرَ لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِي لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوا، فَإِنْ لَّمْ يَفْعَلُوا فَخُذُوا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ». [انظر: ٦١٣٧]

[2461] حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ہمیں کسی مہم پر بھیجتے ہیں تو کبھی ہم ایسے لوگوں کے پاس جاتے ہیں جو ہماری ضیافت تک نہیں کرتے تو اس کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم کسی قوم کے پاس جاؤ اور وہ مہمان کی شایانِ شان میزبانی کا اہتمام کریں تو اسے قبول کر لو اور اگر وہ (مہمان نوازی) نہ کریں تو زبردستی ان سے اپنی مہمانی کا حق وصول کر سکتے ہو۔''

فوائد و مسائل: ① مالی معاملات میں یہ گنجائش ہے کہ زبردستی چھینا ہوا اپنا مال کسی بھی طریقے سے واپس لیا جا سکتا ہے، البتہ بدنی عقوبات میں یہ حکم نہیں بلکہ ایسے حالات میں حاکم وقت، یعنی عدالت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ ② اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مہمانی واجب ہے۔ اگر کوئی میزبانی نہ کرے تو مہمان زبردستی اپنا حق لے سکتا ہے۔ لیکن جمہور محدثین کے نزدیک ضیافت سنت مؤکدہ ہے اور مذکورہ حدیث ایسے مجبور لوگوں سے متعلق ہے جن کے پاس زادِ راہ ختم ہو جائے اور ان کے پاس کھانے پینے کے لیے کچھ نہ ہو۔ ہمارے رجحان کے مطابق اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں میں

کسی مقصد کے لیے جاتے تو اس زمانے میں سرکاری طور پر میزبانی کا اہتمام نہیں ہوتا تھا تو وہاں کے باشندے میزبانی کرتے تھے، آج کل چونکہ سرکاری انتظام ہوتا ہے یا عملہ تنخواہ دار ہے، اس لیے اب واجب تو نہیں، البتہ اخلاقی فرض ضرور ہے کہ وہ لوگ ضیافت کا اہتمام کریں۔

(١٩) بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّقَائِفِ

باب:19-عوامی مقامات کا بیان

وَجَلَسَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَصْحَابُهُ، فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ.

نبی ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سقیفۂ بنوساعدہ میں بیٹھے۔

وضاحت: سقیفہ اس سایہ دار جگہ کو کہتے ہیں جہاں لوگ بیٹھا کرتے ہیں۔ دیہاتوں میں یہ جگہ مقرر ہوتی ہے۔ اسے چوپال کہا جاتا ہے۔ مذکورہ معلق روایت کو خود امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1] عنوان کا مقصد یہ ہے کہ پبلک مقامات پر بیٹھنا جائز ہے بشرطیکہ ان حقوق کو ادا کیا جائے جو ایک حدیث میں بیان ہوئے ہیں: ''وہاں سے گزرنے والوں کو تکلیف نہ پہنچائی جائے، اپنی نگاہوں کو نیچا رکھا جائے، بھولے بھٹکے مسافروں کو راستہ بتایا جائے۔''[2] ان شرائط کا خیال رکھتے ہوئے پبلک مقامات میں بیٹھنا جائز ہے۔

٢٤٦٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ؛ ح: وَأَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ: أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ قَالَ: حِينَ تَوَفَّى اللهُ نَبِيَّهُ ﷺ، إِنَّ الْأَنْصَارَ اجْتَمَعُوا فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ فَقُلْتُ لِأَبِي بَكْرٍ: اِنْطَلِقْ بِنَا، فَجِئْنَاهُمْ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ. [انظر: ٣٤٤٥، ٣٩٢٨، ٤٠٢١، ٦٨٢٩، ٦٨٣٠، ٧٣٢٣]

[2462] حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو فوت کر لیا تو انصار بنو ساعدہ کی چوپال میں جمع ہو گئے۔ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: آپ ہمارے ساتھ چلیں، چنانچہ ہم سقیفۂ بنی ساعدہ میں ان کے پاس آئے۔

فوائد و مسائل: ① پبلک مقامات عوامی فائدے کے لیے ہوتے ہیں، وہاں کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایسے مقامات رفاہ عام کے لیے ہوتے ہیں، اس لیے اجازت کے بغیر ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ ② کتاب المظالم سے مناسبت اس طرح ہے کہ ایسے مقامات جو نفع عام کے لیے بنائے جاتے ہیں وہاں بیٹھنا ظلم نہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سقیفۂ بنوساعدہ میں بیٹھے لیکن ان کے مالکان سے اجازت نہیں لی۔ اس مقام پر یہ حدیث انتہائی

① صحيح البخاري، الأشربة، حديث: 5637. ② صحيح البخاري، المظالم، حديث: 2465.

مختصر ہے، کتاب الحدود میں تفصیلاً بیان ہوگی اور وہاں اس کے متعلق فوائد بھی ذکر کیے جائیں گے۔

(٢٠) بَابٌ: لَا يَمْنَعُ جَارٌ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَةً فِي جِدَارِهِ

باب: 20- کوئی پڑوسی دوسرے پڑوسی کو اپنی دیوار پر کھونٹی گاڑنے سے نہ روکے

٢٤٦٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَّالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا يَمْنَعْ جَارٌ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَةً فِي جِدَارِهِ»، ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ: مَا لِي أَرَاكُمْ عَنْهَا مُعْرِضِينَ؟ وَاللهِ لَأَرْمِيَنَّهَا بِهَا بَيْنَ أَكْتَافِكُمْ.

[انظر: ٥٦٢٧، ٥٦٢٨]

[2463] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی پڑوسی دوسرے پڑوسی کو اپنی دیوار میں کھونٹی گاڑنے سے نہ روکے۔'' پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا بات ہے کہ میں تمھیں اس بات سے روگردانی کرتے دیکھتا ہوں؟ اللہ کی قسم! میں یہ حدیث تم سے بیان کرتا رہوں گا۔

فوائد ومسائل: ① معلوم ہوا کہ اگر ہمسایہ دیوار پر کوئی لکڑی یا گاڈر وغیرہ رکھنا چاہتا ہے تو دیوار کے مالک کے لیے روکنا جائز نہیں کیونکہ اس میں کوئی نقصان نہیں بلکہ ایسا کرنے سے دیوار مضبوط ہو جاتی ہے، ہاں دیوار کی توڑ پھوڑ جائز نہیں کیونکہ کسی کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر کوئی تصرف نہیں کرنا چاہیے۔ بہتر یہ ہے کہ دیوار بناتے ہوئے اسے جگہ اور اخراجات کے اعتبار سے مشترکہ رکھا جائے تاکہ فریقین کا اس میں فائدہ ہو۔ اگر اکیلا آدمی اسے ایک اینٹ موٹی بنانا چاہتا ہے تو مشترکہ ڈیڑھ اینٹ، یعنی ساڑھے تیرہ ($13\frac{1}{2}$) انچ موٹی بنائی جائے۔ بہرحال اگر دیوار کو نقصان پہنچنے کا خطرہ نہ ہو تو ہمسایہ دیوار استعمال کرنے سے نہ روکے، اس پر شہتیر یا گارڈر رکھنے کی اجازت خوشی سے دے دے۔ ② حدیث کے آخر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا دھمکی آمیز بیان منقول ہے۔ یہ اس دور کی بات ہے جب وہ مروان کے دور حکومت میں مدینہ طیبہ کے گورنر مقرر ہوئے تھے۔ اس میں ان کی ناراضی کا اظہار ہے۔

(٢١) بَابُ صَبِّ الْخَمْرِ فِي الطَّرِيقِ

باب: 21- راستے میں شراب بہا دینا

٢٤٦٤ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ أَبُو يَحْيٰى: أَخْبَرَنَا عَفَّانُ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ: حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: كُنْتُ سَاقِيَ الْقَوْمِ فِي مَنْزِلِ أَبِي طَلْحَةَ، وَكَانَ خَمْرُهُمْ يَوْمَئِذٍ الْفَضِيخَ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ

[2464] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر لوگوں کو شراب پلا رہا تھا۔ اس وقت لوگ کھجور کی شراب استعمال کرتے تھے۔ اس دوران میں رسول اللہ ﷺ نے ایک اعلان کرنے والے کو حکم دیا کہ لوگوں میں شراب کی حرمت

مُنَادِيًا يُنَادِي : أَلَا إِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ ، قَالَ : فَقَالَ لِي أَبُو طَلْحَةَ : أُخْرُجْ فَأَهْرِقْهَا ، فَخَرَجْتُ فَهَرَقْتُهَا فَجَرَتْ فِي سِكَكِ الْمَدِينَةِ ، فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ : قَدْ قُتِلَ قَوْمٌ وَّهِيَ فِي بُطُونِهِمْ ، فَأَنْزَلَ اللهُ : ﴿لَيْسَ عَلَى ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّـٰلِحَـٰتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوٓا۟﴾ الْآيَةَ [المائدة:٩٣].

[انظر: ٤٦١٧، ٤٦٢٠، ٥٥٨٠، ٥٥٨٢، ٥٥٨٣، ٥٥٨٤، ٥٦٠٠، ٥٦٢٢، ٧٢٥٣]

کا اعلان کر دے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے مجھے حکم دیا کہ باہر نکل کر تمام شراب بہا دو، چنانچہ میں نے باہر نکل کر تمام شراب بہا دی تو وہ مدینہ کی گلیوں میں بہہ نکلی۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ جو لوگ اس حال میں شہید ہوئے ہیں کہ شراب ان کے پیٹوں میں تھی، ان کا کیا حال ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: ''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ جو بھی کھا پی چکے ہیں ان پر کوئی گناہ نہیں۔''

فوائد و مسائل: ① شراب راستے میں اس لیے بہائی گئی تا کہ لوگوں میں اسے چھوڑنے کا اعلان ہو جائے۔ اس کا فائدہ اس کی تکلیف سے زیادہ تھا، اس لیے اسے اختیار کیا گیا۔ اگر زمین سخت ہو یا راستہ تنگ ہو تو شراب یا پانی وغیرہ بہانے سے روک دیا جائے تا کہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو اور ان کے قدم نہ پھسلیں۔ مقصد یہ ہے کہ راستہ مشترک ہوتا ہے تو اس قسم کے تصرفات ظلم و زیادتی نہیں ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ گزرنے والوں کو اس سے نقصان نہ ہو اور یہ اس صورت میں ممکن ہے جب زمین اس قسم کے مشروبات اپنے اندر جذب کر لے اور اس سے بدبو نہ پھیلے۔ نفیس طبع لوگ نجاستوں اور بدبو پیدا کرنے والی اشیاء راستے یا گلی میں پھینکنے سے پرہیز کرتے ہیں، اس طرح کوڑا کرکٹ کے لیے کوئی ڈرم یا ٹوکری وغیرہ استعمال کرنی چاہیے۔

(٢٢) بَابُ أَفْنِيَةِ الدُّورِ وَالْجُلُوسِ فِيهَا ، وَالْجُلُوسِ عَلَى الصُّعُدَاتِ

باب : 22- گھروں کے سامنے میدانوں، ان میں بیٹھنے اور راستوں میں بیٹھنے کا بیان

وَقَالَتْ عَائِشَةُ : فَابْتَنَى أَبُو بَكْرٍ مَّسْجِدًا بِفِنَاءِ دَارِهِ يُصَلِّي فِيهِ وَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَيَتَقَصَّفُ عَلَيْهِ نِسَاءُ الْمُشْرِكِينَ وَأَبْنَاؤُهُمْ ، يَعْجَبُونَ مِنْهُ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَوْمَئِذٍ بِمَكَّةَ .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنا لی تھی، اس میں وہ نماز پڑھتے اور قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے۔ مشرکین کی عورتیں اور بچے ان کے اردگرد جمع ہو جاتے اور تعجب کرتے تھے اور نبی ﷺ ان دنوں مکہ ہی میں تھے۔

وضاحت: یہ روایت قبل ازیں متصل سند سے بیان ہو چکی ہے[1] یہاں مقصد اس سے یہ ثابت کرنا ہے کہ گھروں کے صحن یا ان کے آگے کوئی چوپال وغیرہ بنا لینا جائز ہے بشرطیکہ پڑوسی اور گزرنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے آگے مسجد بنائی تھی اور رسول اللہ ﷺ مکہ میں موجود تھے، آپ نے انھیں منع نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ ایسا کام جائز ہے۔

1 صحيح البخاري، الكفالة، حديث : 2297.

٢٤٦٥ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ: حَدَّثَنَا أَبُو عُمَرَ حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ عَلَى الطُّرُقَاتِ»، فَقَالُوا: مَا لَنَا بُدٌّ، إِنَّمَا هِيَ مَجَالِسُنَا نَتَحَدَّثُ فِيهَا، قَالَ: «فَإِذَا أَتَيْتُمْ إِلَى الْمَجَالِسِ فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهَا»، قَالُوا: وَمَا حَقُّ الطَّرِيقِ؟ قَالَ: «غَضُّ الْبَصَرِ، وَكَفُّ الْأَذَى، وَرَدُّ السَّلَامِ، وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ، وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ». [انظر: ٦٢٢٩]

[2465] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''تم لوگ راستوں پر بیٹھنے سے اجتناب کرو۔'' صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اس بات میں تو ہم مجبور ہیں کیونکہ وہی تو ہماری بیٹھنے اور گفتگو کرنے کی جگہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اچھا اگر ایسی ہی مجبوری ہے تو راستے کا حق ادا کرو۔'' صحابہ نے عرض کیا: راستے کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نگاہیں نیچی رکھنا، کسی کو تکلیف نہ دینا، سلام کا جواب دینا، اچھی بات بتانا اور بری بات سے منع کرنا۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت کے مطابق نابینے شخص کو راستے پر لگانا، چھینک کا جواب دینا اور کمزور ناتواں کی مدد کرنا بھی راستے کے حقوق میں شامل ہے۔[1] معلوم ہوا کہ گھروں سے باہر چوپال میں بیٹھنا حرام نہیں، ممانعت صرف اس لیے ہے کہ عوام کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ ② اس سے برائی کی راہ کا سدباب مقصود ہے، اس بنا پر لوگوں کو بیٹھنے کے لیے ایسی مجالس اختیار کرنی چاہئیں جہاں مکروہ اور ناپسندیدہ امور نہ دیکھیں اور ایسی باتیں نہ سنیں جن کا سننا شرعاً ممنوع ہے۔ دکانوں کے سامنے ٹی وی دیکھنے، گانے سننے کے لیے بیٹھنا حرام ہے۔ شرعی حدود میں رہتے ہوئے ان دکانوں سے فائدہ لیا جا سکتا ہے لیکن اگر عوام کو نقصان ہو یا غیر شرعی امور سے واسطہ پڑتا ہو تو وہاں بیٹھنا جائز نہیں۔ والله أعلم.

(٢٣) بَابُ الْآبَارِ عَلَى الطُّرُقِ إِذَا لَمْ يُتَأَذَّ بِهَا

باب: 23- راستوں میں کنویں کھودنا بشرطیکہ ان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے

٢٤٦٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «بَيْنَمَا رَجُلٌ بِطَرِيقٍ فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ فَوَجَدَ بِئْرًا فَنَزَلَ فِيهَا فَشَرِبَ ثُمَّ

[2466] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا ہوا کہ ایک شخص راستے میں جا رہا تھا کہ اسے سخت پیاس لگی۔ اس نے ایک کنواں دیکھا تو اس میں اتر پڑا اور اپنی پیاس بجھائی۔ باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے اور پیاس کی شدت سے مٹی

1 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4816، 4817.

خَرَجَ، فَإِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يَأْكُلُ الثَّرٰى مِنَ الْعَطَشِ، فَقَالَ الرَّجُلُ: لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلُ الَّذِي كَانَ بَلَغَ مِنِّي، فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلَأَ خُفَّهُ مَاءً، فَسَقَى الْكَلْبَ، فَشَكَرَ اللهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ». قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ لَأَجْرًا؟ فَقَالَ: «فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَّطْبَةٍ أَجْرٌ». [راجع: ١٧٣]

چاٹ رہا ہے۔ اس شخص نے خیال کیا کہ اسے بھی اسی طرح پیاس لگی ہے جیسے مجھے لگی تھی، چنانچہ وہ کنویں میں اترا اور اپنا موزہ پانی سے بھرا، پھر وہ کتے کو پلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ عمل قبول کیا اور اسے بخش دیا۔ لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا جانوروں کی خدمت میں بھی ہمارے لیے اجر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر زندہ جگر کی خدمت میں اجر وثواب ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس عنوان کا مقصد یہ نہیں کہ عین راستے کے درمیان میں کنواں کھود دیں بلکہ راستے میں اس کے دائیں بائیں ہو۔ اس وقت خدمتِ خلق کے لیے کچے کنویں راستوں کے کناروں پر بنائے جاتے تھے۔ ان میں اترنے کے لیے سیڑھیاں بھی ہوتی تھیں۔ ② اس سے معلوم ہوا کہ راستے میں کنواں بنایا جا سکتا ہے تاکہ آنے جانے والے مسافر اس سے پانی پئیں اور اپنی پیاس بجھائیں بشرطیکہ کسی کے لیے نقصان یا تکلیف کا باعث نہ ہو۔ ③ اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ ہر جاندار کو، خواہ وہ انسان ہو یا حیوان، مسلمان ہو یا کافر پانی پلانے کا اہتمام کرنا بہت ثواب کا کام ہے حتیٰ کہ کتا بھی حق رکھتا ہے کہ اگر وہ پیاسا ہو تو اسے بھی پانی پلایا جائے۔

(٢٤) بَابُ إِمَاطَةِ الْأَذٰى

باب: 24- راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا

وَقَالَ هَمَّامٌ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «يُمِيطُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ».

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ ''راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کا دور کرنا بھی صدقہ ہے۔''

وضاحت: اس حدیث کو خود امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1] اسلام کی یہ خوبی ہے کہ اس نے ہر مناسب جگہ پر خدمتِ خلق کو مدنظر رکھا ہے، چنانچہ عام گزرگاہوں کی حفاظت اور ان کی تعمیر وصفائی کو اس قدر ضروری سمجھا کہ وہاں سے ایک تنکے کو دور کرنے پر بھی اجر وثواب کی خوشخبری سنائی ہے۔ کسی پتھر، کانٹے اور کوڑے وغیرہ کو راستے سے ہٹانا ایمان کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ انسانی مفاد عامہ کے لیے ایسا ہونا بے حد ضروری ہے۔ یہ صدقہ اس معنی میں ہے کہ جس شخص نے راستے سے موذی چیز کو ہٹایا تو گویا اس نے دوسروں پر ان کی سلامتی کو صدقہ کر دیا ہے، اس کے لیے صدقہ اس طرح ہے کہ اسے نفع پہنچا ہے۔ واللہ أعلم.

[1] صحيح البخاري، الجهاد، حديث: 2989.

(٢٥) بَابُ الْغُرْفَةِ وَالْعُلِّيَّةِ الْمُشْرِفَةِ وَغَيْرِ الْمُشْرِفَةِ فِي السُّطُوحِ وَغَيْرِهَا

باب: 25- چھتوں وغیرہ میں بلند و پست بالا خانے بنانا، ان سے جھانکا جائے یا نہ جھانکا جائے

٢٤٦٧ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ أُسَامَةَ ابْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَشْرَفَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى أُطُمٍ مِّنْ آطَامِ الْمَدِينَةِ ثُمَّ قَالَ: «هَلْ تَرَوْنَ مَا أَرَى؟ إِنِّي أَرَى مَوَاقِعَ الْفِتَنِ خِلَالَ بُيُوتِكُمْ كَمَوَاقِعِ الْقَطْرِ». [راجع: ١٨٧٨]

[2467] حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ مدینہ طیبہ کے محلات میں سے ایک اونچے محل پر چڑھے، اس پر سے جھانکا تو فرمایا: ”کیا جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہ تم دیکھتے ہو؟ تمھارے گھروں پر فتنے برس رہے ہیں جس طرح بارش برستی ہے۔“

فائدہ: اس عنوان سے مقصود بالا خانے بنانے کا جواز ثابت کرنا ہے۔ بعض لوگ اسے مکروہ خیال کرتے ہیں کہ اس سے پڑوسیوں کے احوال وعیوب پر اطلاع ہوتی ہے۔ لیکن اس کا جواز مشروط ہے کہ پڑوسیوں اور گزرنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔ ”رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ کے ایک بلند مکان پر چڑھے“ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے جواز ثابت کیا ہے بشرطیکہ کسی پردہ دار پر نظر نہ پڑے اور نہ ان کی بے پردگی ہی ہو۔ اگر دوسروں کے مکان میں جھانکنے کی گنجائش ہو یا اڑوس پڑوس والے تکلیف محسوس کریں تو بالا خانہ بنانے سے گریز کرنا چاہیے۔

٢٤٦٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي ثَوْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمْ أَزَلْ حَرِيصًا عَلَى أَنْ أَسْأَلَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ الْمَرْأَتَيْنِ مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ اللَّتَيْنِ قَالَ اللهُ لَهُمَا: ﴿إِن تَتُوبَا إِلَى ٱللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا﴾ [التحريم: ٤] فَحَجَجْتُ مَعَهُ فَعَدَلَ وَعَدَلْتُ مَعَهُ بِالْإِدَاوَةِ فَتَبَرَّزَ حَتَّى جَاءَ فَسَكَبْتُ عَلَى يَدَيْهِ مِنَ الْإِدَاوَةِ فَتَوَضَّأَ فَقُلْتُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! مَنِ الْمَرْأَتَانِ مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ اللَّتَانِ قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ

[2468] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میری یہ خواہش رہی کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کروں کہ نبی ﷺ کی بیویوں میں سے وہ کون سی دو بیویاں ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”اگر تم دونوں اللہ کی طرف توبہ اور رجوع کرو (تو بہتر ہے) پس تمھارے دل (حق سے) کچھ ہٹ گئے ہیں۔“ واقعہ یہ ہوا کہ میں ان کے ہمراہ حج کو گیا تو وہ (قضائے حاجت کے لیے) راستے سے ایک طرف ہٹے۔ میں بھی پانی کا مشکیزہ لیے ان کے ہمراہ ہو گیا، چنانچہ جب آپ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر واپس آئے تو میں نے ان کے ہاتھوں پر مشکیزے سے پانی ڈالا۔ انھوں نے وضو کیا تو میں نے عرض

لَهُمَا: ﴿إِن تَتُوبَآ إِلَى ٱللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا﴾؟ فَقَالَ: وَاعَجَبًا لَّكَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ! عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ، ثُمَّ اسْتَقْبَلَ عُمَرُ الْحَدِيثَ يَسُوقُهُ، فَقَالَ: إِنِّي كُنْتُ وَجَارٌ لِّي مِنَ الْأَنْصَارِ فِي بَنِي أُمَيَّةَ بْنِ زَيْدٍ - وَهِيَ مِنْ عَوَالِي الْمَدِينَةِ - وَكُنَّا نَتَنَاوَبُ النُّزُولَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَيَنْزِلُ هُوَ يَوْمًا وَّأَنْزِلُ يَوْمًا، فَإِذَا نَزَلْتُ جِئْتُهُ مِنْ خَبَرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مِنَ الْأَمْرِ وَغَيْرِهِ وَإِذَا نَزَلَ فَعَلَ مِثْلَهُ، وَكُنَّا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ نَغْلِبُ النِّسَاءَ، فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى الْأَنْصَارِ إِذْ هُمْ قَوْمٌ تَغْلِبُهُمْ نِسَاؤُهُمْ فَطَفِقَ نِسَاؤُنَا يَأْخُذْنَ مِنْ أَدَبِ نِسَاءِ الْأَنْصَارِ، فَصِحْتُ عَلَى امْرَأَتِي فَرَاجَعَتْنِي فَأَنْكَرْتُ أَنْ تُرَاجِعَنِي فَقَالَتْ: وَلِمَ تُنْكِرُ أَنْ أُرَاجِعَكَ؟ فَوَاللهِ إِنَّ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ ﷺ لَيُرَاجِعْنَهُ، وَإِنَّ إِحْدَاهُنَّ لَتَهْجُرُهُ الْيَوْمَ حَتَّى اللَّيْلِ، فَأَفْزَعَتْنِي فَقُلْتُ: خَابَتْ مَنْ فَعَلَتْ مِنْهُنَّ بِعَظِيمٍ، ثُمَّ جَمَعْتُ عَلَيَّ ثِيَابِي فَدَخَلْتُ عَلَى حَفْصَةَ، فَقُلْتُ: أَيْ حَفْصَةُ! أَتُغَاضِبُ إِحْدَاكُنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ الْيَوْمَ حَتَّى اللَّيْلِ؟ فَقَالَتْ: نَعَمْ، فَقُلْتُ: خَابَتْ وَخَسِرَتْ، أَفَتَأْمَنُ أَنْ يَّغْضَبَ اللهُ لِغَضَبِ رَسُولِهِ ﷺ فَتَهْلِكِينَ؟ لَا تَسْتَكْثِرِي عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَلَا تُرَاجِعِيهِ فِي شَيْءٍ وَّلَا تَهْجُرِيهِ، وَسَلِينِي مَا بَدَا لَكِ وَلَا يَغُرَّنَّكِ أَنْ كَانَتْ جَارَتُكِ هِيَ أَوْضَأَ مِنْكِ وَأَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ - يُرِيدُ عَائِشَةَ - وَكُنَّا تَحَدَّثْنَا أَنَّ غَسَّانَ تُنْعِلُ النِّعَالَ لِغَزْوِنَا فَنَزَلَ صَاحِبِي يَوْمَ

کیا: اے امیرالمومنین! نبی ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے وہ کون سی دو عورتیں ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اگر تم توبہ کرو (تو تمھارے لیے بہتر ہے) پس تمھارے دل (حق سے) کچھ ہٹ گئے ہیں؟'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابن عباس! تم پر تعجب ہے۔ وہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما ہیں۔ پھر حضرت عمر فاروق نے پورا واقعہ بیان کرنا شروع کیا۔ انھوں نے فرمایا: میں اور میرا ایک انصاری ہمسایہ بنو امیہ بن زید کے محلے میں رہتے تھے..... یہ قبیلہ عوالی مدینہ میں رہتا تھا..... ہم نبی ﷺ کے پاس باری باری آیا کرتے تھے۔ ایک دن وہ آتا اور دوسرے دن میں حاضر ہوتا۔ جب میں آتا تو اس دن کے جملہ احکام وحی اس کو بتاتا اور جب وہ آتا تو وہ بھی اسی طرح کرتا۔ ہم قریشی لوگ عورتوں کو اپنے دباؤ میں رکھتے تھے لیکن جب ہم انصار میں آئے تو ہم نے دیکھا کہ ان کی عورتیں ان پر غالب رہتی ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی ہماری عورتیں بھی ان کے طور طریقے اختیار کرنے لگیں۔ ایک روز ایسا ہوا کہ میں نے اپنی بیوی کو ڈانٹا تو اس نے فوراً مجھے جواب دیا۔ اس کی یہ بات مجھے بری لگی تو اس نے کہا: اگر میں نے تمھاری بات کا جواب دیا ہے تو برا کیوں مناتے ہو؟ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی بیویاں بھی آپ کو جواب دیتی ہیں۔ ان میں سے کوئی کوئی ایسی بھی ہے جو دن سے لے کر رات تک آپ کو چھوڑے رہتی ہے۔ مجھے اس بات سے بہت گھبراہٹ ہوئی۔ میں نے دل میں کہا: ان میں سے جس نے ایسا کیا وہ عظیم خسارے میں ہے۔ پھر میں نے اپنے کپڑے پہنے اور (اپنی بیٹی) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور اس سے کہا: حفصہ! کیا تم میں سے کوئی دن سے لے کر رات تک

نَوْبَتِهِ فَرَجَعَ عِشَاءً فَضَرَبَ بَابِي ضَرْبًا شَدِيدًا، وَّقَالَ: أَثَمَّ هُوَ؟ فَفَزِعْتُ فَخَرَجْتُ إِلَيْهِ وَقَالَ: حَدَثَ أَمْرٌ عَظِيمٌ، قُلْتُ: مَا هُوَ؟ أَجَاءَتْ غَسَّانُ؟ قَالَ: لَا، بَلْ أَعْظَمُ مِنْهُ وَأَطْوَلُ، طَلَّقَ رَسُولُ اللهِ ﷺ نِسَاءَهُ. قَالَ: قَدْ خَابَتْ حَفْصَةُ وَخَسِرَتْ، كُنْتُ أَظُنُّ أَنَّ هٰذَا يُوشِكُ أَنْ يَّكُونَ فَجَمَعْتُ عَلَيَّ ثِيَابِي فَصَلَّيْتُ صَلَاةَ الْفَجْرِ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَدَخَلَ مَشْرُبَةً لَّهُ فَاعْتَزَلَ فِيهَا، فَدَخَلْتُ عَلٰى حَفْصَةَ، فَإِذَا هِيَ تَبْكِي، قُلْتُ: مَا يُبْكِيكِ؟ أَوَ لَمْ أَكُنْ حَذَّرْتُكِ؟ أَطَلَّقَكُنَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالَتْ: لَا أَدْرِي، هُوَ ذَا فِي الْمَشْرُبَةِ، فَخَرَجْتُ فَجِئْتُ الْمِنْبَرَ فَإِذَا حَوْلَهُ رَهْطٌ يَّبْكِي بَعْضُهُمْ فَجَلَسْتُ مَعَهُمْ قَلِيلًا، ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَجِدُ فَجِئْتُ الْمَشْرُبَةَ الَّتِي هُوَ فِيهَا فَقُلْتُ لِغُلَامٍ أَسْوَدَ: اِسْتَأْذِنْ لِعُمَرَ، فَدَخَلَ فَكَلَّمَ النَّبِيَّ ﷺ ثُمَّ خَرَجَ فَقَالَ: ذَكَرْتُكَ لَهُ فَصَمَتَ، فَانْصَرَفْتُ حَتّٰى جَلَسْتُ مَعَ الرَّهْطِ الَّذِينَ عِنْدَ الْمِنْبَرِ، ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَجِدُ، فَجِئْتُ فَقُلْتُ لِلْغُلَامِ - فَذَكَرَ مِثْلَهُ - فَجَلَسْتُ مَعَ الرَّهْطِ الَّذِينَ عِنْدَ الْمِنْبَرِ، ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَجِدُ، فَجِئْتُ الْغُلَامَ فَقُلْتُ: اِسْتَأْذِنْ لِعُمَرَ - فَذَكَرَ مِثْلَهُ - فَلَمَّا وَلَّيْتُ مُنْصَرِفًا فَإِذَا الْغُلَامُ يَدْعُونِي قَالَ: أَذِنَ لَكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ، فَإِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلٰى رِمَالِ حَصِيرٍ لَّيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ فِرَاشٌ، قَدْ أَثَّرَ الرِّمَالُ بِجَنْبِهِ، مُتَّكِئٌ عَلٰى وِسَادَةٍ مِّنْ أَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفٌ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، ثُمَّ

رسول اللہ ﷺ سے روٹھے رہتی ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! میں نے کہا: وہ تو نامراد رہی اور خسارے میں پڑ گئی۔ کیا تم اس بات سے بے خوف ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی ناراضی کے باعث اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے تو تم تباہ ہو جاؤ؟ (دیکھو!) رسول اللہ ﷺ سے زیادہ نہ مانگو اور آپ کو جواب بھی نہ دیا کرو اور آپ سے خفا نہ ہوا کرو۔ جو ضرورت ہو وہ مجھ سے لو۔ اور یہ بات بھی تمھیں دھوکے میں نہ رکھے کہ تمھاری سوکن تم سے زیادہ خوبصورت اور رسول اللہ ﷺ کی زیادہ چہیتی ہے۔ انھوں نے حضرت عائشہ ؓ کو مراد لیا۔ حضرت عمر ؓ نے کہا: ہم دونوں آپس میں اس طرح کی باتیں بھی کیا کرتے تھے کہ غسانی لوگ ہم پر چڑھائی کرنے کے لیے گھوڑوں کی نعل بندی (جنگ کی تیاری) کر رہے ہیں۔ ہوا یوں کہ میرا ساتھی اپنی باری کے دن شہر گیا اور عشاء کے وقت لوٹا تو میرا دروازہ زور سے کھٹکھٹایا اور کہا: کیا وہ یہاں (گھر میں) ہیں؟ میں نے یہ سنا تو بہت گھبرایا اور باہر نکلا تو انھوں نے کہا: ایک بہت بڑا حادثہ ہوا ہے۔ میں نے کہا: وہ کیا؟ کیا غسان کے لوگوں نے حملہ کر دیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں بلکہ اس سے بھی بڑا واقعہ اور لمبی بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ میں نے کہا: حفصہ کی قسمت پھوٹ گئی۔ میں پہلے ہی خیال کرتا تھا کہ عنقریب ایسا ہو جائے گا۔ میں نے اپنے کپڑے پہنے اور نماز فجر نبی ﷺ کے ہمراہ ادا کی۔ فراغت کے بعد آپ بالا خانے میں تشریف لے گئے اور وہاں تنہا بیٹھ رہے، چنانچہ میں حضرت حفصہ کے پاس گیا، دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ میں نے پوچھا: کیوں رو رہی ہو؟ کیا میں نے تمھیں اس انجام سے آگاہ نہیں کیا تھا؟ کیا تمھیں رسول

قُلْتُ وَأَنَا قَائِمٌ: طَلَّقْتَ نِسَاءَكَ؟ فَرَفَعَ بَصَرَهُ إِلَيَّ، فَقَالَ: «لَا» ثُمَّ قُلْتُ وَأَنَا قَائِمٌ أَسْتَأْنِسُ: يَا رَسُولَ اللهِ! لَوْ رَأَيْتَنِي وَكُنَّا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ نَغْلِبُ النِّسَاءَ، فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلٰى قَوْمٍ تَغْلِبُهُمْ نِسَاؤُهُمْ فَذَكَرَهُ فَتَبَسَّمَ النَّبِيُّ ﷺ، ثُمَّ قُلْتُ: لَوْ رَأَيْتَنِي وَدَخَلْتُ عَلٰى حَفْصَةَ فَقُلْتُ: لَا يَغُرَّنَّكِ أَنْ كَانَتْ جَارَتُكِ هِيَ أَوْضَأَ مِنْكِ وَأَحَبَّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ - يُرِيدُ عَائِشَةَ - فَتَبَسَّمَ أُخْرٰى، فَجَلَسْتُ حِينَ رَأَيْتُهُ تَبَسَّمَ ثُمَّ رَفَعْتُ بَصَرِي فِي بَيْتِهِ فَوَاللهِ مَا رَأَيْتُ فِيهِ شَيْئًا يَرُدُّ الْبَصَرَ غَيْرَ أَهَبَةٍ ثَلَاثٍ، فَقُلْتُ: اُدْعُ اللهَ فَلْيُوَسِّعْ عَلٰى أُمَّتِكَ، فَإِنَّ فَارِسَ وَالرُّومَ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ وَأُعْطُوا الدُّنْيَا وَهُمْ لَا يَعْبُدُونَ اللهَ، وَكَانَ مُتَّكِئًا فَقَالَ: «أَوَ فِي شَكٍّ أَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ؟ أُولٰئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا»، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! اِسْتَغْفِرْ لِي، فَاعْتَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ الْحَدِيثِ حِينَ أَفْشَتْهُ حَفْصَةُ إِلٰى عَائِشَةَ وَكَانَ قَدْ قَالَ: «مَا أَنَا بِدَاخِلٍ عَلَيْهِنَّ شَهْرًا» مِنْ شِدَّةِ مَوْجِدَتِهِ عَلَيْهِنَّ حِينَ عَاتَبَهُ اللهُ، فَلَمَّا مَضَتْ تِسْعٌ وَّعِشْرُونَ دَخَلَ عَلٰى عَائِشَةَ فَبَدَأَ بِهَا، فَقَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ: إِنَّكَ أَقْسَمْتَ أَنْ لَا تَدْخُلَ عَلَيْنَا شَهْرًا وَّإِنَّا أَصْبَحْنَا بِتِسْعٍ وَّعِشْرِينَ لَيْلَةً أَعُدُّهَا عَدًّا. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلشَّهْرُ تِسْعٌ وَّعِشْرُونَ» - وَكَانَ ذٰلِكَ الشَّهْرُ تِسْعٌ وَّعِشْرُونَ - قَالَتْ عَائِشَةُ:

اللہ ﷺ نے طلاق دے دی ہے؟ اس نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔ آپ ﷺ اس بالا خانے میں تشریف رکھتے ہیں۔ میں باہر نکل کر مسجد میں منبر کے پاس آیا تو دیکھا کہ وہاں کچھ لوگ بیٹھے رو رہے ہیں۔ میں بھی تھوڑی دیر کے لیے ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ پھر وہ پریشانی مجھ پر غالب آئی جو مجھے لاحق تھی۔ میں اس بالا خانے کی طرف گیا جہاں آپ تشریف فرما تھے۔ وہاں میں نے آپ کے سیاہ فام غلام سے کہا: عمر کے لیے اجازت حاصل کرو۔ وہ اندر گیا، اس نے نبی ﷺ سے بات کی، پھر باہر نکلا اور کہنے لگا: میں نے آپ ﷺ سے تمھارا ذکر کیا ہے لیکن آپ خاموش رہے ہیں، چنانچہ میں واپس آ کر ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا جو منبر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر مجھے اس بات نے بے چین کر دیا جس کے لیے میں آیا تھا۔ میں (دوبارہ) غلام کے پاس آیا اور کہا: عمر کے لیے اجازت حاصل کرو۔ لیکن معاملہ پہلے کی طرح ہوا۔ میں پھر منبر کے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر مجھے اس بات نے بے چین کر دیا جو میرے دل میں تھی۔ میں پھر غلام کے پاس آیا اور کہا: عمر کے لیے اجازت حاصل کرو۔ پھر معاملہ پہلے کی طرح ہوا۔ جب میں واپس ہونے لگا تو غلام نے مجھے آواز دی اور کہا: تمھیں رسول اللہ ﷺ نے اجازت دے دی ہے۔ یہ سن کر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ کھجور کے پتوں سے بُنی ہوئی چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ آپ کے جسم اور چٹائی کے درمیان کوئی بستر نہیں ہے اور کھجور کے پتوں کے نشانات آپ کے پہلو پر نمایاں ہیں۔ آپ ایک تکیے پر ٹیک لگائے ہوئے ہیں جو کھجور کے پتوں

فَأُنْزِلَتْ آيَةُ التَّخْيِيرِ فَبَدَأَ بِي أَوَّلَ امْرَأَةٍ فَقَالَ: «إِنِّي ذَاكِرٌ لَّكِ أَمْرًا وَّلَا عَلَيْكِ أَنْ لَّا تَعْجَلِي حَتَّى تَسْتَأْمِرِي أَبَوَيْكِ». قَالَتْ: قَدْ أَعْلَمُ أَنَّ أَبَوَيَّ لَمْ يَكُونَا يَأْمُرَانِي بِفِرَاقِكَ، ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ اللهَ قَالَ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ﴾ إِلَى: ﴿عَظِيمًا﴾ [الأحزاب:٢٨، ٢٩]. قُلْتُ: أَفِي هٰذَا أَسْتَأْمِرُ أَبَوَيَّ؟ فَإِنِّي أُرِيدُ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ. ثُمَّ خَيَّرَ نِسَاءَهُ فَقُلْنَ مِثْلَ مَا قَالَتْ عَائِشَةُ. [راجع: ٨٩]

سے بھرا ہوا ہے۔ میں نے سلام کیا اور کھڑے ہی کھڑے عرض کیا: آپ نے ازواج کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے میری طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا: ''نہیں۔'' میں کھڑا کھڑا آپ کا موڈ بھانپ رہا تھا کہ کیسا ہے؟ میں نے دل بہلاوے کے طور پر کہا: اللہ کے رسول! ذرا ملاحظہ فرمائیں کہ ہم قریشی لوگ اپنی عورتوں کو دباؤ میں رکھتے تھے اور جب ایسے لوگوں میں آئے جن کی عورتیں ان پر غالب ہیں، میرا اتنا کہنا تھا کہ نبی ﷺ مسکرائے۔ پھر میں نے عرض کیا: کاش آپ مجھے اس وقت دیکھتے جب میں حفصہ ؓ کے پاس گیا اور میں نے اس سے کہا: تمھیں یہ بات دھوکے میں نہ رکھے کہ تمھاری سوکن تم سے زیادہ خوبصورت اور نبی ﷺ کو زیادہ محبوب ہے۔ میں نے حضرت عائشہ ؓ کو مراد لیا تھا۔ تب بھی آپ مسکرا دیے۔ جب میں نے دیکھا کہ آپ مسکرا رہے ہیں تو میں بیٹھ گیا۔ پھر میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو اللہ کی قسم! مجھے تین کچی کھالوں کے علاوہ وہاں کوئی چیز نظر نہ آئی۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ آپ کی امت پر وسعت کرے کیونکہ فارس اور روم کے لوگوں پر اللہ نے فراخی کی ہے اور انھیں خوب دنیا ملی، حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔ اس وقت آپ ﷺ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''اے ابن خطاب! ایسی باتیں کرتے ہو کیا تمھیں شک ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی تمام لذتیں اسی دنیا کی زندگی میں دے دی گئی ہیں۔'' میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے لیے استغفار فرمائیں۔ نبی ﷺ نے گوشۂ تنہائی اس وجہ سے اختیار کیا تھا کہ حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ سے ایک راز ظاہر کر دیا تھا اور اسی سلسلے میں آپ نے عہد کیا

تھا: ''میں ان سے ایک مہینے تک ملاقات نہیں کروں گا۔'' کیونکہ آپ کو ان پر سخت غصہ آیا تھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی وجہ سے آپ کو عتاب فرمایا۔ پھر جب انتیس دن گزر گئے تو آپ ﷺ حضرت عائشہ ؓ کے پاس گئے اور وہاں سے ازسرنو عائلی زندگی کا آغاز فرمایا۔ حضرت عائشہ ؓ نے آپ سے عرض کیا: آپ نے تو ایک مہینے تک ہمارے پاس نہ آنے کی قسم اٹھائی تھی، ابھی تو انتیس دن ہی گزرے ہیں، میں انھیں شمار کرتی رہی ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔'' اور وہ مہینہ انتیس دن کا تھا۔ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: جب اختیار والی آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ پہلے میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''میں تم سے ایک بات کہہ رہا ہوں اور تم پر کوئی حرج نہیں ہوگا اگر تم جلدی نہ کرو حتی کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کرلو۔'' ام المومنین عائشہ ؓ نے عرض کیا: میں جانتی ہوں کہ میرے والدین آپ سے فراق کا کبھی مشورہ نہیں دیں گے۔ پھر آپ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے، ...... بہت بڑا (اجر تیار کر رکھا ہے۔'') میں نے عرض کیا: آیا میں اس کے متعلق اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں؟ میں تو اللہ، اس کے رسول اور دارِ آخرت ہی کو پسند کرتی ہوں۔ پھر آپ نے اپنی سب بیویوں کو اختیار دیا تو سب نے وہی جواب دیا جو اُم المومنین حضرت عائشہ ؓ نے دیا تھا۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے اس طویل حدیث سے متعدد مسائل کا استنباط کیا ہے جن کا ذکر اپنے اپنے مقام پر آئے گا۔ اس مقام پر اسے پیش کرنے کا صرف یہ مقصد ہے کہ مکان پر بالا خانہ تعمیر کرنا جائز ہے بشرطیکہ ہمسایوں کی پردہ دری نہ ہوتی ہو۔ اگر اس سے ان کی بے پردگی ہو تو جائز نہیں۔ ② اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے بالا خانے کا ذکر ہے، آپ کی رہائش کے علاوہ، زکاۃ وغیرہ کا جو مال آتا وہ بھی اسی میں رکھا جاتا تھا۔ دوسری روایات میں ہے کہ اس پر چڑھنے کے لیے کھجور

کے تنوں کے سیڑھیاں تھی۔[1] وہاں نگرانی کے لیے ایک حبشی غلام بھی تعینات تھا۔ بعض روایات میں صراحت ہے کہ اس کی نگرانی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ذمے تھی۔ ② علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بالاخانہ چار قسم کا ہوتا ہے: * مکان کی چھت پر ہو اور اس سے تاک جھانک ممکن ہو۔ اس قسم کا بالاخانہ ناجائز ہے۔ * مکان کی چھت پر ہو لیکن اس سے جھانک نہ پڑتی ہو۔ اس کی دیواریں اونچی ہوں۔ ایسا بالاخانہ بنانا جائز ہے۔ * وہ بلند مکان جو چھت کے بجائے مستقل ہو، اس سے پڑوسیوں کی بے پردگی ہوتی ہو۔ یہ بھی ناجائز ہے۔ * ایسا اونچا مکان جو چھت پر نہ ہو لیکن اس میں تاک جھانک کا سدباب ہو، ایسا اونچا مکان تعمیر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہمارے رجحان کے مطابق اگر پڑوسی کو نقصان پہنچنے کا واضح امکان ہو تو درست نہیں بصورت دیگر بالاخانہ جائز ہے۔[2]

٢٤٦٩ - حَدَّثَنِي ابْنُ سَلَامٍ: أَخْبَرَنَا الْفَزَارِيُّ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: آلَى رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ نِسَائِهِ شَهْرًا وَكَانَتِ انْفَكَّتْ قَدَمُهُ، فَجَلَسَ فِي عُلِّيَّةٍ لَهُ، فَجَاءَ عُمَرُ فَقَالَ: أَطَلَّقْتَ نِسَاءَكَ؟ فَقَالَ: «لَا، وَلٰكِنِّي آلَيْتُ مِنْهُنَّ شَهْرًا». فَمَكَثَ تِسْعًا وَعِشْرِينَ ثُمَّ نَزَلَ فَدَخَلَ عَلَى نِسَائِهِ. [راجع: ٣٧٨]

[2469] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے قسم اٹھائی تھی کہ ایک مہینہ اپنی بیویوں کے قریب نہیں جائیں گے، اور آپ کے پاؤں کا جوڑ نکل گیا تھا، آپ اپنے بالاخانے میں بیٹھ گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا: ”نہیں، لیکن میں نے ان کے پاس ایک ماہ کے لیے نہ جانے کی قسم اٹھائی ہے۔“ چنانچہ آپ انتیس روز وہاں ٹھہرے، پھر اس بالاخانے سے اتر کر اپنی بیویوں کے پاس آئے۔

فوائد ومسائل: ① اس روایت میں عُلیہ کا لفظ آیا ہے جو بالاخانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پچھلی روایت میں مشربہ کا لفظ آیا تھا جو مکان کے سامنے پینے پلانے کے کمرے کو کہتے ہیں، اسے بالاخانے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اب ان کے درمیان امتیازی خصوصیت ختم ہوگئی ہے، اسے ہر کمرے کے لیے استعمال کیا جانے لگا ہے جو مہمانوں کے بیٹھنے کے لیے بنایا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اپنی بیویوں سے ناراض ہو کر ان سے علیحدگی اختیار کی تو اس بالاخانے میں قیام فرمایا جس کا حدیث میں ذکر ہے۔ یہ واقعہ نو ہجری کو پیش آیا لیکن راوی نے غلط فہمی کی بنا پر اس میں پاؤں میں موچ آنے کا ذکر بھی کر دیا ہے۔ پاؤں میں موچ آنے کا واقعہ پانچ ہجری کا ہے جب رسول اللہ ﷺ گھوڑے سے گر پڑے تھے۔ ان دونوں واقعات میں چار سال کا فاصلہ ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جب حمید طویل بیان کرتے ہیں تو وہ بعض اوقات ان دونوں واقعات کو اکٹھا کر دیتے ہیں، دیگر راوی صرف قسم اٹھانے کے واقعے کو بیان کرتے ہیں۔ ② رسول اللہ ﷺ کو جب چوٹ لگی تو اس وقت بھی

1 صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 387. 2 عمدة القاري: 223/9.

آپ نے اسی بالا خانے میں آرام فرمایا تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی تیمارداری کے لیے تشریف لاتے اور آپ اسی کمرے میں نمازیں ادا کرتے تھے۔ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مکان کی چھت پر بالا خانہ بنانا جائز ہے بشرطیکہ پڑوسیوں کے حقوق متاثر نہ ہوں۔ واللہ أعلم.

(٢٦) بَابُ مَنْ عَقَلَ بَعِيرَهُ عَلَى الْبَلَاطِ أَوْ بَابِ الْمَسْجِدِ

باب: 26- جس نے اپنا اونٹ مسجد کے سامنے بچھے ہوئے سنگ ریزوں یا مسجد کے دروازے پر باندھ دیا

٢٤٧٠ - حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ: حَدَّثَنَا أَبُو عَقِيلٍ: حَدَّثَنَا أَبُو الْمُتَوَكِّلِ النَّاجِيُّ قَالَ: أَتَيْتُ جَابِرَ ابْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَسْجِدَ فَدَخَلْتُ إِلَيْهِ وَعَقَلْتُ الْجَمَلَ فِي نَاحِيَةِ الْبَلَاطِ فَقُلْتُ: هٰذَا جَمَلُكَ، فَخَرَجَ فَجَعَلَ يُطِيفُ بِالْجَمَلِ، قَالَ: «اَلثَّمَنُ وَالْجَمَلُ لَكَ». [راجع: ٤٤٣]

[2470] ابوالمتوکل کہتے ہیں: میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے پاس آیا تو انھوں نے کہا: نبی ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے، اس لیے میں بھی مسجد میں چلا گیا اور اپنے اونٹ کو (مسجد کے سامنے) بچھے ہوئے پتھروں کے کنارے باندھ دیا۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ رہا آپ کا اونٹ۔ آپ باہر تشریف لائے اور اونٹ کے پاس گھومنے لگے پھر فرمایا: ”قیمت اور اونٹ دونوں تمھارے ہوئے۔“

فوائد و مسائل: ① مسجد نبوی سے بازار تک پتھروں کا فرش بچھا ہوا تھا، اسی کو بلاط کہتے تھے۔ ممکن ہے کہ اس سے مراد وہ فرش ہو جو مسجد کے سامنے پتھروں یا پکی اینٹوں سے بنایا جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ مسجد کے دروازے یا اس کے متصل بازار میں کسی ہنگامی ضرورت کے پیش نظر اونٹ یا کوئی جانور باندھا جا سکتا ہے۔ اگر وہ کسی کا نقصان کر دے تو مالک پر تاوان نہیں ہوگا، اگر کسی نے عادت بنالی ہے تو وہ نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔ ② اگرچہ اس حدیث میں دروازے کا ذکر نہیں ہے، تاہم امام بخاری رحمہ اللہ نے دروازے کو اسی پر قیاس کیا ہے یا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے کہنے کے مطابق امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک دوسرے طریق کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں مسجد کے دروازے کا ذکر ہے۔[1]

(٢٧) بَابُ الْوُقُوفِ وَالْبَوْلِ عِنْدَ سُبَاطَةِ قَوْمٍ

باب: 27- کسی قوم کے کوڑا کرکٹ کے پاس ٹھہرنا اور وہاں پیشاب کرنا

٢٤٧١ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ

[2471] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا یا (یہ) کہا کہ نبی ﷺ

① فتح الباري: 145/5.

اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَوْ قَالَ: لَقَدْ أَتَى النَّبِيُّ ﷺ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا . [راجع: ٢٢٤]

ایک قوم کے کوڑا پھینکنے کی جگہ پر تشریف لائے اور وہاں کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

فوائد و مسائل: ① جہاں کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا ہے اسے عوامی حیثیت حاصل ہوتی ہے، خواہ وہ کسی کی ذاتی ملکیت ہو۔ جہاں گندگی اور دوسری فضول اشیاء پھینکی جاتی ہیں وہاں پیشاب کرنے کے لیے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں اور نہ ایسا کرنا اجازت کے بغیر تصرف ہی ہے۔ ایسے مقامات کو استعمال کرنے کے لیے عرفی اجازت ہی کافی ہے کیونکہ ایسی جگہیں پیشاب اور کوڑے کرکٹ کے لیے ہی بنائی جاتی ہیں، نیز ایسی چیزوں کے متعلق لڑنا جھگڑنا درست نہیں۔ ② کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی مختلف توجیہات پہلے بیان ہو چکی ہیں، ممکن ہے کہ کوڑے اور نجاست میں بیٹھنے کی جگہ نہ ہو، اس طرح کی ضرورت کے پیش نظر کھڑے ہو کر پیشاب کیا جا سکتا ہے لیکن اسے عادت بنا لینا صحیح نہیں۔

(٢٨) بَابُ مَنْ أَخَذَ الْغُصْنَ وَمَا يُؤْذِي النَّاسَ فِي الطَّرِيقِ فَرَمٰى بِهِ

باب: 28- راستے میں پڑی خاردار ٹہنی یا کوئی اور تکلیف دہ چیز اٹھا کر پھینک دینا

٢٤٧٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ وَّجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ فَأَخَذَهُ فَشَكَرَ اللهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ». [راجع: ٦٥٢]

[2472] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک آدمی راستے میں جا رہا تھا۔ اس نے ایک کانٹے دار ٹہنی کو راستے میں پایا تو اسے پیچھے ہٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی قدر کرتے ہوئے اسے بخش دیا۔''

فوائد و مسائل: ① شاید کوئی یہ خیال کرے کہ راستے میں پڑی چیز کو ایک طرف کرنا درست نہیں کیونکہ اس میں اجازت کے بغیر تصرف کرنا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان قائم کر کے بتایا کہ اگر ایسی چیز لوگوں کی تکلیف کا باعث ہو تو اسے اٹھا کر دور کر دینا موجب اجر و ثواب ہے، اس طرح اللہ کی مخلوق کو آرام پہنچانا ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ کسی کے پاؤں میں چبھ جائے۔ انسانی ہمدردی اسی کا نام ہے جو اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ ② اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چھوٹے سے عمل کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے، ممکن ہے یہی عمل اللہ کے ہاں نجات کا ذریعہ بن جائے۔[1]

---

[1] فتح الباري: 146/5.

(۲۹) بَابٌ: إِذَا اخْتَلَفُوا فِي الطَّرِيقِ الْمِيتَاءِ - وَهِيَ الرَّحْبَةُ تَكُونُ بَيْنَ الطَّرِيقِ - ثُمَّ يُرِيدُ أَهْلُهَا الْبُنْيَانَ فَتُرِكَ مِنْهَا لِلطَّرِيقِ سَبْعَةُ أَذْرُعٍ

باب: 29- اگر شارع عام کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو؟ اور اس سے مراد راستے کے دونوں کناروں کی درمیانی جگہ ہے۔ اگر ارد گرد رہنے والے باشندے وہاں تعمیر کرنا چاہیں تو ضروری ہے کہ گزرگاہ کے لیے سات ہاتھ جگہ چھوڑ دی جائے

٢٤٧٣ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ خِرِّيتٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَضَى النَّبِيُّ ﷺ إِذَا تَشَاجَرُوا فِي الطَّرِيقِ الْمِيتَاءِ بِسَبْعَةِ أَذْرُعٍ.

[2473] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جب لوگوں میں شارع عام کے متعلق باہمی اختلاف ہوا تھا تو نبی ﷺ نے سات ہاتھ راستہ چھوڑنے کا فیصلہ صادر فرمایا۔

فوائد و مسائل: ① سات ہاتھ راستہ آدمیوں اور حیوانات کے آنے جانے کے لیے کافی ہے۔ آج کل بڑی بڑی گاڑیوں کا دور ہے، اس ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے سات ہاتھ سے زیادہ بھی رکھا جا سکتا ہے۔ جو لوگ راستے میں بیٹھ کر سبزی یا پھل وغیرہ بیچتے ہیں ان کے لیے بھی یہی حکم ہے تاکہ چلنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔ ② حدیث کا مقصد یہ ہے کہ لوگ کسی بھی مقدار پر راضی ہو جائیں تو وہی فیصلہ ہوگا۔ جھگڑے کی صورت میں سات ہاتھ تک راستہ تجویز کیا جائے گا تاکہ بار برداری کے جانوروں کو آنے جانے میں آسانی ہو۔ اگر پہلے سے کوئی راستہ اس سے وسیع ہے تو اسے تنگ کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔

(۳۰) بَابُ النُّهْبَى بِغَيْرِ إِذْنِ صَاحِبِهِ

باب: 30- مالک کی اجازت کے بغیر لوٹ کھسوٹ کرنا

وَقَالَ عُبَادَةُ: بَايَعْنَا النَّبِيَّ ﷺ عَلَى أَنْ لَّا نَنْتَهِبَ.

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر اس امر کے متعلق بیعت کی کہ لوٹ کھسوٹ نہیں کریں گے۔ (ڈاکا نہیں ڈالیں گے۔)

وضاحت: اس روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے خود ہی کتاب المناقب، حدیث: 3893 کے تحت متصل سند سے بیان کیا ہے۔

٢٤٧٤ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ

[2474] حضرت عبداللہ بن یزید انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ اور وہ ان (عدی بن ثابت) کے نانا تھے۔

ابْنَ يَزِيدَ الْأَنْصَارِيَّ وَهُوَ جَدُّهُ أَبُو أُمِّهِ قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ النُّهْبَى وَالْمُثْلَةِ. [انظر: ٥٥١٦]

انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے لوٹ مار کرنے اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ عنوان سے بعض حضرات نے یہ مسئلہ کشید کیا ہے کہ نکاح کے موقع پر چھوہاروں کی لوٹ کھسوٹ جائز ہے، حالانکہ ایسا کرنا انسانی وقار کے خلاف ہے اور دینِ اسلام میں وقار کا بھی ایک مقام ہے۔ اس کے جواز میں ایک روایت بھی پیش کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لشکروں کو لوٹ مار سے منع کیا اور شادی بیاہ کے موقع پر اس کی اجازت دی ہے، اس کی سند کے متعلق امام بیہقی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کی سند میں عون اور عصمہ دو راوی نا قابل اعتبار ہیں۔[1] اس بنا پر یہ حدیث نا قابل استدلال ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر اگر چھوہارے، بادام اور ٹافیاں وغیرہ کھلانی ہوں تو باعزت طریقے سے تقسیم کرنی چاہییں، لیکن اسے سنت کا درجہ دینا محل نظر ہے۔ ② جنگ یا لڑائی کے موقع پر مقتول کی شکل و صورت بگاڑنے کا نام مثلہ ہے، اس طرح کہ اس کے کان، ناک وغیرہ کاٹ دیے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے کافر دشمن سے بھی سلوک ایسا کرنے سے منع فرمایا، البتہ قصاصاً مثلے کا جواز ہے۔

٢٤٧٥ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ: حَدَّثَنَا عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَسْرِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيهَا أَبْصَارَهُمْ حِينَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ».

[2475] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زنا کرنے والا جس وقت زنا کرتا ہے وہ مومن نہیں ہوتا۔ شراب پینے والا جب شراب نوشی کرتا ہے تو ایماندار نہیں رہتا۔ اور چور جس وقت چوری کرتا ہے اس وقت مومن نہیں ہوتا۔ اور لوٹنے والا جب کوئی ایسی چیز لوٹتا ہے جس کی طرف لوگ آنکھ کو اٹھا کر دیکھتے ہیں تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔''

وَعَنْ سَعِيدٍ وَّأَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ إِلَّا النُّهْبَةَ.

سعید اور ابوسلمہ نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے ایسی ہی روایت بیان کی ہے لیکن اس میں لوٹ مار کا ذکر نہیں۔

قَالَ الْفِرَبْرِيُّ: وَجَدْتُ بِخَطِّ أَبِي جَعْفَرٍ: قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: تَفْسِيرُهُ أَنْ يُنْزَعَ مِنْهُ، يُرِيدُ الْإِيمَانَ. [انظر: ٥٥٧٨، ٦٧٧٢، ٦٨١٠]

فربری کہتے ہیں: میں نے ابوجعفر کے خط کی عبارت بایں الفاظ پائی ہے: ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ ایسے انسان سے نور ایمان سلب کر لیا جاتا ہے۔

1 عمدة القاري: 237/9.

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے لوٹ مار کرنے کی سنگینی کا پتہ چلتا ہے کہ اس قسم کی جسارت سے انسان ایمان جیسی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے اور جب تک توبہ نہ کر لے اس نعمت سے محروم ہی رہتا ہے۔ ایسا انسان اگر اسلام کا دعوے دار ہے تو اسے جھوٹا قرار دیا جائے گا۔ ② اسلام میں ڈاکوؤں اور راہزنوں کے لیے انتہائی سخت سزائیں ہیں تاکہ انسانی معاشرہ امن کے ساتھ زندگی بسر کر سکے۔ انھی قوانین کی برکت ہے کہ آج بھی حکومت سعودیہ کا امن ساری دنیا کے لیے ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے جبکہ بزعم خویش مہذب حکومتوں میں ڈاکا زنی کے لیے مختلف صورتیں رائج ہیں اور چوری ایک پیشے کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ ہماری فوج اور پولیس ایسے جرائم پیشہ لوگوں کے سامنے بے بس اور لاچار نظر آتی ہے۔ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ نے اس جرم کی سنگینی بیان کرنے کے لیے مذکورہ عنوان اور احادیث پیش کی ہیں۔

(٣١) بَابُ كَسْرِ الصَّلِيبِ وَقَتْلِ الْخِنْزِيرِ

باب: 31- صلیب کو توڑنا اور خنزیر کو مار ڈالنا

٢٤٧٦ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ ابْنُ الْمُسَيَّبِ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَنْزِلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُقْسِطًا فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيرَ وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ وَيَفِيضَ الْمَالُ حَتَّى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ». [راجع: ٢٢٢٢]

[2476] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتی کہ تم میں ابن مریم ایک منصف حاکم بن کر نمودار ہو جائیں۔ وہ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے، نیز جزیہ ختم کر دیں گے۔ اس وقت مال کی بہتات ہوگی یہاں تک کہ اسے کوئی قبول کرنے والا نہیں ہوگا۔''

فوائد ومسائل: ① صلیب، نصرانیوں کا شعار اور ان کی مذہبی علامت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جب ظہور ہوگا تو وہ دین محمدی پر عمل کریں گے اور غیر اسلامی نشانات ختم کر دیں گے۔ ان حالات میں اگر کوئی صلیب توڑ ڈالے اور خنزیر قتل کر دے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہوگا۔ اس وقت تمام عیسائی اور یہودی مسلمانوں سے برسر پیکار ہوں گے۔ خلافت اسلامیہ کے ساتھ جب دوسری قومیں جنگ وقتال پر اتر آئیں اور انھیں نقصان پہنچانے کے لیے کوشاں ہوں تو حربی اقوام کے ساتھ ایسا برتاؤ جائز ہے۔ اگر وہ عیسائی ہوں تو ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے گا۔ امن پسند غیر مسلم اقوام اور ذمی حضرات کی جان و مال اور عزت و آبرو اور ان کے مذہب کو اسلام نے پوری پوری آزادی عطا فرمائی ہے۔ ② اسلام میں اگرچہ اہل کتاب سے جزیہ قبول کر لیا جاتا ہے اور انھیں اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا لیکن یہ حکم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ختم ہو جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ واللہ أعلم.

(٣٢) بَابٌ: هَلْ تُكْسَرُ الدِّنَانُ الَّتِي فِيهَا الْخَمْرُ أَوْ تُخَرَّقُ الزِّقَاقُ؟ فَإِنْ كَسَرَ صَنَمًا أَوْ صَلِيبًا أَوْ طُنْبُورًا أَوْ مَا لَا يُنْتَفَعُ بِخَشَبِهِ

باب: 32- کیا شراب کے مٹکے توڑ دیے جائیں یا مشکیزے پھاڑ دیے جائیں؟ اور اگر کسی نے بت، صلیب، طنبورہ یا کوئی بھی ایسی چیز جس کی لکڑی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا جاتا، کو توڑ دیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

وَأُتِيَ شُرَيْحٌ فِي طُنْبُورٍ كُسِرَ فَلَمْ يَقْضِ فِيهِ بِشَيْءٍ.

قاضی شریح کے پاس طنبورہ توڑنے کا مقدمہ آیا تو انھوں نے اس کے متعلق کوئی تاوان دلانے کا فیصلہ نہ کیا۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان قائم کر کے اس کا حکم بیان نہیں کیا کیونکہ اس میں تفصیل تھی کہ اگر شراب وغیرہ کے برتن ایسے ہیں کہ شراب بہا دی جائے اور انھیں دھو کر پاک کر لیا جائے تو ایسے برتنوں کو ضائع کرنا جائز نہیں، بصورت دیگر توڑنا جائز ہے، نیز امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان کے دو جز قائم کر کے دو احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں مٹکوں کو توڑنے اور مشکیزوں کے پھاڑنے کا حکم ہے اور آپ ﷺ نے یہ حکم بطور سزا دیا تھا کیونکہ انھیں پاک کر کے ان سے فائدہ حاصل کرنا ممکن تھا جیسا کہ آئندہ حدیث سلمہ سے واضح ہوتا ہے۔[1] قاضی شریح کے اثر کو امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[2]

٢٤٧٧ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى نِيرَانًا تُوقَدُ يَوْمَ خَيْبَرَ. قَالَ: «عَلَامَ تُوقَدُ هٰذِهِ النِّيرَانُ؟» قَالُوا: عَلَى الْحُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ، قَالَ: «اكْسِرُوهَا وَهَرِيقُوهَا»، قَالُوا: أَلَا نُهْرِيقُهَا وَنَغْسِلُهَا؟ قَالَ: «اغْسِلُوا».

[2477] حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے خیبر کے دن جلتی ہوئی آگ دیکھی تو فرمایا: ”یہ آگ کس چیز پر جلائی گئی ہے؟“ لوگوں نے عرض کیا: گھریلو گدھوں کا گوشت پکایا جا رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہنڈیوں کو توڑ دو اور گوشت کو پھینک دو۔“ لوگوں نے عرض کیا: ہم گوشت تو پھینک دیتے ہیں لیکن ہنڈیوں کو دھو نہ لیں؟ آپ نے فرمایا: ”دھو لو۔“

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: كَانَ ابْنُ أَبِي أُوَيْسٍ يَقُولُ: اَلْحُمُرِ الْأَنَسِيَّةِ - بِنَصَبِ الْأَلِفِ وَالنُّونِ -. [انظر: ٤١٩٦، ٥٤٩٧، ٦١٤٨، ٦٣٣١، ٦٨٩١]

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) بیان کرتے ہیں کہ ابن ابی اویس کے کہنے کے مطابق اَنَسِیّہ کا الف اور نون مفتوح ہے۔

[1] فتح الباري: 151/5. [2] المصنف لابن أبي شيبة: 774/7.

فوائدومسائل: ① صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے قرینے سے معلوم کر لیا کہ آپ کا حکم وجوب کے بجائے استحباب کے لیے ہے، اس لیے انھوں نے کہا کہ ہم گوشت تو پھینک دیتے ہیں لیکن ہنڈیوں کو توڑنے کی بجائے دھو کر پاک کر لیتے ہیں تاکہ ہم انھیں استعمال میں لائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت دے دی۔ ② جس برتن میں ناپاک چیز ہو اسے توڑنے کے بجائے ناپاک چیز پھینک کر برتن وغیرہ صاف کر کے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ ③ گھریلو گدھوں کا گوشت پلید ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے پھینکنے کا حکم دیا، حالانکہ اس سے پہلے ان کا گوشت کھایا جاتا تھا۔ مذکورہ حدیث گھریلو گدھے کا گوشت حرام ہونے پر واضح دلیل ہے۔

٢٤٧٨ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ مَكَّةَ وَحَوْلَ الْبَيْتِ ثَلَاثُمِائَةٍ وَّسِتُّونَ نُصُبًا، فَجَعَلَ يَطْعَنُهَا بِعُودٍ فِي يَدِهِ، وَجَعَلَ يَقُولُ: ﴿جَآءَ ٱلْحَقُّ وَزَهَقَ ٱلْبَٰطِلُ﴾ اَلْآيَةَ [الإسراء: ٨١]. [انظر: ٤٢٨٧، ٤٧٢٠]

[2478] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ آپ انھیں اپنے ہاتھ کی چھڑی سے چوک دیتے اور فرماتے تھے: ''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا......'' الآیۃ.

فوائدومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے اپنی چھڑی سے مارا اور انھیں زمین پر گرا دیا۔ اس عمل سے بتوں اور ان کے بچاریوں کی رسوائی مقصود تھی، نیز اس بات کا اظہار تھا کہ یہ بت خود اپنے آپ کو نفع یا نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے تو دوسروں کو کیا فائدہ دے سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کا ایندھن پتھروں کو بھی بنایا ہے تاکہ مشرکین کی مزید رسوائی ہو کہ ان کے معبود بھی ان کے ہمراہ جہنم کا سامان بنے ہوئے ہیں۔ ② خلاف شرع آلات ضائع کرنا جائز ہیں۔ اس کے علاوہ آلات موسیقی توڑ کر ان کی شکل وصورت تبدیل کرنا جائز ہے، توڑنے کے بعد ان کی لکڑی استعمال میں لائی جا سکتی ہے۔ اگر بت سونے چاندی کے ہوں تو انھیں توڑنے کے بعد بقیہ ٹکڑوں کی خرید وفروخت کی جا سکتی ہے۔

٢٤٧٩ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّهَا كَانَتِ اتَّخَذَتْ عَلَى سَهْوَةٍ لَّهَا سِتْرًا فِيهِ تَمَاثِيلُ فَهَتَكَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَاتَّخَذَتْ مِنْهُ نُمْرُقَتَيْنِ فَكَانَتَا فِي الْبَيْتِ

[2479] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے اپنے حجرے کے دروازے پر ایک کپڑا لٹکایا جس پر تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ نبی ﷺ نے اسے پھاڑ ڈالا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کپڑے کے دو گاؤ تکیے بنا لیے جو گھر میں رہے۔ ان پر آپ ﷺ بیٹھا کرتے تھے۔

يَجْلِسُ عَلَيْهِمَا. [انظر: ٥٩٥٤، ٥٩٥٥، ٦١٠٩]

فوائد ومسائل: ① تصویر کا سر کاٹ کر اسے درخت کی طرح بنا دیا جائے تو اس کا استعمال جائز ہے اور جس کپڑے پر تصویر بنی ہو اگر وہ پاؤں تلے روندی جاتی ہو تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ ② ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے گھروں میں جاندار تصاویر کے پردے نہ لٹکائیں بلکہ انھیں ختم کر دیں۔ ایسی تصاویر شرعاً ناجائز اور حرام ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: جس گھر میں تصویر ہو وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔[1] ہاں انھیں پاؤں تلے روندنے کی صورت میں برقرار رکھا جا سکتا ہے جیسا کہ تکیے بنانے سے ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ أعلم.

(٣٣) بَابُ مَنْ قَاتَلَ دُونَ مَالِهِ

باب: 33- جو شخص اپنے مال کی حفاظت کے لیے لڑتا ہے

٢٤٨٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ - هُوَ ابْنُ أَبِي أَيُّوبَ - قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو الْأَسْوَدِ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ».

[2480] حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔“

فائدہ: امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو اپنا اور اپنے مال کا دفاع کرنا چاہیے کیونکہ اگر قتل ہو گیا تو درجۂ شہادت مل جائے گا اور اگر اس نے قتل کر دیا تو اس پر دیت یا قصاص نہیں، چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! اگر کوئی چور مجھ سے میرا مال لینا چاہے تو میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: ”اسے اپنا مال مت دو۔“ اس نے کہا: اگر وہ مجھے قتل کرنا چاہے؟ آپ نے فرمایا: ”اس سے قتال کر۔“ اس نے کہا: اگر وہ مجھے قتل کر دے؟ فرمایا: ”تو شہید ہے۔“ اس نے کہا: اگر میں اسے قتل کر دوں؟ فرمایا: ”وہ آگ میں ہو گا۔“[2] مذکورہ حدیث کتاب المظالم میں اس لیے بیان کی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے مال پر قبضہ کرنا چاہے تو وہ اپنے مال کا دفاع کر سکتا ہے، خواہ وہ خود ہی کیوں نہ مارا جائے یا اسے قتل ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔ واللہ أعلم.

(٣٤) بَابٌ: إِذَا كَسَرَ قَصْعَةً أَوْ شَيْئًا لِغَيْرِهِ

باب: 34- اگر کوئی کسی کا پیالہ یا کوئی اور چیز توڑ دے (تو تاوان پڑے گا یا نہیں؟)

٢٤٨١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ

[2481] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ

1 صحيح البخاري، بدء الخلق، حديث: 3322. 2 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 360 (140).

عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهِ، فَأَرْسَلَتْ إِحْدَى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ مَعَ خَادِمٍ بِقَصْعَةٍ فِيهَا طَعَامٌ فَضَرَبَتْ بِيَدِهَا فَكَسَرَتِ الْقَصْعَةَ، فَضَمَّهَا وَجَعَلَ فِيهَا الطَّعَامَ، وَقَالَ: «كُلُوا»، وَحَبَسَ الرَّسُولَ وَالْقَصْعَةَ حَتَّى فَرَغُوا فَدَفَعَ الْقَصْعَةَ الصَّحِيحَةَ وَحَبَسَ الْمَكْسُورَةَ.

اپنی کسی زوجۂ محترمہ کے پاس تھے۔ اتنے میں کسی دوسری زوجۂ محترمہ نے اپنے خادم کے ہاتھ ایک پیالہ بھیجا جس میں کھانا تھا، تو اس بیوی نے (جس کے پاس آپ تشریف فرما تھے) ہاتھ مار کر پیالہ توڑ ڈالا۔ آپ نے پیالہ اٹھا کر اسے جوڑا اور اس کے اندر کھانا رکھ کر فرمایا: ''کھانا کھاؤ۔'' اس دوران میں آپ نے اس قاصد اور پیالے کو روکے رکھا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو شکستہ (ٹوٹا ہوا) پیالہ رکھ لیا اور صحیح پیالہ واپس کر دیا۔

وَقَالَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [انظر: ٥٢٢٥]

ابن ابی مریم نے کہا: ہمیں یحییٰ بن ایوب نے خبر دی، انھوں نے کہا: ہم سے حمید نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما ہوتے تو عام طور پر صحابۂ کرام تحائف وغیرہ ان دنوں بھیجتے تھے، اس لیے شارحین نے لکھا ہے کہ ہاتھ مار کر پیالہ توڑنے والی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ بعض روایات میں ہے، آپ نے فرمایا: ''تمھاری اماں جان کو غیرت آ گئی، اس لیے پیالہ توڑ دیا۔''[1] البتہ جن کا پیالہ توڑا گیا تھا ان کے متعلق مختلف روایات ہیں: سنن ابوداود اور سنن نسائی میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے۔[2] سنن دارقطنی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا نام آتا ہے۔[3] معجم طبرانی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور محلی ابن حزم کی ایک روایت میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا تذکرہ ہے۔[4] ② اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے کئی ایک واقعات ہوئے ہیں۔ بہرحال جس نے پیالہ توڑا تھا اس کے گھر سے صحیح پیالہ لے کر واپس کیا گیا اور ٹوٹا ہوا پیالہ اسے دے دیا گیا۔ چونکہ دونوں پیالے رسول اللہ ﷺ کے تھے تو آپ نے گویا توڑنے والی کو سزا دی کہ ٹوٹا ہوا پیالہ اس کے گھر میں رہنے دیا اور صحیح سالم پیالہ دوسری بیوی کے پاس بھیج دیا۔[5]

(٣٥) بَابٌ: إِذَا هَدَمَ حَائِطًا فَلْيَبْنِ مِثْلَهُ

باب: 35- اگر کوئی شخص کسی کی دیوار گرا دے تو اس جیسی بنا کر دے

٢٤٨٢ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا

[2482] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں

① صحيح البخاري، النكاح، حديث: 5225. ② سنن أبي داود، البيوع، حديث: 3568، وسنن النسائي، عشرة النساء، حديث: 3409. ③ سنن ابن ماجه، الأحكام، حديث: 2333، وسنن الدارقطني: 154/4. ④ معجم الطبراني الصغير: 161/1، والمحلى لابن حزم: 365/14. ⑤ فتح الباري: 155/5.

جَرِيرٌ - هُوَ ابْنُ حَازِمٍ - عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كَانَ رَجُلٌ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ يُقَالُ لَهُ: جُرَيْجٌ، يُصَلِّي فَجَاءَتْهُ أُمُّهُ فَدَعَتْهُ فَأَبَى أَنْ يُجِيبَهَا فَقَالَ: أُجِيبُهَا أَوْ أُصَلِّي؟ ثُمَّ أَتَتْهُ فَقَالَتْ: اَللّٰهُمَّ لَا تُمِتْهُ حَتَّى تُرِيَهُ وُجُوهَ الْمُومِسَاتِ، وَكَانَ جُرَيْجٌ فِي صَوْمَعَتِهِ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ: لَأَفْتِنَنَّ جُرَيْجًا، فَتَعَرَّضَتْ لَهُ فَكَلَّمَتْهُ، فَأَبَى، فَأَتَتْ رَاعِيًا فَأَمْكَنَتْهُ مِنْ نَفْسِهَا فَوَلَدَتْ غُلَامًا فَقَالَتْ: هُوَ مِنْ جُرَيْجٍ، فَأَتَوْهُ وَكَسَرُوا صَوْمَعَتَهُ فَأَنْزَلُوهُ وَسَبُّوهُ، فَتَوَضَّأَ وَصَلَّى ثُمَّ أَتَى الْغُلَامَ فَقَالَ: مَنْ أَبُوكَ يَا غُلَامُ؟ قَالَ: اَلرَّاعِي، قَالُوا: نَبْنِي صَوْمَعَتَكَ مِنْ ذَهَبٍ، قَالَ: لَا، إِلَّا مِنْ طِينٍ». [راجع: ١٢٠٦]

نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بنی اسرائیل میں ایک جریج نامی شخص اپنے گرجے میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اس کی ماں آئی اور اس نے اسے آواز دی، لیکن جریج نے جواب نہ دیا۔ اس نے (دل میں) کہا: ماں کو جواب دوں یا نماز پڑھوں؟ پھر دوبارہ اس کی ماں آئی تو اس نے بایں الفاظ بددعا دی: اے اللہ! اسے اس وقت تک موت نہ آئے جب تک بازاری عورتوں سے اس کا سامنا نہ ہو جائے۔ جریج اپنے گرجے میں تھا کہ ایک عورت نے کہا: میں اسے فتنے میں ڈال کر رہوں گی۔ وہ (بن ٹھن کر) اس کے پاس آئی اور اس سے گفتگو کی لیکن اس نے اسے منہ نہ لگایا۔ اس دوران میں وہ ایک چرواہے کے پاس گئی اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا، جس کے نتیجے میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس نے اعلان کر دیا کہ یہ بچہ جریج کا ہے۔ لوگ جریج کے پاس آئے اور اس کے عبادت خانے کو توڑ دیا، پھر اسے نیچے اتار کر خوب گالیاں دیں۔ اب اس نے وضو کیا اور نماز پڑھی، پھر اس بچے کے پاس آیا اور اس سے کہا: اے لڑکے! تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا: میرا باپ (فلاں) بکریوں کا چرواہا ہے۔ لوگوں نے جریج سے کہا: (معذرت!) ہم تمھارا گرجا سونے کا بنا دیتے ہیں۔ تو اس نے کہا: نہیں، صرف مٹی کا بنا دو۔''

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی ناحق دیوار گرا دے تو اسے پہلی دیوار کی طرح بنا کر دینی چاہیے جبکہ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ دیوار گرانے والے کو قیمت ادا کرنا ہوگی۔ استدلال کی بنیاد اس بات پر ہے کہ پہلی امتوں کے احکام ہمارے لیے مشروع ہیں بشرطیکہ ہماری شریعت میں ان کے خلاف کوئی حکم نہ ہو۔ چونکہ لوگوں نے حضرت جریج سے کہا تھا کہ ہم تمھارا عبادت خانہ ایسا بنا دیتے ہیں۔ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اگر گرانے والا اس کے اعادے کا التزام کرے اور اس کا مالک راضی ہو جائے تو بالاتفاق ایسا کرنا جائز ہے۔ اکثر محدثین کا یہی موقف ہے کہ جس نے کسی کی دیوار گرائی تو اس جیسی دوبارہ بنا دے۔ اگر اس جیسی بنانا ممکن نہ ہو تو پھر قیمت ادا کر

دی جائے۔ 2 اس حدیث سے والدہ کے حقوق کا پتہ چلتا ہے۔ ماں کا حقِ خدمت باپ سے تین حصے زیادہ ہے۔[1] جو لوگ اپنی ماں کو راضی رکھتے ہیں وہ دنیا میں خوب پھلتے پھولتے ہیں اور آخرت میں بھی سرخرو ہوں گے۔ ماں کو ناراض کرنے والے دنیا و آخرت میں ذلیل وخوار ہوتے ہیں۔ مشاہدے سے بھی اس حقیقت کو ثابت کیا جا سکتا ہے جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

1. صحیح البخاري، الأدب، حدیث: 5971.

شراکت کا مفہوم اور اس کی اہمیت

لغوی طور پر "شراکت" کے معنی شامل ہونے کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں دو یا زیادہ افراد کا ایک چیز میں حق دار ہونا شراکت کہلاتا ہے۔ شراکت کی دو بڑی قسمیں ہیں: ○ شرکتِ املاک۔ ○ شرکت عقود۔

* شرکتِ املاک: ملکیت میں شرکت، مثلاً: چند آدمیوں کو وراثت میں یا بطور ہبہ کوئی جائیداد یا نقد روپیہ ملا یا انھوں نے مل کر کوئی چیز خریدی، تو ملکیت میں سب شریک ہوں گے۔ اس میں ایجاب وقبول نہیں ہوتا۔ اس کی مزید دو قسمیں ہیں: ○ اختیاری ○ غیر اختیاری۔ اختیاری یہ ہے کہ شرکاء مل کر کوئی جائیداد خرید لیں اور غیر اختیاری یہ ہے کہ شرکاء کی مرضی اور اختیار کے بغیر ہی انھیں کسی چیز میں شریک مان لیا جائے، مثلاً: وراثت میں ملنے والے مال میں شریک ہو جائیں۔ شراکت کی اس قسم کا حکم یہ ہے کہ جتنے لوگ شریک ہوں، ان میں سے کسی ایک کو مشترکہ جائیداد میں تصرف کا حق نہیں ہے الا یہ کہ تمام شرکاء اجازت دے دیں۔

* شرکتِ عقود: اس شرکت میں تمام شرکاء باہمی طور پر ایک معاہدے کے ذریعے سے ایک دوسرے سے بندھ جاتے ہیں اور اس کی شرائط کے پابند ہوتے ہیں۔ اس میں ایجاب وقبول ضروری ہے۔ اس میں دو یا دو سے زیادہ آدمی تھوڑا تھوڑا مال فراہم کر کے آپس میں یہ طے کر لیں کہ ہم سب مل کر اس مال سے فلاں کام کریں گے اور جو نفع ہوگا اسے آپس میں مناسب شرح میں تقسیم کر لیں گے۔ یہ اقرار زبانی بھی ہو سکتا ہے اور تحریری بھی، لیکن موجودہ دور میں شرکت عقود کو تحریر میں لانا بہت ضروری ہے۔ اس معاہدے میں ہر فرد کو یہ حق ہوتا ہے کہ جب چاہے اس معاہدے کو ختم کر کے شراکت سے الگ ہو جائے لیکن دوسرے شرکاء کو قبل از وقت مطلع کرنا ضروری ہے۔ اگر شرکاء میں سے کوئی فوت ہو جائے تو معاہدہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے لیکن متوفی کے ورثاء چاہیں تو اس کی تجدید کر کے اس میں شریک ہو سکتے ہیں۔

شراکت کا کاروبار بڑے پیمانے پر چلانے کے لیے شرکاء میں سے چند آدمیوں کو کاروبار چلانے کی ذمہ داری سونپی جا سکتی ہے۔ چونکہ ان کا وقت زیادہ خرچ ہوگا یا وہ اضافی صلاحیت رکھتے ہوں گے، اس لیے انھیں منافع سے کچھ زیادہ حصہ بھی دیا جا سکتا ہے۔

یہ شراکت مال میں بھی ہو سکتی ہے اور جسمانی محنت میں بھی۔ شراکت میں سرمائے کا برابر ہونا ضروری نہیں اور نہ نفع ہی میں برابری شرط ہے، تاہم منافع کی تقسیم اور اس کی مقدار روز اول ہی سے صاف صاف بیان کر دینا ضروری ہے کہ

کس کو کتنا ملے گا، نیز اس میں ہر ایک شریک مشترکہ مال کا امین بھی ہوتا ہے اور وکیل بھی۔ امین کی حیثیت سے مال کی حفاظت کرنا ہوگی اور وکیل کی حیثیت سے ہر ایک کو کاروبار کے نظم اور تصرف میں برابر کا اختیار حاصل ہوگا۔ امام بخاری ؒ نے شراکت کے متعلق ضروری ضروری اقسام و مسائل سے ہمیں آگاہ کیا ہے۔ انھوں نے اس سلسلے میں ستائیس مرفوع احادیث اور ایک اثر بیان کیا ہے۔ مرفوع احادیث میں ایک معلق اور باقی چھبیس متصل اسانید سے مروی ہیں۔ ان میں تیرہ مکرر اور چودہ خالص ہیں۔ احادیث پر سولہ چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے گئے ہیں، جن میں چیدہ چیدہ عنوان حسب ذیل ہیں: ○ کھانے، زادسفر اور دیگر اسباب میں شراکت۔ ○ بکریوں کی تقسیم۔ ○ تقسیم میں قرعہ اندازی۔ ○ شرکاء میں منصفانہ قیمت ٹھہرانا۔ ○ زمین کے معاملات میں شراکت۔ ○ تقسیم کے بعد رجوع نہیں۔

الغرض امام بخاری ؒ نے بڑی باریک بینی سے احکام شراکت کو مرتب فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے مطابق ہمیں عمل کی توفیق دے۔ واللّٰہ وليّ التوفيق وهو يهدي من يشاء إلى صراط مستقيم.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

47 - كِتَابُ الشَّرِكَةِ

شراکت سے متعلق احکام ومسائل

(١) [بَابُ الشَّرِكَةِ] فِي الطَّعَامِ وَالنَّهْدِ وَالْعُرُوضِ، وَكَيْفَ قِسْمَةُ مَا يُكَالُ وَيُوزَنُ مُجَازَفَةً، أَوْ قَبْضَةً قَبْضَةً، لِمَا لَمْ يَرَ الْمُسْلِمُونَ فِي النَّهْدِ بَأْسًا أَنْ يَأْكُلَ هٰذَا بَعْضًا وَهٰذَا بَعْضًا، وَكَذٰلِكَ مُجَازَفَةُ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَالْقِرَانُ فِي التَّمْرِ

باب: 1- کھانے، زادِ سفر اور دیگر سامان میں شراکت، نیز ماپ تول کر دی جانے والی اشیاء کیسے تقسیم کی جائیں؟ اندازے سے یا مٹھی مٹھی بھر کے! کیونکہ مسلمان زادِ سفر کے متعلق کوئی حرج نہیں سمجھتے کہ کسی نے کچھ اس چیز سے کھا لیا، کچھ اس سے کھا لیا۔ اور اسی طرح سونے چاندی کا باہمی تبادلہ اندازے سے کرنے اور دو دو کھجوریں ملا کر کھانے میں بھی (وہ کوئی حرج نہیں سمجھتے)

وضاحت: نہد یہ ہے کہ دورانِ سفر میں یا جنگ کے موقع پر جس کے پاس جتنا راشن ہوتا اسے ایک جگہ جمع کر لیا جاتا، اس کے بعد بقدرِ ضرورت سب کو دیا جاتا۔ یہ بھی شراکت کی ایک قسم ہے۔ اس طرح کسی کا حصہ کم ہوگا اور کسی کا زیادہ لیکن کھانے میں سب برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ جتنا زادِ سفر جمع کرایا تھا، اس سے زیادہ وصول کر لیا جائے، تو اس شراکت میں تفاضل اور ادھار ہوگا۔ عام حالات میں طعام میں کمی بیشی اور ادھار منع ہے لیکن موجودہ صورت میں مشکلات کے وقت حالات پر قابو پانے کے لیے ایسا کیا جاتا ہے اور ایسا کرنا اجتماعی زندگی کا لازمی تقاضا ہے۔ اس میں کمی بیشی یا سود نہیں ہے کیونکہ سود کے لیے ضروری ہے کہ وہ شرط کے طور پر پایا جائے، سونے کی چاندی سے اندازاً تقسیم میں بھی کوئی حرج نہیں اگرچہ کمی بیشی ہو جائے۔ کھجوروں کو ملا کر کھانے کے متعلق پہلے بیان ہو چکا ہے اور آئندہ بھی بیان ہوگا۔

٢٤٨٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا

[2483] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے،

مَالِكٌ عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَعْثًا قِبَلَ السَّاحِلِ، فَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ أَبَا عُبَيْدَةَ ابْنَ الْجَرَّاحِ وَهُمْ ثَلَاثُمِائَةٍ وَّأَنَا فِيهِمْ، فَخَرَجْنَا حَتَّى إِذَا كُنَّا بِبَعْضِ الطَّرِيقِ فَنِيَ الزَّادُ، فَأَمَرَ أَبُو عُبَيْدَةَ بِأَزْوَادِ ذٰلِكَ الْجَيْشِ فَجُمِعَ ذٰلِكَ كُلُّهُ، فَكَانَ مِزْوَدَيْ تَمْرٍ، فَكَانَ يُقَوِّتُنَا كُلَّ يَوْمٍ قَلِيلًا قَلِيلًا حَتَّى فَنِيَ، فَلَمْ يَكُنْ يُصِيبُنَا إِلَّا تَمْرَةٌ تَمْرَةٌ، فَقُلْتُ: وَمَا تُغْنِي تَمْرَةٌ؟ فَقَالَ: لَقَدْ وَجَدْنَا فَقْدَهَا حِينَ فَنِيَتْ، قَالَ: ثُمَّ انْتَهَيْنَا إِلَى الْبَحْرِ فَإِذَا حُوتٌ مِّثْلُ الظَّرِبِ فَأَكَلَ مِنْهُ ذٰلِكَ الْجَيْشُ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ لَيْلَةً، ثُمَّ أَمَرَ أَبُو عُبَيْدَةَ بِضِلَعَيْنِ مِنْ أَضْلَاعِهِ فَنُصِبَا، ثُمَّ أَمَرَ بِرَاحِلَةٍ فَرُحِلَتْ ثُمَّ مَرَّتْ تَحْتَهُمَا فَلَمْ تُصِبْهُمَا.

[۲۹۸۳، ٤٣٦٠ - ٤٣٦٢، ٥٤٩٣، ٥٤٩٤]

انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دستہ ساحل کی طرف روانہ فرمایا جس پر حضرت ابوعبیدہ بن جراح ؓ کو امیر بنایا۔ وہ دستہ تین سو افراد پر مشتمل تھا۔ اور میں بھی ان میں شامل تھا۔ چنانچہ ہم روانہ ہوئے، ابھی راستے ہی میں تھے کہ ہماری خوراک ختم ہوگئی۔ حضرت ابوعبیدہ نے حکم دیا کہ جو زادراہ بچا ہے اسے جمع کیا جائے۔ جب اسے جمع کیا گیا تو کھجوروں کے دو تھیلے بن گئے۔ وہ ہمیں اس میں سے روزانہ تھوڑی تھوڑی خوراک دینے لگے۔ جب وہ بھی ختم ہونے لگا تو ہمیں ہر روز ایک ایک کھجور ملنا شروع ہوگئی۔ میں (وہب بن کیسان) نے (حضرت جابر ؓ سے) دریافت کیا: ایک کھجور سے کیا بنتا ہوگا؟ انھوں نے کہا: جب وہ (ایک کھجور) بھی نہ رہی تو ہمیں احساس ہوا کہ یہ بھی غنیمت تھی۔ پھر ایسا ہوا کہ ہم ساحل سمندر پر پہنچے تو ایک بہت بڑی، پہاڑ جیسی مچھلی ملی جسے لشکر اٹھارہ دن تک کھاتا رہا۔ پھر حضرت ابوعبیدہ ؓ نے اس کی دونوں پسلیوں کو کھڑا کرنے کا حکم دیا، پھر انھوں نے کہا کہ کجاوے سمیت اونٹ اس کے نیچے سے گزرے تو وہ ان کے نیچے سے گزر گیا اور کسی طرف سے انھیں چھوا تک نہیں۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابوعبیدہ ؓ نے فوجی دستے کا سفر خرچ ایک جگہ جمع کر لیا پھر اندازے سے تھوڑا تھوڑا تمام فوجیوں کو تقسیم کرتے رہے، اس طرح زادسفر کی شراکت اور اس کی اندازے سے تقسیم ثابت ہوئی۔ اس میں تھوڑے بہت، یعنی معمولی فرق کا اعتبار نہیں کیا گیا جو اذن عرفی (جس کی عرف عام میں اجازت سمجھی جاتی ہو) کی وجہ سے جائز ہے۔ ② امام بخاری ؒ کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ جب تمام فوجیوں کا راشن جمع کر دیا گیا تو کوئی اپنے حصے سے کم کھائے گا اور کوئی زیادہ استعمال کرے گا۔ یہ کمی بیشی ممنوع نہیں بلکہ ایک دوسرے کی مدد کرنے کی ایک عمدہ شکل ہے اور ایسے مواقع پر اسلامی طریقے کے مطابق ایسا کرنا ایک پسندیدہ عمل ہے۔ اس جذبۂ ایثار کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے ایک پہاڑ جیسی مچھلی سمندر کے کنارے پھینک دی جسے تین سو افراد کئی دنوں تک کھاتے رہے۔

٢٤٨٤ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مَرْحُومٍ: حَدَّثَنَا حَاتِمُ

[2484] حضرت سلمہ بن اکوع ؓ سے روایت ہے،

ابْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: خَفَّتْ أَزْوَادُ الْقَوْمِ وَأَمْلَقُوا فَأَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ فِي نَحْرِ إِبِلِهِمْ فَأَذِنَ لَهُمْ، فَلَقِيَهُمْ عُمَرُ فَأَخْبَرُوهُ فَقَالَ: مَا بَقَاؤُكُمْ بَعْدَ إِبِلِكُمْ؟ فَدَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا بَقَاؤُهُمْ بَعْدَ إِبِلِهِمْ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «نَادِ فِي النَّاسِ يَأْتُونَ بِفَضْلِ أَزْوَادِهِمْ»، فَبُسِطَ لِذٰلِكَ نِطَعٌ وَّجَعَلُوهُ عَلَى النِّطَعِ فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَدَعَا وَبَرَّكَ عَلَيْهِ، ثُمَّ دَعَاهُمْ بِأَوْعِيَتِهِمْ فَاحْتَثَى النَّاسُ حَتَّى فَرَغُوا ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ». [انظر: ٢٩٨٢]

انھوں نے کہا کہ ایک دفعہ لوگوں کا سامان خورونوش ختم ہو گیا اور وہ محتاج ہو گئے تو نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے اونٹ ذبح کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے انھیں اجازت مرحمت فرمائی۔ پھر ان لوگوں سے حضرت عمر ؓ ملے تو انھوں نے ان سے ماجرا بیان کیا۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا: اونٹوں کے بعد تمھاری زندگی کا انحصار کس پر ہو گا؟ اس کے بعد حضرت عمر ؓ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: اللہ کے رسول! اونٹ ذبح کرنے کے بعد ان کی زندگی کیسے گزرے گی؟ آپ نے فرمایا: ''لوگوں میں اعلان کرو کہ وہ اپنا اپنا کھانے پینے کا بقیہ سامان لے کر میرے پاس حاضر ہوں۔'' پھر چمڑے کا ایک دسترخوان بچھا دیا گیا اور تمام سامان اس پر ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور خیرو برکت کی دعا فرمائی۔ پھر آپ نے تمام لوگوں کو برتنوں سمیت بلایا، چنانچہ لوگوں نے دونوں ہاتھوں سے خوب بھر بھر کر لینا شروع کیا۔ جب سب لوگ فارغ ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، نیز گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔''

فوائدومسائل: ① اس حدیث میں وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے بچے ہوئے سفر خرچ کو ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دیا، پھر آپ نے اس میں برکت کی دعا فرمائی، تو لوگوں نے زیادہ اور کم کے فرق کے بغیر اپنی اپنی ضرورت کے مطابق لے لیا، حالانکہ جمع شدہ خوراک میں کمی بیشی تھی، پھر انھوں نے یوں ہی اندازے سے اپنا اپنا سفر خرچ لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ماپ تول کر تقسیم نہیں کیا۔ امام بخاری ؒ کا عنوان بھی یہی ہے۔ ② اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے اہم ترین معجزے کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی ایک عظیم نشانی رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر ظاہر فرمائی۔ سفر خرچ پہلے اس قدر کم تھا کہ لوگ اپنی سواریاں ذبح کرنے پر آمادہ ہو گئے، پھر رسول اللہ ﷺ کے دعا کرنے سے اس میں اتنی برکت ہوئی کہ لوگوں نے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق لے لیا۔ اسی برکت کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے اظہار فرمایا: ''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔'' آپ کے اس برمحل اظہار سے لوگوں کے عقیدے میں پختگی اور آپ کے متعلق حسن ظن کو

تقویت ملی۔

٢٤٨٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ: حَدَّثَنَا أَبُو النَّجَاشِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: «كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْعَصْرَ فَنَنْحَرُ جَزُورًا. فَتُقْسَمُ عَشْرَ قِسَمٍ، فَنَأْكُلُ لَحْمًا نَضِيجًا قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ».

[2485] حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم نبی ﷺ کے ہمراہ نماز عصر پڑھتے، پھر اونٹ ذبح کرتے اور اس کے گوشت کو دس حصوں میں تقسیم کیا جاتا۔ پھر ہم غروب آفتاب سے پہلے پہلے پکا ہوا گوشت بھی کھالیتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① گوشت وغیرہ وزن سے تولا جاتا ہے لیکن اس حدیث کے مطابق اسے دس حصوں میں اندازے سے تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ یہ بھی ایک قیاسی وزن تھا۔ عرف میں ایسا کرنا جائز ہے کہ ایک وزنی چیز دوسری شکل میں تقسیم کر دی جائے۔ ② اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عصر اور مغرب کے درمیان اتنا وقت ہوتا تھا کہ اونٹ ذبح ہوتا، اس کا گوشت بنا کر دس حصوں میں تقسیم کیا جاتا، پھر اسے مغرب سے پہلے پکا کر کھا لیا جاتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں نماز عصر ایک مثل سایہ ہونے پر پڑھی جاتی تھی، اگر دو مثل سایہ ہونے پر اسے ادا کیا جاتا تو اتنے وقت میں مذکورہ کام انتہائی مشکل تھا۔ واللہ أعلم.

٢٤٨٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ الْأَشْعَرِيِّينَ إِذَا أَرْمَلُوا فِي الْغَزْوِ أَوْ قَلَّ طَعَامُ عِيَالِهِمْ بِالْمَدِينَةِ جَمَعُوا مَا كَانَ عِنْدَهُمْ فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ، ثُمَّ اقْتَسَمُوهُ بَيْنَهُمْ فِي إِنَاءٍ وَّاحِدٍ بِالسَّوِيَّةِ، فَهُمْ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُمْ».

[2486] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب اشعری لوگ جہاد میں محتاج ہو جاتے ہیں یا مدینہ طیبہ میں ان کے بال بچوں کے پاس کھانا کم رہ جاتا ہے تو سب لوگ اپنا اپنا موجودہ سامان ملا کر ایک کپڑے میں اکٹھا کر لیتے ہیں۔ پھر آپس میں ایک پیمانے سے برابر برابر تقسیم کر لیتے ہیں، (اس عدل و مساوات کی وجہ سے) وہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔''

فائدہ: کھانے کے سامان کو اکٹھا کر کے اندازے سے تقسیم کرنا سفر کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ عمل حضر میں بھی کیا جا سکتا ہے جیسا کہ اشعری قبیلے کے لوگوں کا عمل بیان ہوا ہے کہ وہ ضرورت کے وقت جو کچھ بھی سامان خورد و نوش ان کے پاس ہوتا اسے ملا کر برابر تقسیم کر لیتے۔ یہ شراکت کی بہترین قسم ہے۔ مشکل وقت میں ایسا کیا جا سکتا ہے اور اس میں کمی بیشی کا خیال نہیں رکھا جائے گا کہ ایک نے کم سامان جمع کیا تھا اور تقسیم میں اسے زیادہ مل گیا۔

(٢) بَابُ مَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ فِي الصَّدَقَةِ

باب:2- اگر مال دو شریکوں میں مشترک ہو تو زکاۃ کے وقت دونوں آپس میں برابری کرلیں گے

٢٤٨٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: حَدَّثَنِي ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَنَسٍ: أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَتَبَ لَهُ فَرِيضَةَ الصَّدَقَةِ الَّتِي فَرَضَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ: «وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ».

[راجع: ١٤٤٨]

[2487] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ان کو صدقے کے فرائض کے متعلق ایک تحریر دی تھی جو رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمائے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''جو مال دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو وہ صدقے میں ایک دوسرے سے برابری کرلیں۔''

فائدہ: زکاۃ دیتے ہوئے زیادہ ادائیگی کی ہے تو وہ زائد ادائیگی کی وصولی کے لیے اپنے ساتھی سے رجوع کرے گا۔ امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ شراکت میں جب دو شخص اپنا اصل مال ملالیں اور نفع ان کے درمیان مشترک ہو تو مشترک مال سے جس نے زکاۃ دیتے ہوئے زیادہ ادائیگی کی ہے تو وہ زائد ادائیگی کی وصولی کے لیے اپنے ساتھی سے رجوع کرے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بکریوں کے شرکاء کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ آپس میں برابر برابر تقسیم کریں، یعنی ریوڑ میں اگر برابر برابر کا حصہ ہے تو دونوں فریق آدھا آدھا ذمہ لیں گے اور اگر کسی فریق کا ثلث ہے تو اسی حساب سے صدقہ اس کے ذمے ہوگا۔

(٣) بَابُ قِسْمَةِ الْغَنَمِ

باب:3- بکریوں کی تقسیم کرنا

٢٤٨٨ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَكَمِ الْأَنْصَارِيُّ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِذِي الْحُلَيْفَةِ، فَأَصَابَ النَّاسَ جُوعٌ فَأَصَابُوا إِبِلًا وَغَنَمًا، قَالَ: وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ فِي أُخْرَيَاتِ الْقَوْمِ فَعَجِلُوا وَذَبَحُوا وَنَصَبُوا الْقُدُورَ، فَأَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْقُدُورِ فَأُكْفِئَتْ، ثُمَّ قَسَمَ فَعَدَلَ عَشَرَةً مِّنَ الْغَنَمِ بِبَعِيرٍ

[2488] حضرت رافع بن خدیج ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم نبی ﷺ کے ہمراہ مقام ذوالحلیفہ میں تھے۔ اس دوران میں لوگوں کو بھوک نے ستایا تو انھیں کچھ اونٹ اور بکریاں ہاتھ لگے۔ راوی کہتا ہے کہ اس وقت نبی ﷺ لوگوں سے پیچھے تھے، اس لیے لوگوں نے جلدی کی اور جانوروں کو ذبح کرڈالا اور ہانڈیاں چڑھا دیں۔ نبی ﷺ (جب تشریف لائے تو آپ) نے حکم دیا کہ ان ہانڈیوں کو الٹ دیا جائے، چنانچہ انھیں الٹ دیا گیا۔ پھر آپ نے تقسیم

فَنَدَّ مِنْهَا بَعِيرٌ فَطَلَبُوهُ فَأَعْيَاهُمْ، وَكَانَ فِي الْقَوْمِ خَيْلٌ يَسِيرَةٌ فَأَهْوٰى رَجُلٌ مِّنْهُمْ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهُ اللهُ، ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ لِهٰذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا غَلَبَكُمْ مِّنْهَا فَاصْنَعُوا بِهِ هٰكَذَا»، فَقَالَ جَدِّي: إِنَّا نَرْجُو - أَوْ نَخَافُ - الْعَدُوَّ غَدًا وَّلَيْسَتْ مَعَنَا مُدًى، أَفَنَذْبَحُ بِالْقَصَبِ؟ قَالَ: «مَا أَنْهَرَ الدَّمَ، وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ فَكُلُوهُ، لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ، وَسَأُحَدِّثُكُمْ عَنْ ذٰلِكَ: أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ وَّأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ». [انظر: ٢٥٠٧، ٣٠٧٥، ٥٤٩٨، ٥٥٠٣، ٥٥٠٦، ٥٥٠٩، ٥٥٤٣، ٥٥٤٤]

فرمائی تو دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دیا۔ اتفاقاً ایک اونٹ بھاگ نکلا تو لوگ اس کے پیچھے دوڑے جس نے ان کو تھکا دیا۔ اس وقت لشکر میں گھوڑے بھی کم تھے۔ آخر کار ایک شخص نے اسے تیر مارا تو اللہ تعالیٰ نے اسے روک دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وحشی جانوروں کی طرح ان میں بھی کچھ وحشی ہوتے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی بے قابو ہو جائے تو اس کے ساتھ ایسا ہی کیا کرو۔'' میں نے کہا: ہمیں اندیشہ ہے کہ کل دشمن سے مڈبھیڑ ہو گی اور ہمارے پاس چھریاں نہیں ہیں تو کیا ہم بانس کی کھپچی سے ذبح کر لیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو چیز خون بہا دے وہ استعمال کر سکتے ہو۔ اور جس جانور پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اسے کھا سکتے ہو، البتہ دانت اور ناخن سے ذبح نہ کرو۔ میں تمھیں اس کی وجہ بھی بیان کرتا ہوں کہ دانت تو ایک ہڈی ہے اور ناخن، کفار حبشہ کی چھری ہے (جس سے وہ ذبح کرتے ہیں)۔''

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ اندازے سے تقسیم کا جواز ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تقسیم کے وقت دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دیا ہے اور بکریوں کے قد ایک جیسے نہیں ہوتے اور طاقت کے اعتبار سے بھی ان میں فرق ہوتا ہے۔ اسی طرح اونٹوں کا معاملہ ہے، لیکن تقسیم کرتے وقت اس قسم کے فرق کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ جانوروں کی قیمت مقرر کرنے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ جب ایسا کیا جائے گا تو اس اندازے سے کیا جائے گا کہ اس حیثیت کا اونٹ ہے اور اس حیثیت کی بکریاں ہیں۔ اونٹ اور بکریوں کی مختلف اقسام ہیں۔ دونوں کی حیثیت دیکھ کر قیمت مقرر کی جائے گی۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ قیمت کا تعین کر کے جانوروں کا تبادلہ ہو گا۔ اس سے بہت دشواریاں پیدا ہو سکتی ہیں، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ بکریوں کی تقسیم تعداد کے اعتبار سے ہے، اس میں قیمت کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ ② واضح رہے کہ اختیاری حالات میں تو جانور کو گلے ہی سے ذبح کیا جائے گا، البتہ اضطراری حالات میں کسی بھی مقام سے ذبح کیا جا سکتا ہے، نیز ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ أکبر کہنا بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی بسم اللہ بھول جائے یا اسے شک ہو کہ تکبیر پڑھی ہے یا نہیں تو کھاتے وقت بسم اللہ پڑھ لی جائے۔

(٤) بَابُ الْقِرَانِ فِي التَّمْرِ بَيْنَ الشُّرَكَاءِ حَتَّى يَسْتَأْذِنَ أَصْحَابَهُ

باب: 4- کھجوروں کے شرکاء میں سے کسی ایک شریک کا دو دو کھجوریں ایک ساتھ کھانا جبکہ ساتھیوں سے اجازت حاصل ہو

٢٤٨٩ - حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا جَبَلَةُ بْنُ سُحَيْمٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَقْرُنَ الرَّجُلُ بَيْنَ التَّمْرَتَيْنِ جَمِيعًا حَتَّى يَسْتَأْذِنَ أَصْحَابَهُ. [راجع: ٢٤٥٥]

[2489] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے دو کھجوروں کو ایک ساتھ کھانے سے منع فرمایا ہے حتی کہ اپنے ساتھیوں سے اجازت حاصل کر لے۔

٢٤٩٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ جَبَلَةَ قَالَ: كُنَّا بِالْمَدِينَةِ فَأَصَابَتْنَا سَنَةٌ فَكَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ يَرْزُقُنَا التَّمْرَ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَمُرُّ بِنَا فَيَقُولُ: لَا تَقْرِنُوا فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ الْقِرَانِ إِلَّا أَنْ يَسْتَأْذِنَ الرَّجُلُ مِنْكُمْ أَخَاهُ. [راجع: ٢٤٥٥]

[2490] حضرت جبلہ بن سحیم ؒ سے روایت ہے کہ ہم ایک دفعہ مدینہ طیبہ میں قحط سالی سے دوچار ہوئے تو ابن زبیر ؓ ہمیں کھانے کے لیے کھجوریں دیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ ہمارے پاس سے گزرتے تو فرماتے: کھجوریں ایک ساتھ ملا کر نہ کھاؤ کیونکہ نبی ﷺ نے ملا کر کھانے سے منع کیا ہے الا یہ کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے اجازت حاصل کر لے۔

فائدہ: کھانا کھانے میں لوگوں کے درمیان فرق ہوتا ہے جسے نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ بعض جلدی جلدی کھاتے ہیں اور زیادہ کھانے کے عادی ہوتے ہیں اور کچھ کھانے میں سست رفتار ہوتے ہیں اور تھوڑا کھاتے ہیں۔ کھانے میں اس فرق کا اعتبار نہیں ہوتا۔ چونکہ دو، دو کھجوریں ملا کر کھانا عام تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا۔ اگر اس کے ساتھی اجازت دے دیں تو جائز ہے کیونکہ جن لوگوں کے سامنے کھجوریں رکھی گئی ہیں وہ سب کھانے میں برابر شریک ہیں۔ اگر کوئی دو دو اکٹھی کھائے گا تو ایسا کرنا جائز نہ ہوگا اور یہ آداب طعام کے بھی منافی ہے، مگر یہ مساوات واجب نہیں۔ اور حدیث میں نہی تنزیہی ہے۔ ویسے بھی مجلس میں یہ انداز اختیار کرنا انسان کے غیر مہذب ہونے کی علامت ہے۔ اسلام نے تہذیب و وقار کو برقرار رکھنے کی بہت تلقین کی ہے۔ واللہ أعلم۔

(٥) بَابُ تَقْوِيمِ الْأَشْيَاءِ بَيْنَ الشُّرَكَاءِ بِقِيمَةِ عَدْلٍ

باب: 5- شرکاء کے درمیان مشترکہ چیزوں کی عدل کے ساتھ قیمت لگانا

٢٤٩١ - حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ أَعْتَقَ شِقْصًا لَّهُ مِنْ عَبْدٍ - أَوْ شِرْكًا أَوْ قَالَ: نَصِيبًا - وَكَانَ لَهُ مَا يَبْلُغُ ثَمَنَهُ بِقِيمَةِ الْعَدْلِ فَهُوَ عَتِيقٌ وَّإِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ». قَالَ: لَا أَدْرِي قَوْلُهُ: «عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ» قَوْلٌ مِّنْ نَّافِعٍ أَوْ فِي الْحَدِيثِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ؟.

[انظر: ٢٥٠٣، ٢٥٢١ - ٢٥٢٥]

[2491] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے مشترک غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور اس کے پاس اتنا (مال) ہو جو منصفانہ قیمت کے مطابق اس غلام کی قیمت کے برابر ہو سکتا ہو تو وہ غلام آزاد ہے، بصورت دیگر اتنا آزاد ہو جائے گا جتنا اس نے آزاد کر دیا۔'' (راوی حدیث) ایوب نے کہا: ''اتنا آزاد ہو جائے گا جتنا اس نے آزاد کیا ہے'' مجھے معلوم نہیں کہ نافع کا قول ہے یا نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے؟

٢٤٩٢ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَعْتَقَ شَقِيصًا مِّنْ مَّمْلُوكِهِ فَعَلَيْهِ خَلَاصُهُ فِي مَالِهِ. فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ مَالٌ قُوِّمَ الْمَمْلُوكُ قِيمَةَ عَدْلٍ، ثُمَّ اسْتُسْعِيَ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ». [انظر: ٢٥٠٤، ٢٥٢٦، ٢٥٢٧]

[2492] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جو شخص مشترکہ غلام کو اپنے حصے کے مطابق آزاد کر دے تو وہی اپنے مال سے اسے پوری رہائی بھی دلائے۔ اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو انصاف سے اس غلام کی قیمت لگائی جائے پھر باقی حصے کے لیے اس غلام سے مزدوری کرائی جائے لیکن اس پر سختی نہ کی جائے۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود غلام کی آزادی سے متعلق مسائل و احکام بیان کرنا نہیں بلکہ اس مقام پر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی چیز دو یا زیادہ آدمیوں کے درمیان مشترک ہے اور ان میں سے کوئی اپنی کسی مجبوری کے پیش نظر الگ ہونا چاہتا ہے تو اس کی مجبوری سے ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جائے بلکہ عدل و انصاف کے مطابق اس چیز کی قیمت لگا کر اس کا حصہ الگ کر دیا جائے جیسا کہ ان احادیث میں مشترکہ غلام کی عدل و انصاف کے مطابق قیمت لگانے کی تلقین کی گئی ہے۔ ② ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے مشترک غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو ضروری ہے کہ وہ اپنے مال سے غلام کو پورا آزاد کرائے۔ اگر اس کے پاس اتنا مال نہیں ہے تو غلام خود اس بات کی کوشش کرے کہ وہ باقی حصہ ادا کرنے میں اس کا مددگار بنے، لیکن اس سلسلے میں غلام پر تشدد نہ کیا جائے۔

(٦) بَابٌ: هَلْ يُقْرَعُ فِي الْقِسْمَةِ وَالْاِسْتِهَامِ فِيهِ؟

٢٤٩٣ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا قَالَ: سَمِعْتُ عَامِرًا يَقُولُ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَثَلُ الْقَائِمِ عَلَى حُدُودِ اللهِ وَالْوَاقِعِ فِيهَا كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوا عَلَى سَفِينَةٍ، فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَعْلَاهَا وَبَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا، فَكَانَ الَّذِينَ فِي أَسْفَلِهَا إِذَا اسْتَقَوْا مِنَ الْمَاءِ مَرُّوا عَلَى مَنْ فَوْقَهُمْ فَقَالُوا: لَوْ أَنَّا خَرَقْنَا فِي نَصِيبِنَا خَرْقًا وَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا، فَإِنْ يَتْرُكُوهُمْ وَمَا أَرَادُوا هَلَكُوا جَمِيعًا، وَإِنْ أَخَذُوا عَلَى أَيْدِيهِمْ نَجَوْا وَنَجَوْا جَمِيعًا». [انظر: ٢٦٨٦]

باب: 6- کیا تقسیم کرنے اور حصہ لینے میں قرعہ اندازی کی جاسکتی ہے؟

[2493] حضرت نعمان بن بشیر ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اس شخص کی مثال جو اللہ کی حدود پر قائم ہو اور جو ان میں مبتلا ہو گیا ہو، ان لوگوں کی سی ہے جنھوں نے ایک کشتی کو بذریعہ قرعہ تقسیم کر لیا۔ بعض لوگوں کے حصے میں اوپر والا طبقہ آیا جبکہ کچھ لوگوں نے نچلا حصہ لے لیا۔ اب نچلے حصے والوں کو جب پانی کی ضرورت ہوتی تو وہ اوپر والوں کے پاس سے گزرتے۔ انھوں نے خیال کیا کہ اگر ہم اپنے نچلے حصے ہی میں سوراخ کر لیں تو اچھا ہو گا۔ اس طریقے سے ہم اوپر والوں کے لیے اذیت کا باعث نہیں ہوں گے۔ اندریں حالات اگر اوپر والے نیچے والوں کو ان کے ارادے کے مطابق چھوڑ دیں تو سب ہلاک ہو جائیں گے اور اگر وہ ان کا ہاتھ پکڑ لیں تو وہ بھی بچ جائیں گے اور دوسرے بھی محفوظ رہیں گے۔''

فوائد ومسائل: ① اگر ایک مشترکہ چیز میں چند لوگ برابر حقوق رکھتے ہوں اور ان کے درمیان حقوق کی تقسیم میں فیصلہ مشکل یا ناممکن ہو تو قرعہ اندازی کی جاسکتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر جنگ پر روانہ ہوتے تو ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کرتے کہ کون سی زوجہ محترمہ سفر میں آپ کی رفاقت اختیار کرے گی۔ ② امام بخاری ؒ نے اس حدیث کو قرعہ اندازی سے حصے متعین کرنے کے جواز میں پیش کیا ہے۔ بلاشبہ قرعہ اندازی حقوق تقسیم کرنے کا ایک دینی طریقہ ہے جبکہ کچھ لوگ اس کے مخالف ہیں۔ وہ پانسے کے ذریعے سے تقسیم کرنے پر اسے قیاس کرتے ہیں جس کی قرآن میں ممانعت ہے۔ قرعہ اندازی اور تیروں کے ذریعے سے قسمت آزمائی میں بہت فرق ہے کیونکہ قرعہ اندازی کا ثبوت صحیح احادیث سے ملتا ہے، اس لیے اسے تیروں سے تشبیہ دینا صحیح نہیں۔ ③ واضح رہے کہ گناہ کا ارتکاب کرنا اور گناہ سامنے ہوتا دیکھ کر ٹھنڈے پیٹوں (آرام اور خوشی سے) برداشت کر لینا جرم کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں اور دونوں ہی تباہی و بربادی کا باعث ہیں۔

(٧) بَابُ شَرِكَةِ الْيَتِيمِ وَأَهْلِ الْمِيرَاثِ

٢٤٩٤ - حَدَّثَنَا [عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْعَامِرِيُّ] الْأُوَيْسِيُّ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا - وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا - عَنْ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿وَرُبَاعَ﴾ [النساء:٣] فَقَالَتْ: يَا ابْنَ أُخْتِي، هِيَ الْيَتِيمَةُ تَكُونُ فِي حَجْرِ وَلِيِّهَا تُشَارِكُهُ فِي مَالِهِ فَيُعْجِبُهُ مَالُهَا وَجَمَالُهَا فَيُرِيدُ وَلِيُّهَا أَنْ يَتَزَوَّجَهَا بِغَيْرِ أَنْ يُقْسِطَ فِي صَدَاقِهَا فَيُعْطِيَهَا مِثْلَ مَا يُعْطِيهَا غَيْرُهُ، فَنُهُوا أَنْ يَنْكِحُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يُقْسِطُوا لَهُنَّ وَيَبْلُغُوا بِهِنَّ أَعْلَى سُنَّتِهِنَّ مِنَ الصَّدَاقِ، وَأُمِرُوا أَنْ يَنْكِحُوا مَا طَابَ لَهُمْ مِّنَ النِّسَاءِ سِوَاهُنَّ. قَالَ عُرْوَةُ: قَالَتْ عَائِشَةُ: ثُمَّ إِنَّ النَّاسَ اسْتَفْتَوْا رَسُولَ اللهِ ﷺ بَعْدَ هٰذِهِ الْآيَةِ فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي ٱلنِّسَآءِ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿وَتَرْغَبُونَ أَن تَنكِحُوهُنَّ﴾ [النساء:١٢٧] وَالَّذِي ذَكَرَ اللهُ أَنَّهُ يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ، اَلْآيَةُ الْأُولَى الَّتِي قَالَ فِيهَا: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي ٱلْيَتَٰمَىٰ فَٱنكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ ٱلنِّسَآءِ﴾

باب : 7- یتیم کا دوسرے وارثوں کے ساتھ شراکت کرنا

[2494] حضرت عروہ بن زبیر ؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت عائشہ ؓ سے درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے متعلق سوال کیا: ”اور اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ تم (یتیم لڑکیوں کے بارے میں) انصاف نہیں کر سکو گے (تو پھر دوسری عورتوں میں سے جو تمھیں پسند آئیں دو دو، تین تین) چار چار تک (نکاح کر لو)۔“ اُم المومنین حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ میرے بھانجے! یہ آیت کریمہ اس یتیم بچی کے متعلق نازل ہوئی جو اپنے کسی سرپرست کی کفالت میں ہو اور اس کے مال میں شریک بننے والی ہو، تو وہ سرپرست اس کے مال اور حسن و جمال سے متاثر ہو کر اس سے نکاح کرنا چاہتا ہو مگر اس کے مہر میں انصاف سے کام نہ لے کہ اسے اتنا مہر دے جتنا دوسرے لوگ دیتے ہیں تو ایسے لوگ ان (یتیم بچیوں) سے نکاح کرنے سے روک دیے گئے، البتہ اگر وہ ان سے انصاف کریں اور دستور کے مطابق ان تک پورا حق مہر پہنچائیں تو ان سے نکاح کیا جا سکتا ہے، بصورت دیگر انھیں حکم ہوا کہ تم، ان کے علاوہ، ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمھیں پسند ہوں۔ حضرت عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: لوگوں نے اس آیت کے بعد رسول اللہ ﷺ سے فتویٰ پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت نازل فرمائی: ”لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں...... لیکن ان سے نکاح کی رغبت رکھتے ہو۔“ اس آیت میں جو ذکر ہے کہ ”تم پر کتاب اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں“ اس سے مراد پہلی آیت ہے کہ ”اگر

تمھیں ڈر ہو کہ یتیموں کے متعلق تم انصاف نہیں کر سکو گے تو ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمھیں پسند ہوں۔"

قَالَتْ عَائِشَةُ: وَقَوْلُ اللهِ فِي الْآيَةِ الْأُخْرٰى: ﴿وَتَرْغَبُونَ أَن تَنكِحُوهُنَّ﴾ هِيَ رَغْبَةُ أَحَدِكُمْ يَتِيمَتَهُ الَّتِي تَكُونُ فِي حَجْرِهِ حَتّٰى تَكُونَ قَلِيلَةَ الْمَالِ وَالْجَمَالِ، فَنُهُوا أَنْ يَّنْكِحُوا مَا رَغِبُوا فِي مَالِهَا وَجَمَالِهَا مِنْ يَّتَامَى النِّسَاءِ إِلَّا بِالْقِسْطِ مِنْ أَجْلِ رَغْبَتِهِمْ عَنْهُنَّ. [انظر: ٢٧٦٣، ٤٥٧٣، ٤٥٧٤، ٤٦٠٠، ٥٠٦٤، ٥٠٩٢، ٥٠٩٨، ٥١٢٨، ٥١٣١، ٥١٤٠، ٦٩٦٥]

حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: دوسری آیت کریمہ میں جو ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو یتیم لڑکی تمھاری پرورش میں ہو اس کے پاس مال تھوڑا ہے اور حسن و جمال بھی نہیں رکھتی اس سے تو تم نفرت کرتے ہو، اس لیے جس یتیم لڑکی کے مال و جمال کی وجہ سے تمھیں رغبت ہو اس سے بھی نکاح نہ کرو مگر اس صورت میں جب انصاف کے ساتھ ان کا پورا پورا مہر دینے کا ارادہ رکھتے ہو۔

فوائد ومسائل: ① حدیث میں مذکور دو آیات میں دو قسم کی عورتوں کا بیان ہے: ○ وہ یتیم بچی جس کے حسن و جمال اور مال و دولت کی وجہ سے سرپرست نکاح کا خواہش مند ہے۔ ○ حسن و جمال اور مال و دولت کی کمی کی وجہ سے سرپرست کی نکاح میں کوئی رغبت نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ یتیم بچی جس کے پاس مال و دولت اور حسن و جمال نہیں اسے تم چھوڑ دیتے ہو اور نکاح کے لیے دوسری عورتیں تلاش کرتے ہو، اس اعتبار سے تمھیں اس صورت میں بھی انھیں چھوڑ دینا چاہیے جب ان کے مال اور جمال میں رغبت کی وجہ سے تم نکاح تو کرنا چاہتے ہو لیکن دستور کے مطابق حق مہر نہیں ادا کرنا چاہتے۔ ہاں اگر ان کے حقوق کی ادائیگی کی جائے اور حق مہر بھی پورا دینے کا ارادہ ہو تو اس صورت میں تمھیں ان سے نکاح کا حق پہنچتا ہے۔ ② امام بخاری ؒ یتیم کے مال میں شراکت کے متعلق وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ یتیم کے مال میں شراکت صرف اس صورت میں جائز ہے کہ یتیم کی اس میں بھلائی پیش نظر ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى، قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾ "لوگ آپ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ ان سے کہہ دیں کہ ان کی اصلاح اور فلاح و بہبود ہی میں بھلائی ہے اور اگر انھیں اپنے ساتھ رکھ لو تو وہ تمھارے ہی بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ اصلاح کرنے والے اور بگاڑ کرنے والے کو خوب جانتا ہے۔"[1] الغرض یتیموں کے تمام معاملات میں عدل و انصاف کا برتاؤ ہونا چاہیے، شراکت میں بھی اس پہلو کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ واللہ أعلم.

(٨) بَابُ الشَّرِكَةِ فِي الْأَرَضِينَ وَغَيْرِهَا

باب: 8- زمین وغیرہ کے معاملات میں شراکت کرنا

وضاحت: زمین کے معاملات کی مختلف صورتیں ہیں، مثلاً: کھیتی، باغ، مکان اور پلاٹ، اس لیے زمین کے بعد امام بخاری

1 البقرة 2:220.

رحمۃ اللہ نے وغیرھا کا لفظ استعمال کیا ہے۔

٢٤٩٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: إِنَّمَا جَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ الشُّفْعَةَ فِي كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ. فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُودُ وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ. [راجع: ٢٢١٣]

[2495] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے حق شفعہ کا حکم صرف اس مال میں دیا جو تقسیم نہیں ہوا۔ جب حدیں قائم ہو گئیں اور راستے بدل گئے تو حق شفعہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

فائدہ: زمین، پلاٹ اور مکان وغیرہ میں شراکت جائز ہے۔ اگر کوئی شریک اپنی مرضی سے حصہ فروخت کر دے تو دوسرے شریک کو شفعے کا حق ہے۔ جب تقسیم ہو جائے اور شراکت کا وجود نہ رہے تو شفعے کا حق بھی ساقط ہو جاتا ہے، مثلاً: ایک حویلی میں چند کمرے ہیں اور اس میں چند ایک لوگوں کی شراکت ہے۔ ایک شریک کا کمرہ الگ کر دیا گیا اور اسے راستہ دے دیا گیا تو دوسرے کمروں کو اگر مالک فروخت کرنا چاہے تو کر سکتا ہے کیونکہ شریک کا راستہ متعین ہے اور اس کی حد بندی بھی ہو چکی ہے۔ بہرحال اس مقام پر شفعے کے احکام و مسائل بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ صرف زمین وغیرہ میں شراکت کی وضاحت مقصود ہے۔ شفعے کی مزید وضاحت آئندہ عنوان میں ہوگی۔

(٩) بَابٌ: إِذَا قَسَمَ الشُّرَكَاءُ الدُّورَ وَغَيْرَهَا فَلَيْسَ لَهُمْ رُجُوعٌ وَلَا شُفْعَةٌ

باب: 9- جب شرکاء کسی حویلی یا چیز کو تقسیم کر لیں تو انھیں رجوع اور شفعے کا حق نہیں ہوگا

٢٤٩٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَضَى النَّبِيُّ ﷺ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُودُ وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ.

[راجع: ٢٢١٣]

[2496] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے ہر اس چیز میں شفعے کا فیصلہ فرمایا ہے جو ابھی تقسیم نہ کی گئی ہو۔ جب حد بندی ہو جائے اور راستے بدل دیے جائیں تو شفعہ نہیں رہتا۔

فوائد و مسائل: ① جب شرکاء مشترکہ چیز تقسیم کر لیں تو پھر شفعے اور رجوع کا حق باقی نہیں رہتا کیونکہ معاشرے کا استحکام اسی بنیاد پر ہے کہ جب معاہدہ طے پا جائے تو رجوع کا حق ساقط ہو جائے۔ اگر ایسے حالات میں رجوع کا حق دیا جائے تو معاشرہ عدم استحکام کا شکار ہو جائے گا اور ریاست میں انتشار اور بدنظمی پھیلے گی۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ بیس سال پہلے خرید و فروخت کا

ایک معاہدہ ہوا اور آج کسی کو شفعے کا حق دیا جائے تو اس طریقے سے تو کوئی کاروبار نہیں چل سکتا۔ ② حدیث میں شفعے کا ذکر ہے جبکہ باب میں رجوع کا بھی ذکر کیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر شرکاء کو شفعے کا حق نہ رہے تو رجوع کا حق بالاولی ختم ہو جائے گا کیونکہ اگر رجوع کا حق تسلیم کیا جائے تو شفعے کا بالاولی تسلیم کرنا پڑے گا۔ جب نفیٔ شفعہ نفیٔ رجوع کو لازم ہے تو امام بخاری رحمہ اللہ نے شفعے کے ساتھ رجوع کا بھی ذکر کر دیا۔ واللہ أعلم.

(۱۰) بَابُ الْاِشْتِرَاكِ فِي الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَمَا يَكُونُ فِيهِ الصَّرْفُ

باب : 10- سونے، چاندی اور ان چیزوں میں شراکت جن میں تبادلہ ہوتا ہے

۲۴۹۷، ۲۴۹۸ - حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ عُثْمَانَ يَعْنِي ابْنَ الْأَسْوَدِ قَالَ: أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ أَبِي مُسْلِمٍ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا الْمِنْهَالِ عَنِ الصَّرْفِ يَدًا بِيَدٍ فَقَالَ: اشْتَرَيْتُ أَنَا وَشَرِيكٌ لِّي شَيْئًا يَدًا بِيَدٍ وَّنَسِيئَةً، فَجَاءَنَا الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ فَسَأَلْنَاهُ فَقَالَ: فَعَلْتُ أَنَا وَشَرِيكِي زَيْدُ بْنُ أَرْقَمَ وَسَأَلْنَا النَّبِيَّ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: «مَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ فَخُذُوهُ، وَمَا كَانَ نَسِيئَةً فَرُدُّوهُ». [راجع: ۲۰۶۰، ۲۰۶۱]

[2498،2497] سلیمان بن ابو مسلم سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے ابو منہال سے دست بدست بیع صرف کرنے کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا: میں نے اور میرے شریک کاروبار نے کچھ چیزیں نقد اور کچھ چیزیں ادھار خریدیں۔ پھر ہمارے پاس حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما تشریف لائے تو ہم نے ان سے اس کے متعلق دریافت کیا۔ انھوں نے فرمایا: میں نے اور میرے شریک حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا تھا تو ہم نے نبی ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا: ”جو سودا نقد ہو اسے رکھ لو اور جو ادھار پر ہے اسے ترک کر دو۔“

فوائد ومسائل: ① بیع صرف سے مراد کرنسی کا تبادلہ ہے۔ یہ کاروبار نقد بنقد ہونا چاہیے کیونکہ ادھار کی شکل میں کمی بیشی کا خطرہ ہے۔ چونکہ سونے چاندی کے بھاؤ میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے، اس لیے کرنسی کا کاروبار دست بدست ہونا چاہیے، ادھار پر کاروبار جائز نہیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے سونے چاندی اور دیگر اشیائے تبادلہ میں شراکت جائز ہے جبکہ ہر شریک کی طرف سے سونا یا چاندی ہو لیکن شرط یہ ہے کہ دونوں کا مال آپس میں اکٹھا کر لیا جائے حتی کہ ان میں امتیاز ختم ہو جائے۔ اگر ایک طرف سے سونا اور دوسری طرف سے چاندی ہو تو اس میں شراکت کے متعلق اختلاف ہے۔ اکثر علماء اسے ناجائز کہتے ہیں لیکن امام نووی رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ اگر ایک شریک کے درہم اور دوسرے کے دینار ہوں اور وہ انھیں ملا کر کرنسی کا کاروبار کریں تو ایسا کرنا جائز ہے۔ امام بخاری نے عنوان میں کوئی پابندی ذکر نہیں کی۔ ان کا رجحان امام نووی والا معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔[1]

1 فتح الباري: 166/5.

(١١) بَابُ مُشَارَكَةِ الذِّمِّيِّ وَالْمُشْرِكِينَ فِي الْمُزَارَعَةِ

باب: 11- ذمی اور مشرک کا زراعت میں شریک ہونا

وضاحت: اس کا مطلب ہے کہ ایک مسلمان آدمی ذمی یا مشرک کے ساتھ پیشۂ زراعت میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں، اس میں ذمی اور مشرک کا باہم شریک ہونا مراد نہیں۔[1]

٢٤٩٩ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَعْطَى رَسُولُ اللهِ ﷺ خَيْبَرَ الْيَهُودَ أَنْ يَعْمَلُوهَا وَيَزْرَعُوهَا وَلَهُم شَطْرُ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا. [راجع: ٢٢٨٥]

[2499] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے خیبر کا علاقہ یہودیوں کو اس شرط پر کاشت کے لیے دیا کہ وہ اس میں محنت اور کھیتی باڑی کریں اور ان کے لیے اس زمین کی پیداوار کا نصف ہوگا۔

فوائد و مسائل: ① مشرکین سے مراد وہ کافر ہیں جو دارالاسلام میں امن لے کر رہتے ہوں اور حربی نہ ہوں کیونکہ مشرک حربی اور مسلمان کے درمیان شراکت نہیں ہو سکتی، حدیث میں ذمی کا ذکر ہے جبکہ عنوان میں مشرک کا بیان ہوا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایسے مشرک کو ذمی پر قیاس کیا ہے۔ مسلمان اور ذمی کے درمیان شراکت ہو سکتی ہے کیونکہ شراکت اجارے کی ایک قسم ہے اور ذمی کو اجرت پر رکھنا جائز ہے۔ مزارعت میں شراکت بالاتفاق جائز ہے، البتہ اس کے علاوہ دیگر کاروبار میں امام مالک رحمہ اللہ ذمی کی شراکت ناجائز خیال کرتے ہیں کیونکہ ذمی کبھی شراب کی تجارت کر لیتا ہے اور کبھی سودی کاروبار کرنے لگتا ہے اور اس قسم کی تجارت ایک مسلمان کے لیے جائز نہیں، البتہ اگر وہ مسلمان کی نگرانی میں کاروبار کرے تو بالاتفاق جائز ہے کیونکہ اس میں ناجائز کاروبار کا خطرہ نہیں ہے۔[2] ② ہمارے رجحان کے مطابق ایک مسلمان کسی بھی غیر مسلم سے معاہدۂ تجارت کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ تجارت شرعی ہو، اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ جن کافروں سے جنگ کا سلسلہ جاری ہے، ان سے شراکت کا معاملہ کرنا درست نہیں۔ واللہ أعلم.

(١٢) بَابُ قِسْمَةِ الْغَنَمِ وَالْعَدْلِ فِيهَا

باب: 12- بکریوں کی تقسیم اور ان میں طریقۂ عدل کی وضاحت

٢٥٠٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ

[2500] حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں بکریاں دیں تاکہ وہ قربانی کے طور

1 فتح الباري: 167/5. 2 فتح الباري: 167/5.

عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَعْطَاهُ غَنَمًا يَقْسِمُهَا عَلَى صَحَابَتِهِ ضَحَايَا فَبَقِيَ عَتُودٌ فَذَكَرَهُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «ضَحِّ بِهِ أَنْتَ». [راجع: ٢٣٠٠]

پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دیں۔ تقسیم کرتے کرتے صرف بکری کا ایک سالہ بچہ باقی رہ گیا جس کا انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ”صرف تمھیں اس کو بطور قربانی ذبح کرنے کی اجازت ہے۔“

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ بکریوں کی تقسیم جائز ہے اور ان میں عدل کا طریقہ یہ ہے کہ ان میں چھوٹی بڑی کو الگ الگ نہ کیا جائے۔ بکریاں کچھ بڑی ہوتی ہیں، کچھ چھوٹی، اسی طرح کچھ موٹی تازی اور طاقتور ہوتی ہیں اور کچھ دبلی پتلی اور کمزور، یہ تمیز کیے بغیر انھیں تقسیم کیا جائے۔ ان میں عدد کا اعتبار ہوگا قیمت کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا بشرطیکہ فرق زیادہ نہ ہو جیسا کہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے تھوڑے سے فرق کا اعتبار نہیں کیا، البتہ زیادہ فرق کا اعتبار ہوگا کیونکہ تقسیم کرتے وقت ان کے لیے صرف بکری کا ایک بچہ رہ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ صرف ان کو یہ بچہ بطور قربانی ذبح کرنے کی اجازت دی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بکریوں میں زیادہ فرق ہو تو تقسیم کے وقت اس کا اعتبار کرنا ہوگا، البتہ چھوٹی بڑی بکری کے فرق سے چشم پوشی کرنا ہوگی۔ ② واضح رہے کہ حقوق واجبہ اور قانونی تقسیم میں مساوات کا خیال رکھنا ہوگا، وہاں وزن یا قیمت سے تقسیم ہو گی کیونکہ ایسے حقوق میں کمی بیشی نہیں کی جا سکتی اور نہ کسی پر ظلم اور غبن ہی ہو سکتا ہے۔ واللہ أعلم.

(١٣) بَابُ الشَّرِكَةِ فِي الطَّعَامِ وَغَيْرِهِ

باب:13- غلے وغیرہ میں شراکت

وَيُذْكَرُ أَنَّ رَجُلًا سَاوَمَ شَيْئًا فَغَمَزَهُ آخَرُ فَرَأَى عُمَرُ أَنَّ لَهُ شَرِكَةً.

منقول ہے کہ ایک شخص نے کوئی چیز خریدنے کے لیے کچھ مول بھاؤ کیا تو دوسرے شخص نے اسے آنکھ سے اشارہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس اشارے سے سمجھ لیا کہ اس میں اس کی شراکت ہے۔

وضاحت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر کو امام سعید بن منصور نے اپنی جامع میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1]

٢٥٠١، ٢٥٠٢ - حَدَّثَنَا أَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدٌ عَنْ زُهْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ، عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللهِ بْنِ هِشَامٍ وَكَانَ قَدْ أَدْرَكَ النَّبِيَّ ﷺ وَذَهَبَتْ بِهِ أُمُّهُ زَيْنَبُ بِنْتُ حُمَيْدٍ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ:

[2502,2501] حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے ملاقات کی تھی۔ ان کی والدہ ماجدہ حضرت زینب بنت حمید رضی اللہ عنہا انھیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئیں اور عرض کیا: اللہ کے رسول! اس سے بیعت لیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ابھی یہ چھوٹا ہے۔“ البتہ

1 فتح الباري: 168/5.

يَا رَسُولَ اللهِ! بَايِعْهُ، فَقَالَ: «هُوَ صَغِيرٌ»، فَمَسَحَ رَأْسَهُ وَدَعَا لَهُ. وَعَنْ زُهْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ أَنَّهُ كَانَ يَخْرُجُ بِهِ جَدُّهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ هِشَامٍ إِلَى السُّوقِ فَيَشْتَرِي الطَّعَامَ فَيَلْقَاهُ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ الزُّبَيْرِ فَيَقُولَانِ لَهُ: أَشْرِكْنَا، فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَدْ دَعَا لَكَ بِالْبَرَكَةِ فَيَشْرَكُهُمْ، فَرُبَّمَا أَصَابَ الرَّاحِلَةَ كَمَا هِيَ فَيَبْعَثُ بِهَا إِلَى الْمَنْزِلِ.

[الحديث: ٢٥٠١، انظر: ٧٢١٠]؛ [الحديث: ٢٥٠٢، انظر: ٦٣٥٣]

آپ نے ان کے سر پر دست شفقت پھیرا اور ان کے لیے دعا فرمائی۔ زہرہ بن معبد کہتے ہیں کہ ان کے دادا حضرت عبداللہ بن ہشام انھیں لے کر بازار جاتے اور غلہ خریدا کرتے تھے۔ حضرت ابن عمر ؓ اور حضرت ابن زبیر ؓ ان سے ملاقات کرتے تو کہتے کہ ہمیں بھی اس سودے میں شریک کر لو کیونکہ نبی ﷺ نے آپ کے لیے برکت کی دعا کی ہے۔ وہ ان کو شریک کر لیتے۔ اکثر اوقات پورا پورا اونٹ حصے میں آتا جو غلے سے لدا ہوتا جس کو وہ اپنے گھر بھیج دیتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① مالکی حضرات کا موقف ہے کہ غلے اور اناج میں شراکت نہیں ہو سکتی۔ امام بخاری ؒ نے ان کی تردید میں مذکورہ عنوان قائم کیا ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مملوکہ چیز میں شراکت ہو سکتی ہے۔ شراکت کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ نصف پر ہو بلکہ یہ شرکاء کی رضامندی پر موقوف ہے، نصف پر، ایک تہائی بلکہ ایک چوتھائی پر بھی ہو سکتی ہے۔ ② عنوان سے حدیث کی مطابقت اس طرح ہے کہ حضرت ابن عمر ؓ اور ابن زبیر ؓ حضرت ابن ہشام ؓ سے درخواست کرتے کہ ہمیں بھی اپنے خرید کردہ غلے میں شریک کر لو تو وہ ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے انھیں غلے میں شریک کر لیتے۔ کسی سے ان کی مخالفت منقول نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

(١٤) بَابُ الشَّرِكَةِ فِي الرَّقِيقِ

باب: 14- غلام میں شراکت

٢٥٠٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي مَمْلُوكٍ وَجَبَ عَلَيْهِ أَنْ يُعْتِقَ كُلَّهُ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ قَدْرَ ثَمَنِهِ يُقَامُ قِيمَةَ عَدْلٍ، وَيُعْطَى شُرَكَاؤُهُ حِصَّتَهُمْ وَيُخَلَّى سَبِيلُ الْمُعْتَقِ». [راجع: ٢٤٩١]

[2503] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جس شخص نے کسی غلام میں اپنا حصہ آزاد کر دیا تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ کل آزاد کرائے۔ اگر اس کے پاس کسی عادل کے اندازے کے مطابق قیمت موجود ہے تو اس میں شرکاء کو ان کے حصوں کے مطابق قیمت دے دی جائے اور آزاد کردہ غلام کا راستہ چھوڑ دیا جائے۔“

٢٥٠٤ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ

[2504] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جس نے کسی

بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَعْتَقَ شِقْصًا فِي عَبْدٍ أُعْتِقَ كُلُّهُ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ وَإِلَّا يُسْتَسْعَ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ». [راجع: ٢٤٩٢]

غلام میں اپنا حصہ آزاد کر دیا تو وہ کُل کا کُل آزاد ہو جائے گا بشرطیکہ آزاد کرنے والے کے پاس اور مال ہو، بصورت دیگر غلام سے کہا جائے گا کہ تم محنت کرو لیکن اس سلسلے میں اسے مشقت میں نہ ڈالا جائے۔"

فائدہ: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ غلام میں شراکت ہو سکتی ہے کیونکہ اپنے حصے کے مطابق غلام آزاد کرنا صحت ملک پر مبنی ہے، اگر اس کا مالک نہ ہو تو آزاد نہیں کر سکتا۔ اپنے حصے کو آزاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اور بھی شرکاء ہوں گے۔ دیگر مسائل عتق آئندہ بیان ہوں گے۔

(١٥) بَابُ الْاِشْتِرَاكِ فِي الْهَدْيِ وَالْبُدْنِ، وَإِذَا أَشْرَكَ الرَّجُلُ رَجُلًا فِي هَدْيِهِ بَعْدَ مَا أَهْدَى

باب: 15- قربانی کی بکریوں اور قربانی کے اونٹوں میں شراکت کرنا اور جب کوئی آدمی اپنے ہدی کے جانور طے کر دے اور اس کے بعد کسی کو ان میں شریک کرے تو شرعاً کیا حکم ہے؟

٢٥٠٥، ٢٥٠٦ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ وَعَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَا: قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ [وَأَصْحَابُهُ] صُبْحَ رَابِعَةٍ مِنْ ذِي الْحَجَّةِ مُهِلِّينَ بِالْحَجِّ لَا يَخْلِطُهُمْ شَيْءٌ، فَلَمَّا قَدِمْنَا أَمَرَنَا فَجَعَلْنَاهَا عُمْرَةً وَأَنْ نَحِلَّ إِلَى نِسَائِنَا، فَفَشَتْ فِي ذٰلِكَ الْقَالَةُ - قَالَ عَطَاءٌ فَقَالَ جَابِرٌ -: فَيَرُوحُ أَحَدُنَا إِلَى مِنًى وَذَكَرُهُ يَقْطُرُ مَنِيًّا، - فَقَالَ جَابِرٌ بِكَفِّهِ - فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَامَ خَطِيبًا فَقَالَ: «بَلَغَنِي أَنَّ أَقْوَامًا يَقُولُونَ كَذَا وَكَذَا، وَاللهِ لَأَنَا أَبَرُّ وَأَتْقَى لِلّٰهِ مِنْهُمْ، وَلَوْ أَنِّي اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ، مَا أَهْدَيْتُ

[2506,2505] حضرت جابر اور حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ ذوالحجہ کی چار تاریخ کو مکہ مکرمہ تشریف لائے جبکہ لوگوں نے حج کا احرام باندھ رکھا تھا۔ ان کی اس کے ساتھ کوئی اور نیت نہ تھی۔ جب ہم مکہ پہنچے تو آپ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اسے عمرے کے احرام میں بدل لیں تو ہم نے اس کو عمرے کے احرام میں بدل ڈالا۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ (عمرہ کرنے کے بعد) ہم احرام کھول دیں اور اپنی بیویوں کے بارے میں پابندیوں سے آزاد ہو جائیں۔ اس پر لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ عطاء کہتے ہیں کہ حضرت جابر ؓ نے کہا: ہم میں سے کوئی منیٰ اس حالت میں جائے گا کہ اس کے عضو خاص سے منی ٹپک رہی ہوگی۔ (ہم نے بیویوں سے تازہ تازہ جماع کیا ہوگا۔) حضرت جابر ؓ نے اپنے

وَلَوْلَا أَنَّ مَعِيَ الْهَدْيَ لَأَحْلَلْتُ»، فَقَامَ سُرَاقَةُ ابْنُ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! هِيَ لَنَا أَوْ لِلْأَبَدِ؟ فَقَالَ: «لَا، بَلْ لِلْأَبَدِ». قَالَ: وَجَاءَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ: أَحَدُهُمَا يَقُولُ: لَبَّيْكَ بِمَا أَهَلَّ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ، وَقَالَ الْآخَرُ: لَبَّيْكَ بِحَجَّةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَأَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يُقِيمَ عَلَى إِحْرَامِهِ وَأَشْرَكَهُ فِي الْهَدْيِ. [راجع: ١٠٨٥، ١٥٥٧]

ہاتھ سے اشارہ بھی کیا۔ جب یہ بات نبی ﷺ کو پہنچی تو آپ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا: ”مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ لوگ اس اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں سب سے زیادہ نیک اور سب سے زیادہ اپنے دل میں اللہ کا ڈر رکھتا ہوں۔ اگر پہلے سے مجھے اس بات کا علم ہوتا جو بعد میں معلوم ہوئی تو میں اپنے ساتھ قربانی کے جانور نہ لاتا۔ اگر میرے ساتھ قربانی کے جانور نہ ہوتے تو میں بھی احرام سے باہر ہو جاتا۔“ اس پر حضرت سراقہ بن مالک بن جعشم رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ (حج کے دنوں میں عمرہ) صرف ہمارے لیے (خاص) ہے یا ہمیشہ کے لیے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، بلکہ یہ ہمیشہ کے لیے ہے۔“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس دوران میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی آ پہنچے۔ دونوں راویوں میں سے ایک نے کہا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی نیت کے مطابق لبیک کہا۔ دوسرے راوی کے بیان کے مطابق انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے حج کے مطابق لبیک کہا، چنانچہ نبی ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ وہ اپنے احرام پر قائم رہیں اور آپ نے انھیں قربانی کے جانوروں میں شریک کر لیا۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حجۃ الوداع سے پہلے خمس لینے کے لیے یمن بھیجا تھا۔ انھوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کے احرام جیسا احرام باندھا تھا اور اپنے ہمراہ 37 اونٹ لائے جبکہ رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ سے 63 اونٹ لے کر روانہ ہوئے۔ اس طرح کل سو اونٹ قربانی کے ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں قربانی کے جانوروں میں شریک کر لیا۔ ② احناف کے نزدیک قربانی کے جانوروں میں شراکت جائز نہیں کیونکہ جب عبادت کی نیت سے ان کی تعیناتی ہو چکی ہے تو ان میں اشتراک جائز نہیں۔ احناف حدیث کا جواب دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہدی کے ثواب میں شریک فرمایا تھا۔ بہر حال حدیث اپنے مفہوم میں واضح ہے کہ تعین کے بعد بھی کسی کو قربانی میں شریک کیا جا سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

(١٦) بَابُ مَنْ عَدَلَ عَشَرَةً مِّنَ الْغَنَمِ بِجَزُورٍ فِي الْقَسْمِ

باب : 16-تقسیم کرتے وقت دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دینا

٢٥٠٧ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ، عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِذِي الْحُلَيْفَةِ مِنْ تِهَامَةَ فَأَصَبْنَا غَنَمًا وَّإِبِلًا فَعَجِلَ الْقَوْمُ فَأَغْلَوْا بِهَا الْقُدُورَ، فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَمَرَ بِهَا فَأُكْفِئَتْ، ثُمَّ عَدَلَ عَشَرَةً مِّنَ الْغَنَمِ بِجَزُورٍ، ثُمَّ إِنَّ بَعِيرًا مِّنْهَا نَدَّ وَلَيْسَ فِي الْقَوْمِ إِلَّا خَيْلٌ يَّسِيرَةٌ، فَرَمَاهُ رَجُلٌ فَحَبَسَهُ بِسَهْمٍ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ لِهٰذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ، فَمَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا فَاصْنَعُوا بِهِ هٰكَذَا» قَالَ: قَالَ جَدِّي: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّا نَرْجُو وَنَخَافُ أَنْ نَلْقَى الْعَدُوَّ غَدًا وَّلَيْسَ مَعَنَا مُدًى، أَفَنَذْبَحُ بِالْقَصَبِ؟ قَالَ: «اعْجَلْ أَوْ أَرْنِي. مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ فَكُلُوا، لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ، وَسَأُحَدِّثُكُمْ عَنْ ذٰلِكَ، أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ، وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ». [راجع: ٢٤٨٨]

[2507] حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تہامہ کے علاقے ذوالحلیفہ میں تھے۔ ہم نے بکریاں اور اونٹ غنیمت میں حاصل کیے۔ لوگوں نے جلدی کر کے ان کا گوشت ہانڈیوں پر چڑھا دیا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ہانڈیوں کو الٹ دینے کا حکم دیا تو انھیں الٹ دیا گیا۔ پھر آپ نے تقسیم میں ایک اونٹ کے برابر دس بکریاں رکھیں۔ ان میں سے ایک اونٹ بھاگ نکلا۔ لوگوں کے پاس گھوڑے بہت کم تھے تو ایک آدمی نے اسے تیر مارا اور روک دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ ان چوپایوں میں کوئی کوئی وحشی جانوروں کی طرح بھاگ نکلتے ہیں، تو جب تم ان پر قابو نہ پاسکو تو ایسا ہی کرو۔'' (راویٔ حدیث) عبایہ کہتے ہیں کہ میرے دادا رافع نے کہا: اللہ کے رسول! ہمیں اندیشہ ہے کہ کل ہمارا دشمن سے مقابلہ ہوگا اور ہمارے پاس چھریاں نہیں ہیں (جس سے جانور ذبح کریں) تو کیا بانس کی کھپچی سے ذبح کرلیں؟ آپ نے فرمایا: ''جلدی کرو، جو چیز خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اسے کھاؤ مگر دانت اور ناخن سے ذبح نہ کرو۔ میں اس کی تمھیں وجہ بتاتا ہوں کہ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن اہل حبشہ کی چھری ہے۔''

فائدہ: اس حدیث سے بعض حضرات نے یہ مسئلہ کشید کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دیا ہے۔ یہ تقسیم کے اعتبار سے ہے، قربانی کے اعتبار سے نہیں، کیونکہ اونٹ میں دس آدمیوں کی نہیں بلکہ سات آدمیوں کی شراکت ہوسکتی ہے۔ لیکن یہ موقف صحیح نہیں کیونکہ بلاشبہ ہدی کے اونٹ میں سات آدمی ہی شریک ہو سکتے ہیں جبکہ قربانی کے اونٹ میں دس افراد شریک ہو سکتے ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ

ایک سفر میں تھے تو قربانی کا وقت آ گیا، ہم اونٹ میں دس آدمی شریک ہوئے اور گائے میں سات۔[1] ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''گائے کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے کی جا سکتی ہے اور اونٹ بھی سات افراد کی طرف سے قربان کیا جا سکتا ہے۔''[2] ان روایات میں تطبیق یہ ہے کہ اونٹ میں دس آدمی بھی شریک ہو سکتے ہیں اور سات بھی۔ واللّٰہ أعلم.

---

① سنن ابن ماجه، الأضاحي، حديث: 3131. ② سنن أبي داود، الضحايا، حديث: 2808.

رہن کی تعریف اور اس کی اہمیت

لغوی طور پر رہن مصدر ہے، جس کے معنی گروی رکھنے، گروی ثابت ہونے، ہمیشہ رہنے، روکنے اور لازم ہونے کے ہیں۔ اصطلاح میں قرض کے بدلے کوئی مال بحیثیت دستاویز دینا گروی کہلاتا ہے۔ ارتہان گروی لینے، استرہان گروی طلب کرنے، راہن گروی رکھنے والے مقروض، مرتہن گروی لینے والے حق دار اور مرہون یا رہن گروی رکھی ہوئی چیز کو کہا جاتا ہے۔

رہن ایک طرح کا معاہدہ ہے، اس لیے ضروری ہے کہ راہن اور مرتہن دونوں راضی خوشی یہ معاملہ کریں، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ راہن نے جو چیز مرتہن کو بطور رہن دی ہے اس پر قبضہ بھی دے، مثلاً: اگر اس نے کوئی کھیتی رہن میں رکھی ہے مگر اس پر کسی دوسرے کا قبضہ ہے تو اس صورت میں رہن کا معاملہ نہیں ہو گا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ مرہون اس قابل ہو کہ اسے فروخت کر کے قیمت وصول کی جا سکتی ہو، یعنی شریعت اسے قابلِ استعمال مال تسلیم کرتی ہو، چنانچہ اگر کسی نے تالاب کی مچھلی یا اڑتا ہوا پرندہ یا پھل آنے سے پہلے باغ کا پھل گروی رکھا تو ایسی چیزوں سے گروی رکھنے کا معاملہ صحیح نہیں ہو گا۔

دراصل اعتماد کی فضا سازگار رہنے یا رکھنے کے لیے کسی چیز کو گروی رکھا جاتا ہے، مثلاً: ایک آدمی سفر میں ہے اور اسے رقم کی ضرورت ہے یا اپنے وطن میں ہے لیکن اسے کوئی جانتا نہیں یا اعتماد نہ ہونے کی وجہ سے اسے کوئی قرض نہیں دیتا تو شریعت نے قرض لینے کی یہ صورت نکالی ہے کہ وہ اپنی کوئی چیز کسی کے پاس گروی رکھ کر اس سے قرض لے لے۔ اس طرح قرض دینے والے کو بھی اطمینان ہو جائے گا کہ اس کی رقم ماری نہیں جائے گی اور قرض لینے والے کی بھی ضرورت پوری ہو جائے گی۔ کسی شخص کو گروی کے ذریعے سے قرض دینے پر مجبور تو نہیں کیا جا سکتا، البتہ شریعت نے ہر خوش حال سے یہ امید رکھی ہے کہ وہ ایسے موقع پر اپنے ضرورت مند بھائی کی مدد کرے۔ اگر ضمانت کے بغیر مدد نہیں کرتا تو آسان صورت یہ ہے کہ ضرورت مند کی کوئی چیز گروی رکھ لے اور اس کی مدد کرے۔

زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جب راہن مقررہ مدت تک قرض کی ادائیگی نہ کرتا تو مرتہن مرہونہ چیز کا مالک بن جاتا لیکن شریعت نے اسے باطل قرار دیا ہے بلکہ گروی رکھی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھانے کی بھی محدود پیمانے پر اجازت دی ہے۔ اگر گروی شدہ چیز خرچے وغیرہ کی محتاج نہیں تو راہن کی اجازت کے بغیر اس سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں کیونکہ

مرہونہ چیز راہن کی ملکیت ہے اور اس کا منافع بھی اسی کا ہوگا اِلاّ یہ کہ وہ اجازت دے دے۔ اور اگر گروی رکھی جانے والی چیز خرچے وغیرہ کی محتاج ہے، مثلاً: کوئی جانور ہے تو خرچ کے مطابق مرتہن اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ شریعت نے فائدہ اٹھانے کو خرچے کے ساتھ معلق کیا ہے جیسا کہ آئندہ اس کی وضاحت ہوگی۔ واضح رہے کہ مرہونہ چیز مرتہن کے پاس امانت ہوتی ہے، اگر وہ اس کی زیادتی، کوتاہی یا خیانت کے بغیر ضائع ہو جائے تو وہ اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا، بصورت دیگر وہ ضامن قرار پائے گا۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

48 - كِتَابٌ فِي الرَّهْنِ فِي الْحَضَرِ

حضر میں گروی رکھنے سے متعلق احکام و مسائل

(۱) [بَابٌ: فِي الرَّهْنِ فِي الْحَضَرِ]

وَقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿وَإِن كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ﴾ [البقرة: ٢٨٣]

(باب: 1- حضر میں رہن کا معاملہ کرنا)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی کاتب نہ ملے تو کوئی چیز رہن کے طور پر قبضہ میں دے دی جائے (اور قرض لے لیا جائے)۔''

وضاحت: امام بخاری ؒ نے عنوان میں ''حضر'' کا ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قرآن کریم میں سفر کا ذکر اتفاقی ہے کیونکہ دوران سفر میں عام طور پر کاتب نہیں ملتا۔ دراصل رہن قرضے کے حصول کی توثیق ہوتی ہے، اس کی سفر میں کوئی خصوصیت نہیں، لہٰذا سفر و حضر میں رہن کے ذریعے سے قرض لیا جا سکتا ہے۔ تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے، البتہ اہل ظاہر، امام مجاہد اور امام ضحاک اس کے خلاف ہیں۔ ان کے نزدیک دوران سفر میں اگر کاتب نہ ملے تو رہن کے ذریعے سے قرض لیا جا سکتا ہے، حضر میں ایسا کرنا جائز نہیں۔ امام بخاری ؒ نے آئندہ حدیث ذکر کر کے ان حضرات کی تردید کی ہے۔[1]

٢٥٠٨ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: وَلَقَدْ رَهَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ دِرْعَهُ بِشَعِيرٍ وَمَشَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِخُبْزِ شَعِيرٍ وَإِهَالَةٍ سَنِخَةٍ، وَلَقَدْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ: «مَا أَصْبَحَ لِآلِ

[2508] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کے عوض اپنی زرہ گروی رکھی۔ اور میں نبی ﷺ کی خدمت میں جو کی روٹی اور باسی چربی لے کر حاضر ہوا تھا اور میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''محمد ﷺ کے گھر والوں پر کوئی صبح یا شام ایسی نہیں گزری

1 فتح الباري: 174/5.

مُحَمَّدٍ ﷺ إِلَّا صَاعٌ وَّلَا أَمْسٰى»، وَإِنَّهُمْ لَتِسْعَةُ أَبْيَاتٍ . [راجع: ٢٠٦٩]

کہ ان کے پاس ایک صاع سے زیادہ رہا ہو۔" حالانکہ آپ کے نو گھر ہوتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① اگرچہ اس حدیث میں حضر میں رہن رکھنے کا ذکر نہیں، تاہم امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بعض طرق کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں ایک زرہ ایک یہودی کے پاس گروی رکھی تھی اور اس سے اپنے اہل خانہ کے لیے جو لیے تھے۔[1] یہودی کا نام ابوشحم اور وہ بنوظفر سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ذات الفضول نامی زرہ گروی رکھی اور اس سے تیس صاع جو ادھار لیے۔ مسند امام احمد میں ہے کہ آپ کی وفات تک وہ زرہ گروی رہی۔[2] حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرض دے کر وہ زرہ واپس لی۔[3] ② رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کے بجائے ایک یہودی سے ادھار کا معاملہ کیا۔ اس کی کئی ایک وجوہات علماء نے بیان کی ہیں: ایک یہ ہے کہ ان دنوں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس فالتو غلہ نہ تھا، اس لیے مجبوراً ایک یہودی سے یہ معاملہ کرنا پڑا۔ دوسری یہ کہ آپ اس بات کا بخوبی علم رکھتے تھے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تکلف کریں گے اور آپ کو بلا معاوضہ غلہ دیں گے، خواہ مخواہ انھیں تنگ ہونا پڑے گا۔ اس بنا پر خاموشی سے یہ معاملہ کر لیا۔[4] واللہ أعلم.

(٢) بَابُ مَنْ رَهَنَ دِرْعَهُ

باب:2- جس نے اپنی زرہ گروی رکھی

٢٥٠٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: تَذَاكَرْنَا عِنْدَ إِبْرَاهِيمَ الرَّهْنَ وَالْقَبِيلَ فِي السَّلَفِ، فَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: حَدَّثَنَا الْأَسْوَدُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اشْتَرٰى مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا إِلٰى أَجَلٍ وَّرَهَنَهُ دِرْعَهُ . [راجع: ٢٠٦٨]

[2509] حضرت اعمش سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم ابراہیم نخعی کے پاس بیع سلم میں گروی رکھنے اور ضمانت لینے کے متعلق گفتگو کر رہے تھے تو انھوں نے حضرت اسود کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی سے ایک معین مدت کی ادائیگی تک اناج خریدا اور اس کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی۔

فائدہ: حضرت ابراہیم نخعی نے حدیث سے یہ استدلال کیا کہ جب قیمت کی ادائیگی کے لیے کوئی چیز گروی رکھنا جائز ہے تو قیمت والی چیز میں بھی جائز ہے۔ قیمت والی چیز سے مراد بیع سلم میں وہ جنس ہے جسے بعد میں ادا کیا جاتا ہے۔ اس عنوان کی اہمیت بایں طور ہے کہ زرہ اگرچہ ایک دفاعی اسلحہ ہے لیکن بوقت ضرورت اسے بھی گروی رکھا جا سکتا ہے۔ واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوشحم نامی یہودی سے ایک دینار کے عوض بیس صاع جو خریدے تھے اور ایک سال تک اس کی ادائیگی طے ہوئی تھی لیکن مدت سے پہلے ہی آپ وفات پا گئے۔ آپ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قیمت ادا کر کے گروی شدہ زرہ واپس لی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ

① صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2069. ② مسند أحمد: 238/3. ③ فتح الباري: 174/5. ④ فتح الباري: 175/5.

کے حوالے کر دی۔[1]

(٣) بَابُ رَهْنِ السِّلَاحِ

٢٥١٠ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: قَالَ عَمْرٌو: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ؟ فَإِنَّهُ آذَى اللهَ وَرَسُولَهُ ﷺ». فَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ: أَنَا، فَأَتَاهُ فَقَالَ: أَرَدْنَا أَنْ تُسْلِفَنَا وَسْقًا أَوْ وَسْقَيْنِ، فَقَالَ: ارْهَنُونِي نِسَاءَكُمْ، قَالُوا: كَيْفَ نَرْهَنُكَ نِسَاءَنَا وَأَنْتَ أَجْمَلُ الْعَرَبِ؟ قَالَ: فَارْهَنُونِي أَبْنَاءَكُمْ، قَالُوا: كَيْفَ نَرْهَنُكَ أَبْنَاءَنَا فَيُسَبُّ أَحَدُهُمْ فَيُقَالُ: رُهِنَ بِوَسْقٍ أَوْ وَسْقَيْنِ؟ هٰذَا عَارٌ عَلَيْنَا، وَلٰكِنَّا نَرْهَنُكَ اللَّأْمَةَ - قَالَ سُفْيَانُ: يَعْنِي السِّلَاحَ - فَوَعَدَهُ أَنْ يَأْتِيَهُ فَقَتَلُوهُ ثُمَّ أَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ فَأَخْبَرُوهُ. [انظر: ٣٠٣١، ٣٠٣٢، ٤٠٣٧]

باب:3- اسلحہ گروی رکھنا

[2510] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کعب بن اشرف کو قتل کرنے کے لیے کون اٹھتا ہے؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت پہنچائی ہے۔'' حضرت محمد بن مسلمہ ؓ نے کہا: اسے میں قتل کروں گا، چنانچہ وہ اس کے پاس گئے اور کہا کہ ہم ایک یا دو وسق غلہ قرض لینا چاہتے ہیں۔ کعب بن اشرف نے کہا: تم اپنی بیویاں میرے پاس گروی رکھ دو۔ انھوں نے جواب دیا: ہم اپنی بیویاں تیرے پاس گروی کس طرح رکھ سکتے ہیں جبکہ تو عرب میں سب سے زیادہ خوبصورت ہے؟ اس نے کہا: اپنے بیٹوں کو رہن رکھ دو۔ انھوں نے کہا: ہم اپنے بیٹے کس طرح گروی رکھ سکتے ہیں کیونکہ ایسا کرنے سے لوگ انھیں طعنہ دیں گے کہ انھیں ایک یا دو وسق اناج کے بدلے گروی رکھا گیا تھا؟ اور یہ ہمارے لیے باعث شرمندگی ہے، البتہ ہم تیرے پاس ہتھیار گروی رکھ دیتے ہیں، چنانچہ اس سے یہ وعدہ کر لیا کہ وہ اس کے پاس ہتھیار لے کر آئیں گے۔ اس کے بعد انھوں نے اسے قتل کر دیا، پھر وہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو اس کے قتل کی خبر دی۔

فوائد و مسائل: ① کعب بن اشرف ایک یہودی سردار تھا۔ جنگ بدر میں جب قریش کے بڑے بڑے طاغوت مارے گئے تو اس نے اہل مکہ کو اسلام اور اہل اسلام کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ اپنے اشعار میں مسلمان عورتوں کا مذاق اڑاتا اور رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ ② شارح بخاری ابن منیر کہتے ہیں کہ امام بخاری ؒ نے ''زرہ گروی رکھنے'' کے بعد مذکورہ عنوان اس لیے قائم کیا ہے کہ زرہ ایک دفاعی ہتھیار ہے، جارحانہ نہیں۔ امام

[1] فتح الباري: 176/5.

بخاری ؒ کا مقصد ہے کہ جارحانہ ہتھیار بھی گروی رکھا جا سکتا ہے۔ اس استدلال پر اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ روایت میں ہتھیار گروی رکھنے کی بات بطور چال تھی، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، لیکن چال ہونے کے باوجود کعب بن اشرف کو یہ باور کرایا گیا کہ تیرے ساتھ جو معاملہ کر رہے ہیں یہ ہمارے ہاں جائز اور مباح ہے، اس پر معاملہ ہوا۔ امام بخاری ؒ نے اس سے استدلال کر لیا۔[1] ③ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں گستاخی کرنے والے کی سزا قتل ہے اگرچہ وہ ذمی ہی کیوں نہ ہو، لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایسے شخص کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ اس مقام پر علامہ عینی ؒ نے بڑی جرأت اور ہمت سے کہا ہے: میں بھی اس بات کا قائل ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے والا مطلق طور پر واجب القتل ہے، خواہ کوئی بھی ہو۔[2] علمائے حق کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ حق کی پیروی کرتے ہیں، خواہ وہ حق ان کے اپنے کسی محبوب کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت اور آپ کی اتباع کا یہی تقاضا ہے۔

(٤) بَابٌ: اَلرَّهْنُ مَرْكُوبٌ وَمَحْلُوبٌ

باب: 4- گروی شدہ جانور پر سواری کرنا اور اس کا دودھ پینا

وَقَالَ مُغِيرَةُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ: تُرْكَبُ الضَّالَّةُ بِقَدْرِ عَلَفِهَا، وَتُحْلَبُ بِقَدْرِ عَلَفِهَا، وَالرَّهْنُ مِثْلُهُ.

مغیرہ نے حضرت ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے کہ بھولے بھٹکے جانور کو چارہ کھلانے کے بقدر اس پر سواری کی جا سکتی ہے اور اس کا دودھ بھی دوہا جا سکتا ہے، یہی حکم گروی شدہ جانور کا ہے۔

وضاحت: ابراہیم نخعی کے اس اثر کو امام سعید بن منصور نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔ اور گروی رکھے گئے جانور پر سواری کرنے اور دودھ پینے کے متعلق ان سے مروی ایک اثر ہے جسے حماد بن سلمہ نے اپنی جامع میں بیان کیا ہے۔ اس کے الفاظ بہت واضح ہیں: ''اگر کسی کے پاس گروی شدہ بکری ہے تو چارے کی قیمت کے مطابق اس کا دودھ پینے میں کوئی حرج نہیں، قیمت سے زیادہ دودھ حاصل کرنا سود ہے۔''[3] اس اثر سے امام بخاری ؒ کے رجحان کا پتہ چلتا ہے کہ وہ مرہونہ چیز سے فائدہ لینے کے قائل نہیں ہیں، ہاں اس پر جتنا خرچ ہو، اس کے مطابق فائدہ لیا جا سکتا ہے۔ اس سے زائد فائدہ حاصل کرنا کسی صورت میں جائز نہیں۔

٢٥١١ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا عَنْ عَامِرٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: «اَلرَّهْنُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهِ،

[2511] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''گروی شدہ جانور پر بقدر خرچ سواری کی جا سکتی ہے۔ اور دودھ دینے

1 فتح الباري: 177/5. 2 عمدة القاري: 30/5. 3 فتح الباري: 187/5.

وَيُشْرَبُ لَبَنُ الدَّرِّ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا». [انظر: ٢٥١٢] والے جانور کا دودھ بھی پیا جا سکتا ہے جبکہ وہ گروی شدہ ہو۔"

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ کا قائم کردہ عنوان دراصل ایک حدیث کے الفاظ ہیں جسے امام حاکم ؒ نے اپنی مستدرک میں بیان کیا ہے۔[1] البتہ امام ترمذی نے اس حدیث کو موقوف قرار دیا ہے۔[2] ② قرض دینے کے بعد اس کی واپسی یقینی بنانے کے لیے مقروض کی کوئی چیز اپنے پاس رکھنا گروی کہلاتا ہے۔ گروی شدہ چیز سے فائدہ اٹھانے کے متعلق علماء کی مختلف آراء ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ مطلق طور پر گروی شدہ چیز سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ یہ جائز اور مباح ہے۔ ○ گروی چیز کی بنیاد قرض ہے اور جس نفع کی بنیاد قرض ہو وہ سود ہوتا ہے، لہٰذا گروی شدہ چیز سے فائدہ اٹھانا سود کی ایک قسم ہے اور ایسا کرنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔ ○ حقیقت کے اعتبار سے گروی شدہ چیز چونکہ اصل مالک کی ہے، اس لیے اس کی حفاظت و نگہداشت بھی اس کی ذمہ داری ہے۔ اگر ایسا کرنا ناممکن یا دشوار ہو یا وہ خود اس ذمہ داری سے دستبردار ہو جائے تو جس کے پاس گروی رکھی ہے وہ بقدر حفاظت اس سے فائدہ اٹھانے کا مجاز ہے۔ ہمارے نزدیک یہ آخری مؤقف زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے، البتہ اس میں کچھ تفصیل ہے کہ اگر گروی شدہ چیز دودھ دینے والا یا سواری کے قابل کوئی جانور ہے تو اس کی حفاظت و نگرانی پر آنے والے اخراجات کے بقدر اس سے فائدہ بھی لیا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں اصل مالک کے ذمے اس کی حفاظت کا بوجھ ڈالنا فریقین کے لیے باعث تکلیف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سواری کا جانور اگر گروی ہے تو اس پر اٹھنے والے اخراجات کی وجہ سے سواری کی جا سکتی ہے اور اگر دودھ دینے والا جانور ہے تو اخراجات کی وجہ سے اس کا دودھ پیا جا سکتا ہے اور جو سواری کرتا ہے یا دودھ پیتا ہے اس کے ذمے اس جانور کی حفاظت و نگہداشت کے اخراجات ہیں۔"[3] واضح رہے کہ سواری کرنے یا دودھ پینے کی منفعت اس پر ہونے والے اخراجات کی وجہ سے ہے اور اس سے مراد اصل مالک نہیں بلکہ وہ آدمی ہے جس کے پاس گروی رکھی گئی ہے، کیونکہ بعض روایات میں اس کی صراحت موجود ہے،[4] نیز اخراجات برداشت کرنے کے بدلے وہی شخص فائدہ لے سکتا ہے جس کے پاس گروی رکھی گئی ہے کیونکہ اصل مالک کا نفع حاصل کرنا تو اخراجات برداشت کرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے مالک ہونے کی بنا پر ہوتا ہے۔ مزید برآں یہ فائدہ بھی اپنے استعمال کی حد تک ہے، اس دودھ کو بیچنا یا سواری کے جانور کو کرائے پر دینا درست نہیں۔ بعض حضرات اس حد تک احتیاط کی تلقین کرتے ہیں کہ اخراجات سے زائد فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے، چنانچہ ابراہیم نخعی کہتے ہیں: "اگر سواری کا جانور گروی رکھا گیا ہے تو اس پر اخراجات کے بقدر سواری کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح دودھ کے جانور سے چارے کے بقدر دودھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔" ایک روایت میں ہے: "چارے کی قیمت سے زائد دودھ حاصل کرنا سود ہے۔"[5] لیکن اس قدر باریک حساب کتاب محض تکلف ہے۔ اگر گروی شدہ چیز ایسی ہے کہ اس کی حفاظت و نگرانی پر کچھ خرچ نہیں ہوتا، مثلاً: زیورات یا قیمتی دستاویزات وغیرہ تو ایسی چیز سے فائدہ اٹھانا درست نہیں کیونکہ ایسا کرنا گویا اپنے قرض کے عوض فائدہ اٹھانا ہے جس میں سود کا واضح شائبہ ہے۔ اگر گروی شدہ چیز زمین کی صورت میں ہے تو اس

1 المستدرك للحاكم: 58/2. 2 جامع الترمذي، البيوع، حديث: 1254. 3 صحيح البخاري، الرهن، حديث: 2512.

4 سنن الدارقطني، البيوع، حديث: 2906. 5 فتح الباري: 178/5.

کے متعلق ہمارے برصغیر کے علماء میں اختلاف ہے۔مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ نے بخاری شریف کی مذکورہ حدیث پر قیاس کرتے ہوئے گروی شدہ زمین سے فائدہ اٹھانے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے جیسا کہ فتاویٰ ثنائیہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ (409/1)۔ فتاویٰ ثنائیہ ہی میں مولانا شرف الدین دہلوی رحمہ اللہ نے اس کا مفصل جواب دیا ہے کہ دعویٰ عام کے لیے دلیل بھی عام ہی درکار ہوتی ہے۔ پھر یہاں عام یا غیر مخصوص کو منصوص مخصوص پر قیاس کیا گیا ہے اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ جو حکم خلاف قیاس ہو وہ مورد نص پر منحصر رہتا ہے کیونکہ اصل اموال میں حرمت قطعی ہے، اس لیے جب تک صحیح دلیل سے حلت کی تصریح نہ ہو قیاس سے اس کی حلت ثابت نہ ہوگی، خصوصاً جو حکم خلاف قیاس ہو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔فتاویٰ ثنائیہ میں یہ بحث طویل اور لائق مطالعہ ہے۔ سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، مولانا عبدالوہاب، مولانا سید عبدالجبار بن عبداللہ غزنوی اور مولانا حافظ عبداللہ روپڑی رحمہم اللہ عدم جواز کے قائل ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حدیث بخاری پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو مرہونہ چیز سے فائدہ لینے کے قائل ہیں، جبکہ اس کی نگہداشت کی جائے اگرچہ اصل مالک اجازت نہ دے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ مرتہن کو اٹھنے والے اخراجات کے مقابلے میں صرف سواری کرنے اور دودھ لینے کا حق ہے، اس کے علاوہ اور کسی قسم کا فائدہ نہیں لیا جا سکتا جیسا کہ حدیث کے مفہوم سے متبادر ہے، البتہ جمہور اہل علم کا موقف ہے کہ جس کے پاس کوئی چیز گروی رکھی ہوئی ہے وہ اس چیز سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ مذکورہ حدیث کے متعلق ان کا یہ موقف ہے کہ اس میں فائدہ اٹھانے کا ذکر ہے اور ایسا کرنا خلاف قیاس ہے، لہٰذا مورد نص پر منحصر رہے گا، لہٰذا اس پر مزید قیاس کر کے فائدہ اٹھانے کا دروازہ کھولنا صحیح نہیں۔ خلاف قیاس اس لیے ہے کہ اس میں اصل مالک کی اجازت کے بغیر سواری کرنے اور دودھ لینے کی اجازت دی گئی ہے۔ حدیث میں ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر کسی جانور کا دودھ نہ حاصل کیا جائے۔[1] پھر اس میں فائدہ اٹھانے کا حق صرف اخراجات برداشت کرنے کی وجہ سے ہے، قرضے کے عوض فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دی گئی۔[2] اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ مع سوال درج کر دیا جائے۔

* سوال یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے زمین رہن رکھی تو مرتہن اس سے نفع اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟

* اس کا جواب ان الفاظ میں دیا گیا ہے کہ شئے مرہون سے اس پر اٹھنے والے اخراجات کی وجہ سے مرتہن نفع اٹھا سکتا ہے، یعنی جب سواری یا دودھ کا کوئی جانور مرہون ہو اور اس کے دانہ اور گھاس وغیرہ کا خرچہ مرتہن کے ذمے ہو تو مرتہن کے لیے جائز ہے کہ اپنے اخراجات کے بقدر جانور مرہون پر سواری کرے اور دودھ پیے اور اسے اپنے اخراجات سے زیادہ نفع اٹھانا جائز نہیں، مثلاً: گائے مرہون پر مرتہن کا روزانہ خرچہ دو روپے ہوتا ہے اور گائے روزانہ چار روپے کا دودھ دیتی ہو تو اسے صرف دو روپے کے بقدر دودھ پینا جائز ہے اور باقی دو روپے کا دودھ راہن کا ہے اور مرتہن کے لیے باقی دودھ پینا جائز نہیں۔ اگر اسے پیے گا تو سود میں داخل ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر سواری کا جانور رہن ہو تو اخراجات کے معاوضے میں اس پر سواری کی جائے گی اور دودھ والے جانور کا دودھ خرچے کے معاوضے میں پیا جائے گا اور جو سواری کرے گا اور دودھ پیے گا وہی خرچہ برداشت کرے گا۔''[3] نیز صحیح بخاری میں ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ گم شدہ جانور پر سواری بھی چارے کے عوض کی جائے گی اور دودھ والے

---

(1) صحيح البخاري، حديث: 2435. (2) فتح الباري: 178/5. (3) صحيح البخاري، الرهن، حديث: 2511.

جانور کا دودھ بھی چارے کے عوض پیا جائے گا اور رہن کا بھی یہی حکم ہے۔ فتح الباري میں اس کی مزید وضاحت ہے کہ اگر کوئی مرتہن کے پاس دودھ دینے والا جانور رہن رکھے تو مرتہن کو چارے کی قیمت کے برابر دودھ لینا جائز ہوگا اگر زیادہ لے گا تو سود ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ سواری اور دودھ کے جانور کے علاوہ دوسری کسی مرہون چیز کا نفع اٹھانا جائز نہیں کیونکہ اس کا ثبوت نہیں بلکہ اس کی ممانعت ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''گروی شدہ چیز کو راہن سے روکا نہیں جا سکتا۔ اس کے نفع اور نقصان کا مالک گروی رکھنے والا ہے۔'' اسے امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی مسند اور امام دارقطنی نے اپنی سنن میں بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند حسن متصل ہے۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نیل الاوطار میں لکھتے ہیں کہ شئے مرہون کا نفع ونقصان راہن کا ہے۔ اس میں جمہور کے مذہب کی دلیل ہے۔ امام شافعی، امام ابوحنیفہ، امام مالک اور جمہور علماء نے کہا ہے کہ مرتہن، گروی شدہ چیز سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ ہر قسم کا نفع ونقصان گروی رکھنے والے کا ہے، اس لیے کہ شریعت نے نفع ونقصان کا ذمہ دار گروی رکھنے والے کو ٹھہرایا ہے۔ جب احادیث سے یہ دونوں باتیں ثابت ہیں تو معلوم ہوا کہ زمین مرہونہ سے مرتہن نفع نہیں اٹھا سکتا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ زمین مرہونہ کا قیاس سواری کے جانور پر صحیح نہیں ہے۔[1] والله أعلم بالصواب. واضح رہے کہ فتویٰ میں مذکورہ حدیث: ''گروی شدہ چیز کو راہن سے روکا نہیں جا سکتا، اس کے نفع ونقصان کا مالک گروی رکھنے والا ہے۔'' کو امام حاکم نے بیان کیا ہے۔[2] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے آخری الفاظ مدرج ہیں جو حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے بطور تفسیر کہے ہیں، تاہم امام شافعی کی تحقیق ہے کہ آخری الفاظ بھی رسول اللہ ﷺ کے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی دوسرے کے پاس کوئی چیز گروی رکھی ہے تو اسے اس چیز سے فائدہ لینے کا پورا پورا حق ہے، گروی قبول کرنے والے کو اس میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔ اگر وہ قرض دار یا قرض خواہ سے ہلاک ہو جائے تو اس سے قرض خواہ کا حق ساقط نہیں ہوگا کیونکہ یہ نقصان مقروض کا ہوا ہے جس نے اپنی کوئی چیز قرض وصول کرنے والے کے پاس بطور گروی رکھی تھی، لیکن بعض دوسرے فقہاء اس حدیث کا مفہوم بایں الفاظ بیان کرتے ہیں کہ اگر وقت مقررہ تک مقروض اپنے ذمے سے قرض ادا نہ کر سکے تو مرتہن کو گروی شدہ چیز ضبط کرنے کا حق نہیں بلکہ اسے قرض کی ادائیگی کے لیے فروخت کیا جائے گا۔ اگر اس کی قیمت قرض کی رقم سے زیادہ ہے تو اس کا فائدہ گروی رکھنے والے کو ہوگا، یعنی زائد رقم مقروض کو واپس کر دی جائے گی۔ اور اگر اس کی قیمت قرض سے کم ہے تو مقروض کے ذمے ہے کہ وہ اس کی تلافی کرے۔ قرائن سے دوسرا مفہوم ہی درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ قرآن کریم کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ قرض کی ادائیگی تک گروی شدہ چیز پر قرض خواہ کا قبضہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اگرچہ حق ملکیت تو مقروض کا ہے، لیکن حق وثیقہ قرض خواہ کا تسلیم شدہ ہے، مقروض کو اپنی چیز سے انتفاع کا حق دینا اس کے قبضے کے منافی نہیں ہے جو قرآن کریم نے اسے دیا ہے، پھر یہ تفسیر ابراہیم نخعی، حضرت طاؤس، سفیان ثوری اور امام زہری سے منقول ہے۔

مولانا عبداللہ بن عبدالجبار غزنوی اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک زمین کا اصل مالک قرض لینے والا ہے۔ اس

---

[1] فتاوی نذیریہ: 259/5. [2] المستدرك للحاكم: 51/2.

لیے اس کا حق ہے کہ وہ اسے خود کاشت کر کے اس سے نفع حاصل کرے، البتہ قرض کی واپسی یقینی بنانے کے لیے اپنی زمین سے متعلق کاغذات رجسٹری اور دیگر دستاویزی ثبوت دائن اپنے پاس رکھے۔ اگر کسی وجہ سے ایسا ناممکن ہو تو جس کے پاس زمین گروی رکھی گئی ہے، وہ خود اسے کاشت کرے اور اس پر اٹھنے والے اخراجات منہا کر کے نفع وغیرہ دو حصوں میں تقسیم کر لیا جائے۔ ایک حصہ اپنی محنت کے عوض خود رکھ لے اور دوسرا حصہ زمین کے اصل مالک کو دے دیا جائے یا حصہ دینے کے بجائے اس کے قرض سے اتنی رقم منہا کر دے یا رائج الوقت اس زمین کا جتنا ٹھیکہ ہو سالانہ شرح کے حساب سے اس کے قرض سے منہا کر دیا جائے، اس طرح قرض کی رقم جب پوری ہو جائے گی تو زمین اصل مالک کو واپس کر دی جائے۔ اس سلسلے میں رائج الوقت مندرجہ ذیل دو صورتیں بالکل ناجائز اور حرام ہیں: ○ جس کے پاس زمین گروی رکھی جائے وہ اسے خود کاشت کرے اور اس کی پیداوار خود ہی استعمال کرتا رہے، اصل مالک کو بالکل نظرانداز کر دیا جائے۔ ○ اگر وقت مقررہ پر قرض وصول نہ ہو تو گروی شدہ زمین بحق قرض ضبط کر لی جائے۔ یہ دونوں صورتیں ظلم اور زیادتی کا باعث ہیں، لہٰذا ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔ واللہ أعلم.

٢٥١٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ: أَخْبَرَنَا زَكَرِيَّا عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلظَّهْرُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا، وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا. وَعَلَى الَّذِي يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ».

[راجع: ٢٥١١]

[2512] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سواری کا جانور اگر گروی ہے تو بقدر خرچ اس پر سواری کی جا سکتی ہے۔ اور اگر دودھ والا جانور گروی ہے تو خرچ کے عوض اس کا دودھ پیا جا سکتا ہے۔ سوار ہونے اور دودھ پینے والے کے ذمے اس کا خرچ ہے۔''

(٥) بَابُ الرَّهْنِ عِنْدَ الْيَهُودِ وَغَيْرِهِمْ

باب: 5- یہود وغیرہ کے پاس گروی رکھنا

٢٥١٣ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: اِشْتَرٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا وَّرَهَنَهُ دِرْعَهُ. [راجع: ٢٠٦٨]

[2513] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے غلہ خریدا اور اس کے پاس اپنی زرہ گروی رکھ دی۔

فوائد و مسائل: ① اس عنوان کا مقصد یہ ہے کہ غیر مسلم حضرات سے مالی معاملات کرنے جائز ہیں بشرطیکہ وہ حربی نہ ہوں، اس کی دو صورتیں ممکن ہیں: ○ ان سے صلح کا معاہدہ ہو اور تجارتی لین دین کے لیے عام ہو۔ ○ وہ غیر مسلم کسی مسلمان حکومت کے ماتحت ہوں اور ان کی حیثیت ذمی کی ہو۔ جن غیر مسلم حکومتوں سے صلح نہیں یا جو غیر مسلم کسی مسلمان حکومت کے

ماتحت نہیں ہیں ان سے مالی معاملات کرنے درست نہیں۔ ② مذکورہ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ انتہائی متواضع تھے۔ آپ نے قرض لینے کا معاملہ کسی صحابی سے نہیں کیا کہ شاید وہ آپ سے غلے کی قیمت نہ لے یا اس وقت ان کے پاس زائد غلہ نہ ہوگا، اس لیے آپ نے ایک یہودی سے اناج قرض لیا اور اپنی زرہ اس کے پاس گروی رکھ دی۔

(٦) بَابٌ: إِذَا اخْتَلَفَ الرَّاهِنُ وَالْمُرْتَهِنُ وَنَحْوُهُ فَالْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي، وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ

باب: 6- جب راہن اور مرتہن یا اور کوئی کسی بات میں اختلاف کرے تو مدعی کو گواہ لانے اور مدعی علیہ کو قسم کھانی چاہیے

٢٥١٤ - حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيٰى: حَدَّثَنَا نَافِعُ ابْنُ عُمَرَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ: كَتَبْتُ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَكَتَبَ إِلَيَّ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضٰى أَنَّ الْيَمِينَ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ. [انظر: ٢٦٦٨، ٤٥٥٢]

[2514] حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے کوئی معاملہ دریافت کرنے کے لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خط لکھا تو انھوں نے مجھے بایں الفاظ جواب تحریر کیا: ''نبی ﷺ کا یہ فیصلہ ہے کہ قسم اٹھانا مدعی علیہ کے ذمے ہے۔''

فائدہ: راہن، گروی رکھنے والا اور مرتہن جس کے پاس گروی رکھی جائے۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ مدعی اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے ثبوت پیش کرے یا گواہ لائے، اگر مدعی کے پاس ثبوت یا گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ قسم اٹھائے گا کہ مجھ پر جھوٹا دعویٰ کیا گیا ہے۔ عنوان کا مقصد یہ ہے کہ مدعی اور مدعا علیہ کے معاملے میں جو اصول ہے وہی اصول راہن اور مرتہن کے بارے ہو گا۔ ان کے اختلاف کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ یہ دونوں قرض کی مقدار میں اختلاف کریں اور مرہونہ چیز بھی موجود ہو، راہن کہے کہ میں نے ایک سو کے عوض گروی رکھی ہے اور مرتہن کہے کہ میں نے اس سے دو سو روپے لینے ہیں اور یہ گروی دو سو روپے کے عوض ہے، تو اس اختلاف کو نمٹانے کے لیے درج بالا طریقہ استعمال کیا جائے گا۔

٢٥١٥، ٢٥١٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِينٍ يَسْتَحِقُّ بِهَا مَالًا وَهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ، ثُمَّ أَنْزَلَ اللهُ تَصْدِيقَ ذٰلِكَ ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ ٱللَّهِ وَأَيْمَـٰنِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ فَقَرَأَ إِلٰى ﴿عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [آل عمران: ٧٧] ثُمَّ إِنَّ الْأَشْعَثَ بْنَ قَيْسٍ خَرَجَ إِلَيْنَا فَقَالَ: مَا

[2516,2515] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جس نے کوئی ایسی قسم اٹھائی جس کے ذریعے سے وہ کسی مال کا مستحق ٹھہرا، حالانکہ وہ اس میں جھوٹا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تصدیق نازل فرمائی ہے، پھر انھوں نے درج ذیل آیت تلاوت کی: ''یقیناً جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت کے عوض بیچ ڈالیں

يُحَدِّثُكُمْ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ؟ قَالَ: فَحَدَّثْنَاهُ، قَالَ: فَقَالَ: صَدَقَ، لَفِيَّ نَزَلَتْ، كَانَتْ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ خُصُومَةٌ فِي بِئْرٍ فَاخْتَصَمْنَا إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «شَاهِدَاكَ أَوْ يَمِينُهُ». قُلْتُ: إِنَّهُ إِذًا يَحْلِفَ وَلَا يُبَالِي، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِينٍ يَسْتَحِقُّ بِهَا مَالًا وَهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ، لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ»، ثُمَّ أَنْزَلَ اللهُ تَصْدِيقَ ذٰلِكَ، ثُمَّ اقْتَرَأَ هٰذِهِ الْآيَةَ ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ ٱللَّهِ وَأَيْمَـٰنِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ إِلٰى ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

[آل عمران: ٧٧]. [راجع: ٢٣٥٦، ٢٣٥٧]

...... ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔'' (راوی حدیث ابو وائل کہتے ہیں کہ) اس کے بعد اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے اور انھوں نے پوچھا کہ ابوعبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ تم سے کیا حدیث بیان کر رہے تھے؟ ہم نے ان سے بیان کیا تو انھوں نے فرمایا: ٹھیک بات ہے، البتہ یہ آیت میرے ہی متعلق نازل ہوئی ہے۔ میرے اور ایک شخص کے درمیان کنویں کے متعلق جھگڑا تھا تو ہم نے اپنا مقدمہ رسول اللہ ﷺ کے حضور پیش کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم گواہ پیش کرو یا وہ قسم اٹھالے۔'' میں نے عرض کیا: وہ تو بے پروا قسم کا انسان ہے، اس بات پر قسم اٹھالے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی کسی کا مال ہتھیانے کے لیے جھوٹی قسم اٹھائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق نازل فرمائی۔ بعد ازاں انھوں نے یہ آیت پڑھی: ''جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی جھوٹی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت لیتے ہیں...... ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔''

فوائدومسائل: ① اس حدیث کی تشریح گزر چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی جھوٹی قسم اٹھا کر کسی دوسرے کا مال ہڑپ کرنا چاہے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہی ہوگی۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی عذاب نہیں ہے۔ یہ آیت تمام جھوٹے معاملات پر فٹ ہوتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث سے یہ مقصد ہے کہ راہن اور مرتہن میں جو مدعی ہوگا وہ ثبوت پیش کرے گا اور انکار کی صورت میں مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی۔ مدعی کا یہ کام نہیں کہ وہ اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے قسم اٹھائے بلکہ اس کے ذمے ثبوت فراہم کرنا ہے۔ اگر مدعا علیہ کے پاس اس کے دعوے کو جھوٹا کرنے کے لیے کوئی ثبوت نہیں ہے تو وہ قسم اٹھائے گا کہ مجھ پر جھوٹا دعویٰ کیا گیا ہے۔ ② گروی شدہ زمین میں اختلاف کی صورت یوں ہوگی کہ گروی رکھنے والا کہے: میں نے صرف زمین گروی رکھی ہے جبکہ گروی قبول کرنے والا دعویدار ہو کہ درخت بھی اس میں شامل ہیں۔ اب دعویدار کو اپنے دعوے کے لیے ثبوت دینا ہوگا یا گواہ پیش کرنے ہوں گے، بصورت دیگر گروی رکھنے والے کی بات قسم لے کر تسلیم کر لی جائے گی۔

غلام آزاد کرنے کی فضیلت اور ان کے حقوق و آداب

لغوی طور پر لفظ عتق مصدر ہے جس کے معنی آزاد ہونے اور قوت حاصل کرنے کے ہیں۔ غلام کو آزادی کے بعد شرعی قوت حاصل ہو جاتی ہے جو اس کی ماتحتی اور زیردستی ختم کر دینے کی باعث ہے۔ عتق کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے کسی آدمی سے غلامی کو ختم کر دینا۔ یہ عمل اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے اس کے ہر عضو کو جہنم کی آگ سے آزاد کر دے گا حتیٰ کہ اس کی شرمگاہ کو غلام کی شرمگاہ کے بدلے آزاد کر دیا جائے گا۔''[1] یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تریسٹھ (63)، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سڑسٹھ (67)، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ستر (70)، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دوران محاصرہ میں بیس (20)، حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے سو (100)، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار (1000)، ذوکلاع حمیری رضی اللہ عنہ نے ایک دن میں آٹھ ہزار (8,000) اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تیس ہزار (30,000) غلام آزاد کیے۔ (سبل السلام)

حضرت سفینہ ابوعبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے مجھے آزاد کرتے وقت یہ شرط لگائی کہ میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی تک آپ کی خدمت کرتا رہوں گا۔[2]

اس قدر فضیلت کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ اب غلامی کا دور ختم ہو چکا ہے اور عملی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ علمی اعتبار سے یہ امانت اسلاف نے ہمارے حوالے کی ہے۔ ہم بھی اسی حوالے سے اس امانت کو آگے منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ واضح رہے کہ غلام، اسیران جنگ کی ایک شاخ ہے۔ قرآن کریم کی تصریح کے مطابق کفار سے جنگ کے دوران میں جو لوگ گرفتار ہوں ان کے متعلق حکم ہے کہ ان پر احسان کرو یا ان سے فدیے کا معاملہ کرلو۔ احسان میں چار چیزیں شامل ہیں: * دوران قید میں ان سے اچھا برتاؤ کیا جائے۔ * قتل یا دائمی قید کے بجائے انھیں غلام بنا کر مسلمان افراد کے حوالے کر دیا جائے۔ * ان پر ٹیکس لگا کر انھیں ذمی بنا لیا جائے۔ * انھیں بلا معاوضہ رہا کر دیا جائے۔ اسی طرح فدیہ کا معاملہ کرنے کی تین صورتیں ہیں: ○ مالی معاوضہ لے کر انھیں چھوڑ دیا جائے۔ ○ قتل یا دائمی قید کے

---

[1] صحيح البخاري، كفارات الأيمان، حديث: 6715، وصحيح مسلم، العتق، حديث: 3797 (1509)۔ [2] مسند أحمد: 221/5.

بجائے انھیں غلام بنا کر افراد مسلمین کے حوالے کر دیا جائے۔ ○ اپنے ان آدمیوں سے جو دشمن کی قید میں ہوں تبادلہ کر لیا جائے۔

جنگی قیدیوں پر احسان کی دوسری صورت یہ ہے کہ انھیں غلام بنا کر افراد کی ملکیت میں دے دیا جائے اور ان کے مالکان کو ہدایت کی جائے کہ وہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں۔ قرآن کریم کی صراحت کے مطابق لونڈیوں سے ''فائدہ اٹھانے'' کی بھی اجازت ہے۔ ہمارے ہاں کچھ ''روشن خیال'' لوگ مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر لونڈیوں سے ''فائدہ اٹھانے'' کے معاملے میں غلط فہمی کا شکار ہیں اور آئے دن اس شبہ کی آڑ میں اسلام کو ہدف تنقید بناتے ہیں۔ ان کے ازالے کے لیے مولانا مودودی مرحوم کے الفاظ کو مستعار لیتے ہوئے چند مسائل ذکر کیے جاتے ہیں:

① جو عورتیں جنگ میں گرفتار ہوں، ان کو پکڑتے ہی ہر سپاہی ان کے ساتھ مباشرت کر لینے کا مجاز نہیں ہے بلکہ اسلامی قانون یہ ہے کہ ایسی عورتیں حکومت کے حوالے کر دی جائیں۔ حکومت کو اختیار ہے چاہے ان کو رہا کر دے، چاہے ان سے فدیہ لے، چاہے ان کا تبادلہ ان مسلمان قیدیوں سے کر لے جو دشمن کے ہاتھ میں ہوں اور چاہے انھیں سپاہیوں میں تقسیم کر دے۔ ایک سپاہی صرف اسی عورت سے تمتع کرنے (فائدہ اٹھانے) کا مجاز ہے جو حکومت کی طرف سے باقاعدہ اس کی ملک میں دی گئی ہو۔

② جو عورت اس طرح کسی کی ملک میں دی جائے اس کے ساتھ بھی اس وقت تک مباشرت نہیں کی جا سکتی جب تک کہ اسے ایک مرتبہ ایام ماہواری نہ آ جائیں اور یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ وہ حاملہ نہیں ہے۔ اس سے پہلے مباشرت کرنا حرام ہے اور اگر وہ حاملہ ہو تو وضع حمل سے پہلے بھی مباشرت ناجائز ہے۔

③ جنگ میں پکڑی ہوئی عورتوں سے تمتع کے معاملے میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اہل کتاب ہی میں سے ہوں، ان کا مذہب خواہ کوئی ہو، بہر حال جب وہ تقسیم کر دی جائیں گی تو جن کے حصے میں وہ آئیں وہ ان سے تمتع کر سکتے ہیں۔

④ جو عورت جس شخص کے حصے میں دی گئی ہو صرف وہی اس کے ساتھ تمتع کر سکتا ہے۔ کسی دوسرے کو اسے ہاتھ لگانے کا حق نہیں ہے۔ اس عورت سے جو اولاد ہو گی وہ اسی شخص کی جائز اولاد سمجھی جائے گی جس کی ملک وہ عورت ہے۔ اس اولاد کے قانونی حقوق وہی ہوں گے جو شریعت میں صلبی اولاد کے لیے مقرر ہیں۔ صاحب اولاد ہو جانے کے بعد وہ عورت فروخت نہیں کی جا سکے گی اور مالک کے مرتے ہی وہ آپ سے آپ آزاد ہو جائے گی۔

⑤ جو عورت اس طرح کسی شخص کی ملک میں آئی ہو اسے اگر اس کا مالک کسی دوسرے شخص کے نکاح میں دے دے تو پھر مالک کو اس سے دوسری تمام خدمات لینے کا حق تو رہتا ہے لیکن شہوانی تعلق کا حق باقی نہیں رہتا۔

⑥ جس طرح شریعت نے بیویوں کی تعداد پر چار کی پابندی لگائی ہے، اس طرح لونڈیوں کی تعداد پر نہیں لگائی لیکن اس معاملے میں کوئی حد مقرر نہ کرنے سے شریعت کا منشا یہ نہیں تھا کہ مال دار لوگ بے شمار لونڈیاں خرید خرید کر جمع کر لیں اور اپنے گھر کو عیاشی کا گھر بنا لیں بلکہ درحقیقت اس معاملے میں عدم تعین کی وجہ جنگی حالات کا عدم تعین ہے۔

⑦ ملکیت کے تمام دوسرے حقوق کی طرح وہ مالکانہ حقوق بھی قابل انتقال ہیں جو کسی شخص کو از روئے قانون کسی اسیر جنگ پر حکومت نے عطا کیے ہوں۔

⑧ حکومت کی طرف سے حقوق ملکیت کا باقاعدہ عطا کیا جانا ویسا ہی ایک قانونی فعل ہے جیسا کہ نکاح ایک قانونی فعل ہے، لہٰذا کوئی معقول وجہ نہیں کہ جو شخص نکاح میں کسی قسم کی کراہت محسوس نہیں کرتا وہ خواہ مخواہ لونڈی سے تمتع میں کراہت محسوس کرے۔

⑨ اسیران جنگ میں سے کسی عورت کو کسی شخص کی ملکیت میں دے دینے کے بعد پھر حکومت اسے واپس لینے کی مجاز نہیں رہتی بالکل اسی طرح جیسے کسی عورت کا ولی اس کو کسی کے نکاح میں دے چکنے کے بعد پھر واپس لینے کا حق دار نہیں رہتا۔

⑩ اگر کوئی فوجی کمانڈر محض وقتی اور عارضی طور پر اپنے سپاہیوں کو قیدی عورتوں سے شہوانی پیاس بجھا لینے کی اجازت دے دے اور محض کچھ وقت کے لیے انھیں فوج میں تقسیم کرے تو یہ اسلامی قانون کی رو سے قطعاً ایک ناجائز فعل ہے۔ اس میں اور زنا میں کوئی فرق نہیں ہے اور زنا اسلامی قانون میں جرم ہے۔[1]

اگرچہ دور حاضر میں غلامی کا دور ختم ہو چکا ہے، تاہم آج بھی اگر کسی مقروض کا قرض ادا کر دیا جائے یا کسی ناحق مقدمے میں پھنسے ہوئے انسان کو رہائی دلائی جائے تو ایسا کرنا بھی غلام کو آزاد کرنے کے مترادف ہے۔ بہرحال امام بخاری نے رحمہ اللہ متعدد مرفوع احادیث پر تقریباً بیس چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں جن میں غلاموں کے حقوق و آداب بیان کیے ہیں۔ دوران مطالعہ میں قارئین کرام کو بے شمار احکام و مسائل سے آگاہی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن و حدیث کے مطابق عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

1 تفہیم القرآن، سورۂ نساء، حاشیہ نمبر:44۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

49 - كِتَابُ الْعِتْقِ

غلاموں کی آزادی سے متعلق احکام ومسائل

(۱) [بَابٌ]: فِي الْعِتْقِ وَفَضْلِهِ

باب :1- غلام آزاد کرنے اور اس کی فضیلت کا بیان

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ ۞ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۞ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ﴾ [البلد:۱۳-۱۵].

ارشاد باری تعالیٰ ہے:''(دشوار گھاٹی) کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا، یا فاقہ کے دنوں میں کسی یتیم قرابت دار کو کھانا کھلانا ہے۔''

وضاحت: اس آیت کریمہ میں کسی غلام کو آزاد کرنا یا یتیم یا مسکین کو کھانا کھلانا ہر دو کام ایک ہی درجے میں رکھے گئے ہیں۔ اس سے غلام آزاد کرنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، نیز ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ کے معنی ہیں:''غلام آزاد کرنے میں کسی کا تعاون کرنا'' جب تعاون کرنے میں فضیلت ہے تو مستقل طور پر غلام آزاد کرنا تو اس سے بڑھ کر باعث اجر وثواب ہوگا۔[1]

۲۵۱۷ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي وَاقِدُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ مَرْجَانَةَ صَاحِبُ عَلِيِّ ابْنِ الْحُسَيْنِ قَالَ: قَالَ لِي أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَيُّمَا رَجُلٍ أَعْتَقَ امْرَءًا مُّسْلِمًا، اِسْتَنْقَذَ اللهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِّنْهُ عُضْوًا مِّنَ النَّارِ».

[2517] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:''جو شخص کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے گا، تو اللہ تعالیٰ آزاد کردہ غلام کے ہر عضو کے بدلے اس کا ہر عضو دوزخ سے آزاد کر دے گا۔''

[1] فتح الباري: 182/5.

قَالَ سَعِيدُ بْنُ مَرْجَانَةَ: فَانْطَلَقْتُ بِهِ إِلَى عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ فَعَمَدَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا إِلَى عَبْدٍ لَهُ قَدْ أَعْطَاهُ بِهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ عَشَرَةَ آلَافِ دِرْهَمٍ، أَوْ أَلْفَ دِينَارٍ فَأَعْتَقَهُ. [انظر: ٦٧١٥]

(راویٔ حدیث) حضرت سعید بن مرجانہ کہتے ہیں: میں اس حدیث کو امام زین العابدین علی بن حسین کی طرف لے کر گیا تو انھوں نے اپنے ایک ایسے غلام کا قصد فرمایا جس کے عوض حضرت عبداللہ بن جعفر انھیں دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار دیتے تھے، چنانچہ انھوں نے اسے (فروخت کرنے کے بجائے فی سبیل اللہ) آزاد کر دیا۔

فوائد ومسائل: ① صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہاں تک اضافہ ہے کہ غلام کی شرم گاہ کے عوض آزاد کرنے والے کی شرمگاہ کو جہنم سے آزادی مل جائے گی۔[1] چونکہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ زنا ہے، اس لیے خصوصی طور پر شرمگاہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ② اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب آزاد کردہ غلام کے اعضاء آزاد کرنے والے کے اعضاء کا فدیہ بن جاتے ہیں تو چاہیے کہ غلام کے اعضاء ناقص نہ ہوں، اس کا ہاتھ شل یا آنکھ کان وغیرہ میں خرابی نہ ہو۔ اگر اس کے تمام اعضاء صحیح ہوں گے تو پورا پورا ثواب ملے گا۔[2] ③ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے اپنے عمل سے اس حدیث کی صحت پر مہر تصدیق ثبت کی۔ یہ تصدیق کا مؤثر ترین انداز ہے، نیز اس سے ان کے جذبۂ اتباع کی ایک جھلک بھی سامنے آتی ہے کہ حدیث رسول سن کر انھوں نے فوراً اس پر عمل کیا۔

(٢) بَابٌ: أَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ؟

باب: 2- کون سا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟

٢٥١٨ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ هِشَامِ ابْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي مُرَاوِحٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ: أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «إِيمَانٌ بِاللهِ وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ». قُلْتُ: فَأَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «أَعْلَاهَا ثَمَنًا وَأَنْفَسُهَا عِنْدَ أَهْلِهَا». قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ أَفْعَلْ؟ قَالَ: «تُعِينُ ضَائِعًا أَوْ تَصْنَعُ لِأَخْرَقَ»، قَالَ: فَإِنْ لَمْ أَفْعَلْ؟ قَالَ: «تَدَعُ النَّاسَ مِنَ الشَّرِّ فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ تَصَدَّقُ بِهَا عَلَى نَفْسِكَ».

[2518] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا: کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا۔'' میں نے عرض کیا: کون سا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جس کی قیمت زیادہ ہو اور وہ اپنے مالک کی نظر میں نہایت پسندیدہ ہو۔'' میں نے عرض کیا: اگر یہ نہ کرسکوں تو؟ آپ نے فرمایا: ''تو پھر کسی فاقہ زدہ کی مدد کر یا بے ہنر اناڑی کو کوئی کام سکھا دے۔'' میں نے عرض کیا: اگر یہ بھی نہ کرسکوں تو؟ آپ نے فرمایا: ''تم لوگوں کو نقصان نہ پہنچاؤ یہ بھی ایک صدقہ ہے جو تو نے اپنے اوپر کرنا ہے۔''

---

1 صحيح البخاري، كفارات الأيمان، حديث: 6715. 2 فتح الباري: 183/5.

فوائد ومسائل: ① صحیح مسلم کی ایک روایت میں ضائعاً کے بجائے صانعاً کے الفاظ ہیں [1] جس کے معنی ہنرمند اور کاریگر کے ہیں، اس کے متعلق شارح بخاری ابن منیر فرماتے ہیں کہ ہنرمند محتاج کی مدد کرنا بے ہنر کے تعاون سے افضل ہے کیونکہ بے ہنر کی ہر کوئی مدد کرتا ہے لیکن ہنرمند کی مدد کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوتا کیونکہ اس کی شہرت لوگوں کو اس کے تعاون سے غافل کر سکتی ہے، اس لیے ہنرمند کے لیے دست تعاون بڑھانا گویا سفید پوش اور خوددار کے ساتھ تعاون کرنا ہے۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مومن کا اصل درجہ یہ ہے کہ وہ تکلیف پہنچانے سے بچے۔ [2] ؎ گر قوت نیکی نہ داری بدی مکن، یعنی اگر تم کسی کے ساتھ بھلائی اور نیکی نہیں کر سکتے تو برائی بھی نہ کرو۔

(٣) بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْعَتَاقَةِ فِي الْكُسُوفِ أَوِ الْآيَاتِ

باب: 3- سورج گرہن اور دوسری نشانیوں کے وقت غلام آزاد کرنا مستحب ہے

٢٥١٩ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ مَسْعُودٍ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ بْنُ قُدَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَتْ: أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْعَتَاقَةِ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ. [راجع: ٨٦]

[2519] حضرت اسماء بنت ابی بکر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے سورج گرہن کے وقت غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔

تَابَعَهُ عَلِيٌّ عَنِ الدَّرَاوَرْدِيِّ، عَنْ هِشَامٍ.

علی (بن مدینی) نے دراوردی عن ہشام کے طریق سے موسیٰ بن مسعود کی متابعت کی ہے۔

فائدہ: علی سے مراد امام بخاری ؒ کے استاد علی بن مدینی ہیں اور دراوردی سے مراد عبدالعزیز بن محمد ہیں۔ موسیٰ بن مسعود اس روایت کو زائدہ بن قدامہ کے واسطے سے ہشام سے بیان کرتے ہیں جبکہ علی بن مدینی دراوردی کے واسطے سے ہشام سے بیان کرتے ہیں۔ گویا علی بن مدینی نے موسیٰ کے استاد کے استاد میں اس کی متابعت کی ہے۔ [3]

٢٥٢٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ: حَدَّثَنَا عَثَّامٌ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَتْ: كُنَّا نُؤْمَرُ عِنْدَ الْخُسُوفِ بِالْعَتَاقَةِ. [راجع: ٨٦]

[2520] حضرت اسماء بنت ابی بکر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہمیں سورج گرہن کے وقت غلام آزاد کرنے کا حکم دیا جاتا تھا۔

1. صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 250(84)۔ 2 فتح الباري: 186/5۔ 3 فتح الباري: 186/5۔

فوائد و مسائل: ① یہ دونوں روایات انتہائی مختصر ہیں۔ پہلے متصل حدیث گزر چکی ہے۔[1] ② عنوان میں اللہ کی دوسری نشانیوں کا ذکر بھی ہے جبکہ حدیث میں صرف سورج گرہن کے وقت غلام آزاد کرنے کا حکم ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اللہ کی نشانیوں کو سورج گرہن پر قیاس کیا ہے یا پھر ایک دوسرے طریق کی طرف اشارہ فرمایا جس کے الفاظ یہ ہیں: ''سورج اور چاند دونوں اللہ کی نشانیاں ہیں اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔''[2] کیونکہ ڈرانا اکثر و بیشتر آگ سے ہوتا ہے اس مناسبت سے سورج گرہن کے وقت غلام آزاد کرنے کا حکم ہے جو دوزخ سے آزادی کا باعث ہے۔[3] واللّٰہ أعلم.

(٤) بَابٌ: إِذَا أَعْتَقَ عَبْدًا بَيْنَ اثْنَيْنِ أَوْ أَمَةً بَيْنَ الشُّرَكَاءِ

باب:4- مشترکہ غلام یا لونڈی کو آزاد کرنا

٢٥٢١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَعْتَقَ عَبْدًا بَيْنَ اثْنَيْنِ فَإِنْ كَانَ مُوسِرًا قُوِّمَ عَلَيْهِ ثُمَّ يُعْتَقُ». [راجع: ٢٤٩١]

[2521] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جس نے کسی ایسے غلام کو آزاد کیا جو دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھا تو اگر آزاد کرنے والا صاحب حیثیت ہے تو غلام کی قیمت لگا کر اس کے ذمے کی جائے گی، پھر وہ غلام آزاد ہو گا۔''

٢٥٢٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ فَكَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ قُوِّمَ الْعَبْدُ عَلَيْهِ قِيمَةَ عَدْلٍ فَأَعْطَى شُرَكَاءَهُ حِصَصَهُمْ وَعَتَقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ، وَإِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ». [راجع: ٢٤٩١]

[2522] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص مشترک غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دے، پھر اس کے پاس پورے غلام کی قیمت جتنا مال بھی ہو تو انصاف کے ساتھ اس کی قیمت لگائی جائے اور دوسرے شرکاء کا حصہ وہ ادا کرے، پھر وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا، بصورت دیگر غلام جتنا آزاد ہو چکا ہے اتنا ہی آزاد رہے گا۔''

٢٥٢٣ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي أُسَامَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي مَمْلُوكٍ فَعَلَيْهِ عِتْقُهُ كُلِّهِ

[2523] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اپنے مشترک غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دیا، پھر اگر اس کے پاس اتنا مال ہے جو غلام کی قیمت کو پہنچ جائے تو غلام کو مکمل

1 صحيح البخاري، الكسوف، حديث: 1047. 2 صحيح البخاري، الكسوف، حديث: 1048. 3 فتح الباري: 5/186.

إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَهُ، فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ مَالٌ يُقَوَّمُ عَلَيْهِ قِيمَةَ عَدْلٍ عَلَى الْمُعْتِقِ فَأُعْتِقَ مِنْهُ مَا أَعْتَقَ». [راجع: ٢٤٩١]

طور پر آزاد کروانا اس کی ذمہ داری ہے۔ اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہیں تو غلام کی عادلانہ قیمت لگائی جائے گی، پھر اس سے اتنا حصہ آزاد ہوگا جو اس نے آزاد کیا ہے۔“

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا بِشْرٌ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ. اِخْتَصَرَهُ.

جب بشر نے عبید اللہ سے اس روایت کو بیان کیا تو اسے انتہائی مختصر کر دیا۔

فائدہ: اس مختصر روایت کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ”جس نے مشترک غلام سے اپنا حصہ آزاد کیا تو وہ غلام مکمل طور پر آزاد ہو جائے گا۔“ [1]

٢٥٢٤ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَعْتَقَ نَصِيبًا لَّهُ فِي مَمْلُوكٍ أَوْ شِرْكًا لَّهُ فِي عَبْدٍ فَكَانَ لَهُ مِنَ الْمَالِ مَا يَبْلُغُ قِيمَتَهُ بِقِيمَةِ الْعَدْلِ فَهُوَ عَتِيقٌ». قَالَ نَافِعٌ: وَ إِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا أَعْتَقَ. قَالَ أَيُّوبُ: لَا أَدْرِي أَشَيْءٌ قَالَهُ نَافِعٌ، أَوْ شَيْءٌ فِي الْحَدِيثِ.

[2524] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے ایک اور روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جس شخص نے مشترکہ غلام سے اپنا حصہ آزاد کر دیا، اب اگر اس کا مال اس (غلام) کی منصفانہ قیمت کو پہنچ جاتا ہے تو وہ آزاد ہوگا۔“ نافع نے کہا: اگر مال نہیں ہے تو اتنا حصہ آزاد ہوگا جس قدر اس نے آزاد کیا ہے۔ ایوب راوی کا کہنا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ بات نافع نے اپنی طرف سے کہی ہے یا حدیث کا حصہ ہے؟

٢٥٢٥ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مِقْدَامٍ: حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّهُ كَانَ يُفْتِي فِي الْعَبْدِ أَوِ الْأَمَةِ يَكُونُ بَيْنَ الشُّرَكَاءِ فَيُعْتِقُ أَحَدُهُمْ نَصِيبَهُ مِنْهُ، يَقُولُ: قَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ عِتْقُهُ كُلِّهِ إِذَا كَانَ لِلَّذِي أَعْتَقَ مِنَ الْمَالِ مَا يَبْلُغُ، يُقَوَّمُ مِنْ مَّالِهِ قِيمَةَ الْعَدْلِ، وَيُدْفَعُ إِلَى الشُّرَكَاءِ أَنْصِبَاؤُهُمْ، وَيُخَلَّى سَبِيلُ الْمُعْتَقِ، يُخْبِرُ ذٰلِكَ ابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

[2525] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مزید روایت ہے کہ وہ شرکاء کے درمیان مشترک غلام یا لونڈی کے متعلق یہ فتویٰ دیتے تھے کہ ان میں سے کسی نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو اس پر واجب ہے کہ وہ پورا غلام آزاد کرے، بشرطیکہ آزاد کرنے والے کے پاس اتنا مال ہو جو اس کی قیمت کو پہنچ جائے۔ اس صورت میں غلام کی عادلانہ قیمت تجویز کی جائے گی اور شرکاء کو ان کے حصے حوالے کر دیے جائیں گے (ان کے حصوں کے مطابق قیمت ادا کر دی جائے گی۔) اور آزاد شدہ غلام کا راستہ چھوڑ دیا جائے گا۔ (اسے آزاد کر دیا جائے

[1] السنن الكبرٰى للبيهقي: 277/10.

گا۔) حضرت ابن عمر ؓ اس فتوے کی بنیاد نبی ﷺ کی حدیث قرار دیتے تھے۔

وَرَوَاهُ اللَّيْثُ وَابْنُ أَبِي ذِئْبٍ وَّابْنُ إِسْحَاقَ وَجُوَيْرِيَةُ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَّإِسْمَاعِيلُ بْنُ أُمَيَّةَ عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. مُخْتَصَرًا . [راجع: ٢٤٩١]

اس روایت کو لیث، ابن ابی ذئب، ابن اسحاق، جویریہ، یحییٰ بن سعید اور اسماعیل بن امیہ نے حضرت نافع سے، انھوں نے عبداللہ بن عمر ؓ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے مختصر طور پر بیان کیا ہے۔

فائدہ: امام بخاری ؒ کے بیان کردہ مسئلے میں بہت اختلاف ہے اور اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ آیا غلام کی آزادی قابل تقسیم ہے یا نہیں؟ امام بخاری ؒ کا موقف یہ ہے کہ آزادی کا تجزیہ ہوسکتا ہے۔ جب غلامی کا دور تھا تو کئی آدمی مل کر ایک غلام خرید لیتے تھے اب اگر کوئی اپنا حصہ آزاد کرنا چاہتا تو اس کے متعلق ضابطہ یہ تھا کہ پہلے غلام کی صحیح اور عادلانہ قیمت تجویز کی جائے پھر اپنا حصہ آزاد کرنے والا اگر مال دار ہے تو باقی شرکاء کو ان کے حصص کے مطابق قیمت ادا کرے، اس صورت میں وہ غلام مکمل طور پر آزاد ہوگا۔ اگر وہ شخص مال دار نہیں ہے تو پھر صرف اسی کا حصہ آزاد ہوگا، مکمل طور پر آزاد نہیں ہوگا۔ اس طرح اس کی آزادی تقسیم ہوسکتی ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آزادی تقسیم نہیں ہوسکتی بلکہ ایک حصہ آزاد کرنے سے وہ مکمل آزاد ہوجائے گا۔ اگر وہ صاحب حیثیت ہے تو اسے باقی حصوں کی قیمت کا تاوان دینا ہوگا۔ اگر صاحب حیثیت نہیں ہے تو غلام کو محنت مزدوری پر مجبور کیا جائے گا۔ اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اپنا حصہ آزاد کرنے والا تنگ دست ہو اور غلام بھی محنت مزدوری کے قابل نہ ہو تو پھر کیا کیا جائے گا؟ بہرحال ہمارے رجحان کے مطابق آزادی قابل تجزیہ ہے اور غلام کا کچھ حصہ آزاد اور کچھ حصہ غلام ہوسکتا ہے، اس میں کوئی اشکال نہیں۔ امام بخاری ؒ نے آئندہ باب میں اس کا مزید حل پیش فرمایا ہے۔

(٥) بَابٌ: إِذَا أَعْتَقَ نَصِيبًا فِي عَبْدٍ وَّلَيْسَ لَهُ مَالٌ، اُسْتُسْعِيَ الْعَبْدُ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ عَلَى نَحْوِ الْكِتَابَةِ

باب: 5- اگر کوئی مشترک غلام سے اپنا حصہ آزاد کردے اور آزاد کرنے والے کے پاس مال بھی نہ ہو تو غلام کو مشقت میں ڈالے بغیر اس سے مزدوری کرائی جائے جیسا کہ مکاتبت میں کیا جاتا ہے

٢٥٢٦ - حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ أَبِي رَجَاءٍ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ أَبِي حَازِمٍ قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي النَّضْرُ بْنُ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

[2526] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس نے مشترک غلام سے اپنا حصہ آزاد کردیا......“

رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ أَعْتَقَ شَقِيصًا مِّنْ عَبْدٍ. . .». [راجع: ٢٤٩٢]

٢٥٢٧ - وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَعْتَقَ نَصِيبًا - أَوْ شَقِيصًا - فِي مَمْلُوكٍ فَخَلَاصُهُ عَلَيْهِ فِي مَالِهِ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ، وَإِلَّا قُوِّمَ عَلَيْهِ فَاسْتُسْعِيَ بِهِ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ». [راجع: ٢٤٩٢]

[2527] حضرت ابوہریرہ ؓ ہی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے مشترک غلام کا اپنا حصہ آزاد کر دیا تو غلام کی آزادی اس کے مال سے ہوگی بشرطیکہ وہ صاحب حیثیت ہو، بصورت دیگر غلام کی قیمت تجویز کی جائے گی، پھر غلام کو مشقت میں ڈالے بغیر اس سے مزدوری کرائی جائے (تاکہ شرکاء کو ان کا حصہ دیا جائے)۔''

تَابَعَهُ حَجَّاجُ بْنُ حَجَّاجٍ وَّأَبَانُ وَمُوسَى بْنُ خَلَفٍ عَنْ قَتَادَةَ، وَاخْتَصَرَهُ شُعْبَةُ.

حجاج بن حجاج، ابان اور موسیٰ بن خلف نے قتادہ سے روایت کرنے میں سعید کی متابعت کی ہے، نیز شعبہ نے اس حدیث کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

فائدہ: اس عنوان کا مقصد یہ ہے کہ غلام پر خواہ مخواہ جبر نہ کیا جائے۔ اگر اس سے محنت مزدوری نہ ہو سکے تو جتنا حصہ آزاد ہوا ہے اتنا آزاد رہے گا، باقی حصے میں بدستور غلامی رہے گی۔ دراصل امام بخاری ؒ اس باب کی دو مختلف روایات میں تطبیق دینا چاہتے ہیں۔ متعارض روایات حسب ذیل ہیں: ○ اگر آزاد کرنے والا مال دار نہیں ہے تو غلام جتنا آزاد ہوا اتنا ہی آزاد رہے گا۔ ○ اگر آزاد کرنے والا صاحب حیثیت نہیں تو غلام سے مزدوری کرائی جائے لیکن اسے مشقت میں نہ ڈالا جائے۔ تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جب غلام محنت و مزدوری کے قابل نہ ہو اور آزاد کرنے والا بھی نادار ہو تو غلام کو جس قدر آزادی ملی ہے، اتنی ہی رہے گی اور جب آزاد کنندہ صاحب حیثیت نہ ہو اور غلام محنت و مزدوری کے قابل ہو تو اس سے مزدوری لے کر باقی شرکاء کو ان کے حصے کے مطابق قیمت ادا کی جائے گی۔ چونکہ غلامی کا تعلق ہماری عملی زندگی سے نہیں ہے، اس لیے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ واللّٰہ أعلم.

(٦) بَابُ الْخَطَأِ وَالنِّسْيَانِ فِي الْعَتَاقَةِ وَالطَّلَاقِ وَنَحْوِهِ، وَلَا عَتَاقَةَ إِلَّا لِوَجْهِ اللهِ تَعَالَى

باب: 6- آزاد کرنے، طلاق دینے یا اس طرح کے دیگر معاملات میں غلطی یا بھول ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ نیز کسی غلام یا لونڈی کو صرف اللہ کی رضا جوئی کے لیے آزاد کیا جاتا ہے

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى»، وَلَا نِيَّةَ لِلنَّاسِي وَالْمُخْطِئِ.

نبیٔ اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''ہر آدمی کے لیے وہی کچھ ہے جس کی وہ نیت کرے۔'' بھولنے والے اور خطا کار کی نیت نہیں ہوا کرتی۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر سہواً یا نسیاناً کسی کے منہ سے طلاق یا آزادی کا لفظ نکل گیا تو اس پر شرعاً کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا اور نہ اس طرح طلاق اور آزادی ہی واقع ہوگی کیونکہ شرعی معاملات میں نیت کا ہونا ضروری ہے جبکہ بھولنے والے اور خطا کار کی کوئی نیت نہیں ہوتی۔ لیکن احناف کے نزدیک جس طرح بھی طلاق یا عتاق کا لفظ منہ سے نکل جائے وہ واقع ہو جاتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف دلائل کے اعتبار سے زیادہ مضبوط اور قرین قیاس ہے۔

٢٥٢٨ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفٰى، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي مَا وَسْوَسَتْ بِهِ صُدُورُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَكَلَّمْ». [انظر: ٥٢٦٩، ٦٦٦٤]

[2528] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت کو وہ معاملات معاف کر دیے ہیں جو ان کے دلوں میں وسوسے کے طور پر آئیں جب تک وہ (امتی) ان پر عمل نہ کریں یا زبان پر نہ لائیں۔''

فوائد و مسائل: ① انسان کے دل میں جو خیالات آتے ہیں اگر وہ برائی پر آمادہ کریں تو انھیں وسوسہ کہا جاتا ہے اور اگر کارِ خیر کی دعوت دیں تو یہ الہام ہے۔ اس امت کی خصوصیت ہے کہ ان کے قلوب پر آنے والے خطرات معاف ہیں جب تک وہ دل میں پختہ نہ ہوں، یعنی ان پر عمل نہ کیا جائے یا انھیں زبان پر نہ لایا جائے۔ اگر دل میں قرار پکڑ لیں جیسا کہ حسد وغیرہ میں ہوتا ہے تو اس پر مؤاخذہ ہوگا، اسی وجہ سے ھم (ارادہ) اور عزم میں فرق کیا جاتا ہے کیونکہ ھم (ارادہ) وہ ہے جو دل میں آئے اور گزر جائے اور عزم وہ ہے جو دل میں آئے اور ٹھہر جائے۔ ② اس حدیث کا عنوان سے اس طرح تعلق ہے کہ جب وسوسے اور دل کے خیال پر پکڑ نہیں تو جو چیز خالی زبان سے از راہ بھول چوک نکل جائے تو اس پر بطریق اولیٰ مؤاخذہ نہیں ہوگا یا وسوسے اور دل کے خیال پر مؤاخذہ اس لیے نہیں کہ وہ دل میں آتا ہے اور گزر جاتا ہے اس طرح جو کلام زبان پر آئے اور گزر جائے اس کا کوئی ارادہ یا نیت نہ ہو اس کا حکم بھی وسوسے کی طرح ہوگا کیونکہ دل اور زبان دونوں انسانی اعضاء ہیں اور دونوں کا حکم ایک ہے، اس لیے اگر بھول چوک اور نیت کے بغیر طلاق یا عتاق کا لفظ زبان پر آ جائے تو قانونی طور پر اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

٢٥٢٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ عَنْ سُفْيَانَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ

[2529] حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اعمال کا

التَّيْمِيِّ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَلِامْرِئٍ مَّا نَوٰى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ، فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلٰى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلٰى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ». [راجع: ۱]

اعتبار نیت کے لحاظ سے ہے۔ جس کی ہجرت (نیت کے اعتبار سے) اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے تو اس کی ہجرت (ثواب کے اعتبار سے) اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہی ہوگی۔ اور جس کی ہجرت دنیا کمانے یا کسی عورت سے شادی رچانے کے لیے ہے تو اس کی ہجرت اسی کام کے لیے ہوگی جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے۔"

فوائدو مسائل: ① اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اعمال کی صحت نیت پر مبنی ہے۔ اگر نیت نہیں تو عمل بھی صحیح نہیں ہوگا۔ اسی طرح دوسرے اعمال نماز، روزہ، زکاۃ اور حج وغیرہ نیت کے بغیر صحیح نہیں، چنانچہ نیت کے بغیر اگر کوئی شخص بے ساختہ زبان سے لفظ طلاق یا عتاق کہہ دیتا ہے تو مذکورہ اعمال صحیح نہیں، یعنی بیوی کو طلاق ہوگی نہ غلام آزاد ہوگا۔ ② اس حدیث سے یہ مراد نہیں کہ نیت کے بغیر اعمال کا وجود ہی نہیں ہوتا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ شریعت میں اعمال کے احکام کی صحت نیت پر موقوف ہے۔ کسی چیز کے صحیح یا غیر صحیح ہونے میں نیت ایک فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے، تاہم جنایات، مثلاً: قتل، چوری وغیرہ میں نیت کا عمل دخل نہیں ہے بلکہ اگر کوئی جرم کا مرتکب ہوگا تو اسے سزا ملے گی۔ واللہ أعلم.

(۷) بَابٌ: إِذَا قَالَ لِعَبْدِهِ: هُوَ لِلّٰهِ، وَنَوَى الْعِتْقَ، وَالْإِشْهَادُ بِالْعِتْقِ

باب: 7- جب کوئی اپنے غلام سے کہے: "یہ اللہ کے لیے ہے" اور نیت آزاد کرنے کی ہو، نیز آزادی پر گواہ بنانے کا حکم

۲۵۳۰ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ بِشْرٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّهُ لَمَّا أَقْبَلَ يُرِيدُ الْإِسْلَامَ وَمَعَهُ غُلَامُهُ ضَلَّ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِنْ صَاحِبِهِ، فَأَقْبَلَ بَعْدَ ذٰلِكَ وَأَبُو هُرَيْرَةَ جَالِسٌ مَّعَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! هٰذَا غُلَامُكَ قَدْ أَتَاكَ». فَقَالَ: أَمَا إِنِّي أُشْهِدُكَ أَنَّهُ حُرٌّ، قَالَ فَهُوَ حِينَ يَقُولُ:

[2530] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ مسلمان ہونے کے ارادے سے مدینہ طیبہ آئے تو ان کے ساتھ ان کا غلام بھی تھا، لیکن راستے میں بھول کر دونوں ایک دوسرے سے الگ ہوگئے۔ پھر وہ غلام اس وقت واپس آیا جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "اے ابوہریرہ! یہ تیرا غلام حاضر ہے۔" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ غلام آج سے آزاد ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس وقت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ شعر پڑھ

رہے تھے:

يَا لَيْلَةً مِّنْ طُولِهَا وَعَنَائِهَا
عَلَى أَنَّهَا مِنْ دَارَةِ الْكُفْرِ نَجَّتِ

ہے پیاری گو کٹھن ہے اور لمبی میری رات
پر دلائی اس نے دارالکفر سے مجھ کو نجات

[انظر: ٢٥٣١، ٢٥٣٢، ٤٣٩٣]

٢٥٣١ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ قَيْسٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا قَدِمْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ قُلْتُ فِي الطَّرِيقِ:

[2531] حضرت ابوہریرہ ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جب میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آتے ہوئے راستے میں یہ شعر کہا:

يَا لَيْلَةً مِّنْ طُولِهَا وَعَنَائِهَا
عَلَى أَنَّهَا مِنْ دَارَةِ الْكُفْرِ نَجَّتِ

میں رات کی درازی اور اس کی سختیوں کی شکایت کرتا ہوں، البتہ اس نے مجھے دارالکفر سے نجات دلائی ہے۔

قَالَ: وَأَبَقَ مِنِّي غُلَامٌ لِّي فِي الطَّرِيقِ، قَالَ: فَلَمَّا قَدِمْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَبَايَعْتُهُ فَبَيْنَا أَنَا عِنْدَهُ إِذْ طَلَعَ الْغُلَامُ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! هٰذَا غُلَامُكَ»، فَقُلْتُ: هُوَ حُرٌّ لِّوَجْهِ اللهِ، فَأَعْتَقَهُ.

حضرت ابوہریرہ ؓ نے کہا کہ راستے میں میرا غلام مجھ سے جدا ہو گیا تھا۔ جب میں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی بیعت کر لی، ابھی میں آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک وہ غلام بھی آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''اے ابوہریرہ! یہ تیرا غلام بھی آ پہنچا ہے۔'' میں نے عرض کیا: یہ اللہ کے لیے آزاد ہے۔ پھر میں نے اسے آزاد کر دیا۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: لَمْ يَقُلْ أَبُو كُرَيْبٍ عَنْ أَبِي أُسَامَةَ: حُرٌّ. [راجع: ٢٥٣٠]

ابوعبداللہ (امام بخاری ؒ) فرماتے ہیں: ابوکریب نے ابواسامہ سے جو روایت کی ہے اس میں آزاد کا لفظ نہیں ہے۔

٢٥٣٢ - حَدَّثَنِي شِهَابُ بْنُ عَبَّادٍ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسٍ قَالَ: لَمَّا أَقْبَلَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَمَعَهُ غُلَامُهُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْإِسْلَامَ فَضَلَّ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ، بِهٰذَا وَقَالَ: أَمَا إِنِّي أُشْهِدُكَ أَنَّهُ لِلّٰهِ.

[2532] حضرت قیس سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جب حضرت ابوہریرہ ؓ آ رہے تھے تو ان کے ہمراہ ان کا غلام بھی تھا۔ آپ اسلام قبول کرنے کے لیے آ رہے تھے تو ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی سے بھٹک گیا، پھر مذکورہ حدیث بیان کی۔ اس میں یوں ہے کہ حضرت ابوہریرہ

[راجع: ٢٥٣٠]

ؓ نے عرض کیا: میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ وہ اللہ کے لیے ہے۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ عنوان دو اجزاء پر مشتمل ہے: ○ اگر کسی نے اپنے غلام سے کہا: وہ اللہ کے لیے ہے اور اس نے غلام آزاد کرنے کی نیت کی ہو تو غلام آزاد ہو جائے گا۔ ○ دوسرا غلام آزاد کرنے میں گواہی کا ذکر ہے۔ مذکورہ احادیث میں ان دونوں باتوں کا ثبوت ملتا ہے۔ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام سے کہے کہ وہ آزاد ہے یا اللہ کی رضا کے لیے اسے آزاد کیا یا وہ اللہ کے لیے ہے اور آزادی کی نیت کرے تو غلام آزاد ہو جائے گا بلکہ بات کرنے والے کی ہر بات جس سے آزادی کا مفہوم واضح ہو اس سے غلام آزاد ہو جاتا ہے۔ ② امام بخاری ؒ کی غرض یہ ہے کہ اس قسم کے غیر صریح الفاظ استعمال کرنے سے اس وقت آزادی معتبر ہوگی جب بات کرنے والے کی نیت آزاد کرنے کی ہوگی اور اگر آزادی کی نیت نہیں ہے تو آزاد نہیں ہوگا، البتہ [هو حرّ] کے الفاظ آزادی کے لیے صریح ہیں، اس میں نیت کی ضرورت نہیں ہوگی بشرطیکہ بلا مقصد و ارادہ بے ساختہ زبان پر نہ آئے ہوں۔

(٨) بَابُ أُمِّ الْوَلَدِ

باب: 8- ام ولد کا بیان

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّهَا».

حضرت ابو ہریرہ ؓ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں: ”قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ لونڈی اپنے مالک کو جنم دے گی۔“

وضاحت: امام بخاری ؒ نے خود ہی اس معلق روایت کو كتاب الإيمان، حديث:50 کے تحت متصل سند سے بیان کیا ہے۔ ام ولد وہ لونڈی ہے جس سے اولاد پیدا ہو جائے۔ اکثر علماء کے نزدیک مالک کے مرنے کے بعد ام ولد خود بخود آزاد ہو جاتی ہے۔ اس کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس معلق روایت سے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ ام ولد کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔ اس کا فروخت ہونا اور اپنی اولاد کی ملک میں رہنا قیامت کی نشانی ہے۔

٢٥٣٣ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ عُتْبَةُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ عَهِدَ إِلَى أَخِيهِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنْ يَقْبِضَ إِلَيْهِ ابْنَ وَلِيدَةِ زَمْعَةَ. قَالَ عُتْبَةُ: إِنَّهُ ابْنِي، فَلَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ زَمَنَ الْفَتْحِ أَخَذَ سَعْدٌ ابْنَ وَلِيدَةِ زَمْعَةَ فَأَقْبَلَ بِهِ إِلَى رَسُولِ اللهِ

[2533] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کو وصیت کی تھی کہ وہ زمعہ کی لونڈی کا بیٹا اپنے قبضے میں لے لے، عتبہ نے کہا: بلاشبہ وہ میرا بیٹا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے وقت مکہ مکرمہ تشریف لائے تو حضرت سعد ؓ نے زمعہ کی لونڈی کا بیٹا پکڑ لیا اور اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے۔ ان کے ہمراہ عبد بن

ﷺ وَأَقْبَلَ مَعَهُ بِعَبْدِ بْنِ زَمْعَةَ فَقَالَ سَعْدٌ: يَا رَسُولَ اللهِ! هٰذَا ابْنُ أَخِي عَهِدَ إِلَيَّ أَنَّهُ ابْنُهُ، فَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ: يَا رَسُولَ اللهِ! هٰذَا أَخِي ابْنُ زَمْعَةَ وُلِدَ عَلٰى فِرَاشِهِ، فَنَظَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى ابْنِ وَلِيدَةِ زَمْعَةَ فَإِذَا هُوَ أَشْبَهُ النَّاسِ بِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ»، مِنْ أَجْلِ أَنَّهُ وُلِدَ عَلٰى فِرَاشِ أَبِيهِ، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اِحْتَجِبِي مِنْهُ يَا سَوْدَةُ بِنْتَ زَمْعَةَ»، مِمَّا رَأٰى مِنْ شَبْهِهِ بِعُتْبَةَ، وَكَانَتْ سَوْدَةُ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٢٠٥٣]

زمعہ بھی آئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ میرا بھتیجا ہے۔ بھائی نے مجھے وصیت کی تھی کہ وہ اس کا بیٹا ہے۔ عبد بن زمعہ نے کہا: اللہ کے رسول! یہ میرا بھائی اور زمعہ کا بیٹا ہے، اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے زمعہ کی لونڈی کے بیٹے کو دیکھا تو وہ سب لوگوں میں عتبہ کے زیادہ مشابہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عبد بن زمعہ! یہ تیرا (بھائی) ہے'' کیونکہ وہ ان کے والد کے بستر پر پیدا ہوا تھا۔ (تب) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے سودہ بنت زمعہ! تم اس سے حجاب میں رہنا'' کیونکہ آپ نے اس کی مشابہت عتبہ کے ساتھ دیکھی تھی۔ ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ ہیں۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ دیا کہ مذکورہ لڑکا عبد بن زمعہ کا بھائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس لڑکے کی ماں، یعنی زمعہ کی لونڈی ام ولد ہے۔ اس واقعے میں ام ولد کی آزادی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اسے زمعہ کا فراش قرار دیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے وہ اور زمعہ کی بیوی دونوں برابر ہیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث سے ان حضرات کی تردید کرنا چاہتے ہیں جن کا موقف ہے کہ اگر لونڈی بچے کو جنم دے تو وہ صاحب فراش کا نہیں ہوگا جب تک مالک اس کا اقرار نہ کرے۔ یہ موقف اس حدیث کے خلاف ہے۔ چونکہ اس لڑکے کی مشابہت عتبہ سے ملتی جلتی تھی، اس لیے احتیاط کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو اس سے پردہ کرنے کا حکم دیا بصورت دیگر بھائی سے پردہ کرنا چہ معنی دارد؟

(٩) بَابُ بَيْعِ الْمُدَبَّرِ

باب:9- مدبر کی بیع کا بیان

٢٥٣٤ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ: سَمِعْتُ جَابِرَ ابْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَعْتَقَ رَجُلٌ مِنَّا عَبْدًا لَهُ عَنْ دُبُرٍ فَدَعَا النَّبِيُّ ﷺ فَبَاعَهُ. قَالَ جَابِرٌ: مَاتَ الْغُلَامُ عَامَ أَوَّلَ. [راجع: ٢١٤١]

[2534] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم میں سے ایک آدمی نے اپنے غلام کو اپنے مرنے کے بعد آزاد قرار دیا تو نبی ﷺ نے اسے بلایا اور فروخت کر دیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ غلام پہلے سال ہی فوت ہو گیا۔

فوائد ومسائل: ① مدبر غلام وہ ہے کہ جسے اس کا مالک یہ کہہ دے: ''میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے۔'' یہ مدبر مطلق ہے۔ اگر یوں کہے: اگر میں اس بیماری میں مرگیا تو وہ آزاد ہے، یہ مدبر مقید ہے۔ ② مدبر غلام کی خرید وفروخت کے متعلق علمائے

حدیث میں اختلاف ہے۔ امام بخاری ؒ کا مذکورہ عنوان اور پیش کردہ حدیث سے یہ رجحان معلوم ہوتا ہے کہ مطلق طور پر مدبر کی بیع جائز ہے۔ ہمارے نزدیک مدبر کی فروخت چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے: پہلی شرط یہ ہے کہ اس کا آقا مقروض ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس کے پاس کوئی ایسی جائیداد نہ ہو جس سے قرض کی ادائیگی ممکن ہو۔ ایسے حالات میں آقا اپنی زندگی میں جب چاہے اپنے مدبر غلام کو فروخت کر سکتا ہے۔ حدیث میں جس غلام کو فروخت کرنے کا ذکر ہے اس کا آقا اسی قسم کے حالات سے دوچار تھا، چنانچہ اس غلام کی آزادی آقا کی موت کے ساتھ مشروط ہے، اس لیے موت سے پہلے اسے جب ضرورت پڑے تو وہ فروخت کر سکتا ہے۔

(١٠) بَابُ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهِ

باب: 10- ولاء کو فروخت کرنا اور اس کا بطور ہدیہ دینا

٢٥٣٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهِ. [انظر: ٦٧٥٦]

[2535] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے ولاء کے بیچنے اور اس کے ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

فائدہ: ولاء اس تعلق کو کہتے ہیں جو آزاد کردہ غلام اور اسے آزاد کرنے والے کے درمیان قائم ہو۔ جب آزاد کردہ غلام فوت ہو جائے تو اس کا وارث اس کا آزاد کرنے والا ہو گا یا اس کے دیگر ورثاء؟ دور جاہلیت میں لوگ اس تعلق کو بیچنا اور کسی کو ہبہ کرنا جائز خیال کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کیونکہ ولاء نسب کی طرح ہے جو کسی طور پر بھی زائل نہیں ہو سکتا، اس کے متعلق کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

٢٥٣٦ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: اشْتَرَيْتُ بَرِيرَةَ فَاشْتَرَطَ أَهْلُهَا وَلَاءَهَا، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «أَعْتِقِيهَا فَإِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْطَى الْوَرِقَ» فَأَعْتَقْتُهَا، فَدَعَاهَا النَّبِيُّ ﷺ فَخَيَّرَهَا مِنْ زَوْجِهَا فَقَالَتْ: لَوْ أَعْطَانِي كَذَا وَكَذَا مَا ثَبَتُّ عِنْدَهُ، فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا. [راجع:

[2536] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے حضرت بریرہ ؓ کو خریدا تو اس کے مالکوں نے ولاء اپنے پاس رکھنے کی شرط لگا دی۔ میں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: "تم اسے (خرید کر) آزاد کر دو۔ ولاء تو اسی کی ہے جو قیمت ادا کرے۔" چنانچہ میں نے اسے (خرید کر) آزاد کر دیا۔ نبی ﷺ نے اسے بلا کر اس کے شوہر کے متعلق اسے اختیار دیا تو حضرت بریرہ ؓ نے کہا: اگر وہ مجھے اتنا اتنا مال بھی دے تو میں اس کے

[٤٥٦ پاس نہیں رہوں گی۔ اس نے خود کو اختیار کیا، یعنی وہ اپنے شوہر سے جدا ہوگئی۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ولاء اس شخص کے لیے ہے جو قیمت ادا کر کے اسے آزاد کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ولاء قابل انتقال حق نہیں ہے، یعنی فروخت اور ہبہ کرنے سے دوسرے کو منتقل نہیں ہوسکتا، عنوان کا یہی مقصد ہے۔ ② علامہ خطابی فرماتے ہیں: ولاء نسب کی طرح ہے، جس نے آزاد کیا ولاء اسی کا حق ہے، جیسے کسی کے ہاں بچہ پیدا ہو تو نسب بھی اسی کا ثابت ہوگا۔ اگر وہ غیر کی طرف منسوب ہو تو اس کے والد سے یہ نسب منتقل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح ولاء بھی اپنے محل سے منتقل نہیں ہوگی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "ولاء بھی نسب کی طرح ایسا رشتہ ہے جسے فروخت نہیں کیا جا سکتا اور نہ اسے بطور ہبہ ہی دیا جا سکتا ہے۔"[1]

(١١) بَابٌ: إِذَا أُسِرَ أَخُو الرَّجُلِ أَوْ عَمُّهُ هَلْ يُفَادَى إِذَا كَانَ مُشْرِكًا؟

باب: 11- جب کسی کا مشرک بھائی یا چچا قید ہو جائے تو کیا (انھیں چھڑانے کے لیے) ان کا فدیہ دیا جا سکتا ہے؟

وَقَالَ أَنَسٌ: قَالَ الْعَبَّاسُ لِلنَّبِيِّ ﷺ: فَادَيْتُ نَفْسِي وَفَادَيْتُ عَقِيلًا، وَكَانَ عَلِيٌّ لَهُ نَصِيبٌ فِي تِلْكَ الْغَنِيمَةِ الَّتِي أَصَابَ مِنْ أَخِيهِ عَقِيلٍ وَعَمِّهِ عَبَّاسٍ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے کہا: میں نے اپنی ذات کا فدیہ دیا تھا اور عقیل کا بھی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اس غنیمت سے حصہ ملا تھا جو ان کے بھائی عقیل اور چچا عباس سے ملی تھی۔

وضاحت: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی معلق روایت خود امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کی ہے۔[2] فقہائے کوفہ کہتے ہیں: آدمی اگر اپنے کسی محرم کا مالک ہوجائے تو مالک بنتے ہی مملوک آزاد ہو جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی تردید فرمائی ہے کہ غزوۂ بدر میں حضرت عباس اور حضرت عقیل قید ہوئے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان پر ملک کا کچھ حصہ حاصل ہوا تھا، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو بھی اپنے چچا عباس پر کچھ ملک حاصل ہوا مگر ان کی آزادی کا حکم نہیں دیا بلکہ انھیں فدیہ لے کر ہی آزاد کیا گیا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر آدمی اپنے کسی غیر مسلم قیدی کا مالک ہو جائے تو بھی آزاد کیے بغیر وہ آزادی نہیں پاسکتا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے درج ذیل حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کسی محرم رشتہ دار کا مالک بنا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔"[3]

---

① صحيح ابن حبان، البيوع، حديث: 4929. ② صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 421. ③ سنن أبي داود، العتق، حديث: 3949.

٢٥٣٧ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُقْبَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَنَسٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رِجَالًا مِّنَ الْأَنْصَارِ اسْتَأْذَنُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالُوا: اِئْذَنْ لَنَا فَلْنَتْرُكْ لِابْنِ أُخْتِنَا عَبَّاسٍ فِدَاءَهُ، فَقَالَ: «لَا تَدَعُونَ مِنْهُ دِرْهَمًا». [انظر: ٣٠٤٨، ٤٠١٨]

[2537] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار کے کچھ آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی، عرض کرنے لگے: آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم اپنے بھانجے عباس کا فدیہ چھوڑ دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک درہم بھی نہ چھوڑو۔''

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ اس سلسلے میں ذوالارحام اور عصبات، یعنی دور اور قریب کے رشتے داروں میں کوئی فرق نہیں۔ جس طرح دور کا رشتے دار ملکیت میں آ جانے کے بعد آزادی دیے بغیر آزاد نہیں ہو سکتا اسی طرح قریبی رشتے دار بھی صرف ملکیت میں آ جانے سے آزاد نہیں ہو جاتا۔ نبیٔ اکرم ﷺ کا حضرت عباس اور عقیل سے فدیہ لینا اس کی واضح دلیل ہے۔ ② کیونکہ حضرت عباس اور عقیل صرف قیدی بنے تھے ملکیت میں نہیں آئے تھے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ مقصد نہیں کہ ملکیت سے فوراً آزادی حاصل نہیں ہوتی بلکہ مسلمان اور کافر کے بارے میں مطلق باب قائم کرنے اور پھر یہ روایات لانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا موقف یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مشرک رشتے دار کا مالک بنے گا تو وہ از خود آزاد نہیں ہوگا، تاہم اگر مسلمان رشتے دار کا مالک بنے گا تو وہ از خود آزاد ہو جائے گا۔[1]

(١٢) بَابُ عِتْقِ الْمُشْرِكِ

باب: 12- مشرک انسان کا غلام کو آزاد کرنا

٢٥٣٨ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ، أَخْبَرَنِي أَبِي: أَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَعْتَقَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِائَةَ رَقَبَةٍ، وَحَمَلَ عَلَى مِائَةِ بَعِيرٍ، فَلَمَّا أَسْلَمَ حَمَلَ عَلَى مِائَةِ بَعِيرٍ وَّأَعْتَقَ مِائَةَ رَقَبَةٍ، قَالَ: فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَرَأَيْتَ أَشْيَاءَ كُنْتُ أَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، كُنْتُ أَتَحَنَّثُ بِهَا - يَعْنِي: أَتَبَرَّرُ بِهَا -؟ قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَسْلَمْتَ عَنْ مَّا سَلَفَ لَكَ مِنْ

[2538] عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے زمانۂ جاہلیت میں سو غلام آزاد کیے اور ایک سو اونٹ لوگوں کو سواری کے لیے دیے تھے۔ جب وہ مسلمان ہوئے تو سو اونٹ مزید لوگوں کو سواری کے لیے دیے اور سو غلام آزاد کیے۔ حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: اللہ کے رسول! مجھے ان اشیاء کے متعلق بتائیں جو میں زمانۂ جاہلیت میں کرتا رہا ہوں، یعنی وہ چیزیں میں ثواب کے لیے کرتا تھا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اسلام لے آئے ہو اور جو

1 فتح الباري: 208/5.

خَيْرٍ». [راجع: ١٤٣٦] نیک کام تم نے پہلے کیے ہیں وہ قائم رہیں گے۔"

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرک انسان کا ثواب کی نیت سے غلام آزاد کرنا جائز ہے لیکن اس کا ثواب تب ہی ملے گا کہ وہ اسلام قبول کرلے۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ کفر کی حالت میں ان لوگوں کی عبادت صحیح ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ "ان کی کوشش (نیکی اور اچھائی) دنیا کی زندگی میں ضائع ہوگئی۔"[1] بلکہ اس کے بعد جب مسلمان ہوگا تو بحالت کفر کیے ہوئے نیک اعمال سے فائدہ حاصل کرے گا، چنانچہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے جب غلام آزاد کیے تو وہ اس وقت کافر تھے، ان کو ثواب مسلمان ہونے کے بعد حاصل ہوا، تو جس انسان نے بحالت مسلمان غلاموں کو آزاد کیا اسے تو بطریق اولیٰ ثواب حاصل ہوگا۔ ② واضح رہے کہ کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی اور نہ اسے آخرت ہی میں کوئی ثواب ملے گا، البتہ مسلمان بندوں پر اللہ کی خاص مہربانی ہے کہ ان کی زمانۂ کفر میں کی ہوئی نیکیاں برقرار رہتی ہیں جیسا کہ حدیث میں صراحت ہے۔

(١٣) بَابُ مَنْ مَّلَكَ مِنَ الْعَرَبِ رَقِيقًا فَوَهَبَ وَبَاعَ وَجَامَعَ وَفَدٰى وَسَبَى الذُّرِّيَّةَ

باب: 13- جو شخص کسی عربی غلام لونڈی کا مالک بنا تو اس نے ہبہ کر دیا، بیچ دیا، اس سے جماع کیا، اس سے فدیہ لیا یا اس کی اولاد کو قیدی بنایا (کیا یہ درست ہے؟)

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: ﴿عَبْدًا مَّمْلُوكًا لَّا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَمَن رَّزَقْنَٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَجَهْرًا ۖ هَلْ يَسْتَوُۥنَ ۚ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [النحل: ٧٥]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "......وہ مملوک غلام جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور وہ شخص جسے ہماری طرف سے اچھا رزق ملا وہ اس سے خفیہ اور اعلانیہ خرچ کرتا ہے، کیا یہ دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ تمام تعریف اللہ کے لیے ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔"

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی عربی کو غلام بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جمہور اہل علم کا موقف ہے کہ عربی جب قید ہوجائے، یعنی دوران جنگ میں پکڑا جائے تو اسے غلام بنانا جائز ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا میلان بھی جواز کی طرف معلوم ہوتا ہے کیونکہ انھوں نے اس سلسلے میں جو آیت پیش کی ہے اس میں مملوک کا مطلق ذکر ہے، اس میں عربی یا عجمی ہونے کی پابندی نہیں بلکہ عموم کے اعتبار سے عربی اور عجمی دونوں کو شامل ہے۔ پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے تفصیل سے پانچ چیزیں ذکر کی ہیں: ○ ان کا ہبہ کرنا۔ ○ ان کی خرید وفروخت کرنا۔ ○ ان کی لونڈیوں سے جماع کرنا۔ ○ ان سے فدیہ لینا۔ ○ ان کی اولاد کو قیدی بنانا۔ انھوں نے اس عنوان کے تحت چار احادیث ذکر کی ہیں اور ہر حدیث سے ایک الگ حکم ثابت کیا

1 الکھف 18:104۔

ہے، البتہ ان کی خرید وفروخت کے متعلق صراحتاً ذکر نہیں ہے لیکن روایت کے بعض طرق میں خرید وفروخت کی صراحت موجود ہے جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔[1]

٢٥٣٩، ٢٥٤٠ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: ذَكَرَ عُرْوَةُ أَنَّ مَرْوَانَ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَاهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَامَ حِينَ جَاءَهُ وَفْدُ هَوَازِنَ فَسَأَلُوهُ أَنْ يَرُدَّ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَسَبْيَهُمْ، فَقَالَ: «إِنَّ مَعِيَ مَنْ تَرَوْنَ، وَأَحَبُّ الْحَدِيثِ إِلَيَّ أَصْدَقُهُ، فَاخْتَارُوا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ: إِمَّا الْمَالَ وَإِمَّا السَّبْيَ، وَقَدْ كُنْتُ اسْتَأْنَيْتُ بِهِمْ» وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ انْتَظَرَهُمْ بِضْعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً حِينَ قَفَلَ مِنَ الطَّائِفِ، فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ غَيْرُ رَادٍّ إِلَيْهِمْ إِلَّا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ قَالُوا: فَإِنَّا نَخْتَارُ سَبْيَنَا، فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فِي النَّاسِ فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ إِخْوَانَكُمْ قَدْ جَاؤُنَا تَائِبِينَ وَإِنِّي رَأَيْتُ أَنْ أَرُدَّ إِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ، فَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يُطَيِّبَ ذٰلِكَ فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَكُونَ عَلَى حَظِّهِ حَتَّى نُعْطِيَهُ إِيَّاهُ مِنْ أَوَّلِ مَا يُفِيءُ اللهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ». فَقَالَ النَّاسُ: طَيَّبْنَا لَكَ ذٰلِكَ، قَالَ: «إِنَّا لَا نَدْرِي مَنْ أَذِنَ مِنْكُمْ مِمَّنْ لَمْ يَأْذَنْ، فَارْجِعُوا حَتَّى يَرْفَعَ إِلَيْنَا عُرَفَاؤُكُمْ أَمْرَكُمْ». فَرَجَعَ النَّاسُ فَكَلَّمَهُمْ عُرَفَاؤُهُمْ، ثُمَّ رَجَعُوا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرُوهُ أَنَّهُمْ طَيَّبُوا وَأَذِنُوا، فَهٰذَا الَّذِي بَلَغَنَا عَنْ سَبْيِ هَوَازِنَ.

[2540,2539] عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مروان اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما نے انھیں بتایا کہ جب نبی ﷺ کے پاس قبیلۂ ہوازن کا وفد آیا تو آپ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ ان کے قیدی اور مال واپس کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میرے ساتھ اور لوگ بھی ہیں جنھیں تم دیکھ رہے ہو، نیز میرے نزدیک اچھی بات وہ ہے جو سچی ہو، اب تم لوگ دو چیزوں میں سے ایک کو اختیار کر سکتے ہو: مال لے لو یا قیدی چھڑا لو۔ میں نے تو ان (قیدیوں کی تقسیم) میں تاخیر کی تھی (اور تمھارا انتظار کرتا رہا)۔“ نبی ﷺ نے طائف سے واپسی کے بعد دس دن سے زیادہ ان کا انتظار کیا۔ جب اہل وفد کو یقین ہو گیا کہ نبی ﷺ انھیں دو چیزوں میں سے صرف ایک چیز واپس کریں گے تو انھوں نے کہا: ہم اپنے قیدی اختیار کرتے ہیں، چنانچہ نبی ﷺ لوگوں میں کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے شایان شان حمد و ثنا کی، پھر فرمایا: ”امابعد! تمھارے بھائی ہمارے پاس تائب ہو کر آئے ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ میں انھیں ان کے قیدی واپس کر دوں۔ جو کوئی تم میں سے خوشی کے ساتھ یہ کرنا چاہے وہ کرے اور جو کوئی اپنا حصہ لینا پسند کرتا ہے تو ہم سب سے پہلے جو مال غنیمت آئے گا اس میں سے اس کا حصہ اسے دیں گے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔“ لوگوں نے کہا: اللہ کے رسول! ہم آپ کی خاطر یہ کام بخوشی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”ہم نہیں جانتے کہ تم میں سے کس نے خوشی سے اجازت دی ہے اور کس نے اجازت

[1] فتح الباري : 211/5.

نہیں دی، لہٰذا تم سب واپس چلے جاؤ حتیٰ کہ ہمارے پاس تمھارے نمائندے، تمھاری رائے کا اظہار کریں۔" چنانچہ وہ واپس چلے گئے اور ان کے نمائندگان نے ان سے بات چیت کی۔ پھر وہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو بتایا کہ انھوں نے خوش دلی سے اجازت دے دی ہے۔ یہ واقعہ ہمیں قبیلۂ ہوازن کے قیدیوں کے متعلق معلوم ہوا ہے۔

وَقَالَ أَنَسٌ: قَالَ عَبَّاسٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ: فَادَيْتُ نَفْسِي وَفَادَيْتُ عَقِيلًا. [راجع: ٢٣٠٧، ٢٣٠٨]

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ دیا تھا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں قبیلۂ ہوازن کے قیدیوں کا ذکر ہے جو غزوۂ حنین میں کامیابی کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ لگے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد، یعنی عربوں کو غلام بنایا جا سکتا ہے اور انھیں ہبہ بھی کیا جا سکتا ہے جیسا کہ بنوہوازن کے ساتھ ہوا۔ ہبہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ان تمام قیدیوں کو جو غلام بن چکے تھے، ان کے ورثاء کو ہبہ کر دیا، یعنی واپس کر دیا جنھیں لونڈی غلام بنالیا گیا تھا۔ اسی طرح حضرت عباس اور حضرت عقیل جیسے اشراف قریش کو بھی دور غلامی سے گزرنا پڑا۔ انھوں نے فدیہ دے کر اس سے رہائی حاصل کی۔ ② اس حدیث کے آخر میں معلق روایت ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے خود ہی كتاب الصلاة، حدیث: 421 متصل سند سے بیان کیا ہے۔

٢٥٤١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْنٍ قَالَ: كَتَبْتُ إِلَى نَافِعٍ فَكَتَبَ إِلَيَّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَغَارَ عَلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَارُّونَ وَأَنْعَامُهُمْ تُسْقَى عَلَى الْمَاءِ فَقَتَلَ مُقَاتِلَتَهُمْ وَسَبَى ذَرَارِيَّهُمْ، وَأَصَابَ يَوْمَئِذٍ جُوَيْرِيَةَ. حَدَّثَنِي بِهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ وَكَانَ فِي ذٰلِكَ الْجَيْشِ.

[2541] ابن عون کہتے ہیں: میں نے حضرت نافع رحمہ اللہ کو خط لکھا تو انھوں نے جواباً مجھے خط لکھا کہ نبی ﷺ نے جب بنو مصطلق پر حملہ کیا تو وہ بالکل بے خبر تھے اور ان کے جانوروں کو تالاب پر پانی پلایا جا رہا تھا، چنانچہ آپ نے ان کے لڑنے والوں کو قتل کر دیا اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ انھی قیدیوں میں سے حضرت ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ حضرت نافع کہتے ہیں: مجھے یہ واقعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا جو اس لشکر میں موجود تھے۔

فوائد ومسائل: ① بنومصطلق ایک عرب قبیلہ ہے جسے غلام بنایا گیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ عربوں کو بھی لونڈی غلام بنایا جا سکتا ہے جبکہ وہ کافر ہوں اور اسلامی حکومت کے مقابلے میں لڑنے کے لیے آئیں اور یہی بات راجح ہے، تاہم بعض اہل علم کا موقف ہے کہ عربوں کی شرافت کے پیش نظر انھیں لونڈی غلام نہ بنایا جائے۔ ② اس حدیث سے عربوں

کی اولاد کو قیدی بنانا ثابت ہوا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت جویریہ ؓ سے نکاح کر لیا تو صحابۂ کرام ؓ نے بنو مصطلق کے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سسرالی رشتے میں منسلک ہو چکے تھے۔ رضي الله عنهم أجمعين.

٢٥٤٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيزٍ قَالَ: رَأَيْتُ أَبَا سَعِيدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَسَأَلْتُهُ، فَقَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي غَزْوَةِ بَنِي الْمُصْطَلِقِ فَأَصَبْنَا سَبْيًا مِّنْ سَبْيِ الْعَرَبِ فَاشْتَهَيْنَا النِّسَاءَ فَاشْتَدَّتْ عَلَيْنَا الْعُزْبَةُ، وَأَحْبَبْنَا الْعَزْلَ فَسَأَلْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «مَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَّا تَفْعَلُوا، مَا مِنْ نَّسَمَةٍ كَائِنَةٍ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا وَهِيَ كَائِنَةٌ». [راجع: ٢٢٢٩]

[2542] ابن محیریز کہتے ہیں: میں نے حضرت ابوسعید خدری ؓ کو دیکھا تو ان سے سوال کیا۔ انھوں نے جواباً فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوۂ بنو مصطلق کے لیے روانہ ہوئے تو ہمیں عرب کے چند قیدی ہاتھ لگے۔ چونکہ ہم پر عورتوں سے الگ رہنا گراں ہو گیا تھا، اس لیے ہمیں عورتوں سے ملنے کی خواہش ہوئی۔ ہم نے ان سے عزل کرنا چاہا تو ہم نے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا: ''تم پر لازم ہے کہ ایسا مت کرو کیونکہ کوئی بھی جان جو قیامت تک پیدا ہونے والی ہو، وہ پیدا ہو کر رہے گی۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عربوں کو نہ صرف غلام لونڈی بنایا جا سکتا ہے بلکہ ایسی لونڈیوں سے جماع بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن اس امر پر اتفاق ہے کہ ایک حیض آ جانے کے بعد لونڈی سے جماع کرنا جائز ہے تاکہ اس کا رحم فارغ ہو جائے۔ ② عزل، خاوند بیوی کا ایک نجی معاملہ ہے اسے بنیاد بنا کر فیملی پلاننگ کے متعلق ''قومی تحریک'' چلانا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اس کے متعلق مکمل بحث کتاب النکاح میں آئے گی۔ بإذن الله تعالىٰ.

٢٥٤٣ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: «لَا أَزَالُ أُحِبُّ بَنِي تَمِيمٍ». وَحَدَّثَنِي ابْنُ سَلَامٍ: أَخْبَرَنَا جَرِيرُ ابْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ عَنِ الْمُغِيرَةِ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَنْ عُمَارَةَ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: مَا زِلْتُ أُحِبُّ بَنِي تَمِيمٍ مُنْذُ ثَلَاثٍ سَمِعْتُ مِنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ يَقُولُ فِيهِمْ، سَمِعْتُهُ يَقُولُ: «هُمْ أَشَدُّ

[2543] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں بنو تمیم سے تب سے بہت محبت کرتا ہوں، جب سے میں نے ان کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے تین باتیں سنی ہیں۔ آپ فرماتے تھے: ''میری امت میں سے دجال پر یہی لوگ زیادہ سخت ہوں گے۔'' ابوہریرہ ؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ان کی طرف سے زکاۃ آئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ ہماری قوم کی زکاۃ ہے۔'' اور ان میں سے ایک لونڈی حضرت عائشہ ؓ کے پاس تھی جس کے متعلق آپ نے فرمایا: ''اسے آزاد کر دے کیونکہ یہ حضرت اسماعیل

أُمَّتِي عَلَى الدَّجَّالِ». قَالَ: وَجَاءَتْ صَدَقَاتُهُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «هٰذِهِ صَدَقَاتُ قَوْمِنَا»، وَكَانَتْ سَبِيَّةٌ مِّنْهُمْ عِنْدَ عَائِشَةَ فَقَالَ: «أَعْتِقِيهَا فَإِنَّهَا مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ». [انظر: ٤٣٦٦]

علیہ السلام کی اولاد سے ہے۔“

فوائد ومسائل: ① قبیلۂ بنوتمیم کا تعلق عرب قبائل سے ہے۔ یہ قبیلہ تمیم بن مرہ کی طرف منسوب تھا۔ اس قبیلے کو رسول اللہ ﷺ نے یہ شرف عطا فرمایا کہ انھیں اپنی قوم قرار دیا۔ حدیث پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ عربوں کو غلام لونڈی بنایا جا سکتا ہے کیونکہ اس لونڈی کا تعلق حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خاندان سے تھا جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آزاد کیا تھا۔ ② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نذر مانی تھی کہ اسماعیلی غلام آزاد کروں گی کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے غلام آزاد کرنا اللہ کے ہاں بہت مقام رکھتا ہے۔ علامہ اسماعیلی کی روایت کے مطابق جب قبیلۂ بنوتمیم کی شاخ بنوعنبر کے قیدی آئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ”اسے خرید کر آزاد کردو کیونکہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔“ اس سے معلوم ہوا کہ عرب لونڈی غلام کو فروخت بھی کیا جا سکتا ہے اور انھیں خریدا بھی جا سکتا ہے۔[1]

(١٤) بَابُ فَضْلِ مَنْ أَدَّبَ جَارِيَتَهُ وَعَلَّمَهَا

باب: 14- اس شخص کی فضیلت جو اپنی لونڈی کو ادب سکھائے اور اسے تعلیم دے

٢٥٤٤ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: سَمِعَ مُحَمَّدَ بْنَ فُضَيْلٍ عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ كَانَتْ لَهُ جَارِيَةٌ فَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ إِلَيْهَا، ثُمَّ أَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا كَانَ لَهُ أَجْرَانِ». [راجع: ٩٧]

[2544] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کے پاس لونڈی ہو اور وہ اسے خوب اچھی تعلیم دے، پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے تو اسے دوہرا ثواب ہوگا۔“

فوائد ومسائل: ① جو شخص اہل ثروت سے نکاح کرنے کی طاقت کے باوجود تواضع اور انکساری کرتے ہوئے کسی آزاد کردہ لونڈی سے نکاح کرے تو اسے اللہ کے ہاں بہت اجر وثواب ملتا ہے۔ ② زیر کفالت بچوں کی تعلیم وتربیت کی طرف انسان کو خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ ان کے نکاح اور تعلیم کا بندوبست کرنے سے اللہ تعالیٰ دوگنا اجر وثواب دیتا ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

1 فتح الباري: 213/5.

(١٥) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «الْعَبِيدُ إِخْوَانُكُمْ فَأَطْعِمُوهُمْ مِمَّا تَأْكُلُونَ»

باب: 15- ارشاد نبوی: ''یہ غلام تمھارے بھائی ہیں جو تم خود کھاؤ وہ انھیں کھلاؤ'' کا بیان

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا۟ بِهِۦ شَيْـًٔا ۖ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَـٰنًا وَبِذِى ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْيَتَـٰمَىٰ وَٱلْمَسَـٰكِينِ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿مُخْتَالًا فَخُورًا﴾ [النساء:٣٦] قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: ﴿ذِى ٱلْقُرْبَىٰ﴾ اَلْقَرِيبُ، ﴿وَٱلصَّاحِبِ بِٱلْجَنۢبِ﴾: اَلْغَرِيبُ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، والدین کے ساتھ خوش اسلوبی سے پیش آؤ اور اپنے قریبی رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں سے ..... مغرور اور خود پسند کو پسند نہیں کرتا۔''

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) بیان کرتے ہیں کہ: ﴿ذي القربى﴾ سے مراد قریبی رشتہ دار اور ﴿و الصاحب بالجنب﴾ سے مراد اجنبی ہے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے الفاظ کو عنوان قرار دیا ہے۔ دور جاہلیت میں انسانوں کو لونڈی غلام بنا کر حیوانوں کی طرح خریدا اور بیچا جاتا تھا۔ دنیا کے کسی قانون یا مذہب میں اس کی روک ٹوک نہیں تھی، ایسے حالات میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی حسن تدبیر سے ان رسومات بد کا خاتمہ کیا اور ان کے متعلق ایسی ہدایات دیں کہ عام مسلمان اپنے غلاموں کو انسانیت کا درجہ دینے لگے اور انھیں اپنے بھائی بند خیال کرنے لگے۔ اس آیت کریمہ میں لونڈی غلام کے ساتھ حسن سلوک کرنا اتنا ہی ضروری بتایا گیا ہے جتنا دوسرے رشتے داروں، یتیموں اور مساکین سے ضروری ہے۔ بالآخر لونڈی غلام اب ہماری تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں عملی طور پر اس کا وجود ختم ہو چکا ہے۔

٢٥٤٥ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا وَاصِلٌ الْأَحْدَبُ قَالَ: سَمِعْتُ الْمَعْرُورَ بْنَ سُوَيْدٍ قَالَ: رَأَيْتُ أَبَا ذَرٍّ الْغِفَارِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ وَّعَلَى غُلَامِهِ حُلَّةٌ، فَسَأَلْنَاهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ: إِنِّي سَابَبْتُ رَجُلًا فَشَكَانِي إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَعَيَّرْتَهُ بِأُمِّهِ؟» ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ إِخْوَانَكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ

[2545] حضرت معرور بن سوید سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ ایک عمدہ پوشاک زیب تن کیے ہوئے تھے اور ان کے غلام نے بھی اسی طرح کی پوشاک پہنی ہوئی تھی۔ ہم نے ان سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: میں نے ایک شخص کو گالی دی تھی۔ اس نے نبی ﷺ کی خدمت میں میری شکایت کی تو آپ نے مجھ سے فرمایا: ''کیا تو نے اسے اس کی ماں کی وجہ سے عار دلائی ہے؟'' پھر فرمایا: ''تمھارے خادم تمھارے بھائی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے تمھارے ماتحت کر دیا ہے، اس لیے جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو تو

ہے کہ غلام پر جہاد فرض نہیں ہے اسی طرح حج کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل نہیں ہے، ماں کی خدمت بھی آزادی سے نہیں کر سکتا، اس لیے اگر یہ باتیں نہ ہوتیں تو میں آزادی کی نسبت کسی کا غلام رہنا پسند کرتا۔[1]

٢٥٤٩ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ: حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «نِعِمَّا لِأَحَدِهِمْ يُحْسِنُ عِبَادَةَ رَبِّهِ وَيَنْصَحُ لِسَيِّدِهِ».

[2549] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''کتنا اچھا ہے کسی کا وہ غلام جو اپنے رب کی عبادت اچھی طرح کرتا ہے اور اپنے آقا کی خیر خواہی بھی کرتا ہے۔''

فائدہ: رسول اللہ ﷺ نے جہاں آقاؤں کو اپنے لونڈی غلاموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تلقین فرمائی ہے وہاں لونڈی غلاموں سے توقع رکھی ہے کہ وہ اسلامی فرائض کی ادائیگی کے بعد اپنے آقاؤں کی خیر خواہی کو اہم فریضہ خیال کریں، ان کے ساتھ وفاداری کریں اور انھیں تکلیف پہنچانے کا تصور تک نہ کریں۔ اگر وہ ان تعلیمات پر عمل کریں گے تو اللہ کے ہاں دوگنا اجر پائیں گے۔ ایسے غلاموں کی رسول اللہ ﷺ نے تعریف کی ہے جیسا کہ حدیث مذکور میں ہے۔ واللہ أعلم.

(١٧) بَابُ كَرَاهِيَةِ التَّطَاوُلِ عَلَى الرَّقِيقِ، وَقَوْلِهِ: عَبْدِي أَوْ أَمَتِي

باب: 17- غلام لونڈی پر اظہار تفاخر کی ممانعت اور عبدي یا أمتي کہنا (بھی مکروہ ہے)

وَقَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿وَٱلصَّٰلِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَآئِكُمْ﴾ [النور: ٣٢]. وَقَالَ: ﴿عَبْدًا مَّمْلُوكًا﴾ [النحل: ٧٥] ﴿وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا ٱلْبَابِ﴾ [يوسف: ٢٥] وَقَالَ: ﴿مِّن فَتَيَٰتِكُمُ ٱلْمُؤْمِنَٰتِ﴾ [النساء: ٢٥] وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ»، وَ﴿ٱذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ﴾ [يوسف: ٤٢]: عِنْدَ سَيِّدِكَ. وَ«مَنْ سَيِّدُكُمْ؟»

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور تمھارے غلاموں اور تمھاری لونڈیوں میں سے جو نیک ہیں۔'' نیز فرمایا: ''(اللہ نے مثال بیان کی) عبد مملوک کی۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور ان دونوں نے اپنے سید کو دروازے کے پاس پایا۔'' نیز فرمایا: ''تمھاری مسلمان لونڈیوں میں سے۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو جاؤ۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اپنے مالک کے پاس میرا ذکر کرنا۔'' آیت کریمہ میں ربك سے مراد سيدك، یعنی تیرا سردار ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تمھارا سردار کون ہے؟''

وضاحت: حدیث میں ہے کہ انسان کو اپنے غلام یا لونڈی کے لیے یوں نہیں کہنا چاہیے: یا عَبْدِي اور یا أَمَتِي. یہ ممانعت مشترک لفظ کی وجہ سے ہے کیونکہ عبداللہ اور امۃ اللہ کہا جاتا ہے اور اگر اپنے غلام لونڈی کو عبدي اور أَمَتِي کہا جائے تو اشتراک کا

1 فتح الباري: 217/5.

وہم ہوتا ہے۔ چونکہ قرآن میں یہ لفظ اس معنی میں بندوں کے لیے استعمال ہوا ہے، اس لیے مکروہ تنزیہی ہے۔ قرآن کریم میں استعمال کا امام بخاری رحمہ اللہ نے حوالہ دیا ہے۔ قرآن وحدیث کے مذکورہ استعمالات سے معلوم ہوا کہ اس طرح کے اطلاقات جائز ہیں، مکروہ تحریمی نہیں ہیں مگر ایک مسلمان کو ان سے بچنا چاہیے کیونکہ جہاں شرک کا وہم ہو اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے۔ خاص طور پر لفظ عبد ایسا ہے کہ اس کی اضافت اسماء الحسنٰی کی طرف ہی مناسب ہے۔ توحید وسنت کے پیروکاروں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی عبدیت غیر اللہ کی طرف منسوب نہ کریں۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے سلف نے عبدالنبی یا عبدالحسین جیسے نام رکھنا مکروہ خیال کیا ہے کیونکہ ایسے ناموں میں شرک کا شائبہ یا ابہام ہے۔ اگر حقیقی معنی مراد ہوں تو شرک ہے اور اگر مجازی معنی لیے جائیں تو شرک تو نہیں، تاہم کراہت سے خالی نہیں۔ ترجمۃ الباب میں وارد پہلی حدیث: [قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ] کو خود امام بخاری رحمہ اللہ نے موصولاً ذکر کیا ہے۔[1] اور دوسری روایت [مَنْ سَيِّدُكُمْ] کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔[2]

٢٥٥٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا نَصَحَ الْعَبْدُ سَيِّدَهُ وَأَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ كَانَ لَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ». [راجع: ٢٥٤٦]

[2550] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جب کوئی غلام اپنے آقا کی خیرخواہی کرے اور اپنے رب کی عبادت احسن انداز سے بجالائے تو اسے دوگنا ثواب ملتا ہے۔“

٢٥٥١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لِلْمَمْلُوكِ الَّذِي يُحْسِنُ عِبَادَةَ رَبِّهِ، وَيُؤَدِّي إِلَى سَيِّدِهِ الَّذِي لَهُ عَلَيْهِ مِنَ الْحَقِّ وَالنَّصِيحَةِ وَالطَّاعَةِ أَجْرَانِ». [راجع: ٩٧]

[2551] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”اس غلام کے لیے دوہرا اجر ہے جو اپنے رب کی عبادت بھی خوش اسلوبی سے کرتا ہے اور اپنے آقا کا وہ حق بھی ادا کرتا ہے جو اس کے ذمے ہے، نیز اس کی خیرخواہی اور فرمانبرداری کرتا ہے۔“

فائدہ: ان احادیث میں غلام کے لیے لفظ ”عبد“ اور آقا کے لیے لفظ ”سید“ استعمال ہوا ہے، احادیث لانے کا یہی مقصد ہے کہ جس حدیث میں ممانعت ہے وہ تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے، یعنی بہتر ہے ایسے الفاظ کے استعمال سے بچا جائے۔

٢٥٥٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

[2552] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص اس طرح نہ کہے کہ تو اپنے رب (مالک) کو کھانا

① صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 3043. ② مسند أحمد: 432/3 وإسناده ضعيف.

[أَنَّهُ] قَالَ: «لَا يَقُلْ أَحَدُكُمْ: أَطْعِمْ رَبَّكَ، وَضِّئْ رَبَّكَ، أَسْقِ رَبَّكَ، وَلْيَقُلْ: سَيِّدِي مَوْلَايَ، وَلَا يَقُلْ أَحَدُكُمْ: عَبْدِي أَمَتِي، وَلْيَقُلْ: فَتَايَ وَفَتَاتِي وَغُلَامِي».

کھلا، اپنے رب کو وضو کرا، اپنے رب کو پانی پلا، بلکہ یوں کہے: اے میرے سردار! اے میرے آقا! اور کوئی تم میں سے یوں نہ کہے: میرا بندہ، میری بندی، بلکہ یوں کہے: میرا خادم، میری خادمہ اور میرا غلام۔"

فوائدو مسائل: ① اس لفظ کا استعمال اس لیے منع ہے کہ حقیقی ربوبیت تو صرف اللہ کو لائق ہے، لہٰذا یہ لفظ مخلوق میں سے کسی کے لیے استعمال نہ کیا جائے لیکن قرآن کریم میں اضافت کے ساتھ یہ لفظ غیراللہ کے لیے استعمال ہوا ہے جیسا کہ ﴿وَاذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ﴾ [1] جس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں نہی تحریمی نہیں۔ واللہ أعلم. ② امام نووی ؒ نے لکھا ہے کہ اگر عبدي اور أمتي کے الفاظ میں بداخلاقی اور تکبر پایا گیا تو ان کا استعمال مکروہ ہے اور اگر محض تعریف مراد ہو تو یہ الفاظ کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ [2] بہرحال آقا کو چاہیے کہ وہ اپنے غلام اور لونڈی کو پکارتے وقت فخر اور غرور سے پرہیز کرے، اسی طرح غلام کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے آقا کے لیے ایسے الفاظ استعمال نہ کرے جن میں اللہ کی تعظیم جیسا اظہار ہو۔

٢٥٥٣ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ أَعْتَقَ نَصِيبًا لَهُ مِنَ الْعَبْدِ فَكَانَ لَهُ مِنَ الْمَالِ مَا يَبْلُغُ قِيمَتَهُ قُوِّمَ عَلَيْهِ قِيمَةَ عَدْلٍ، وَأُعْتِقَ مِنْ مَالِهِ وَإِلَّا فَقَدْ أُعْتِقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ».

[2553] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جس نے غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کردیا اور اس کے پاس اتنا مال بھی ہو کہ کسی عادل کی قیمت لگانے کے مطابق اس کی قیمت ادا کی جاسکے تو اس کے مال سے پورا غلام آزاد کیا جائے، بصورت دیگر جتنا اس نے آزاد کیا اتنا ہی آزاد ہوگا۔"

٢٥٥٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ: فَالْأَمِيرُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ فَهُوَ رَاعٍ عَلَيْهِمْ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْهُمْ. وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْهُمْ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْؤُولَةٌ عَنْهُمْ، وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ

[2554] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم سب نگہبان ہو اور ہر ایک سے اس کی نگہبانی کے متعلق پوچھا جائے گا۔ جو لوگوں کا امیر ہے وہ ان کا نگہبان ہے، اس سے اس کی رعایا کے متعلق پوچھا جائے گا۔ مرد اپنے اہل خانہ کا نگہبان ہے، اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی اور اس کے بچوں کی نگہبان ہے، اس سے ان کے متعلق پوچھا جائے گا۔ غلام اپنے آقا کے مال کا

---

① يوسف 42:12. ② فتح الباري: 223/5.

سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْهُ، أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ». [راجع: ۸۹۳]

نگہبان ہے، اس سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ سن لو! تم سب نگہبان ہو اور سب سے اس کی نگہبانی کے متعلق باز پرس ہوگی۔"

۲۵۵۵، ۲۵۵٦ - حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ: حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَزَيْدَ بْنَ خَالِدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا زَنَتِ الْأَمَةُ فَاجْلِدُوهَا، ثُمَّ إِذَا زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا، ثُمَّ إِذَا زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا، فِي الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ فَبِيعُوهَا وَلَوْ بِضَفِيرٍ». [راجع: ۲۱۵۲، ۲۱۵٤]

[2556,2555] حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "جب لونڈی زنا کی مرتکب ہو تو اسے کوڑے لگاؤ۔ پھر بدکاری کرے تو اسے کوڑے مارو۔ پھر حرام کاری کرے تو اسے کوڑے مارو۔" تیسری بار یا چوتھی بار میں آپ نے فرمایا: "اسے فروخت کردو، خواہ قیمت میں ایک رسی ہی ملے۔"

فوائد ومسائل: ① ان روایات میں غلام کے لیے لفظ عبد، لونڈی کے لیے أمة اور آقا کے لیے لفظ سید استعمال ہوا ہے، اس طرح مجازی معنوں میں ان الفاظ کا استعمال درست ہے۔ جب حقیقی معنی مراد لیے جائیں تو ان کا استعمال ایسے مواقع پر صحیح نہیں۔ مختلف احادیث میں تطبیق کی یہی صورت ہے جسے امام المحدثین نے بیان کیا ہے، نیز انھوں نے ثابت کیا ہے کہ آقاؤں کو اپنے غلاموں اور لونڈیوں پر قطعاً بڑائی کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔ انسان ہونے کے ناتے سے سب برابر اور حضرت آدم ؑ کی اولاد ہیں، شرافت اور بڑائی، نیز عزت وتکریم کی بنیاد تقویٰ اور پرہیزگاری ہے جیسا کہ قرآن مجید نے اس کی صراحت کی ہے۔ ② حقیقی آقا اور حاکم و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ دنیاوی مالک اور آقا سب مجازی ہیں، آج ہیں تو کل فنا ہو جائیں گے۔ جن آیات اور احادیث میں ایسے الفاظ آقاؤں یا غلاموں کے لیے استعمال ہوتے ہیں، وہاں مجازی معنی مراد ہیں۔

(۱۸) بَابٌ: إِذَا أَتَى أَحَدَكُمْ خَادِمُهُ بِطَعَامِهِ

باب: 18- جب کسی شخص کا خادم اس کا کھانا لائے

۲۵۵۷ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا أَتَى أَحَدَكُمْ خَادِمُهُ بِطَعَامِهِ، فَإِنْ لَّمْ يُجْلِسْهُ مَعَهُ فَلْيُنَاوِلْهُ لُقْمَةً أَوْ لُقْمَتَيْنِ، أَوْ أُكْلَةً أَوْ أُكْلَتَيْنِ، فَإِنَّهُ وَلِيَ عِلَاجَهُ». [انظر: ٥٤٦٠]

[2557] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی کے پاس اس کا خادم کھانا لے کر آئے تو اگر اسے اپنے ساتھ (کھلانے کے لیے) نہ بٹھا سکے تو اس کو ایک یا دو لقمے ضرور کھلا دے، یا آپ ﷺ نے (لقمة اور لقمتين کے بجائے) أُكْلَة أو أُكْلَتَيْنِ فرمایا۔ کیونکہ اس نے اس (کو تیار کرنے) کی زحمت اٹھائی ہے۔"

فائدہ: اس حدیث میں مکارم اخلاق کی تعلیم وترغیب ہے۔ جب کوئی شخص کھانا تیار کرے تو اسے محنت کا پھل دینا چاہیے کیونکہ اس نے آگ کی گرمی اور دھواں وغیرہ برداشت کیا ہے۔ خادم کو اپنے ساتھ بٹھانے کا حکم استحباب کے طور پر ہے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو کم از کم ایک یا دو لقمے اسے ضرور دینے چاہئیں، نیز لفظ خادم میں نوکر چاکر اور شاگرد وغیرہ سب شامل ہو سکتے ہیں۔

(١٩) بَابٌ: اَلْعَبْدُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ، وَنَسَبَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَالَ إِلَى السَّيِّدِ

باب: 19- غلام اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اور نبی ﷺ نے (غلام کے) مال کو اس کے آقا کی طرف منسوب کیا ہے

وضاحت: رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے حوالے سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''جس نے کوئی غلام فروخت کیا اور اگر اس غلام کا کوئی مال ہے تو وہ اس کے مالک کا ہے۔''[1]

٢٥٥٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ فِي أَهْلِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا رَاعِيَةٌ وَهِيَ مَسْؤُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا، وَالْخَادِمُ فِي مَالِ سَيِّدِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ». قَالَ: فَسَمِعْتُ هٰؤُلَاءِ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ وَأَحْسِبُ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «وَالرَّجُلُ فِي مَالِ أَبِيهِ رَاعٍ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ». [راجع: ٨٩٣]

[2558] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ''تم سب نگران ہو اور ہر ایک سے اس کی نگرانی کے متعلق پوچھا جائے گا۔ بادشاہ نگران ہے اور اس سے اس کی رعایا کی نگرانی کے متعلق سوال ہوگا۔ مرد اپنے گھر کا نگہبان ہے، اس سے اہل خانہ کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے، اس سے اس کی نگرانی کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ خادم اپنے آقا کے مال کا نگران ہے، اس سے اس کی نگرانی کے متعلق پوچھا جائے گا۔'' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے مذکورہ باتیں نبی ﷺ سے سنی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''مرد اپنے باپ کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کی نگرانی کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ بہرحال تم سب نگران ہو اور سب سے ان کی نگرانی کے متعلق سوال کیا جائے گا۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں خادم اور غلام کی ذمہ داری بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنے آقا کے مال کا نگران اور اس کی

1 المعجم الأوسط للطبراني: 553/1، حديث: 2036.

حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ خود ہی اس میں نقب لگا کر چوری کرتا رہے۔ یہ تو ایسا ہے کہ کھیت کی باڑ ہی کھیت کو کھانا شروع کر دے۔ ③ اسی طرح دکان یا کارخانے یا فیکٹری کے ملازمین کو چاہیے کہ وہ اس کے سامان اور دیگر اشیاء کی حفاظت اور نگرانی کریں، اسے اجازت کے بغیر استعمال نہ کریں۔

(٢٠) بَابٌ: إِذَا ضَرَبَ الْعَبْدَ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ

باب: 20- اگر کوئی اپنے غلام کو مارے تو چہرے پر مارنے سے اجتناب کرے

٢٥٥٩ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ قَالَ: وَأَخْبَرَنِي ابْنُ فُلَانٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. ح: وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا قَاتَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ».

[2559] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی اگر کسی کو مار پیٹ کرے تو چہرے پر مارنے سے پرہیز کرے۔“

فوائد و مسائل: ① صحیح مسلم کی روایت میں قاتل کی جگہ لفظ ضرب ہے۔[1] اس حدیث میں اگرچہ خادم کو مارنے کی صراحت نہیں مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الأدب المفرد" میں یہ روایت بیان کی ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے خادم کو مارے تو چہرے پر مارنے سے پرہیز کرے۔[2] ② مار پیٹ کے دوران چہرے پر مارنے سے بچنا صرف غلام یا خادم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ چہرے پر مارنے سے پرہیز کا حکم تمام انسانوں بلکہ جانوروں تک کے لیے ہے کیونکہ چہرہ ایک ایسا عضو لطیف ہے جو جملہ محاسن (تمام خوبصورتیوں) کا مجموعہ ہے۔ اس پر مارنے سے کئی ایک عیوب اور نقائص کا اندیشہ ہے۔ ویسے بھی چہرے پر مارنا ادب اور اخلاق کے سراسر خلاف ہے۔ اگر مارنا ضروری ہو تو جسم کے دوسرے اعضاء کو زد و کوب کر لیا جائے۔ سکول کے اساتذہ اور مدارس کے قراء حضرات کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

① صحيح مسلم، البر والصلة، حديث: 6652 (2612). ② الأدب المفرد، حديث: 174.

مکاتب کا مفہوم اور مکاتبت کی اہمیت و افادیت

لغوی طور پر مکاتب باب مفاعلہ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ اصطلاحی طور پر اس سے مراد وہ غلام یا لونڈی ہے جس کا اس کے آقا کے ساتھ مخصوص معاوضے کے بدلے آزادی کا تحریری معاہدہ ہو جائے۔ مکاتب (تا کی زیر کے ساتھ) وہ آقا جس کی طرف سے کتابت کا معاملہ کیا جائے۔ دور جاہلیت میں لوگ مکاتبت کا معاملہ کرتے تھے، اسلام نے بھی اسے برقرار رکھا۔ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے مکاتب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں اور عورتوں میں سے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آقاؤں سے مکاتبت کا معاملہ کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے غلام ابوامیہ نے مکاتبت کی، پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سیرین سے کتابت کا معاملہ کیا۔ قرآن کریم میں اس بات کی صراحت ہے کہ جب کوئی غلام اپنے آقا سے کتابت کا معاملہ کرنے کی درخواست کرے تو ایسی صورت میں مالک کو درخواست قبول کر لینی چاہیے۔ دراصل اسلام نے اسلامی معاشرے میں لونڈیوں اور غلاموں کے وجود کو کم سے کم کرنے کے لیے کئی ایک اقدامات کیے ہیں اور کئی ایک اصلاحات وضع کر کے ان کے لیے سہولتیں مہیا کی ہیں۔ اسلام نے درج ذیل اصلاحات وضع کر کے اسے ایک مہذب شکل دی ہے:

① کئی گناہوں کا کفارہ گردن، یعنی غلام آزاد کرنا قرار دیا گیا ہے۔

② گردن آزاد کرنے کی ترغیب اور فضیلت بیان کی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

③ اگر ملک یمین، یعنی لونڈی سے اولاد پیدا ہو جائے تو پھر اسے فروخت نہیں کیا جا سکتا۔ مالک کے مرنے کے بعد وہ ازخود آزاد ہو جائے گی۔

④ اگر کوئی غلام یا لونڈی اپنے مالک سے یہ درخواست کرے کہ میں اپنی آزادی کے بدلے اتنی رقم اتنی مدت میں بالاقساط یا یکمشت ادا کروں گا تو مالک کو یہ درخواست نظرانداز کرنے کی اجازت نہیں بلکہ قرآن کریم نے حکم دیا ہے کہ مالک اپنے اس مال سے اس غلام کا تعاون کرے جو اللہ نے اسے دے رکھا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ﴾ ''اور تمھارے غلاموں میں سے جو مکاتبت کرنا چاہیں تو اگر تم ان میں بھلائی دیکھو تو ان سے

حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ خود ہی اس میں نقب لگا کر چوری کرتا رہے۔ یہ تو ایسا ہے کہ کھیت کی باڑ ہی کھیت کو کھانا شروع کر دے۔ ② اسی طرح دکان یا کارخانے یا فیکٹری کے ملازمین کو چاہیے کہ وہ اس کے سامان اور دیگر اشیاء کی حفاظت اور نگرانی کریں، اسے اجازت کے بغیر استعمال نہ کریں۔

(٢٠) بَابٌ: إِذَا ضَرَبَ الْعَبْدَ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ

باب: 20- اگر کوئی اپنے غلام کو مارے تو چہرے پر مارنے سے اجتناب کرے

٢٥٥٩ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ قَالَ: وَأَخْبَرَنِي ابْنُ فُلَانٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. ح: وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا قَاتَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ».

[2559] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی اگر کسی کو مار پیٹ کرے تو چہرے پر مارنے سے پرہیز کرے۔''

فوائد و مسائل: ① صحیح مسلم کی روایت میں قاتل کی جگہ لفظ ضرب ہے۔[1] اس حدیث میں اگرچہ خادم کو مارنے کی صراحت نہیں مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الأدب المفرد" میں یہ روایت بیان کی ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے خادم کو مارے تو چہرے پر مارنے سے پرہیز کرے۔[2] ② مار پیٹ کے دوران چہرے پر مارنے سے بچنا صرف غلام یا خادم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ چہرے پر مارنے سے پرہیز کا حکم تمام انسانوں بلکہ جانوروں تک کے لیے ہے کیونکہ چہرہ ایک ایسا عضو لطیف ہے جو جملہ محاسن (تمام خوبصورتیوں) کا مجموعہ ہے۔ اس پر مارنے سے کئی ایک عیوب اور نقائص کا اندیشہ ہے۔ ویسے بھی چہرے پر مارنا ادب اور اخلاق کے سراسر خلاف ہے۔ اگر مارنا ضروری ہو تو جسم کے دوسرے اعضاء کو زد و کوب کر لیا جائے۔ سکول کے اساتذہ اور مدارس کے قراء حضرات کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

① صحیح مسلم، البر والصلة، حدیث: 6652 (2612). ② الأدب المفرد، حدیث: 174.

مکاتب کا مفہوم اور مکاتبت کی اہمیت وافادیت

لغوی طور پر مکاتب باب مفاعلہ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ اصطلاحی طور پر اس سے مراد وہ غلام یا لونڈی ہے جس کا اس کے آقا کے ساتھ مخصوص معاوضے کے بدلے آزادی کا تحریری معاہدہ ہو جائے۔ مکاتب (تا کی زیر کے ساتھ) وہ آقا جس کی طرف سے کتابت کا معاملہ کیا جائے۔ دور جاہلیت میں لوگ مکاتبت کا معاملہ کرتے تھے، اسلام نے بھی اسے برقرار رکھا۔ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے مکاتب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں اور عورتوں میں سے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آقاؤں سے مکاتبت کا معاملہ کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے غلام ابوامیہ نے مکاتبت کی، پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سیرین سے کتابت کا معاملہ کیا۔ قرآن کریم میں اس بات کی صراحت ہے کہ جب کوئی غلام اپنے آقا سے کتابت کا معاملہ کرنے کی درخواست کرے تو ایسی صورت میں مالک کو درخواست قبول کر لینی چاہیے۔ دراصل اسلام نے اسلامی معاشرے میں لونڈیوں اور غلاموں کے وجود کو کم سے کم کرنے کے لیے کئی ایک اقدامات کیے ہیں اور کئی ایک اصلاحات وضع کر کے ان کے لیے سہولتیں مہیا کی ہیں۔ اسلام نے درج ذیل اصلاحات وضع کر کے اسے ایک مہذب شکل دی ہے:

① کئی گناہوں کا کفارہ گردن، یعنی غلام آزاد کرنا قرار دیا گیا ہے۔

② گردن آزاد کرنے کی ترغیب اور فضیلت بیان کی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

③ اگر ملک یمین، یعنی لونڈی سے اولاد پیدا ہو جائے تو پھر اسے فروخت نہیں کیا جا سکتا۔ مالک کے مرنے کے بعد وہ ازخود آزاد ہو جائے گی۔

④ اگر کوئی غلام یا لونڈی اپنے مالک سے یہ درخواست کرے کہ میں اپنی آزادی کے بدلے اتنی رقم اتنی مدت میں بالاقساط یا یکمشت ادا کروں گا تو مالک کو یہ درخواست نظر انداز کرنے کی اجازت نہیں بلکہ قرآن کریم نے حکم دیا ہے کہ مالک اپنے اس مال سے اس غلام کا تعاون کرے جو اللہ نے اسے دے رکھا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ﴾ ''اور تمھارے غلاموں میں سے جو مکاتبت کرنا چاہیں تو اگر تم ان میں بھلائی دیکھو تو ان سے

مکاتبت کرلو اور اللہ کے مال سے جو اس نے تمھیں دیا ہے انھیں بھی دو۔"[1]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عمل مکاتبت کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے اور ہمیں ترغیب دی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب و سنت کی روشنی میں مکاتبت کی اہمیت و افادیت، اس کے فضائل و مناقب اور احکام و مسائل سے آگاہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے چھ مرفوع احادیث پیش کی ہیں جو متصل اسناد سے مروی ہیں، اور ان پر پانچ چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ① مکاتب اور اس کی قسطوں کا بیان۔ ② مکاتب کی طرف سے کون سی شرائط جائز ہیں؟ ③ مکاتب کا مدد طلب کرنا اور دوسروں سے سوال کرنا۔ ④ مکاتب اگر راضی ہو تو اسے فروخت کرنا۔ ⑤ مکاتب اگر کہے کہ مجھے خرید کر آزاد کر دو تو اس کا خریدنا اور آزاد کرنا جائز ہے۔

اگرچہ غلامی ہماری اسلامی تاریخ کا حصہ بن چکی ہے، عملی زندگی میں اس کا وجود ناپید ہو چکا ہے، تاہم مستقبل میں دوبارہ ان حالات کا پایا جانا بعید از امکان نہیں۔ چونکہ یہ ایک علمی امانت ہے جو اسلاف نے ہمیں منتقل کی ہے، اس لیے متعلقہ احادیث اور اس کی مختصر تشریح پیش خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور قیامت کے دن ہماری نجات کا ذریعہ بنائے۔

1- النور 24:33.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

50 - كِتَابُ الْمُكَاتَبِ

مکاتب سے متعلق احکام و مسائل

بَابُ إِثْمِ مَنْ قَذَفَ مَمْلُوكَهُ

باب: ۔غلام پر تہمت لگانے کا گناہ

وضاحت: اکثر نسخوں میں یہ باب موجود ہے۔نسفی اور ابوذر کی روایت میں یہ باب مذکور نہیں ہے جو کہ راجح ہے کیونکہ یہاں اس کا محل نہیں ہے۔[1]

(١) بَابُ الْمُكَاتَبِ وَنُجُومِهِ، فِي كُلِّ سَنَةٍ نَجْمٌ

باب: 1- مکاتب، اس کی اقساط اور سال بعد ایک قسط کی ادائیگی کا بیان

وَقَوْلُهُ: ﴿وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۖ وَءَاتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِيٓ ءَاتَىٰكُمْ﴾ [النور: ٣٣]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اور جو لونڈی غلام تم سے مکاتبت کی درخواست کریں اگر تم ان میں خیر و صلاح محسوس کرو تو ان سے مکاتبت کا معاملہ کر لو اور (اپنے) اس مال سے تعاون بھی کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمھیں دے رکھا ہے۔“

وَقَالَ رَوْحٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ: قُلْتُ لِعَطَاءٍ: أَوَاجِبٌ عَلَيَّ إِذَا عَلِمْتُ لَهُ مَالًا أَنْ أُكَاتِبَهُ؟ قَالَ: مَا أُرَاهُ إِلَّا وَاجِبًا. وَقَالَ عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ: قُلْتُ لِعَطَاءٍ: أَتَأْثُرُهُ عَنْ أَحَدٍ؟ قَالَ:

حضرت ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے پوچھا: اگر مجھے علم ہو کہ غلام کے پاس مال موجود ہے تو کیا مجھے اس سے مکاتبت کا معاملہ کرنا ضروری ہے؟ انھوں نے جواب دیا: میں تو اسے ضروری خیال کرتا ہوں۔عمرو

[1] إرشاد الساري: 577/5.

لَا ، ثُمَّ أَخْبَرَنِي أَنَّ مُوسَى بْنَ أَنَسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ سِيرِينَ سَأَلَ أَنَسًا الْمُكَاتَبَةَ - وَكَانَ كَثِيرَ الْمَالِ - فَأَبٰى، فَانْطَلَقَ إِلٰى عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ: كَاتِبْهُ فَأَبٰى، فَضَرَبَهُ بِالدِّرَّةِ وَيَتْلُو عُمَرُ ﴿فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا﴾ [النور: ٣٣] فَكَاتَبَهُ.

بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے کہا: کیا آپ اس سلسلے میں کسی سے کوئی روایت بھی بیان کرتے ہیں؟ تو انھوں نے نہیں میں جواب دیا۔ پھر انھیں یاد آیا تو کہا کہ سیرین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مکاتبت کی درخواست کی جبکہ وہ اہل ثروت تھے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کی درخواست کو مسترد کر دیا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا: تم اس سے مکاتبت کا معاملہ کرو، لیکن وہ نہ مانے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنا درہ مارا اور آپ یہ آیت کریمہ پڑھ رہے تھے: ''اگر تم اپنے غلاموں میں خیر وصلاح دیکھو تو ان سے مکاتبت کر لو۔'' چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے سیرین سے مکاتبت کا معاملہ کر لیا۔

وضاحت: اگر کسی کا غلام یا لونڈی اپنے آقا سے آزادی حاصل کرنے کے لیے مکاتبت کا معاملہ کرنا چاہے اور اس میں اتنی اہلیت ہو کہ وہ معاملے کو بخوبی پورا کرے گا تو آقا کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس سے یہ معاملہ کر کے اسے آزاد کر دے، بلکہ قرآن کریم نے مالکوں کو مزید کہا کہ وہ اپنے مال سے اس کا تعاون بھی کریں، اسے مال زکاۃ سے بھی کچھ نہ کچھ دیا جا سکتا ہے۔ دور حاضر میں اگرچہ غلامی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، تاہم ناحق مصائب وآلام میں گرفتار ہونے والے مسلمان مرد وعورت آج بھی حق رکھتے ہیں کہ ان کی آزادی کے لیے ان کا بھرپور تعاون کیا جائے۔ جمہور اہل علم یہاں امر کے صیغے کو استحباب پر محمول کرتے ہیں۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان وجوب کی طرف ہے کیونکہ انھوں نے وجوب ہی کے آثار پیش کیے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل بھی وجوب ہی کی نشاندہی کرتا ہے۔ واللہ أعلم۔ ابن جریج اور عمرو بن دینار کے آثار کو امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1]

٢٥٦٠ - وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: قَالَ عُرْوَةُ: قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: إِنَّ بَرِيرَةَ دَخَلَتْ عَلَيْهَا تَسْتَعِينُهَا فِي كِتَابَتِهَا وَعَلَيْهَا خَمْسُ أَوَاقِيَّ نُجِّمَتْ عَلَيْهَا فِي خَمْسِ سِنِينَ، فَقَالَتْ لَهَا عَائِشَةُ وَنَفِسَتْ فِيهَا:

[2560] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا ان کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور وہ ان سے مکاتبت کے معاملے میں تعاون طلب کرتی تھیں۔ ان کے ذمے پانچ اوقیے چاندی تھی جو انھوں نے مکاتبت کے سلسلے میں پانچ سال میں ادا کرنی تھی۔ حضرت

[1] المصنف لعبدالرزاق: 8/371، 372.

أَرَأَيْتِ إِنْ عَدَدْتُ لَهُمْ عَدَّةً وَّاحِدَةً، أَيَبِيعُكِ أَهْلُكِ فَأُعْتِقَكِ فَيَكُونَ وَلَاؤُكِ لِي؟ فَذَهَبَتْ بَرِيرَةُ إِلَى أَهْلِهَا فَعَرَضَتْ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ فَقَالُوا: لَا، إِلَّا أَنْ يَكُونَ لَنَا الْوَلَاءُ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَدَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اِشْتَرِيهَا فَأَعْتِقِيهَا فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ»، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «مَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَّيْسَتْ فِي كِتَابِ اللهِ؟ مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَّيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ فَهُوَ بَاطِلٌ، شَرْطُ اللهِ أَحَقُّ وَأَوْثَقُ». [راجع: ٤٥٦]

عائشہ ؓ کو حضرت بریرہ ؓ کے آزاد کرانے میں دلچسپی پیدا ہوگئی تو انھوں نے اس سے فرمایا: اگر میں تمھاری اقساط یکمشت ادا کردوں تو کیا تمھارے آقا تمھیں میرے ہاتھ بیچ دیں گے، پھر میں تمھیں آزاد کردوں گی اور تیری ولا بھی میرے لیے ہوگی؟ حضرت بریرہ ؓ اپنے آقاؤں کے پاس گئیں، ان کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا تو انھوں نے کہا: نہیں، البتہ اس صورت میں قبول کرسکتے ہیں کہ ولا ہمارے پاس رہے۔ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے یہ واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا: ”اسے خرید کر آزاد کردو، ولا اسی کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرے۔“ پھر رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہوکر لوگوں سے خطاب فرمایا: ”لوگوں کا کیا حال ہے، وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں؟ جو شخص ایسی شرط لگائے جو (جس کی اصل) اللہ کی کتاب میں نہ ہو تو وہ شرط باطل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ شرط ہی زیادہ صحیح اور زیادہ مضبوط ہے۔“

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ کسی غلام لونڈی کا اپنے آقا سے مکاتبت کا معاملہ کرنا جائز ہے اور وہ اپنا بدل کتابت یکمشت بھی ادا کرسکتا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ ؓ نے حضرت بریرہ ؓ کو یکمشت ادائیگی کی پیشکش کی تھی اور وہ اسے قسطوں میں بھی ادا کرسکتا ہے جیسا کہ حضرت بریرہ ؓ نے اپنے مالکان سے قسطوں میں ادائیگی کا معاملہ طے کیا تھا اور یہ اقساط سالانہ، ماہانہ اور ششماہی بھی ہوسکتی ہیں۔ اس میں وسعت ہے۔ ② قسطوں کو عربی زبان میں نجوم کہتے ہیں جو نجم کی جمع ہے۔ دراصل عرب حضرات حساب نہیں جانتے تھے، اس لیے انھوں نے تاروں کے طلوع پر مالی معاملات کو وابستہ کررکھا تھا کہ جب فلاں تارہ طلوع ہوگا تو یہ معاملہ یوں ہوگا، اسی وجہ سے قسط کو نجم کہا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ حضرت بریرہ ؓ نے نو اوقیے چاندی کی ادائیگی پر اپنے آقاؤں سے مکاتبت کا معاملہ طے کیا تھا جو نو سالوں میں ادا کرنا تھی، چار اوقیے چاندی ادا کرنے کے بعد وہ تعاون لینے کے لیے حضرت عائشہ ؓ کے پاس آئیں جیسا کہ اس روایت سے واضح ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ ؓ نے ان کے بدل کتابت کو یکمشت ادا کرنے کی حامی بھرلی لیکن ولا اپنے لیے ہونے کی شرط کی، جب مالکان نے اس کا انکار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا جس کی تفصیل اس روایت میں ہے۔

(٢) بَابُ مَا يَجُوزُ مِنْ شُرُوطِ الْمُكَاتَبِ، وَمَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ

باب: 2- مکاتب سے کون سی شرائط جائز ہیں؟ اور جس نے کوئی ایسی شرط لگائی جو (جس کی اصل) کتاب اللہ میں نہیں (تو اس کا حکم؟)

فِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ [عَنِ النَّبِيِّ ﷺ]

اس باب میں حضرت ابن عمر ؓ کی ایک روایت بھی ہے جو وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔

وضاحت: حضرت ابن عمر ؓ سے مروی حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں حضرت بریرہ ؓ کے مالکان نے اس کی ولاء اپنے لیے ہونے کی شرط عائد کی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے باطل قرار دیتے ہوئے فرمایا تھا: ''ولاء تو آزاد کرنے والے کے لیے ہے۔''[1]

٢٥٦١ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ بَرِيرَةَ جَاءَتْ تَسْتَعِينُهَا فِي كِتَابَتِهَا وَلَمْ تَكُنْ قَضَتْ مِنْ كِتَابَتِهَا شَيْئًا، قَالَتْ لَهَا عَائِشَةُ: اِرْجِعِي إِلَى أَهْلِكِ فَإِنْ أَحَبُّوا أَنْ أَقْضِيَ عَنْكِ كِتَابَتَكِ وَيَكُونَ وَلَاؤُكِ لِي فَعَلْتُ، فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ بَرِيرَةُ لِأَهْلِهَا فَأَبَوْا فَقَالُوا: إِنْ شَاءَتْ أَنْ تَحْتَسِبَ عَلَيْكِ فَلْتَفْعَلْ، وَيَكُونُ وَلَاؤُكِ لَنَا، فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اِبْتَاعِي فَأَعْتِقِي فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ». قَالَ: ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «مَا بَالُ أُنَاسٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللهِ؟ مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ فَلَيْسَ لَهُ، وَإِنْ شَرَطَ مِائَةَ مَرَّةٍ، شَرْطُ اللهِ أَحَقُّ وَأَوْثَقُ». [راجع: ٤٥٦]

[2561] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ حضرت بریرہ ؓ ان کے پاس اپنے معاملہ مکاتبت میں تعاون لینے کے لیے حاضر ہوئیں۔ ابھی تک انھوں نے اپنے بدل کتابت سے کچھ بھی ادا نہیں کیا تھا۔ حضرت عائشہ ؓ نے ان سے فرمایا: تم اپنے مالکان کے پاس جاؤ، اگر وہ پسند کریں کہ بدل کتابت کی تمام (باقی ماندہ) رقم میں یکمشت ادا کردوں اور تمھاری ولا میرے ساتھ قائم ہو تو میں ایسا کرسکتی ہوں۔ حضرت بریرہ ؓ نے جب یہ صورت اپنے مالکان کے سامنے رکھی تو انھوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا اور کہا: اگر وہ تمھارے ساتھ ثواب کی نیت سے ایسا کرنا چاہتی ہیں تو بلاشبہ کریں لیکن تیری ولا ہمارے لیے ہوگی۔ حضرت عائشہ ؓ نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے ان سے فرمایا: ''تو خرید کر اسے آزاد کر دے، ولا تو اسی کا حق ہے جو آزاد کرتا ہے۔'' راوی کا بیان ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے خطاب کیا اور فرمایا: ''لوگوں

1 صحیح البخاري، البیوع، حدیث: 2156.

کا عجیب حال ہے، وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جن کی کوئی اصل کتاب اللہ میں نہیں ہے؟ جس نے ایسی شرط لگائی جو (یعنی جس کی اصل) کتاب اللہ میں نہ ہو وہ اس سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتا اگرچہ ایسی سو شرطیں ہی کیوں نہ لگا لے۔ اللہ تعالیٰ کی شرط ہی مبنی برحق اور زیادہ مضبوط ہے۔''

فوائد و مسائل: ① مکاتب کی شرائط یہ ہیں کہ وہ عاقل بالغ ہو اور عقد کتابت کو قبول کرے۔ اس میں کتابت کی رقم ذکر کی جائے کہ وہ یکمشت ادا ہو گی یا قسطوں میں ادا کی جائے گی۔ اس میں کوئی ایسی شرط نہ رکھی جائے جو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع امت کے خلاف ہو۔ ایسی تمام شرائط ناقابل قبول ہوں گی۔ ② ''جو شرائط اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کے حوالے سے اس کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کا جواز یا وجوب ثابت نہ ہو۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو شرط اللہ کی کتاب میں مذکور نہ ہو اس کا لگانا باطل ہے کیونکہ کبھی بیع میں کفالت کی شرط ہوتی ہے۔ کبھی قیمت میں یہ شرط ہوتی ہے، یعنی اس قسم کے روپے ہوں گے یا اتنی مدت میں ادا کیے جائیں گے، یہ شرطیں صحیح ہیں اگرچہ اللہ کی کتاب میں ان کا ذکر نہیں ہے۔[1]

٢٥٦٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَّافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَرَادَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنْ تَشْتَرِيَ جَارِيَةً لِتُعْتِقَهَا، فَقَالَ أَهْلُهَا: عَلَى أَنَّ وَلَاءَهَا لَنَا، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَمْنَعُكِ ذٰلِكِ فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ». [راجع: ٢١٥٦]

[2562] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک لونڈی خرید کر اسے آزاد کرنا چاہا تو اس کے مالکان نے کہا: وہ اس شرط پر اسے خرید سکتی ہیں کہ اس کی ولا کے ہم خود مالک ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ شرط تمھیں خریدنے سے نہیں روک سکتی کیونکہ ولا کا مالک تو وہی ہے جو آزاد کرے۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الشروط میں ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: [باب المُكاتب، وما لا يحل من الشروط التي تخالف كتاب الله] ''ایسی شرائط جائز نہیں جو کتاب اللہ کے خلاف ہوں۔''[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے ليس في كتاب الله کی تفسیر بیان فرمائی ہے اور حکم سے عام مراد ہے کہ وہ نص سے ثابت ہو یا اس سے استنباط کیا گیا ہو، البتہ وہ حکم ایسا نہ ہو جو کتاب اللہ کے خلاف ہو۔[3] ② واضح رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث بریرہ سے بے شمار مسائل کا استنباط کیا، اکثر و بیشتر مسائل حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بیان کیے ہیں۔ ان مسائل و اقسام کو فتح الباری میں دیکھا جا سکتا ہے۔ والله أعلم.

---

1 فتح الباري: 232/5. 2 صحيح البخاري، الشروط، باب: 17. 3 فتح الباري: 433/5.

(٣) بَابُ اسْتِعَانَةِ الْمُكَاتَبِ وَسُؤَالِهِ النَّاسَ

٢٥٦٣ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: جَاءَتْ بَرِيرَةُ، فَقَالَتْ: إِنِّي كَاتَبْتُ أَهْلِي عَلَى تِسْعِ أَوَاقٍ فِي كُلِّ عَامٍ أُوقِيَّةٌ فَأَعِينِينِي، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: إِنْ أَحَبَّ أَهْلُكِ أَنْ أَعُدَّهَا لَهُمْ عَدَّةً وَاحِدَةً وَأُعْتِقَكِ فَعَلْتُ فَيَكُونَ وَلَاؤُكِ لِي، فَذَهَبَتْ إِلَى أَهْلِهَا فَأَبَوْا ذٰلِكَ عَلَيْهَا، فَقَالَتْ: إِنِّي قَدْ عَرَضْتُ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ، فَأَبَوْا إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْوَلَاءُ لَهُمْ، فَسَمِعَ بِذٰلِكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَسَأَلَنِي فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ: «خُذِيهَا فَأَعْتِقِيهَا وَاشْتَرِطِي لَهُمُ الْوَلَاءَ، فَإِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ». قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ، مَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللهِ؟ فَأَيُّمَا شَرْطٍ كَانَ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ، فَقَضَاءُ اللهِ أَحَقُّ، وَشَرْطُ اللهِ أَوْثَقُ، مَا بَالُ رِجَالٍ يَقُولُ أَحَدُهُمْ: أَعْتِقْ يَا فُلَانُ وَ لِيَ الْوَلَاءُ، إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ». [راجع: ٤٥٦]

باب:3- مکاتب کا مدد مانگنا اور لوگوں سے سوال کرنا

[2563] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت بریرہ ؓ آئیں اور کہنے لگیں: میں نے اپنے آقاؤں سے نو اوقیے چاندی پر مکاتبت کا معاملہ کیا ہے۔ مجھے ہر سال ایک اوقیہ ادا کرنا ہوگا، لہٰذا آپ میری مدد کریں۔ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: اگر تیرے مالک پسند کریں تو میں انھیں یہ رقم یکمشت ادا کرکے تجھے آزاد کردوں (تو) میں ایسا کرسکتی ہوں لیکن تیری ولا میرے لیے ہوگی، چنانچہ حضرت بریرہ ؓ اپنے آقاؤں کے پاس گئیں تو انھوں نے اس صورت سے صاف انکار کردیا مگر یہ کہ ولا ان کے لیے ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ واقعہ سنا تو مجھ سے دریافت کیا، چنانچہ میں نے آپ کو مطلع کیا تو آپ نے فرمایا: ''تم اسے لے کر آزاد کردو اور ان کے لیے ولا کی شرط کرلو۔ ولا تو اسی کی ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے۔'' حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے خطاب کیا، اللہ کی حمد وثنا کی، پھر فرمایا: ''امابعد! تم میں سے کچھ لوگوں کا عجیب حال ہے کہ وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جن کی کوئی اصل اللہ کی کتاب میں نہیں ہے؟ جس شرط کی اصل اللہ کی کتاب میں نہ ہو وہ باطل ہے اگرچہ ایسی سو شرطیں ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ کا فیصلہ ہی برحق اور اللہ کی شرط ہی مضبوط ہے۔ تم میں سے کچھ لوگوں کا عجیب حال ہے، وہ کہتے ہیں: اے فلاں! تو آزاد کر لیکن ولا میرے لیے ہوگی۔ ولا کا مالک تو وہی ہے جو آزاد کرے۔''

فوائد ومسائل: ① مکاتب چونکہ غلام ہے جس کی انسانیت ناقص ہوتی ہے، اس انسانیت کو حاصل کرنے کے لیے سعی و کوشش کرنا جائز ہے، اس کے لیے وہ لوگوں سے اپیل کرسکتا ہے کہ میرے ساتھ تعاون کیا جائے تاکہ میں غلامی سے اپنی گردن

آزاد کروا لوں۔ اس کی محتاجی بھوکے انسان کی ضرورت سے زیادہ ہے۔ بعض اوقات اس کی جمع شدہ پونجی بدل کتابت کے لیے ناکافی ہوتی ہے، اس لیے وہ سوال کر کے بھی مانگ سکتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سوال کا استعانت پر عطف، خاص کا عام پر عطف ہے، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کے سوال کرنے کو برقرار رکھا۔ اگر ناجائز ہوتا تو آپ اس کی وضاحت کر دیتے۔[1] ② اس حدیث میں نو اوقیے چاندی کا ذکر ہے جبکہ قبل ازیں پانچ اوقیے چاندی کا بیان تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اصل میں معاملہ نو پر ہوا تھا۔ جب پانچ اوقیے چاندی باقی رہ گئی تو بریرہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تعاون لینے کے لیے حاضر خدمت ہوئیں۔ واللہ أعلم.

(٤) بَابُ بَيْعِ الْمُكَاتَبِ إِذَا رَضِيَ

باب: 4- مکاتب اگر راضی ہو تو اسے فروخت کرنا

وَقَالَتْ عَائِشَةُ: هُوَ عَبْدٌ مَّا بَقِيَ عَلَيْهِ شَيْءٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مکاتب غلام ہی رہے گا جب تک اس کے ذمے کوئی شے باقی ہے۔

وَقَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: مَا بَقِيَ عَلَيْهِ دِرْهَمٌ.

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب تک اس پر ایک درہم بھی باقی ہے وہ غلام ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: هُوَ عَبْدٌ إِنْ عَاشَ وَ إِنْ مَّاتَ وَإِنْ جَنٰى مَا بَقِيَ عَلَيْهِ شَيْءٌ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے: وہ غلام ہی ہے اگر زندہ رہے یا مر جائے یا کوئی جرم کرے جب تک اس کے ذمے کوئی چیز باقی ہے۔

وضاحت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اثر کو امام ابن ابی شیبہ اور ابن سعد نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[2] اسی طرح حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا اثر امام شافعی اور ابن ابی شیبہ نے متصل سند سے روایت کیا ہے۔[3] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول امام مالک نے بیان کیا ہے۔[4]

٢٥٦٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ بَرِيرَةَ جَاءَتْ تَسْتَعِينُ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، فَقَالَتْ لَهَا: إِنْ أَحَبَّ أَهْلُكِ أَنْ أَصُبَّ لَهُمْ ثَمَنَكِ صَبَّةً وَّاحِدَةً

[2564] حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مدد لینے کے لیے حاضر ہوئیں تو انھوں نے فرمایا: اگر تیرے مالک یہ پسند کریں کہ میں تیرا بدل کتابت انھیں یکمشت ادا کر دوں اور تجھے آزاد کر دوں تو میں ایسا کر سکتی ہوں۔ حضرت بریرہ

1 فتح الباري: 236/5. 2 المصنف لابن أبي شيبة: 244/7. 3 المصنف لابن أبي شيبة: 244/7. 4 الموطأ للإمام مالك: 301/2، حديث: 1553.

وَأُعْتِقَكِ فَعَلْتُ، فَذَكَرَتْ بَرِيرَةُ ذٰلِكَ لِأَهْلِهَا فَقَالُوا: لَا، إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْوَلَاءُ لَنَا.

ؓ نے اس کا ذکر اپنے آقاؤں سے کیا تو انھوں نے کہا کہ ہم ولا سے کسی صورت بھی دستبردار نہیں ہوں گے۔

قَالَ مَالِكٌ: قَالَ يَحْيَى: فَزَعَمَتْ عَمْرَةُ أَنَّ عَائِشَةَ ذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «اِشْتَرِيهَا وَأَعْتِقِيهَا، فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ». [راجع: ٤٥٦]

امام مالک نے یحییٰ سے بیان کیا کہ عمرہ نے کہا: حضرت عائشہ ؓ نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا: ''تو اسے خرید کر آزاد کر دے۔ ولا تو اسی کی ہوگی جس نے آزاد کیا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① غلام سے ایسا معاملہ کرنا کہ وہ کچھ رقم دے کر آزاد ہو جائے، یعنی مکمل ادائیگی کے وقت وہ مکمل آزاد ہو جائے گا اور جتنا مال ادا کرے گا اتنا ہی آزاد ہوتا جائے گا جیسا کہ حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مکاتب جس قدر آزاد ہے اتنی آزاد کی دیت ادا کرے گا اور جتنا غلام ہے اتنی غلام کی دیت ادا کرنا ہوگی۔''[1] جبکہ بعض حضرات کا موقف ہے کہ مکاتب طے شدہ رقم کی مکمل ادائیگی سے پہلے غلام ہی رہے گا، خواہ اس نے نصف سے بھی زیادہ رقم ادا کر دی ہو جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مکاتب غلام ہی ہے جب تک اس پر ایک درہم بھی باقی ہے۔''[2] یہ احادیث ایک دوسری کے مخالف نہیں ہیں بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ جتنی رقم کی ادائیگی ابھی باقی ہے وہ اتنا ہی غلام رہے گا اور جتنی رقم ادا کر چکا ہے اتنا وہ آزاد ہے۔ ② مکاتب اگر راضی ہو تو اسے فروخت کرنا بھی جائز ہے اگرچہ وہ ادائیگی سے عاجز نہ ہو جیسا کہ حضرت بریرہ ؓ کا واقعہ ہے کہ ان کے مالکوں نے انھیں ان کی رضامندی سے فروخت کر دیا۔ کسی روایت میں اس کی صراحت نہیں کہ وہ خود بدلِ کتابت کی ادائیگی سے عاجز تھیں۔[3]

(٥) بَابٌ: إِذَا قَالَ الْمُكَاتَبُ: اِشْتَرِنِي وَأَعْتِقْنِي، فَاشْتَرَاهُ لِذٰلِكَ

باب: 5- جب مکاتب کسی سے کہے: تو مجھے خرید کر آزاد کر دے اور وہ اسے آزاد کرنے کے لیے خرید لے (تو جائز ہے)

٢٥٦٥ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ ابْنُ أَيْمَنَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَقُلْتُ: كُنْتُ غُلَامًا لِعُتْبَةَ بْنِ أَبِي لَهَبٍ وَمَاتَ وَوَرِثَنِي بَنُوهُ، وَإِنَّهُمْ بَاعُونِي مِنَ ابْنِ أَبِي عَمْرٍو، فَأَعْتَقَنِي ابْنُ أَبِي عَمْرٍو،

[2565] حضرت ایمن حبشی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں حضرت عائشہ ؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا: میں عتبہ بن ابولہب کا غلام تھا، وہ مر گیا ہے اور اس کے بیٹے میرے وارث بنے ہیں۔ انھوں نے مجھے ابوعمرو (مخزومی) کے بیٹے کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے اور ابوعمرو کے بیٹے نے

1 سنن أبي داود، الديات، حديث: 4581. 2 سنن أبي داود، العتق، حديث: 3926. 3 فتح الباري: 240/5.

وَاشْتَرَطَ بَنُو عُتْبَةَ الْوَلَاءَ فَقَالَتْ: دَخَلَتْ بَرِيرَةُ وَهِيَ مُكَاتَبَةٌ فَقَالَتْ: اِشْتَرِينِي فَأَعْتِقِينِي، قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَتْ: لَا يَبِيعُونِي حَتّٰى يَشْتَرِطُوا وَلَائِي، فَقَالَتْ: لَا حَاجَةَ لِي بِذٰلِكَ، فَسَمِعَ بِذٰلِكَ النَّبِيُّ ﷺ - أَوْ بَلَغَهُ - فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِعَائِشَةَ، فَذَكَرَتْ عَائِشَةُ مَا قَالَتْ لَهَا، فَقَالَ: «اِشْتَرِيهَا فَأَعْتِقِيهَا وَدَعِيهِمْ يَشْتَرِطُوا مَا شَاءُوا» فَاشْتَرَتْهَا عَائِشَةُ فَأَعْتَقَتْهَا وَاشْتَرَطَ أَهْلُهَا الْوَلَاءَ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ وَإِنِ اشْتَرَطُوا مِائَةَ شَرْطٍ».

مجھے آزاد کر دیا ہے۔ اب عتبہ کے بیٹے میری ولا کی شرط لگاتے ہیں۔ حضرت عائشہ ؓ نے (یہ مقدمہ سن کر) فرمایا: حضرت بریرہ ؓ میرے پاس آئیں جبکہ وہ مکاتبہ تھیں اور مجھ سے کہنے لگیں: مجھے خرید کر آزاد کر دیں۔ اس (عائشہ) نے کہا: ٹھیک ہے میں یہ کرتی ہوں۔ حضرت بریرہ ؓ نے عرض کیا: وہ میری ولا کی شرط کے بغیر مجھے فروخت نہیں کریں گے۔ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ نبی ﷺ نے یہ واقعہ از خود سنا، یا آپ کو خبر پہنچی تو آپ نے حضرت عائشہ ؓ سے یہ واقعہ دریافت کیا۔ حضرت عائشہ ؓ سے جو کچھ حضرت بریرہ ؓ نے کہا تھا، انھوں نے وہ (آپ ﷺ سے) بیان کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے خرید کر آزاد کر دو اور وہ جو بھی شرط لگاتے ہیں اس کی پروا نہ کرو۔'' چنانچہ حضرت عائشہ ؓ نے اسے (حضرت بریرہ ؓ کو) خرید کر آزاد کر دیا۔ جب اس کے آقاؤں نے ولا کی شرط لگائی تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''ولا تو اس کے لیے ہے جو آزاد کرے اگرچہ وہ سو شرطیں لگائیں۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کے مطابق حضرت بریرہ ؓ نے خود حضرت عائشہ ؓ سے درخواست کی کہ اسے خرید کر آزاد کر دیں۔ اس سے امام بخاری ؒ کا عنوان ثابت ہوتا ہے، نیز اس سے معلوم ہوا کہ خرید وفروخت کے وقت اس طرح شرط لگانا جائز ہے اور عقد معاملہ کے منافی نہیں۔ یہ واقعہ اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ حضرت عائشہ ؓ کے خریدنے سے مکاتبت کا معاہدہ خود بخود فسخ ہو گیا۔[1] ② شادی شدہ لونڈی اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر عقد کتابت کر سکتی ہے اگرچہ اس کا نتیجہ ان میں جدائی اور فراق ہو، نیز وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر آزادی حاصل کر سکتی ہے۔ واضح رہے کہ شارح بخاری ابن بطال کے قول کے مطابق بعض متاخرین نے حدیث بریرہ سے سو سے زائد مسائل کا استنباط کیا ہے۔ امام نووی ؒ کہتے ہیں کہ امام ابن خزیمہ اور امام ابن جریر نے اس حدیث کے متعلق مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ بعض حضرات نے حدیث بریرہ کے فوائد چار سو تک پہنچا دیے ہیں لیکن تکلف سے کام لیا گیا ہے۔ امام بخاری ؒ نے ''کتاب المکاتب'' کے جملہ مسائل اسی ایک حدیث سے اخذ کیے

1 فتح الباري: 242/5.

ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خدمات جلیلہ کو شرف قبولیت سے نوازا ہے۔ امید ہے کہ قیامت کے دن بھی اللہ تعالیٰ انھیں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت و معیت نصیب فرمائے گا۔ بندۂ عاجز بھی اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت کا طلبگار اور اس کی مغفرت کا امیدوار ہے۔

ہبہ کا مفہوم اور اہمیت

لغوی طور پر لفظ ہبہ مصدر ہے جس کے معنی عطیہ دینے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں عوض کے بغیر کسی شخص کو تملیک اور تحفے کے طور پر کوئی مال یا حق دینا ہبہ کہلاتا ہے۔ اسے ہدیہ بھی کہتے ہیں۔ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہبہ کی تعریف یہ ہے: ''کسی تک ایسی چیز پہنچانا جو اسے نفع دے۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ نے ہبہ سے عام معنی مراد لیے ہیں۔ کسی کو قرض سے بری کرنا بھی ہبہ ہے۔ صدقہ کرنا بھی ہبہ ہے جس سے محض اخروی ثواب مطلوب ہو۔ ہدیہ وہ ہوتا ہے جس سے موہوب لہ کی تعظیم و تکریم مقصود ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت ہدایا کو بھی شامل کیا ہے۔ انھوں نے ہبہ کو عام معنی میں استعمال کیا ہے کیونکہ ہبہ تو یہ ہے کہ زندگی میں کسی شخص کو بلاعوض کسی چیز کا مالک بنا دیا جائے، جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس تعریف سے بالاتر ہو کر بہت کچھ بیان کیا ہے، بلکہ آپ نے اس عنوان کے تحت منیحہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس سے مراد کسی کو دودھ والا جانور دینا ہے تاکہ وہ دودھ پی کر جانور واپس کر دے، یعنی منیحہ میں اصل کے بجائے صرف منافع کا عطیہ ہوتا ہے۔ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ نے ہبہ کے وسیع ترین مفہوم کے پیش نظر اس کے متعلق احکام و مسائل بیان کرنے کے لیے ننانوے احادیث کا انتخاب کیا ہے جن میں سے تئیس معلق اور چھہتر متصل سند سے بیان کی ہیں، پھر ان میں اڑسٹھ مکرر اور اکتیس خالص ہیں، نو احادیث کے علاوہ دیگر احادیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔ مرفوع احادیث کے علاوہ مختلف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام سے مروی تیرہ آثار بھی ذکر کیے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث و آثار پر سینتیس عنوان قائم کیے ہیں۔

ہبہ، ہدیہ اور صدقہ ضرورت مند حضرات سے تعاون کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ کتاب و سنت میں اس کے متعلق بہت ترغیب دی گئی ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''آپس میں ہدایا اور تحائف کا تبادلہ کیا کرو ان سے محبت بڑھتی اور دلوں سے نفرت و کدورت دور ہوتی ہے۔''[1] آپ نے یہ بھی فرمایا ہے: ہدیہ خواہ کتنا ہی معمولی ہو اسے قبول کرنا چاہیے۔ اسی طرح معمولی عطیہ بھیجنے میں بھی شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے۔[2] ہبہ کرنے والے کو واہب، جسے ہبہ کیا جائے اسے موہوب لہ اور جو چیز ہبہ کی جائے اسے موہوب کہا جاتا ہے۔ ہبہ کے لیے ایجاب و قبول اور قبضہ ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر واہب اپنی رضامندی سے کوئی چیز دے اور موہوب لہ خوشی سے اسے قبول کر کے اس پر قبضہ کر لے تو اس

---

1 الأدب المفرد، حديث: 594. 2 صحيح البخاري، الهبة، حديث: 2566.

طرح ہبہ کا معاملہ مکمل ہو جاتا ہے اور ہبہ کی ہوئی چیز واہب کی ملکیت سے نکل کر موہوب لہ کی ملکیت میں آ جاتی ہے۔

لوگ چھوٹے بچوں کو عیدی یا عقیقہ کے موقع پر انعام وغیرہ کے نام سے جو روپیہ پیسہ دیتے ہیں، اس سے مقصود بچوں کو دینا نہیں ہوتا بلکہ ان کے والدین کا تعاون مقصود ہوتا ہے۔ چونکہ اتنی کم رقم والدین کو دینا مناسب نہیں ہوتا، اس لیے بچوں کو بہانہ بنایا جاتا ہے۔ ایسی تمام چیزیں والدین کی ملکیت ہوں گی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس طرح کے دیگر مسائل پر بھی بحث کی ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

51 - كِتَابُ الْهِبَةِ وَ فَضْلِهَا وَالتَّحْرِيضِ عَلَيْهَا

ہبہ، اس کی فضیلت اور اس کی ترغیب کا بیان

(١) [بَابُ فَضْلِ الْهِبَةِ]

باب: 1- ہبہ کی فضیلت

٢٥٦٦ - حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ، لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِّجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ». [انظر: ٦٠١٧]

[2566] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”اے مسلمان بیبیو! کوئی پڑوسن اپنی دوسری پڑوسن کے لیے بکری کا کھر بھی ہو تو اسے حقیر خیال نہ کرے۔“

فوائد و مسائل: ① مطلب یہ ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا تحفہ، خواہ کتنا حقیر معلوم ہو اپنی پڑوسن کو بھیجنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ بسا اوقات تحفہ دینے کے لیے کوئی چیز موجود ہوتی ہے لیکن خیال آ جاتا ہے کہ یہ تو حقیر چیز ہے اسے دینے کا کیا فائدہ، یہ خیال غلط ہے۔ اسی طرح جس کے پاس چھوٹا سا تحفہ بھیجا جائے وہ خوش دلی سے قبول کرے کیونکہ تحائف کے تبادلے سے خوشگوار ماحول پیدا ہوتا ہے۔ ② بکری کے کھر سے مراد کسی چیز کے معمولی ہونے میں مبالغہ ہے کیونکہ عادت کے طور پر کھر کا ہدیہ نہیں بھیجا جاتا۔ بہر حال جو بھی شے موجود ہو اپنی پڑوسن کو بھیجے اور قلیل ہونے کے باعث اس کو حقیر خیال نہ کرے کیونکہ سخاوت موجود چیز کی ہوتی ہے تھوڑی سی خیرات کرنا بالکل نہ کرنے سے بہتر ہے۔[1]

٢٥٦٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأُوَيْسِيُّ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ

[2567] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے حضرت عروہ رحمہ اللہ سے فرمایا: اے میرے بھانجے! ہم چاند دیکھتے، پھر دوسرا چاند دیکھتے، اس طرح دو ماہ میں تین چاند

1 فتح الباري: 345/5.

اللهُ عَنْهَا: أَنَّهَا قَالَتْ لِعُرْوَةَ: ابْنَ أُخْتِي! إِنْ كُنَّا لَنَنْظُرُ إِلَى الْهِلَالِ، ثُمَّ الْهِلَالِ ثَلَاثَةَ أَهِلَّةٍ فِي شَهْرَيْنِ وَمَا أُوقِدَتْ فِي أَبْيَاتِ رَسُولِ اللهِ ﷺ نَارٌ، فَقُلْتُ: يَا خَالَةُ! مَا كَانَ يُعِيشُكُمْ؟ قَالَتْ: اَلْأَسْوَدَانِ: اَلتَّمْرُ وَالْمَاءُ، إِلَّا أَنَّهُ قَدْ كَانَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ جِيرَانٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ كَانَتْ لَهُمْ مَنَائِحُ، وَكَانُوا يَمْنَحُونَ رَسُولَ اللهِ ﷺ مِنْ أَلْبَانِهِمْ فَيَسْقِينَا. [انظر: ٦٤٥٨، ٦٤٥٩]

دیکھتے اور اس دوران میں رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں سے کسی گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ میں نے عرض کیا: خالہ جان! ایسے حالات میں آپ کا گزر اوقات کیا ہوتا تھا؟ انھوں نے فرمایا: دو کالی چیزوں: کھجور اور پانی پر (گزارہ کرتے تھے)، نیز رسول اللہ ﷺ کے کچھ انصاری پڑوسی تھے جن کے پاس دودھ دینے والی بکریاں تھیں اور وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دودھ کا تحفہ بھیجتے تو آپ ہمیں بھی پلاتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① کھجور کے متعلق تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ کالی ہے کیونکہ مدینہ طیبہ کی کھجور سیاہ ہی ہوتی ہے لیکن پانی کو تغلیبًا سیاہ کہا گیا ہے۔ عربی زبان میں بسا اوقات غالب شے کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ کھجور اصل چیز ہے وہ اگر کالی ہے تو پانی کو بھی کالا کہہ دیا۔ ② اس حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے انصاری پڑوسی آپ کو دودھ بھیجتے تھے۔ اس بنا پر دودھ کا بطور تحفہ و ہدیہ بھیجنا ثابت ہوا۔ فوائد کے اعتبار سے یہ بہت قیمتی تحفہ ہے جو ایک انسان دوسرے کو پیش کرتا ہے۔ ③ حدیث سے معلوم ہوا کہ مال دار شخص غریب آدمی سے اچھا برتاؤ کرے اور اسے اپنے مال سے عطیہ کرتا رہے، نیز انسان کو چاہیے کہ وہ تھوڑی چیز پر قناعت کرے۔ قناعت سے انسان کی عزت و آبرو اور خودداری محفوظ رہتی ہے۔

(٢) بَابُ الْقَلِيلِ مِنَ الْهِبَةِ

باب: 2- تھوڑی سی چیز ہبہ کرنا

٢٥٦٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَوْ دُعِيتُ إِلَى ذِرَاعٍ أَوْ كُرَاعٍ لَأَجَبْتُ، وَلَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ ذِرَاعٌ أَوْ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ». [انظر: ٥١٧٨]

[2568] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اگر مجھے دستی یا پائے کے گوشت کی دعوت دی جائے تو میں ضرور جاؤں گا۔ اور اگر مجھے دستی کا گوشت یا کھر ہدیہ بھیجا جائے تو میں ضرور قبول کروں گا۔''

فوائد و مسائل: ① بکری کے بازو کا گوشت بہترین ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اسے بہت پسند کرتے تھے۔ پسندیدگی کی وجہ یہ تھی کہ یہ آلائش اور غلاظت سے الگ رہتا ہے جبکہ بکری کے پایوں کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی۔ ② رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ دعوت اور ہدیہ میں اچھی چیز ہو یا حقیر چیز جو کچھ بھی پیش کیا جائے اسے خوش دلی سے قبول کرنا چاہیے، چہرے پر کسی قسم کی ناگواری نہ ہو، ایسا کرنے سے تعلقات خوشگوار رہتے ہیں اور افرادِ معاشرہ میں محبت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے قلیل سے قلیل ہدیہ قبول کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔ واللہ أعلم.

(٣) بَابُ مَنِ اسْتَوْهَبَ مِنْ أَصْحَابِهِ شَيْئًا

باب: 3- جو شخص اپنے ساتھیوں سے کوئی ہبہ وغیرہ طلب کرے

وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اِضْرِبُوا لِي مَعَكُمْ سَهْمًا».

حضرت ابوسعید ؓ نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اپنے ساتھ میرے لیے بھی کچھ حصہ رکھ لینا۔“

وضاحت: حضرت ابوسعید خدری ؓ کے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا۔ انھوں نے کسی سردار کو دم کرنے کے لیے بکریاں لینے کا مطالبہ کیا کیونکہ اس نے ان کی مہمان نوازی نہیں کی تھی۔ بکریاں لے کر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: ”ان بکریوں میں اپنے ساتھ میرا بھی حصہ رکھنا۔“ معلوم ہوا کہ ہدیہ وغیرہ میں حصے کے لیے کہا جا سکتا ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس حدیث کو متصل سند سے بھی بیان کیا ہے۔[1]

٢٥٦٩ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَرْسَلَ إِلَى امْرَأَةٍ مِّنَ الْمُهَاجِرِينَ وَكَانَ لَهَا غُلَامٌ نَّجَّارٌ، قَالَ لَهَا: «مُرِي عَبْدَكِ فَلْيَعْمَلْ لَنَا أَعْوَادَ الْمِنْبَرِ»، فَأَمَرَتْ عَبْدَهَا فَذَهَبَ فَقَطَعَ مِنَ الطَّرْفَاءِ فَصَنَعَ لَهُ مِنْبَرًا، فَلَمَّا قَضَاهُ أَرْسَلَتْ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَدْ قَضَاهُ، قَالَ ﷺ: «أَرْسِلِي بِهِ إِلَيَّ»، فَجَاؤُوا بِهِ فَاحْتَمَلَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَوَضَعَهُ حَيْثُ تَرَوْنَ.

[راجع: ٣٧٧]

[2569] حضرت سہل ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مہاجرین کی ایک خاتون کی طرف پیغام بھیجا، اس کا ایک بڑھئی غلام تھا، آپ نے اس سے فرمایا: ”اپنے غلام سے کہو کہ وہ ہمارے لیے منبر کے تختے بنا دے۔“ اس عورت نے اپنے غلام کو حکم دیا، وہ جنگل کی طرف گیا اور جھاؤ کی لکڑی کاٹ لایا، پھر اس سے آپ کے لیے منبر تیار کیا۔ جب اس نے کام پورا کر لیا تو اس خاتون نے نبی ﷺ کو پیغام بھیجا کہ اس (غلام) نے منبر تیار کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسے میرے پاس بھیج دو۔“ لوگ منبر لے کر آئے تو نبی ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے اٹھایا اور وہاں رکھ دیا جہاں تم اسے دیکھتے ہو۔

فوائد و مسائل: ① اس روایت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے خود اس خاتون سے منبر تیار کرنے کی فرمائش کی، گویا آپ نے اس عورت سے ہدیہ طلب کیا تھا۔ مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد رسول اللہ ﷺ کھجور کے تنے کا سہارا لے کر خطبہ دیتے تھے۔ اس کے بعد باقاعدہ منبر کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ نے ایک خاتون کو پیغام بھیجا کہ اپنے بڑھئی غلام سے ہمارے لیے منبر بنوا

[1] صحيح البخاري، الإجارة، حديث: 2276.

دیں، اس نے اپنے غلام کو یہ کام سونپا اور پھر منبر تیار کر کے مسجد میں رکھ دیا گیا۔ یہ مسجد نبوی کے پہلے منبر کی تاریخ ہے۔ ② معلوم ہوا کہ منبر کی تاریخ قدیم ہے۔ منبر پر چڑھ کر خطیب خطبہ دیتے اور شعراء بڑی شان سے قصیدے پڑھتے تھے۔ اس روایت میں اس عورت کو مہاجر کہا گیا ہے جبکہ بعض روایات میں اس کے انصار میں سے ہونے کا ذکر ہے۔ ممکن ہے کہ سکونت کی وجہ سے مہاجرین میں شمار ہوتا ہو اگرچہ وہ نسبت کے اعتبار سے انصاریہ تھی۔ والله أعلم.

٢٥٧٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ السَّلَمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ يَوْمًا جَالِسًا مَعَ رِجَالٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فِي مَنْزِلٍ فِي طَرِيقِ مَكَّةَ، وَرَسُولُ اللهِ ﷺ نَازِلٌ أَمَامَنَا وَالْقَوْمُ مُحْرِمُونَ وَأَنَا غَيْرُ مُحْرِمٍ، فَأَبْصَرُوا حِمَارًا وَّحْشِيًّا، وَأَنَا مَشْغُولٌ أَخْصِفُ نَعْلِي فَلَمْ يُؤْذِنُونِي بِهِ، وَأَحَبُّوا لَوْ أَنِّي أَبْصَرْتُهُ، فَالْتَفَتُّ فَأَبْصَرْتُهُ فَقُمْتُ إِلَى الْفَرَسِ فَأَسْرَجْتُهُ ثُمَّ رَكِبْتُ وَنَسِيتُ السَّوْطَ وَالرُّمْحَ، فَقُلْتُ لَهُمْ: نَاوِلُونِي السَّوْطَ وَالرُّمْحَ، فَقَالُوا: لَا، وَاللهِ! لَا نُعِينُكَ عَلَيْهِ بِشَيْءٍ، فَغَضِبْتُ فَنَزَلْتُ فَأَخَذْتُهُمَا ثُمَّ رَكِبْتُ فَشَدَدْتُ عَلَى الْحِمَارِ فَعَقَرْتُهُ ثُمَّ جِئْتُ بِهِ وَقَدْ مَاتَ، فَوَقَعُوا فِيهِ يَأْكُلُونَهُ، ثُمَّ إِنَّهُمْ شَكُّوا فِي أَكْلِهِمْ إِيَّاهُ وَهُمْ حُرُمٌ، فَرُحْنَا وَخَبَأْتُ الْعَضُدَ مَعِي، فَأَدْرَكْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَسَأَلْنَاهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ: «مَعَكُمْ مِّنْهُ شَيْءٌ؟» فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَنَاوَلْتُهُ الْعَضُدَ فَأَكَلَهَا حَتّٰى نَفَدَهَا وَهُوَ مُحْرِمٌ.

[2570] حضرت ابو قتادہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایک دن نبی ﷺ کے کچھ اصحاب کے ساتھ مکہ کے راستے میں بیٹھا ہوا تھا جبکہ رسول اللہ ﷺ ہمارے آگے تشریف فرما تھے۔ میرے علاوہ سب لوگ حالت احرام میں تھے۔ اس دوران میں انھوں نے ایک گورخر دیکھا جبکہ میں اس وقت اپنے جوتے کو پیوند لگا رہا تھا۔ انھوں نے مجھے تو نہ بتایا لیکن ان کے دل میں خواہش ضرور تھی کہ میں اسے دیکھ لوں، چنانچہ میں نے ذرا سی توجہ کی تو اسے دیکھ لیا۔ میں گھوڑے کی طرف گیا، اس پر زین رکھی اور سوار ہو گیا لیکن اپنا کوڑا اور نیزہ لینا بھول گیا۔ میں نے ان لوگوں سے کہا: مجھے نیزہ اور کوڑا پکڑا دو تو انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! اس سلسلے میں ہم تیری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ مجھے بہت غصہ آیا۔ میں گھوڑے سے اترا اور دونوں چیزیں لیں پھر سوار ہو گیا اور گورخر پر حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا۔ پھر میں اسے ساتھ لے آیا جبکہ وہ دم توڑ چکا تھا، چنانچہ سب لوگ اسے کھانے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ پھر انھیں شک ہوا کہ ہم نے حالت احرام میں کھایا ہے۔ ہم وہاں سے روانہ ہوئے اور میں نے اپنے پاس شانے (دستی) کا گوشت چھپا لیا۔ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: "تمھارے پاس اس میں سے کچھ ہے؟" میں نے عرض کیا: ہاں، پھر آپ کو میں نے شانے کا گوشت پیش کیا۔ آپ نے اسے کھایا حتیٰ کہ اسے

ختم کر دیا جبکہ آپ حالت احرام میں تھے۔

فَحَدَّثَنِي بِهِ زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ١٨٢١]

زید بن اسلم نے عطاء بن یسار سے، انھوں نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے اس حدیث کو بیان کیا۔

فوائد و مسائل: ① سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے کوڑا اور نیزہ پکڑانے سے اس لیے انکار کیا کہ وہ احرام باندھے ہوئے تھے اور احرام کی حالت میں نہ شکار کرنا درست ہے اور نہ شکار کے لیے کسی کی مدد کرنا ہی جائز ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ نے خود گورخر کے گوشت کی فرمائش کی جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بکری کا تحفہ لینے کی خواہش کی تھی۔ دراصل احادیث میں سوال کرنے کی سخت وعید اور مذمت بیان کی گئی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ساتھیوں کے بے تکلفانہ ماحول میں کسی چیز کی فرمائش کرنا اور بات ہے، یہ اس وعید کی زد میں نہیں آتا جو احادیث میں سوال کے متعلق آئی ہے۔ دوست احباب میں تحائف لینے دینے اور بعض اوقات خود فرمائش کرنے کا ہمارے ہاں بھی عام دستور ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا جواز ثابت کیا ہے۔

(٤) بَابُ مَنِ اسْتَسْقَى

باب: 4- کسی سے پانی وغیرہ پلانے کی فرمائش کرنا

وَقَالَ سَهْلٌ: قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ: «اِسْقِنِي».

حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: (ایک دفعہ) نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''مجھے پانی پلاؤ۔''

وضاحت: پیش کردہ روایت ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے آگے كتاب الأشربة، حديث: 5637 کے تحت موصولاً ذکر کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عرب خاتون کا ذکر ہوا تو آپ نے حضرت اسید رضی اللہ عنہ کو اس کی طرف روانہ کیا۔ اس میں ہے کہ آپ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''ہمیں پانی پلاؤ۔''

٢٥٧١ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ: حَدَّثَنِي أَبُو طُوَالَةَ [اِسْمُهُ: عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ] قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: أَتَانَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي دَارِنَا هٰذِهِ فَاسْتَسْقَى فَحَلَبْنَا لَهُ شَاةً لَّنَا، ثُمَّ شُبْتُهُ مِنْ مَّاءِ بِئْرِنَا هٰذِهِ فَأَعْطَيْتُهُ، وَأَبُو بَكْرٍ عَنْ يَّسَارِهِ وَعُمَرُ تُجَاهَهُ وَأَعْرَابِيٌّ عَنْ يَّمِينِهِ، فَلَمَّا

[2571] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ہمارے اس گھر میں تشریف لائے تو آپ نے پانی طلب فرمایا۔ ہم نے آپ کے لیے ایک بکری کا دودھ نکالا، پھر میں نے اس میں اپنے کنویں کا پانی ملایا۔ اس کے بعد اسے آپ کی خدمت میں پیش کیا جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی بائیں جانب، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے اور ایک اعرابی آپ کی دائیں طرف تھا۔

فَرَغَ قَالَ عُمَرُ: هٰذَا أَبُو بَكْرٍ، فَأَعْطَى الْأَعْرَابِيَّ فَضْلَهُ ثُمَّ قَالَ: «اَلْأَيْمَنُونَ اَلْأَيْمَنُونَ، أَلَا فَيَمِّنُوا».

جب آپ نوش فرما کر فارغ ہوئے تو حضرت عمر فاروق ؓ نے عرض کیا: یہ حضرت ابوبکر ؓ ہیں، لیکن آپ نے اپنا بچا ہوا دودھ اعرابی کو دے دیا، پھر فرمایا: ''دائیں جانب والے مقدم ہیں۔ دائیں جانب والے مقدم ہیں۔ اچھی طرح سن لو! دائیں جانب سے شروع کیا کرو۔''

قَالَ أَنَسٌ: فَهِيَ سُنَّةٌ، فَهِيَ سُنَّةٌ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. [راجع: ٢٣٥٢]

حضرت انس ؓ نے فرمایا: یہ سنت ہے۔ یہ سنت ہے۔ تین مرتبہ ایسا فرمایا۔

فائدہ: حضرت عمر فاروق ؓ نے ازخود آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ کا بچا ہوا تبرک ابوبکر ؓ کا حق ہے انھیں ملنا چاہیے، نیز عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت انس ؓ کے گھر تشریف لا کر ازخود پانی پینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ بہرحال ہر انسان کے لیے اس کی زندگی میں دوست احباب کے ساتھ بے تکلفی کے بہت سے مواقع آتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ اس کے متعلق تنگ نظر نہیں ہے۔ ایسے مواقع پر دین اسلام نے ہمیں ہر ممکن سہولت دی ہے جو معیوب نہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت انس ؓ سے پانی طلب کیا۔ چونکہ حضرت انس ؓ آپ کے مزاج شناس تھے، انھوں نے دودھ میں پانی ملا کر آپ کے حضور پیش کیا تو آپ نے نوش فرمایا۔

(٥) بَابُ قَبُولِ هَدِيَّةِ الصَّيْدِ

باب: 5- شکار کا تحفہ قبول کرنا

وَقَبِلَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ أَبِي قَتَادَةَ عَضُدَ الصَّيْدِ.

نبی ﷺ نے حضرت ابوقتادہ ؓ سے شکار کے بازو (دستی) کا گوشت قبول فرمایا۔

وضاحت: یہ حدیث باب نمبر: 3 کے تحت ابھی ابھی گزری ہے۔[1] اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ احرام کی حالت میں تھے جب حضرت ابوقتادہ ؓ نے ایک گورخر شکار کیا اور اس کے شانے کا گوشت آپ کو پیش کیا تو آپ نے اسے قبول فرمایا۔

٢٥٧٢ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: أَنْفَجْنَا أَرْنَبًا بِمَرِّ الظَّهْرَانِ فَسَعَى الْقَوْمُ فَلَغِبُوا فَأَدْرَكْتُهَا فَأَخَذْتُهَا فَأَتَيْتُ بِهَا أَبَا طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا، وَبَعَثَ إِلَى

[2572] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نے مرالظہران میں ایک خرگوش کو بھگایا۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑے لیکن تھک گئے، البتہ میں اسے پکڑنے میں کامیاب ہوگیا۔ میں اسے حضرت ابوطلحہ ؓ کے پاس لے کر آیا تو انھوں نے اسے ذبح کیا، پھر رسول اللہ ﷺ

---

[1] صحيح البخاري، الهبة ......، حديث: 2570.

رَسُولِ اللهِ ﷺ: بِوَرِكِهَا أَوْ فَخِذَيْهَا - قَالَ: فَخِذَيْهَا لَا شَكَّ فِيهِ - فَقَبِلَهُ. قُلْتُ: وَأَكَلَ مِنْهُ؟ قَالَ: وَأَكَلَ مِنْهُ، ثُمَّ قَالَ بَعْدُ: قَبِلَهُ. [انظر: ٥٤٨٩، ٥٥٣٥]

کے پاس اس کا پچھلا حصہ یا رانیں بھجوائیں...... پھر راوی نے کہا: اس میں شک نہیں کہ آپ کے پاس رانیں بھجوائیں...... تو آپ نے اسے قبول فرمایا۔ راویٔ حدیث نے پوچھا: کیا آپ نے اس میں سے کھایا؟ تو انھوں نے جواب دیا: ہاں، اس سے کچھ کھایا، پھر اس کے بعد کہا: آپ نے اسے قبول فرمالیا۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ جس نے شکار کا پیچھا کیا وہ غافل ہوا۔[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ شکار کا پیچھا کرنے میں اتنا مصروف ہو جائے کہ اس کی نماز فوت ہو جائے یا وہ شخص غفلت کا شکار ہے جو زندگی بھر اسی میں مصروف رہے، اس میں دینی اور دنیاوی مصلحتیں فوت ہو جائیں۔ اس انداز سے شکار کرنا واقعی سبب غفلت ہے، البتہ کبھی کبھار شکار کرنا غفلت کا باعث نہیں اور ایسے شخص کا ہدیہ قبول کرنا بھی جائز ہے۔ ② صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے خرگوش کا پچھلا حصہ رانوں سمیت ہی بھیجا تھا جسے آپ نے قبول فرمایا۔[2]

(٦) بَابُ قَبُولِ الْهَدِيَّةِ

باب: 6- ہدیہ قبول کرنا

وضاحت: صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں مذکورہ عنوان نہیں ہے بلکہ درج ذیل حدیث پچھلے عنوان کے تحت ہی بیان کی گئی ہے۔ ہمارے رجحان کے مطابق اس مقام پر نئے عنوان کی ضرورت نہیں اسے حذف کر دینا چاہیے۔[3]

٢٥٧٣ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ: أَنَّهُ أَهْدَى لِرَسُولِ اللهِ ﷺ حِمَارًا وَّحْشِيًّا وَّهُوَ بِالْأَبْوَاءِ أَوْ بِوَدَّانَ فَرَدَّ عَلَيْهِ، فَلَمَّا رَأَى مَا فِي وَجْهِهِ قَالَ: «أَمَا إِنَّا لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكَ إِلَّا أَنَّا حُرُمٌ». [راجع: ١٨٢٥]

[2573] حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک گورخر بطور ہدیہ بھیجا جبکہ آپ ابواء یا ودان مقام میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے اسے واپس کر دیا۔ پھر جب آپ نے اس کے چہرے کا رنگ دیکھا تو فرمایا: ''ہم نے یہ تجھے صرف اس لیے واپس کیا ہے کہ ہم حالت احرام میں ہیں۔''

1 سنن أبي داود، الصيد، حديث: 2859. 2 صحيح مسلم، الصيد والذبائح، حديث: 5048 (1953). ③ فتح الباري: 250/5.

فائدہ: محرم آدمی کے لیے شکار پیش کرنے کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ ہے کہ اسے گوشت کا کچھ حصہ پیش کیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ پورا شکار زندہ شکل میں پیش کیا جائے۔ ان دونوں کی نوعیت میں فرق ہے۔ گوشت کا کچھ حصہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ شکار کا زندہ جانور قبول کرنا قابل اعتراض ہے کیونکہ احرام والا شخص شکار کا مالک نہیں ہو سکتا اور جب اسے غیر محرم ذبح کر دے تو اس کا مالک ہو سکتا ہے کیونکہ وہ گوشت ہے جو شکار کے حکم میں نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا تحفہ قبول فرمایا کیونکہ انھوں نے گوشت حاضر خدمت کیا تھا جبکہ حضرت صعب رضی اللہ عنہ کا شکار واپس کر دیا کیونکہ انھوں نے اسے زندہ شکل میں پیش کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ ہر دو وقت احرام کی حالت میں تھے۔ واللہ أعلم.

(٧) بَابُ قَبُولِ الْهَدِيَّةِ

باب: 7- ہدیہ قبول کرنا

٢٥٧٤ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّاسَ كَانُوا يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَائِشَةَ يَبْتَغُونَ بِهَا، أَوْ يَبْتَغُونَ بِذٰلِكَ مَرْضَاةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ. [انظر: ٢٥٨٠، ٢٥٨١، ٣٧٧٥]

[2574] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: لوگ اس بات کا اہتمام کرتے تھے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن اپنے تحائف بھیجیں اور اس طریقے سے وہ رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی چاہتے تھے۔

فائدہ: جس دن رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما ہوتے تو لوگ آپ کو ہدایا اور نذرانے بھیجا کرتے تھے۔ لوگوں کے دلوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا احترام دو پہلوؤں سے تھا: ○ رسول اللہ ﷺ کو آپ سے خصوصی تعلق خاطر تھا، اس بنا پر لوگ رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ○ اپنے علم اور مرتبے کے لحاظ سے بھی ان کا ایک خاص مقام تھا، اس بنا پر لوگوں کا احترام اپنی جگہ پر قابل تعریف تھا۔ خدمت نبوی میں تحفہ اور پھر اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری میں پیش کرنا ہر دو امور رسول اللہ ﷺ کی خوشی کا باعث تھے۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ اس طریقے سے جو چیزیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچتی تھیں ان میں سے تمام ازواج کو بھیجتے تھے۔[1]

٢٥٧٥ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ إِيَاسٍ قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَهْدَتْ أُمُّ حُفَيْدٍ خَالَةُ ابْنِ عَبَّاسٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ أَقِطًا وَّسَمْنًا وَّأَضُبًّا، فَأَكَلَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الْأَقِطِ

[2575] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کی خالہ ام حفید رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کی خدمت میں پنیر، گھی اور سانڈے کا ہدیہ بھیجا۔ آپ نے پنیر اور گھی میں سے تو کچھ کھا لیا لیکن سانڈا ناگواری کی وجہ سے چھوڑ دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سانڈا آپ کے دسترخوان

1 فتح الباري: 5/256.

وَالسَّمْنِ وَتَرَكَ الْأَضُبَّ تَقَذُّرًا. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَأُكِلَ عَلَى مَائِدَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَلَوْ كَانَ حَرَامًا مَّا أُكِلَ عَلَى مَائِدَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ.

[انظر: ٥٣٨٩، ٥٤٠٢، ٧٣٥٨]

پر کھایا گیا۔ اگر حرام ہوتا تو کم از کم رسول اللہ ﷺ کے دسترخواں پر اسے نہ کھایا جاتا۔

فوائد ومسائل: ① ضب جسے ہمارے ہاں سانڈا کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہدیہ قبول فرمایا لیکن طبعی ناگواری کی وجہ سے اسے تناول نہیں فرمایا کیونکہ آپ کو یہ پسند نہ تھا، البتہ آپ کے دسترخواں پر دیگر صحابۂ کرام ؓ نے اسے کھایا ہے جو اس کے حلال ہونے کی دلیل ہے۔ اگر کوئی طبعی کراہت کی وجہ سے اسے نہ کھائے تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا۔ اسے حرام کہنا غلط ہے۔ ② بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو ہمارے دیار میں نہیں کھائی جاتیں لیکن انھیں حرام کہنا مشکل ہے، سانڈے کے متعلق عجائب و غرائب اور اپنے چشم دید مشاہدات ہم آئندہ کسی فرصت میں بیان کریں گے۔

٢٥٧٦ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أُتِيَ بِطَعَامٍ سَأَلَ عَنْهُ: «أَهَدِيَّةٌ أَمْ صَدَقَةٌ؟» فَإِنْ قِيلَ: صَدَقَةٌ. قَالَ لِأَصْحَابِهِ: «كُلُوا» وَلَمْ يَأْكُلْ، وَإِنْ قِيلَ: هَدِيَّةٌ ضَرَبَ بِيَدِهِ ﷺ فَأَكَلَ مَعَهُمْ.

[2576] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب کوئی کھانا لایا جاتا تو اس کے متعلق دریافت فرماتے: ''یہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟'' اگر کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو آپ اپنے اصحاب سے فرماتے: ''تم کھاؤ'' لیکن خود نہ کھاتے۔ اور اگر کہا جاتا کہ ہدیہ ہے تو آپ ﷺ ہاتھ بڑھا کر اپنے اصحاب کے ہمراہ اسے تناول فرماتے۔

فائدہ: اس روایت میں ہدیے کا کھانا کھانے کا ذکر ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول کرتے تھے، البتہ صدقہ وغیرہ آپ اس لیے نہیں کھاتے تھے کہ یہ آپ کے لیے اور آپ کی آل اولاد کے لیے جائز نہیں تھا۔ اس میں بہت سے مصالح آپ کے پیش نظر تھے جن کی بنا پر آپ نے اموالِ صدقات کو اپنے اور اپنی آل کے لیے حرام قرار دیا۔

٢٥٧٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِلَحْمٍ، فَقِيلَ: تُصُدِّقَ عَلَى بَرِيرَةَ، قَالَ: «هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ». [راجع: ١٤٩٥]

[2577] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ کی خدمت میں گوشت پیش کیا گیا اور بتایا گیا کہ یہ حضرت بریرہ ؓ پر صدقہ کیا گیا ہے تو آپ نے فرمایا: ''یہ اس کے لیے صدقہ ہے لیکن ہمارے لیے ہدیہ ہے۔''

فائدہ: جب صدقہ اپنے محل پر پہنچ جائے تو جسے ملا ہے وہ اس کا مالک ہے۔ اب وہ کسی کو دیتا ہے تو اس کی حیثیت بدل چکی

ہے، وہ صدقہ نہیں رہا بلکہ وہ تحفے کی صورت اختیار کر چکا ہے کیونکہ صدقہ جب اپنی جگہ پر پہنچ جاتا ہے تو اس سے صدقے کا حکم ختم ہو جاتا ہے۔ اب اس کا استعمال دوسرے لوگوں کے لیے جائز ہے جن پر صدقہ حرام ہوتا ہے۔ امیر یا غریب کو اس کا تحفہ قبول کرنا جائز ہوگا۔

٢٥٧٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ قَالَ: سَمِعْتُهُ مِنْهُ عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّهَا أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِيَ بَرِيرَةَ وَأَنَّهُمُ اشْتَرَطُوا وَلَاءَهَا، فَذُكِرَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اِشْتَرِيهَا فَأَعْتِقِيهَا، فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ»، وَأُهْدِيَ لَهَا لَحْمٌ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَا هٰذَا» قُلْتُ: تُصُدِّقَ عَلَىٰ بَرِيرَةَ، فَقَالَ: «هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَّلَنَا هَدِيَّةٌ». وَخُيِّرَتْ بَرِيرَةُ.

[2578] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے حضرت بریرہ ؓ کو خریدنے کا ارادہ کیا تو اس کے آقاؤں نے یہ شرط لگائی کہ اس کی ولا ان کو حاصل ہوگی۔ نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم خرید کر اسے آزاد کر دو، ولا تو اسی کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرے۔'' ایک دفعہ یوں ہوا کہ حضرت بریرہ ؓ کو صدقے کا گوشت ملا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ کیا ہے؟'' میں نے عرض کیا: یہ بریرہ کو بطور صدقہ ملا ہے۔ تب آپ نے فرمایا: ''یہ اس کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔'' نیز جب وہ آزاد ہوئی تو خاوند کے معاملے میں اسے اختیار دیا گیا۔

قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: زَوْجُهَا حُرٌّ أَوْ عَبْدٌ. قَالَ شُعْبَةُ: سَأَلْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ عَنْ زَوْجِهَا قَالَ: لَا أَدْرِي أَحُرٌّ أَمْ عَبْدٌ؟. [راجع: ٤٥٦]

(راوئ حدیث) عبدالرحمٰن نے کہا: اس کا خاوند آزاد تھا یا غلام۔ شعبہ کہتے ہیں: میں نے عبدالرحمٰن سے اس کے خاوند کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے کہا: مجھے معلوم نہیں کہ وہ آزاد تھا یا غلام۔

فائدہ: حضرت بریرہ ؓ تین شرعی احکام کا ذریعہ بنیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ غلام لونڈی کی ولاء کا حقدار وہی ہے جو اسے آزاد کرے۔ ○ صدقے کی چیز جب کوئی غریب کسی کو ہدیہ دے تو وہ صدقہ نہیں رہتا بلکہ اس کا حکم بدل جاتا ہے۔ ○ غلامی سے نجات پا کر شادی شدہ لونڈی کو اختیار ہے کہ وہ خاوند سے علیحدگی اختیار کر سکتی ہے بشرطیکہ اس کا خاوند غلام ہو۔ بہر حال اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اسے اپنے استعمال میں لاتے تھے۔

٢٥٧٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ: أَخْبَرَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ: دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَىٰ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا

[2579] حضرت ام عطیہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ حضرت عائشہ ؓ کے پاس تشریف لائے تو پوچھا: ''تمھارے پاس کچھ (کھانے کو) ہے؟'' انھوں نے کہا: کچھ نہیں، صرف بکری کا گوشت ہے جو ام عطیہ ؓ

فَقَالَ لَهَا: «عِنْدَكُمْ شَيْءٌ؟» قَالَتْ: لَا، إِلَّا شَيْءٌ بَعَثَتْ بِهِ أُمُّ عَطِيَّةَ مِنَ الشَّاةِ الَّتِي بُعِثَتْ إِلَيْهَا مِنَ الصَّدَقَةِ، قَالَ: «إِنَّهُ قَدْ بَلَغَتْ مَحِلَّهَا». [راجع: ١٤٤٦]

نے بھیجا ہے اور یہ اس بکری کا ہے جو انھیں صدقے میں سے دی گئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''صدقہ اپنے مقام پر پہنچ چکا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① صدقہ جب اپنے مقام پر پہنچ جائے تو صدقہ نہیں رہتا کیونکہ ملکیت کی تبدیلی سے چیز میں تبدیلی آجاتی ہے۔ حضرت عطیہ ؓ کا معاملہ بھی حضرت بریرہ ؓ جیسا ہے، انھیں صدقہ پہنچ گیا تو اب انھوں نے حضرت عائشہ ؓ کی خدمت میں بھیجا وہ ہدیے کے حکم میں ہے، اب وہ صدقہ نہیں رہا اور ہمارے لیے جائز ہو چکا ہے۔ ② واضح رہے کہ غریب آدمی کی دل جوئی کے لیے اس کا ہدیہ قبول کر لینا مزید اجر وثواب کا باعث ہے۔

(٨) بَابُ مَنْ أَهْدَى إِلَى صَاحِبِهِ، وَتَحَرَّى بَعْضَ نِسَائِهِ دُونَ بَعْضٍ

باب: 8- اپنے دوست کو اس دن تحفہ بھیجنا جب وہ اپنی کسی خاص بیوی کے پاس ہو

٢٥٨٠ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّاسُ يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمِي، وَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: إِنَّ صَوَاحِبِي اجْتَمَعْنَ فَذَكَرَتْ لَهُ فَأَعْرَضَ عَنْهَا. [راجع: ٢٥٧٤]

[2580] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: لوگ اپنے ہدایا بھیجتے وقت میری باری کے دن کا خیال رکھتے تھے۔ حضرت ام سلمہ ؓ کا بیان ہے کہ میری سوکنوں نے اکٹھے ہو کر آپ ﷺ سے (بطور شکایت) ذکر کیا تو آپ نے ان کو جواب ہی نہ دیا۔

فائدہ: لوگ رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کے لیے یہ اہتمام کرتے تھے کہ حضرت عائشہ ؓ کی باری کے دن کا انتظار کرتے۔ دوسری ازواج کو یہ اہتمام ناگوار گزرا تو انھوں نے مل کر اس کے متعلق احتجاج کیا۔ رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ آپ لوگوں کو تحائف کے متعلق ہدایت کریں کہ وہ کسی خاص دن کا انتظار نہ کیا کریں بلکہ آپ جس گھر میں تشریف فرما ہوں ہدایا وہاں بھیج دیا کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی کیونکہ اس معاملے میں آپ کا کوئی کردار نہیں تھا، نہ آپ کے حکم سے لوگوں نے یہ عادت بنائی تھی اور آپ کے لیے انھیں روکنا مناسب بھی نہیں تھا۔ اس احتجاج کی تفصیل اگلی حدیث میں بیان ہوئی ہے۔

٢٥٨١ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: قَالَ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ،

[2581] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کے دو گروپ تھے: ایک گروپ میں حضرت

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا : أَنَّ نِسَاءَ رَسُولِ اللهِ ﷺ كُنَّ حِزْبَيْنِ : فَحِزْبٌ فِيهِ عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ وَصَفِيَّةُ وَسَوْدَةُ، وَالْحِزْبُ الْآخَرُ: أُمُّ سَلَمَةَ وَسَائِرُ نِسَاءِ رَسُولِ اللهِ ﷺ. وَكَانَ الْمُسْلِمُونَ قَدْ عَلِمُوا حُبَّ رَسُولِ اللهِ ﷺ عَائِشَةَ، فَإِذَا كَانَتْ عِنْدَ أَحَدِهِمْ هَدِيَّةٌ يُرِيدُ أَنْ يُهْدِيَهَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ أَخَّرَهَا حَتَّى إِذَا كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي بَيْتِ عَائِشَةَ بَعَثَ صَاحِبُ الْهَدِيَّةِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي بَيْتِ عَائِشَةَ، فَكَلَّمَ حِزْبُ أُمِّ سَلَمَةَ فَقُلْنَ لَهَا: كَلِّمِي رَسُولَ اللهِ ﷺ يُكَلِّمُ النَّاسَ فَيَقُولُ: مَنْ أَرَادَ أَنْ يُهْدِيَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ هَدِيَّةً فَلْيُهْدِهَا حَيْثُ كَانَ مِنْ نِّسَائِهِ، فَكَلَّمَتْهُ أُمُّ سَلَمَةَ بِمَا قُلْنَ فَلَمْ يَقُلْ لَّهَا شَيْئًا، فَسَأَلْنَهَا فَقَالَتْ: مَا قَالَ لِي شَيْئًا، فَقُلْنَ لَهَا: فَكَلِّمِيهِ، قَالَتْ: فَكَلَّمَتْهُ حِينَ دَارَ إِلَيْهَا أَيْضًا فَلَمْ يَقُلْ لَّهَا شَيْئًا. فَسَأَلْنَهَا فَقَالَتْ: مَا قَالَ لِي شَيْئًا، فَقُلْنَ لَهَا: كَلِّمِيهِ حَتَّى يُكَلِّمَكِ، فَدَارَ إِلَيْهَا فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَ لَهَا: «لَا تُؤْذِينِي فِي عَائِشَةَ، فَإِنَّ الْوَحْيَ لَمْ يَأْتِنِي وَأَنَا فِي ثَوْبِ امْرَأَةٍ إِلَّا عَائِشَةَ». قَالَتْ: فَقُلْتُ: أَتُوبُ إِلَى اللهِ مِنْ أَذَاكَ يَا رَسُولَ اللهِ، ثُمَّ إِنَّهُنَّ دَعَوْنَ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَرْسَلَتْ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ تَقُولُ: إِنَّ نِسَاءَكَ يَنْشُدْنَكَ اللهَ الْعَدْلَ فِي بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَ: «يَا بُنَيَّةُ! أَلَا تُحِبِّينَ مَا أُحِبُّ؟» قَالَتْ: بَلَى، فَرَجَعَتْ إِلَيْهِنَّ فَأَخْبَرَتْهُنَّ. فَقُلْنَ: ارْجِعِي إِلَيْهِ فَأَبَتْ أَنْ

عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت صفیہ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہن تھیں، جبکہ دوسرے گروپ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ باقی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تھیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی (والہانہ) محبت کو جانتے تھے، اس لیے جب کسی کے پاس تحفہ ہوتا اور وہ اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا (تو) اس میں تاخیر کرتا حتی کہ جب رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما ہوتے تو ہدیہ بھیجنے والا رسول اللہ ﷺ کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہدیہ بھیجتا۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گروپ نے مشورہ کر کے ان سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے بات کریں کہ وہ لوگوں سے کہیں کہ جس کسی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تحفہ بھیجنا ہو تو آپ اپنی جس بیوی کے ہاں مقیم ہوں وہیں تحفہ بھیجا کرے۔ ان کے کہنے کے مطابق حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے گفتگو کی لیکن آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب اس گروپ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے کوئی جواب ہی نہیں دیا۔ انھوں نے ان سے کہا: آپ پھر بات کریں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ جب باری کے دن آپ تشریف لائے تو انھوں نے پھر بات چھیڑی لیکن آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب امہات المومنین نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو انھوں نے بتایا: آپ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ ازواج مطہرات نے ان سے کہا: تم یہ بات کرتی رہو جب تک آپ جواب نہیں دیتے۔ پھر جب ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی باری آئی تو انھوں نے آپ سے عرض کیا، تب آپ نے فرمایا: ''تم عائشہ رضی اللہ عنہا کے

تَرْجِعَ، فَأَرْسَلْنَ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ فَأَتَتْهُ فَأَغْلَظَتْ وَقَالَتْ: إِنَّ نِسَاءَكَ يَنْشُدْنَكَ الْعَدْلَ فِي بِنْتِ ابْنِ أَبِي قُحَافَةَ، فَرَفَعَتْ صَوْتَهَا حَتّٰى تَنَاوَلَتْ عَائِشَةَ وَهِيَ قَاعِدَةٌ فَسَبَّتْهَا حَتّٰى إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَيَنْظُرُ إِلَى عَائِشَةَ: هَلْ تَكَلَّمُ؟ قَالَ: فَتَكَلَّمَتْ عَائِشَةُ تَرُدُّ عَلَى زَيْنَبَ حَتّٰى أَسْكَتَتْهَا، قَالَتْ: فَنَظَرَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى عَائِشَةَ فَقَالَ: «إِنَّهَا بِنْتُ أَبِي بَكْرٍ». [راجع: ٢٥٧٤]

بارے میں مجھے اذیت نہ دو کیونکہ میں جب عائشہ کے علاوہ کسی اور بیوی کے کپڑوں میں ہوتا ہوں تو مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی۔“ حضرت ام سلمہ ؓ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں آپ کو اذیت پہنچانے سے توبہ کرتی ہوں۔ پھر امہات المومنین نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ ؓ کو بلایا اور انھیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ پیغام دے کر بھیجا کہ آپ کی ازواج آپ کو اللہ کی قسم دیتی ہیں کہ آپ حضرت ابوبکر ؓ کی بیٹی کے متعلق انصاف کریں، چنانچہ حضرت فاطمہ ؓ نے بھی جا کر آپ سے بات چیت کی تو آپ نے فرمایا: ”دختر من! کیا تو اس سے محبت نہیں کرتی جس سے میں محبت کرتا ہوں؟“ سیدہ فاطمہ نے عرض کیا: کیوں نہیں۔ اس کے بعد وہ واپس آ گئیں اور ازواج مطہرات کو جواب سے آگاہ کیا۔ انھوں نے کہا: دوبارہ جاؤ لیکن حضرت فاطمہ ؓ نے دوبارہ جانے سے انکار کر دیا۔ آخر انھوں نے حضرت زینب بنت جحش ؓ کو بھیجا۔ وہ آئیں تو سخت گفتگو کرنے لگیں اور کہا کہ آپ کی ازواج ابن ابوقحافہ کی بیٹی کے بارے میں اللہ کی قسم دے کر انصاف مانگتی ہیں، ان کی آواز بلند ہوئی یہاں تک کہ حضرت عائشہ ؓ سے لے دے شروع کر دی جو وہاں بیٹھی ہوئی تھیں بلکہ انھیں برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ ؓ کی طرف دیکھنے لگے کہ وہ کچھ جواب دیتی ہیں یا نہیں؟ چنانچہ حضرت عائشہ ؓ بولیں اور حضرت زینب ؓ کو جواب دیتی رہیں یہاں تک کہ انھیں چپ کرا دیا۔ نبی ﷺ نے حضرت عائشہ ؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا: ”آخر یہ ابوبکر ؓ کی بیٹی ہیں۔“

قَالَ الْبُخَارِيُّ: اَلْكَلَامُ الْأَخِيرُ قِصَّةُ

امام بخاری کہتے ہیں: آخر کلام، یعنی حضرت فاطمہ ؓ

فَاطِمَةَ، يُذْكَرُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ رَّجُلٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ.

کا قصہ ہشام بن عروہ نے ایک اور شخص سے بھی بیان کیا ہے، اس نے امام زہری سے، انھوں نے محمد بن عبدالرحمن سے اسے روایت کیا ہے۔

وَقَالَ أَبُو مَرْوَانَ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ عُرْوَةَ: كَانَ النَّاسُ يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَائِشَةَ.

ابومروان نے ہشام سے، انھوں نے عروہ سے روایت کیا کہ لوگ اپنے تحائف بھیجنے میں حضرت عائشہ ؓ کی باری کے منتظر رہتے تھے۔

وَعَنْ هِشَامٍ، عَنْ رَّجُلٍ مِّنْ قُرَيْشٍ، وَرَجُلٍ مِّنَ الْمَوَالِي، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، قَالَتْ عَائِشَةُ: كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَاسْتَأْذَنَتْ فَاطِمَةُ.

ایک دوسری سند سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: میں نبی ﷺ کے پاس تھی جب سیدہ فاطمہ ؓ نے اجازت طلب کی۔

فوائد و مسائل: ① اس طویل حدیث سے امام بخاری ؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی خاص دوست کو تحائف و ہدایا اس کی خاص بیوی کی باری میں پیش کرسکتا ہے۔ یہ تحفہ بھیجنے والے کی مرضی ہے کہ وہ جب چاہے جہاں چاہے بھیجے، اس پر زبردستی کوئی حکم نہیں ٹھونسا جاسکتا کہ فلاں وقت بھیجے اور فلاں وقت نہ بھیجے۔ ② رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے صدیقۂ کائنات حضرت عائشہ ؓ کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہو ان نالائق لوگوں پر جو حضرت عائشہ ؓ کے متعلق زبان درازی کرتے ہیں۔ ③ رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا: ''آخر یہ حضرت ابوبکر ؓ کی دختر ہیں۔'' حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہ ؓ شریف الطبع، زیرک و دانا اور معاملہ فہم ہیں جیسا کہ ان کے والد گرامی نہایت شریف اور عقلمند انسان ہیں۔[1] رسول اللہ ﷺ کا مقصد فتنے کا سد باب تھا۔ اگر فریقین دل کی بھڑاس نہ نکالتے تو قصہ دراز ہو جاتا۔ اچھا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں قصہ کوتاہ (مختصر) ہو گیا۔ واللہ أعلم.

(٩) بَابُ مَا لَا يُرَدُّ مِنَ الْهَدِيَّةِ

باب: 9- کس قسم کے تحائف واپس نہ کیے جائیں

٢٥٨٢ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَيْهِ فَنَاوَلَنِي طِيبًا قَالَ: كَانَ أَنَسٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَا يَرُدُّ الطِّيبَ. قَالَ: وَزَعَمَ أَنَسٌ أَنَّ النَّبِيَّ

[2582] عزرہ بن ثابت انصاری سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ثمامہ بن عبداللہ کے پاس گیا تو انھوں نے مجھے خوشبو کا تحفہ دیا اور کہا کہ حضرت انس ؓ خوشبو رد نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے حضرت انس ؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ نبی ﷺ بھی خوشبو واپس نہیں کرتے تھے۔

① فتح الباري: 256/5.

ﷺ كَانَ لَا يَرُدُّ الطِّيبَ . [انظر: ٥٩٢٩]

فوائد ومسائل: ① جامع ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین چیزیں واپس نہ کی جائیں: تکیہ، تیل اور دودھ۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان قائم کر کے مذکورہ حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حدیث میں تیل سے مراد خوشبو ہے۔ آپ نے اسے واپس نہ کرنے کی تلقین فرمائی ہے کیونکہ اس کے دینے میں آسانی اور اس کا فائدہ بھی زیادہ ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خوشبو کا اپنے پاس رکھنا آسان اور اس کی مہک بہترین اور عمدہ ہوتی ہے۔''[2] لیکن اس روایت میں طیب کے بجائے ''ریحان'' کے الفاظ ہیں۔ بہرحال لفظ طیب محفوظ اور زیادہ قرین قیاس ہے۔[3] ② خوشبو اگرچہ معمولی چیز ہے، تاہم اسے واپس کرنے سے تعلقات متاثر ہو سکتے ہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اسے واپس نہ کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ معمولی سی بات پر بڑا نقصان کر لیا جائے، نیز یہ بات دلداری اور حوصلہ افزائی کے بھی خلاف ہے۔

(١٠) بَابُ مَنْ رَأَى الْهِبَةَ الْغَائِبَةَ جَائِزَةً

باب: 10- جس نے غائب چیز کے ہبہ کو جائز قرار دیا

وضاحت: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہبہ میں قبضہ ضروری ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے اس خیال کو غلط قرار دیا کہ غائب اور غیر مقبوضہ کا ہبہ بھی جائز ہے جبکہ شے معین اور معلوم ہو اور اس کا حصول ممکن بھی ہو۔

٢٥٨٣، ٢٥٨٤ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: ذَكَرَ عُرْوَةُ أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا وَمَرْوَانَ أَخْبَرَاهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حِينَ جَاءَهُ وَفْدُ هَوَازِنَ قَامَ فِي النَّاسِ فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ إِخْوَانَكُمْ جَاؤُنَا تَائِبِينَ وَإِنِّي رَأَيْتُ أَنْ أَرُدَّ إِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ، فَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يُطَيِّبَ ذٰلِكَ فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَكُونَ عَلَى حَظِّهِ حَتَّى نُعْطِيَهُ إِيَّاهُ مِنْ أَوَّلِ مَا يُفِيءُ اللهُ عَلَيْنَا، فَقَالَ

[2583,2584] حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما اور حضرت مروان رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ نبی ﷺ کے پاس جب قبیلۂ ہوازن کا وفد آیا تو آپ لوگوں میں تقریر کے لیے کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی جو اس کے شایان شان ہے، پھر فرمایا: ''امابعد، (لوگو!) تمھارے بھائی تائب ہو کر ہمارے پاس آئے ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ میں ان کے قیدی انھیں واپس کر دوں۔ تم میں سے جو کوئی خوشی سے پسند کرے وہ بھی ایسا کر دے اور جو اپنا حق باقی رکھنا چاہتا ہو، وہ اس شرط پر ایسا کر دے کہ جب آئندہ ہمارے پاس غنیمت کا مال آئے تو ہم اس کو دے دیں

---

① جامع الترمذي، الاستئذان، حديث: 2790. ② صحيح مسلم، الألفاظ من الأدب وغيرها، حديث: 5883 (2253).

③ فتح الباري: 258/5.

النَّاسُ: طَيَّبْنَا لَكَ. [راجع: ٢٣٠٧، ٢٣٠٨]

گے۔" لوگوں نے کہا: ہم آپ کے فیصلے پر راضی ہیں۔

فائدہ: اس روایت کے مطابق آئندہ مالِ غنیمت کا معاملہ مبہم تھا، گویا وہ غائب تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے آئندہ آنے والا مال ہبہ کر دیا۔ اس میں کوئی چیز حاضر نہیں تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شے معلوم ہو اور اس کا حصول ممکن ہو تو غائب چیز ہبہ کی جا سکتی ہے۔

(١١) بَابُ الْمُكَافَأَةِ فِي الْهِبَةِ

باب: 11- ہبہ کا بدلہ دینا

٢٥٨٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيبُ عَلَيْهَا.

[2585] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول فرما لیتے اور اس کا بدلہ بھی دیتے تھے۔

لَمْ يَذْكُرْ وَكِيعٌ وَمُحَاضِرٌ: عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ.

وکیع اور محاضر نے ہشام عن ابیہ کے طریق سے اس روایت کو (موصول) ذکر نہیں کیا۔ (یعنی صرف عیسیٰ بن یونس نے اس طریق سے موصول بیان کیا ہے۔)

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کا تقاضا ہے کہ ہدیہ قبول کرنے کے بعد ہدیہ دینے والے کو بدلے میں کچھ دیا جائے، نیز ہدیہ دینے والا اگر ضرورت مند ہے تو وہ اپنے ہدیے کے بدلے کی توقع بھی رکھ سکتا ہے۔ بعض حضرات نے ہبے کا بدلہ دینا واجب قرار دیا ہے جبکہ جمہور محدثین کے نزدیک ایسا کرنا مستحب ہے کیونکہ ایسا کرنا اعلیٰ ظرفی اور بلند اخلاقی سے تعلق رکھتا ہے۔ قرآن کریم سے بھی اس کا واضح اشارہ ملتا ہے۔[1]

(١٢) بَابُ الْهِبَةِ لِلْوَلَدِ

باب: 12- اولاد کو ہبہ کرنا

وَإِذَا أَعْطَى بَعْضَ وَلَدِهِ شَيْئًا لَمْ يَجُزْ حَتَّى يَعْدِلَ بَيْنَهُمْ وَيُعْطِي الْآخَرَ مِثْلَهُ وَلَا يُشْهَدُ عَلَيْهِ. وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اِعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ فِي الْعَطِيَّةِ». وَهَلْ لِلْوَالِدِ أَنْ يَرْجِعَ فِي عَطِيَّتِهِ؟ وَمَا يَأْكُلُ مِنْ مَالِ وَلَدِهِ بِالْمَعْرُوفِ وَلَا

جب اپنے کچھ بچوں کو کوئی چیز بطور ہبہ دی تو جب تک انصاف کے ساتھ تمام اولاد کو برابر نہ دے تو یہ ہبہ جائز نہیں ہوگا، نیز اس طرح کے غیر منصفانہ ہبہ پر گواہی نہ دی جائے۔ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "عطیہ دینے میں اپنی اولاد کے درمیان انصاف کیا کرو۔" کیا والد کے لیے

1 النسآء 4:86.

يَتَعَدَّى. وَاشْتَرَى النَّبِيُّ ﷺ مِنْ عُمَرَ بَعِيرًا ثُمَّ أَعْطَاهُ ابْنَ عُمَرَ وَقَالَ: «اِصْنَعْ بِهِ مَا شِئْتَ».

جائز ہے کہ وہ ہبہ کر کے واپس لے لے؟ باپ اپنی اولاد کے مال سے دستور کے مطابق کھا سکتا ہے جبکہ وہ حد سے تجاوز نہ کرے۔ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک اونٹ خریدا پھر وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دے دیا اور فرمایا: ''اس سے تم جو چاہو کرو۔''

وضاحت: اس عنوان کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے چار مسائل ذکر فرمائے: ○ کیا انسان اپنی اولاد کو کوئی چیز ہبہ کر سکتا ہے؟ اس مسئلے کی ضرورت اس لیے ہے کہ ایک حدیث کے مطابق اولاد اور اس کا مال والد کے لیے ہے، اس صورت میں اگر اولاد کو ہبہ دیا جائے تو اپنے آپ کو ہبہ کرنا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا جواز ثابت کیا ہے۔ ○ اولاد کو ہبہ کرتے وقت ان میں مساوات اور عدل وانصاف کرنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ ایک کو دے اور دوسرے کو محروم کر دے، یہ انصاف کے منافی ہے جبکہ اولاد کے معاملے میں عدل کا حکم ہے۔ ○ والد اپنی اولاد سے اپنی ہبہ کی ہوئی چیز واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ ایسا کرنا حدیث سے ثابت ہے اور جو اسے ناجائز سمجھتے ہیں ان کا موقف درست نہیں۔ ○ والد اپنی اولاد کے مال سے کس حد تک لے سکتا ہے؟ اس بارے میں واضح فرمایا کہ دستور کے مطابق کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں۔ ظلم وزیادتی کسی صورت بھی جائز نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت دو معلق روایات ذکر کی ہیں: پہلی روایت تو خود متصل سند سے بیان کر دی ہے۔[1] لیکن اس میں ''عطیہ'' کے الفاظ نہیں ہیں، البتہ امام طحاوی نے یہ الفاظ بیان کیے ہیں کہ اپنی اولاد کو عطیہ دیتے وقت مساوات کیا کرو۔[2] دوسری حدیث بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے خود ہی موصولاً بیان کی ہے۔[3] اس حدیث کا عنوان سے تعلق اس طرح ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے کہ تم اپنا اونٹ اپنے بیٹے کو دے دو تو ایسا کرنے سے اولاد میں مساوات نہ ہو سکتی، اس لیے آپ نے خرید کر اسے ہبہ کر دیا، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مساوات کا اعتبار کرنا باپ کے لیے ہے دوسروں کے لیے نہیں وہ جسے چاہیں جتنا مرضی عطیہ دیں۔[4]

٢٥٨٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، وَمُحَمَّدِ بْنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ: أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ: أَنَّ أَبَاهُ أَتَى بِهِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: إِنِّي نَحَلْتُ ابْنِي هٰذَا غُلَامًا، فَقَالَ: «أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَ مِثْلَهُ؟»

[2586] حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے والد انھیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور عرض کیا: میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام ہبہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تو نے اپنی تمام اولاد کو اس جیسا (غلام) دیا ہے؟'' انھوں نے کہا: نہیں۔ تو آپ نے فرمایا: ''اپنا عطیہ واپس لے لو۔''

---

1 صحيح البخاري، الهبة ......، حديث: 2587. 2 السنن الكبرٰى للبيهقي: 177/6. 3 صحيح البخاري، الهبة ......، حديث: 2610. 4 فتح الباري: 261/5.

قَالَ، لَا، قَالَ: «فَارْجِعْهُ». [انظر: ٢٥٨٧، ٢٦٥٠]

فوائد ومسائل: ① یہ روایت اپنے مفہوم میں واضح ہے، البتہ فقہاء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے کہ کوئی شخص اپنے بیٹوں کو عطیہ دیتے وقت فرق کر سکتا ہے یا نہیں؟ امام احمد ؒ اور دیگر کئی ائمہ کا موقف ہے کہ لڑکے کو لڑکی سے دوگنا دینا جائز ہے، تاہم جمہور کا موقف یہ ہے کہ اولاد میں مساوات اور عدل و انصاف ضروری ہے۔ انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ فرق نہ کیا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرق پر مبنی عطیہ واپس لینے کا حکم دیا، پھر دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''میں اس ظلم پر گواہی نہیں دے سکتا۔''[1] ② اگر کوئی بیٹا وغیرہ معذور ہے، وہ کام کاج کے قابل نہیں تو عدل و انصاف کا تقاضا ہے کہ ایسی اولاد کو باپ امتیازی حیثیت سے کچھ دے۔ اگر مساوات کا خیال رکھتے ہوئے اسے کچھ نہیں دے گا تو زندگی کے مسائل سلجھانے کے لیے اس نے معذور اولاد کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ ایسا کرنا دین اسلام کے خلاف ہے۔ باپ کو چاہیے کہ معذور اولاد کے لیے کوئی رقم یا جائیداد مختص کر دے۔ واللہ أعلم.

(١٣) بَابُ الْإِشْهَادِ فِي الْهِبَةِ

باب: 13- ہبہ کرتے وقت گواہ مقرر کرنا

٢٥٨٧ - حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ عَامِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ: أَعْطَانِي أَبِي عَطِيَّةً، فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ: لَا أَرْضَى حَتَّى تُشْهِدَ رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَأَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَقَالَ: إِنِّي أَعْطَيْتُ ابْنِي مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً، فَأَمَرَتْنِي أَنْ أُشْهِدَكَ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «أَعْطَيْتَ سَائِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ هٰذَا؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «فَاتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ». قَالَ: فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهُ. [راجع: ٢٥٨٦]

[2587] حضرت نعمان بن بشیر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے برسر منبر کہا کہ میرے والد نے مجھے کچھ عطیہ دیا تو میری والدہ حضرت عمرہ بنت رواحہ ؓ نے کہا: میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گی جب تک تم رسول اللہ ﷺ کو اس پر گواہ نہ بناؤ، لہٰذا وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: میں نے حضرت عمرہ بنت رواحہ ؓ کے بطن سے پیدا ہونے والے اس بیٹے کو کچھ عطیہ دیا ہے۔ اللہ کے رسول! عمرہ کے کہنے کے مطابق آپ کو اس پر گواہ بنانا چاہتا ہوں۔ آپ نے دریافت کیا: ''آیا تم نے اپنی تمام اولاد کو اتنا ہی دیا ہے؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل و انصاف کیا کرو۔'' حضرت نعمان ؓ کا بیان ہے کہ (یہ سن کر) میرے والد لوٹ آئے اور انھوں نے دی ہوئی چیز واپس لے لی۔

① صحیح البخاري، الشهادات، حدیث: 2650.

فائدہ: ہبہ دیتے ہوئے گواہ بنانا جائز ہے جیسا حضرت نعمان کی والدہ ماجدہ نے رسول اللہ ﷺ کو ہبہ پر گواہ بنانے کا مطالبہ کیا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے عدل و انصاف سے ہٹ کر عطیہ دینے پر گواہی نہیں دی اور نہ اسے منظور ہی فرمایا بلکہ آپ نے عدل و انصاف اور مساوات کا حکم دیا۔

(١٤) بَابُ هِبَةِ الرَّجُلِ لِامْرَأَتِهِ وَالْمَرْأَةِ لِزَوْجِهَا

قَالَ إِبْرَاهِيمُ: جَائِزَةٌ، وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ لَا يَرْجِعَانِ. وَاسْتَأْذَنَ النَّبِيُّ ﷺ نِسَاءَهُ فِي أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِ عَائِشَةَ. وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ». وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِيمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ: هَبِي لِي بَعْضَ صَدَاقِكِ أَوْ كُلَّهُ، ثُمَّ لَمْ يَمْكُثْ إِلَّا يَسِيرًا حَتّٰى طَلَّقَهَا فَرَجَعَتْ فِيهِ، قَالَ: يَرُدُّ إِلَيْهَا إِنْ كَانَ خَلَبَهَا؛ وَإِنْ كَانَتْ أَعْطَتْهُ عَنْ طِيبِ نَفْسٍ لَيْسَ فِي شَيْءٍ مِّنْ أَمْرِهِ خَدِيعَةٌ جَازَ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا﴾ [النساء: ٤].

باب : 14- خاوند بیوی کا آپس میں تحائف کا تبادلہ کرنا

حضرت ابراہیم نخعی کہتے ہیں: (بیوی خاوند کا ایک دوسرے کو ہبہ کرنا) جائز ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں: (ہبہ کرنے کے بعد) دونوں میں سے کسی کو رجوع کا اختیار نہیں۔ نبی ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے اجازت طلب کی کہ بیماری کے دوران وہ حضرت عائشہ ؓ کے گھر رہیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہبہ کر کے واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے پھر اسے چاٹ لے۔'' امام زہری نے اس شخص کے متعلق کہا جو اپنی بیوی سے کہے: مجھے اپنا کچھ یا سارا مہر ہبہ کر دے، پھر تھوڑی دیر بعد اسے طلاق دے دے تو بیوی ہبہ کردہ حق مہر سے رجوع کر سکتی ہے۔ شوہر ہبہ کو واپس کرے گا اگر اس کی نیت فریب کی تھی لیکن اگر عورت نے راضی خوشی معاف کر دیا اور شوہر کے دل میں کوئی دھوکا نہ تھا تو وہ حق مہر شوہر کے لیے جائز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اگر وہ حق مہر میں سے کچھ خوش دلی سے معاف کر دیں تو اسے مزے سے کھاؤ۔''

وضاحت: ابراہیم نخعی کا اثر مصنف عبدالرزاق میں متصل سند سے بیان کیا گیا ہے۔[1] طحاوی میں ہے کہ ہبہ کرنے کے بعد کسی کو رجوع کا حق نہیں ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کے اثر کو بھی امام عبدالرزاق نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[2] حدیث عائشہ کو امام بخاری ؒ نے اسی عنوان کے تحت بیان کیا ہے، نیز ہبہ کر کے واپس لینے کی وعید بھی اسی عنوان کے تحت بیان

[1] المصنف لعبد الرزاق: 113/9. [2] المصنف لعبد الرزاق: 113/9.

ہوگی۔ حضرت زہری کا تفصیلی بیان ابن وہب نے متصل سند سے بیان کیا ہے کہ اگر بیوی اپنا حق مہر خاوند کو ہبہ کرتی ہے لیکن بعد میں اسے معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے تو اسے حق مہر سے رجوع کا حق ہے اور خاوند بھی اسے واپس کرنے کا پابند ہے، بصورت دیگر واپسی کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ بعض حضرات کا موقف ہے کہ بیوی اپنے ہبہ سے رجوع کر سکتی ہے اگر وہ ثابت کر دے کہ میں نے جو کچھ کیا تھا شوہر کے دباؤ پر مجبوراً کیا تھا۔[1]

٢٥٨٨ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ ﷺ فَاشْتَدَّ وَجَعُهُ اسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِي فَأَذِنَّ لَهُ، فَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ تَخُطُّ رِجْلَاهُ الْأَرْضَ، وَكَانَ بَيْنَ الْعَبَّاسِ وَبَيْنَ رَجُلٍ آخَرَ، فَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ: فَذَكَرْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا قَالَتْ عَائِشَةُ فَقَالَ لِي: وَهَلْ تَدْرِي مَنِ الرَّجُلُ الَّذِي لَمْ تُسَمِّ عَائِشَةُ؟ قُلْتُ: لَا، قَالَ: هُوَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ.

[راجع: ١٩٨]

[2588] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب نبی ﷺ کی بیماری شدت اختیار کر گئی اور تکلیف سخت ہوگئی تو آپ نے اپنی ازواج مطہرات سے اپنی بیماری کے ایام میرے گھر بسر کرنے کی اجازت طلب کی تو تمام ازواج نے بخوشی اجازت دے دی۔ آپ دو آدمیوں کے درمیان اس طرح نکلے کہ آپ کے پاؤں زمین پر نشان کھینچتے تھے۔ آپ جن آدمیوں کے درمیان تھے ان میں سے ایک حضرت عباس ؓ اور دوسرے کوئی اور شخص تھے۔ (راویٔ حدیث) عبیداللہ کہتے ہیں: میں نے جو بات حضرت عائشہ ؓ سے سنی تھی جب حضرت ابن عباس ؓ سے بیان کی تو انھوں نے مجھ سے پوچھا: تم اس شخص کو جانتے ہو جس کا حضرت عائشہ ؓ نے نام نہیں لیا؟ میں نے کہا: نہیں (جانتا۔) ابن عباس ؓ نے فرمایا: وہ حضرت علی ؓ تھے۔

فوائد ومسائل: ① حدیث میں مذکور واقعہ رسول اللہ ﷺ کی مرض وفات سے متعلق ہے۔ آپ اس وقت حضرت میمونہ ؓ کے گھر میں تھے جب آپ نے بیماری کے ایام حضرت عائشہ ؓ کے گھر گزارنے کی اجازت طلب کی۔ اس موقع پر تمام ازواج نے اپنی اپنی باری ہبہ کر دی تھی۔ اجازت دینا شوہر کے لیے ازواج کا ہبہ تھا، پھر ازواج نے جن حقوق کو معاف فرمایا انھوں نے پھر اس سے رجوع بھی نہیں کیا۔ اس صورت میں ہبہ کے لغوی معنی مراد ہوں گے۔ ② بعض لوگوں کا خیال ہے کہ صدیقۂ کائنات نے حضرت علی ؓ کا نام عداوت کی وجہ سے نہیں لیا تھا، حالانکہ یہ بات غلط ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ایک طرف حضرت عباس ؓ تھے جو آخر تک رہے دوسری طرف حضرت بریرہ، پھر حضرت علی، حضرت فضل بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید ؓ تھے۔ چونکہ ان میں سے کوئی ایک معین نہیں تھا، اس لیے حضرت عائشہ ؓ نے اس کا تعین کرنے کے بجائے کہہ دیا کہ دوسری

1 فتح الباري: 267/5.

طرف ایک اور شخص تھا۔ اس تعبیر کو عداوت پر محمول کرنا صدیقۂ کائنات کے متعلق بدگمانی ہے۔

٢٥٨٩ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَقِيءُ ثُمَّ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ». [انظر: ٢٦٢١، ٢٦٢٢، ٦٩٧٥]

[2589] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہبہ کر کے واپس لینے والا شخص اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے اسے چاٹ جاتا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① حدیث میں ذکر کردہ مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ ہبہ دے کر واپس لینا حرام ہے کیونکہ ہبہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں، تاہم کوئی شرعی سبب ہو تو واپس لیا جا سکتا ہے، مثلاً: باپ نے صرف ایک بیٹے کو ہبہ دیا دوسروں کو نظر انداز کر دیا تو اسے چاہیے کہ اپنا ہبہ واپس لے۔ حدیث میں ہے: ''آدمی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنا دیا ہوا عطیہ واپس لے، ہاں والد اپنی اولاد کو دیا ہوا عطیہ واپس لینے کا مجاز ہے۔''[1] ② واضح رہے کہ جس طرح تحفہ واپس لینا حرام ہے اسی طرح کسی شرعی رکاوٹ کے بغیر واپس کرنا بھی مکروہ عمل ہے۔ شرعی رکاوٹوں میں اہل اختیار کو مائل کرنے کے لیے ہدیہ دینا، کاہن کی شیرینی، زانیہ کی اجرت یا کسی حرام چیز سے دیا ہوا ہدیہ شامل ہے، اسے واپس کر دیا جائے۔ واضح رہے کہ محرم رشتہ داروں کے متعلق ایک حدیث بیان کی جاتی ہے کہ انھیں دیا ہوا عطیہ واپس نہیں لیا جائے گا۔[2] یہ حدیث ضعیف اور ناقابل استدلال ہے۔ واللہ أعلم.

(١٥) بَابُ هِبَةِ الْمَرْأَةِ لِغَيْرِ زَوْجِهَا، وَعِتْقِهَا إِذَا كَانَ لَهَا زَوْجٌ فَهُوَ جَائِزٌ إِذَا لَمْ تَكُنْ سَفِيهَةً، فَإِذَا كَانَتْ سَفِيهَةً لَمْ يَجُزْ، وَقَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمْ﴾ [النساء: ٥].

باب: 15- شوہر کی موجودگی میں بیوی کا کسی غیر کو ہدیہ دینا اور غلام آزاد کرنا لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ عورت بے وقوف نہ ہو۔ اگر وہ بے وقوف ہے تو ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تم بے وقوفوں کو اپنے مال نہ دو۔''

وضاحت: بعض حضرات کا موقف ہے کہ خاوند کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر بیوی ہبہ نہیں کر سکتی، اگر وہ اجازت دے دے تو جائز ہے۔ امام بخاری ؒ فرماتے ہیں کہ یہ موقف محل نظر ہے، ہاں اگر وہ بے وقوف ہے تو اسے اپنا مال ضائع کرنے کی اجازت نہیں جیسا کہ آیت کریمہ میں حکم دیا گیا ہے۔ قرآنی حکم اگرچہ یتیم بچوں کے متعلق ہے، تاہم یہ حکم دوسرے لوگوں کے لیے عام ہے جس میں بیوی بھی شامل ہے۔ اگر کسی عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو یا اس نے نکاح ہی نہ کیا ہو تو بالاتفاق اس کا ہبہ درست اور جائز ہے، اسی طرح عورت اگر دیوانی ہے تو اس کا ہبہ کرنا ناجائز ہے۔[3]

1 سنن أبي داود، البيوع، حديث: 3539. 2 المستدرك للحاكم: 52/2. 3 فتح الباري: 268/5.

٢٥٩٠ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَسْمَاءَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا لِي مَالٌ إِلَّا مَا أَدْخَلَ عَلَيَّ الزُّبَيْرُ، فَأَتَصَدَّقُ؟ قَالَ: «تَصَدَّقِي وَلَا تُوعِي فَيُوعِيَ اللهُ عَلَيْكِ». [راجع: ١٤٣٤]

[2590] حضرت اسماء بنت ابی بکر ؓ سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے دریافت کیا: اللہ کے رسول! میرے پاس مال تو وہی ہوتا ہے جو میرے شوہر حضرت زبیر ؓ لاتے ہیں تو کیا میں اس میں سے صدقہ کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''صدقہ کرو، اسے مت روکو، ورنہ اللہ بھی تجھ سے روک لے گا۔''

٢٥٩١ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ [بْنُ سَعِيدٍ]: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ فَاطِمَةَ، عَنْ أَسْمَاءَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «أَنْفِقِي وَلَا تُحْصِي فَيُحْصِيَ اللهُ عَلَيْكِ، وَلَا تُوعِي فَيُوعِيَ اللهُ عَلَيْكِ». [راجع: ١٤٣٤]

[2591] حضرت اسماء ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خرچ کرو اور اسے گن گن کر مت رکھو کہ پھر اللہ بھی تمھیں گن کر دے، نیز اسے مت روکو ورنہ اللہ بھی تم سے روک لے گا۔''

فائدہ: حضرت اسماء ؓ سیدنا ابوبکر ؓ کی صاحبزادی ہیں۔ حضرت زبیر بن عوام ؓ ان کے شوہر نامدار ہیں۔ انھوں نے نبی ﷺ سے پوچھا: میرے پاس تو خاوند کا مال ہوتا ہے، اس سے صدقہ کرنا کیا حیثیت رکھتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''مال شوہر کا سہی لیکن بیوی اس میں سے خرچ کر سکتی ہے۔ صدقہ بھی کر سکتی ہے۔'' اس سے امام بخاری ؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ خاوند والی عورت کا ہبہ صحیح ہے کیونکہ صدقے اور ہبے کا ایک ہی حکم ہے۔ امام مالک ؒ کا موقف ہے کہ خاوند کی اجازت کے بغیر بیوی کا ہبہ کرنا صحیح نہیں اگرچہ وہ صاحب عقل ہو مگر تہائی مال کی حد تک اسے ہبہ کرنے کی اجازت ہے۔

٢٥٩٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ عَنِ اللَّيْثِ، عَنْ يَزِيدَ، عَنْ بُكَيْرٍ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ مَيْمُونَةَ بِنْتَ الْحَارِثِ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا أَعْتَقَتْ وَلِيدَةً وَلَمْ تَسْتَأْذِنِ النَّبِيَّ ﷺ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُهَا الَّذِي يَدُورُ عَلَيْهَا فِيهِ قَالَتْ: أَشَعَرْتَ يَا رَسُولَ اللهِ! أَنِّي أَعْتَقْتُ وَلِيدَتِي؟ قَالَ: «أَوَ فَعَلْتِ؟» قَالَتْ: نَعَمْ. قَالَ: «أَمَا إِنَّكِ لَوْ أَعْطَيْتِهَا أَخْوَالَكِ، كَانَ أَعْظَمَ لِأَجْرِكِ».

[2592] حضرت میمونہ بنت حارث ؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنی ایک لونڈی کو آزاد کر دیا جس کی بابت انھوں نے نبی ﷺ سے اجازت نہیں لی تھی۔ جب ان کی باری کے دن آپ تشریف لائے تو انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں نے اپنی لونڈی کو آزاد کر دیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''کیا واقعی تم آزاد کر چکی ہو؟'' انھوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ''اگر تم وہ لونڈی اپنے ننھیال کو دیتیں تو تمھیں زیادہ ثواب ہوتا۔''

وَقَالَ بَكْرٌ [ابْنُ مُضَرَ] عَنْ عَمْرٍو، عَنْ بُكَيْرٍ، عَنْ كُرَيْبٍ: أَنَّ مَيْمُونَةَ أَعْتَقَتْ. [انظر: ٢٥٩٤]

بکر بن مضر نے عمرو سے، انھوں نے بکیر سے، انھوں نے کریب سے بیان کیا کہ حضرت میمونہ ؓ نے (لونڈی) آزاد کی۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں: ایک تو رسول اللہ ﷺ کی عدم موجودگی میں لونڈی آزاد کرنا، امام بخاری ؒ کا یہی مقصود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے باطل قرار نہیں دیا بلکہ اسے برقرار رکھتے ہوئے ایک بہتر کام کی طرف رہنمائی کی ہے اور دوسری صلہ رحمی کرنا کیونکہ آپ نے فرمایا: ''صلہ رحمی کا ثواب اسے آزاد کرنے سے زیادہ ہوتا۔'' اس مقام پر ہدیہ نہیں صلہ رحمی ہے۔ حدیث میں ہے: ''مسکین پر صدقہ کرنا تو صرف صدقہ ہے لیکن رشتے دار کے ساتھ دست تعاون بڑھانا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔''[1] ② دراصل امام بخاری ؒ ایک حدیث کے ناقابل استدلال ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ خاوند کی اجازت کے بغیر بیوی کا عطیہ نافذ نہیں ہوگا۔[2] امام مالک نے ان دونوں احادیث میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ایک تہائی سے کم اجازت کے بغیر ہبہ کر سکتی ہے لیکن اس سے زیادہ اگر ہبہ کرنا ہو تو خاوند سے اجازت لینا ہوگی۔[3] ③ امام بخاری ؒ نے حدیث میمونہ کے بعد جو تعلیق ذکر کی ہے اس کے دو مقاصد ہیں: محمد بن اسحاق جب یہ روایت بکیر سے بیان کرتے ہیں تو بکیر عن سلیمان بن یسار کے طریق کا ذکر کرتے ہیں جبکہ مذکورہ روایت میں یزید جب بکیر سے بیان کرتے ہیں تو ''بکیر عن کریب'' بیان کرتے ہیں۔ امام بخاری ؒ بتانا چاہتے ہیں کہ عمرو بھی یزید کی متابعت کرتے ہوئے اسے بکیر عن کریب ہی بیان کرتے اور یہی صحیح ہے۔ دوسری بات یہ ذکر کی کہ عمرو بیان کرتے ہیں تو مرسل ذکر کرتے ہیں، یعنی ان کی روایت میں کریب کا انداز یوں ہے کہ انھوں نے خود واقعے کا مشاہدہ کیا۔[4]

٢٥٩٣ - حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ، فَأَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهُ، وَكَانَ يَقْسِمُ لِكُلِّ امْرَأَةٍ مِنْهُنَّ يَوْمَهَا وَلَيْلَتَهَا، غَيْرَ أَنَّ سَوْدَةَ بِنْتَ زَمْعَةَ وَهَبَتْ يَوْمَهَا وَلَيْلَتَهَا لِعَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ تَبْتَغِي بِذٰلِكَ رِضَا رَسُولِ اللهِ ﷺ. [انظر: ٢٦٣٧، ٢٦٦١، ٢٦٨٨، ٢٨٧٩، ٤٠٢٥،

[2593] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرتے، جس بیوی کا نام نکل آتا، اسے سفر میں اپنے ہمراہ لے جاتے۔ آپ ﷺ نے سیدہ سودہ بنت زمعہ ؓ کے علاوہ باقی ہر بیوی کے ہاں فروکش ہونے (ٹھہرنے) کے لیے دن رات کی باری مقرر کر رکھی تھی۔ سیدہ سودہ نے اپنے دن رات کی باری رسول اللہ ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ ؓ کو ہبہ کر دی تھی جس سے ان کا مقصد رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی تھا۔

[1] فتح الباري: 269/5، وسنن النسائي، الزكاة، حديث: 2583. [2] سنن أبي داود، البيوع، حديث: 3547. [3] فتح الباري: 268/5. [4] فتح الباري: 270/5.

،٤١٤١، ٤٦٩٠، ٤٧٤٩، ٤٧٥٠، ٤٧٥٧، ٥٢١٢، ٦٦٦٢،
٦٦٧٩، ٧٣٦٩، ٧٣٧٠، ٧٥٠٠، ٧٥٤٥]

فوائد و مسائل: ① حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کافی عمر رسیدہ تھیں۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت اور خوشنودی مقصود تھی۔ اس بنا پر انھوں نے اپنی باری ہبہ کر دی۔ اس قسم کا ہبہ جو آپس کی رضامندی سے ہو جائز اور درست ہے۔ ② اس میں اختلاف ہے کہ انھوں نے اپنا ہبہ رسول اللہ ﷺ کو دیا تھا یا کسی ضرورت کی بنا پر تھا۔ استدلال اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب انھوں نے باری کا ہبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کے پیش نظر کیا ہو۔ حدیث سے یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ واللہ أعلم.

(١٦) بَابٌ: بِمَنْ يُبْدَأُ بِالْهَدِيَّةِ؟

باب: 16- ہدیے کا اولین حق دار کون ہے؟

٢٥٩٤ - وَقَالَ بَكْرٌ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ بُكَيْرٍ، عَنْ كُرَيْبٍ [مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ]: إِنَّ مَيْمُونَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَعْتَقَتْ وَلِيدَةً لَهَا، فَقَالَ لَهَا: «وَلَوْ وَصَلْتِ بَعْضَ أَخْوَالِكِ كَانَ أَعْظَمَ لِأَجْرِكِ».

[راجع: ٢٥٩٢]

[2594] ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک لونڈی آزاد کی تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ تم اپنے ننھیال کو دیتیں تو تمھیں زیادہ ثواب ہوتا۔''

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تحائف کے اولین حق دار عزیز و اقارب اور رشتہ دار ہیں، نیز اگر کوئی رشتے دار محتاج ہو تو غلام آزاد کرنے کی بجائے انھیں بطور عطیہ دینے میں زیادہ فضیلت ہے، چنانچہ سنن کبری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بہتر ہوتا اگر تم اپنے بھائی کی بیٹی جو بکریاں چراتی ہے اس کا بوجھ ہلکا کرتی'' یعنی یہ لونڈی آزاد کرنے کے بجائے اپنے بھائی کو دے دیتیں تاکہ وہ ان کی خدمت کرتی۔[1]

٢٥٩٥ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَجُلٍ مِّنْ بَنِي تَيْمِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ لِي جَارَيْنِ فَإِلَى أَيِّهِمَا أُهْدِي؟ قَالَ: «إِلَى أَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا». [راجع: ٢٢٥٩]

[2595] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے (رسول اللہ ﷺ سے) عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! میرے دو پڑوسی ہیں، ان میں سے کس کو ہدیہ بھیجوں؟ آپ نے فرمایا: ''جس کا دروازہ تمھارے دروازے کے زیادہ قریب ہو۔''

1 فتح الباري: 269/5، و السنن الكبرٰى للنسائي: 181/1.

فائدہ: یہ اشارہ ہے کہ رشتے داروں کے بعد اس پڑوسی کا حق ہے جس کا دروازہ زیادہ قریب ہو۔ اگر دونوں کے دروازے برابر فاصلے پر ہوں تو دائیں بائیں کا فرق کیا جا سکتا ہے، جو دائیں جانب ہو اس کا زیادہ حق ہے یا ضرورت مند اور غیر ضرورت مند کی تفریق بھی کی جا سکتی ہے، نیز باری بھی مقرر کی جا سکتی ہے۔ بہر حال تحفے بھیجنا باہمی محبت و اخوت کا باعث ہے، اس لیے چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی بھیجنے میں عار محسوس نہیں کرنی چاہیے اور نہ اس قسم کے معمولی ہدیے کو قبول کرنے میں پس و پیش ہی کرنا چاہیے۔

(١٧) بَابُ مَنْ لَّمْ يَقْبَلِ الْهَدِيَّةَ لِعِلَّةٍ

باب: 17- جو کسی مجبوری کے باعث ہدیہ قبول نہ کرے

وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ: كَانَتِ الْهَدِيَّةُ فِي زَمَنِ رَسُولِ اللهِ ﷺ هَدِيَّةً، وَالْيَوْمَ رِشْوَةٌ.

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: ہدیہ تو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہوا کرتا تھا، آج کل تو یہ رشوت کا روپ دھار چکا ہے۔

وضاحت: اس روایت کو ابن سعد نے طبقات میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1] ان کے فرمان کا مطلب ہے کہ آج دنیا اس قدر بدل چکی ہے کہ لوگ ہدیہ اللہ کے لیے نہیں بلکہ اپنے مفاد کے لیے دیتے ہیں۔

٢٥٩٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُتْبَةَ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ الصَّعْبَ بْنَ جَثَّامَةَ اللَّيْثِيَّ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ يُخْبِرُ: أَنَّهُ أَهْدَى لِرَسُولِ اللهِ ﷺ حِمَارَ وَحْشٍ - وَهُوَ بِالْأَبْوَاءِ أَوْ بِوَدَّانَ وَهُوَ مُحْرِمٌ - فَرَدَّهُ. فَقَالَ صَعْبٌ: فَلَمَّا عَرَفَ فِي وَجْهِي رَدَّهُ هَدِيَّتِي قَالَ: «لَيْسَ بِنَا رَدٌّ عَلَيْكَ وَلٰكِنَّا حُرُمٌ». [راجع: ١٨٢٥]

[2596] حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ کے صحابی ہیں، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک گورخر تحفے کے طور پر پیش کیا...... آپ اس وقت ابواء یا ودّان میں حالت احرام میں تھے...... آپ نے وہ (گورخر) واپس کر دیا۔ جب آپ ﷺ نے ہدیہ واپس کر دینے کی وجہ سے میرے چہرے پر ناگواری دیکھی تو فرمایا: ”تمھارا ہدیہ واپس کرنا مناسب تو نہ تھا لیکن بات یہ ہے کہ ہم حالت احرام میں ہیں۔“

فائدہ: احادیث میں ہدیہ قبول کرنے کی بہت ترغیب دی گئی ہے لیکن کسی وجہ سے واپس بھی کیا جا سکتا ہے، اس کے کئی ایک اسباب ہیں، مثلاً: ذاتی طور پر کسی حرام چیز کا ہدیہ ہو، جیسے کسی نے شراب کی بوتل بطور ہدیہ دی ہے تو اسے قبول نہ کیا جائے یا

1 فتح الباري: 271/5، والطبقات الكبرى لابن سعد: 377/5.

ذاتی طور پر وہ حرام نہیں لیکن کسی خارجی سبب کے پیش نظر اس کا استعمال صحیح نہیں، جیسے محرم کے لیے شکار جائز نہیں۔ اگر کوئی محرم کو زندہ شکار پیش کرے تو اس کا قبول کرنا بھی صحیح نہیں جیسا کہ مذکورہ حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔ یا سرکاری اہل کار کو کوئی تحفہ پیش کیا جائے تاکہ اس سے کسی ناجائز کام میں تعاون لیا جائے تو شریعت میں یہ ہدیہ نہیں بلکہ اسے رشوت کہا گیا ہے جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا ارشاد گرامی پہلے گزر چکا ہے اور آئندہ حدیث میں بھی اس کی وضاحت ہوگی۔ بہر حال کسی معتبر اور شرعی سبب کی بنا پر ہدیہ واپس کیا جا سکتا ہے لیکن واپس کرتے وقت اس کی وجہ بھی بتا دی جائے تاکہ ہدیہ دینے والے کو حوصلہ شکنی کا احساس نہ ہو یا اسے اپنی غلط روش کا پتہ چل جائے۔

٢٥٩٧ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: اِسْتَعْمَلَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا مِّنَ الْأَزْدِ يُقَالُ لَهُ: ابْنُ الْأُتْبِيَّةِ، عَلَى الصَّدَقَةِ، فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ: هٰذَا لَكُمْ وَهٰذَا أُهْدِيَ لِي، قَالَ: «فَهَلَّا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ أَوْ بَيْتِ أُمِّهِ فَيَنْظُرَ أَيُهْدٰى لَهُ أَمْ لَا؟ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَأْخُذُ أَحَدٌ مِّنْهُ شَيْئًا إِلَّا جَاءَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ عَلٰى رَقَبَتِهِ: إِنْ كَانَ بَعِيرًا لَّهُ رُغَاءٌ، أَوْ بَقَرَةً لَّهَا خُوَارٌ، أَوْ شَاةً تَيْعَرُ»، ثُمَّ رَفَعَ بِيَدِهِ حَتّٰى رَأَيْنَا عُفْرَةَ إِبْطَيْهِ: «اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ، اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ»، ثَلَاثًا.

[راجع: ٩٢٥]

[2597] حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے قبیلۂ ازد کے ایک شخص کو، جسے ابن اتبیہ کہا جاتا تھا، صدقات وصول کرنے پر مامور فرمایا۔ جب وہ لوٹ کر آیا تو کہنے لگا: یہ تمھارا (سرکاری مال) ہے اور یہ مجھے ہدیہ کیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''وہ اپنے ابا یا اماں کے گھر بیٹھا رہتا، پھر دیکھتا کہ اسے ہدیہ ملتا ہے یا نہیں؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جو شخص کوئی مال رشوت کے طور پر لے وہ قیامت کے دن اس کو اپنی گردن پر اٹھا کر آئے گا۔ اگر اونٹ ہوگا تو بلبلا رہا ہوگا، گائے ہوگی تو ڈکار رہی ہوگی اور بکری ہوگی تو ممیا رہی ہوگی۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے حتی کہ ہم نے بغلوں کی سفیدی دیکھی، پھر آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا، اے اللہ! میں نے تیرا حکم پہنچا دیا۔'' یہ تین بار فرمایا۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو زکاۃ کی وصولی کے لیے تحصیلدار مقرر کیا۔ لوگوں نے اس کی خوشنودی کے لیے زکاۃ دینے کے علاوہ تحائف بھی پیش کیے۔ یہ ہدایا سرکاری حیثیت کے باعث دیے گئے۔ اگر وہ سرکاری ڈیوٹی پر نہ ہوتا تو لوگ یہ تحائف اس کے گھر نہ پہنچاتے، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کی سنگینی ان الفاظ میں بیان فرمائی: ''رشوت کے طور پر قبول کیا جانے والا مال رشوت لینے والے کی گردن پر سوار ہوگا۔'' آج کل کے سرکاری اہل کار غور و فکر کریں کہ ان کی گردنوں پر کن کن چیزوں کو سوار کیا جائے گا۔ ② اس سے معلوم ہوا کہ سرکاری عہدے پر فائز ہوتے ہوئے کسی سے تحفہ یا ہدیہ لینا شرعاً جائز نہیں کیونکہ وہ اپنی کارکردگی کے عوض حکومت سے وظیفہ لیتا ہے، اسی طرح مقروض سے نذرانہ یا تحفہ لینا بھی ناجائز ہے۔

(١٨) بَابٌ: إِذَا وَهَبَ هِبَةً أَوْ وَعَدَ، ثُمَّ مَاتَ قَبْلَ أَنْ تَصِلَ إِلَيْهِ

باب: 18- اگر کوئی ہبہ کر کے یا ہبہ کا وعدہ کر کے فوت ہو جائے اور موہوب لہ تک وہ چیز نہ پہنچ پائے تو کیا حکم ہے؟

وَقَالَ عَبِيدَةُ: إِنْ مَاتَا وَكَانَتْ فُصِلَتِ الْهَدِيَّةُ وَالْمُهْدٰى لَهُ حَيٌّ فَهِيَ لِوَرَثَتِهِ، وَإِنْ لَّمْ تَكُنْ فُصِلَتْ فَهِيَ لِوَرَثَةِ الَّذِي أَهْدٰى.

عبیدہ سلمانی نے کہا: اگر وہ دونوں مر چکے ہوں لیکن ہدیہ کرنے والے نے ہدیہ کی ہوئی چیز دوسرے کی زندگی میں اپنے مال سے الگ کر دی ہو تو وہ موہوب لہ کے وارثوں کے لیے ہے۔ اور اگر اسے اپنے مال سے علیحدہ نہیں کیا تھا تو ہدیہ دینے والے کے وارثوں کے لیے ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ: أَيُّهُمَا مَاتَ قَبْلُ فَهِيَ لِوَرَثَةِ الْمُهْدٰى لَهُ إِذَا قَبَضَهَا الرَّسُولُ.

حسن بصری نے کہا: دونوں میں سے کوئی بھی پہلے مر جائے تو بہر صورت ہدیہ شدہ چیز موہوب لہ کے وارثوں کی ہے بشرطیکہ اس کا نمائندہ اس پر قبضہ کر چکا ہو۔

وضاحت: حضرت عبیدہ سلمانی کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ اگر ہدیہ بھیجنے والا مر جائے جبکہ ہدیہ اس کے مال سے جدا ہو چکا تھا اور جسے ہدیہ کیا تھا وہ بھی علیحدگی کے وقت زندہ تھا، پھر وہ بھی مر جائے تو ایسی حالت میں اس کے وارث اس کے مالک ہوں گے، اور اگر ہدیہ دینے والے نے ابھی ہدیہ روانہ نہیں کیا تھا کہ اسے موت آ گئی تو ہدیہ دینے والے کے وارث اس کے وارث ہوں گے۔

٢٥٩٨ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُنْكَدِرِ: سَمِعْتُ جَابِرًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَوْ جَاءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ أَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا» ثَلَاثًا. فَلَمْ يَقْدَمْ حَتّٰى تُوُفِّيَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَرْسَلَ أَبُو بَكْرٍ مُنَادِيًا فَنَادٰى: مَنْ كَانَ لَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ عِدَةٌ أَوْ دَيْنٌ فَلْيَأْتِنَا، فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَعَدَنِي، فَحَثٰى لِي ثَلَاثًا. [راجع: ٢٢٩٦]

[2598] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھ سے نبی ﷺ نے فرمایا: ”اگر بحرین سے مال آیا تو میں تجھے اتنا اتنا اور اتنا دوں گا۔“ لیکن بحرین سے مال آنے سے پہلے ہی نبی ﷺ کی وفات ہو گئی۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے منادی کرائی کہ نبی ﷺ نے جس سے کوئی وعدہ کیا ہو یا آپ پر اس کا کوئی قرض ہو تو وہ ہمارے پاس آئے، چنانچہ میں گیا اور بتایا کہ مجھ سے نبی ﷺ نے وعدہ کیا تھا تو انھوں نے مجھے تین لپ بھر کر دیے۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مشروط طور پر ہبہ کا وعدہ کیا تھا کہ اگر بحرین سے مال آیا تو تجھے

اتنا دوں گا، مگر مال نہ آیا اور نہ آپ اسے پورا کر سکے حتیٰ کہ آپ وفات پا گئے، بعد میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کا وعدہ پورا فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ وعدہ پورا کرنے کی تلقین کرتے تھے اور خود بھی اس پر عمل پیرا تھے، اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کے طریقے کی اقتدا کرتے ہوئے آپ کا وعدہ پورا کیا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ اگر کسی نے کوئی ہبہ یا وعدۂ ہبہ کیا ہو تو مکارم اخلاق کا تقاضا ہے کہ اسے پورا کیا جائے، اگرچہ شرعی اعتبار سے اس کا پورا کرنا واجب نہیں ہے۔

(١٩) بَابٌ: كَيْفَ يُقْبَضُ الْعَبْدُ وَالْمَتَاعُ؟

باب: 19- غلام لونڈی اور دیگر سامان پر کیسے قبضہ ہوتا ہے؟

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: كُنْتُ عَلَى بَكْرٍ صَعْبٍ فَاشْتَرَاهُ النَّبِيُّ ﷺ وَقَالَ: «هُوَ لَكَ يَا عَبْدَ اللهِ».

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں ایک منہ زور اونٹ پر سوار تھا۔ نبی ﷺ نے اسے خرید کر فرمایا: ”عبداللہ! یہ تمھارا ہے۔“

وضاحت: یہ حدیث اور اس کے فوائد کتاب البیوع میں بیان ہو چکے ہیں۔[1] قبضے کی صورت یہ ہے کہ ہبہ کرنے والا ہبہ شدہ چیز موہوب الیہ کے حوالے کر دے اور وہ اسے اپنی تحویل میں لے لے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اونٹ پر سواری کر کے اسے اپنے قبضے میں لیا تھا۔

٢٥٩٩ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ: قَسَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَقْبِيَةً وَلَمْ يُعْطِ مَخْرَمَةَ مِنْهَا شَيْئًا فَقَالَ مَخْرَمَةُ: يَا بُنَيَّ انْطَلِقْ بِنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ فَقَالَ: أُدْخُلْ فَادْعُهُ لِي، قَالَ فَدَعَوْتُهُ لَهُ فَخَرَجَ إِلَيْهِ وَعَلَيْهِ قَبَاءٌ مِّنْهَا، فَقَالَ: «خَبَأْنَا هٰذَا لَكَ». قَالَ: فَنَظَرَ إِلَيْهِ فَقَالَ: رَضِيَ مَخْرَمَةُ. [انظر: ٣١٢٧]

[2599] حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے کچھ قبائیں تقسیم کیں لیکن حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ کو آپ نے کوئی قبا نہ دی جس پر حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: بیٹے! تم رسول اللہ ﷺ کے پاس میرے ہمراہ چلو۔ میں ان کے ہمراہ چلا گیا۔ پھر انھوں نے کہا: اندر جاؤ اور آپ ﷺ کو میرے پاس بلا لاؤ۔ مسور رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں آپ کو بلا لایا۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو ان قباؤں میں سے ایک قبا آپ کے پاس تھی، آپ نے فرمایا: ”ہم نے یہ قبا تیرے لیے چھپا رکھی تھی۔“ حضرت مسور کا بیان ہے کہ مخرمہ رضی اللہ عنہ اسے دیکھ کر خوش ہو گئے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہبہ میں دوسرے کی ملکیت اس وقت ثابت ہو گی جب وہ ہبہ اس کے قبضے میں

---

1 صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2155.

آ جائے، اس سے پہلے پہلے اس میں تصرف نہیں کیا جا سکتا۔ غلام اور منقولات پر قبضے کا یہی طریقہ ہے کہ وہ موہوب لہ کی طرف منتقل کر دیے جائیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے وہ قبا حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کی تو ان کا قبضہ مکمل ہوا۔ جمہور کا یہی موقف ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ صرف عقد سے ہبہ تمام ہو جاتا ہے۔ اگر قبضے سے پہلے ہبہ کرنے والا کسی اور کو ہبہ کر دے تو ایسا کرنا صحیح نہیں۔ لیکن یہ موقف محل نظر ہے۔

(٢٠) بَابٌ: إِذَا وَهَبَ هِبَةً فَقَبَضَهَا الْآخَرُ وَلَمْ يَقُلْ: قَبِلْتُ

باب: 20- جب کسی نے کوئی چیز ہبہ کی، دوسرے نے اس پر قبضہ کر لیا لیکن یہ نہیں کہا کہ میں نے قبول کیا

وضاحت: ہبہ میں زبان سے ایجاب و قبول ضروری نہیں، البتہ نکاح وغیرہ میں زبان سے ایجاب و قبول ضروری ہے کہ نکاح خواں کہے: میں نے یہ لڑکی تمھارے نکاح میں دی اور دولہا کہے: میں نے اسے قبول کیا، لیکن معمول کے لینے دینے میں زبان سے اس کی ادائیگی تکلیف سے خالی نہیں۔

٢٦٠٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: هَلَكْتُ. فَقَالَ: «وَمَا ذَاكَ؟» قَالَ: وَقَعْتُ بِأَهْلِي فِي رَمَضَانَ، قَالَ: «أَتَجِدُ رَقَبَةً؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «فَتَسْتَطِيعُ أَنْ تُطْعِمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا؟» قَالَ: لَا، قَالَ: فَجَاءَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ بِعَرَقٍ - وَالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ فِيهِ تَمْرٌ - فَقَالَ: «اِذْهَبْ بِهٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ». قَالَ: عَلَى أَحْوَجَ مِنَّا يَا رَسُولَ اللهِ؟ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَحْوَجُ مِنَّا، ثُمَّ قَالَ: «اِذْهَبْ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ».

[راجع: ١٩٣٦]

[2600] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: میں تو ہلاک ہو گیا۔ آپ نے پوچھا: ”کیا بات ہے؟“ اس نے عرض کیا: میں نے رمضان میں بحالت روزہ بیوی سے جنسی تعلق قائم کر لیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”کیا تم ایک غلام آزاد کر سکتے ہو؟“ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ”پھر تم مسلسل دو ماہ کے روزے رکھ سکتے ہو؟“ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ”کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟“ اس نے کہا: میں یہ بھی نہیں کر سکتا۔ اتنے میں ایک انصاری کھجوروں کا ایک عرق لے کر آیا..... عرق بڑے ٹوکرے کو کہتے ہیں..... آپ نے فرمایا: ”تم یہ ٹوکرا لے جاؤ اور انھیں صدقہ کر دو۔“ اس نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اپنے سے کسی زیادہ غریب پر صدقہ کروں؟ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے! مدینہ طیبہ کے دونوں پتھریلے کناروں میں ہم سے زیادہ کوئی

محتاج نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اچھا جاؤ یہ اپنے ہی گھر والوں کو کھلا دو۔''

فائدہ: مقصد یہ ہے کہ ہبہ میں چیز قبضے میں لینا ہی کافی ہے، زبان سے قبول کہنے کی ضرورت نہیں جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہبہ میں طرفین سے ایجاب وقبول ضروری ہے، اس کے بغیر ہبہ نا تمام ہے۔ لیکن ان کا موقف مرجوح ہے۔ اس روایت میں ہے کہ اس آدمی نے کھجور کے ٹوکرے پر قبضہ کیا، زبان سے اسے قبول کرنے کا اقرار نہیں کیا، صرف اتنا کرنے سے ہبہ ہو گیا۔ ہر معاملے میں ایجاب وقبول کی قید لگانا، اپنی زندگی کو اجیرن بنانے کے مترادف ہے، ہاں اگر کوئی اہم معاملہ ہو تو اس کے لیے ایجاب وقبول کی شرط لگائی جا سکتی ہے جیسا کہ ہم نے نکاح کے متعلق بیان کیا ہے۔ واضح رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک صدقے اور ہبے کا ایک ہی حکم ہے کیونکہ یہ کھجوریں صدقے کی تھیں اصطلاحی ہبہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(٢١) بَابٌ: إِذَا وَهَبَ دَيْنًا عَلَى رَجُلٍ

وَقَالَ شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ: هُوَ جَائِزٌ. وَوَهَبَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ دَيْنَهُ لِرَجُلٍ. وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ كَانَ لَهُ عَلَيْهِ حَقٌّ فَلْيُعْطِهِ أَوْ لِيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ». وَقَالَ جَابِرٌ: قُتِلَ أَبِي وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَسَأَلَ النَّبِيُّ ﷺ غُرَمَاءَهُ أَنْ يَقْبَلُوا ثَمَرَ حَائِطِي وَيُحَلِّلُوا أَبِي.

باب: 21- جب کوئی شخص اپنا قرض کسی کو ہبہ کرے

امام شعبہ حکم سے بیان کرتے ہیں کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنا قرض ایک شخص کو ہبہ کر دیا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص پر کوئی حق ہو، وہ اسے ادا کر دے یا اس (حق والے) سے معاف کرا لے۔'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: جب میرے والد شہید ہوئے تو ان کے ذمے قرض تھا تو نبی ﷺ نے قرض خواہوں سے بطور سفارش کہا تھا کہ وہ میرے باغ کا پھل قبول کر لیں اور میرے باپ کا قرض معاف کر دیں۔

وضاحت: قرض ہبہ کرنے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ مقروض کو ہبہ کر دے تو اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ وہ پہلے ہی سے مقروض کے قبضے میں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ قرض خواہ، مقروض کے علاوہ کسی اور شخص کو ہبہ کر دے۔ اس میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ایسا کرنا بھی جائز ہے جبکہ قرض کی دستاویز اس کے حوالے کر دے یا اس پر گواہ مقرر کر کے اعلان کر دے۔ بعض حضرات کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ ان کے نزدیک ہبہ میں قبضہ کرنا شرط ہے جو یہاں نہیں پایا جاتا۔[1] حضرت شعبہ رحمہ اللہ کے اثر کو امام ابن ابی شیبہ نے متصل سند سے روایت کیا ہے۔[2] حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی روایت تلاش بسیار کے باوجود نہیں مل سکی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی پہلے گزر چکا ہے۔[3] اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت بھی

---

① عمدة القاري: 425/9. ② المصنف لابن أبي شيبة: 599/7. ③ صحيح البخاري، المظالم، حديث: 2449.

آگے متصل سند سے بیان ہوگی۔ ①

٢٦٠١ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ - وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يُونُسُ - عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّهُ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ: أَنَّ أَبَاهُ قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ شَهِيدًا فَاشْتَدَّ الْغُرَمَاءُ فِي حُقُوقِهِمْ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَكَلَّمْتُهُ فَسَأَلَهُمْ أَنْ يَقْبَلُوا ثَمَرَ حَائِطِي، وَيُحَلِّلُوا أَبِي فَأَبَوْا، فَلَمْ يُعْطِهِمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَائِطِي وَلَمْ يَكْسِرْهُ لَهُمْ وَلٰكِنْ قَالَ: «سَأَغْدُو عَلَيْكَ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالٰى، فَغَدَا عَلَيْنَا حِينَ أَصْبَحَ فَطَافَ فِي النَّخْلِ فَدَعَا فِي ثَمَرِهِ بِالْبَرَكَةِ، فَجَدَدْتُهَا فَقَضَيْتُهُمْ حَقَّهُمْ وَبَقِيَ لَنَا مِنْ ثَمَرِهَا بَقِيَّةٌ، ثُمَّ جِئْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَهُوَ جَالِسٌ فَأَخْبَرْتُهُ بِذٰلِكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِعُمَرَ: «اِسْمَعْ - وَهُوَ جَالِسٌ - يَا عُمَرُ». فَقَالَ عُمَرُ: أَلَا يَكُونُ قَدْ عَلِمْنَا أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ؟ وَاللهِ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللهِ. [راجع: ٢١٢٧]

[2601] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ ان کے والد غزوۂ احد میں شہید ہوئے تو ان کے قرض خواہوں نے اپنے حقوق کی ادائیگی کا سختی سے مطالبہ کیا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے گفتگو کی۔ آپ نے قرض خواہوں سے کہا کہ وہ میرے باغ کا پھل قبول کرلیں اور میرے باپ کو قرض کی ذمہ داری سے بری کردیں تو انھوں نے صاف انکار کردیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر ان لوگوں کو میرا باغ نہیں دیا اور نہ ان کے لیے پھل ہی تڑوایا بلکہ آپ نے فرمایا: ''میں تیرے پاس ان شاء اللہ تعالیٰ کل آؤں گا۔'' چنانچہ آپ اگلے روز صبح تشریف لائے۔ نخلستان میں چکر لگایا اور پھل میں برکت کی دعا فرمائی، پھر میں نے باغ کا پھل توڑا اور قرض خواہوں کے تمام حقوق ادا کردیے، باغ کے پھل میں سے کچھ بچ بھی رہا۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ تشریف فرما تھے۔ میں نے صورت واقعہ سے آپ کو آگاہ کیا تو آپ نے حضرت عمر ؓ سے فرمایا جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے: ''عمر! سن رہے ہو؟'' حضرت عمر فاروق ؓ نے عرض کیا: یہ کیوں نہ ہوتا! ہم تو پہلے ہی آپ کو اللہ تعالیٰ کا فرستادہ مانتے ہیں۔ اللہ کی قسم! واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے قرض خواہوں سے سفارش کی کہ وہ حضرت جابر ؓ کے باغ کا پھل قبول کرلیں اور باقی ماندہ قرض معاف کردیں۔ اگر وہ اس پیشکش کو قبول کرلیتے تو اس سے حضرت جابر ؓ کے باپ کی قرض سے براءت ہو جاتی۔ دراصل ایسا کرنا قرض خواہ کی طرف سے مقروض کو قرض ہبہ کردینا ہے۔ اس واقعے سے معلوم ہوا کہ قرض کے معاملے میں ایسا کرنا جائز ہے۔ اگر ایسا کرنا جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ قرض خواہوں سے اس قسم کی سفارش نہ کرتے۔ شرعی اعتبار سے ایسا معاملہ کرنے میں کوئی برائی نہیں۔ ② حدیث کی اپنے عنوان سے مطابقت بالکل واضح ہے لیکن علامہ عینی نے اسے

① فتح الباري: 276/5.

''تکلف'' قرار دیا ہے بلکہ اسے معنوی مطابقت کہا ہے۔[1] مولانا امین احسن اصلاحی نے عینی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ روایت غیر متعلق ہے۔ مزید کہا ہے: میں بھی کہتا ہوں کہ باب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔[2] یہ ہے ان حضرات کی امانت و دیانت اور ان کا مبلغ علم اور علمی بصیرت۔ تدبر حدیث میں اس طرح کے متعدد شاہکار دیکھے جا سکتے ہیں، ہم انھیں جمع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ باذن اللّٰہ تعالیٰ.

(۲۲) بَابُ هِبَةِ الْوَاحِدِ لِلْجَمَاعَةِ

باب: 22- ایک شخص کا پوری جماعت کو ہبہ کرنا

وَقَالَتْ أَسْمَاءُ لِلْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَّابْنِ أَبِي عَتِيقٍ: وَرِثْتُ عَنْ أُخْتِي عَائِشَةَ بِالْغَابَةِ، وَقَدْ أَعْطَانِي بِهِ مُعَاوِيَةُ مِائَةَ أَلْفٍ فَهُوَ لَكُمَا.

حضرت اسماء بنت ابی بکر ؓ نے قاسم بن محمد اور ابن ابی عتیق سے فرمایا: مجھے غابہ کی جو جائیداد میری بہن حضرت عائشہ ؓ سے وراثت میں ملی تھی اور حضرت امیر معاویہ ؓ مجھے اس کے عوض ایک لاکھ دیتے تھے، وہ حصہ تم دونوں کا ہے۔

وضاحت: حضرت عائشہ ؓ جب فوت ہوئیں تو ان کے ترکے کے وارث دو ہمشیرگان حضرت اسماء، حضرت ام کلثوم اور حضرت عبدالرحمٰن ؓ کی اولاد تھی۔ حضرت قاسم چونکہ محمد بن ابی بکر کے بیٹے تھے اور حضرت عائشہ ؓ کے حقیقی بھتیجے نہ ہونے کی وجہ سے ان کے وارث نہیں تھے، اس لیے حضرت اسماء نے ان کی حوصلہ افزائی کے لیے انھیں غابہ کی جائیداد ہبہ فرما دی۔ ان کے ساتھ ابن ابوعتیق کو بھی شریک کر لیا کیونکہ ان کے والد زندہ تھے، اس لیے والد کی موجودگی میں اپنی پھوپھی حضرت عائشہ ؓ کے ترکے میں حصہ نہیں لے سکتے تھے۔ دونوں کو مشترک ہبہ دیا اور ایسا کرنا جائز ہے۔ اس قسم کے ہبے کو ''مشاع'' کہتے ہیں۔[3]

٢٦٠٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَ وَعَنْ يَّمِينِهِ غُلَامٌ وَّعَنْ يَّسَارِهِ الْأَشْيَاخُ، فَقَالَ لِلْغُلَامِ: «إِنْ أَذِنْتَ لِي أَعْطَيْتُ هٰؤُلَاءِ»، فَقَالَ: مَا كُنْتُ لِأُوثِرَ بِنَصِيبِي مِنْكَ يَا رَسُولَ اللهِ أَحَدًا، فَتَلَّهُ فِي يَدِهِ. [راجع: ٢٣٥١]

[2602] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک مشروب پیش کیا گیا جسے آپ نے نوش فرمایا۔ آپ کی دائیں جانب ایک لڑکا اور بائیں جانب کچھ بزرگ تھے۔ آپ ﷺ نے اس لڑکے سے فرمایا: ''اگر تم مجھے اجازت دو تو میں بچا ہوا پانی ان حضرات کو دے دوں؟'' لڑکے نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں آپ کے پس خوردہ (بچے ہوئے) سے اپنا حصہ کسی اور کو دینا پسند نہیں کرتا۔ آپ نے وہ پیالہ اس لڑکے کے ہاتھ میں تھما دیا۔

1 عمدة القاري: 424/9. 2 تدبر حديث: 357/2. 3 فتح الباري: 277/5.

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے اس لڑکے سے کہا: ”وہ اپنا حصہ بزرگوں کو ہبہ کر دے“ اور بزرگ تعداد میں ایک سے زیادہ تھے۔ ان کا حصہ مشترک اور مشاع تھا، اس سے مشترکہ ہبہ کا جواز ثابت ہوا کہ ایک چیز کئی اشخاص کو مشترک طور پر ہبہ کی جا سکتی ہے۔ ابن بطال نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس لڑکے سے وہ حصہ طلب فرمایا جو مشاع تھا اور دوسروں سے الگ نہیں ہوا تھا۔ اس سے مشاع کے ہبہ کا جواز ثابت ہو۔[1] اگر مشترک چیز کا ہبہ جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس لڑکے سے اجازت طلب نہ کرتے۔ ② واضح رہے کہ حدیث میں ”لڑکے“ سے مراد حضرت ابن عباس ؓ ہیں جو بعد میں حبر الأمة اور ترجمان القرآن کے لقب سے مشہور ہوئے۔

(٢٣) بَابُ الْهِبَةِ الْمَقْبُوضَةِ وَغَيْرِ الْمَقْبُوضَةِ، وَالْمَقْسُومَةِ وَغَيْرِ الْمَقْسُومَةِ

باب: 23- مقبوضہ، غیر مقبوضہ اور تقسیم شدہ یا غیر تقسیم شدہ ہبہ کا بیان

وَقَدْ وَهَبَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَصْحَابُهُ لِهَوَازِنَ مَا غَنِمُوا مِنْهُمْ وَهُوَ غَيْرُ مَقْسُومٍ.

نبی ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام نے قبیلۂ ہوازن کو وہ مال ہبہ کر دیا جو ان سے بطور غنیمت حاصل کیا تھا، اور وہ مال غنیمت ابھی غیر تقسیم شدہ تھا۔

وضاحت: اس روایت کو خود امام بخاری ؒ نے آگے حدیث: 2607 اور 2608 کے تحت متصل سند سے بیان کیا ہے۔ اس مقام پر امام بخاری ؒ غیر تقسیم شدہ چیز کا ہبہ ثابت کرنا چاہتے ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ مشاع کا ہبہ صحیح ہے۔

٢٦٠٣ - حَدَّثَنِي ثَابِتُ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ مُحَارِبٍ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ فَقَضَانِي وَزَادَنِي. [راجع: ٤٤٣]

[2603] حضرت جابر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نبی ﷺ کے پاس آیا جبکہ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے میرا قرض ادا کیا اور مجھے اس سے زیادہ بھی دیا۔

٢٦٠٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَارِبٍ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: بِعْتُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ بَعِيرًا فِي سَفَرٍ، فَلَمَّا أَتَيْنَا الْمَدِينَةَ قَالَ: «إِئْتِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ» فَوَزَنَ - قَالَ شُعْبَةُ: أُرَاهُ: فَوَزَنَ لِي - فَأَرْجَحَ، فَمَا

[2604] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے ایک سفر میں نبی ﷺ کے ہاتھ اونٹ فروخت کیا۔ جب ہم مدینہ طیبہ پہنچے تو آپ نے فرمایا: ”مسجد میں آؤ اور دو رکعت نماز ادا کرو۔“ اس وقت آپ نے اس کی قیمت تول کر دی۔ (راوی حدیث) شعبہ نے کہا کہ آپ ﷺ نے اس کی قیمت جھکاؤ کے ساتھ تول

1 فتح الباري: 277/5.

زَالَ مِنْهَا شَيْءٌ حَتَّى أَصَابَهَا أَهْلُ الشَّامِ يَوْمَ الْحَرَّةِ. [راجع: ٤٤٣]

کر دی۔ اس نقدی سے کچھ نہ کچھ ہمیشہ میرے پاس رہا یہاں تک کہ حرہ کی لڑائی میں اہل شام کے ہاتھ لگ گیا۔

فوائد و مسائل: ① دیگر روایات میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اسی اونٹ پر سوار ہوکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فرماتے ہیں: میں نے اونٹ مسجد کے دروازے کے پاس چھوڑا اور مسجد میں دو رکعتیں ادا کیں۔ بعدازاں رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس کی قیمت ادا کی اور کچھ اضافہ بھی دیا، نیز وہ اونٹ جسے آپ نے ابھی اپنے قبضے میں نہیں لیا تھا وہ بھی مجھے ہبہ کر دیا۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ غیر مقبوضہ چیز کا ہبہ بھی جائز ہے، اگرچہ ان روایات میں اس کا ذکر نہیں لیکن عنوان بندی میں آپ نے ان روایات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ واللّٰه أعلم.

٢٦٠٥ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أُتِيَ بِشَرَابٍ وَعَنْ يَمِينِهِ غُلَامٌ وَعَنْ يَسَارِهِ أَشْيَاخٌ، فَقَالَ لِلْغُلَامِ: «أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أُعْطِيَ هٰؤُلَاءِ؟» فَقَالَ الْغُلَامُ: لَا وَاللهِ، لَا أُوثِرُ بِنَصِيبِي مِنْكَ أَحَدًا، فَتَلَّهُ فِي يَدِهِ. [راجع: ٢٣٥١]

[2605] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پینے کی کوئی چیز پیش کی گئی۔ آپ کے دائیں جانب ایک لڑکا تھا اور بائیں جانب کچھ اکابر تشریف فرما تھے۔ آپ نے لڑکے سے کہا: ”کیا تمھاری طرف سے اجازت ہے کہ میں (اپنا بچا ہوا) ان بزرگوں کو دے دوں؟“ لڑکے نے جواب دیا: نہیں، اللہ کی قسم! میں آپ سے ملنے والا تبرک کسی کو دینے والا نہیں ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے زور سے وہ مشروب اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ملنے والا تبرک گویا ایک ہبہ تھا اور وہ تقسیم شدہ نہیں تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس حدیث سے ہبہ مشاع ثابت کیا ہے اور یہی حق ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے لڑکے سے فرمایا: ”وہ اپنا حصہ بزرگوں کو ہبہ کر دے“ اور اس کا وہ حصہ ابھی تک مشترک تھا، اس سے غیر تقسیم شدہ چیز کا ہبہ ثابت ہوا۔[2]

٢٦٠٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ جَبَلَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ لِرَجُلٍ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ دَيْنٌ فَهَمَّ بِهِ أَصْحَابُهُ فَقَالَ: «دَعُوهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا». وَقَالَ: «اشْتَرُوا لَهُ سِنًّا

[2606] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک شخص کا رسول اللہ ﷺ کے ذمے کچھ قرض تھا۔ (اس نے سختی سے اس کا تقاضا کیا تو) صحابۂ کرام نے چاہا کہ اس کی خبر لیں لیکن آپ نے فرمایا: ”اسے چھوڑ دو۔ جس کا کوئی حق ہوتا ہے، اسے کچھ کہنے کا بھی حق ہے۔“ آپ نے مزید فرمایا: ”اس کے لیے اونٹ خرید کر اسے دے دو۔“

[1] صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2097. [2] فتح الباري: 277/5.

فَأَعْطُوهَا إِيَّاهُ»، فَقَالُوا: إِنَّا لَا نَجِدُ سِنًّا إِلَّا سِنًّا هِيَ أَفْضَلُ مِنْ سِنِّهِ، قَالَ: «فَاشْتَرُوهَا فَأَعْطُوهَا إِيَّاهُ فَإِنَّ مِنْ خَيْرِكُمْ أَحْسَنَكُمْ قَضَاءً». [راجع: ٢٣٠٥]

صحابۂ کرام نے عرض کیا: ہمیں اس عمر کا اونٹ نہیں ملتا بلکہ اس سے بہتر عمر کا اونٹ دستیاب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کے لیے وہی خرید و اور اسے دے دو کیونکہ تم میں بہتر وہی شخص ہے جو (اپنے ذمے واجبات کی) ادائیگی بہتر طریقے سے کرے۔''

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے غیر مقبوض چیز کا ہبہ ثابت کیا ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ نے اونٹ خرید کر اسے دے دینے کا حکم دیا، حالانکہ آپ نے اس خرید کردہ اونٹ پر قبضہ نہیں کیا تھا، لہٰذا غیر مقبوض چیز کا ہبہ ثابت ہوا۔

(٢٤) بَابٌ: إِذَا وَهَبَ جَمَاعَةٌ لِقَوْمٍ

باب: 24- اگر ایک جماعت پوری قوم کو ہبہ کرے

٢٦٠٧، ٢٦٠٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ: أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَاهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ حِينَ جَاءَهُ وَفْدُ هَوَازِنَ مُسْلِمِينَ، فَسَأَلُوهُ أَنْ يَرُدَّ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَسَبْيَهُمْ فَقَالَ لَهُمْ: «مَعِي مَنْ تَرَوْنَ وَأَحَبُّ الْحَدِيثِ إِلَيَّ أَصْدَقُهُ، فَاخْتَارُوا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ: إِمَّا السَّبْيَ وَإِمَّا الْمَالَ وَقَدْ كُنْتُ اسْتَأْنَيْتُ»، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ انْتَظَرَهُمْ بِضْعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً حِينَ قَفَلَ مِنَ الطَّائِفِ، فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ غَيْرُ رَادٍّ إِلَيْهِمْ إِلَّا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ قَالُوا: فَإِنَّا نَخْتَارُ سَبْيَنَا، فَقَامَ فِي الْمُسْلِمِينَ فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ إِخْوَانَكُمْ هٰؤُلَاءِ جَاؤُونَا تَائِبِينَ وَإِنِّي رَأَيْتُ أَنْ أَرُدَّ إِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ: فَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يُطَيِّبَ ذٰلِكَ فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَكُونَ عَلَى حَظِّهِ حَتَّى نُعْطِيَهُ إِيَّاهُ مِنْ

[2608,2607] حضرت مروان بن حکم رحمہ اللہ اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ جب نبی ﷺ کے پاس ہوازن کا وفد مسلمان ہو کر آیا تو انھوں نے آپ سے درخواست کی کہ انھیں اپنے قیدی اور مال واپس کر دیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو لوگ میرے ساتھ ہیں وہ تم دیکھ رہے ہو اور سچی بات مجھے بہت محبوب ہے۔ تم دو باتوں میں سے ایک اختیار کر لو: قیدی لے لو یا مال کا انتخاب کر لو۔ اس سلسلے میں میں نے تمھارا کافی انتظار کیا۔'' حقیقت یہ ہے کہ جب نبی ﷺ طائف سے لوٹ کر آئے تو دس سے زیادہ راتیں ان کا انتظار کیا، چنانچہ ان لوگوں پر واضح ہو گیا کہ نبی ﷺ ایک ہی چیز واپس کریں گے۔ انھوں نے عرض کیا: ہم اپنے قیدیوں کو لینا چاہتے ہیں۔ (ان کا فیصلہ سن کر) آپ ﷺ لوگوں میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کے شایان شان حمد و ثنا کی، پھر فرمایا: ''امابعد! تمھارے یہ بھائی ہمارے پاس مسلمان ہو کر آئے ہیں اور میں ان کو ان کے قیدی واپس کرنا چاہتا ہوں۔ تم میں سے جو راضی خوشی قیدی لوٹانا چاہے وہ لوٹا

أَوَّلِ مَا يُفِيءُ اللهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ»، فَقَالَ النَّاسُ: طَيَّبْنَا يَا رَسُولَ اللهِ لَهُمْ، فَقَالَ لَهُمْ: «إِنَّا لَا نَدْرِي مَنْ أَذِنَ مِنْكُمْ فِيهِ مِمَّنْ لَّمْ يَأْذَنْ فَارْجِعُوا حَتّٰى يَرْفَعَ إِلَيْنَا عُرَفَاؤُكُمْ أَمْرَكُمْ»، فَرَجَعَ النَّاسُ، فَكَلَّمَهُمْ عُرَفَاؤُهُمْ، ثُمَّ رَجَعُوا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرُوهُ أَنَّهُمْ طَيَّبُوا وَأَذِنُوا. بِهٰذَا الَّذِي بَلَغَنَا مِنْ سَبْيِ هَوَازِنَ، هٰذَا آخِرُ قَوْلِ الزُّهْرِيِّ - يَعْنِي: فَهٰذَا الَّذِي بَلَغَنَا -[راجع: ٢٣٠٨].

دے اور جو چاہے کہ اپنے حصے پر قائم رہے حتیٰ کہ ہم اسے پہلی غنیمت سے حصہ دیں جو اللہ ہمیں آئندہ دے تو وہ ایسا کرے۔'' لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم بخوشی انھیں قیدی واپس کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان (صحابۂ کرام) سے فرمایا: ''ہم نہیں جانتے کہ تم میں سے کس نے اجازت دی ہے اور کس نے اجازت نہیں دی، اس لیے اب تم واپس چلے جاؤ، حتیٰ کہ ہمارے پاس تمھارے نمائندے تمھاری رائے پہنچائیں۔'' چنانچہ وہ لوگ لوٹ گئے اور ان کے نمائندگان نے ان سے بات کی، پھر وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا کہ سب لوگ راضی خوشی قیدیوں کو واپس کرنے پر تیار ہیں۔ یہ وہ خبر ہے جو قبیلۂ ہوازن کے قیدیوں کے متعلق ہمیں پہنچی ہے۔ (امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ) یہ آخری قول امام زہری کا ہے، یعنی فَهٰذَا الَّذِي بَلَغَنَا.

فائدہ: غنیمت حاصل کرنے والے کئی لوگ تھے، انھوں نے قیدی وفد ہوازن کو ہبہ کیے۔ اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ مشترکہ چیز کا ہبہ جائز ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ شرعی ہبہ نہیں تھا کیونکہ قبیلۂ ہوازن کو ان کے قیدی واپس کیے گئے تھے۔ اگر کوئی چیز اصل مالک کو واپس کردی جائے تو اسے ہبہ نہیں کہا جاتا۔ ہمارے رجحان کے مطابق یہ ہبہ ہی کی ایک صورت تھی کیونکہ وہ جنگی قیدی اب غنیمت حاصل کرنے والوں کی ملکیت تھے اور انھوں نے اپنی ملکیت وفد ہوازن کو ہبہ کی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشاع کا ہبہ جو تقسیم ہوسکتا ہے جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسے تسلیم نہیں کرتے۔

(٢٥) بَابُ مَنْ أُهْدِيَ لَهُ هَدِيَّةٌ وَّعِنْدَهُ جُلَسَاؤُهُ فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا

باب: 25- جسے ہدیہ پیش کیا جائے وہی اس کا حقدار ہے اگرچہ اس کے پاس اور لوگ بھی ہوں

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ جُلَسَاءَهُ شُرَكَاؤُهُ، وَلَمْ يَصِحَّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ شریک مجلس ایسے ہدیے میں شریک ہوں گے لیکن یہ بات صحیح نہیں۔

وضاحت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک مرفوع روایت ہے کہ جس شخص کو کوئی ہدیہ پیش کیا جائے اور اس کے پاس

دوسرے لوگ بھی بیٹھے ہوں تو وہ سب اس ہدیے میں شریک ہوں گے، لیکن یہ روایت سند کے اعتبار سے صحیح نہیں۔[1] دراصل اس بات کا تعلق حالات و واقعات کے ساتھ ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو ہلکی پھلکی معمولی کھانے پینے والی اشیاء سے متعلق ہو سکتی ہے۔ حالات و قرائن سے اس امر کا پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہم نشین اس میں شریک ہیں یا نہیں۔

٢٦٠٩ - حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ أَخَذَ سِنًّا، فَجَاءَ صَاحِبُهُ يَتَقَاضَاهُ، فَقَالُوا لَهُ فَقَالَ: «إِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا»، ثُمَّ قَضَاهُ أَفْضَلَ مِنْ سِنِّهِ، وَقَالَ: «أَفْضَلُكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً». [راجع: ٢٣٠٥]

[2609] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ایک خاص عمر کا اونٹ کسی سے بطور قرض لیا۔ قرض خواہ نے آ کر سختی سے تقاضا کیا تو (صحابہ نے اسے مارنے کا ارادہ کیا) آپ نے فرمایا: ''حقدار کو ایسی گفتگو کرنے کا حق پہنچتا ہے۔'' پھر آپ نے اسے ایک بہتر عمر کا اونٹ ادا کیا اور فرمایا: ''تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو (اپنے ذمے قرض کی) ادائیگی بہتر طریقے سے کرے۔''

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے قرض کے اونٹ کے عوض بہتر عمر والا اونٹ ادا کرنے کا حکم دیا، اس بہتری اور اضافے میں وہاں بیٹھنے والوں کو شریک نہیں کیا بلکہ اس کا حق دار صرف تقاضا کرنے والا تھا۔ اگر ہدیہ دینے والے کا مقصد دوسروں کو شریک کرنا ہو جیسا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں رواج ہوتا ہے یا قرائن سے معلوم ہو جائے تو ہم مجلس شریک ہوں گے، بصورت دیگر صرف وہی حق دار ہوگا جسے ہدیہ پیش کیا گیا ہے۔ اگر ہدیہ دینے والے کا مقصد کوئی معین ذات ہے تو اس میں غیر شریک نہیں ہوگا۔ ② حدیث سے مطابقت اس طرح ہے کہ تقاضا کرنے والے کو حق سے زیادہ دیا گیا تو اس کے لیے یہ ہدیہ ہوا جس میں دوسروں کو شریک نہیں کیا گیا۔ واللہ أعلم.

٢٦١٠ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّهُ كَانَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ، وَكَانَ عَلَى بَكْرٍ صَعْبٍ لِعُمَرَ، فَكَانَ يَتَقَدَّمُ النَّبِيَّ ﷺ فَيَقُولُ أَبُوهُ: يَا عَبْدَ اللهِ! لَا يَتَقَدَّمُ النَّبِيَّ ﷺ أَحَدٌ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: «بِعْنِيهِ»، فَقَالَ عُمَرُ: «هُوَ لَكَ فَاشْتَرَاهُ ثُمَّ قَالَ: هُوَ لَكَ يَا عَبْدَ اللهِ! فَاصْنَعْ بِهِ مَا شِئْتَ». [راجع: ٢١١٥]

[2610] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ ایک سفر میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھے اور ایک منہ زور اونٹ پر سوار تھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تھا۔ وہ اونٹ بار بار نبی ﷺ سے آگے نکل جاتا تھا تو ان کے والد (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) انھیں کہتے: عبداللہ! نبی ﷺ سے آگے کوئی نہیں بڑھتا۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اس اونٹ کو میرے ہاتھ فروخت کر دو۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یہ آپ کا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسے خرید لیا، پھر آپ نے فرمایا: ''اے

1 السنن الكبرى للبيهقي: 183/6.

عبداللہ! یہ تمھارا ہے، اب اس سے جو چاہو کرو۔"

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے وہ اونٹ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ہبہ کیا، حالانکہ اور لوگ بھی شریک سفر تھے۔ اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ شرکائے مجلس ہدیے میں شریک نہیں ہوں گے، خواہ وہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں۔ ہدیے کا حق دار وہی شخص ہے جسے پیش کیا گیا ہے۔ ② ہمارے رجحان کے مطابق جب ہدیہ معین شخص کے لیے ہو تو اس میں شراکت نہیں ہو سکتی۔

(٢٦) بَابٌ: إِذَا وَهَبَ بَعِيرًا لِرَجُلٍ وَهُوَ رَاكِبُهُ فَهُوَ جَائِزٌ

باب: 26- جب کوئی شخص کسی کو اونٹ ہبہ کرے بایں حالات کہ موہوب لہ اس پر سوار ہو تو جائز ہے

٢٦١١ - وَقَالَ الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ وَكُنْتُ عَلَى بَكْرٍ صَعْبٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِعُمَرَ: «بِعْنِيهِ» فَابْتَاعَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «هُوَ لَكَ يَا عَبْدَ اللهِ!» [راجع: ٢١١٥]

[2611] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم ایک سفر میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھے اور میں ایک سرکش اونٹ پر سوار تھا۔ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "تم اسے میرے ہاتھ فروخت کر دو۔" پھر اسے خرید کر نبی ﷺ نے فرمایا: "اے عبداللہ! یہ تمھارا (اونٹ) ہے۔"

فوائد ومسائل: ① اگر کوئی دوسرے شخص کو اونٹ ہبہ کرے اور جسے ہبہ کیا گیا ہے وہ خود اس پر سوار ہو تو یہ ہبہ جائز ہے۔ احناف کا دعویٰ ہے کہ جب کوئی چیز قبضے میں نہ ہو اسے فروخت یا ہبہ کرنا جائز نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قبضے کے بغیر بھی اسے ہبہ کیا جا سکتا ہے جبکہ اس کے متعلق قانونی حق ملکیت حاصل ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اونٹ پر سوار تھے، رسول اللہ ﷺ نے اسی حالت میں اسے خریدا پھر ازراہ نوازش انھیں ہبہ کر دیا، اس پر عملاً قبضہ نہیں کیا بلکہ اس شخص اور ہبہ کیے ہوئے اونٹ کے درمیان ملکیت سے دستبرداری قبضہ ہے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قیمت ادا کرنے سے پہلے خریدی ہوئی چیز میں تصرف کرنا جائز ہے۔ واللہ أعلم.

(٢٧) بَابُ هَدِيَّةِ مَا يُكْرَهُ لُبْسُهَا

باب: 27- ایسی چیز ہبہ کرنا جس کا پہننا مکروہ ہو

٢٦١٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: رَأَى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ حُلَّةً سِيَرَاءَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! لَوِ

[2612] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسجد کے دروازے کے پاس ایک ریشمی جوڑا فروخت ہوتے دیکھا تو عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول! کیا ہی اچھا ہو اگر آپ

اشْتَرَيْتَهَا فَلَبِسْتَهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلِلْوَفْدِ، قَالَ: «إِنَّمَا يَلْبَسُهَا مَنْ لَّا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ»، ثُمَّ جَاءَتْ حُلَلٌ فَأَعْطَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عُمَرَ مِنْهَا حُلَّةً فَقَالَ: أَكَسَوْتَنِيهَا وَقُلْتَ فِي حُلَّةِ عُطَارِدٍ مَّا قُلْتَ؟ فَقَالَ: «إِنِّي لَمْ أَكْسُكَهَا لِتَلْبَسَهَا»، فَكَسَاهَا عُمَرُ أَخًا لَّهُ بِمَكَّةَ مُشْرِكًا. [راجع: ٨٨٦]

اسے خرید لیں اور جمعے کے دن، نیز کسی وفد کی آمد کے موقع پر اسے زیب تن فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: ''ایسے جوڑے تو وہ پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔'' پھر کچھ اور جوڑے آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ یہ خلعت مجھے عنایت فرما رہے ہیں، حالانکہ آپ نے حلۂ عطارد کے متعلق تو جو کچھ فرمانا تھا، فرما چکے ہیں۔ (یعنی آپ نے ان کے متعلق تو بہت سخت وعید سنائی تھی۔) آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے یہ خلعت تمھیں پہننے کے لیے نہیں دی۔'' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ جوڑا اپنے ایک مشرک بھائی کو دے دیا جو مکہ میں رہتا تھا۔

فوائد و مسائل: ① بعض چیزیں ذاتی طور پر مکروہ ہوتی ہیں، مثلاً: سڑا ہوا یا باسی سالن وغیرہ، ایسی اشیاء کا تحفہ تو حماقت ہے اور کچھ چیزوں میں کراہت اضافی ہوتی ہے، مثلاً: ریشمی لباس، یہ مردوں کے لیے جائز نہیں، البتہ عورتیں اسے پہن سکتی ہیں۔ ایسی اشیاء بطور تحفہ دی جا سکتی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کراہت سے مراد عام ہے، خواہ تحریمی ہو یا تنزیہی، یعنی جس لباس کا پہننا مردوں کے لیے ناجائز ہو اس کا ہدیہ جائز ہے کیونکہ اس کا مالک اس میں تصرف کر سکتا ہے، البتہ جن چیزوں کا استعمال مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے منع ہے، مثلاً: سونے چاندی کے برتن تو ایسا ہدیہ ممنوع ہے۔[1] ② ہمارے رجحان کے مطابق ان برتنوں کا استعمال ممنوع ہے، البتہ انھیں فروخت کر کے ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، لہٰذا ایسی چیز کا تحفہ دیا جا سکتا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مشرک بھائی کو مکے میں تحفہ بھیجا تھا، البتہ جو چیزیں ذاتی طور پر حرام ہیں ان کا تحفہ بھی حرام ہے جیسا کہ آلات موسیقی کا تحفہ وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ شادی بیاہ کے موقع پر ٹی وی کا تحفہ بھی ناجائز ہے جو ہم اپنی بیٹیوں کو جہیز میں دیتے ہیں۔

٢٦١٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ أَبُو جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَتَى النَّبِيُّ ﷺ بَيْتَ فَاطِمَةَ فَلَمْ يَدْخُلْ عَلَيْهَا، وَجَاءَ عَلِيٌّ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهُ، فَذَكَرَ لِلنَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: «إِنِّي رَأَيْتُ عَلَى بَابِهَا سِتْرًا مَّوْشِيًّا»، فَقَالَ: «مَا لِي

[2613] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے لیکن اندر داخل نہ ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب گھر آئے تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان سے یہ واقعہ بیان کیا۔ انھوں نے نبی ﷺ سے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا: ''میں نے ان کے دروازے پر نقش و نگار سے سجا ہوا پردہ دیکھا۔'' پھر فرمایا:

[1] فتح الباري: 281/5.

وَلِلدُّنْيَا»، فَأَتَاهَا عَلِيٌّ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهَا فَقَالَتْ: لِيَأْمُرْنِي فِيهِ بِمَا شَاءَ، قَالَ: «تُرْسِلِي بِهِ إِلَى فُلَانٍ، أَهْلِ بَيْتٍ بِهِمْ حَاجَةٌ».

''بھلا مجھے اس دنیا سے کیا سروکار؟'' یہ بات حضرت علی ؓ نے حضرت فاطمہ ؓ سے بیان کی تو سیدہ فاطمہ ؓ نے فرمایا کہ اس کے متعلق آپ ﷺ جو چاہیں حکم دیں اس پر عمل ہوگا۔ آپ نے فرمایا: ''یہ فلاں اہل خانہ کے پاس بھیج دیں، وہ محتاج اور غریب ہیں۔''

فوائد ومسائل: ① دروازے پر لگائے ہوئے پردے میں ذاتی طور پر کوئی خرابی نہ تھی، بلکہ وہ دھاری دار اور اس پر نقش ونگار کا کچھ کام ہوا تھا۔ یہ سادگی اور تقویٰ کے خلاف ضرور تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اسے پسند نہیں فرمایا۔ آپ نے وہ پردہ ایسے لوگوں کو بطور ہدیہ دینے کا حکم دیا جو محتاج تھے۔ وہ اسے فروخت کر کے اپنے کسی مصرف میں لا سکتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ ؓ کے لیے اسے ناپسند فرمایا کیونکہ آپ خود اور اہل خانہ کے لیے سادگی پسند کرتے تھے۔ ② محض زیب وزینت کے لیے کپڑا لٹکانا خاندانِ نبوت کے لیے مناسب نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اس طرح کا سامان آخرت میں تیار کر رکھا ہے۔''

٢٦١٤ – حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَيْسَرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَهْدَى إِلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ حُلَّةَ سِيَرَاءَ فَلَبِسْتُهَا فَرَأَيْتُ الْغَضَبَ فِي وَجْهِهِ فَشَقَقْتُهَا بَيْنَ نِسَائِي. [انظر: ٥٣٦٦، ٥٨٤٠]

[2614] حضرت علی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے مجھے ایک ریشمی جوڑا عنایت فرمایا تو میں نے اسے پہن لیا، لیکن جب میں نے آپ کے چہرۂ انور پر غصہ دیکھا تو اسے پھاڑ کر خاندان کی عورتوں میں تقسیم کر دیا۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے: حضرت علی ؓ نے فاطمہ نامی اپنے خاندان کی عورتوں میں تقسیم کر دیا۔[1] اس سے مراد حضرت فاطمۃ الزہراء ؓ، آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسد، فاطمہ بنت حمزہ اور فاطمہ بنت شیبہ ہو سکتی ہیں۔[2] رسول اللہ ﷺ اپنے خاندان کے افراد کو سادگی، صفائی اور کفایت شعاری کی تعلیم دینا چاہتے تھے، اس لیے آپ نے ناگواری کا اظہار فرمایا۔ ② اگر یہ ذاتی طور پر حرام ہوتا تو آپ اس کا تحفہ کیوں دیتے۔ حضرت علی ؓ چونکہ آپ کے رمز شناس تھے، اس لیے آپ نے اسے پھاڑ کر خاندان کی عورتوں میں بانٹ دیا کہ وہ اسے اپنے استعمال میں لائیں۔

(٢٨) بَابُ قَبُولِ الْهَدِيَّةِ مِنَ الْمُشْرِكِينَ

باب: 28- مشرکین سے ہدیہ قبول کرنا

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «هَاجَرَ

حضرت ابوہریرہ ؓ نے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ

1 صحیح مسلم، اللباس والزينة، حديث: 5422 (2071)۔ 2 فتح الباري: 367/10۔

إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِسَارَةَ فَدَخَلَ قَرْيَةً فِيهَا مَلِكٌ أَوْ جَبَّارٌ، فَقَالَ: أَعْطُوهَا آجَرَ». وَأُهْدِيَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ شَاةٌ فِيهَا سُمٌّ.

(آپ نے فرمایا:) "حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کو لے کر ہجرت کی اور ایک ایسی بستی میں پہنچے جہاں کا بادشاہ ظالم تھا۔ (اس نے سارہ سے دست درازی کرنا چاہی تو اس کا ہاتھ مفلوج ہو گیا)۔ اس نے کہا: انھیں ہاجرہ بطور خدمت دو۔" ایک دفعہ نبی ﷺ کی خدمت میں بکری کا گوشت بطور ہدیہ پیش کیا گیا جس میں زہر ملا ہوا تھا۔

وَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ: أَهْدَى مَلِكُ أَيْلَةَ لِلنَّبِيِّ ﷺ بَغْلَةً بَيْضَاءَ فَكَسَاهُ بُرْدًا وَّكَتَبَ إِلَيْهِ بِبَحْرِهِمْ.

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے کہا: ایلہ کے بادشاہ نے نبی ﷺ کو سفید خچر بطور ہدیہ بھیجا اور آپ نے اسے ایک ریشمی چادر عنایت فرمائی اور اسے اس علاقے کی حکومت لکھ دی۔

وضاحت: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت متصل سند سے آئندہ بیان ہو گی۔[1] نبی ﷺ کو بکری کا زہر آلود گوشت پیش کرنے کا واقعہ بھی اسی عنوان کے تحت ذکر کیا جائے گا۔ حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت متصل طور پر پہلے بیان ہو چکی ہے۔[2] ان روایات کا مطلب ہے کہ اگر مشرکین کے ساتھ سیاسی اور معاشرتی تعلقات صحیح ہوں تو ان کے تحائف قبول کرنے صحیح ہیں، بصورت دیگر تحائف کا تبادلہ مفاد پرستی ہے۔

٢٦١٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أُهْدِيَ لِلنَّبِيِّ ﷺ جُبَّةُ سُنْدُسٍ، وَكَانَ يَنْهَى عَنِ الْحَرِيرِ فَعَجِبَ النَّاسُ مِنْهَا، فَقَالَ ﷺ: «وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَمَنَادِيلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ أَحْسَنُ مِنْ هٰذَا». [انظر: ٢٦١٦، ٣٢٤٨]

[2615] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کی خدمت میں ایک ریشمی جبہ پیش کیا گیا، حالانکہ آپ ریشم سے منع فرمایا کرتے تھے۔ لوگوں کو یہ (جبہ) دیکھ کر بہت تعجب ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جنت میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے رومال اس سے کہیں اچھے ہیں۔"

٢٦١٦ - وَقَالَ سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ: إِنَّ أُكَيْدِرَ دُومَةَ أَهْدَى إِلَى النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٢٦١٥]

[2616] حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ دومۃ الجندل کے حاکم اکیدر نے نبی ﷺ کی خدمت میں تحفہ بھیجا تھا۔

فوائد و مسائل: ① دومۃ الجندل ایک شہر کا نام ہے جو تبوک کے قریب تھا، وہاں کا بادشاہ اکیدر بن عبدالملک عیسائی تھا۔

---

1 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3358. 2 صحيح البخاري، الزكاة، حديث: 1481.

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اسے گرفتار کر کے لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے آزاد کر دیا کیونکہ اس نے جزیہ دینے پر صلح کر لی تھی۔ سندس ریشم کا جبہ اس نے بطور تحفہ بھیجا تھا۔ آپ نے وہ جبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا اور فرمایا: ''اسے فواطم میں تقسیم کر دو۔''[1] تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے چار ٹکڑے کر کے اپنی زوجہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور والدہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت اسد، نیز فاطمہ بنت حمزہ اور فاطمہ بنت ابی طالب ام ہانی کو تقسیم کر دیے۔ ② اس روایت سے معلوم ہوا کہ کفار و مشرکین کے تحائف قبول کیے جا سکتے ہیں، بشرطیکہ سیاسی اور معاشرتی حالات سازگار ہوں۔ اگر حالات خراب ہوں تو تحائف کا تبادلہ جائز نہیں۔

٢٦١٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ يَهُودِيَّةً أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ بِشَاةٍ مَّسْمُومَةٍ فَأَكَلَ مِنْهَا، فَجِيءَ بِهَا فَقِيلَ: أَلَا نَقْتُلُهَا؟ قَالَ: «لَا»، قَالَ: فَمَا زِلْتُ أَعْرِفُهَا فِي لَهَوَاتِ رَسُولِ اللهِ ﷺ.

[2617] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت نبی ﷺ کے پاس بکری کا گوشت لائی جو زہر آلود تھا۔ آپ نے اس گوشت سے کچھ کھایا، پھر اس یہودیہ کو پکڑ کر لایا گیا تو لوگوں نے کہا: کیا ہم اسے قتل نہ کر دیں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، قتل نہ کرو۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں زہر کا اثر رسول اللہ ﷺ کے تالو میں دیکھتا رہا ہوں۔

فوائد و مسائل: ① اس یہودی عورت کا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ سچے رسول ہیں تو آپ پر زہر اثر نہیں کر سکتا اور اگر آپ سچے نبی نہیں ہیں تو آپ اس زہر سے ہلاک ہو جائیں گے۔ ② اس سے معلوم ہوا کہ کفار و مشرکین کے تحائف قبول کیے جا سکتے ہیں بشرطیکہ اس میں کوئی نقصان نہ ہو اور نہ مفاد پرستی ہی کو اس میں دخل ہو۔ ③ واضح رہے کہ زہریلا گوشت کھانے سے آپ کے حلق میں نمایاں اثر ہوا جو منہ کھولتے ہی نظر آ جاتا تھا جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔ ④ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ عالم الغیب نہیں تھے، ورنہ آپ وہ ہدیہ پہلے ہی رد کر دیتے۔ یاد رہے کہ اس زہر کی وجہ سے آپ کے ایک صحابی بشر بن براء انصاری رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تھے۔

٢٦١٨ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ ابْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثَلَاثِينَ وَمِائَةً فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «هَلْ مَعَ أَحَدٍ مِّنْكُمْ طَعَامٌ؟» فَإِذَا مَعَ رَجُلٍ صَاعٌ مِّنْ طَعَامٍ أَوْ نَحْوُهُ، فَعُجِنَ ثُمَّ جَاءَ

[2618] حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم ایک سو تیس اشخاص نبی ﷺ کے ہمراہ تھے تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم میں سے کسی کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟'' پتہ چلا کہ ایک شخص کے پاس ایک صاع کے بقدر آٹا ہے۔ وہ گوندھا گیا۔ اتنے میں ایک لمبا تڑنگا مشرک بکریوں کا ریوڑ ہانکتا ہوا وہاں پہنچا تو نبی ﷺ نے

[1] صحيح مسلم، اللباس والزينة، حديث: 5422 (2071).

رَجُلٌ مُشْرِكٌ مُشْعَانٌّ طَوِيلٌ بِغَنَمٍ يَسُوقُهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «بَيْعًا أَمْ عَطِيَّةً؟» أَوْ قَالَ: «أَمْ هِبَةً؟» قَالَ: لَا، بَلْ بَيْعٌ، فَاشْتَرٰى مِنْهُ شَاةً فَصُنِعَتْ وَأَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِسَوَادِ الْبَطْنِ أَنْ يُشْوٰى، وَايْمُ اللهِ! مَا فِي الثَّلَاثِينَ وَالْمِائَةِ إِلَّا وَقَدْ حَزَّ النَّبِيُّ ﷺ لَهُ حُزَّةً مِّنْ سَوَادِ بَطْنِهَا إِنْ كَانَ شَاهِدًا أَعْطَاهَا إِيَّاهُ وَإِنْ كَانَ غَائِبًا خَبَأَ لَهُ، فَجَعَلَ مِنْهَا قَصْعَتَيْنِ فَأَكَلُوا أَجْمَعُونَ وَشَبِعْنَا، فَفَضَلَتِ الْقَصْعَتَانِ فَحَمَلْنَاهُ عَلَى الْبَعِيرِ أَوْ كَمَا قَالَ. [راجع: ٢٢١٦]

پوچھا: ”ہدیہ کے لیے لائے ہو یا فروخت کرنے کا ارادہ ہے؟“ اس نے کہا: نہیں، بلکہ فروخت کرنا چاہتا ہوں، چنانچہ آپ ﷺ نے اس سے ایک بکری خریدی، اسے ذبح کر کے اس کا گوشت بنایا گیا۔ نبی ﷺ نے حکم دیا کہ اس کی کلیجی وغیرہ اکٹھی کر کے اس کو بھونا جائے۔ (راوی نے کہا:) اللہ کی قسم! ایک سوتیس میں سے کوئی شخص ایسا باقی نہ رہا جس کو آپ نے کلیجی کا ٹکڑا کاٹ کر نہ دیا ہو۔ اگر وہ موجود تھا تو اسے خود دیا ورنہ اس کا حصہ رکھ چھوڑا۔ پھر آپ نے گوشت کے دو تھال تیار کیے۔ سب لوگوں نے سیر ہو کر اسے کھایا۔ پھر دو تھالوں میں سے کچھ بچ بھی رہا جسے ہم نے اونٹ پر رکھ لیا۔ أَوْ كَمَا قَالَ.

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مشرک سے پوچھا: ”تم یہ بکریاں بطور ہدیہ لائے ہو یا انھیں فروخت کرنے کا ارادہ ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرک کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔ اگر ناجائز ہوتا تو آپ اس کے متعلق دریافت کیوں کرتے؟ بسااوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی کے دل میں رحم آجاتا ہے اور اس میں طمع اور لالچ کے جذبات نہیں ہوتے، مسلمانوں کا قافلہ دیکھ کر ممکن ہے کہ مشرک کو خیال آئے، اس موقع پر کچھ ہدیہ پیش کرنا چاہیے، اس بنا پر رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ ہدیہ لائے ہو یا فروخت کرنے کا ارادہ ہے۔ ② اس کا یہ مطلب نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دل میں کوئی طمع تھی، البتہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے مشرکین کے ہدایا قبول کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔“[1] اس میں تطبیق یوں ہے کہ آپ ان مشرکین کا ہدیہ قبول کرتے تھے جن سے ایمان کی توقع ہوتی تھی، اور جس ہدیے میں مشرکین سے دوستی بڑھانا مقصود ہو تو وہ جائز نہیں۔ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث سے ثابت کیا ہے کہ کفار و مشرکین سے ہدایا قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ حالات سازگار ہوں، سیاسی اور معاشرتی طور پر کوئی پیچیدگی نہ ہو، البتہ اس مشرک کا ہدیہ قبول کرنا منع ہے جو دوستی اور محبت کی بنا پر ہو یا جس سے محبت اور تعلقات بڑھانا مقصود ہو۔ واللہ أعلم.[2]

(٢٩) بَابُ الْهَدِيَّةِ لِلْمُشْرِكِينَ

باب: 29- مشرکین کو ہدیہ پیش کرنا

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: ﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اللہ تعالیٰ تمھیں اس بات سے منع نہیں کرتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا

① سنن أبي داود، الخراج، حديث: 3057. ② فتح الباري: 284/5.

وَتُقْسِطُوٓا۟ إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ﴾ [الممتحنة: ٨].

برتاؤ کرو جنھوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی اور تمھیں تمھارے گھروں سے نہیں نکالا۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

وضاحت: تاریخی طور پر یہ آیت فتح مکہ سے کچھ مدت پہلے نازل ہوئی اور یہ کفار و مشرکین کے ساتھ تعلقات رکھنے یا نہ رکھنے کے متعلق فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے۔ دراصل کفار سے قطع تعلقی کی وجہ ان کا کفر نہیں بلکہ اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ ان کی دشمنی اور ظالمانہ روش ہے، اس لیے مسلمانوں کو دشمن کافر اور غیر دشمن کے درمیان فرق کرنا ہوگا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ ان کفار کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرنا چاہیے جنھوں نے کبھی ان کے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔ احسان کے برتاؤ میں انھیں تحائف دینا بھی شامل ہے۔ اس کی بہترین تشریح آئندہ احادیث سے ہوگی۔

٢٦١٩ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: رَأَى عُمَرُ حُلَّةً عَلَى رَجُلٍ تُبَاعُ، فَقَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: اِبْتَعْ هٰذِهِ الْحُلَّةَ تَلْبَسْهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَإِذَا جَاءَكَ الْوَفْدُ، فَقَالَ: «إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهِ مَنْ لَّا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ»، فَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْهَا بِحُلَلٍ، فَأَرْسَلَ إِلَى عُمَرَ مِنْهَا بِحُلَّةٍ، فَقَالَ عُمَرُ: كَيْفَ أَلْبَسُهَا وَقَدْ قُلْتَ فِيهَا مَا قُلْتَ؟ قَالَ: «إِنِّي لَمْ أَكْسُكَهَا لِتَلْبَسَهَا، تَبِيعُهَا أَوْ تَكْسُوهَا»، فَأَرْسَلَ بِهَا عُمَرُ إِلَى أَخٍ لَّهُ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ، قَبْلَ أَنْ يُّسْلِمَ. [راجع: ٨٨٦]

[2619] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو ریشمی حلہ فروخت کرتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا: آپ اس حلے کو خرید لیں تاکہ جمعے کے دن، نیز جب آپ کے پاس وفد آئے تو اسے زیب تن فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا لباس وہ لوگ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔'' پھر (ایسا ہوا) کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اس قسم کے چند حلے لائے گئے تو آپ نے ان میں سے ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں اس کو کیونکر پہن سکتا ہوں جبکہ آپ نے اس کے متعلق جو کچھ فرمانا تھا، فرما چکے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے یہ تمھیں پہننے کے لیے نہیں دیا بلکہ تم اسے فروخت کر کے اس کی قیمت اپنے کام میں لاؤ یا کسی اور کو پہنا دو۔'' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ حلہ اپنے ایک بھائی کو بھیج دیا جو مکہ میں رہتا تھا اور ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا۔

فوائد و مسائل: ① حلہ، قمیص، چادر اور تہ بند پر مشتمل ہوتا ہے۔ اگر کسی چیز میں ذاتی برائی نہیں ہے تو وہ مطلق طور پر حرام نہیں ہوتی۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر مشرکین کے ساتھ تعلقات خوشگوار ہیں تو انھیں تحفہ دینے میں کوئی حرج نہیں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ریشمی حلہ اپنے مشرک اخیافی یا رضاعی بھائی کو بطور تحفہ بھیجا تاکہ اس میں اسلام کے متعلق کوئی

رغبت پیدا ہوا اور وہ کفر و شرک کی غلاظت سے پاک ہو جائے، چنانچہ روایات میں ہے کہ وہ اس کے بعد مسلمان ہو گیا تھا، اس کا نام عثمان بن حکیم اور اس کی ماں کا نام خیثمہ بنت ہشام بن مغیرہ تھا جو لعین ابوجہل کے چچا کی بیٹی تھی۔[1]

٢٦٢٠ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَتْ: قَدِمَتْ عَلَيَّ أُمِّي وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَاسْتَفْتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، قُلْتُ: إِنَّ أُمِّي قَدِمَتْ وَهِيَ رَاغِبَةٌ، أَفَأَصِلُ أُمِّي؟ قَالَ: «نَعَمْ. صِلِي أُمَّكِ». [انظر: ٣١٨٣، ٥٩٧٨، ٥٩٧٩]

[2620] حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں میری مشرک ماں میرے پاس آئی تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میری ماں میرے پاس کچھ تعاون کی امید سے آئی ہے۔ کیا میں اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، تم اپنی ماں سے صلہ رحمی کرو۔''

فوائد و مسائل: ① حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی ماں، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی جسے آپ نے زمانۂ جاہلیت میں طلاق دے دی تھی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اسی کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد جب مدینہ اور مکہ کے درمیان آمد و رفت کا راستہ کھل گیا تو ماں، بیٹی سے ملنے کے لیے مدینہ طیبہ آئی اور اپنے ساتھ کچھ تحائف بھی لائی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اس کے متعلق دریافت کیا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنی والدہ کے ساتھ صلہ رحمی اور حسن سلوک کا حکم دیا۔ ② اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک مسلمان کے لیے اپنے کافر والدین کی خدمت کرنا اور اپنے بہن بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کی مدد کرنا جائز ہے جبکہ وہ دشمن اسلام نہ ہوں۔ مخالفینِ اسلام کو دین اسلام کی اس روش پر غور کرنا چاہیے۔[2]

(٣٠) بَابٌ: لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَرْجِعَ فِي هِبَتِهِ وَصَدَقَتِهِ

باب: 30- کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنا ہبہ یا صدقہ واپس لے

٢٦٢١ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ وَشُعْبَةُ قَالَا: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْعَائِدِ فِي قَيْئِهِ». [راجع: ٢٥٨٩]

[2621] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہبہ کر کے اسے واپس لینے والا ایسا ہے جیسے کوئی قے کر کے اسے چاٹ لے۔''

٢٦٢٢ - وَحَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْمُبَارَكِ:

[2622] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے،

1 فتح الباري: 287/5. 2 فتح الباري: 288/5.

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ الَّذِي يَعُودُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَرْجِعُ فِي قَيْئِهِ». [راجع: ٢٥٨٩]

انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہمارے لیے یہ بری مثال نہیں ہونی چاہیے کہ جو کوئی ہبہ کر کے اسے واپس لے وہ اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے اسے چاٹ لیتا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① ان احادیث کا تقاضا ہے کہ ہبہ اور صدقہ دے کر واپس لینا حرام ہے جیسا کہ حضرت قتادہ فرماتے ہیں: ہم تو قے کو حرام ہی خیال کرتے ہیں۔[1] البتہ ایک حدیث کے مطابق وہ ہبہ اس وعید سے مستثنیٰ ہے جو باپ اپنی اولاد کو دیتا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی کو چاہیے کہ وہ کسی کو عطیہ دے کر اسے واپس نہ لے، ہاں والد اپنی اولاد کو عطیہ دے کر واپس لینے کا مجاز ہے۔''[2] ② مذکورہ احادیث میں نہ صرف ہبہ واپس لینے کا حکم بیان ہوا ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اس فعل کی خرابی اور گندگی کو بھی بیان کیا ہے۔ معاشی اعتبار سے واپسی میں یہ پہلو نمایاں ہے کہ اس سے حقیقی نفع اٹھانا ممکن نہیں رہتا۔ واللہ أعلم.

٢٦٢٣ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: حَمَلْتُ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللهِ فَأَضَاعَهُ الَّذِي كَانَ عِنْدَهُ فَأَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِيَهُ مِنْهُ، وَظَنَنْتُ أَنَّهُ بَائِعُهُ بِرُخْصٍ فَسَأَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: «لَا تَشْتَرِهِ وَإِنْ أَعْطَاكَهُ بِدِرْهَمٍ وَاحِدٍ، فَإِنَّ الْعَائِدَ فِي صَدَقَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ». [راجع: ١٤٩٠]

[2623] حضرت عمر بن خطاب ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے فی سبیل اللہ ایک شخص کو سواری کے لیے گھوڑا دیا تو جس کے پاس وہ گھوڑا تھا اس نے (اس کی حفاظت نہ کی بلکہ) اسے خراب کر ڈالا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس سے وہ گھوڑا خرید لوں اور گمان یہ تھا کہ وہ مجھے سستے داموں فروخت کر دے گا۔ میں نے نبی ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''اسے مت خریدو، اگرچہ وہ تمھیں ایک درہم کے عوض دے کیونکہ صدقے کو واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے اس کو چاٹ جاتا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑا فروخت کرنے والے کی طرف سے کچھ نہ کچھ سہولت کی امید ضرور تھی، چنانچہ بیچنے والے کی طرف سے تھوڑی سی سہولت فروخت کردہ چیز کے بعض اجزاء میں رجوع کرنے کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس اقدام کو عَوْدٌ فِي الصَّدَقَة کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ ② اگر صدقہ کیا ہوا مال بطور وراثت

① سنن أبي داود، البيوع، حديث: 3538. ② سنن أبي داود، البيوع، حديث: 3539.

حصے میں آ جائے تو اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ وہ لینا جائز ہے۔ ③ واضح رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ گھوڑا جہاد کے لیے وقف نہیں کیا تھا کیونکہ وقف کی ہوئی چیز کی خرید و فروخت ممنوع ہوتی ہے بلکہ اس کی ملکیت میں دے دیا تھا۔ حدیث کے الفاظ سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ وقف نہیں بلکہ ہبہ کیا تھا۔[1]

(۳۱) بَابٌ :

باب: 31- بلاعنوان

٢٦٢٤ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى : أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ : أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ : أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ : أَنَّ بَنِي صُهَيْبٍ مَّوْلَى ابْنِ جُدْعَانَ ادَّعَوْا بَيْتَيْنِ وَحُجْرَةً، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَعْطٰى ذٰلِكَ صُهَيْبًا، فَقَالَ مَرْوَانُ : مَنْ يَّشْهَدُ لَكُمَا عَلٰى ذٰلِكَ؟ قَالُوا : ابْنُ عُمَرَ، فَدَعَاهُ فَشَهِدَ : لَأَعْطٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ صُهَيْبًا بَيْتَيْنِ وَحُجْرَةً، فَقَضٰى مَرْوَانُ بِشَهَادَتِهِ لَهُمْ .

[2624] عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ جو ابن جدعان کے آزاد کردہ غلام تھے، ان کے دو بیٹوں نے دو مکان اور ایک حجرے کے متعلق دعویٰ کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے وہ صہیب رضی اللہ عنہ کو دیے تھے۔ مروان نے کہا: تم دونوں کی اس معاملے میں کون گواہی دے گا؟ انھوں نے کہا: ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ مروان نے ان کو بلایا تو انھوں نے گواہی دی کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دو مکان اور ایک حجرہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو دیے تھے، چنانچہ مروان نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی گواہی پر ان کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

فوائد و مسائل: ① اس مقدمے میں کسی کا دوسرے پر دعویٰ نہیں تھا کہ ایک گواہ سے مقدمے کا فیصلہ کیسے کر دیا گیا؟ بلکہ یہاں صرف حقیقت حال معلوم کرنا تھی، جس کا اظہار ہو گیا۔ ② واضح رہے کہ اس باب کا کوئی عنوان نہیں بلکہ یہ عنوانِ سابق کا تتمہ ہے۔ مناسبت اس طرح ہے کہ اس میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ پر صدقے اور ہبے کا ذکر ہے، جب رسول اللہ ﷺ کا عطیہ ثابت ہو گیا تو مروان نے یہ سوال نہیں کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے رجوع تو نہیں فرمایا؟ کیونکہ ہبہ میں رجوع کا امکان نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ پیش کردہ حدیث سے یہ مسئلہ ثابت کرنا ہو کہ جب موہوب لہ فوت ہو جائے تو بالاتفاق اس سے رجوع حرام ہے۔ واللہ أعلم.

(۳۲) بَابُ مَا قِيلَ فِي الْعُمْرٰى وَالرُّقْبٰى

باب: 32- عمریٰ اور رقبیٰ کا بیان

أَعْمَرْتُهُ الدَّارَ، فَهِيَ عُمْرٰى، جَعَلْتَهَا لَهُ، ﴿وَٱسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا﴾ [هود: ٦١]: جَعَلَكُمْ عُمَّارًا .

میں نے اس کو گھر عمر بھر کے لیے دے دیا، یعنی اس کی ملکیت میں دے دیا تو یہ عمریٰ ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

[1] فتح الباري : 291/5.

﴿وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا﴾ اس کے معنی ہیں کہ اس نے تم کو زمین میں آباد کیا۔

وضاحت: عمریٰ یہ ہے کہ عمر بھر کسی کو رہنے کے لیے مکان دینا اور رقبیٰ کسی کی موت سے مشروط کر کے کوئی چیز دینا، مثلاً: کسی کو اس شرط پر مکان دینا کہ اگر دینے والا پہلے مر گیا تو مکان لینے والے کا اور اگر لینے والا پہلے مر گیا تو وہ دینے والے کا ہو جائے گا۔ اس میں ہر ایک دوسرے کی موت کا منتظر رہتا تھا، اس لیے اس کا نام رقبیٰ ہوا۔ یہ دونوں معاہدے زمانۂ جاہلیت میں مروج تھے، اسلام نے ان کی اصلاح کر کے انھیں باقی رکھا ہے۔

٢٦٢٥ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَضَى النَّبِيُّ ﷺ بِالْعُمْرَى: أَنَّهَا لِمَنْ وُهِبَتْ لَهُ.

[2625] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے عمریٰ کے بارے میں یہ فیصلہ کیا کہ وہ اسی کا ہے جس کو ہبہ کیا گیا ہے۔

٢٦٢٦ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ: حَدَّثَنِي النَّضْرُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْعُمْرَى جَائِزَةٌ».

وَقَالَ عَطَاءٌ: حَدَّثَنِي جَابِرٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ.

[2626] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''عمریٰ جائز ہے، یعنی نافذ ہو جائے گا۔''

حضرت عطاء بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے اسی طرح بیان کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں عمریٰ اور رقبیٰ دونوں کا ذکر کیا ہے لیکن احادیث میں صرف عمریٰ کا ذکر ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک دونوں ایک ہیں یا ان کا حکم ایک جیسا ہے۔ ② جمہور علماء کے نزدیک عمریٰ لینے والے کی ملک ہو جاتا ہے، دینے والے کی طرف واپس نہیں ہوتا، خواہ وہ شرط کرے۔ اگر کوئی مشروط عطیہ ہے تو شرط پوری ہونے پر اس کے مطابق عمل ہوگا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمریٰ اور رقبیٰ سے منع فرمایا ہے اور آپ نے انصار سے فرمایا تھا: ''تم لوگ اپنی زمینیں اس طرح برباد نہ کرو جو شخص عمریٰ کرے گا وہ اسی کا ہو جائے گا جسے ہبہ کیا گیا۔''[1] ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنا مال واپس لینا چاہتے ہو تو عمریٰ نہ کرو کیونکہ جب تم نے عمریٰ کر دیا تو وہ واپس نہیں ہوگا بلکہ تم مشروط طور پر عطیہ کرو، اس لیے جواز اور نہی کی احادیث میں تعارض نہیں ہے۔[2] ہمارے ہاں عمریٰ کا رواج نہیں بلکہ پسندیدہ طریقہ ہبہ کا ہے۔ اگر کوئی اپنی چیز شرعی طور پر دوسرے کو دینا چاہتا ہے تو ہبہ کے ذریعے سے وہ دی جا سکتی ہے۔ والله أعلم.

1 صحیح مسلم، الهبات، حدیث: 4196 (1625). 2 فتح الباري: 5/293.

(٣٣) بَابُ مَنِ اسْتَعَارَ مِنَ النَّاسِ الْفَرَسَ

باب : 33- جس نے لوگوں سے گھوڑا مستعار لیا

٢٦٢٧ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ: كَانَ فَزَعٌ بِالْمَدِينَةِ فَاسْتَعَارَ النَّبِيُّ ﷺ فَرَسًا مِّنْ أَبِي طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ: الْمَنْدُوبُ، فَرَكِبَهُ. فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ: «مَا رَأَيْنَا مِنْ شَيْءٍ وَّإِنْ وَّجَدْنَاهُ لَبَحْرًا». [انظر: ٢٨٢٠، ٢٨٥٧، ٢٨٦٢، ٢٨٦٦، ٢٨٦٧، ٢٩٠٨، ٢٩٦٨، ٢٩٦٩، ٣٠٤٠، ٦٠٣٣، ٦٢١٢]

[2627] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دفعہ مدینہ طیبہ میں دشمن کا خوف سا پیدا ہوا تو نبی ﷺ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے ایک گھوڑا مستعار لیا جسے مندوب کہا جاتا تھا۔ آپ اس پر سوار ہوئے۔ جب واپس تشریف لائے تو فرمایا: ”کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔ یہ گھوڑا تو سمندر کی موج ہے۔“

فوائد ومسائل: ① عاریت، اس لین دین کو کہتے ہیں جس میں ملکیت تو منتقل نہیں ہوتی، البتہ کسی چیز کا فائدہ عارضی طور پر منتقل ہو جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کسی چیز کا فائدہ اور نفع ہبہ کرنا بھی جائز ہے۔ ② واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ مدینے میں دشمن کے آنے کی افواہ پھیلی تو رسول اللہ ﷺ نے شہر کا جائزہ لینے کے لیے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا عاریتاً لیا، واپسی پر بتایا کہ کوئی خطرہ نہیں ہے، البتہ گھوڑا اس طرح اڑتا ہے گویا سمندر کی موج ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کو امن وامان کی خوشخبری دینا مستحب امر ہے۔

(٣٤) بَابُ الْاِسْتِعَارَةِ لِلْعَرُوسِ عِنْدَ الْبِنَاءِ

باب : 34- شب عروسی کے لیے دلھن کے واسطے کوئی چیز مستعار لینا

٢٦٢٨ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ ابْنُ أَيْمَنَ: حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا وَعَلَيْهَا دِرْعُ قِطْرٍ ثَمَنُ خَمْسَةِ دَرَاهِمَ، فَقَالَتْ: اِرْفَعْ بَصَرَكَ إِلَى جَارِيَتِي، أُنْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهَا تُزْهَى أَنْ تَلْبَسَهُ فِي الْبَيْتِ، وَقَدْ كَانَ لِي مِنْهُنَّ دِرْعٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَمَا كَانَتِ امْرَأَةٌ تُقَيَّنُ بِالْمَدِينَةِ إِلَّا أَرْسَلَتْ إِلَيَّ تَسْتَعِيرُهُ.

[2628] عبدالواحد بن ایمن سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میرے والد (حضرت ایمن) بیان کرتے ہیں کہ میں صدیقۂ کائنات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گیا تو انھوں نے روئی کا موٹا کرتا پہن رکھا تھا جس کی قیمت پانچ درہم تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میری اس لونڈی کی طرف ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھو یہ گھر میں اس قسم کا لباس پہننے سے نفرت کرتی ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں میرے پاس اسی طرح کا ایک کرتا تھا۔ مدینہ طیبہ میں جب بھی کسی عورت کو آراستہ کرنا ہوتا تو وہ مجھے پیغام بھیج کر

منگوا لیتی تھیں۔

فوائد و مسائل: ① مقصد یہ ہے کہ شادی کی پہلی رات کے لیے کسی سے ادھار لباس لینا باعث ملامت نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بھی یہ سلسلہ رائج تھا کہ ہنگامی صورت کے پیش نظر لباس ادھار لیا جاتا تھا۔ ② اس حدیث میں حضرت عائشہ ؓ کی تواضع اور انکساری کا بھی پتہ چلتا ہے، نیز ہمارے ہاں شادی کی پہلی رات کے لیے ہزاروں اور لاکھوں روپے کا لباس تیار کیا جاتا ہے، اس حدیث کے پیش نظر یہ مستحسن اقدام نہیں بلکہ وقتی ضرورت کے لیے کسی سے ادھار لے لیا جائے۔ اگر مستقل کوئی لباس تیار کرنا ہے تو وہ گراں بھی نہ ہو اور زیادہ بھاری بھرکم بھی نہ ہو تا کہ وہ آئندہ بھی استعمال کیا جا سکتا ہو، وہ صرف صندوق کی زینت بن کر نہ رہ جائے۔

(٣٥) بَابُ فَضْلِ الْمَنِيحَةِ

باب: 35- دودھ کا جانور مستعار دینے کی فضیلت

٢٦٢٩ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «نِعْمَ الْمَنِيحَةُ اللِّقْحَةُ الصَّفِيُّ مِنْحَةً، وَالشَّاةُ الصَّفِيُّ تَغْدُو بِإِنَاءٍ وَّتَرُوحُ بِإِنَاءٍ».

[2629] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عطیے کے اعتبار سے بہترین عطیہ کثرت سے دودھ دینے والی اونٹنی اور کثرت سے دودھ دینے والی بکری کا ہے جو صبح کو برتن بھر کر دودھ دے اور شام کو بھی برتن بھر کر دودھ دے۔“

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ وَإِسْمَاعِيلُ عَنْ مَّالِكٍ قَالَ: «نِعْمَ الصَّدَقَةُ». [انظر: ٥٦٠٨]

دوسری روایت میں ”بہترین عطیہ“ کے بجائے ”بہترین صدقہ“ کے الفاظ ہیں۔

فوائد و مسائل: ① منيحة، اس دودھ والے جانور کو کہتے ہیں جو صرف دودھ کے لیے دوسرے کو ادھار دیا جاتا ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں اقتصادی مسئلے کا ایک حل یہ بھی تھا کہ دودھ دینے والا جانور کسی ضرورت مند کو ادھار دے دیا جاتا۔ وہ جانور بدستور اصل مالک کی ملکیت ہوتا۔ ② مسنون طریقہ یہ ہے کہ ادھار لیے ہوئے جانور سے جب نفع حاصل کر لیا جائے تو اسے اصل مالک کو واپس کر دیا جائے۔ بہرحال یہ بھی عطیہ کی ایک صورت ہے کہ اصل کے بجائے کسی چیز کا نفع دوسرے کو ہبہ کر دیا جائے، چنانچہ دوسری روایت کے مطابق اس طرح کے عطیے کو صدقہ کہا گیا ہے جو اس عمل کی فضیلت کو ظاہر کرتا ہے۔

٢٦٣٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ: حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُونَ الْمَدِينَةَ مِنْ مَّكَّةَ وَلَيْسَ بِأَيْدِيهِمْ

[2630] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب مہاجرین مکہ سے مدینہ طیبہ آئے تو ان کے پاس کچھ نہ تھا جبکہ انصار زمین اور جائیداد والے تھے، اس لیے مہاجرین کو انصار نے اپنے مال اس شرط پر

[يَعْنِي شَيْئًا] وَكَانَتِ الْأَنْصَارُ أَهْلَ الْأَرْضِ وَالْعَقَارِ فَقَاسَمَهُمُ الْأَنْصَارُ عَلَى أَنْ يُعْطُوهُمْ ثِمَارَ أَمْوَالِهِمْ كُلَّ عَامٍ وَّيَكْفُوهُمُ الْعَمَلَ وَالْمُؤْنَةَ، وَكَانَتْ أُمُّهُ أُمُّ أَنَسٍ أُمَّ سُلَيْمٍ كَانَتْ أُمَّ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ. فَكَانَتْ أَعْطَتْ أُمُّ أَنَسٍ رَسُولَ اللهِ ﷺ عِذَاقًا فَأَعْطَاهُنَّ النَّبِيُّ ﷺ أُمَّ أَيْمَنَ مَوْلَاتَهُ أُمَّ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ. قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا فَرَغَ مِنْ قَتْلِ أَهْلِ خَيْبَرَ فَانْصَرَفَ إِلَى الْمَدِينَةِ رَدَّ الْمُهَاجِرُونَ إِلَى الْأَنْصَارِ مَنَائِحَهُمُ الَّتِي كَانُوا مَنَحُوهُمْ مِّنْ ثِمَارِهِمْ، فَرَدَّ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى أُمِّهِ عِذَاقَهَا فَأَعْطَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أُمَّ أَيْمَنَ مَكَانَهُنَّ مِنْ حَائِطِهِ.

تقسیم کر دیے کہ وہ انھیں ہر سال (نصف) پھل دیا کریں اور محنت و مشقت سب وہی کریں۔ ان کی والدہ، یعنی حضرت انس کی والدہ حضرت ام سلیم ؓ جو عبداللہ بن ابی طلحہ ؓ کی بھی والدہ تھیں، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو کھجور کے کچھ درخت دیے تھے جو نبی ﷺ نے اپنی آزاد کردہ لونڈی حضرت ام ایمن ؓ کو دے دیے جو حضرت اسامہ بن زید ؓ کی والدہ تھیں۔ حضرت انس ؓ کا بیان ہے کہ جب نبی ﷺ جنگ خیبر سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مہاجرین نے انصار کو ان کی عطا کردہ تمام چیزیں واپس کر دیں، یعنی وہ پھل دار درخت جو انھوں نے مہاجرین کو دیے تھے، چنانچہ نبی ﷺ نے بھی حضرت انس ؓ کی والدہ کو ان کے درخت واپس کر دیے اور حضرت ام ایمن ؓ کو رسول اللہ ﷺ نے ان کے عوض اپنے باغ سے کچھ درخت دے دیے۔

وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبٍ: أَخْبَرَنَا أَبِي عَنْ يُونُسَ بِهٰذَا، وَقَالَ: مَكَانَهُنَّ مِنْ خَالِصِهِ.

احمد بن شبیب کی روایت میں حَائِطِهِ کے بجائے خَالِصِهِ کے الفاظ ہیں۔

[انظر: ٣١٢٨، ٤٠٣٠، ٤١٢٠]

فوائد و مسائل: ① جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو انصار نے بڑی فیاضی سے پیش کش کی کہ اے اللہ کے رسول! ہماری زمینیں اور ہمارے باغ مہاجرین میں تقسیم کر دیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت نہ دی، آخر یہ طے ہوا کہ مہاجرین باغوں میں محنت کریں گے اور پھل وغیرہ تقسیم کر لیا جائے گا۔ ② صحیح مسلم میں اس کی مزید وضاحت ہے کہ ایک شخص اپنے نخلستان میں سے چند ایک درختوں کا پھل رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتا تھا، جب بنو قریظہ اور بنو نضیر کے باغات آپ کے قبضے میں آئے تو آپ نے دوسروں کے دیے ہوئے درخت واپس کر دیے۔[1] حضرت انس ؓ کہتے ہیں: میرے عزیزوں نے مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا تاکہ میں بھی ان درختوں کی واپسی کا مطالبہ کروں جو انھوں نے آپ کو دیے تھے۔ چونکہ آپ نے وہ درخت ام ایمن ؓ کو دے دیے تھے، اس لیے جب وہ درخت واپس کیے تو ام ایمن ؓ آئیں اور ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگیں میں تو وہ درخت تمھیں واپس نہیں کروں گی، بالآخر رسول اللہ ﷺ نے انھیں دس گنا درخت دے کر راضی کیا۔[2]

[1] صحيح مسلم، الجهاد، حديث: 4604 (1771). [2] فتح الباري: 301/5.

احمد بن شبیب کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اپنے خاص حصے میں سے ام ایمن رضی اللہ عنہا کو درخت عطا فرمائے۔ ان دونوں روایات میں کوئی تضاد نہیں۔

٢٦٣١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ حَسَّانَ بْنِ عَطِيَّةَ، عَنْ أَبِي كَبْشَةَ السَّلُولِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَرْبَعُونَ خَصْلَةً أَعْلَاهُنَّ مَنِيحَةُ الْعَنْزِ، مَا مِنْ عَامِلٍ يَعْمَلُ بِخَصْلَةٍ مِّنْهَا رَجَاءَ ثَوَابِهَا وَتَصْدِيقَ مَوْعِدِهَا إِلَّا أَدْخَلَهُ اللهُ بِهَا الْجَنَّةَ».

[2631] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چالیس عمدہ خصلتیں ہیں، ان میں سے سب سے عمدہ خصلت دودھ والی بکری کا مستعار دینا ہے۔ جو شخص ان میں سے کسی بھی خصلت پر ثواب کی امید سے اور اللہ کے وعدے کو سچا جانتے ہوئے عمل بجا لائے تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب اسے ضرور جنت میں داخل فرمائے گا۔''

قَالَ حَسَّانُ: فَعَدَدْنَا مَا دُونَ مَنِيحَةِ الْعَنْزِ مِنْ رَدِّ السَّلَامِ، وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ، وَإِمَاطَةِ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَنَحْوِهِ، فَمَا اسْتَطَعْنَا أَنْ نَّبْلُغَ خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً.

(راویٔ حدیث) حسان کہتے ہیں: ہم نے دودھ والی بکری کے ہدیے کے علاوہ دیگر عمدہ خصلتیں گننا شروع کیں، جیسے سلام کا جواب دینا، چھینک کا جواب دینا اور راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا وغیرہ تو ہم پندرہ کی تعداد تک بھی نہ پہنچ سکے۔

فائدہ: حدیث کے مطابق ان چالیس نیکیوں میں سے افضل نیکی دودھ والی بکری کا عطیہ ہے۔ ان نیکیوں کے شرف قبولیت کے لیے دو شرطیں ہیں: ○ ان کو بجا لاتے ہوئے ثواب کی امید رکھی جائے۔ ○ اللہ کے وعدے کو سچا مان کر عمل کیا جائے۔ ان دو شرطوں کے ساتھ عمل کرنے پر اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ رسول اللہ ﷺ باقی خصلتوں کو جانتے تھے لیکن شاید آپ نے اس غرض سے انھیں مبہم رکھا کہ لوگ خیر اور بھلائی کے دوسرے کاموں میں سستی نہ کریں۔ ایسی عمدہ خصلتیں جن پر جنت کا وعدہ کیا گیا ہے، وہ متفرق احادیث میں چالیس سے بھی زیادہ بیان ہوئی ہیں۔ تفصیل کے لیے امام بیہقی رحمہ اللہ کی کتاب ''شعب الایمان'' کا مطالعہ مفید رہے گا۔ یہ ممکن ہے کہ حضرت حسان بن عطیہ کو ان سب خصلتوں کا مجموعی طور پر علم نہ ہو سکا ہو۔

٢٦٣٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ: حَدَّثَنِي عَطَاءٌ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَتْ لِرِجَالٍ مِّنَّا فُضُولُ أَرَضِينَ فَقَالُوا: نُؤَاجِرُهَا بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَالنِّصْفِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا

[2632] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم میں سے کچھ لوگوں کے پاس فالتو زمینیں تھیں تو وہ آپس میں یوں گفتگو کرتے تھے کہ ہم ان زمینوں کو تہائی، چوتھائی یا نصف پیداوار پر کاشت کے لیے دیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس کے پاس زمین ہے وہ خود کاشت

أَوْ لِيَمْنَحْهَا أَخَاهُ فَإِنْ أَبَى فَلْيُمْسِكْ أَرْضَهُ». [انظر: ٢٣٤٠]

کرے یا اپنے بھائی کو بطور عطیہ مستعار دے دے۔ اگر اسے یہ منظور نہیں تو اپنی زمین اپنے ساتھ باندھ رکھے۔"

فوائد و مسائل: ① دراصل جب مہاجرین کی مدینہ طیبہ آمد ہوئی تو زمینوں کی قدر و قیمت میں اضافہ ہو گیا۔ جو زمینیں آباد تھیں ان کے متعلق بٹائی کا طریقہ اختیار کیا گیا تاکہ مہاجرین دوسروں پر بوجھ نہ بنیں اور محنت کر کے اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں، اس کے علاوہ کچھ زمینیں غیر آباد تھیں جنھیں فالتو زمینیں کہا گیا ہے۔ زمیندار پانی کی قلت یا کسی اور وجہ سے انھیں آباد نہیں کر پاتا۔ یہ زمینیں قابل زراعت تو ہوتی ہیں، ایسی زمینوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے مشورہ دیا کہ زمینوں کو مالک خود آباد کرے یا آنے والوں کو بطور منیحہ (عطیہ) دے تاکہ وہ انھیں آباد کریں۔ منیحہ میں وہ چیز اصل مالک کو واپس کرنا ہوتی ہے۔ یہ انصاف کا تقاضا ہے کہ ایسی زمینیں مناسب موقع پر واپس کر دی جائیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے منیحہ کے درخت غزوۂ خیبر کے بعد واپس کر دیے تھے۔ ② ان احادیث کے پیش نظر اشتراکیت کے حق میں یہ فتویٰ دینا محل نظر ہے کہ زمینداری نظام حرام ہے یا غیر حاضر مالک زمین کا اسلام میں کوئی وجود نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو شوق دلایا کہ وہ اپنی فالتو زمینیں آباد کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کریں ورنہ زمینیں اپنی کمر کے ساتھ باندھ لیں۔ واللہ أعلم.

٢٦٣٣ - وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ: حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ: حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ: حَدَّثَنِي أَبُو سَعِيدٍ قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَسَأَلَهُ عَنِ الْهِجْرَةِ فَقَالَ: «وَيْحَكَ إِنَّ الْهِجْرَةَ شَأْنُهَا شَدِيدٌ فَهَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟» قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: «فَتُعْطِي صَدَقَتَهَا؟» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَهَلْ تَمْنَحُ مِنْهَا شَيْئًا؟» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَتَحْلُبُهَا يَوْمَ وِرْدِهَا؟» قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: «فَاعْمَلْ مِنْ وَرَاءِ [الْبِحَارِ] فَإِنَّ اللهَ لَنْ يَتِرَكَ مِنْ عَمَلِكَ شَيْئًا». [راجع: ١٤٥٢]

[2633] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دیہاتی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے ہجرت کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: "تیرا بھلا ہو! ہجرت کا معاملہ بہت کٹھن ہے۔ یہ بتاؤ تمھارے پاس اونٹ ہیں؟" اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے پوچھا: "ان کی زکاۃ دیتے ہو؟" اس نے ہاں میں جواب دیا۔ آپ نے پھر پوچھا: "ان میں سے کچھ عطیہ بھی دیتے ہو؟" اس نے کہا: جی ہاں۔ پھر آپ نے دریافت کیا: "کیا پانی پلانے کے دن جب گھاٹ پر لے جاتے ہو تو دودھ دوہ کر تقسیم کرتے ہو؟" اس نے کہا: ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا: "جب تیرا یہ حال ہے تو پھر تو شہروں اور بستیوں (اپنے علاقے) میں رہ کر عمل کرتا رہ۔ اللہ تعالیٰ تیری نیکی میں کوئی کمی نہیں فرمائے گا۔"

فوائد و مسائل: ① عرب کے ہاں منیحہ کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ آدمی بطور انعام کسی کو کوئی چیز دے اور وہ اسی کی ہو جائے۔ دوسری یہ ہے کہ کوئی بکری یا اونٹنی صرف دودھ کے لیے کسی کو دے دے۔ وہ کچھ مدت تک اس کی اون اور دودھ

استعمال کرے، پھر اصل مالک کو واپس کردے۔ ② اس حدیث میں مؤخر الذکر منیحہ کا بیان اور اس کی فضیلت ہے، چنانچہ ایک دیہاتی نے دوسرے مہاجرین کی طرح اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ طیبہ میں رہنا چاہا تو آپ نے اسے روک دیا کیونکہ آپ کو اندازہ تھا کہ یہ ہجرت کی سختیوں کو برداشت نہیں کر سکے گا، اس لیے فرمایا: ''اپنے گھر میں رہ کر نیکی کے کام کرتے رہو، تیرے لیے یہی کافی ہے۔'' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے جب مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کی فرضیت ختم ہو چکی تھی۔ واللہ أعلم.

٢٦٣٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ طَاوُسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَعْلَمُهُمْ بِذٰلِكَ، يَعْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ إِلٰى أَرْضٍ تَهْتَزُّ زَرْعًا، فَقَالَ: «لِمَنْ هٰذِهِ؟» فَقَالُوا: اكْتَرَاهَا فُلَانٌ. فَقَالَ: «أَمَا إِنَّهُ لَوْ مَنَحَهَا إِيَّاهُ كَانَ خَيْرًا لَّهُ مِنْ أَنْ يَّأْخُذَ عَلَيْهَا أَجْرًا مَّعْلُومًا». [راجع: ٢٣٣٠]

[2634] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک کھیت کے پاس سے گزرے جس میں کھیتی لہلہا رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: ''یہ کس کی زمین ہے؟'' صحابہ نے عرض کیا: یہ کھیت فلاں آدمی نے کرائے پر لے رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اس کا مالک منیحہ کے طور پر بخش دیتا تو اس پر ایک مقررہ اجرت وصول کرنے سے بہتر تھا۔''

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کی زمین بے کار اور فالتو پڑی ہے تو اپنے مسلمان بھائی کو مفت دے دے تا کہ وہ اسے آباد کرے۔ واضح رہے کہ اس وقت تمدنی، معاشرتی ترقی کا ابتدائی دور تھا، اس دور میں غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے کی سخت ضرورت تھی۔ انھی مقاصد کے پیش نظر آپ نے رغبت دلائی۔ آباد زمینوں کے متعلق تو انصار اور مہاجرین کے درمیان بٹائی کا معاہدہ ہو چکا تھا، بے آباد اور فالتو زمین کے متعلق آپ نے فرمایا: ''اسے فضیلت کے طور پر اگر دے دیا جائے تو بہتر ہے۔'' اس سے بٹائی یا ٹھیکے پر دینے کی نفی نہیں ہوتی۔ واللہ أعلم.

(٣٦) بَابٌ: إِذَا قَالَ: أَخْدَمْتُكَ هٰذِهِ الْجَارِيَةَ، عَلٰى مَا يَتَعَارَفُ النَّاسُ، فَهُوَ جَائِزٌ

باب: 36- اگر کسی نے کہا: میں نے یہ لونڈی تمھاری خدمت میں دی تو اس کا مفہوم عرف عام کے مطابق لینا جائز ہے

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: هٰذِهِ عَارِيَةٌ. وَإِنْ قَالَ: كَسَوْتُكَ هٰذَا الثَّوْبَ، فَهٰذِهِ هِبَةٌ.

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کا مطلب صرف عاریت ہی ہو سکتا ہے۔ اگر کسی نے کہا کہ میں نے تمھیں یہ لباس پہنایا تو اسے ہبہ سمجھا جائے گا۔

وضاحت: احکام کا دارومدار عرف پر ہے، مثلاً: اگر کوئی کہے کہ میں نے اس لونڈی کو تمھاری خدمت میں دیا، تو اس کا

مطلب وہی لیا جائے گا جو لوگوں میں معروف ہوگا۔ اگر معاشرے میں یہ الفاظ تملیک یا ہبہ کے لیے ہیں تو یہ ہبہ ہوگا۔ اگر عرف عام میں اس سے عاریت مراد لی جاتی ہے تو وہی مطلب لیا جائے گا، یعنی ایک بات معروف معنی میں لی جائے گی۔ اس کے معنی متعین کرنا صحیح نہیں کہ اس سے مراد صرف عاریت ہی ہوسکتا ہے۔ اگر کسی معاشرے میں اس کا مفہوم کچھ اور لیا جاتا ہے تو عاریت کے معنی کیونکر صحیح ہوسکتے ہیں، اسی طرح کِسوۃ کا مفہوم ہبہ کے لیے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ أَهْلِيْكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ﴾ ''(اگر تم اپنی قسم توڑ دو) تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانے درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو یا انھیں کپڑے پہنانا ہے۔''[1] یعنی مسکینوں کو کھانے یا کپڑوں کا مالک بنا دیا جائے۔ بہرحال بعض اوقات شرعی احکام میں عرف عام کو ملحوظ رکھنا ہوگا، اپنی طرف سے کوئی معنی متعین کر دینا صحیح نہیں۔ واللہ أعلم۔

٢٦٣٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «هَاجَرَ إِبْرَاهِيمُ بِسَارَةَ فَأَعْطَوْهَا آجَرَ فَرَجَعَتْ فَقَالَتْ: أَشَعَرْتَ أَنَّ اللهَ كَبَتَ الْكَافِرَ وَأَخْدَمَ وَلِيدَةً؟».

[2635] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کے ہمراہ جب ہجرت کی تو اہل مصر نے آپ کو ہاجرہ دے دی۔ حضرت سارہ نے واپس آ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: آپ کو پتہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کو ذلیل و خوار کیا اور اس نے ایک لڑکی خدمت کے لیے دی ہے۔''

وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «فَأَخْدَمَهَا هَاجَرَ». [راجع: ٢٢١٧]

ابن سیرین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اس نے سارہ کو ہاجرہ بطور خدمت دی۔''

فوائد ومسائل: ① شارح بخاری ابن بطال فرماتے ہیں: اس میں علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی کہے: ''میں نے یہ لونڈی تجھے خدمت کے لیے دی ہے'' تو اس کا مقصد لونڈی کی خدمت گزاری ہبہ کرنا ہے، اس کی ذات ہبہ کرنا نہیں کیونکہ لفظ اخدام، اس کے مالک بن جانے کا تقاضا نہیں کرتا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ''میں نے تجھے یہ مکان رہنے کے لیے دیا تو اس کا مقصد مکان سے نفع پہنچانا ہے مکان کا مالک بنانا نہیں، نیز اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ اگر کسی نے کہا: ''میں نے تجھے یہ کپڑا پہننے کے لیے دیا'' تو اس سے ہبہ مراد ہوگا۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک اگر قرینہ عرف عام پر دلالت کرتا ہے تو معنی عرف عام کے مطابق متعین کیے جائیں، بصورت دیگر دونوں مقام پر لغت کے مفہوم کے مطابق عمل ہوگا۔ اگر کسی قوم میں اخدام کے معنی ہبہ کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور کوئی شخص مطلق طور پر اس لفظ کو استعمال کرتا ہے اور اس کا مقصد مالک بنانے کا ہے تو یہی معنی مراد ہوں گے، اور جو شخص ہر حال میں اس سے عاریت مراد لیتا ہے وہ اس متفق علیہ

1 المآئدة 5:89.

موقف کی مخالفت کرتا ہے۔[1]

(۳۷) بَابٌ : إِذَا حَمَلَ رَجُلٌ عَلَى فَرَسٍ فَهُوَ كَالْعُمْرَى وَالصَّدَقَةِ

باب: 37- اگر کسی کو سواری کے لیے گھوڑا دیا تو وہ عمرٰی اور صدقہ کی طرح ہے

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ : لَهُ أَنْ يَرْجِعَ فِيهَا .

بعض لوگ کہتے ہیں: وہ اس میں رجوع کر سکتا ہے۔

وضاحت: اس عنوان سے امام بخاری رحمہ اللہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کسی نے کوئی گھوڑا فی سبیل اللہ سواری کے لیے دیا ہے تو وہ عمریٰ اور صدقہ کی طرح ہے، اس میں رجوع جائز نہیں جبکہ بعض ائمہ کا موقف ہے کہ اس طرح کسی کو گھوڑا دینے سے وہ مالک نہیں بن جاتا بلکہ دینے والے کو اس میں رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔ لیکن یہ موقف آئندہ حدیث سے ٹکراتا ہے۔

٢٦٣٦ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ : أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ قَالَ : سَمِعْتُ مَالِكًا يَسْأَلُ زَيْدَ بْنَ أَسْلَمَ فَقَالَ : سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ : قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ : حَمَلْتُ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللهِ فَرَأَيْتُهُ يُبَاعُ ، فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ : «لَا تَشْتَرِهِ وَلَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ» . [راجع: ١٤٩٠]

[2636] حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں نے کسی کو اللہ کی راہ میں گھوڑا دیا، پھر میں نے دیکھا کہ وہ فروخت ہو رہا ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''اسے مت خریدو اور اپنا صدقہ واپس نہ لو۔''

فوائد و مسائل: ① شارح بخاری ابن بطال فرماتے ہیں: فی سبیل اللہ گھوڑے پر سواری کرنا اگر تملیک کے لیے ہے تو وہ صدقے کی طرح ہے، اگر اس نے قبضہ کر لیا ہے تو اس میں رجوع کرنا جائز نہیں۔ اور اگر جہاد کے لیے وقف کیا ہے تو بھی رجوع جائز نہیں۔ جمہور اہل علم کا یہی موقف ہے۔ ② قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مالک بنا دیا تھا۔ گھوڑے کو فی سبیل اللہ وقف نہیں کیا تھا۔ اگر وقف ہوتا تو اس کے فروخت کرنے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خریدنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دراصل امام بخاری رحمہ اللہ ایک موقف کی تردید کرنا چاہتے ہیں کہ ہبہ میں رجوع جائز ہے اگرچہ وہ اجنبی کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔ یہ موقف صحیح نہیں۔ ہبہ میں رجوع جائز نہیں جس کی تفصیل ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔[2]

1 فتح الباري : 303/5. 2 فتح الباري : 303/5.

شہادت کا مفہوم اور اہمیت

لغوی طور پر شہادات، شہادۃ کی جمع ہے۔ یہ لفظ مصدر کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ جوہری نے کہا ہے: شہادت، پختہ خبر اور آنکھوں دیکھے واقعے کو کہتے ہیں۔ علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: شہادت کے لغوی معنی حضور کے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے: الغنیمۃ لمن شھد الواقعۃ، یعنی غنیمت اسی کا حق ہے جو جنگ میں حاضر ہو۔ اور گواہ کو شاھد اس لیے کہتے ہیں کہ وہ قاضی کی عدالت میں حاضر ہو کر غیر کی طرف سے خبر دیتا ہے۔

اصطلاحی طور پر شہادت، مشاہدہ اور آنکھوں دیکھی چیز کی خبر دینا ہے، اس خبر کی بنیاد محض اندازہ اور گمان نہ ہو۔ فقہاء کے نزدیک غیر پر اپنا حق ثابت کرنا دعویٰ ہے، غیر کا حق خود پر ثابت کرنا اقرار کہلاتا ہے اور کسی کا حق کسی پر ثابت کرنا شہادت ہے۔

دراصل انسان کو مختلف مراحلِ زندگی میں دیوانی، فوجداری، اخلاقی، سیاسی، اجتماعی اور انفرادی مسائل سے سابقہ پڑتا ہے۔ بعض اوقات اسے مدعی بننا پڑتا ہے اور کبھی مدعا علیہ کی حیثیت سے عدالت کے کٹہرے میں حاضر ہونا پڑتا ہے۔ اسے گواہی بھی دینی پڑتی ہے۔ ان حالات کے پیش نظر ضروری تھا کہ معاملات کے مسائل کے ساتھ شہادت کے مسائل بھی کتاب و سنت کی روشنی میں بتائے جائیں، اس لیے مجتہد مطلق امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت شہادت کے متعلقہ احکام و مسائل بیان کیے ہیں جس سے مذہب اسلام کی جامعیت اور حقانیت واضح ہوتی ہے۔

شہادت کے سلسلے میں دو چیزیں ضرور پیش نظر رکھنی چاہییں، انھیں نظر انداز کر دینا کبیرہ گناہ ہے:

① امر واقعہ کے مطابق گواہی دینی چاہیے، اس سے کسی چیز کو چھپایا نہ جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَ مَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ﴾ ”گواہی ہرگز نہ چھپاؤ کیونکہ جو شخص گواہی چھپاتا ہے اس کا دل گناہ گار ہے۔“[1] گواہی چھپانا اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے گناہ گار دل کا کرتوت بتایا ہے۔

② کسی وقت بھی جھوٹی گواہی نہ دی جائے کیونکہ اللہ کی شریعت میں جھوٹی گواہی دینا کبیرہ گناہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے بڑے بڑے گناہوں کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا،

---

1 البقرۃ 2:283۔

کسی کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ﴾ "وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔"[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے گواہی کے مسائل و احکام سے ہمیں آگاہ کرنے کے لیے چھہتر مرفوع احادیث کا انتخاب کیا ہے جن میں گیارہ معلق اور پینسٹھ (65) موصول ہیں، ان میں اڑتالیس مکرر اور اٹھائیس خالص ہیں۔ پانچ احادیث کے علاوہ دیگر احادیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔ مرفوع احادیث کے علاوہ مختلف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام سے مروی تہتر (73) آثار بھی بیان کیے ہیں۔ ان احادیث و آثار پر تیس عنوان قائم کیے ہیں۔

گواہی کے علاوہ "قسم" کے مسائل بھی اس عنوان کے تحت بیان کیے ہیں، پھر آخر میں ایک خاص مناسبت، قرعہ اندازی کی اہمیت ذکر کی ہے۔ الغرض امام بخاری رحمہ اللہ نے بے شمار حدیثی اور اسنادی مباحث ذکر کیے ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ قارئین ان کا مطالعہ کرتے وقت ہماری معروضات کو ضرور مدنظر رکھیں۔ اللہ تعالیٰ حق کے مطابق عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

① صحيح البخاري، الشهادات، حديث: 2653. 2 الفرقان 25: 72.

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

52 - كِتَابُ الشَّهَادَاتِ

گواہیوں سے متعلق احکام ومسائل

(۱) بَابُ مَا جَاءَ فِي الْبَيِّنَةِ عَلَى الْمُدَّعِي

لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيۡنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَٱكۡتُبُوهُ﴾ اَلْآيَةَ [البقرة: ٢٨٢]. وَقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُونُواْ قَوَّٰمِينَ بِٱلۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلَّهِ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿بِمَا تَعۡمَلُونَ خَبِيرًا﴾ [النساء: ١٣٥].

باب: 1- دلیل پیش کرنے کی ذمہ داری مدعی پر ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت کے لیے ادھار کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو...... الآية. نیز فرمان الٰہی ہے: ”اے ایمان والو! اللہ کی خاطر، انصاف پر قائم رہتے ہوئے گواہی دیا کرو...... جو تم کرتے ہو، اللہ اس سے باخبر ہے۔“

وضاحت: اس عنوان کو ثابت کرنے کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے کسی حدیث کا حوالہ نہیں دیا بلکہ صرف دو آیات پر اکتفا کیا ہے، یا آپ نے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جو کتاب الرہن کے آخر میں بیان ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک معاملے کا فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا: ”اپنے دعوے پر دو گواہ پیش کرو یا پھر مدعا علیہ کی قسم سے فیصلہ ہوگا۔“[1] ② شارح بخاری ابن منیر رحمہ اللہ ان آیات سے وجہ استدلال ان الفاظ میں لکھتے ہیں: اگر گواہ کے بغیر مدعی کا قول معتبر ہوتا تو گواہوں اور حقوق تحریر کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں تھی، چنانچہ اس آیت میں گواہ اور تحریر کا حکم ہے، اس کے پیش نظر گواہ لانا مدعی کے ذمے ہے، نیز اس آیت میں ہے کہ قرض کی دستاویز مقروض تحریر کرائے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اقرار کا اعتبار ہوگا، لیکن جب مدعی، اس مدعا علیہ کے اقرار کا انکار کرے تو اس کے ذمہ دلیل یا گواہ پیش کرنا ضروری ہے۔ عنوان کا مقصد بھی یہی ہے۔[2] یہ ایک فطری اصول ہے کہ کسی دعوے میں دلیل پیش کرنے کی ذمہ داری مدعی کی ہے۔ اسے بتانا چاہیے کہ اس کا دعویٰ کس بنیاد پر ہے؟ اپنا دعویٰ نہ ثابت کرنے کی صورت میں مدعا علیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ قسم دے کر اپنی صفائی پیش کرے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ

---

1 صحيح البخاري، الرهن، حديث: 2516. 2 فتح الباري: 306/5.

نے اس کی دوسری شق بیان کرنے کے لیے ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: [باب اليمين على المدعٰى عليه في الأموال والحدود] ''مالی معاملات اور حدود میں قسم دینا مدعا علیہ کے ذمہ ہے۔''

(٢) بَابٌ: إِذَا عَدَّلَ رَجُلٌ رَجُلًا فَقَالَ: لَا نَعْلَمُ إِلَّا خَيْرًا، أَوْ: مَا عَلِمْتُ إِلَّا خَيْرًا

باب: 2- اگر کوئی کسی کی صفائی دے تو یوں کہے: ہم بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتے یا مجھے تو اس کی بھلائی ہی معلوم ہے

وَسَاقَ حَدِيثَ الْإِفْكِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأُسَامَةَ حِينَ اسْتَشَارَهُ فَقَالَ: أَهْلُكَ وَلَا نَعْلَمُ إِلَّا خَيْرًا.

اس کے تحت حدیث افک بیان کی۔ نبی ﷺ نے جب اس بارے میں حضرت اسامہ ؓ سے پوچھا تو انھوں نے کہا: ان کے متعلق ہم خیر اور بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتے، بہرحال وہ آپ کی بیوی ہیں۔

وضاحت: یہ معلق روایت اسی باب میں آئندہ موصولاً بیان ہوئی ہے۔

٢٦٣٧ - حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ النُّمَيْرِيُّ: حَدَّثَنَا [يُونُسُ]. وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ وَابْنُ الْمُسَيَّبِ وَعَلْقَمَةُ بْنُ وَقَّاصٍ وَّعُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، وَبَعْضُ حَدِيثِهِمْ يُصَدِّقُ بَعْضًا حِينَ قَالَ لَهَا أَهْلُ الْإِفْكِ مَا قَالُوا، فَدَعَا رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلِيًّا وَّأُسَامَةَ حِينَ اسْتَلْبَثَ الْوَحْيُ يَسْتَأْمِرُهُمَا فِي فِرَاقِ أَهْلِهِ، فَأَمَّا أُسَامَةُ فَقَالَ: أَهْلُكَ وَلَا نَعْلَمُ إِلَّا خَيْرًا. وَقَالَتْ بَرِيرَةُ: إِنْ رَأَيْتُ عَلَيْهَا أَمْرًا أَغْمِصُهُ أَكْثَرَ مِنْ أَنَّهَا جَارِيَةٌ حَدِيثَةُ السِّنِّ تَنَامُ عَنْ عَجِينِ أَهْلِهَا، فَتَأْتِي الدَّاجِنُ فَتَأْكُلُهُ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ يَعْذِرُنَا فِي رَجُلٍ بَلَغَنِي

[2637] حضرت ابن شہاب زہری سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھے عروہ بن زبیر، سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص اور عبیداللہ بن عبداللہ نے حضرت عائشہ ؓ کے واقعے کے متعلق بتایا۔ ان کی کچھ باتیں دوسری بیان کردہ باتوں کی تصدیق کرتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جب بہتان طرازوں نے حضرت عائشہ ؓ پر تہمت لگائی تو رسول اللہ ﷺ پر وحی آنے میں کچھ دیر ہوگئی، چنانچہ آپ نے حضرت علی اور حضرت اسامہ ؓ کو اپنی اہلیہ (حضرت عائشہ ؓ) کو چھوڑنے کے متعلق مشورے کے لیے بلایا تو حضرت اسامہ ؓ نے کہا: ہم تو ان کے متعلق خیر و بھلائی کے علاوہ کچھ نہیں جانتے، بہرحال وہ آپ کی بیوی ہیں۔ حضرت بریرہ ؓ نے کہا: میں نے تو ان میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جو ان کی شان کے خلاف ہو، (زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ) وہ ایک نوخیز (اور بھولی بھالی) لڑکی ہیں، اہل خانہ کا آٹا گوندھ کر سو جاتی ہیں جسے گھر کی پالتو بکری آ کر کھا جاتی

أَذَاهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي؟ فَوَاللهِ مَا عَلِمْتُ مِنْ أَهْلِي إِلَّا خَيْرًا. وَلَقَدْ ذَكَرُوا رَجُلًا مَّا عَلِمْتُ عَلَيْهِ إِلَّا خَيْرًا». [راجع: ٢٥٩٣]

ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایسے شخص کے متعلق کون مجھ سے عذر خواہی کرے گا جو میری بیوی کے متعلق مجھے اذیت پہنچاتا ہے؟ اللہ کی قسم! میں نے اپنی بیوی کے متعلق خیر کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھا۔ اور انھوں نے اس سلسلے میں جس شخص کا ذکر کیا ہے اس میں بھی سوائے خیر کے میں اور کچھ نہیں جانتا۔''

فوائد ومسائل: ① تعدیل کے معنی ہیں کہ کسی شخص کے متعلق صفائی دی جائے، یعنی وہ عادل ہے اور گواہی دینے کے قابل ہے۔ یہ شخص کسی معاملے میں متہم نہیں اور نہ پہلے کسی جرم میں پکڑا گیا ہے۔ اس کی صفائی دینے کے متعلق اختلاف ہے کہ کس قسم کے الفاظ ادا کیے جائیں، کیا اتنا ہی کافی ہے کہ اسے ہم بھلا آدمی خیال کرتے ہیں؟ امام بخاری ؒ کا رجحان ہے کہ نیک چلن بیان کرنے کے لیے اتنے الفاظ ہی کافی ہیں جبکہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ تعدیل بیان کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت کی جائے کہ یہ عادل شخص ہے اور اس کی گواہی قبول ہے۔ اسلام نے مقدمات کا فیصلہ کرتے وقت گواہوں کے عادل اور نیک چلن ہونے پر بہت زور دیا ہے کیونکہ فیصلے کی بنیاد گواہ ہوتے ہیں۔ ان کی صفائی کا یہی طریقہ ہے کہ عدالت میں کوئی قابل اعتماد آدمی ان گواہوں کی نیک سیرتی بیان کر دے۔ دوسرا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حکومت خود گواہ کے متعلق اپنے ذرائع استعمال کرے کہ وہ کیسا آدمی ہے، پھر عدالت کو اس کے متعلق مطلع کیا جائے۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کو نیک چلن بتانے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ عمومی طور پر اس کی نیک سیرتی سے مطلع کر دیا جائے جیسا کہ حضرت اسامہ ؓ نے حضرت عائشہ ؓ کے متعلق بیان کیا تھا ویسے بھی انسان کسی کے متعلق اپنے علم کے مطابق ہی خبر دے سکتا ہے۔ حقیقت حال سے کسی کو کون مطلع کر سکتا ہے کیونکہ باطنی امور کا علم تو اللہ کے پاس ہے، اس کے سوا اور کوئی نہیں جان سکتا۔

(٣) بَابُ شَهَادَةِ الْمُخْتَبِىءِ

باب: 3- چھپ کر حالات معلوم کرنے والے کی گواہی

وَأَجَازَهُ عَمْرُو بْنُ حُرَيْثٍ قَالَ: وَكَذٰلِكَ يُفْعَلُ بِالْكَاذِبِ الْفَاجِرِ، وَقَالَ الشَّعْبِيُّ وَابْنُ سِيرِينَ وَعَطَاءٌ وَّقَتَادَةُ: اَلسَّمْعُ شَهَادَةٌ. وَكَانَ الْحَسَنُ يَقُولُ: لَمْ يُشْهِدُونِي عَلٰى شَيْءٍ وَّلٰكِنْ سَمِعْتُ كَذَا وَكَذَا.

عمرو بن حریث نے چھپ کر بات سننے یا واقعہ دیکھنے والے کی گواہی کو جائز قرار دیا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ خائن اور فاجر آدمی کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا جائے۔ امام شعبی، ابن سیرین، عطاء اور قتادہ نے کہا: سن لینا بھی گواہی ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں: لوگوں نے مجھے کسی چیز پر گواہ تو نہیں بنایا، البتہ میں نے ایسا، ایسا سنا ہے۔

وضاحت: اگر کسی نے ایک آدمی کا قرض دینا ہے، وہ بظاہر اس کا اقرار نہیں کرتا، قرض خواہ اسے کسی تنہائی کے مقام پر لے جاتا ہے جہاں ایک آدمی چھپا ہوا ہے، وہاں وہ مقروض اپنے قرض کا اقرار کرتا ہے اور چھپ کر بیٹھنے والا شخص اس اقرار کو سن لیتا ہے، ایسے شخص کی گواہی معتبر ہے یا نہیں؟ یعنی کیا شہادت میں صرف سننا کافی ہے یا جس سے سنا گیا ہو اسے دیکھنا بھی ضروری ہے؟ مصنف ابن ابی شیبہ (475/7) میں ہے کہ قاضی شریح چھپ کر بات سننے والے کی گواہی قبول نہیں کرتے تھے، البتہ عمرو بن حریث اسے جائز قرار دیتے ہیں کیونکہ خیانت پیشہ ظالم کے ساتھ یہی سلوک کیا جائے گا۔ اس کے بغیر وہ قانون کی زد میں نہیں آ سکتا۔ عمرو بن حریث کے اثر کو امام بیہقی ؒ نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے۔[1] امام شعبی ؒ وغیرہ کے آثار کے لیے دیکھیے: (تغليق التعليق، لابن حجر: 375,347/3) امام حسن بصری ؒ کے اثر کو بھی امام ابن ابی شیبہ ؒ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[2] فرماتے ہیں: اگر کوئی کسی سے بات سنے تو قاضی کے پاس آئے اور کہے کہ اگرچہ مجھے گواہ نہیں بنایا گیا، تاہم میں نے یہ سنا ہے۔ یہ تفصیل اچھی ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ﴾ ''تم گواہی مت چھپاؤ۔''[3]

٢٦٣٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: قَالَ سَالِمٌ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: اِنْطَلَقَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ الْأَنْصَارِيُّ يَؤُمَّانِ النَّخْلَ الَّتِي فِيهَا ابْنُ صَيَّادٍ، حَتَّى إِذَا دَخَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ طَفِقَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَتَّقِي بِجُذُوعِ النَّخْلِ وَهُوَ يَخْتِلُ أَنْ يَسْمَعَ مِنَ ابْنِ صَيَّادٍ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ يَرَاهُ، وَابْنُ صَيَّادٍ مُضْطَجِعٌ عَلَى فِرَاشِهِ فِي قَطِيفَةٍ لَهُ فِيهَا رَمْرَمَةٌ - أَوْ زَمْزَمَةٌ - فَرَأَتْ أُمُّ ابْنِ صَيَّادٍ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ يَتَّقِي بِجُذُوعِ النَّخْلِ، فَقَالَتْ لِابْنِ صَيَّادٍ: أَيْ صَافِ، هٰذَا مُحَمَّدٌ، فَتَنَاهَى ابْنُ صَيَّادٍ. قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَوْ تَرَكَتْهُ بَيَّنَ». [راجع: ١٣٥٥]

[2638] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابی بن کعب انصاری ؓ اس نخلستان کا قصد کر کے چلے جس میں ابن صیاد تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب باغ میں داخل ہوئے تو کھجوروں کی آڑ میں چھپ چھپ کر چلنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ اس کی کچھ باتیں اس کے دیکھنے سے پہلے سننا چاہتے تھے۔ ابن صیاد اپنے بستر پر چادر میں منہ لپیٹے لیٹا ہوا تھا اور کچھ گنگنا رہا تھا، چنانچہ نبی ﷺ درختوں کی آڑ میں آ رہے تھے کہ ابن صیاد کی ماں نے آپ کو دیکھ لیا۔ اس نے (فوراً) ابن صیاد سے کہا: اے صاف! یہ محمد (ﷺ آ رہے) ہیں۔ یہ سن کر ابن صیاد گنگناہٹ سے رک گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ اسے (اس کے حال پر) چھوڑ دیتی تو معاملہ واضح ہو جاتا۔''

فوائد و مسائل: ① جس نے چھپ کر کوئی واقعہ دیکھا یا سنا تو کیا اس کی گواہی معتبر ہو گی یا نہیں؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ جو شخص چھپ کر کسی کے حالات معلوم کرتا ہے، اس کی عدالت مجروح ہے، لہٰذا اس کی شہادت قبول نہیں ہو گی لیکن بعض

[1] السنن الكبرى للبيهقي: 251/10. [2] المصنف لابن أبي شيبة: 474/7. [3] فتح الباري: 309/5.

اوقات ایسا کرنا ضروری ہوتا ہے تاکہ حالات کا صحیح علم ہو سکے، چنانچہ ابن صیاد چھپ کر نافرمانی اور فریب کرتا تھا، ایسے لوگوں کا کسی بھی حیلے سے کلام سننا جائز ہے تاکہ پوری وضاحت کے بعد کوئی حکم لگایا جائے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے چھپ کر ابن صیاد کے حالات معلوم کرنے کا پروگرام بنایا اور اس کی گفتگو چھپ کر سنی، نیز فرمایا: "اگر اس کی ماں اسے خبردار نہ کرتی تو اس کے متعلق کئی امور کا انکشاف ہوتا۔" ② اگر چھپ کر بات سننے والے کی شہادت قبول نہ کی جائے تو سراغ رسانی کا محکمہ اور اس کی کارکردگی فضول ہوگی۔ اب تو دنیا اتنی ترقی کر گئی ہے کہ کسی مقام پر چھوٹا سا آلہ لگایا جاتا ہے جس میں اہل مجلس کی تمام گفتگو ریکارڈ ہو جاتی ہے، ایسی شہادت قبول تو ہوگی، البتہ اس پر جرح کی جاسکتی ہے تاکہ کوئی فاسق و فاجر اس سے ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکے۔ جہاں آوازوں کے اشتباہ کا اندیشہ ہو تو ایسی گواہی پر مکمل انحصار نہیں کیا جائے گا جس کی بنیاد صرف سماعت ہے۔ بہرحال ایسے معاملات میں جرح کا حق محفوظ رہنا چاہیے تاکہ حقیقت حال تک رسائی حاصل ہو سکے۔

٢٦٣٩ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: جَاءَتِ امْرَأَةُ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَنِي فَأَبَتَّ طَلَاقِي، فَتَزَوَّجْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الزَّبِيرِ، إِنَّمَا مَعَهُ مِثْلُ هُدْبَةِ الثَّوْبِ، فَقَالَ: «أَتُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ؟ لَا، حَتَّى تَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ وَيَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ»، وَأَبُو بَكْرٍ جَالِسٌ عِنْدَهُ وَخَالِدُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ بِالْبَابِ يَنْتَظِرُ أَنْ يُؤْذَنَ لَهُ، فَقَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ! أَلَا تَسْمَعُ إِلَى هٰذِهِ مَا تَجْهَرُ بِهِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ؟. [انظر: ٥٢٦٠، ٥٢٦١، ٥٢٦٥، ٥٣١٧، ٥٧٩٢، ٥٨٢٥، ٦٠٨٤]

[2639] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: حضرت رفاعہ قرظی ؓ کی بیوی نبی ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی: میں حضرت رفاعہ ؓ کے نکاح میں تھی۔ اس نے مجھے طلاق دے کر بالکل فارغ کر دیا ہے۔ اس کے بعد میں نے حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر ؓ سے نکاح کر لیا ہے۔ وہ تو یوں ہی ہے کیونکہ اس کے پاس تو کپڑے کے پھندنے کی طرح ہے (میری جنسی خواہش پوری نہیں کر سکتا)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تو رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی ہے؟ یہ نہیں ہوسکتا حتی کہ تو اس کا مزہ چکھے اور وہ تیرا مزہ چکھے۔" حضرت ابوبکر ؓ آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جبکہ خالد بن سعید بن عاص ؓ دروازے کے پاس اجازت کے منتظر تھے۔ انھوں نے کہا: ابوبکر! آپ اس عورت کی خرافات سن رہے ہیں جو نبی ﷺ کے سامنے زور زور سے کہہ رہی ہے؟

فوائد ومسائل: ① اس خاتون کا نام تمیمہ بنت وہب تھا جو پہلے حضرت رفاعہ بن سموال ؓ کے نکاح میں تھیں، انھوں نے قطعی طلاق دے کر اسے اپنی زوجیت سے فارغ کر دیا۔ اس نے دوسرا نکاح حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر ؓ سے کیا لیکن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس کے نامرد ہونے کی شکایت بڑے واشگاف اور صاف الفاظ میں کی۔ حضرت عبدالرحمٰن ؓ کو قرائن سے پتہ چلا کہ یہ میری شکایت کرے گی تو وہ اپنے دو صاحبزادوں کو ساتھ لائے جو پہلی بیوی کے بطن سے تھے اور کھلے

الفاظ میں اس کے موقف کی تردید کی۔ ② حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑے عورت کی ناشائستہ گفتگو سن رہے تھے۔ انھوں نے عورت کی محض آواز سن کر اس کا نوٹس لیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے جذبات سے آگاہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر کسی قسم کا انکار نہیں کیا، لہذا حضرت خالد رضی اللہ عنہ چھپنے والے کی طرح ہوئے جنھوں نے محض آواز سن کر گواہی دی۔ ③ دراصل وہ عورت اپنے دوسرے شوہر پر نامردی کا الزام لگا کر اس سے چھٹکارا پا کر پہلے خاوند کے پاس جانا چاہتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے ارادے کو بھانپ لیا اور فرمایا: ''ایسا نہیں ہوسکتا، تجھے اسی خاوند کے پاس رہنا ہوگا۔'' اس نے بھی عورت کی شکایت کا دوٹوک الفاظ میں دندان شکن جواب دیا، کوئی لگی لپٹی بات نہیں کی بلکہ واضح الفاظ میں عورت کے دعوے کی تردید کی۔ اس کی تفصیل ہم کتاب اللباس حدیث: 5825 کے تحت بیان کریں گے۔

(٤) بَابٌ: إِذَا شَهِدَ شَاهِدٌ، أَوْ شُهُودٌ بِشَيْءٍ، وَقَالَ آخَرُونَ: مَا عَلِمْنَا بِذٰلِكَ؛ يُحْكَمُ بِقَوْلِ مَنْ شَهِدَ

باب: 4- جب ایک یا متعدد افراد کسی چیز کی گواہی دیں اور دوسرے کہیں کہ ہمیں پتہ نہیں تو گواہی دینے والوں کے مطابق فیصلہ ہوگا

قَالَ الْحُمَيْدِيُّ. هٰذَا كَمَا أَخْبَرَ بِلَالٌ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلّٰى فِي الْكَعْبَةِ. وَقَالَ الْفَضْلُ: لَمْ يُصَلِّ، فَأَخَذَ النَّاسُ بِشَهَادَةِ بِلَالٍ. كَذٰلِكَ إِنْ شَهِدَ شَاهِدَانِ أَنَّ لِفُلَانٍ عَلٰى فُلَانٍ أَلْفَ دِرْهَمٍ وَّشَهِدَ آخَرَانِ بِأَلْفٍ وَّخَمْسِمِائَةٍ يُقْضٰى بِالزِّيَادَةِ.

امام حمیدی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ یہ ایسا معاملہ ہے جیسا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے متعلق کہا تھا کہ آپ نے خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھی اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نہیں پڑھی تو لوگوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی گواہی کو قبول کیا۔ اسی طرح اگر دو گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں شخص کا فلاں پر ایک ہزار درہم قرض ہے اور دوسرے دو گواہوں نے ڈیڑھ ہزار کی گواہی دی تو اضافے کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

وضاحت: کچھ لوگوں نے ایک حادثے کی گواہی دی، دوسرے لوگوں نے کہا: ہمیں تو اس کا علم نہیں تو حادثے کے واقع ہونے کی گواہی دینے والوں کے قول کے مطابق فیصلہ ہوگا کیونکہ اثبات کو نفی پر ترجیح ہوتی ہے۔ اس قاعدے کو امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الزکاۃ، باب العشر...... میں بھی بیان کیا ہے۔ (حدیث: 1483)

٢٦٤٠ - حَدَّثَنَا حِبَّانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ: أَنَّهُ تَزَوَّجَ ابْنَةً لِّأَبِي إِهَابِ بْنِ عَزِيزٍ

[2640] حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے ابواہاب بن عزیز کی دختر سے نکاح کیا تو اس کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی: میں نے عقبہ اور اس کی منکوحہ (دونوں) کو دودھ پلایا ہے۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ: قَدْ أَرْضَعْتُ عُقْبَةَ وَالَّتِي تَزَوَّجَ، فَقَالَ لَهَا عُقْبَةُ: مَا أَعْلَمُ أَنَّكِ أَرْضَعْتِنِي وَلَا أَخْبَرْتِنِي، فَأَرْسَلَ إِلَى آلِ أَبِي إِهَابٍ يَسْأَلُهُمْ، فَقَالُوا: مَا عَلِمْنَاهُ أَرْضَعَتْ صَاحِبَتَنَا، فَرَكِبَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِالْمَدِينَةِ فَسَأَلَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ؟» فَفَارَقَهَا وَنَكَحَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ. [راجع: ۸۸]

مجھے معلوم نہیں کہ تو نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ تم نے (اس سے پہلے) مجھے خبر ہی دی ہے۔ پھر انھوں نے ابواہاب کے خاندان کی طرف صورت حال کی وضاحت کے لیے پیغام بھیجا تو انھوں نے لاعلمی کا اظہار کیا کہ اس عورت نے ہماری بچی کو دودھ پلایا ہو۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سوار ہو کر مدینہ طیبہ میں نبی ﷺ سے مسئلہ دریافت کرنے کے لیے حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اب تم اسے کیسے رکھ سکتے ہو جبکہ (رضاعت کی) بات کہی جا چکی ہے۔'' چنانچہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے اس خاتون سے علیحدگی اختیار کر لی اور اس نے کسی اور سے نکاح کر لیا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کے مطابق دودھ پلانے والی عورت نے رضاعت کو ثابت کیا، لیکن حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کے اہل خانہ نے اس کی نفی کی۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب معاملہ گیا تو آپ نے اس عورت کی بات کا اعتبار کیا اور حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو بیوی سے علیحدہ ہو جانے کا حکم دیا۔ ② یہ حکم وجوب کے لیے تھا یا احتیاط اور تقویٰ کے اعتبار سے، بہرحال رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کی گواہی قبول فرمائی۔ معلوم ہوا کہ گواہی کے موقع پر اثبات نفی پر مقدم ہے۔ ③ دودھ کے متعلق دیگر مسائل واحکام ہم آئندہ کتاب النکاح میں بیان کریں گے، نیز معلوم ہوا کہ جہاں حلت وحرمت کا مسئلہ ہو وہاں احتیاط کا تقاضا ہے کہ وہ چیز اختیار کی جائے جو شک وشبہ سے بالا ہو اور جو چیز شک پیدا کرتی ہو اسے ترک کر دیا جائے۔ مذکورہ واقعہ میں احتیاط کا تقاضا یہی تھا کہ حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کو چھوڑ دیتے۔ واللہ أعلم.

(٥) بَابُ الشُّهَدَاءِ الْعُدُولِ

باب: 5- گواہوں کے عادل ہونے کا بیان

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ﴾ [الطلاق: ٢] وَ﴿مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ﴾ [البقرة: ٢٨٢].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اپنے میں سے دو معتبر آدمیوں کو گواہ کر لو۔'' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جن گواہوں کو تم پسند کرتے ہو۔''

وضاحت: عادل گواہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آدمی معقول اور سنجیدہ ہو، نیز مسلم معاشرے میں لوگوں کے ہاں اس کی اچھی شہرت ہو۔ کم از کم وہ برے کام نہ کرتا ہو اور نہ پیشہ وارانہ گواہی دینے کا عادی ہی ہو۔ عدول کی شرائط میں مسلمان ہونا اور مسلمانوں کے ہاں پسندیدہ ہونا بھی ضروری ہے۔ ان دو آیتوں میں گواہوں کے عادل ہونے اور عدالت کی شرائط کو بیان کیا گیا ہے۔

٢٦٤١ - حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُتْبَةَ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: إِنَّ أُنَاسًا كَانُوا يُؤْخَذُونَ بِالْوَحْيِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَإِنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ، وَإِنَّمَا نَأْخُذُكُمُ الْآنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ أَعْمَالِكُمْ، فَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا أَمِنَّاهُ وَقَرَّبْنَاهُ، وَلَيْسَ إِلَيْنَا مِنْ سَرِيرَتِهِ شَيْءٌ، اَللهُ يُحَاسِبُ فِي سَرِيرَتِهِ، وَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا سُوءًا لَّمْ نَأْمَنْهُ وَلَمْ نُصَدِّقْهُ، وَإِنْ قَالَ: إِنَّ سَرِيرَتَهُ حَسَنَةٌ.

[2641] حضرت عبداللہ بن عتبہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت عمر بن خطاب ؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں لوگوں سے وحی کی بنیاد پر بازپرس ہوتی تھی۔ اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے، لہٰذا اب ہم تمھارا مؤاخذہ تمھارے ظاہری اعمال پر کریں گے۔ جو کوئی بظاہر اچھا کام کرے گا، ہم اس پر اعتماد کریں گے اور اپنا ساتھی بنائیں گے۔ ہمیں اس کی دل کی بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی کیونکہ دل کی باتوں کا اللہ تعالیٰ محاسبہ کرنے والا ہے۔ اور جس نے بظاہر کوئی برا کام کیا تو ہم اس پر نہ بھروسا کریں گے اور نہ اسے سچا ہی قرار دیں گے اگرچہ وہ دعویٰ کرے کہ اس کا باطن عمدہ اور اچھا ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ قبول شہادت کے لیے عدالت شرط ہے، البتہ صفتِ عدالت میں اختلاف ہے۔ امام بخاری ؒ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ عدالت میں انسان کے ظاہر کو دیکھا جائے گا بشرطیکہ اس کا کوئی عیب مشہور نہ ہو، باطنی معاملات پر عدالت کا دارو مدار ہرگز نہیں۔ اس سلسلے میں جمہور اہل علم کا موقف ہے کہ عدالت، اسلام کے علاوہ ایک سے زائد صفات کا نام ہے، یعنی وہ شرعی احکام کا پابند ہو، مستحبات پر عمل کرنے والا ہو، نیز شریعت کے ناپسندیدہ اور حرام کاموں سے بچنے والا ہو۔ ② ہمارے رجحان کے مطابق ایک مسلمان کے لیے عدالت کی یہ شرط کافی ہے کہ اس کے ظاہر کو دیکھا جائے اس کے باطن کی کھوج نہ لگائی جائے۔ ③ حضرت مالک بن دخیشن ؓ کا ظاہری چال چلن نفاق پر مبنی تھا لیکن وحی نے ان کے ظاہر کی تردید کر کے ان کے ایمان کی تصدیق کر دی۔ اب وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے، اس لیے فیصلہ کرتے وقت ظاہر کو دیکھا جائے گا۔ گواہ بظاہر اچھا ہے تو اس کے بیان کو تسلیم کیا جائے گا اور اگر ظاہر میں برا ہے تو اس کی گواہی رد کر دی جائے گی۔

(٦) بَابُ تَعْدِيلِ كَمْ يَجُوزُ؟

باب: 6- نیک سیرتی کے لیے کتنے لوگوں کی گواہی درکار ہے؟

وضاحت: کسی کی نیک سیرتی بیان کرنا تعدیل اور بدچلنی نمایاں کرنا جرح کہلاتا ہے۔ کیا کسی کی جرح و تعدیل کے لیے تعدادِ اشخاص کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ امام بخاری ؒ نے اس سلسلے میں کوئی وضاحت نہیں کی۔ امام مالک اور امام شافعی ؒ کا موقف ہے کہ جرح و تعدیل کے لیے کم از کم دو آدمیوں کی گواہی ضروری ہے جبکہ امام ابوحنیفہ ؒ کہتے ہیں: اس کے لیے ایک

آدمی کی گواہی کافی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ آئندہ وہ ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کریں گے: [إذا زكّٰى رجل رجلا كفاه] ”تزکیے کے لیے ایک آدمی کی گواہی کافی ہے۔“[1]

٢٦٤٢ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: مُرَّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ بِجَنَازَةٍ فَأَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْرًا، فَقَالَ: «وَجَبَتْ». ثُمَّ مُرَّ بِأُخْرٰى فَأَثْنَوْا عَلَيْهَا شَرًّا - أَوْ قَالَ: غَيْرَ ذٰلِكَ - فَقَالَ: «وَجَبَتْ». فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ! قُلْتَ لِهٰذَا: «وَجَبَتْ» وَلِهٰذَا: «وَجَبَتْ»، قَالَ: «شَهَادَةُ الْقَوْمِ، الْمُؤْمِنُونَ شُهَدَاءُ اللهِ فِي الْأَرْضِ». [راجع: ١٣٦٧]

[2642] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو لوگوں نے اس کی تعریف کی۔ آپ نے فرمایا: ”واجب ہوگئی۔“ پھر دوسرا جنازہ گزرا تو لوگوں نے اس کی برائی بیان کی یا اس کے علاوہ کچھ اور کہا تو آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ”واجب ہو گئی۔“ آپ سے عرض کیا گیا: اللہ کے رسول! آپ نے اس کے لیے بھی فرمایا: ”واجب ہوگئی۔“ اور اُس کے لیے بھی فرمایا: ”واجب ہوگئی۔“ آپ نے فرمایا: ”اس کا مقصد لوگوں کی گواہی کا واجب ہونا ہے کیونکہ اہل ایمان زمین پر اللہ کے گواہ ہیں۔“

فوائد و مسائل: ① پہلے جنازے کے متعلق لوگوں کی زبان پر کلمۂ خیر تھا کہ اچھا آدمی تھا، کسی سے ظلم و زیادتی نہیں کرتا تھا جبکہ دوسرے جنازے کے متعلق لوگوں کا تبصرہ اچھا نہیں تھا کہ یہ معاشرے کا برا فرد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دونوں قسم کے تبصرے سن کر فرمایا تھا: ”واجب ہوگئی“ یعنی نیک آدمی کے لیے جنت اور برے کے لیے جہنم واجب ہوگئی، پھر آپ نے وضاحت فرمائی: ”امتِ مسلمہ کے افراد زمین پر اللہ کی گواہی دینے والے ہیں۔“ اگر ان کا اجتماعی فیصلہ کسی کے اچھے یا برے ہونے سے متعلق ہے تو حقیقت میں وہی اللہ کا فیصلہ ہے۔ ② یہ فیصلہ ان لوگوں کا معتبر ہوگا جو اس زمین میں شریعت کے تقاضوں کو سمجھنے اور پورا کرنے والے ہوں۔ چوروں، ڈاکوؤں اور لٹیروں کے فیصلے کا اعتبار نہیں ہوگا۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ کسی شخص کی نیک سیرتی بیان کرنے میں رائے عامہ کو بہت دخل ہے جیسا کہ اس حدیث میں رائے عامہ کی تصدیق کی گئی ہے۔ واللہ أعلم۔

٢٦٤٣ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ أَبِي الْفُرَاتِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ قَالَ: أَتَيْتُ الْمَدِينَةَ وَقَدْ وَقَعَ بِهَا مَرَضٌ وَهُمْ يَمُوتُونَ مَوْتًا ذَرِيعًا فَجَلَسْتُ إِلٰى عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَمَرَّتْ جَنَازَةٌ فَأُثْنِيَ خَيْرًا، فَقَالَ عُمَرُ: وَجَبَتْ، ثُمَّ مُرَّ بِأُخْرٰى

[2643] حضرت ابوالاسود سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایک دفعہ مدینہ طیبہ آیا تو وہاں ایک وبائی مرض پھیلا ہوا تھا جس میں لوگ بڑی تیزی سے فوت ہو رہے تھے۔ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک جنازہ گزرا۔ اس کی تعریف کی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: واجب ہوگئی۔ پھر دوسرا جنازہ گزرا، اس کی بھی تعریف

[1] صحيح البخاري، الشهادات، باب: 16.

فَأُثْنِيَ خَيْرًا فَقَالَ: وَجَبَتْ. ثُمَّ مُرَّ بِالثَّالِثِ فَأُثْنِيَ شَرًّا فَقَالَ: وَجَبَتْ، فَقُلْتُ: مَا وَجَبَتْ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ؟ قَالَ: قُلْتُ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَيُّمَا مُسْلِمٍ شَهِدَ لَهُ أَرْبَعَةٌ بِخَيْرٍ أَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ». قُلْنَا: وَثَلَاثَةٌ؟ قَالَ: «وَثَلَاثَةٌ»، قُلْنَا: وَاثْنَانِ؟ قَالَ: «وَاثْنَانِ»، ثُمَّ لَمْ نَسْأَلْهُ عَنِ الْوَاحِدِ. [راجع: ١٣٦٨]

کی گئی تو اس کے متعلق بھی حضرت عمر ؓ نے فرمایا: واجب ہوگئی۔ پھر تیسرا جنازہ نکلا اور اس کی برائی بیان کی گئی تو سیدنا عمر ؓ نے فرمایا: واجب ہوگئی۔ میں نے عرض کیا: امیر المومنین! کیا چیز واجب ہوگئی؟ انھوں نے فرمایا: میں نے وہی کہا جو نبی ﷺ نے فرمایا تھا: ''جس مسلمان کے لیے چار آدمی اس کی نیک سیرتی کی گواہی دیں اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔'' ہم نے عرض کیا: اگر تین آدمی گواہی دیں تو؟ فرمایا: ''تین بھی۔'' ہم نے عرض کیا: اگر صرف دو آدمی گواہی دیں تو؟ آپ نے فرمایا: ''دو دیں تب بھی۔'' پھر ہم نے یہ نہ پوچھا کہ اگر ایک شخص گواہی دے تو کیا ہوگا؟

فائدہ: اس حدیث میں حضرت عمر ؓ نے رسول اللہ ﷺ کی بیان کی ہوئی بات کو دہرایا ہے، البتہ اس حدیث میں اچھے یا برے ہونے کی گواہی دینے والوں کی تعداد کا بیان ہے کہ اگر دو اہل ایمان بھی کسی کے متعلق گواہی دیں تو اسے تسلیم کیا جائے گا، اس لیے معلوم ہوا کہ تعدیل (نیک سیرتی بیان کرنے) کے لیے کم از کم دو آدمیوں کی گواہی کافی ہے، البتہ گواہی دینے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اچھے کردار اور مثالی عقائد ونظریات کے حامل ہوں۔ امام بخاری ؒ کے دوسرے عنوانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تزکیے کے لیے ایک آدمی کی گواہی کو کافی سمجھتے ہیں۔ واللہ أعلم.

(٧) بَابُ الشَّهَادَةِ عَلَى الْأَنْسَابِ وَالرَّضَاعِ الْمُسْتَفِيضِ وَالْمَوْتِ الْقَدِيمِ، وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَرْضَعَتْنِي وَأَبَا سَلَمَةَ ثُوَيْبَةُ»، وَالتَّثَبُّتِ فِيهِ.

باب: 7- نسب، مشہور رضاعت اور عرصۂ دراز پہلے کی وفات پر گواہی اور اس (رضاعت) میں احتیاط کا بیان

نبی ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اور ابوسلمہ کو ثویبہ نے دودھ پلایا تھا۔''

وضاحت: اس عنوان کا مطلب یہ ہے کہ مشہور ومعروف ہونے کی وجہ سے مذکورہ چیزوں کے متعلق گواہی دینا درست ہے اگرچہ گواہی دینے والے نے بچشم خود ان واقعات کو نہ دیکھا ہو۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی کو خود امام بخاری ؒ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1]

٢٦٤٤ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: أَخْبَرَنَا

[2644] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے

[1] صحيح البخاري، النكاح، حديث: 5101.

الْحَكَمُ عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: اِسْتَأْذَنَ عَلَيَّ أَفْلَحُ فَلَمْ آذَنْ لَهُ، فَقَالَ: أَتَحْتَجِبِينَ مِنِّي وَأَنَا عَمُّكِ؟ فَقُلْتُ: وَكَيْفَ ذٰلِكَ؟ فَقَالَ: أَرْضَعَتْكِ امْرَأَةُ أَخِي بِلَبَنِ أَخِي، فَقَالَتْ: سَأَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «صَدَقَ أَفْلَحُ، ائْذَنِي لَهُ». [انظر: ٤٧٩٦، ٥١٠٣، ٥١١١، ٥٢٣٩، ٦١٥٦]

فرمایا: حضرت افلح رضی اللہ عنہ نے مجھ سے اندر آنے کی اجازت مانگی تو میں نے اسے اجازت نہ دی۔ وہ کہنے لگے: تم مجھ سے پردہ کرتی ہو، حالانکہ میں تو تمھارا چچا ہوں۔ میں نے کہا: وہ کیسے؟ انھوں نے کہا: میرے بھائی کی بیوی نے تمھیں دودھ پلایا ہے، وہ دودھ میرے بھائی کی وجہ سے تھا۔ حضرت عائشہ نے کہا: میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا: ''افلح سچ کہتا ہے، (اسے اندر آنے کی) اجازت دو۔''

فوائد و مسائل: ① عرب معاشرے میں رضاعت کو بہت اہمیت دی جاتی تھی۔ اسلامی شریعت نے اسے برقرار رکھا۔ محرمات نکاح میں اس کا عمل دخل تسلیم کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہ رضاعت کے تعلق کی وجہ سے بھی حرام ہو جاتے ہیں، اسی طرح جو رشتے نسب کے باعث محرم ہیں وہ رضاعت کے تعلق سے بھی محرم بن جاتے ہیں۔'' حضرت افلح رضی اللہ عنہ بھی اسی تعلق کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے چچا تھے۔ اس سلسلے میں مشہور ہونے کی وجہ سے صرف اکیلے افلح کے کہنے کا اعتبار کر لیا گیا۔ ② رضاعت جو زمانۂ جاہلیت میں تھی اور وہاں کے لوگوں میں مشہور تھا کہ فلاں نے فلاں کا دودھ پیا ہے تو اس قسم کی رضاعت پر شرعی احکام جاری ہوئے۔ ③ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محرم کو بھی اندر آنے کے لیے اجازت لینا ضروری ہے کیونکہ شاید محرمہ ایسی حالت میں ہو کہ محرم کو دیکھنا ایسی حالت میں جائز نہ ہو۔

٢٦٤٥ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فِي بِنْتِ حَمْزَةَ: «لَا تَحِلُّ لِي، يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ، هِيَ ابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ». [انظر: ٥١٠٠]

[2645] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کے متعلق فرمایا: ''اس سے نکاح کرنا میرے لیے جائز نہیں کیونکہ جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں وہ دودھ کی وجہ سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔ یہ لڑکی تو میری رضاعی بھتیجی ہے۔''

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بچپن میں ابولہب کی لونڈی ثویبہ کا دودھ پیا تھا، اس لیے نسب کے اعتبار سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ کے چچا تھے لیکن رضاعت کے لحاظ سے آپ کے بھائی تھے، اس لیے رضاعی بھتیجی سے نکاح جائز نہیں۔ ② واضح رہے کہ دودھ پلانے والی عورت اور اس کے محارم کا نکاح دودھ پینے والے سے جائز نہیں جیسا کہ نسب میں ماں اور اس کے محارم سے نکاح جائز نہیں۔ بچے کی طرف سے یہ عموم نہیں ہے کیونکہ اگر کسی عورت نے کسی بچے کو دودھ پلایا ہے تو

بلاشبہ وہ اس کی ماں بن جاتی ہے لیکن بچے کے باپ کے لیے اس سے نکاح کرنا جائز ہے، نیز چار رشتے ایسے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں لیکن رضاعت کی وجہ سے حرام نہیں ہوتے جن کی تفصیل ہم کتاب النکاح میں ذکر کریں گے۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جو واقعات شہرت پا جائیں، ان سے حکم ثابت کیا جا سکتا ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے دودھ کے متعلق خبر دی کہ میں نے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ثویبہ کا دودھ پیا ہے۔ اس کی بنیاد بھی لوگوں میں شہرت تھی۔ واللّٰه أعلم.

٢٦٤٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ عِنْدَهَا وَأَنَّهَا سَمِعَتْ صَوْتَ رَجُلٍ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِ حَفْصَةَ، قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أُرَاهُ فُلَانًا، لِعَمِّ حَفْصَةَ مِنَ الرَّضَاعَةِ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: يَا رَسُولَ اللهِ! هٰذَا رَجُلٌ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِكَ، قَالَتْ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أُرَاهُ فُلَانًا»، لِعَمِّ حَفْصَةَ مِنَ الرَّضَاعِ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: لَوْ كَانَ فُلَانٌ حَيًّا - لِعَمِّهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ - دَخَلَ عَلَيَّ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «نَعَمْ، إِنَّ الرَّضَاعَةَ يَحْرُمُ مِنْهَا مَا يَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ». [انظر: ٣١٠٥، ٥٠٩٩]

[2646] ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ ان کے پاس موجود تھے کہ اس دوران میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک شخص کی آواز سنی جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر داخل ہونے کی اجازت مانگ رہا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے خیال کے مطابق یہ فلاں شخص ہے جو دودھ کے رشتے سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا چچا ہے۔ اللہ کے رسول! یہ شخص آپ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت مانگ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں سمجھتا ہوں کہ یہ فلاں شخص ہے'' جو حفصہ رضی اللہ عنہا کا رضاعی چچا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اگر فلاں شخص، جو میرا رضاعی چچا تھا، آج زندہ ہوتا تو وہ میرے گھر میں بھی داخل ہو سکتا تھا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، جو رشتے نسب کی وجہ سے محرم ہوتے ہیں وہ دودھ کے باعث بھی محرم بن جاتے ہیں۔''

فوائد ومسائل: ① حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دو رضاعی چچا تھے: ایک ابوالقعیس جنھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دودھ پیا تھا اور وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی تھے۔ اس نسبت سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا ہوئے۔ اس حدیث کے مطابق وہ فوت ہو چکے تھے، دوسرے افلح نامی چچا تھے جو ابوالقعیس کے بھائی تھے۔ وہ اس وقت زندہ تھے جس کا ذکر حدیث: 2644 میں آیا ہے اور ان کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گفتگو بھی ہوئی۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رضاعی چچا محرم ہے اور اس سے نکاح جائز نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ مشہور رشتوں کے لیے گواہی کی ضرورت نہیں، البتہ اس سلسلے میں تحقیق ضرور کر لینی چاہیے۔

٢٦٤٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ

[2647] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے

عَنْ أَشْعَثَ بْنِ أَبِي الشَّعْثَاءِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَسْرُوقٍ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ وَعِنْدِي رَجُلٌ فَقَالَ: «يَا عَائِشَةُ! مَنْ هٰذَا؟» قُلْتُ: أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ، قَالَ: «يَا عَائِشَةُ! أُنْظُرْنَ مَنْ إِخْوَانُكُنَّ، فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ».

فرمایا: نبی ﷺ میرے گھر تشریف لائے تو ایک شخص میرے پاس بیٹھا تھا۔ آپ نے دریافت کیا: ''عائشہ! یہ کون ہے؟'' میں نے عرض کیا: یہ میرا رضاعی بھائی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''عائشہ! ذرا اپنے رضاعی بھائی کے بارے میں غور وفکر کرلیا کرو کیونکہ اس رضاعت کا اعتبار ہے جس میں دودھ بھوک کی وجہ سے پیا جائے۔''

تَابَعَهُ ابْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ. [٥١٠٢]

ابن مہدی نے سفیان سے روایت کرنے میں محمد بن کثیر کی متابعت کی ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ دودھ کا رشتہ غور وفکر کا تقاضا کرتا ہے کہ جو لڑکی کسی کا دودھ پی لے تو اس کا بیٹا اس کا بھائی نہیں بن جاتا بلکہ رضاعت اس عمر میں ثابت ہوگی جب بچہ دودھ کے علاوہ اور کوئی چیز استعمال نہ کرتا ہو، پھر دیگر احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ کم از کم پانچ مرتبہ دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے۔ اگر کسی عورت نے یونہی روتے ہوئے بچے کو چپ کرانے کے لیے اپنی چھاتی اس کے منہ میں دے دی تو اس سے رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ بہرحال ان احادیث کو پیش کرنے سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ نسب، رضاعت اور موت قدیم شہرت سے ثابت ہوں گی۔ انھیں ثابت کرنے کے لیے گواہی کی ضرورت نہیں ہے۔ ② ان احادیث سے نسب اور رضاعت کا ثبوت ملتا ہے اور موت قدیم کا ثبوت بحکم الحاق ثابت ہوتا ہے۔ ان احادیث میں بیان کی جانے والی رضاعت کو شہرت کی بنیاد پر تسلیم کیا گیا ہے۔ ③ واضح رہے کہ عنوان میں موت قدیم کا ذکر ہے کیونکہ تازہ موت شہرت سے ثابت نہیں ہوگی۔ اس کے لیے شہادت ضروری ہے کیونکہ ہمارے معاشرے میں کچھ لوگ اپنی بہنوں کو وراثت سے محروم کرنے کے لیے پٹواری کے کاغذات میں انھیں مردہ ظاہر کر دیتے ہیں، حالانکہ وہ زندہ ہوتی ہیں، اس لیے عنوان میں موتِ قدیم کا ذکر ہے۔

(٨) بَابُ شَهَادَةِ الْقَاذِفِ وَالسَّارِقِ وَالزَّانِي

باب: 8- تہمت لگانے والے، چور اور زانی کی شہادت کا بیان

وَقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا﴾ [النور: ٤، ٥]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ایسے تہمت لگانے والوں کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ تو بدکار ہیں مگر وہ لوگ جو توبہ کرلیں اور (اپنی) اصلاح کرلیں۔''

وَجَلَدَ عُمَرُ أَبَا بَكْرَةَ وَشِبْلَ بْنَ مَعْبَدٍ وَنَافِعًا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ، شبل بن معبد اور

سے تین نے زنا کی گواہی دی، البتہ زیاد نے کہا کہ میں نے برا منظر ضرور دیکھا ہے لیکن زنا کا مجھے علم نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصابِ شہادت نامکمل ہونے کی وجہ سے تین حضرات پر حد قذف نافذ کی، پھر ان سے توبہ کا مطالبہ کیا اور فرمایا: تم میں سے اگر کوئی توبہ کر لے تو میں اس کی گواہی قبول کر لوں گا۔[1] اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے گیارہ حضرات کا ذکر کیا ہے جنھوں نے تہمت کی گواہی قبول کی جبکہ اس نے توبہ کر لی تھی۔ ان آثار میں سے بیشتر ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر "طبری" میں موصولاً ذکر کیے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے "بعض الناس" پر تین طرح سے رَد کیا ہے کہ ان کے کلام میں تضاد ہے: ○ یہ لوگ تہمت لگانے والے کی گواہی قبول نہیں کرتے حالانکہ ان کے نزدیک نکاح میں تہمت لگانے والے کی گواہی صحیح ہے، یعنی اس کی گواہی سے نکاح کو صحیح کہتے ہیں۔ ○ یہ لوگ تہمت لگانے والے کی گواہی کو جائز نہیں سمجھتے، حالانکہ نکاح میں اسے درست سمجھتے ہیں، پھر غلام کی گواہی نکاح میں بھی ان کے ہاں جائز نہیں، حالانکہ تہمت لگانے والا اور غلام دونوں ان کے ہاں گواہی میں ناقص ہیں۔ ○ یہ لوگ تہمت لگانے والے اور غلام کی گواہی کو جائز خیال نہیں کرتے، حالانکہ رمضان المبارک کے چاند میں ان کی گواہی تسلیم کرتے ہیں، الغرض یہ لوگ گواہی میں فرق کرتے ہیں۔ آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے تہمت لگانے والے کی توبہ کے متعلق ذکر کیا ہے کہ اس کی توبہ کیسے قبول ہوگی۔ چونکہ اس میں اختلاف تھا، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا حکم واضح طور پر ذکر نہیں کیا۔ کچھ حضرات کا موقف ہے کہ وہ اپنے آپ کو جھوٹا کہے اور اپنے جھوٹ کا واضح طور پر اقرار کرے جبکہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ وہ بکثرت نیک کام کرے، البتہ اپنے آپ کو جھوٹا کہنا توبہ کے لیے شرط نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ وہ صرف اسی واقعہ میں جھوٹا ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ انھوں نے بطور دلیل رسول اللہ ﷺ کا عمل پیش کیا ہے کہ آپ نے زانی کو وطن سے نکال دیا لیکن یہ کہیں منقول نہیں کہ آپ نے اسے کسی زائد امر کا حکم دیا ہو، نیز کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے پچاس دن تک بائیکاٹ کیا اس کے علاوہ اور کسی بات کا ذکر احادیث میں نہیں ملتا۔ الغرض رسول اللہ ﷺ نے زانی اور غزوۂ تبوک سے پیچھے رہنے والوں کے لیے جلا وطنی اور بائیکاٹ کے بعد کسی اور چیز کو ضروری قرار نہیں دیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: احناف تہمت لگانے والے کی گواہی قبول نہیں کرتے اگرچہ اس نے توبہ کر لی ہو۔ اس کے متعلق انھوں نے چند احادیث سے بھی استدلال کیا ہے مگر حفاظ حدیث کہتے ہیں: ان میں سے کوئی حدیث صحیح نہیں۔ سب سے زیادہ مشہور حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "خیانت پیشہ مرد اور عورت، نیز جسے حد لگ چکی ہو اس کی گواہی قبول نہیں ہے۔"[2] امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے متعلق فرمایا ہے: مذکورہ حدیث صحیح نہیں۔ امام ابوزرعہ نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے۔[3]

٢٦٤٨ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ. وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ امْرَأَةً سَرَقَتْ فِي غَزْوَةِ الْفَتْحِ فَأُتِيَ بِهَا

[2648] حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ ایک عورت نے فتح مکہ کے موقع پر چوری کی تو اسے رسول اللہ ﷺ کے حضور پیش کیا گیا، چنانچہ آپ کے حکم پر اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ ام المومنین حضرت عائشہ

① تفسير الطبري: 94/18. ② جامع الترمذي، الشهادات، حديث: 2298. ③ فتح الباري: 317/5.

رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَقُطِعَتْ يَدُهَا ، قَالَتْ عَائِشَةُ : فَحَسُنَتْ تَوْبَتُهَا وَتَزَوَّجَتْ وَكَانَتْ تَأْتِي بَعْدَ ذٰلِكَ فَأَرْفَعُ حَاجَتَهَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ.

[انظر : ٣٤٧٥، ٣٧٣٢، ٣٧٣٣، ٤٣٠٤، ٦٧٨٧، ٦٧٨٨، ٦٨٠٠]

ؓ کے بیان کے مطابق اس عورت نے اچھی توبہ کی۔ پھر اس نے نکاح کر لیا۔ اس کے بعد وہ میرے پاس آیا کرتی تھی تو میں اس کی ضرورت رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دیتی تھی۔

فوائد ومسائل: ① اس عورت کا نام فاطمہ بنت اسود تھا جو قریش کے ایک بااثر قبیلے بنو مخزوم سے تعلق رکھتی تھی۔ ② چوری کرنے سے انسان کی ظاہری حیثیت مجروح ہو جاتی ہے اور وہ گواہی دینے کے قابل نہیں رہتا، لیکن چور جب توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے تو اس سے چوری کا دھبا دور ہو جاتا ہے، پھر اس کی گواہی مسترد نہیں کی جاتی۔ امام بخاری ؒ نے تہمت لگانے والے کو چور سے ملایا ہے کیونکہ ان کے نزدیک دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ ③ امام طحاوی ؒ نے لکھا ہے: چور جب چوری کے بعد توبہ کر لے تو اس کی گواہی قبول کرنے پر علماء کا اتفاق ہے، نیز چور کا ہاتھ کاٹ دینا ہی اس کی توبہ ہے۔ جب ہاتھ کٹ گیا تو معلوم ہوا کہ اس کی توبہ قبول ہوئی، لہٰذا گواہی بھی قبول ہوگی۔ واللہ أعلم.

٢٦٤٩ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ: أَنَّهُ أَمَرَ فِيمَنْ زَنٰى وَلَمْ يُحْصِنْ بِجَلْدِ مِائَةٍ وَّتَغْرِيبِ عَامٍ. [راجع: ٢٣١٤]

[2649] حضرت زید بن خالد ؓ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے غیر شادی شدہ زانی کے متعلق سو کوڑے لگانے اور ایک سال تک ملک بدر کرنے کا حکم دیا۔

فوائد ومسائل: ① زنا کرنے سے بھی انسان کی عدالت مجروح ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ گواہی کے قابل نہیں رہتا۔ جب اس پر گناہ کی حد لگ جائے تو یہ اس جرم کا کفارہ ہے اور وہ گواہی کے قابل ہو جاتا ہے۔ ② عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زانی پر صرف حد لگائی ہے کہ اسے سو کوڑے مارے ہیں اور ایک سال کے لیے وطن سے نکال دیا۔ اس کے علاوہ علیحدہ طور پر توبہ وغیرہ کا ذکر احادیث میں منقول نہیں۔ معلوم ہوا کہ ایک سال تک جلا وطن رہنا ہی اس کی توبہ ہے۔ جلاوطن کرنے کا اصل مقصد اس شخص کو ایک سال کے لیے ماحول سے کاٹ دینا ہے، سزا بھگتنے کے بعد اس کی گواہی قبول ہوگی۔

(٩) بَابٌ : لَا يَشْهَدُ عَلٰى شَهَادَةِ جَوْرٍ إِذَا أُشْهِدَ

باب: 9- جب کسی کو ظلم کی گواہی دینے کے لیے کہا جائے تو وہ گواہی نہ دے

٢٦٥٠ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ :

[2650] حضرت نعمان بن بشیر ؓ سے روایت ہے،

أَخْبَرَنَا أَبُو حَيَّانَ التَّيْمِيُّ عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَأَلَتْ أُمِّي أَبِي بَعْضَ الْمَوْهِبَةِ لِي مِنْ مَالِهِ، ثُمَّ بَدَا لَهُ فَوَهَبَهَا لِي فَقَالَتْ: لَا أَرْضَى حَتَّى تُشْهِدَ النَّبِيَّ ﷺ، فَأَخَذَ بِيَدِي وَأَنَا غُلَامٌ فَأَتَى بِيَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: إِنَّ أُمَّهُ بِنْتَ رَوَاحَةَ سَأَلَتْنِي بَعْضَ الْمَوْهِبَةِ لِهٰذَا، قَالَ: «أَلَكَ وَلَدٌ سِوَاهُ؟»، قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَأُرَاهُ قَالَ: «لَا تُشْهِدْنِي عَلَى جَوْرٍ».

انھوں نے کہا: میری والدہ نے میرے باپ سے میرے لیے کچھ مال ہبہ کرنے کا مطالبہ کیا۔ والد نے کچھ سوچ و بچار کے بعد اسے میرے لیے کچھ مال دے دیا۔ پھر والدہ نے کہا: جب تک نبی ﷺ کو اس بات پر گواہ نہ کرلو میں راضی نہیں، چنانچہ میرے والد نے میرا ہاتھ پکڑا کیونکہ میں اس وقت کمسن بچہ تھا، اور مجھے نبی ﷺ کے پاس لے آئے اور عرض کیا: اس لڑکے کی ماں بنت رواحہ نے اس کے لیے مجھ سے ہبہ کا مطالبہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا اس کے علاوہ تمھاری اور اولاد بھی ہے؟'' انھوں نے عرض کیا: جی ہاں! حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرے خیال کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اس ظلم پر گواہ نہ بناؤ۔''

وَقَالَ أَبُو حَرِيزٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ: «لَا أَشْهَدُ عَلَى جَوْرٍ». [راجع: ٢٥٨٦]

ابوحریز کی شعبی سے بیان کردہ روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔''

فوائد و مسائل: ① بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک انسان دوسرے پر ظلم کرتا ہے یا کسی کا حق مارتا ہے، پھر وہ اپنی زیادتی پر کسی کی تائید بھی حاصل کرنا چاہتا ہے، کچھ احباب اس مقصد کے لیے تیار بھی ہو جاتے ہیں۔ ایسا کرنا خود ایک زیادتی اور جرم میں شریک ہونے کے مترادف ہے، اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ ظالم کے حق میں ہرگز گواہی نہ دے بصورت دیگر وہ بھی اس گناہ میں شریک ہو جائے گا۔ ② ہبہ کے معاملے میں تمام بچوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کیا جائے۔ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا ایک ناپسندیدہ عمل ہے جس کی مذکورہ حدیث سے ممانعت ثابت ہے۔ ابوحریز کی روایت کو امام ابن حبان رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1]

٢٦٥١ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا أَبُو جَمْرَةَ: قَالَ سَمِعْتُ زَهْدَمَ بْنَ مُضَرِّبٍ: قَالَ سَمِعْتُ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «خَيْرُكُمْ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ». قَالَ عِمْرَانُ: لَا

[2651] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے بہتر وہ لوگ ہیں جو میرے دور میں ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے۔'' حضرت عمران کہتے ہیں: مجھے یاد نہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے بعد کے دو زمانوں کا

(1) صحیح ابن حبان (ابن بلبان): 506/11.

أَدْرِي أَذَكَرَ النَّبِيُّ ﷺ بَعْدُ قَرْنَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ بَعْدَكُمْ قَوْمًا يَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ وَيَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ وَيَنْذِرُونَ وَلَا يَفُونَ، وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ». [انظر: ٣٦٥٠، ٦٤٢٨، ٦٦٩٥]

ذکر کیا یا تین کا۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو خیانت کریں گے اور ان پر اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ وہ از خود گواہی دینے کی پیشکش کریں گے، حالانکہ ان سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی۔ وہ نذریں مانیں گے لیکن انھیں پورا نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر ہو گا۔''

فوائد و مسائل: ① مطلب یہ ہے کہ ہر آنے والی نسل دین سے درجہ بہ درجہ دور ہوتی چلی جائے گی، چنانچہ دور حاضر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دور اوّل سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ اس ظلم و ستم کے دور میں کوئی معقول شخص لوگوں کی بدکرداری کی وجہ سے کسی کو گواہ بنانے کے لیے تیار نہیں ہو گا لیکن بدکردار لوگ اپنی حیثیت منوانے کے لیے دوسروں کے معاملات میں از خود دخل دیں گے۔ ایسے لوگوں پر موٹاپا آ جائے گا کیونکہ دولت کی ریل پیل ہو گی اور چربی کے نیچے ان کا ایمان اور ضمیر دب جائے گا۔ ② ان لوگوں سے گواہی اس لیے طلب نہیں کی جائے گی کہ وہ اسے صحیح طریقے پر ادا کرنے کے عادی نہیں ہوں گے۔ اس بنا پر ان کی گواہی ظلم کی گواہی ہو گی، نیز ان کا مقصد دولت اکٹھی کرنا ہو گا، خواہ وہ سچی گواہی سے حاصل ہو یا جھوٹی گواہی سے۔ جب سچی جھوٹی گواہی سے بے پروائی برتنے پر مذکورہ مذمت ہے تو جھوٹی گواہی تو انتہائی مذموم ہو گی۔ اگر کسی کی گواہی سے مظلوم کی مدد ہوتی ہو تو ایسی گواہی مطالبے کے بغیر دینا ضروری ہے۔ حدیث میں ایسی گواہی کی فضیلت آئی ہے۔ واضح رہے کہ طبعی موٹاپا قابل مذمت نہیں، البتہ حرام خوری کے نتیجے میں جو موٹاپا ظاہر ہو گا مذکورہ حدیث میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔ واللہ أعلم.

٢٦٥٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَّنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبِيدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَجِيءُ أَقْوَامٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ وَيَمِينُهُ شَهَادَتَهُ». قَالَ إِبْرَاهِيمُ: وَكَانُوا يَضْرِبُونَنَا عَلَى الشَّهَادَةِ وَالْعَهْدِ. [انظر: ٣٦٥١، ٦٤٢٩، ٦٦٥٨]

[2652] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''سب لوگوں میں بہتر میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر جو ان کے قریب ہیں، پھر جو ان کے قریب ہیں۔ ان کے بعد کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قسم سے پہلے گواہی دیں گے اور گواہی سے پہلے قسم اٹھائیں گے۔'' حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں: ہمارے بزرگ ہمیں لڑکپن میں گواہی اور عہد و پیمان پر مارا کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① حدیث میں بہترین زمانوں سے مراد صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ ہے۔ اس کے بعد مسلمان آفتاب نبوت سے جتنے دور ہوتے گئے اتنا اندھیرا چھاتا گیا۔ آخر کار ایسے تیز طرار لوگ پیدا ہوں گے کہ گواہی دینا اور قسم اٹھانا ان کا پیشہ ہو گا۔ وہ کبھی گواہی سے پہلے قسمیں اٹھائیں گے اور کبھی قسم سے پہلے گواہی دیں گے۔ اس کا سبب یہ ہو گا کہ وہ لوگ دیتی

احکام کی پروا نہیں کریں گے۔② حضرت ابراہیم نخعی ؒ کے زمانے میں گواہی کے متعلق بزرگوں کا اہتمام اس لیے تھا کہ گواہی سوچ سمجھ کر دی جائے اور اس سلسلے میں کسی پر زیادتی نہ کی جائے۔ بہرحال جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹی قسم اٹھانا بہت مذموم حرکت ہے۔

(١٠) بَابُ مَا قِيلَ فِي شَهَادَةِ الزُّورِ

لِقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ﴾ [الفرقان: ٧٢] وَكِتْمَانِ الشَّهَادَةِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿عَلِيمٌ﴾ [البقرة: ٢٨٣] ﴿تَلْوُوا﴾ [النساء: ١٣٥] أَلْسِنَتَكُمْ بِالشَّهَادَةِ.

باب: 10- جھوٹی گواہی کے متعلق جو کہا گیا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور (اللہ کے بندے وہ ہیں) جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔'' نیز گواہی چھپانے کے متعلق فرمان الٰہی ہے: ''گواہی کو ہرگز نہ چھپاؤ (کیونکہ جو شخص شہادت کو چھپاتا ہے بلاشبہ اس کا دل گناہ گار ہے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ اسے) خوب جانتا ہے۔'' قرآن کریم میں ہے کہ ''(اگر) تم گول مول بات کرو۔'' اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنی زبانوں کو گواہی کے لیے پیچیدہ کر دو گے۔

وضاحت: اس عنوان کے دو جز ہیں: ○ جھوٹی گواہی کی مذمت ○ گواہی چھپانے کی برائی۔ امام بخاری ؒ نے ان دونوں کے متعلق قرآنی آیات پیش کی ہیں جن میں بیان ہوا کہ جھوٹی گواہی نہ دینا قابل تعریف اور گواہی چھپانا بری بات ہے۔ سورۂ نساء میں ہے: ﴿وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ ''اگر تم گول مول بات کرو یا سچائی سے روگردانی کرو تو آگاہ رہو جو تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔''① حضرت ابن عباس ؓ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ گواہی دیتے وقت اپنی زبان صحیح استعمال نہ کی جائے یا اس سے بالکل روگردانی کی جائے۔ جھوٹی گواہی دینا اور سچی گواہی سے اعراض کرنا دونوں ابطال حق کے اسباب ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے قیامت کی نشانیاں بتاتے ہوئے فرمایا ہے: ''جھوٹی گواہی کا عام ہونا اور حق کی گواہی چھپانا بھی علامات قیامت میں سے ہے۔''②

٢٦٥٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيرٍ: سَمِعَ وَهْبَ ابْنَ جَرِيرٍ وَعَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ إِبْرَاهِيمَ قَالَا: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ

[2653] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ سے کبیرہ گناہوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی جان کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔''

① النساء 4:135. ② فتح الباري: 323/5، ومسند أحمد: 408/1.

عَنِ الْكَبَائِرِ قَالَ: «اَلْإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَشَهَادَةُ الزُّورِ».

تَابَعَهُ غُنْدَرٌ وَأَبُو عَامِرٍ وَبَهْزٌ وَعَبْدُ الصَّمَدِ عَنْ شُعْبَةَ. [انظر: ٥٩٧٧، ٦٨٧١]

شعبہ سے اس روایت کے بیان کرنے میں غندر، ابو عامر، بہز اور عبدالصمد نے وہب بن جریر کی متابعت کی ہے۔

٢٦٥٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ: حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟»، ثَلَاثًا قَالُوا: بَلٰى يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: «اَلْإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ». وَجَلَسَ وَكَانَ مُتَّكِئًا «أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ». قَالَ: فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتّٰى قُلْنَا: لَيْتَهُ سَكَتَ. وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ. [انظر: ٥٩٧٦، ٦٢٧٣، ٦٢٧٤، ٦٩١٩]

[2654] حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: ''کیا میں تمھیں کبیرہ گناہوں کی اطلاع نہ دوں؟'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہمیں ضرور آگاہ کریں۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا۔'' پہلے آپ تکیہ لگائے ہوئے تھے پھر اٹھ بیٹھے اور فرمایا: ''خبردار! اور جھوٹی گواہی دینا۔'' پھر مسلسل اس کا تکرار کرتے رہے یہاں تک کہ ہم لوگ کہنے لگے: کاش! آپ خاموش ہو جائیں۔

اسماعیل بن ابراہیم کی روایت میں جریری نے عبدالرحمٰن سے سماع کی تصریح کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① کبائر سے مراد بہت بڑے گناہ ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے اور انھیں عمل میں لانے پر بہت سخت وعید سنائی ہے۔ ان احادیث میں چار بڑے بڑے گناہوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ان میں سے چوتھا گناہ جسے بیان کرنے سے پہلے آپ نیم دراز تھے، پھر اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ''وہ جھوٹی گواہی کا گناہ ہے۔'' ② عدالتوں میں فیصلے کا دارو مدار گواہوں کے بیانات پر ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں جھوٹی گواہی دے کر غلط فیصلے کا باعث بننا نامعلوم کتنے خاندانوں کا خون کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جھوٹی گواہی کی سنگینی اس بنا پر اہتمام سے بیان کی کہ لوگ اس جرم میں بہت بے باک ہوتے ہیں، نیز اس کے نقصان کی لپیٹ میں بے شمار لوگ آ جاتے ہیں، اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ اس سے بچے۔ حدیث میں صرف جھوٹی گواہی کا ذکر ہے کیونکہ اس کے ذریعے سے غیر مستحق کے لیے حق ثابت کیا جاتا ہے اور حق دار کا حق تباہ کیا جاتا ہے اور حق کی گواہی چھپانے سے بھی مستحق کا حق تباہ ہوتا ہے، اس لیے ایک کے ذکر کو دوسرے کے لیے کافی خیال کیا گیا ہے۔

(١١) بَابُ شَهَادَةِ الْأَعْمٰى وَنِكَاحِهِ، وَأَمْرِهِ، وَإِنْكَاحِهِ، وَمُبَايَعَتِهِ، وَقَبُولِهِ فِي التَّأْذِينِ وَغَيْرِهِ، وَمَا يُعْرَفُ بِالْأَصْوَاتِ

باب:11- نابینے آدمی کا گواہی دینا، نیز اس کا حکم دینا، نکاح کرنا، نکاح کرانا، خرید وفروخت کرنا، اذان دینے اور اس طرح دوسرے کاموں میں اس کا قبول کرنا جو آواز سے پہچانے جاتے ہیں

وَأَجَازَ شَهَادَتَهُ الْقَاسِمُ وَالْحَسَنُ وَابْنُ سِيرِينَ وَالزُّهْرِيُّ وَعَطَاءٌ. وَقَالَ الشَّعْبِيُّ: تَجُوزُ شَهَادَتُهُ إِذَا كَانَ عَاقِلًا. وَقَالَ الْحَكَمُ: رُبَّ شَيْءٍ تَجُوزُ فِيهِ. وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: أَرَأَيْتَ ابْنَ عَبَّاسٍ لَوْ شَهِدَ عَلَيَّ شَهَادَةً، أَكُنْتَ تَرُدُّهُ؟ وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَبْعَثُ رَجُلًا إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ أَفْطَرَ وَيَسْأَلُ عَنِ الْفَجْرِ، فَإِذَا قِيلَ: طَلَعَ، صَلَّى رَكْعَتَيْنِ.

سیدنا قاسم، حسن بصری، ابن سیرین، زہری اور عطاء ؒ نے نابینے کی گواہی کو جائز قرار دیا ہے۔ حضرت شعبی ؒ کا کہنا ہے: نابینے کی شہادت اس وقت جائز ہوگی جب وہ عقل مند ہو۔ حضرت حکم کا کہنا ہے: متعدد معاملات میں نابینے کو رعایت دینی پڑے گی۔ امام زہری نے فرمایا: بتاؤ اگر ابن عباس ؓ کسی معاملے میں گواہی دیں تو کیا تم اسے رد کرو گے؟ حضرت ابن عباس ؓ کسی آدمی کو بھیجتے اگر وہ کہتا کہ سورج غروب ہو گیا ہے تو روزہ افطار کر دیتے، نیز طلوع فجر کے متعلق سوال کرتے، اگر ان سے کہا جاتا کہ فجر طلوع ہو چکی ہے تو وہ (صبح کی) دو رکعت پڑھتے۔

وَقَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ يَسَارٍ: اِسْتَأْذَنْتُ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَعَرَفَتْ صَوْتِي، فَقَالَتْ: سُلَيْمَانُ ادْخُلْ فَإِنَّكَ مَمْلُوكٌ مَّا بَقِيَ عَلَيْكَ شَيْءٌ.

سلیمان بن یسار کا کہنا ہے: میں نے ایک مرتبہ ام المومنین عائشہ ؓ سے گھر میں داخل ہونے کی اجازت چاہی تو انھوں نے میری آواز سن کر فرمایا: سلیمان اندر آ جاؤ کیونکہ جب تک تم پر کچھ رقم باقی ہے تم غلام ہو۔

وَأَجَازَ سَمُرَةُ بْنُ جُنْدَبٍ شَهَادَةَ امْرَأَةٍ مُّتَنَقِّبَةٍ.

حضرت سمرہ بن جندب ؓ نے نقاب پوش خاتون کی شہادت کو جائز قرار دیا۔

وضاحت: جب نابینا آدمی زندگی کے دوسرے معاملات میں ایک عام انسان کی طرح حصہ لیتا ہے، نکاح کرتا ہے، گھر کی ذمہ داریاں سنبھالتا ہے، اذان دیتا ہے، امامت کراتا ہے تو گواہی بھی دے سکتا ہے۔ امام شعبی ؒ نے اس کا عقل مند اور سمجھ دار ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذہین وفطین ہو اور معاملات کی باریکیوں کو جاننے والا ہو، بصورت دیگر صرف عقل مند ہونے کی پابندی تو بینا آدمی کے لیے بھی ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ عمر کے آخری حصے میں نابینا ہو گئے تھے۔ امام

زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں: کیا اتنے بڑے آدمی کی گواہی رد کر دی جائے گی؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے متعلق اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ طلوع وغروب کے لیے اگر نابینا شخص کسی کی بات مانتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بہر حال عدالت اپنے طریق کار کے مطابق نابینا شخص کی گواہی کو رد یا قبول کرے گی اور اس کے اس جسمانی نقص کا لحاظ رکھے گی۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے کسی ذریعے سے اس نقاب پوش عورت کو پہچان لیا ہوگا، اس لیے اس کی گواہی کو جائز قرار دیا۔ محض آواز کا اعتبار اس لیے نہیں کیا جاتا کہ اس میں اشتباہ اور دھوکے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ جب شک وشبہ دور ہو جائے تو گواہی معتبر ہوگی۔ الغرض امام بخاری رحمہ اللہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نابینے شخص کی گواہی جائز ہے۔ ان کے نزدیک گواہی دینے اور خبر دینے میں کوئی فرق نہیں اگرچہ گواہی میں خبر سے زیادہ تاکید ہوتی ہے۔ امام قاسم، حسن بصری، ابن سیرین، زہری، شعبی اور حکم رحمہم اللہ کے آثار کو امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے موصولاً ذکر کیا ہے۔[1] دیگر آثار کے لیے دیکھیے: (تغليق التعليق: 387/3)

٢٦٥٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ مَيْمُونٍ: أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا يَقْرَأُ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: «رَحِمَهُ اللهُ، لَقَدْ أَذْكَرَنِي كَذَا آيَةً أَسْقَطْتُهُنَّ مِنْ سُورَةِ كَذَا وَكَذَا».

[2655] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے ایک شخص کو مسجد میں قرآن پڑھتے سنا تو فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے! مجھے اس نے اس وقت فلاں فلاں آیات یاد دلا دی ہیں جو میں فلاں فلاں سورت سے بھول گیا تھا۔“

وَزَادَ عَبَّادُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَائِشَةَ: تَهَجَّدَ النَّبِيُّ ﷺ فِي بَيْتِي فَسَمِعَ صَوْتَ عَبَّادٍ يُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ: «يَا عَائِشَةُ! أَصَوْتُ عَبَّادٍ هٰذَا؟» قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ عَبَّادًا». [انظر: ٥٠٣٧، ٥٠٣٨، ٥٠٤٢، ٦٣٣٥]

عباد بن عبداللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ اضافہ بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے میرے گھر میں نماز تہجد پڑھی تو آپ نے عباد رضی اللہ عنہ کی آواز سنی جو مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”عائشہ! کیا یہ عباد کی آواز ہے؟“ میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے دعا فرمائی: ”اے اللہ! عباد پر رحم فرما۔“

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک پہلی روایت میں مبہم شخص کی تعیین دوسری روایت سے ہے کہ وہ عباد بن بشر رضی اللہ عنہ تھے جبکہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی روایت کے مبہم شخص حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ تھے جیسا کہ عبدالغنی بن سعید نے اپنی تالیف ”مبهمات“ میں اس کی وضاحت کی ہے، جبکہ آپ کسی سورت سے کچھ آیات بھول گئے تھے تو ان کے پڑھنے سے وہ آیات یاد آ گئیں۔ عباد بن بشر کے پڑھنے سے آیات کا یاد آنا مذکور نہیں ہوا۔ ② الغرض رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن یزید یا عباد بن بشر کی صورت نہیں دیکھی محض آواز سنی اور اس پر اعتماد کیا تو ان کے لیے دعا کر دی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے

[1] المصنف لابن أبي شيبة: 7/318، 319.

استدلال کیا ہے کہ نابینا آدمی بھی آواز سن کر گواہی دے سکتا ہے بشرطیکہ اس کی آواز پہچانتا ہو۔ [1]

٢٦٥٦ - حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُؤَذِّنَ»، أَوْ قَالَ: «حَتَّى تَسْمَعُوا أَذَانَ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ»: وَكَانَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ رَجُلًا أَعْمَى لَا يُؤَذِّنُ حَتَّى يَقُولَ لَهُ النَّاسُ: أَصْبَحْتَ. [راجع: ٦١٧]

[2656] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''بلال رات کو اذان کہتے ہیں، اس لیے تم سحری کھاتے پیتے رہو حتی کہ دوسری اذان دی جائے۔'' یا فرمایا: ''حتی کہ تم ابن ام مکتوم کی اذان سنو۔'' ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینے شخص تھے، وہ اذان نہ دیتے حتی کہ لوگ ان سے کہتے: صبح ہو گئی ہے۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ طریقہ تھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ فجر کی پہلی اذان دیتے جبکہ سحری کھانے پینے کے لیے کافی وقت ہوتا تھا، پھر طلوع فجر کے عام وقت پر حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان دیتے اور ان کی آواز سے کھانا پینا بند کر دیا جاتا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ہے کہ لوگ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی اذان پر اعتماد کرتے اور کھانا پینا چھوڑ دیتے، حالانکہ وہ نابینا شخص تھے۔ اس سے بھی نابینے کی گواہی ثابت کرنا مقصود ہے۔ اس سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو نابینے کی گواہی قبول نہ کرنے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ بہرحال نابینے شخص کو جس طریقے سے بھی کسی چیز کا علم ہو جائے اس کے متعلق وہ گواہی دے سکتا ہے، اس کے لیے مشاہدے کی ضرورت نہیں جیسا کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے نابینا ہونے کے باوجود ان کا اذان دینا قبول کیا گیا۔

٢٦٥٧ - حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ يَحْيَى: حَدَّثَنَا حَاتِمُ ابْنُ وَرْدَانَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَدِمَتْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ أَقْبِيَةٌ فَقَالَ لِي أَبِي مَخْرَمَةُ: اِنْطَلِقْ بِنَا إِلَيْهِ عَسَى أَنْ يُعْطِيَنَا مِنْهَا شَيْئًا، فَقَامَ أَبِي عَلَى الْبَابِ فَتَكَلَّمَ فَعَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ صَوْتَهُ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ وَمَعَهُ قَبَاءٌ وَهُوَ يُرِيهِ مَحَاسِنَهُ وَهُوَ يَقُولُ: «خَبَأْتُ هٰذَا لَكَ،

[2657] حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کے پاس ریشمی قبائیں آئیں تو میرے باپ مخرمہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: ہمیں آپ ﷺ کی خدمت میں لے چلو ممکن ہے آپ ﷺ ہمیں ان قباؤں میں سے کوئی قبا عطا فرمائیں، چنانچہ میرے والد آپ ﷺ کے دروازے پر جا کر کھڑے ہو گئے اور کچھ باتیں کرنے لگے تو نبی ﷺ نے ان کی آواز پہچان لی۔ نبی ﷺ جب باہر تشریف لائے تو آپ کے ہاتھ میں ایک قبا تھی۔ آپ اس

① فتح الباري: 327/5.

خَبَأْتُ هٰذَا لَكَ». [راجع: ٢٥٩٩]

کا حسن و جمال میرے باپ کو دکھانے لگے، نیز آپ نے فرمایا: ''میں نے یہ تمھارے لیے چھپا رکھی تھی۔ میں نے یہ تمھارے لیے چھپا رکھی تھی۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں صراحت ہے کہ حضرت مخرمہ رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر کھڑے باتیں کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان کی آواز سن کر باہر تشریف لائے اور ریشمی حلہ ان کے حوالے کیا۔ ② حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں: اس حدیث سے مسئلہ یوں ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی شخصیت دیکھے بغیر صرف آواز سنتے ہی انھیں پہچان لیا اور باہر تشریف لے آئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نابینا آدمی آواز سن کر گواہی دے سکتا ہے بشرطیکہ آواز کو پہچانتا ہو۔ اس پر یہ اعتراض بے محل ہے کہ آپ نے اس وقت تک اسے قبا نہ دی جب تک اسے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ نہیں لیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو اس کی شخصیت دیکھنے سے پہلے ہی اس کی آواز سے یقین ہو گیا تھا۔ امام بخاری ؒ کا مقصود بھی یہی ہے۔ واللہ أعلم.

(١٢) بَابُ شَهَادَةِ النِّسَاءِ

باب: 12- عورتوں کی گواہی کا بیان

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: ﴿فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ﴾ [البقرة: ٢٨٢].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنا لو۔''

وضاحت: اللہ تعالیٰ نے دو عورتوں کو ایک مرد کے برابر قرار دیا ہے کیونکہ عورت کی دماغی قوتیں بھی جسمانی قوتوں کی طرح مرد سے کمزور ہیں۔ اس بنا پر گواہی میں دو عورتوں کو ایک مرد کے برابر رکھا ہے۔

٢٦٥٨ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي زَيْدٌ عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ؟» قُلْنَ: بَلٰى، قَالَ: «فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا». [راجع: ٣٠٤]

[2658] حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے نصف کی مانند نہیں ہے؟'' عورتوں نے جواب دیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''یہی تو ان کی عقل کا ناقص ہونا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① عورتوں کے معاملے میں ہمارا معاشرہ افراط و تفریط کا شکار ہے۔ مغربی تہذیب سے متاثرہ افراد کا کہنا ہے کہ عورت زندگی کے ہر پہلو میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کی اہل ہے اور گواہی دینے میں مرد کے برابر حیثیت رکھتی ہے جبکہ بعض لوگ اسے پاؤں کے جوتے کی حیثیت دیتے ہیں، یعنی ان کے ہاں معاشرتی طور پر وہ کسی قسم کی گواہی دینے کے قابل نہیں ہے۔ اعتدال پر مبنی موقف یہ ہے کہ مالی معاملات اور حدود و قصاص میں اکیلی عورت کی گواہی قبول نہیں ہو گی، بلکہ ایک مرد

کے مقابلے میں عورت کی نصف گواہی کا اعتبار ہوگا، البتہ عورتوں کے مخصوص معاملات، مثلاً: حیض، ولادت، حضانت (بچوں کی پرورش) اور رضاعت (بچوں کو دودھ پلانے) میں اس کی گواہی قابل قبول ہوگی۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے نصف ہے۔

(١٣) بَابُ شَهَادَةِ الْإِمَاءِ وَالْعَبِيدِ

باب: 13- لونڈیوں اور غلاموں کی گواہی

وَقَالَ أَنَسٌ: شَهَادَةُ الْعَبْدِ جَائِزَةٌ إِذَا كَانَ عَدْلًا. وَأَجَازَهُ شُرَيْحٌ وَزُرَارَةُ بْنُ أَوْفَى. وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ: شَهَادَتُهُ جَائِزَةٌ إِلَّا الْعَبْدَ لِسَيِّدِهِ، وَأَجَازَهُ الْحَسَنُ وَإِبْرَاهِيمُ فِي الشَّيْءِ التَّافِهِ. وَقَالَ شُرَيْحٌ: كُلُّكُمْ بَنُو عَبِيدٍ وَإِمَاءٍ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: معتبر اور عادل غلام کی گواہی جائز ہے۔ قاضی شریح اور زرارہ بن اوفی نے بھی اسے جائز قرار دیا ہے۔ ابن سیرین نے بھی غلام کی گواہی کو جائز بتایا ہے، تاہم مالک کے حق میں اس کی گواہی کا اعتبار نہیں ہوگا۔ حسن بصری اور ابراہیم نخعی نے معمولی معاملات میں غلام کی گواہی کو جائز کہا ہے۔ قاضی شریح نے کہا: تم سب لوگ لونڈی غلاموں کی اولاد ہو۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ اس عنوان سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ لونڈی غلام اگر نیک سیرت اور قابل اعتماد ہوں تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی جبکہ جمہور اہل علم نے ان کی گواہی کو جائز قرار نہیں دیا۔ ہمارا رجحان یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف قرین قیاس اور قابل اعتماد ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ، قاضی شریح اور ابراہیم نخعی رحمہما اللہ کے آثار کو امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے موصولاً ذکر کیا ہے۔[1] ابن سیرین رحمہ اللہ کے اثر کے لیے دیکھیے: (تغليق التعليق: 389/3)

٢٦٥٩ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ؛ ح: وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي عُقْبَةُ بْنُ الْحَارِثِ أَوْ سَمِعْتُهُ مِنْهُ: أَنَّهُ تَزَوَّجَ أُمَّ يَحْيَى بِنْتَ أَبِي إِهَابٍ، قَالَ: فَجَاءَتْ أَمَةٌ سَوْدَاءُ فَقَالَتْ: قَدْ أَرْضَعْتُكُمَا، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَأَعْرَضَ

[2659] حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ام یحییٰ بنت ابواہاب سے شادی کر لی تو ایک سیاہ فام لونڈی آئی اور کہنے لگی: میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ میں نے جب نبی ﷺ سے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ نے اپنا رخ انور دوسری طرف پھیر لیا، چنانچہ میں بھی اس طرف سے ہٹ گیا۔ پھر میں نے دوبارہ آپ سے اسی بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''اب یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اس عورت کا دعویٰ ہے کہ اس نے تم دونوں کو دودھ

[1] المصنف لابن أبي شيبة: 7/192-193.

عَنِّي، قَالَ: فَتَنَحَّيْتُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ، قَالَ: «وَكَيْفَ وَقَدْ زَعَمَتْ أَنَّهَا قَدْ أَرْضَعَتْكُمَا؟» فَنَهَاهُ عَنْهَا. [راجع: ٨٨]

پلایا ہے؟" پھر آپ نے حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو اس رشتے سے روک دیا۔

فائدہ: اس حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ایک لونڈی کی گواہی قبول فرمائی، پھر اس گواہی کی بنیاد پر حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ اور اس کی بیوی ام یحیٰی کے درمیان علیحدگی کرا دی۔ معلوم ہوا کہ اگر لونڈی کی گواہی قابل قبول نہ ہوتی تو اس پر عمل نہ کیا جاتا۔ واللّٰه أعلم.

(١٤) بَابُ شَهَادَةِ الْمُرْضِعَةِ

باب: 14- دودھ پلانے والی کی گواہی کا بیان

٢٦٦٠ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ: تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً فَجَاءَتِ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ: إِنِّي قَدْ أَرْضَعْتُكُمَا، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: «وَكَيْفَ وَقَدْ قِيلَ؟ دَعْهَا عَنْكَ» أَوْ نَحْوَهُ. [راجع: ٨٨]

[2660] حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے ایک عورت سے شادی کی، ایک عورت آئی اور کہنے لگی: میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: "جب یہ بات کہہ دی گئی ہے تو اب کیا ہو سکتا ہے؟ اس عورت کو اپنے سے علیحدہ کر دو۔" یا اس جیسا کوئی کلمہ ارشاد فرمایا۔

فائدہ: اس حدیث کے مطابق دودھ کے سلسلے میں ایک ہی دودھ پلانے والی کی گواہی کافی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس گواہی کو کافی سمجھتے ہوئے میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کرا دی، چنانچہ اس گواہی کی بنیاد پر حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو رشتۂ ازدواج ختم کرنا پڑا۔ سنن دارقطنی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس عورت سے علیحدگی اختیار کر لو کیونکہ اس میں تمھارے لیے کوئی خیر و برکت نہیں ہے۔"[1] ایک دوسری روایت میں ہے: حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے جب اسے علیحدہ کر دیا تو اس نے کسی اور شخص سے شادی کر لی۔[2] واللّٰه أعلم.

(١٥) بَابُ تَعْدِيلِ النِّسَاءِ بَعْضِهِنَّ بَعْضًا

باب: 15- عورتوں کا ایک دوسری کو قابل اعتماد ٹھہرانا

٢٦٦١ - حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ وَأَفْهَمَنِي بَعْضَهُ أَحْمَدُ قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ

[2661] حضرت ابن شہاب زہری سے روایت ہے، وہ عروہ بن زبیر، سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص لیثی اور

1 سنن الدارقطني: 162/2. 2 صحيح البخاري، الشهادات، حديث: 2640، و فتح الباري: 332/5.

سُلَيْمَانَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ ابْنِ الزُّبَيْرِ، وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَعَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيِّ، وَعُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ قَالَ لَهَا أَهْلُ الْإِفْكِ مَا قَالُوا فَبَرَّأَهَا اللهُ مِنْهُ، قَالَ الزُّهْرِيُّ: وَكُلُّهُمْ حَدَّثَنِي طَائِفَةً مِّنْ حَدِيثِهَا، وَبَعْضُهُمْ أَوْعٰى مِنْ بَعْضٍ، وَأَثْبَتُ لَهُ اقْتِصَاصًا، وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمُ الْحَدِيثَ الَّذِي حَدَّثَنِي عَنْ عَائِشَةَ وَبَعْضُ حَدِيثِهِمْ يُصَدِّقُ بَعْضًا. زَعَمُوا أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّخْرُجَ سَفَرًا أَقْرَعَ بَيْنَ أَزْوَاجِهِ، فَأَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا أَخْرَجَ بِهَا مَعَهُ، فَأَقْرَعَ بَيْنَنَا فِي غَزَاةٍ غَزَاهَا فَخَرَجَ سَهْمِي فَخَرَجْتُ مَعَهُ بَعْدَ مَا أُنْزِلَ الْحِجَابُ، فَأَنَا أُحْمَلُ فِي هَوْدَجٍ وَّأُنْزَلُ فِيهِ فَسِرْنَا حَتّٰى إِذَا فَرَغَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ غَزْوَتِهِ تِلْكَ وَقَفَلَ وَدَنَوْنَا مِنَ الْمَدِينَةِ، آذَنَ لَيْلَةً بِالرَّحِيلِ، فَقُمْتُ حِينَ آذَنُوا بِالرَّحِيلِ فَمَشَيْتُ حَتّٰى جَاوَزْتُ الْجَيْشَ فَلَمَّا قَضَيْتُ شَأْنِي أَقْبَلْتُ إِلَى الرَّحْلِ، فَلَمَسْتُ صَدْرِي، فَإِذَا عِقْدٌ لِّي مِنْ جَزْعِ أَظْفَارٍ قَدِ انْقَطَعَ، فَرَجَعْتُ فَالْتَمَسْتُ عِقْدِي فَحَبَسَنِي ابْتِغَاؤُهُ، فَأَقْبَلَ الَّذِينَ يَرْحَلُونَ لِي فَاحْتَمَلُوا هَوْدَجِي فَرَحَلُوهُ عَلٰى بَعِيرِي الَّذِي كُنْتُ أَرْكَبُ، وَهُمْ يَحْسِبُونَ أَنِّي فِيهِ، وَكَانَ النِّسَاءُ إِذْ ذَاكَ خِفَافًا لَّمْ يَثْقُلْنَ، وَلَمْ يَغْشَهُنَّ اللَّحْمُ، وَإِنَّمَا يَأْكُلْنَ الْعُلْقَةَ مِنَ

عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے بیان کرتے ہیں، یہ سب حضرات نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے ذکر کرتے ہیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب تہمت لگانے والوں نے ان پر تہمت لگائی لیکن اللہ تعالیٰ نے خود انھیں بری قرار دیا۔ حضرت امام زہری کہتے ہیں: مذکورہ سب حضرات نے حضرت عائشہ ؓ کے اس واقعے کا ایک حصہ بیان کیا تھا۔ ان میں سے بعض کو دوسروں سے زیادہ یاد تھا اور وہ اس واقعے کو زیادہ بہتر طریقے سے بیان بھی کر سکتے تھے۔ میں نے ان سب حضرات سے واقعہ پوری طرح یاد اور محفوظ کر لیا جسے انھوں نے حضرت عائشہ ؓ کے حوالے سے بیان کیا تھا۔ ان حضرات میں سے ہر ایک کی بیان کردہ حدیث سے دوسرے راوی کی تصدیق ہوتی ہے۔ ان کے بیان کے مطابق حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب سفر کے ارادے سے نکلتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے۔ جس بیوی کے نام قرعہ نکلتا وہ آپ کی شریک سفر ہوتی، چنانچہ جہاد کے ایک سفر میں جو آپ کو درپیش تھا ہمارے درمیان قرعہ ڈالا تو میرا نام نکل آیا۔ اس بنا پر میں آپ کے ہمراہ روانہ ہوئی۔ یہ واقعہ پردے کا حکم اترنے کے بعد کا ہے، چنانچہ میں ہودج کے اندر بٹھا دی جاتی اور اس کے سمیت ہی اتار لی جاتی تھی۔ ہم (اس طرح) چلتے رہے، حتی کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے اس غزوے سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور ہم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچ گئے تو آپ نے رات کو کوچ کا اعلان فرمایا۔ جب لوگوں نے یہ اعلان سنا تو وہ تیاری کرنے لگے۔ میں بھی کھڑی ہوئی اور قضائے حاجت کے لیے چلی گئی حتی کہ لشکر سے آگے گزر گئی لیکن جب میں اپنی حاجت

الطَّعَامِ، فَلَمْ يَسْتَنْكِرِ الْقَوْمُ حِينَ رَفَعُوهُ ثِقَلَ الْهَوْدَجِ فَاحْتَمَلُوهُ، وَكُنْتُ جَارِيَةً حَدِيثَةَ السِّنِّ فَبَعَثُوا الْجَمَلَ وَسَارُوا فَوَجَدْتُ عِقْدِي بَعْدَمَا اسْتَمَرَّ الْجَيْشُ فَجِئْتُ مَنْزِلَهُمْ وَلَيْسَ فِيهِ أَحَدٌ، فَأَمَمْتُ مَنْزِلِي الَّذِي كُنْتُ فِيهِ فَظَنَنْتُ أَنَّهُمْ سَيَفْقِدُونَنِي فَيَرْجِعُونَ إِلَيَّ، فَبَيْنَا أَنَا جَالِسَةٌ غَلَبَتْنِي عَيْنَايَ فَنِمْتُ، وَكَانَ صَفْوَانُ بْنُ الْمُعَطَّلِ السُّلَمِيُّ، ثُمَّ الذَّكْوَانِيُّ مِنْ وَرَاءِ الْجَيْشِ، فَأَصْبَحَ عِنْدَ مَنْزِلِي، فَرَأَى سَوَادَ إِنْسَانٍ نَّائِمٍ فَأَتَانِي، وَكَانَ يَرَانِي قَبْلَ الْحِجَابِ، فَاسْتَيْقَظْتُ بِاسْتِرْجَاعِهِ حِينَ أَنَاخَ رَاحِلَتَهُ فَوَطِئَ يَدَهَا فَرَكِبْتُهَا فَانْطَلَقَ يَقُودُ بِيَ الرَّاحِلَةَ حَتّٰى أَتَيْنَا الْجَيْشَ بَعْدَ مَا نَزَلُوا مُعَرِّسِينَ فِي نَحْرِ الظَّهِيرَةِ فَهَلَكَ مَنْ هَلَكَ، وَكَانَ الَّذِي تَوَلَّى الْإِفْكَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيِّ ابْنُ سَلُولَ، فَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فَاشْتَكَيْتُ بِهَا شَهْرًا وَالنَّاسُ يُفِيضُونَ مِنْ قَوْلِ أَصْحَابِ الْإِفْكِ، وَيَرِيبُنِي فِي وَجَعِي أَنِّي لَا أَرٰى مِنَ النَّبِيِّ ﷺ اللُّطْفَ الَّذِي كُنْتُ أَرٰى مِنْهُ حِينَ أَمْرَضُ، إِنَّمَا يَدْخُلُ فَيُسَلِّمُ، ثُمَّ يَقُولُ: «كَيْفَ تِيكُمْ؟» لَا أَشْعُرُ بِشَيْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ حَتّٰى نَقَهْتُ فَخَرَجْتُ أَنَا وَأُمُّ مِسْطَحٍ قِبَلَ الْمَنَاصِعِ مُتَبَرَّزِنَا، لَا نَخْرُجُ إِلَّا لَيْلًا إِلٰى لَيْلٍ، وَذٰلِكَ قَبْلَ أَنْ نَّتَّخِذَ الْكُنُفَ قَرِيبًا مِّنْ بُيُوتِنَا، وَأَمْرُنَا أَمْرُ الْعَرَبِ الْأُوَلِ فِي الْبَرِّيَّةِ أَوْ فِي التَّنَزُّهِ، فَأَقْبَلْتُ أَنَا وَأُمُّ مِسْطَحٍ بِنْتُ أَبِي رُهْمٍ نَمْشِي فَعَثَرَتْ فِي مِرْطِهَا

سے فارغ ہو کر کجاوے کے پاس آ گئی، سینے پر جو ہاتھ پھیرا تو معلوم ہوا کہ ظفار کے کالے نگینوں والا میرا ہار کہیں گم ہو گیا ہے۔ میں ہار کو ڈھونڈتی ہوئی واپس گئی۔ مجھے اس کی تلاش میں کافی دیر ہو گئی، چنانچہ جو لوگ میرا ہودج اٹھاتے تھے وہ آئے اور انھوں نے میرا ہودج اٹھا کر میرے اس اونٹ پر رکھ دیا جس پر میں سوار ہوتی تھی۔ وہ لوگ سمجھے کہ میں اس میں موجود ہوں۔ اس زمانے میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوا کرتی تھیں، بھاری بھرکم نہ تھیں، ان کے جسم پر زیادہ گوشت نہیں ہوتا تھا کیونکہ وہ بالکل تھوڑا سا کھانا کھاتی تھیں۔ جب لوگوں نے میرا ہودج اٹھایا تو اسے معمول کے مطابق بوجھل خیال کر کے اٹھا لیا اور اسے اونٹ پر لاد دیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں اس زمانے میں ایک کمسن لڑکی تھی۔ خیر وہ اونٹ کو ہانک کر روانہ ہو گئے۔ لشکر کے نکل جانے کے بعد مجھے ہار مل گیا۔ جب میں ان کے مقام پڑاؤ پر آئی تو وہاں کوئی نہ تھا۔ پھر میں نے اپنی اس جگہ پر جانے کا قصد کر لیا جہاں میں پہلے تھی کیونکہ میرا خیال تھا کہ وہ لوگ مجھے نہیں پائیں گے تو (جلد ہی میری تلاش میں) میرے پاس اسی جگہ لوٹ آئیں گے۔ پھر (اپنی جگہ پر پہنچ کر) یونہی بیٹھی تھی کہ نیند سے آنکھیں بھاری ہونے لگیں، چنانچہ میں سو گئی۔ حضرت صفوان بن معطل سلمی ذکوانی رضی اللہ عنہ جو لشکر کے پیچھے آ رہے تھے، وہ صبح کو میری جگہ پر آئے اور انھیں ایک آدمی سوتا ہوا دکھائی دیا تو میرے پاس آ گئے۔ وہ مجھے حجاب کے حکم سے پہلے دیکھ چکے تھے (اس لیے مجھے پہچان گئے) اور میں ان کے إنا لِلّٰه وَ إنا إليه رَاجِعُون پڑھنے کی آواز سن کر بیدار ہوئی۔ انھوں نے اپنا اونٹ بٹھایا

فَقَالَتْ: تَعِسَ مِسْطَحٌ، فَقُلْتُ لَهَا: بِئْسَ مَا قُلْتِ، أَتَسُبِّينَ رَجُلًا شَهِدَ بَدْرًا؟ فَقَالَتْ: يَا هَنْتَاهُ! أَلَمْ تَسْمَعِي مَا قَالُوا؟ فَأَخْبَرَتْنِي بِقَوْلِ الْإِفْكِ فَازْدَدْتُ مَرَضًا عَلَى مَرَضِي، فَلَمَّا رَجَعْتُ إِلَى بَيْتِي، دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَسَلَّمَ فَقَالَ: «كَيْفَ تِيكُمْ؟» فَقُلْتُ: اِئْذَنْ لِّي إِلَى أَبَوَيَّ، قَالَتْ: وَأَنَا حِينَئِذٍ أُرِيدُ أَنْ أَسْتَيْقِنَ الْخَبَرَ مِنْ قِبَلِهِمَا، فَأَذِنَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَتَيْتُ أَبَوَيَّ، فَقُلْتُ لِأُمِّي: مَا يَتَحَدَّثُ بِهِ النَّاسُ؟ فَقَالَتْ: يَا بُنَيَّةُ! هَوِّنِي عَلَى نَفْسِكِ الشَّأْنَ، فَوَاللهِ لَقَلَّمَا كَانَتِ امْرَأَةٌ قَطُّ وَضِيئَةً عِنْدَ رَجُلٍ يُحِبُّهَا وَلَهَا ضَرَائِرُ إِلَّا أَكْثَرْنَ عَلَيْهَا. فَقُلْتُ: سُبْحَانَ اللهِ وَلَقَدْ يَتَحَدَّثُ النَّاسُ بِهٰذَا؟ قَالَتْ: فَبِتُّ تِلْكَ اللَّيْلَةَ حَتّٰى أَصْبَحْتُ لَا يَرْقَأُ لِي دَمْعٌ وَّلَا أَكْتَحِلُ بِنَوْمٍ، ثُمَّ أَصْبَحْتُ فَدَعَا رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَّأُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ حِينَ اسْتَلْبَثَ الْوَحْيُ يَسْتَشِيرُهُمَا فِي فِرَاقِ أَهْلِهِ، فَأَمَّا أُسَامَةُ فَأَشَارَ عَلَيْهِ بِالَّذِي يَعْلَمُ فِي نَفْسِهِ مِنَ الْوُدِّ لَهُمْ، فَقَالَ أُسَامَةُ: أَهْلُكَ يَا رَسُولَ اللهِ! وَلَا نَعْلَمُ وَاللهِ إِلَّا خَيْرًا، وَأَمَّا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! لَمْ يُضَيِّقِ اللهُ عَلَيْكَ وَالنِّسَاءُ سِوَاهَا كَثِيرٌ، وَسَلِ الْجَارِيَةَ تَصْدُقْكَ، فَدَعَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بَرِيرَةَ فَقَالَ: «يَا بَرِيرَةُ! هَلْ رَأَيْتِ فِيهَا شَيْئًا يَرِيبُكِ؟» فَقَالَتْ بَرِيرَةُ: لَا، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، إِنْ رَأَيْتُ مِنْهَا أَمْرًا أَغْمِصُهُ عَلَيْهَا قَطُّ أَكْثَرَ مِنْ أَنَّهَا

اور اس کی اگلی ٹانگ پر پاؤں رکھا تو میں اس پر سوار ہو گئی۔ وہ میرے اونٹ کو ہانکتے ہوئے خود اس کے آگے آگے پیدل چلتے رہے حتی کہ ہم قافلے میں ٹھیک دوپہر کے وقت پہنچے جب وہ لوگ آرام کے لیے پڑاؤ ڈال چکے تھے۔ اب جس کی قسمت میں تباہی تھی وہ تباہ ہوا اور تہمت لگانے والوں کا سرغنہ عبداللہ بن ابی ابن سلول منافق تھا، تاہم جب ہم مدینہ طیبہ پہنچ گئے تو میں ایک ماہ تک بیمار رہی اور لوگ تہمت لگانے والوں کے اس طوفان کا خوب چرچا کرتے رہے۔ مجھے اپنی بیماری کے دوران میں یوں شک پیدا ہوا کہ میں اپنے اوپر نبی ﷺ کی وہ مہربانیاں اور لطف و کرم نہیں دیکھتی جو بیماری کے وقت آپ کی طرف سے ہوا کرتی تھیں۔ اب صرف آپ تشریف لاتے، سلام کرتے اور کہتے: ''تم کیسی ہو؟'' مجھے اس طوفان کی خبر تک نہ ہوئی تاآنکہ میں ناتواں (کمزور) ہو گئی، چنانچہ ایک بار میں اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کی والدہ مناصع کی طرف گئیں جہاں رات کے وقت قضائے حاجت کے لیے جایا کرتے تھے، ان دنوں ہمارے گھروں میں بیت الخلا نہیں تھے۔ ہمارا معاملہ جنگل جانے یا قضائے حاجت کرنے کی بابت قدیم عرب کی مثل تھا۔ خیر میں اور حضرت مسطح کی والدہ جو ابورہم کی بیٹی تھیں دونوں جا رہی تھیں کہ اچانک وہ اپنی چادر میں اٹک کر پھسلی تو کہنے لگی: مسطح تباہ ہو۔ میں نے کہا: تم نے برا کہا، تم اس شخص کو گالی دیتی ہو جو غزوۂ بدر میں شریک ہو چکا ہے؟ انھوں نے کہا: اری بھولی بھالی! تجھے کچھ خبر بھی ہے، لوگوں نے کیا طوفان اٹھا رکھا ہے؟ پھر انھوں نے مجھے اہل افک کی گفتگو سے مطلع کیا۔ اس سے میری بیماری میں مزید اضافہ ہو گیا۔ جب میں اپنے گھر پہنچی تو رسول اللہ ﷺ میرے پاس

جَارِيَةٌ حَدِيثَةُ السِّنِّ تَنَامُ عَنِ الْعَجِينِ فَتَأْتِي الدَّاجِنُ فَتَأْكُلُهُ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ يَوْمِهِ فَاسْتَعْذَرَ مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أُبَيٍّ ابْنِ سَلُولَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ يَعْذُرُنِي مِنْ رَجُلٍ بَلَغَنِي أَذَاهُ فِي أَهْلِي؟ فَوَاللهِ مَا عَلِمْتُ عَلَى أَهْلِي إِلَّا خَيْرًا، وَقَدْ ذَكَرُوا رَجُلًا مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ إِلَّا خَيْرًا، وَمَا كَانَ يَدْخُلُ عَلَى أَهْلِي إِلَّا مَعِي»، فَقَامَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! وَاللهِ أَنَا أَعْذُرُكَ مِنْهُ، إِنْ كَانَ مِنَ الْأَوْسِ ضَرَبْنَا عُنُقَهُ، وَإِنْ كَانَ مِنْ إِخْوَانِنَا مِنَ الْخَزْرَجِ أَمَرْتَنَا فَفَعَلْنَا فِيهِ أَمْرَكَ، فَقَامَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ - وَهُوَ سَيِّدُ الْخَزْرَجِ، وَكَانَ قَبْلَ ذٰلِكَ رَجُلًا صَالِحًا، كَانَ احْتَمَلَتْهُ الْحَمِيَّةُ - فَقَالَ: كَذَبْتَ لَعَمْرُ اللهِ، وَاللهِ لَا تَقْتُلُهُ وَلَا تَقْدِرُ عَلَى ذٰلِكَ، فَقَامَ أُسَيْدُ بْنُ الْحُضَيْرِ فَقَالَ: كَذَبْتَ لَعَمْرُ اللهِ، وَاللهِ لَنَقْتُلَنَّهُ، فَإِنَّكَ مُنَافِقٌ تُجَادِلُ عَنِ الْمُنَافِقِينَ، فَثَارَ الْحَيَّانِ الْأَوْسُ وَالْخَزْرَجُ حَتّٰى هَمُّوا وَرَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ فَنَزَلَ فَخَفَّضَهُمْ حَتّٰى سَكَتُوا وَسَكَتَ، وَبَكَيْتُ يَوْمِي لَا يَرْقَأُ لِي دَمْعٌ وَلَا أَكْتَحِلُ بِنَوْمٍ فَأَصْبَحَ عِنْدِي أَبَوَايَ وَقَدْ بَكَيْتُ لَيْلَتِي وَيَوْمًا حَتّٰى أَظُنُّ أَنَّ الْبُكَاءَ فَالِقٌ كَبِدِي، قَالَتْ: فَبَيْنَمَا هُمَا جَالِسَانِ عِنْدِي وَأَنَا أَبْكِي إِذِ اسْتَأْذَنَتِ امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَأَذِنْتُ لَهَا فَجَلَسَتْ تَبْكِي مَعِي، فَبَيْنَا نَحْنُ كَذٰلِكَ إِذْ دَخَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَجَلَسَ وَلَمْ يَجْلِسْ عِنْدِي مِنْ يَوْمِ قِيلَ فِيَّ مَا

تشریف لائے۔ آپ نے سلام کیا اور پوچھا: ''اب تمھارا کیا حال ہے؟'' میں نے عرض کیا: مجھے اپنے والدین کے ہاں جانے کی اجازت دیجیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں چاہتی تھی کہ اپنے والدین کے پاس جا کر اس خبر کی تحقیق کروں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اجازت دے دی اور میں اپنے والدین کے ہاں چلی آئی۔ میں نے اپنی والدہ سے وہ سب باتیں بیان کیں جن کا لوگ چرچا کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا: بیٹا! تم ایسی باتوں کی پروا نہ کرو، اللہ کی قسم! ایسا کم ہوتا ہے کہ کوئی خوبصورت خاتون کسی شخص کے پاس ہو اور وہ اس سے محبت رکھتا ہو، پھر اس عورت کی سوکنیں اس کی برائیاں نہ کرتی ہوں۔ میں نے کہا: سبحان اللہ! (میری سوکنوں نے تو ایسا نہیں کیا) بلکہ یہ تو اور لوگوں کا کارنامہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے وہ رات اس طرح گزاری کہ ساری رات نہ میرے آنسو تھمے اور نہ مجھے نیند ہی آئی۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا کیونکہ اس وقت تک (اس سلسلے میں) کوئی وحی آپ پر نہیں اتری تھی، آپ ﷺ ان سے یہ صلاح مشورہ کرنا چاہتے تھے کہ آیا میں اپنی اہلیہ کو چھوڑ دوں؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ کی دلی کیفیت کہ آپ اپنی ازواج مطہرات سے محبت فرماتے تھے، اس کے مطابق مشورہ دیا اور عرض کیا: اللہ کے رسول! وہ آپ کی شریک حیات ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم ان میں اچھائی کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ پر ہرگز تنگی نہیں کی اور عورتیں ان کے سوا بہت ہیں۔ آپ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کریں وہ آپ سے سچ سچ بیان کر

قِيلَ قَبْلَهَا، وَقَدْ مَكَثَ شَهْرًا لَّا يُوحَى إِلَيْهِ فِي شَأْنِي شَيْءٌ، قَالَتْ: فَتَشَهَّدَ ثُمَّ قَالَ: «يَا عَائِشَةُ! فَإِنَّهُ بَلَغَنِي عَنْكِ كَذَا وَكَذَا، فَإِنْ كُنْتِ بَرِيئَةً فَسَيُبَرِّئُكِ اللهُ، وَإِنْ كُنْتِ أَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِي اللهَ وَتُوبِي إِلَيْهِ، فَإِنَّ الْعَبْدَ إِذَا اعْتَرَفَ بِذَنْبِهِ ثُمَّ تَابَ تَابَ اللهُ عَلَيْهِ». فَلَمَّا قَضَى رَسُولُ اللهِ ﷺ مَقَالَتَهُ قَلَصَ دَمْعِي حَتَّى مَا أُحِسُّ مِنْهُ قَطْرَةً، وَقُلْتُ لِأَبِي: أَجِبْ عَنِّي رَسُولَ اللهِ ﷺ، قَالَ: وَاللهِ مَا أَدْرِي مَا أَقُولُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقُلْتُ لِأُمِّي: أَجِيبِي عَنِّي رَسُولَ اللهِ ﷺ فِيمَا قَالَ. قَالَتْ: وَاللهِ مَا أَدْرِي مَا أَقُولُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ. قَالَتْ: وَأَنَا جَارِيَةٌ حَدِيثَةُ السِّنِّ لَا أَقْرَأُ كَثِيرًا مِّنَ الْقُرْآنِ، فَقُلْتُ: إِنِّي وَاللهِ لَقَدْ عَلِمْتُ أَنَّكُمْ سَمِعْتُمْ مَا يَتَحَدَّثُ بِهِ النَّاسُ وَوَقَرَ فِي أَنْفُسِكُمْ وَصَدَّقْتُمْ بِهِ، وَلَئِنْ قُلْتُ لَكُمْ: إِنِّي بَرِيئَةٌ، وَاللهُ يَعْلَمُ أَنِّي لَبَرِيئَةٌ، لَا تُصَدِّقُونَنِي بِذٰلِكَ، وَلَئِنِ اعْتَرَفْتُ لَكُمْ بِأَمْرٍ وَاللهُ يَعْلَمُ أَنِّي بَرِيئَةٌ لَتُصَدِّقُنِّي، وَاللهِ مَا أَجِدُ لِي وَلَكُمْ مَثَلًا إِلَّا أَبَا يُوسُفَ إِذْ قَالَ: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾ [يوسف:١٨] ثُمَّ تَحَوَّلْتُ عَلَى فِرَاشِي وَأَنَا أَرْجُو أَنْ يُبَرِّئَنِي اللهُ، وَلٰكِنْ وَاللهِ مَا ظَنَنْتُ أَنْ يُنْزِلَ فِي شَأْنِي وَحْيًا وَلَأَنَا أَحْقَرُ فِي نَفْسِي مِنْ أَنْ يُتَكَلَّمَ بِالْقُرْآنِ فِي أَمْرِي، وَلٰكِنِّي كُنْتُ أَرْجُو أَنْ يَرَى رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي النَّوْمِ رُؤْيَا تُبَرِّئُنِي، فَوَاللهِ مَا رَامَ مَجْلِسَهُ وَلَا خَرَجَ أَحَدٌ مِّنْ أَهْلِ

دے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بریرہ ؓ کو بلایا اور پوچھا: ”اے بریرہ! کیا تم نے عائشہ میں کوئی ایسی بات دیکھی ہے جس سے تمھیں کوئی شک گزرا ہو؟“ حضرت بریرہ ؓ نے عرض کیا: نہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو یہ حق دے کر بھیجا ہے! میں نے تو ان میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس پر عیب لگاؤں، ہاں یہ تو ہے کہ وہ ابھی کم سن لڑکی ہے آٹا گوندھ کر سو جاتی ہے اور گھریلو بکری آ کر اسے کھا جاتی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ اسی دن (خطبہ دینے کے لیے منبر پر) کھڑے ہوئے اور عبداللہ بن ابی ابن سلول کے بارے میں مدد چاہی۔ آپ نے فرمایا: ”اس شخص سے میرا کون بدلہ لے گا جس نے میری اہلیہ پر تہمت لگائی ہے؟ اللہ کی قسم! میں تو اپنی اہلیہ کو اچھا ہی خیال کرتا ہوں اور جس مرد سے تہمت لگاتے ہیں، میں اسے بھی نیک خیال کرتا ہوں۔ وہ میرے گھر میری عدم موجودگی میں نہیں آتا تھا۔“ اس کے بعد حضرت سعد بن معاذ ؓ کھڑے ہوئے اور کہا: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں آپ کا اس سے بدلہ لیتا ہوں۔ اگر وہ شخص اوس قبیلے کا ہوا تو ہم اس کی گردن اڑا دیں گے اور اگر خزرجی بھائیوں سے ہے تو آپ جو حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ اس پر حضرت سعد بن عبادہ ؓ کھڑے ہوئے جو قبیلۂ خزرج کے سردار تھے۔ اس واقعے سے پہلے اب تک وہ بہت صالح تھے، لیکن (حضرت سعد بن معاذ ؓ کی بات سنتے ہی) قومی حمیت سے غصے میں آ کر کہا: اللہ کی قسم! تو جھوٹ کہتا ہے۔ تم نہ اسے قتل کر سکتے ہو اور نہ تم میں اتنی طاقت ہی ہے۔ یہ سن کر حضرت اسید بن حضیر ؓ کھڑے ہوئے اور سعد بن عبادہ ؓ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے: اللہ کی قسم! تو جھوٹ کہتا ہے۔ ہم

الْبَيْتِ حَتّٰى أُنْزِلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فَأَخَذَهُ مَا كَانَ يَأْخُذُهُ مِنَ الْبُرَحَاءِ حَتّٰى إِنَّهُ لَيَتَحَدَّرُ مِنْهُ مِثْلُ الْجُمَانِ مِنَ الْعَرَقِ فِي يَوْمٍ شَاتٍ، فَلَمَّا سُرِّيَ عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ يَضْحَكُ فَكَانَ أَوَّلَ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا أَنْ قَالَ لِي: «يَا عَائِشَةُ! إِحْمَدِي اللّٰهَ فَقَدْ بَرَّأَكِ اللّٰهُ»، قَالَتْ لِي أُمِّي: قُومِي إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَقُلْتُ: لَا وَاللّٰهِ، لَا أَقُومُ إِلَيْهِ وَلَا أَحْمَدُ إِلَّا اللّٰهَ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ﴾ الْآيَاتِ. فَلَمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ هٰذَا فِي بَرَاءَتِي قَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَانَ يُنْفِقُ عَلٰى مِسْطَحِ ابْنِ أُثَاثَةَ لِقَرَابَتِهِ مِنْهُ: وَاللّٰهِ لَا أُنْفِقُ عَلٰى مِسْطَحٍ بِشَيْءٍ أَبَدًا بَعْدَ مَا قَالَ لِعَائِشَةَ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ [النور: ٢٢] فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ: بَلٰى وَاللّٰهِ، إِنِّي لَأُحِبُّ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لِي، فَرَجَعَ إِلٰى مِسْطَحٍ الَّذِي كَانَ يُجْرِي عَلَيْهِ، وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ سَأَلَ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ عَنْ أَمْرِي، فَقَالَ: «يَا زَيْنَبُ! مَا عَلِمْتِ، مَا رَأَيْتِ؟» فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَحْمِي سَمْعِي وَبَصَرِي، وَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلَيْهَا إِلَّا خَيْرًا، قَالَتْ: وَهِيَ الَّتِي كَانَتْ تُسَامِينِي فَعَصَمَهَا اللّٰهُ بِالْوَرَعِ.

ضرور اسے قتل کر ڈالیں گے۔ تو منافق ہے جو منافقین کی طرف داری کرتا ہے۔ یہ کہنا ہی تھا کہ اوس اور خزرج دونوں قبیلے بگڑ گئے یہاں تک کہ انھوں نے آپس میں لڑنے کا ارادہ کر لیا جبکہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے۔ پھر آپ ﷺ (منبر سے) نیچے اترے اور ان کو ٹھنڈا کیا یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد آپ بھی خاموش ہو رہے۔ حضرت عائشہ ؓ کا بیان ہے کہ میں پورا دن روتی رہی، نہ تو میرے آنسو تھمتے اور نہ مجھے نیند ہی آتی تھی۔ صبح کو میرے والدین میرے پاس آئے، میں دو راتوں اور ایک دن سے مسلسل رو رہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ یہ رونا میرے کلیجے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ حضرت عائشہ ؓ کا بیان ہے کہ میرے والدین میرے پاس ہی بیٹھے تھے اور میں رو رہی تھی کہ اتنے میں ایک انصاری عورت نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ میں نے اسے اجازت دے دی۔ پھر وہ میرے ساتھ بیٹھ کر رونے لگی۔ ہم اسی حال میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور بیٹھ گئے۔ اس سے پہلے جس دن سے یہ طوفان اٹھا تھا آپ میرے پاس بیٹھتے ہی نہ تھے۔ آپ پورا ایک مہینہ تردد میں رہے۔ میرے بارے میں کوئی وحی نہ اتری۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں: پھر آپ نے خطبہ پڑھا اور فرمایا: ''عائشہ! مجھے تیرے متعلق ایسی ایسی خبر پہنچی ہے، اگر تم اس سے بری ہو تو عنقریب ہی اللہ تمھیں بری کر دے گا اور اگر تم گناہ سے آلودہ ہو چکی ہو تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور اس کی طرف رجوع کرو کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کر کے توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔'' پھر جب رسول اللہ ﷺ اپنی گفتگو ختم کر چکے تو دفعتاً میرے آنسو خشک ہو گئے حتی کہ ایک قطرہ بھی نہ رہا اور میں نے اپنے باپ سے کہا: آپ رسول اللہ

ﷺ کو میری طرف سے جواب دیں۔ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ میں رسول ﷺ کو کیا جواب دوں۔ پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا: آپ میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو جواب دیں۔ انھوں نے بھی کہا: میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو کیا جواب دوں۔ پھر میں نے کہا، حالانکہ میں ایک کمسن لڑکی تھی اور زیادہ قرآن بھی نہ پڑھتی تھی: اللہ کی قسم! مجھے معلوم ہے کہ آپ نے لوگوں سے وہ بات سنی ہے جس کا لوگ چرچا کر رہے ہیں اور وہ آپ کے دل میں جم گئی ہے۔ آپ نے اسے سچ سمجھ لیا ہے۔ اب اگر میں آپ سے کہوں کہ میں اس سے بری ہوں، اللہ میری براءت کو خوب جانتا ہے، تو آپ لوگ مجھے سچا نہ جانیں گے اور اگر میں آپ لوگوں کی خاطر کسی بات کا اقرار کر لوں، اور اللہ جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو آپ لوگ میری بات مان لیں گے۔ یقیناً میری اور تمھاری وہی مثال ہے جو یوسف علیہ السلام کے باپ کی تھی، جس پر انھوں نے کہا تھا: ''بس اچھی طرح صبر کرنا ہی میرا کام ہے اور تم جو باتیں بنا رہے ہو ان میں اللہ ہی میرا مددگار ہے۔'' پھر میں نے اپنے بستر پر کروٹ لی اور مجھے امید تھی کہ اللہ تعالیٰ ضرور مجھے بری کرے گا مگر اللہ کی قسم! مجھے یہ خیال تک نہ تھا کہ میرے بارے میں وحی نازل ہو گی۔ میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتی تھی کہ قرآن میں میرے معاملے کا ذکر ہو گا بلکہ مجھے اس بات کی امید تھی کہ رسول اللہ ﷺ میرے متعلق کوئی خواب دیکھیں گے اور وہ خواب میری براءت کر دے گا۔ پھر اللہ کی قسم! آپ ﷺ ابھی اس جگہ سے الگ بھی نہ ہوئے تھے اور نہ اہل خانہ ہی میں سے کوئی باہر نکلا تھا کہ آپ پر وحی نازل ہوئی اور وہی

حالت آپ پر طاری ہوگئی جو نزول وحی کے وقت ہوا کرتی تھی، یعنی سردیوں میں بھی آپ کی پیشانی سے موتیوں کی طرح پسینہ ٹپکتا تھا۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ سے یہ حالت دور ہوئی تو آپ اس وقت مسکرا رہے تھے۔ سب سے پہلے جو الفاظ آپ نے مجھ سے فرمائے وہ یہ تھے: ''عائشہ! اللہ کا شکر ادا کرو، بے شک اللہ نے تمھیں بری کر دیا ہے۔'' میری ماں نے مجھ سے کہا: تم رسول اللہ ﷺ کی طرف کھڑی ہو جاؤ۔ میں نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! میں آپ کی طرف کھڑی نہیں ہوں گی اور نہ اللہ کے سوا کسی کا شکریہ ادا کروں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ''بے شک وہ لوگ جنھوں نے یہ بہتان باندھا ہے وہ تمھی سے ایک گروہ ہے۔'' آخری آیت تک۔ الغرض جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات میری براءت میں نازل فرمائیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں مسطح کو اس کے بعد کچھ نہیں دیا کروں گا کیونکہ اس نے عائشہ کے بارے میں طوفان اٹھایا تھا، جبکہ وہ اس سے پہلے حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کو رشتہ داری کی وجہ سے کچھ امداد دیا کرتے تھے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں: ''اور تم میں سے جو لوگ بزرگی اور وسعت والے ہیں انھیں یہ قسم نہیں اٹھانی چاہیے کہ وہ (قرابت داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو) کچھ نہیں دیں گے (انھیں چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمھیں معاف کر دے اور اللہ) بے حد بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! کیوں نہیں، میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے، چنانچہ انھوں نے حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کو وہی کچھ دینا شروع کر دیا جو اس

سے پہلے دیا کرتے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے (وحی کے نزول سے پہلے) میرے معاملے کی بابت حضرت زینب بنت جحش ؓ سے فرمایا: ''اے زینب! تم اس معاملے کے متعلق کیا جانتی ہو اور تم نے کیا دیکھا ہے؟'' انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! میں اپنے کان اور آنکھ محفوظ رکھتی ہوں، اللہ کی قسم! میں ان کے بارے میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتی۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں: وہ برابر میرا مقابلہ کرتی رہتی تھیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو پرہیز گاری کے باعث (میری بدگوئی سے) بچا لیا۔

قَالَ: وَحَدَّثَنَا فُلَيْحٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ مِثْلَهُ. قَالَ: وَحَدَّثَنَا فُلَيْحٌ عَنْ رَّبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَيَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ مِّثْلَهُ. [راجع: ٢٥٩٣]

راوی نے کہا: ہمیں فلیح نے ہشام بن عروہ سے، انھوں نے حضرت عروہ بن زبیر کے ذریعے سے انھوں نے حضرت عائشہ ؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ سے اسی طرح روایت کیا: راوی نے کہا: فلیح نے ربیعہ بن ابوعبدالرحمٰن اور یحییٰ بن سعید سے، انھوں نے قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق سے بھی اسی طرح بیان کیا۔

فوائد و مسائل: ① ام المومنین حضرت عائشہ ؓ پر تہمت لگانے سے صرف ان کی ذات کو ہدف تنقید بنانا مقصود نہ تھا بلکہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے اس کی آڑ میں اسلام کی بنیاد ڈھانے کا بدترین منصوبہ تیار کیا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ جب لوگوں میں یہ بات مشہور ہو جائے گی تو وہ دیدہ دلیری سے کہہ سکیں گے کہ جس شخص کی بیوی ایسی ہو وہ رسول کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر آسانی سے یہ بات کہی جا سکے گی کہ جس رسول کا یہ حال ہے اس پر وحی لانے والا فرشتہ اور وحی بھیجنے والا اللہ بھی ایسا ہو گا۔ نعوذ باللّٰه من ذلك. اس تہمت کا پس منظر انکار رسالت و الوہیت تھا۔ ② بعض سادہ لوح صحابۂ کرام ؓ جیسے حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش ؓ بھی اس کے دھوکے میں پھنس کر رہ گئے تھے۔ پورے سینتیس دن کے بعد اس ناپاک منصوبے کا خاتمہ ہوا۔ ③ امام بخاری ؒ اس طویل حدیث سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ عورتوں کی گواہی کسی عورت کو معتبر قرار دینے کے لیے کافی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا حضرت بریرہ ؓ سے سوال کرنا اور ان کا حضرت عائشہ ؓ کی براءت میں جواب دینا اور ان کی معصومیت بیان کرنا اور رسول اللہ ﷺ کا اس پر اعتماد کرنا، پھر حضرت زینب بنت جحش ؓ سے حضرت عائشہ ؓ کے متعلق پوچھنا اور ان کا حضرت عائشہ کے متعلق صفائی دینا اور رسول اللہ ﷺ کا اس پر اعتماد کرنا، نیز حضرت عائشہ ؓ کا حضرت زینب ؓ کے متعلق تقویٰ اور پرہیزگاری کی گواہی دینا، ان سب باتوں سے عنوان ثابت ہوتا ہے۔ ④ امام بخاری ؒ کے قائم کیے ہوئے

عنوان میں ایک اور بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ عورتوں کی آپس میں تعدیل تو قابل اعتبار ہے مگر مردوں کے لیے ان کی تعدیل معتبر نہیں ہوگی۔[1] حدیث افک کے متعلق فکر رفاہی کے حاملین نے جو اعتراضات کیے ہیں، انھیں ہم آئندہ بیان کریں گے اور ان کا جواب دیں گے۔ بإذن الله تعالٰی.

(١٦) بَابٌ: إِذَا زَكَّى رَجُلٌ رَجُلًا كَفَاهُ

باب: 16- جب کوئی ایک آدمی دوسرے آدمی کی صفائی بیان کرے تو وہی اس کے لیے کافی ہے

وَقَالَ أَبُو جَمِيلَةَ: وَجَدْتُ مَنْبُوذًا فَلَمَّا رَآنِي عُمَرُ قَالَ: عَسَى الْغُوَيْرُ أَبْؤُسًا، كَأَنَّهُ يَتَّهِمُنِي. قَالَ عَرِيفِي: إِنَّهُ رَجُلٌ صَالِحٌ، قَالَ: كَذَاكَ، اِذْهَبْ وَعَلَيْنَا نَفَقَتُهُ.

ابو جمیلہ نے کہا: مجھے ایک گرا پڑا بچہ ملا۔ جب مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو فرمایا: اسے بچانے کی کوشش تمھارے لیے مصیبت نہ بن جائے۔ گویا وہ مجھے متہم کر رہے تھے۔ میرے سردار نے ان سے کہا: ایسی کوئی بات نہیں، یہ ایک پارسا انسان ہیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر معاملہ اسی طرح ہے تو اسے لے جاؤ، اس کا خرچہ ہمارے ذمے ہوگا۔

وضاحت: اس واقعے کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔ اس میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: آپ نے اس بچے کو کیوں اٹھایا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ضائع ہو جائے۔[2] واقعہ یوں ہے کہ ابو جمیلہ نامی آدمی کو ایک بچہ ملا جسے اس کے والدین نے پھینک دیا تھا۔ انھوں نے بچے پر ترس کھاتے ہوئے اسے اٹھا لیا اور اسے پالنے کی ذمہ داری قبول کر لی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آمنا سامنا ہوا تو انھوں نے خیال کیا کہ شاید اس کی بدکاری کا بچہ ہو اور اس نے لقیط مشہور کر کے اٹھایا ہو، اس لیے انھوں نے فرمایا: یہ کوشش کہیں تمھارے لیے مصیبت نہ بن جائے۔ جب ان کے نیک ہونے کی گواہی ملی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں چھوڑ دیا اور فرمایا: بچے کی پرورش کرو، اس کا خرچہ بیت المال برداشت کرے گا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ بعض اوقات کسی آدمی کو الزام سے بری قرار دینے کے لیے ایک مرد کی گواہی ہی کافی ہوتی ہے۔

٢٦٦٢ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ:

[2662] حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک شخص نے نبی ﷺ کے پاس کسی دوسرے شخص کی تعریف کی تو آپ نے کئی مرتبہ فرمایا: ''تجھ پر افسوس

1 فتح الباري: 336/5. 2 السنن الكبرٰى للبيهقي: 201/6، 202.

أَثْنٰى رَجُلٌ عَلٰى رَجُلٍ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «وَيْلَكَ، قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ، قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ»، مِرَارًا. ثُمَّ قَالَ: «مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَادِحًا أَخَاهُ لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ: أَحْسِبُ فُلَانًا وَاللّٰهُ حَسِيبُهُ، وَلَا أُزَكِّي عَلَى اللّٰهِ أَحَدًا، أَحْسِبُهُ كَذَا وَكَذَا؛ إِنْ كَانَ يَعْلَمُ ذٰلِكَ مِنْهُ».

[انظر: ٦٠٦١، ٦١٦٢]

ہے! تم نے تو اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی۔" پھر آپ نے تلقین فرمائی: "تم میں سے اگر کوئی اپنے بھائی کی ضرور تعریف کرنا چاہتا ہے تو اسے یوں کہنا چاہیے کہ اللہ ہی فلاں شخص کے متعلق صحیح علم رکھتا ہے۔ میں اس کے مقابلے میں کسی کو پاک نہیں ٹھہراتا۔ میں اسے ایسا ایسا گمان کرتا ہوں بشرطیکہ وہ اس کی اس خوبی سے واقف ہو۔"

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صفائی دینے والا ایک مرد ہی کافی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرد کی صفائی کا اعتبار کیا ہے لیکن ضروری ہے کہ وہ اس کی صفائی میں حد سے زیادہ بڑھنے کی بجائے حق گوئی سے کام لے۔ اگر کوئی شخص اپنی تعریف سن کر فخر میں آ جائے تو ایسے شخص کی تعریف سے بچنا چاہیے اور جس شخص سے اس کے کمال تقویٰ کے باعث فخر و تکبر کا خطرہ نہ ہو اس کی صفائی دینے اور تعریف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کا طریقہ رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: "اصل علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے، اس کے علم کے مقابلے میں کسی کو پاک نہیں ٹھہرایا جا سکتا، البتہ اس شخص کے متعلق میں اچھا گمان رکھتا ہوں۔" ② کسی آدمی کی منہ پر تعریف کی جا سکتی ہے بشرطیکہ اس کے فخر میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو، البتہ تعریف میں حد سے بڑھنا بہر حال ممنوع ہے، چنانچہ امام بخاری ؒ اس کے متعلق ایک دوسرا عنوان قائم کرتے ہیں۔

(١٧) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْإِطْنَابِ فِي الْمَدْحِ، وَلْيَقُلْ مَا يَعْلَمُ

باب: 17- مدح سرائی میں مبالغہ مکروہ ہے، اتنا ہی کہے جو جانتا ہو

٢٦٦٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّا: حَدَّثَنِي بُرَيْدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا يُثْنِي عَلٰى رَجُلٍ وَيُطْرِيهِ فِي مَدْحِهِ فَقَالَ: «أَهْلَكْتُمْ - أَوْ قَطَعْتُمْ - ظَهْرَ الرَّجُلِ». [انظر: ٦٠٦٠]

[2663] حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص سے سنا کہ وہ دوسرے شخص کی مدح و ثنا کر رہا تھا اور اس کی تعریف میں مبالغہ آمیزی سے کام لے رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: "تم نے اسے ہلاک کر دیا۔" یا فرمایا: "تم نے اس شخص کی کمر توڑ دی ہے۔"

فائدہ: اگر انسان کی اس کے سامنے حد سے زیادہ تعریف کی جائے تو وہ تکبر اور خود پسندی کا شکار ہو جاتا ہے اور فخر و غرور

میں مبتلا ہو کر خود کو مبالغہ آمیز تعریف کا مصداق خیال کرتا ہے، اس طرح شیطان کے دھوکے میں پھنس کر رہ جاتا ہے، اس بنا پر رسول اللہ ﷺ نے حد سے زیادہ تعریف کرنے سے منع کیا ہے، ہاں جس قدر جانتا ہو اس کے مطابق تعریف میں کوئی حرج نہیں۔ اس طرح ابوبکرہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سے مروی دونوں احادیث میں تطبیق ممکن ہے۔ واللہ أعلم.

(١٨) بَابُ بُلُوغِ الصِّبْيَانِ وَشَهَادَتِهِمْ

باب: 18- بچوں کا بالغ ہونا اور ان کا گواہی دینا

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: ﴿وَإِذَا بَلَغَ ٱلْأَطْفَٰلُ مِنكُمُ ٱلْحُلُمَ فَلْيَسْتَـْٔذِنُوا۟﴾ [النور: ٥٩]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”جب لڑکے سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ بھی (گھر آنے کے لیے) اجازت لیا کریں۔“

وَقَالَ مُغِيرَةُ: اِحْتَلَمْتُ وَأَنَا ابْنُ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً.

حضرت مغیرہ نے کہا: جب مجھے احتلام ہوا تو میری عمر بارہ برس تھی۔

وَبُلُوغُ النِّسَاءِ إِلَى الْحَيْضِ لِقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَٱلَّٰٓـِٔى يَئِسْنَ مِنَ ٱلْمَحِيضِ مِن نِّسَآئِكُمْ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [الطلاق: ٤]

اور عورتوں کا بالغ ہونا حیض سے ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”تمھاری جو عورتیں حیض سے ناامید ہو چکی ہوں (اگر تمھیں کچھ شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور ان کی بھی جنھیں حیض آنا شروع نہ ہوا ہو اور حمل والی عورتوں کی عدت) وضع حمل ہے۔“

وَقَالَ الْحَسَنُ بْنُ صَالِحٍ: أَدْرَكْتُ جَارَةً لَّنَا جَدَّةً بِنْتَ إِحْدٰى وَعِشْرِينَ.

حسن بن صالح نے کہا: میں نے اپنی ایک ہمسائی کو دیکھا وہ اکیس برس کی عمر میں نانی بن چکی تھی۔

فوائد ومسائل: ① اس عنوان کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے دو باتیں بیان کی ہیں: پہلی بات یہ کہ بچے اور بچیاں کب بالغ ہوتے ہیں اور دوسری یہ کہ ان کی گواہی کے متعلق کیا حکم ہے؟ جہاں تک لڑکوں کی بلوغت کا تعلق ہے تو اس کا انحصار احتلام پر ہے، خواہ عمر کے کسی حصے میں ہو۔ اور لڑکی کو جب حیض آ جائے تو یہ اس کے بالغ ہونے کی علامت ہے۔ اس وقت ان پر عبادات، حدود وغیرہ کے احکام لاگو ہوں گے۔ ② اگر کسی وجہ سے احتلام یا حیض دیر سے آئے تو زیر ناف بالوں کا اگنا بھی اس کی علامت ہے یا وہ اس مدت کو پہنچ جائیں کہ اس مدت کے دوسرے بچے بچیاں بالغ ہو جاتے ہیں اور وہ پندرہ سال کی عمر ہے۔ حضرت مغیرہ کو بارہ سال کی عمر میں احتلام شروع ہو گیا تھا۔ اسی طرح ایک عورت اکیس سال کی عمر میں نانی بن گئی تھی۔ اس کی یہ صورت ہوگی کہ لڑکی کو نو برس کی عمر میں حیض آ جائے اور اس کی شادی کر دی جائے۔ دس سال کی عمر میں اس کے ہاں لڑکی پیدا ہو وہ بھی نو برس کی عمر میں بالغ ہو جائے اور شادی کے بعد وہ دس سال کی عمر میں صاحب اولاد ہو جائے۔ اس صورت میں پہلی لڑکی بیس اکیس سال کی عمر میں نانی بن سکتی ہے۔ لیکن ایسے واقعات بہت کم ہی ہوتے ہیں۔ ان پر عام

حالات کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ گواہی کے لیے ضروری ہے کہ ان کی عمر بلوغ کو پہنچ جائے۔ اس کے بغیر گواہی قبول نہیں ہوگی۔ واللہ أعلم۔

٢٦٦٤ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَرَضَهُ يَوْمَ أُحُدٍ وَهُوَ ابْنُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ سَنَةً فَلَمْ يُجِزْنِي، ثُمَّ عَرَضَنِي يَوْمَ الْخَنْدَقِ وَأَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ فَأَجَازَنِي. قَالَ نَافِعٌ: فَقَدِمْتُ عَلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَهُوَ خَلِيفَةٌ فَحَدَّثْتُهُ هٰذَا الْحَدِيثَ فَقَالَ: إِنَّ هٰذَا لَحَدٌّ بَيْنَ الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ، وَكَتَبَ إِلَى عُمَّالِهِ أَنْ يَفْرِضُوا لِمَنْ بَلَغَ خَمْسَ عَشْرَةَ. [انظر: ٤٠٩٧]

[2664] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ وہ اُحد کے دن رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش ہوئے جبکہ ان کی عمر چودہ برس ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ نے مجھے جنگ میں جانے کی اجازت نہ دی۔ پھر میں خندق کے دن پیش ہوا تو میری عمر پندرہ سال تھی تو آپ نے مجھے جنگ میں شمولیت کی اجازت دے دی۔ حضرت نافع کہتے ہیں: میں حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کے پاس آیا جبکہ آپ خلیفہ تھے تو میں نے آپ سے یہ حدیث بیان کی، انھوں نے فرمایا: یہ بالغ اور نابالغ کے درمیان حد ہے۔ انھوں نے اپنے حکام کو لکھا کہ جو لوگ پندرہ سال کی عمر کو پہنچ جائیں ان کے نام دیوان میں لکھ لیا کریں اور ان کے وظیفے مقرر کر دیں۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کے مطابق جب بچے کی عمر پندرہ برس ہو جائے تو اس پر بالغوں کے احکام جاری ہو جاتے ہیں۔ اس پر عبادات، حدود اور دیگر احکام شریعت بھی اسی عمر میں لازم ہوں گے۔ اس عمر میں وہ جنگ میں شریک ہو سکے گا اور مال غنیمت کا حق دار ہوگا۔ اگر وہ حربی کافر ہے تو اسے قتل کیا جائے گا۔ اس عمر میں اس کی گواہی بھی قبول کی جائے گی۔ اگر اس عمر سے پہلے احتلام شروع ہو جائے تو بھی بلوغ کے احکام نافذ ہوں گے۔ ② احتلام سے مراد اچھلنے والے پانی کا اترنا ہے، خواہ جماع سے ہو یا حالت نیند میں۔ عورتوں کے لیے حیض کی آمد ان کے بالغ ہونے کی علامت ہے۔ اس میں عمر کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ صحت اور علاقائی اثرات کے اعتبار سے عمر مختلف ہو سکتی ہے۔

٢٦٦٥ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ». [راجع: ٨٥٨]

[2665] حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے، وہ اس حدیث کو نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''ہر احتلام والے (بالغ) پر جمعے کے دن غسل واجب ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احتلام شروع ہونے سے بچہ بالغ ہو جاتا ہے، لہٰذا اس پر شرعی احکام واجب ہوں گے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں جمعے کے دن غسل کا حکم بیان ہوا ہے۔ کیونکہ شرعی احکام انسان کے بالغ ہونے پر ہی نافذ ہوتے ہیں۔ ② گواہی دینا بھی ایک شرعی امر ہے جس کے لیے بالغ ہونا ضروری ہے۔ اس کی حد پندرہ سال کی عمر ہے جیسا کہ پہلی حدیث میں بیان ہوا ہے یا احتلام بالغ ہونے کی علامت ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ احتلام ہونے کی عمر میں مرد جوان ہو جاتا ہے اگرچہ اس کی عمر پندرہ برس نہ ہو۔

(١٩) بَابُ سُؤَالِ الْحَاكِمِ الْمُدَّعِي: هَلْ لَكَ بَيِّنَةٌ؟ قَبْلَ الْيَمِينِ

باب: 19- حاکم کو چاہیے کہ مدعی علیہ سے قسم لینے سے پہلے مدعی سے گواہوں کا مطالبہ کرے

٢٦٦٦، ٢٦٦٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ وَّهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ لَّقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ». قَالَ: فَقَالَ الْأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ: فِيَّ وَاللهِ كَانَ ذٰلِكَ، كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ مِّنَ الْيَهُودِ أَرْضٌ فَجَحَدَنِي فَقَدَّمْتُهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَلَكَ بَيِّنَةٌ؟» قَالَ: قُلْتُ: لَا، قَالَ: فَقَالَ لِلْيَهُودِيِّ: «اِحْلِفْ»، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِذًا يَّحْلِفُ وَيَذْهَبُ بِمَالِي. قَالَ: فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ [آل عمران: ٧٧]. [راجع: ٢٣٥٦، ٢٣٥٧]

[2667,2666] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے کسی مسلمان کا مال ناحق ہڑپ کرنے کے لیے جھوٹی قسم اٹھائی تو وہ جب اللہ تعالیٰ سے ملے گا تو وہ اس پر غضبناک ہوگا۔“ حضرت اشعث بن قیس ؓ نے کہا: اللہ کی قسم! یہ میرے متعلق ایسا فرمایا کیونکہ میرے اور ایک یہودی کے درمیان کچھ زمین کے متعلق جھگڑا تھا۔ اس نے میرے حق کا انکار کر دیا۔ میں نے اسے نبی ﷺ کے حضور پیش کیا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ”کیا تیرے پاس کوئی گواہ ہے؟“ میں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ نے یہودی سے فرمایا: ”تو قسم اٹھا۔“ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! وہ تو قسم اٹھا کر میرا مال لے جائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ”جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت کے عوض بیچ ڈالیں......“

فائدہ: اس حدیث کے مطابق عدالت کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے مدعی سے گواہ طلب کرے، اگر وہ گواہ یا دعویٰ کے لیے کوئی ثبوت نہ پیش کر سکے تو مدعا علیہ سے قسم لے۔ اگر وہ جھوٹی قسم اٹھاتا ہے تو وہ سخت گناہ گار ہوگا اور اگر اس کا جھوٹ

ثابت ہو جائے تو عدالت اسے سزا دے سکتی ہے کیونکہ جھوٹی گواہی دینا کبیرہ گناہ ہے۔ اور جھوٹی قسم اٹھا کر کسی کا مال ہڑپ کرنا اس سے بڑا جرم ہے۔

(۲۰) بَابُ الْيَمِينِ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ فِي الْأَمْوَالِ وَالْحُدُودِ

باب : 20- دیوانی اور فوجداری دونوں قسم کے مقدمات میں مدعیٰ علیہ سے قسم لینا

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «شَاهِدَاكَ أَوْ يَمِينُهُ».

نبی ﷺ نے (مدعی سے) فرمایا: ”تم اپنے دو گواہ پیش کرو بصورت دیگر مدعیٰ علیہ کی قسم سے فیصلہ ہوگا۔“

وَقَالَ قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ شُبْرُمَةَ: كَلَّمَنِي أَبُو الزِّنَادِ فِي شَهَادَةِ الشَّاهِدِ، وَيَمِينِ الْمُدَّعِي فَقُلْتُ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ﴾ [البقرة: ٢٨٢] قُلْتُ: إِذَا كَانَ يُكْتَفٰى بِشَهَادَةِ شَاهِدٍ وَيَمِينِ الْمُدَّعِي فَمَا يَحْتَاجُ أَنْ تُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرٰى، مَا كَانَ يَصْنَعُ بِذِكْرِ هٰذِهِ الْأُخْرٰى؟

ابن شبرمہ کہتے ہیں کہ ابوزناد نے مجھ سے ایک گواہ اور مدعی کی قسم کے متعلق گفتگو کی تو میں نے کہا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اپنے مردوں میں سے دو گواہ بناؤ۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں، ان لوگوں میں سے ہوں جن کو تم گواہی کے لیے پسند کرتے ہو، تاکہ ان میں سے اگر ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔“ میں نے کہا: اگر ایک گواہ کی گواہی اور مدعی کی قسم کافی ہوتی تو ان میں سے ایک کے دوسری کو یاد دلانے کی ضرورت نہیں تھی، ایسے حالات میں دوسری عورت کے یاد دلانے سے کیا فائدہ ہوگا؟

وضاحت: ابوزناد کا موقف یہ ہے کہ اگر مدعی کے پاس دو گواہ نہ ہوں صرف ایک گواہ ہو تو مدعی سے قسم لے کر اس کے حق میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گواہ اور مدعی کی قسم سے فیصلہ فرمایا تھا۔[1] اہل مدینہ کا عمل بھی اس پر ہے۔ لیکن ابن شبرمہ کا موقف یہ ہے کہ ایک گواہ اور قسم فیصلے کے لیے کافی نہیں بلکہ مدعی دو گواہ پیش کرے، بصورت دیگر مدعا علیہ سے قسم لے کر فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر مدعی کی طرف سے ایک گواہ اور قسم کافی ہوتی تو پھر قرآن مجید میں دوسری عورت کی قید کیوں لگائی جاتی؟ دو عورتوں کو گواہی کے لیے ضروری قرار دینا اور پھر یہ وجہ بیان کرنا کہ ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی خاص اہمیت ہے۔ لیکن ابن شبرمہ رحمہ اللہ کا استدلال محل نظر ہے کیونکہ قرآن مجید میں مستقل نصاب شہادت ذکر کیا گیا کہ ایک مرد دو عورتیں اور حدیث میں ایک دوسرا نصاب یوں ذکر کیا گیا: ایک مرد + مدعی کی قسم۔ اس لیے دونوں

1 صحيح مسلم، الأقضية، حديث: 4472 (1712).

میں کوئی تعارض نہیں بلکہ اپنی اپنی جگہ پر مستقل نصاب شہادت ہے۔

٢٦٦٨ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ: كَتَبَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا إِلَيَّ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضَى بِالْيَمِينِ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ. [راجع: ٢٥١٤]

[2668] حضرت ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے خط لکھا کہ نبی ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ قسم مدعیٰ علیہ کے ذمے ہوگی۔

فوائد ومسائل: ① حدیث میں ہے کہ گواہ پیش کرنے کی ذمہ داری مدعی پر ہے، اگر وہ گواہ پیش نہ کر سکے تو انکار کرنے والے سے قسم لے کر فیصلہ ہوگا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدعا علیہ پر ہر حال میں قسم اٹھانا ہی لازم ہے بشرطیکہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہو، خواہ مدعی اور مدعا علیہ میں میل جول اور تعلق ہو یا نہ ہو۔ ② امام مالک کہتے ہیں: مدعا علیہ سے اس وقت قسم لی جائے گی جب دونوں میں معاملات کا تبادلہ اور دیگر لین دین ہو ورنہ ہر شخص کسی شریف آدمی کو قسم اٹھانے پر مجبور کرتا رہے گا، خواہ اس پر جھوٹا دعویٰ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ دیوانی یا فوجداری دونوں قسم کے مقدمات میں مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی کیونکہ احادیث میں اس کے متعلق کوئی فرق نہیں ہے، انھیں اپنے عموم پر رکھا جائے گا۔ ہمارا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ واللہ أعلم۔

بَابٌ:

باب: - بلاعنوان

٢٦٦٩، ٢٦٧٠ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ يَسْتَحِقُّ بِهَا مَالًا لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ». ثُمَّ أَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ تَصْدِيقَ ذٰلِكَ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَـٰنِهِمْ﴾ إِلَى ﴿عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [آل عمران: ٧٧] ثُمَّ إِنَّ الْأَشْعَثَ بْنَ قَيْسٍ خَرَجَ إِلَيْنَا، فَقَالَ: مَا يُحَدِّثُكُمْ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ؟ فَحَدَّثْنَاهُ بِمَا قَالَ، فَقَالَ: صَدَقَ، لَفِيَّ أُنْزِلَتْ: كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ خُصُومَةٌ فِي شَيْءٍ فَاخْتَصَمْنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «شَاهِدَاكَ أَوْ يَمِينُهُ»، فَقُلْتُ لَهُ:

[2670,2669] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جو شخص کسی کا مال ہتھیانے کے لیے جھوٹی قسم اٹھائے گا تو اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر غضبناک ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت اتاری: ''جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو ...... ان کے لیے المناک عذاب ہوگا۔'' پھر اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے اور انھوں نے دریافت کیا کہ ابو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ تمھیں کیا حدیث بیان کر رہے تھے؟ جو کچھ انھوں نے فرمایا تھا ہم نے انھیں بیان کیا۔ وہ فرمانے لگے: انھوں نے سچ فرمایا ہے۔ میرے بارے میں ہی یہ آیت اتری تھی۔ ہوا یوں کہ میرے

إِنَّهُ إِذًا يَحْلِفُ وَلَا يُبَالِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ يَسْتَحِقُّ بِهَا مَالًا وَهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ». فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى تَصْدِيقَ ذٰلِكَ ثُمَّ اقْتَرَأَ هٰذِهِ الْآيَةَ.

[راجع: ٢٣٥٦، ٢٣٥٧]

اور ایک (یہودی) آدمی کے درمیان کسی چیز کے متعلق جھگڑا تھا۔ ہم اس مقدمے کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے تو آپ نے فرمایا: ”تمھارے دو گواہ دعویٰ ثابت کریں گے یا وہ قسم اٹھائے گا۔“ میں نے عرض کیا: یہ تو قسم اٹھا لے گا اور اس کی کوئی پروا نہیں کرے گا۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص جھوٹی قسم اٹھائے تاکہ اس کے ذریعے سے مال کا مستحق ہو جائے، حالانکہ وہ اس میں جھوٹا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ اس پر غضبناک ہو گا۔“ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ بالا مقدمے میں حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ مدعی تھے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرمایا: تمھیں اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے دو گواہ پیش کرنا ہوں گے، بصورت دیگر مدعا علیہ قسم اٹھائے گا اور مقدمہ اس کے حق میں ہو گا۔ بہرحال قسم اٹھانا مدعا علیہ کے ذمے ہے بشرطیکہ مدعی اپنے دعوے کے ثبوت کے لیے دو گواہ پیش نہ کر سکے، یا کم از کم ایک گواہ اور قسم دے گا۔ اگر ایسا نہ کر سکا تو مدعا علیہ قسم اٹھا کر بری ہو جائے گا۔ ② بعض لوگ یمین استظہار کے قائل ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مدعی اپنا دعویٰ گواہوں سے ثابت کر دے تو قاضی مدعی سے قسم لے کہ اس کے گواہوں نے جو ثابت کیا ہے وہ مبنی بر حقیقت ہے، اس میں کوئی دھوکا فریب نہیں ہے۔ قاضی شریح، امام نخعی اور اوزاعی وغیرہ اس کے قائل ہیں لیکن جمہور اہل علم اس سے اتفاق نہیں کرتے کیونکہ قرآن و سنت سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ واللہ أعلم.

(٢١) بَابٌ: إِذَا ادَّعَى أَوْ قَذَفَ فَلَهُ أَنْ يَلْتَمِسَ الْبَيِّنَةَ وَيَنْطَلِقَ لِطَلَبِ الْبَيِّنَةِ

باب: 21- اگر کوئی دعویٰ کرے یا زنا کی تہمت لگائے تو اس کا حق ہے کہ گواہوں کو تلاش کرنے میں بھاگ دوڑ کرے

٢٦٧١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ هِلَالَ بْنَ أُمَيَّةَ قَذَفَ امْرَأَتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ بِشَرِيكِ بْنِ

[2671] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے پاس اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی تو آپ نے فرمایا: ”تم پر گواہ پیش کرنا لازم ہے یا تیری پیٹھ پر حد قذف

سَحْمَاءَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْبَيِّنَةَ أَوْ حَدًّا فِي ظَهْرِكَ»، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِذَا رَأَى أَحَدُنَا عَلَى امْرَأَتِهِ رَجُلًا يَنْطَلِقُ يَلْتَمِسُ الْبَيِّنَةَ؟ فَجَعَلَ يَقُولُ: «اَلْبَيِّنَةَ وَإِلَّا حَدٌّ فِي ظَهْرِكَ». فَذَكَرَ حَدِيثَ اللِّعَانِ. [انظر: ٤٧٤٧، ٥٣٠٧]

لگے گی۔" اس نے عرض کیا: اللہ کے رسول! جب ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی پر کسی آدمی کو دیکھے تو کیا وہ گواہ تلاش کرنے جائے؟ آپ بدستور یہ فرماتے رہے: "گواہ پیش کرو ورنہ تمھاری پیٹھ پر کوڑے لگیں گے۔" پھر آپ نے لعان سے متعلقہ حدیث بیان کی۔

فوائد ومسائل: ① دعویٰ کرنے یا کسی پر زنا کی تہمت لگانے کے بعد اگر مدعی کے پاس فوری طور پر گواہ نہ ہوں تو اسے اس قدر مہلت دی جائے کہ وہ گواہ تلاش کر کے عدالت میں پیش کر سکے۔ اس سے فوراً گواہوں کی پیشی کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ ② حدیث میں میاں بیوی سے متعلق ایک معاملے کا ذکر ہے جبکہ عنوان عام ہے لیکن یہ آیاتِ لعان نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اس وقت شوہر اور اجنبی برابر تھے، پھر جب تہمت لگانے والے کے لیے یہ حکم ثابت ہوا تو ہر مدعی کے لیے بطریق اولیٰ ثابت ہوا، لیکن اجنبی ہو تو گواہ تلاش کرنے کی مہلت نہ دی جائے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ دوڑ جائے، اس لیے بہتر ہے کہ اسے قید کر دیا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تہمت لگانے والے کے لیے یہ مہلت بطریق نص ثابت کی ہے جبکہ دوسرے مدعیوں کے لیے بطریق قیاس یہ سہولت دی جائے۔

(٢٢) بَابُ الْيَمِينِ بَعْدَ الْعَصْرِ

باب: 22- عصر کے بعد قسم اٹھانا

٢٦٧٢ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ ابْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: رَجُلٌ عَلَى فَضْلِ مَاءٍ بِطَرِيقٍ يَمْنَعُ مِنْهُ ابْنَ السَّبِيلِ، وَرَجُلٌ بَايَعَ رَجُلًا لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِلدُّنْيَا؛ فَإِنْ أَعْطَاهُ مَا يُرِيدُ وَفَى لَهُ وَإِلَّا لَمْ يَفِ لَهُ، وَرَجُلٌ سَاوَمَ رَجُلًا بِسِلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ فَحَلَفَ بِاللهِ لَقَدْ أُعْطِيَ بِهَا كَذَا وَكَذَا، فَأَخَذَهَا». [راجع: ٢٣٥٨]

[2672] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تین آدمی ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نہ تو ہم کلام ہوگا اور نہ انھیں نظر رحمت ہی سے دیکھے گا، نیز انھیں گناہ سے پاکیزہ قرار نہیں دے گا بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا: ایک وہ شخص جس کے پاس راستے میں فالتو پانی ہو اور وہ مسافروں کو نہ دے، دوسرا وہ شخص جو کسی دوسرے سے صرف دنیا کی خاطر بیعت کرے، اگر اس کا مطلب پورا ہو تو وفا کرتا ہے اگر مطلب پورا نہ ہو تو وفا نہیں کرتا، تیسرا وہ آدمی جو کسی کے ساتھ عصر کے بعد اپنے سامان وغیرہ کا سودا کرتا ہے اور اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہے کہ اسے اس مال کے اتنے اتنے ملتے تھے، وہ اس کی قسم

پر اعتبار کر کے سامان خرید لیتا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں بیان کردہ تینوں گناہ اخلاقی اعتبار سے بہت ہی گھٹیا اور گھناؤنے ہیں۔ ان کی جس قدر مذمت کی جائے کم ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تیسرے شخص کی وجہ سے اس جگہ یہ حدیث لائے ہیں۔ ② خرید فروخت میں جھوٹ بولنا اور جھوٹی قسم اٹھا کر سودا فروخت کرنا ہر وقت گناہ ہے مگر عصر کے بعد ایسی قسم اٹھانا بدتر گناہ ہے کیونکہ اس وقت رات دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں، نیز اس وقت لوگوں کے اعمال بھی آسمان کی طرف اٹھائے جاتے ہیں، ایسے وقت میں جھوٹ بولنا یا جھوٹی قسم اٹھانا سخت گناہ ہے کہ دن کے اس آخری اور بابرکت حصے میں وہ جھوٹ بولنے سے باز نہ رہ سکا۔

(٢٣) بَابٌ: يَحْلِفُ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ حَيْثُمَا وَجَبَتْ عَلَيْهِ الْيَمِينُ، وَلَا يُصْرَفُ مِنْ مَّوْضِعٍ إِلٰى غَيْرِهِ

باب: 23- مدعیٰ علیہ ایسی جگہ قسم اٹھائے جہاں اس پر قسم واجب ہوئی تھی، اسے دوسری جگہ منتقل نہ کیا جائے

قَضٰى مَرْوَانُ بِالْيَمِينِ عَلٰى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ: أَحْلِفُ لَهُ مَكَانِي، فَجَعَلَ زَيْدٌ يَحْلِفُ وَأَبٰى أَنْ يَحْلِفَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَجَعَلَ مَرْوَانُ يَعْجَبُ مِنْهُ. وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «شَاهِدَاكَ أَوْ يَمِينُهُ» وَلَمْ يَخُصَّ مَكَانًا دُونَ مَكَانٍ.

مروان رحمہ اللہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے متعلق منبر پر قسم اٹھانے کا فیصلہ کیا تو انھوں نے فرمایا: میں اس کے لیے اپنی جگہ پر ہی قسم اٹھاؤں گا، پھر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے (وہیں) قسم اٹھانا شروع کر دی اور منبر پر آ کر قسم اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اس سے مروان تعجب کرنے لگے۔ نبی ﷺ نے (حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ سے) فرمایا تھا: ''دو گواہ لاؤ ورنہ اس (یہودی) کی قسم پر فیصلہ ہو گا۔'' آپ نے کسی خاص جگہ کی تخصیص نہیں فرمائی۔

وضاحت: مروان کے واقعے کو امام مالک رحمہ اللہ نے موطأ میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1] حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مطیع کا ایک مکان کے متعلق جھگڑا تھا۔ مروان نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو منبر پر آ کر قسم اٹھانے کے لیے کہا تو انھوں نے اس بات سے انکار کر دیا۔ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ نے اس واقعے سے ثابت کیا ہے کہ کسی خاص مقام پر قسم اٹھانا ضروری نہیں۔[2]

٢٦٧٣ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ،

[2673] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جو شخص

① الموطأ للإمام مالك، الأقضية، حديث: 1475. 2 فتح الباري: 350/5.

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالًا لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ». [راجع: ٢٣٥٦]

جھوٹی قسم اٹھا کر کسی کا مال ہڑپ کرنا چاہتا ہو تو وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔"

فوائد ومسائل: ① زمان ومکان کی تخصیص سے اصل قسم میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لیے جہاں عدالت ہے، اسی جگہ مدعا علیہ سے قسم لے کر فیصلہ کر دیا جائے۔ قسم لینے کے لیے نہ کسی خاص وقت کا انتظار کیا جائے اور نہ کسی مقدس جگہ ہی کا انتخاب کیا جائے، البتہ جمہور اہل علم کا موقف ہے کہ قسم میں شدت پیدا کرنے کے لیے کسی خاص جگہ، مثلاً: مدینہ میں منبر نبوی، مکہ میں رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان اور دیگر مقامات میں مسجد کے اندر یا کسی خاص وقت جیسا کہ عصر کے بعد یا جمعے کے دن قسم لینے کا اہتمام کیا جا سکتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مصحف پر قسم لینے میں کوئی خرابی نہیں۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ ایسی پابندی درست نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ ﷺ حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کے مقدمے میں یہودی سے تورات ہاتھ میں لے کر قسم لینے کا اہتمام کرتے یا ان کے عبادت خانے میں قسم لیتے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اسی مقام پر قسم لے کر معاملہ ختم کر دیا۔ واللہ أعلم۔

(٢٤) بَابٌ: إِذَا تَسَارَعَ قَوْمٌ فِي الْيَمِينِ

باب: 24- جب لوگ قسم اٹھانے میں جلدی کریں

وضاحت: فریقین میں سے ہر ایک قسم اٹھانے کے لیے تیار ہو تو کیا کیا جائے؟ اس عنوان کے تحت اس کا حل پیش ہوگا۔

٢٦٧٤ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَرَضَ عَلَى قَوْمٍ الْيَمِينَ فَأَسْرَعُوا فَأَمَرَ أَنْ يُسْهَمَ بَيْنَهُمْ فِي الْيَمِينِ أَيُّهُمْ يَحْلِفُ.

[2674] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے کچھ لوگوں کو قسم اٹھانے کے لیے کہا تو وہ سارے قسم اٹھانے کے لیے فوراً تیار ہو گئے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ قسم لینے کے لیے ان میں قرعہ اندازی کی جائے، جس کے نام قرعہ نکلے وہ قسم اٹھائے۔

فوائد ومسائل: ① مذکورہ ضابطہ اس صورت میں ہے کہ جب اسباب استحقاق میں سب برابر ہوں، مثلاً: ایک چیز دو مدعیوں کے قبضے میں ہے اور ہر ایک پوری چیز لینے کا دعوے دار ہے اور قسم اٹھا کر اسے لینے کا خواہش مند ہے۔ گواہ کسی کے پاس نہیں ہیں تو ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی جس کے نام قرعہ نکلے گا وہ قسم اٹھا کر اس کا حق دار ہو جائے گا۔ ② ابوداود میں ہے کہ دو آدمیوں نے کسی چیز کے متعلق دعویٰ کیا اور کسی کے پاس گواہ نہیں تھے تو رسول اللہ ﷺ نے قرعہ اندازی

1 فتح الباري: 350/5.

کے ذریعے سے ایک سے قسم لے کر وہ چیز اس کے حوالے کر دی۔[1]

(٢٥) بَابٌ: قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ ٱللَّهِ وَأَيْمَـٰنِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَـٰٓئِكَ لَا خَلَـٰقَ لَهُمْ فِى ٱلْـَٔاخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ ٱللَّهُ وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [آل عمران: ٧٧].

باب: 25- ارشاد باری تعالیٰ: ”جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو معمولی قیمت کے عوض فروخت کر دیتے ہیں، ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہو گا اور اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن ہم کلام نہیں ہو گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت ہی سے دیکھے گا اور نہ انھیں گناہوں سے پاکیزہ قرار دے گا بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا“ کا بیان

٢٦٧٥ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ: أَخْبَرَنَا الْعَوَّامُ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ أَبُو إِسْمَاعِيلَ السَّكْسَكِيُّ: سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: أَقَامَ رَجُلٌ سِلْعَتَهُ فَحَلَفَ بِاللهِ لَقَدْ أَعْطَى بِهَا مَا لَمْ يُعْطِهَا، فَنَزَلَتْ: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ ٱللَّهِ وَأَيْمَـٰنِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾.

[2675] حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک شخص نے اپنا سامان بازار میں لگایا اور قسم اٹھائی: اللہ کی قسم! یہ سامان اتنے میں پڑا ہے، حالانکہ اتنے میں اس نے خریدا نہیں تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ”جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو معمولی قیمت کے عوض بیچ ڈالتے ہیں۔“

وَقَالَ ابْنُ أَبِي أَوْفَى: اَلنَّاجِشُ آكِلُ رِبًا خَائِنٌ. [راجع: ٢٠٨٨]

حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما نے کہا: ناجش (دھوکا دینے والا)، سود خور اور خیانت کرنے والا ہے۔

٢٦٧٦، ٢٦٧٧ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ كَاذِبًا لِيَقْتَطِعَ مَالَ الرَّجُلِ، أَوْ قَالَ: أَخِيهِ،

[2677,2676] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جس شخص نے جھوٹی قسم اٹھائی تاکہ اس کے ذریعے سے کسی آدمی یا مسلمان بھائی کا مال ہڑپ کر جائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر

① سنن أبي داود، القضاء، حديث: 3616.

لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ، وَأَنْزَلَ اللهُ تَصْدِيقَ ذٰلِكَ فِي الْقُرْآنِ: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ ٱللَّهِ وَأَيْمَٰنِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ إِلٰى قَوْلِهِ ﴿عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ اَلْآيَةَ [آل عمران:٧٧] فَلَقِيَنِي الْأَشْعَثُ فَقَالَ: مَا حَدَّثَكُمْ عَبْدُ اللهِ الْيَوْمَ؟ قُلْتُ: كَذَا وَكَذَا، قَالَ: فِيَّ أُنْزِلَتْ. [راجع: ٢٣٥٦، ٢٣٥٧]

ناراض ہوگا۔" اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق قرآن میں نازل فرمائی: "بے شک وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو معمولی قیمت کے عوض بیچ ڈالتے ہیں...... دردناک عذاب ہے۔" راوی حدیث کہتے ہیں: پھر مجھے حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ ملے تو انھوں نے کہا: آج عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تم سے کیا بیان کیا ہے؟ میں نے کہا: ایسے ایسے بیان کیا ہے تو انھوں نے فرمایا: یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی تھی۔

فوائد ومسائل: ① اس عنوان کے تحت مذکورہ احادیث سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جھوٹ بولنا تو ہر وقت منع ہے لیکن جھوٹی قسم اٹھانا بہت بڑا جرم ہے۔ خاص طور پر عدالت کے روبرو جھوٹی قسم اٹھانا اور جھوٹی گواہی دینا بہت بڑا گناہ ہے۔ جو شخص جھوٹی قسم اٹھا کر اپنے حق میں فیصلہ کرا لیتا ہے ایسا شخص اللہ کے نزدیک ملعون ہے۔ قیامت کے دن وہ اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوگا۔ جھوٹی قسم اٹھانے والے کو یہ حقیقت خوب ذہن نشین کر لینی چاہیے۔ ② آیت کریمہ کے نزول کے متعلق دونوں احادیث میں بظاہر مخالفت ہے، اس کے متعلق دو طرح سے جواب دیا گیا ہے: ○ حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کو اشعث بن قیس کے واقعے کی اطلاع نہیں ہوسکی، اس لیے انھوں نے اپنی معلومات بیان کی ہیں۔ ○ دونوں واقعات بیک وقت رونما ہوئے اور مذکورہ آیت دونوں واقعات کے بعد نازل ہوئی۔ آیت کے الفاظ دونوں کو شامل ہیں، ان میں کوئی مخالفت نہیں۔ واللہ أعلم.

(٢٦) بَابٌ: كَيْفَ يُسْتَحْلَفُ؟

باب: 26- قسم کس طرح لی جائے؟

قَالَ تَعَالٰى: ﴿يَحْلِفُونَ بِٱللَّهِ﴾ [التوبة:٦٢] وَقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿ثُمَّ جَآءُوكَ يَحْلِفُونَ بِٱللَّهِ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّآ إِحْسَٰنًا وَتَوْفِيقًا﴾ [النساء:٦٢]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وہ اللہ کے نام کی قسمیں کھاتے ہیں۔" نیز فرمایا: "پھر یہ لوگ تمھارے پاس آ کر قسمیں کھاتے ہیں کہ واللہ! ہم نے صرف خیر خواہی اور موافقت کا ارادہ کیا تھا۔"

يُقَالُ: بِاللهِ، وَتَاللهِ، وَوَاللهِ. وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَرَجُلٌ حَلَفَ بِاللهِ كَاذِبًا بَعْدَ الْعَصْرِ». وَلَا يُحْلَفُ بِغَيْرِ اللهِ.

(قسم کے لیے) اس طرح کہا جائے: باللہ، تاللہ، واللہ۔ نیز فرمان نبوی ہے: "وہ شخص جو عصر کے بعد جھوٹی قسم اٹھائے۔" اور غیر اللہ کی قسم نہ کھائی جائے۔

وضاحت: اس عنوان کا مقصد یہ ہے کہ قسم اٹھانے میں سخت الفاظ کا استعمال ضروری نہیں بلکہ صرف اللہ کی قسم ہی کافی

ہے۔عرب میں باللہ، تاللہ اور واللہ کے الفاظ قسم کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ غیر اللہ کے نام کی قسم اٹھانا بھی بہت بڑا جرم ہے۔

٢٦٧٨ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّهُ سَمِعَ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَإِذَا هُوَ يَسْأَلُهُ عَنِ الْإِسْلَامِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ»، فَقَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ؟ قَالَ: «لَا، إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ»، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وَصِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ»، فَقَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا؟ قَالَ: «لَا، إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ»، قَالَ: وَذَكَرَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ الزَّكَاةَ، قَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ؟ قَالَ: «لَا، إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ»، قَالَ: فَأَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُولُ: وَاللهِ لَا أَزِيدُ عَلَى هٰذَا وَلَا أَنْقُصُ، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ». [راجع: ٤٦]

[2678] حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آتے ہی اس نے اسلام کے متعلق سوال کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دن اور رات میں نماز پنجگانہ ادا کرنا۔“ اس نے عرض کیا: آیا اس کے علاوہ اور بھی کوئی نماز مجھ پر فرض ہے؟ آپ نے فرمایا: ”نہیں، اگر نفل پڑھو تو الگ بات ہے۔“ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”رمضان کے روزے رکھنا ہے۔“ اس نے عرض کیا: آیا ان کے علاوہ بھی مجھ پر روزے فرض ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”نہیں، الا یہ کہ تم نفلی روزے رکھو۔“ رسول اللہ ﷺ نے زکاۃ کا ذکر کیا تو اس نے کہا: کیا مجھ پر زکاۃ کے علاوہ اور بھی فرض ہے؟ آپ نے فرمایا ”نہیں، اگر نفلی صدقہ کرو تو اور بات ہے۔“ پھر وہ شخص یہ کہتا ہوا واپس گیا: اللہ کی قسم! میں اس سے زیادہ یا کم نہیں کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر اس نے سچ کہا تو کامیاب ہو جائے گا۔“

٢٦٧٩ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ قَالَ: ذَكَرَ نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللهِ أَوْ لِيَصْمُتْ». [انظر: ٣٨٣٦، ٦١٠٨، ٦٦٤٦، ٦٦٤٨]

[2679] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص قسم اٹھائے تو صرف اللہ کے نام کی قسم اٹھائے یا پھر خاموش رہے۔“

فوائد و مسائل: ① مقصد یہ ہے کہ قسم اٹھانے میں شدت اختیار کرنا واجب نہیں۔ ان احادیث میں صرف ”باللہ“ پر اکتفا کیا گیا ہے۔ کچھ ائمہ کا موقف ہے کہ اگر قاضی اسے متہم کرے تو اپنی قسم میں شدت پیدا کرنے کے لیے مزید الفاظ بڑھائے جا سکتے ہیں۔ ② ہمارے رجحان کے مطابق صرف اللہ کے نام اور اس کی صفات پر اکتفا کیا جائے۔ اللہ کے نام کے سوا کسی دوسری چیز کی قسم اٹھانا نہ صرف ناقابل اعتبار ہے بلکہ گناہ ہے جیسا کہ دیگر احادیث میں ہے: ”جس نے اللہ کے سوا کسی اور چیز کی قسم

اٹھائی اس نے شرک یا کفر کیا، اس لیے قسم صرف اللہ کے نام کی ہے بصورت دیگر اس کا خاموش رہنا بہتر ہے۔"[1] اگر غیر دانستہ طور پر غیر اللہ کی قسم کھا بیٹھے تو امید ہے کہ گناہ نہیں ہوگا۔ اپنے باپ دادا، بزرگ، ولی، کعبہ، فرشتے یا کسی پیغمبر کی قسم کھانا بھی ناجائز ہے، البتہ رب العالمین جس چیز کی چاہے قسم اٹھا سکتا ہے۔

(٢٧) بَابُ مَنْ أَقَامَ الْبَيِّنَةَ بَعْدَ الْيَمِينِ

باب: 27- جو کوئی قسم کے بعد گواہ پیش کرے

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَلْحَنُ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ».

نبی ﷺ نے فرمایا: "شاید تم میں سے کوئی دلیل پیش کرنے میں دوسرے سے زیادہ ہوشیار ہو، یعنی وہ بہتر طریقے سے اپنا مقدمہ پیش کر سکتا ہو۔"

وَقَالَ طَاوُسٌ وَّإِبْرَاهِيمُ وَشُرَيْحٌ: اَلْبَيِّنَةُ الْعَادِلَةُ أَحَقُّ مِنَ الْيَمِينِ الْفَاجِرَةِ.

حضرت طاوس، ابراہیم نخعی اور قاضی شریح بیان کرتے ہیں کہ سچا گواہ، جھوٹی قسم کے مقابلے میں زیادہ حق دار ہے کہ اس کا اعتبار کیا جائے۔

وضاحت: اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی باب کے تحت خود متصل سند سے بیان کیا ہے۔ اس عنوان کا مقصد یہ ہے کہ اگر مدعا علیہ کے قسم اٹھا لینے کے بعد مدعی نے اپنے گواہ پیش کر دیے تو کیا حکم ہے؟ جمہور اہل علم کا فیصلہ ہے کہ قسم کے بعد بھی گواہ قبول کیے جائیں گے، البتہ امام ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں: مدعا علیہ سے قسم لینے کے بعد گواہوں کا اعتبار نہیں ہوگا۔[2]

٢٦٨٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَّالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ زَيْنَبَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَلْحَنُ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا بِقَوْلِهِ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ فَلَا يَأْخُذْهَا». [راجع: ٢٤٥٨]

[2680] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم لوگ میرے پاس اپنے مقدمات لاتے ہو، ایسا ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی دلیل بیان کرنے میں دوسرے سے زیادہ ہوشیار ہو اور اس کے کہنے کے مطابق میں اس کے بھائی کا حق اسے دے دوں تو میں نے اس کے لیے جہنم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دیا ہے، اسے چاہیے کہ وہ نہ لے۔"

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاضی کا فیصلہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کرتا۔ اس میں معاملات و عقود برابر ہیں۔ اس پر سب علماء کا اتفاق ہے، لہٰذا اگر دو جھوٹے گواہ کسی شخص کے لیے مال کی گواہی دیں اور قاضی بظاہر ان کی

1 جامع الترمذي، النذور والأيمان، حديث: 1535، و صحيح البخاري، الشهادات، حديث: 2679. 2 عمدة القاري: 360/9.

سچائی پر فیصلہ کر دے تو جس کے لیے مال کا فیصلہ کیا گیا ہے اس کے لیے وہ مال حلال نہیں ہو گا۔ اسی طرح اگر جھوٹے گواہ کسی پر قتل کی گواہی دیں تو مقتول کے وارث کے لیے جائز نہیں کہ اس سے قصاص لے جبکہ اسے گواہوں کے جھوٹے ہونے کا علم ہو۔ ② علامہ کرمانی فرماتے ہیں: حدیث میں موجود صورت حال اس وقت متصور ہو گی کہ قسم اٹھانے کے بعد گواہ پیش کیے جائیں۔ شارح بخاری ابن منیر نے اس حدیث کی عنوان سے مطابقت ان الفاظ میں بیان کی ہے کہ جھوٹی قسم کھا کر کوئی شخص کسی چیز کو اپنے لیے حلال یا اپنا حق اس پر ثابت نہیں کر سکتا۔ وہ چیز قسم اٹھانے کے بعد بھی اس پر حرام رہے گی۔ قسم اٹھانے سے پہلے اور بعد دونوں حالتوں میں وہ چیز حق دار کی ہے اگر وہ گواہی لے آئے۔[1]

(٢٨) بَابُ مَنْ أَمَرَ بِإِنْجَازِ الْوَعْدِ

باب: 28- جس نے وعدہ پورا کرنے کا حکم دیا

وَفَعَلَهُ الْحَسَنُ ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ﴾ [مريم: ٥٤] وَقَضَى ابْنُ الْأَشْوَعِ بِالْوَعْدِ وَذَكَرَ ذٰلِكَ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ. وَقَالَ الْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَذَكَرَ صِهْرًا لَّهُ فَقَالَ: «وَعَدَنِي فَوَفَانِي».

امام حسن بصری ؒ نے اپنے وعدے کے مطابق عمل کر کے دکھایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”نیز اس کتاب میں حضرت اسماعیل کا قصہ بیان کیجیے، وہ وعدے کے سچے (اور رسول نبی) تھے۔“ ابن اشوع نے وعدہ کرنے کے متعلق فیصلہ کیا اور حضرت سمرہ بن جندب ؓ سے اسی طرح نقل کیا۔ حضرت مسور بن مخرمہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ اپنے ایک داماد کا ذکر کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”اس نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کیا۔“

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: رَأَيْتُ إِسْحَاقَ بْنَ إِبْرَاهِيمَ يَحْتَجُّ بِحَدِيثِ ابْنِ أَشْوَعَ.

ابوعبداللہ (امام بخاری ؒ) کہتے ہیں: میں نے اسحاق بن ابراہیم کو دیکھا وہ وعدہ پورا کرنے کے وجوب پر ابن اشوع کی حدیث سے دلیل لیتے تھے۔

وضاحت: وعدہ بھی خود پر ایک قسم کی گواہی ہے، اس لیے کتاب الشہادات میں وعدے کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ مالی معاملات میں عدالت کا عام طور پر یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ مال کی ادائیگی یا مال کی واپسی کے لیے مدعی یا مدعا علیہ عدالت کے روبرو وعدہ کرے کہ اسے مال ادا کروں گا یا غصب کیا ہوا مال واپس کروں گا۔ اس قسم کے وعدے کو پورا کرنا اہم ذمے داری ہے۔ اسے ہر صورت میں پورا کرنا چاہیے۔ اگر کوئی بروقت مال ادا یا واپس نہیں کرتا تو عدالت کو مداخلت کرنے کا حق ہونا چاہیے۔ امام بخاری ؒ کا موقف یہ معلوم ہوتا ہے کہ عدالت فیصلہ کرتے وقت اگر مدعا علیہ سے وعدہ لیتی ہے کہ اس فیصلے کو تسلیم کرتے ہوئے اس پر عمل درآمد کرے، اب وہ عدالت سے باہر جا کر اس کا انکار کر دیتا ہے تو عدالت کو چاہیے کہ وہ قانونی طور پر اس پر عمل درآمد

[1] فتح الباري: 355/5.

کرائے۔ اس مقصد کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے متعدد آثار ذکر کیے ہیں۔ اس سے عام وعدہ پورا کرنا مراد نہیں بلکہ عدالتی فیصلے کے مطابق جو وعدہ کیا گیا ہو وہ مراد ہے۔ اگر کوئی دولت کے بل بوتے پر عدالتی وعدہ پورا نہ کرے اور عدالت کوئی نوٹس نہ لے تو قانون ایک تماشا بن جائے گا۔ آئندہ احادیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس موقف کو ثابت کیا ہے۔ والله أعلم.

٢٦٨١ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سُفْيَانَ أَنَّ هِرَقْلَ قَالَ لَهُ: سَأَلْتُكَ مَاذَا يَأْمُرُكُمْ؟ فَزَعَمْتَ أَنَّهُ يَأْمُرُ بِالصَّلَاةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ وَالْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ، قَالَ: وَهٰذِهِ صِفَةُ نَبِيٍّ. [راجع: ٧]

[2681] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے شاہ روم ہرقل نے کہا: میں نے تجھ سے ان (رسول اللہ ﷺ) کے متعلق سوال کیا تھا کہ وہ تمھیں کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟ تو نے کہا تھا کہ وہ ہمیں نماز، سچائی، پاک دامنی، ایفائے عہد اور امانت کی ادائیگی کا حکم دیتے ہیں۔ تو نبی کی یہی صفات ہوتی ہیں۔

بَابٌ:

باب: - بلاعنوان

٢٦٨٢ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِي سُهَيْلٍ نَافِعِ بْنِ مَالِكِ بْنِ أَبِي عَامِرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ». [راجع: ٣٣]

[2682] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”منافق کی تین علامتیں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولتا ہے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے اور جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔“

٢٦٨٣ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ قَالَ: لَمَّا مَاتَ النَّبِيُّ ﷺ جَاءَ أَبَا بَكْرٍ مَالٌ مِّنْ قِبَلِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَضْرَمِيِّ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَنْ كَانَ لَهُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ دَيْنٌ

[2683] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب نبی ﷺ فوت ہوئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مال آیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص کا نبی ﷺ کے ذمے قرض ہو یا اس سے آپ نے کوئی وعدہ کیا ہو تو وہ ہمارے پاس آئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے

أَوْ كَانَتْ لَهُ قِبَلَهُ عِدَةٌ فَلْيَأْتِنَا، قَالَ جَابِرٌ: فَقُلْتُ: وَعَدَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُعْطِيَنِي هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا، فَبَسَطَ يَدَيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، قَالَ جَابِرٌ: فَعَدَّ فِي يَدِي خَمْسَمِائَةٍ، ثُمَّ خَمْسَمِائَةٍ، ثُمَّ خَمْسَمِائَةٍ. [راجع: ٢٢٩٦]

حضرت ابوبکر ؓ سے عرض کیا: مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ مجھے اتنا اتنا مال دیں گے، آپ نے اپنے دونوں ہاتھ تین مرتبہ پھیلائے۔ حضرت جابر ؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر ؓ نے میرے ہاتھ میں پانچ سو، پھر پانچ سو، پھر پانچ سو درہم دیے۔

٢٦٨٤ – حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ: أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ شُجَاعٍ عَنْ سَالِمٍ الْأَفْطَسِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ: سَأَلَنِي يَهُودِيٌّ مِّنْ أَهْلِ الْحِيرَةِ: أَيَّ الْأَجَلَيْنِ قَضَى مُوسٰى؟ قُلْتُ: لَا أَدْرِي حَتّٰى أَقْدَمَ عَلٰى حَبْرِ الْعَرَبِ فَأَسْأَلَهُ، فَقَدِمْتُ فَسَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ: قَضٰى أَكْثَرَهُمَا وَأَطْيَبَهُمَا، إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ إِذَا قَالَ فَعَلَ.

[2684] حضرت سعید بن جبیر ؒ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھ سے اہل حیرہ کے ایک یہودی نے سوال کیا کہ حضرت موسیٰ ؑ نے دو مدتوں میں سے کون سی مدت پوری کی تھی؟ میں نے کہا: میں اس وقت (تک کچھ) نہیں کہہ سکتا جب تک عرب کے بڑے عالم کے پاس جا کر نہ پوچھ لوں، چنانچہ میں حضرت ابن عباس ؓ کے پاس آیا اور ان سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا: جو مدت ان میں زیادہ اور عمدہ تھی (موسیٰ ؑ نے اسے پورا کیا تھا)۔ بے شک اللہ کا رسول جب کوئی بات کہتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے۔

فوائد و مسائل: ① ان احادیث سے امام بخاری ؒ نے وعدہ پورا کرنے کے وجوب کو ثابت کیا ہے، خاص طور پر وہ وعدہ جو عدالت کے روبرو کیا جائے۔ اگر وہ پورا نہ کرے تو عدالت اس کا نوٹس لے اور زبردستی اس سے پورا کرائے بصورت دیگر عدالتی فیصلے تماشا بن جائیں گے۔ ② حضرت موسیٰ ؑ کے سامنے آٹھ سال اور دس سال کی دو مدتیں رکھی گئی تھیں، حضرت موسیٰ ؑ نے وہ مدت پوری کی جو زیادہ لمبی اور زیادہ عمدہ تھی، حالانکہ موسیٰ ؑ نے دس سال کا وعدہ نہیں کیا تھا لیکن پھر بھی اسے پورا کر دکھایا۔ اس سے وعدہ پورا کرنے کی تاکید مقصود ہے۔ اس حدیث کے آخری جملے کا یہ مطلب ہے کہ جو بھی اللہ کا رسول ہو وہ سچی بات کرتا ہے۔ اس کا وعدہ سچا ہوتا ہے اور وہ اس کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ اللہ کے رسول وعدہ خلاف ہرگز نہیں ہوتے۔ واللہ أعلم.

(٢٩) بَابٌ: لَا يُسْأَلُ أَهْلُ الشِّرْكِ عَنِ الشَّهَادَةِ وَغَيْرِهَا

باب: 29- اہل شرک سے گواہی وغیرہ کے متعلق سوال نہ کیا جائے

وَقَالَ الشَّعْبِيُّ: لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ أَهْلِ الْمِلَلِ بَعْضِهِمْ عَلٰى بَعْضٍ، لِقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿فَأَغْرَيْنَا

امام شعبی بیان کرتے ہیں: دوسری ملت والوں کی گواہی ایک دوسرے کے خلاف لینی جائز نہیں کیونکہ ارشاد باری

﴿بَيْنَهُمُ ٱلْعَدَاوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ﴾ [المائدة: ١٤].

تعالیٰ ہے: ''ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض ڈال دیا ہے۔''

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ، وَقُولُوا: ﴿ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَمَآ أُنزِلَ﴾ [البقرة: ١٣٦]».

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''(مذہبی روایات میں) اہل کتاب کی نہ تو تصدیق کرو اور نہ انھیں جھوٹا ہی کہو بلکہ یہ کہو: ہم اللہ پر اور جو کچھ (اس کی طرف سے) اتارا گیا ہے اس پر ایمان لائے۔''

وضاحت: کفار و مشرکین کی گواہی کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور کا مذہب ہے کہ مطلق طور پر ان کی گواہی رد کر دی جائے۔ کچھ تابعین کا موقف ہے کہ ان کی گواہی ہر طرح سے قبول کی جائے گی لیکن مسلمانوں کے خلاف ان کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔ امام شعبی رحمہ اللہ کے اثر کو امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے موصولاً ذکر کیا ہے۔[1] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے خود ہی متصل سند سے ذکر کیا ہے۔[2] اس حدیث سے آپ نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو اہل کتاب کی گواہی قبول کرتے ہیں کیونکہ جب ان کی روایات و اخبار قبول نہیں ہیں تو گواہی کا معاملہ تو اس سے زیادہ نازک ہے۔

٢٦٨٥ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! كَيْفَ تَسْأَلُونَ أَهْلَ الْكِتَابِ؟ وَكِتَابُكُمُ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى نَبِيِّهِ ﷺ أَحْدَثُ الْأَخْبَارِ بِاللهِ تَقْرَؤُنَهُ لَمْ يُشَبْ، وَقَدْ حَدَّثَكُمُ اللهُ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ بَدَّلُوا مَا كَتَبَ اللهُ وَغَيَّرُوا بِأَيْدِيهِمُ الْكِتَابَ فَقَالُوا: ﴿هَٰذَا مِنْ عِندِ ٱللَّهِ لِيَشْتَرُوا۟ بِهِۦ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ [البقرة: ٧٩]. أَفَلَا يَنْهَاكُمْ مَّا جَاءَكُمْ مِنَ الْعِلْمِ عَنْ مُّسَاءَلَتِهِمْ؟ وَلَا وَاللهِ مَا رَأَيْنَا رَجُلًا مِّنْهُمْ قَطُّ يَسْأَلُكُمْ عَنِ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَيْكُمْ. [انظر:

[2685] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: اے جماعت اہل اسلام! تم اہل کتاب سے کیونکر سوال کرتے ہو؟ حالانکہ تمھاری کتاب جو اللہ نے اپنے نبی ﷺ پر نازل کی ہے وہ تو اللہ کی طرف سے تازہ خبریں دینے والی ہے جسے تم خود پڑھتے ہو۔ اس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمھیں بتایا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی کتاب کو بدل ڈالا ہے اور اس میں اپنے ہاتھوں سے تبدیلی کر کے پھر کہہ دیا: ''یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے ذریعے سے وہ معمولی سا مفاد حاصل کر لیں۔'' کیا وہ علم جو تمھیں اللہ کی طرف سے ملا ہے اس نے تمھیں ان سے سوال کرنے سے منع نہیں کیا؟ اللہ کی قسم! ہم نے ان کے کسی آدمی کو نہیں دیکھا

1 المصنف لابن أبي شيبة: 694/7. 2 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4485.

[٧٣٦٣، ٧٥٢٢، ٧٥٢٣]

کہ وہ ان آیات کے متعلق تم سے سوال کرتا ہو جو تم پر نازل کی گئی ہیں۔

فوائد ومسائل: ① اسلام نے ثقہ عادل گواہ کے لیے جو شرائط رکھی ہیں، ایک غیر مسلم کا ان کے معیار کے مطابق ہونا ممکن نہیں، اس لیے کسی کافر ومشرک کی گواہی قبول نہیں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس موقف کو ثابت کرنے کے لیے بڑے ٹھوس دلائل مہیا کیے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی حاکم وقت کسی غیر مسلم کی گواہی اس بنا پر قبول کرے کہ دوسرے قابل اعتماد ذرائع سے اس کی تصدیق ہوتی تھی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود چار یہودیوں کی گواہی پر یہودی مرد وعورت کو زنا کے جرم میں رجم کیا تھا، البتہ ضابطہ وہی ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ کفار ومشرکین کی گواہی ناقابل قبول ہے۔ ② مذکورہ حدیث میں اہل کتاب سے سوال کرنے کی ممانعت ہے۔ چونکہ انھوں نے اللہ کی بھیجی ہوئی کتابوں کو بدلا، اس لیے ان کی خبریں قبول نہیں۔ جس کی خبر قبول نہیں تو اس سے گواہی کیسے لی جا سکتی ہے، اس لیے اہل کتاب کی گواہی غیر مقبول ہے۔[1]

(٣٠) بَابُ الْقُرْعَةِ فِي الْمُشْكِلَاتِ

باب: 30- مشکل معاملات میں قرعہ اندازی کرنا

وَقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ﴾ [آل عمران: ٤٤] وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: اِقْتَرَعُوا فَجَرَتِ الْأَقْلَامُ مَعَ الْجِرْيَةِ وَعَالَ قَلَمُ زَكَرِيَّا الْجِرْيَةَ فَكَفَلَهَا زَكَرِيَّا.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جب وہ قرعہ اندازی کے لیے اپنے قلم ڈالنے لگے کہ کون مریم کی کفالت کرے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب سب لوگوں نے اپنے اپنے قلم (دریائے اردن میں) پھینکے تو تمام قلم پانی کے بہاؤ میں بہہ نکلے لیکن حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم اس بہاؤ میں اوپر تیرنے لگا۔ اس بنا پر حضرت زکریا علیہ السلام نے ان (مریم علیہا السلام) کی تربیت وپرورش اپنے ذمے لی۔

وَقَوْلِهِ: ﴿فَسَاهَمَ﴾: أَقْرَعَ ﴿فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ﴾ [الصافات: ١٤١]: مِنَ الْمَسْهُومِينَ.

قرآن مجید میں سَاهَمَ کے معنی قرعہ اندازی کے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ﴾ کے معنی ہیں: اس کے نام قرعہ نکل آیا۔

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: عَرَضَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى قَوْمٍ الْيَمِينَ فَأَسْرَعُوا، فَأَمَرَ أَنْ يُسْهِمَ بَيْنَهُمْ فِي الْيَمِينِ أَيُّهُمْ يَحْلِفُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ نے کسی قوم پر قسم پیش کی (قسم اٹھانے کا کہا) تو قسم اٹھانے میں تمام لوگ جلدی کرنے لگے۔ تب آپ نے ان کے درمیان قرعہ اندازی

---

① فتح الباري: 359/5.

کرنے کا حکم دیا تا کہ جس کے نام قرعہ نکلے وہی قسم اٹھائے۔

وضاحت: امام بخاری ؒ نے کتاب الشھادات میں قرعہ اندازی اس مناسبت سے بیان کی ہے کہ جس طرح گواہوں کے ذریعے سے مقدمات کا فیصلہ ہوتا ہے اسی طرح قرعہ اندازی بھی بعض اوقات فیصلہ کن ثابت ہوتی ہے۔ اس کے ذریعے سے حقوق دیے جاتے ہیں اور جھگڑوں کو ختم کیا جاتا ہے۔ جمہور علماء نے جھگڑا ختم کرنے کے لیے قرعہ ڈالنا جائز قرار دیا ہے۔ امام بخاری ؒ نے مندرجہ بالا آیات و احادیث سے اس کی مشروعیت بیان کی ہے، چنانچہ حضرت مریم ؑ کی کفالت کرنے کے متعلق قرعہ اندازی کی گئی۔ اس کے علاوہ حضرت یونس ؑ کو قرعہ اندازی کے ذریعے سے سمندر کے حوالے کیا گیا۔ اگرچہ یہ دونوں واقعات ہم سے پہلی امتوں کے ہیں، تاہم ہماری شریعت میں ان کی مخالفت بیان نہیں ہوئی، لہذا قابل قبول ہیں۔ حضرت ابن عباس ؓ کی تفسیر، تفسیر طبری میں موصولاً ذکر کی گئی ہے۔[1] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی حدیث کو خود امام بخاری ؒ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[2]

٢٦٨٦ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنِي الشَّعْبِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَثَلُ الْمُدْهِنِ فِي حُدُودِ اللهِ وَالْوَاقِعِ فِيهَا مَثَلُ قَوْمٍ اسْتَهَمُوا سَفِينَةً فَصَارَ بَعْضُهُمْ فِي أَسْفَلِهَا وَصَارَ بَعْضُهُمْ فِي أَعْلَاهَا، فَكَانَ الَّذِينَ فِي أَسْفَلِهَا يَمُرُّونَ بِالْمَاءِ عَلَى الَّذِينَ فِي أَعْلَاهَا فَتَأَذَّوْا بِهِ فَأَخَذَ فَأْسًا فَجَعَلَ يَنْقُرُ أَسْفَلَ السَّفِينَةِ فَأَتَوْهُ فَقَالُوا: مَا لَكَ؟ قَالَ: تَأَذَّيْتُمْ بِي وَلَا بُدَّ لِي مِنَ الْمَاءِ، فَإِنْ أَخَذُوا عَلَى يَدَيْهِ أَنْجَوْهُ وَنَجَّوْا أَنْفُسَهُمْ، وَإِنْ تَرَكُوهُ أَهْلَكُوهُ وَأَهْلَكُوا أَنْفُسَهُمْ»

[راجع: ٢٤٩٣].

[2686] حضرت نعمان بن بشیر ؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی حدود کے متعلق سستی برتنے والے (خاموشی اختیار کرنے والے) اور ان حدود میں واقع ہونے والے کی مثال اس قوم جیسی ہے جنھوں نے کشتی کے متعلق قرعہ اندازی کی تو کچھ لوگ کشتی کے نیچے اور کچھ اس کے بالائی حصے میں چلے گئے۔ جو نچلے حصے میں تھے وہ پانی لے کر اوپر والوں کے پاس سے گزرتے تو انھیں اس سے تکلیف ہوتی۔ نچلے حصے والوں میں سے ایک شخص نے کلہاڑا لیا تا کہ کشتی کے نیچے سے سوراخ کرے۔ جب وہ سوراخ کرنے لگا تو لوگ اس کے پاس آ کر کہنے لگے: یہ تم کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا: میری وجہ سے تمھیں تکلیف ہوتی ہے اور مجھے پانی کی ضرورت ہے۔ اگر وہ لوگ اس کا ہاتھ پکڑ لیں گے تو اس کو بھی بچا لیں گے اور خود بھی بچ جائیں گے اور اگر اسے چھوڑ دیں گے تو اس کو بھی ہلاک کریں گے اور خود بھی ہلاک ہوں گے۔“

1 تفسير الطبري: 314/3. 2 صحيح البخاري، الشهادات، حديث: 2674.

فائدہ: اس حدیث سے قرعہ اندازی کا ثبوت ملتا ہے کہ جو کشتی انھوں نے کرائے پر لی تھی یا ان سب کی ملکیت تھی اس کے متعلق سب برابر کے حصے دار تھے۔ قرعہ اندازی کے ذریعے سے ان کے حصے کا تعین کیا گیا جس کے متعلق ان کے آپس میں اختلاف اور جھگڑے کا خطرہ تھا۔ اس طرح کے معاملات میں قرعہ اندازی جائز ہے جبکہ حقوق میں سب برابر ہوں۔

٢٦٨٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي خَارِجَةُ بْنُ زَيْدٍ الْأَنْصَارِيُّ: أَنَّ أُمَّ الْعَلَاءِ - اِمْرَأَةٌ مِّنْ نِّسَائِهِمْ - قَدْ بَايَعَتِ النَّبِيَّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُونٍ طَارَ لَهُ سَهْمُهُ فِي السُّكْنَى حِينَ اقْتَرَعَتِ الْأَنْصَارُ سُكْنَى الْمُهَاجِرِينَ، قَالَتْ أُمُّ الْعَلَاءِ: فَسَكَنَ عِنْدَنَا عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُونٍ فَاشْتَكَى فَمَرَّضْنَاهُ، حَتَّى إِذَا تُوُفِّيَ وَجَعَلْنَاهُ فِي ثِيَابِهِ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَقُلْتُ: رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْكَ أَبَا السَّائِبِ، فَشَهَادَتِي عَلَيْكَ لَقَدْ أَكْرَمَكَ اللهُ. فَقَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَمَا يُدْرِيكِ أَنَّ اللهَ أَكْرَمَهُ؟» فَقُلْتُ: لَا أَدْرِي بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَمَّا عُثْمَانُ فَقَدْ جَاءَهُ وَاللهِ الْيَقِينُ، وَإِنِّي لَأَرْجُو لَهُ الْخَيْرَ، وَاللهِ مَا أَدْرِي وَأَنَا رَسُولُ اللهِ مَا يُفْعَلُ بِهِ». قَالَتْ: فَوَاللهِ لَا أُزَكِّي أَحَدًا بَعْدَهُ أَبَدًا، فَأَحْزَنَنِي ذٰلِكَ، قَالَتْ: فَنِمْتُ فَأُرِيتُ لِعُثْمَانَ عَيْنًا تَجْرِي فَجِئْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ: «ذٰلِكَ عَمَلُهُ». [راجع: ١٢٤٣]

[2687] حضرت ام علاء انصاریہ ؓ ان عورتوں میں سے ہیں جنھوں نے نبی ﷺ کی بیعت کی تھی، انھوں نے خبر دی کہ جب مہاجرین کی رہائش کے لیے انصار نے قرعہ اندازی کی تو حضرت عثمان بن مظعون ؓ کا قرعہ ہمارے نام نکلا، اس بنا پر وہ ہمارے پاس رہنے لگے۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہوگئے تو ہم نے ان کی خوب دیکھ بھال کی تا آنکہ وہ وفات پاگئے، چنانچہ ہم نے انھیں کفن دیا تو رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو میں نے کہا: اے ابوالسائب! تم پر اللہ کی رحمت ہو۔ میں تیرے لیے گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمھیں ضرور اعزاز بخشے گا اور تمھارا اکرام کرے گا۔ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''تمھیں کیا علم کہ اللہ تعالیٰ اسے عزت و اکرام دے گا؟'' میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں واقعی مجھے علم نہیں ہے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! حضرت عثمان بن مظعون ؓ کو موت آچکی ہے اور میں اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے خیر کی امید کرتا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں، اس کے باوجود نہیں جانتا کہ اس کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔'' حضرت ام علاء ؓ فرماتی ہیں: اللہ کی قسم! اس کے بعد میں نے کسی کو پاکباز نہیں کہا، البتہ ان کے متعلق اس گفتگو نے مجھے غمناک کر دیا، چنانچہ ایک دن مجھے نیند آئی تو مجھے خواب میں حضرت عثمان بن مظعون ؓ کا چشمہ دکھایا گیا جس میں پانی جاری تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا: ''یہ (چشمہ) اس کا عمل ہے (جو اب بھی

جاری ہے)۔"

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے متعلق یقینی طور پر جنتی ہونے کا دعویٰ نہ کیا جائے، ہاں جن کے متعلق قرآن کریم یا صحیح حدیث میں واضح طور پر آ چکا ہے، مثلاً: عشرہ مبشرہ وغیرہ انھیں یقینی طور پر جنتی کہا جا سکتا ہے، نیز ہر میت کے اعمال اس کی موت کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے ہیں، البتہ صدقۂ جاریہ جیسا عمل قیامت تک جاری رہے گا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو قرعہ اندازی کے جواز کے لیے پیش کیا ہے، ایسے موقع پر قرعہ اندازی جائز ہے اور اس میں شرعی طور پر کوئی خرابی نہیں ہے۔

٢٦٨٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ فَأَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهُ، وَكَانَ يَقْسِمُ لِكُلِّ امْرَأَةٍ مِّنْهُنَّ يَوْمَهَا وَلَيْلَتَهَا، غَيْرَ أَنَّ سَوْدَةَ بِنْتَ زَمْعَةَ وَهَبَتْ يَوْمَهَا وَلَيْلَتَهَا لِعَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ تَبْتَغِي بِذٰلِكَ رِضَا رَسُولِ اللهِ ﷺ. [راجع: ٢٥٩٣]

[2688] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرتے، جس کے نام قرعہ نکلتا اسے اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے۔ آپ ﷺ نے اپنی ہر بیوی کے لیے ایک دن اور ایک رات کی باری مقرر کر رکھی تھی لیکن حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی تھی، اس سے وہ رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتی تھیں۔

فائدہ: اس حدیث سے بھی قرعہ اندازی کا ثبوت ملتا ہے کہ جب حقوق میں سب برابر ہوں اور فیصلہ نہ ہو سکتا ہو تو حقوق کو متعین کرنے کے لیے قرعہ اندازی کا سہارا لیا جا سکتا ہے۔ کچھ حضرات اس کے شرعی طور پر جائز ہونے کا بلاوجہ انکار کرتے ہیں۔ انھیں اپنے موقف پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔

٢٦٨٩ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ مَّوْلَى أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَّسْتَهِمُوا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوا، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهْجِيرِ

[2689] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر لوگوں کو اذان دینے اور صف اوّل میں کھڑے ہونے کے ثواب کا علم ہو جائے تو اس کے حصول کے لیے انھیں قرعہ اندازی بھی کرنی پڑے تو وہ اس کا بھی سہارا لیں۔ اور اگر انھیں معلوم ہو جائے کہ جلدی بروقت نماز پڑھنے میں کیا ثواب ہے تو

لَاسْتَبَقُوا إِلَيْهِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا». [راجع: ٦١٥]

ایک دوسرے سے سبقت کرنے لگیں۔ اور اگر انھیں معلوم ہو جائے کہ عشاء اور فجر کی نماز میں کیا ثواب ہے تو ان نمازوں میں ضرور شریک ہوں اگرچہ انھیں گھٹنوں کے بل آنا پڑے۔‘‘

فائدہ: زندگی میں بے شمار معاملات ایسے آتے ہیں کہ ان میں فیصلہ کرنے کے لیے قرعہ اندازی کی ضرورت پیش آتی ہے کیونکہ اس کے بغیر کوئی بہتر فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ ایسے حالات میں قرعہ اندازی کی جاسکتی ہے۔ شریعت میں کئی ایک مواقع پر قرعہ اندازی کو جائز قرار دیا گیا ہے، مثلاً: حقوق متعین کرنے میں جبکہ سب مشترکہ طور پر ان میں شریک ہوں، یا ملکیت ثابت کرنے کے لیے قرعہ اندازی کی جاسکتی ہے۔ بہرحال اس کے شرعی طور پر جائز ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں ان کا موقف مبنی بر حقیقت نہیں ہے۔

صلح کا مفہوم اور اہمیت وافادیت

لغوی اعتبار سے لفظ صلح مصالحت کا اسم مصدر ہے۔لڑائی جھگڑے کے برعکس امن وآشتی اس کے معنی ہیں۔ شریعت میں اس سے مراد وہ معاہدہ ہے جس کے ذریعے سے مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان جھگڑا ختم کرایا جاتا ہے۔صلح کے مقابلے میں لڑائی جھگڑا اور دنگا فساد ہے جس کی سنگینی کو قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ ''اللہ تعالیٰ جھگڑے اور فساد کو پسند نہیں کرتا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں ایسی بات نہ بتاؤں جو نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور صدقہ وخیرات کرنے سے بہتر ہے؟'' صحابہ ﷺ نے کہا: ضرور بتلایئے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ کیا ہے؟ آپس میں صلح وآشتی سے رہنا۔ باہمی فساد تو نیکیاں ختم کر دیتا ہے۔''[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ صلح کی کئی قسمیں ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

1. مسلمانوں کی کافروں کے ساتھ صلح کہ وہ ایک دوسرے کو بلاوجہ تنگ نہیں کریں گے۔
2. میاں بیوی کے درمیان صلح کہ وہ دونوں گھر میں پیار محبت سے رہیں گے۔
3. باغی گروہ اور عدل پسند جماعت کے درمیان صلح۔اس کی قرآن نے ترغیب دی ہے۔
4. آپس میں ناراض ہونے والوں کے درمیان صلح کرانا۔یہ بہت بڑی نیکی ہے۔
5. زخمی ہونے والے کو قصاص، یعنی بدلہ لینے کے بجائے مال پر صلح کے لیے آمادہ کرنا۔
6. آئندہ لڑائی جھگڑے کا دروازہ بند کرنے کے لیے لوگوں کے مابین صلح کرانا۔

یہ آخری قسم املاک اور مشترک چیزوں میں صلح کی ہو سکتی ہے، جیسے راستے وغیرہ۔فقہ کی کتابوں میں اس آخری قسم کی فروعات کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ نے صلح کے متعلق انتہائی قیمتی معلومات اور احکام ومسائل سے ہمیں آگاہ کیا ہے۔مذکورہ قسموں میں سے اکثر پر عنوان بندی کی ہے۔اس سلسلے میں انھوں نے اکتیس مرفوع احادیث کا انتخاب کیا ہے جن میں سے بارہ معلق اور انیس متصل سند سے ذکر کی ہیں، پھر ان میں انیس مکرر اور بارہ خالص ہیں۔تین احادیث کے علاوہ دیگر احادیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔مرفوع احادیث کے علاوہ صحابۂ کرام ﷺ اور تابعین عظام

---

1 البقرة 2:205. 2 مسند أحمد: 6/444,445.

کے تین آثار بھی ذکر کیے ہیں۔ واضح رہے کہ ان احادیث و آثار پر امام بخاری رحمہ اللہ نے چودہ چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں جو انتہائی اہم اور دور حاضر کی ضرورت ہیں۔

بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح احادیث کی روشنی میں صلح کی اہمیت و افادیت، فضیلت و منقبت، آداب و شرائط اور احکام و مسائل بیان کیے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ان احادیث کو پڑھتے ہوئے اپنے گریبان میں جھانکیں کہ ہم کس حد تک ان پر عمل پیرا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر عمل کرنے کی توفیق دے اور قیامت کے دن محدثین کے گروہ میں اٹھائے۔ آمین یا رب العالمین.

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

53 - كِتَابُ الصُّلْحِ

صلح سے متعلق احکام ومسائل

(١) [بَابُ] مَا جَاءَ فِي الْإِصْلَاحِ بَيْنَ النَّاسِ وَقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿لَّا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَىٰهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَٰحٍ بَيْنَ ٱلنَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ٱبْتِغَآءَ مَرْضَاتِ ٱللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ [النساء: ١١٤] وَخُرُوجِ الْإِمَامِ إِلَى الْمَوَاضِعِ لِيُصْلِحَ بَيْنَ النَّاسِ بِأَصْحَابِهِ.

باب: 1- لوگوں کے درمیان صلح کرانے، نیز حاکم وقت کا اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مختلف مقامات پر صلح کے لیے جانے کا بیان۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں مگر جو شخص حکم دے صدقے کا یا نیکی و بھلائی کا یا لوگوں کے درمیان صلح کرانے کا۔ اور جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے یہ کام کرے گا تو جلد ہی ہم اسے اجر عظیم دیں گے۔“

وضاحت: رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں منافقین راتوں کو الگ بیٹھ کر مشورے کرتے اور وہ بری باتیں ہی سوچتے تھے جو خیر سے خالی ہوتیں کیونکہ صاف ستھری سچی باتیں چھپانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کچھ امور ایسے ہیں جنھیں چھپا کر کرنا بہتر ہوتا ہے، مثلاً: صدقہ دے تو چھپا کر دے تاکہ لینے والا شرمندہ نہ ہو۔ اسی طرح لوگوں کے درمیان صلح کے لیے خفیہ مشورہ کیا جائے تو یہ بھی ایک نیکی کا کام ہے۔ بہرحال لوگوں کے درمیان صلح کرانا باعث اجر وثواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لوگوں کے درمیان صلح کے لیے اگر کوئی شخص اپنی طرف سے کوئی اچھی بات کسی فریق کی طرف منسوب کر دے یا کوئی اچھی بات کہہ دے تو وہ جھوٹا نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔[1]

٢٦٩٠ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ

[2690] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے کہ بنی عمرو بن عوف کے لوگوں میں کچھ جھگڑا ہوا تو نبی ﷺ

1 صحيح البخاري، الصلح، حديث: 2692.

ابْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ أُنَاسًا مِّنْ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ كَانَ بَيْنَهُمْ شَيْءٌ فَخَرَجَ إِلَيْهِمُ النَّبِيُّ ﷺ فِي أُنَاسٍ مِّنْ أَصْحَابِهِ يُصْلِحُ بَيْنَهُمْ، فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ وَلَمْ يَأْتِ النَّبِيُّ ﷺ [فَجَاءَ بِلَالٌ] فَأَذَّنَ بِلَالٌ بِالصَّلَاةِ وَلَمْ يَأْتِ النَّبِيُّ ﷺ فَجَاءَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ حُبِسَ وَقَدْ حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَهَلْ لَّكَ أَنْ تَؤُمَّ النَّاسَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ إِنْ شِئْتَ، فَأَقَامَ الصَّلَاةَ فَتَقَدَّمَ أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ جَاءَ النَّبِيُّ ﷺ يَمْشِي فِي الصُّفُوفِ حَتّٰى قَامَ فِي الصَّفِّ الْأَوَّلِ، فَأَخَذَ النَّاسُ فِي التَّصْفِيحِ حَتّٰى أَكْثَرُوا وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ لَّا يَكَادُ يَلْتَفِتُ فِي الصَّلَاةِ، فَالْتَفَتَ فَإِذَا هُوَ بِالنَّبِيِّ ﷺ وَرَاءَهُ فَأَشَارَ إِلَيْهِ بِيَدِهِ فَأَمَرَهُ أَنْ يُّصَلِّيَ كَمَا هُوَ، فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ يَدَهُ فَحَمِدَ اللهَ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى وَرَاءَهُ حَتّٰى دَخَلَ فِي الصَّفِّ فَتَقَدَّمَ النَّبِيُّ ﷺ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ، فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِذَا نَابَكُمْ شَيْءٌ فِي صَلَاتِكُمْ أَخَذْتُمْ بِالتَّصْفِيحِ؟ إِنَّمَا التَّصْفِيحُ لِلنِّسَاءِ، مَنْ نَّابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَقُلْ: سُبْحَانَ اللهِ، فَإِنَّهُ لَا يَسْمَعُهُ أَحَدٌ إِلَّا الْتَفَتَ، يَا أَبَا بَكْرٍ! مَا مَنَعَكَ حِينَ أَشَرْتُ إِلَيْكَ لَمْ تُصَلِّ بِالنَّاسِ؟» فَقَالَ: مَا كَانَ يَنْبَغِي لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُّصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٦٨٤]

اپنے چند صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر ان کے پاس گئے تاکہ ان میں صلح کرا دیں۔ اِدھر نماز کا وقت ہو گیا اور نبی ﷺ واپس تشریف نہ لا سکے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کے لیے اذان کہی، تب بھی نبی ﷺ نہ پہنچ سکے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے عرض کیا: نبی ﷺ کسی وجہ سے وہاں رُک گئے ہیں، نماز کا وقت ہو گیا ہے، کیا آپ لوگوں کی امامت کرائیں گے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، اگر تم چاہو تو (میں اسے بجا لانے کو تیار ہوں)، چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے (اور نماز پڑھانے لگے۔) اتنے میں نبی ﷺ صفوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے پہلی صف میں آ پہنچے۔ آپ کو دیکھ کر لوگ بار بار ہاتھ پر ہاتھ مارنے (تالیاں بجانے) لگے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دوران نماز میں کسی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ (تالیوں کی کثرت کی وجہ سے) انھوں نے اِدھر دیکھا تو معلوم ہوا کہ نبی ﷺ ان کے پیچھے تشریف فرما ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے دستِ انور سے اشارہ کرتے ہوئے انھیں حکم دیا کہ وہ بدستور نماز پڑھاتے رہیں، لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ اٹھایا، اللہ کی حمد و ثنا کی، پھر الٹے پاؤں پیچھے آ گئے اور صف میں کھڑے ہو گئے۔ نبی ﷺ آگے بڑھے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''لوگو! جب نماز میں تمھیں کوئی مسئلہ پیش آتا ہے تو تالی بجانا کیوں شروع کر دیتے ہو؟ تالی بجانا تو عورتوں کے لیے ہے۔ آئندہ تم میں سے کسی کو دوران نماز میں کوئی چیز پیش آئے تو وہ سبحان اللہ کہے کیونکہ جو بھی اسے سنے گا وہ اِدھر متوجہ ہو گا۔ اے ابوبکر! جب میں نے تمھیں اشارہ کیا تھا تو پھر کس چیز نے تمھیں نماز پڑھانے سے روک دیا؟'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

نے عرض کیا: ابوقحافہ کے بیٹے کو زیب نہیں دیتا کہ وہ نبی ﷺ کی موجودگی میں نماز پڑھائے۔

فوائد و مسائل: ① قبیلۂ بنوعمرو بن عوف مقام قباء میں آباد تھا۔ ان کا کسی وجہ سے آپس میں جھگڑا ہو گیا یہاں تک کہ ایک دوسرے کو پتھر مارنے تک نوبت پہنچ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز ظہر مسجد نبوی میں ادا کی، پھر اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ ان کے درمیان صلح کرانے کے لیے قباء تشریف لے گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دین اسلام میں صلح کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس کے لیے بڑی سے بڑی شخصیت بھی پیش قدمی کر سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے۔ آپ خود اس عظیم مقصد کے لیے وہاں تشریف لے گئے۔[1] صلح کے بعد جب واپس تشریف لائے تو نماز عصر کھڑی ہو چکی تھی۔[2] ② بعض فقہاء کا موقف ہے کہ امام اور قاضی کو فیصلہ کرنے کا اس وقت حق ہے جب اس کی عدالت میں مقدمہ دائر ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس عنوان اور پیش کردہ حدیث سے اس موقف کی تردید کرنا چاہتے ہیں کہ اس عظیم مقصد کے لیے مقدمہ دائر ہونا ضروری نہیں بلکہ امام اور قاضی خود وہاں جا کر فریقین کے درمیان صلح کرا دے تو اس میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ از خود قبیلۂ بنوعمرو بن عوف میں صلح کرانے کے لیے قباء تشریف لے گئے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قبیلۂ بنوعمرو بن عوف کے درمیان جھگڑے کا سبب معلوم نہیں ہو سکا۔ بہرحال یہ قبیلہ اوس خاندان کی شاخ تھا۔[3]

٢٦٩١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي أَنَّ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قِيلَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: لَوْ أَتَيْتَ عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ، فَانْطَلَقَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ وَرَكِبَ حِمَارًا فَانْطَلَقَ الْمُسْلِمُونَ يَمْشُونَ مَعَهُ - وَهِيَ أَرْضٌ سَبِخَةٌ - فَلَمَّا أَتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: إِلَيْكَ عَنِّي، وَاللهِ لَقَدْ آذَانِي نَتْنُ حِمَارِكَ، فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ مِنْهُمْ: وَاللهِ لَحِمَارُ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَطْيَبُ رِيحًا مِّنْكَ، فَغَضِبَ لِعَبْدِ اللهِ رَجُلٌ مِّنْ قَوْمِهِ فَشَتَمَا فَغَضِبَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا أَصْحَابُهُ، فَكَانَ بَيْنَهُمَا ضَرْبٌ بِالْجَرِيدِ وَالنِّعَالِ وَالْأَيْدِي، فَبَلَغَنَا أَنَّهَا نَزَلَتْ ﴿وَإِن طَآئِفَتَانِ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ٱقْتَتَلُوا۟ فَأَصْلِحُوا۟ بَيْنَهُمَا﴾ [الحجرات: ٩].

[2691] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ سے عرض کیا گیا: اگر آپ (رئیس المنافقین) عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے جائیں تو بہتر ہو گا، چنانچہ آپ ﷺ گدھے پر سوار ہو کر اس کے پاس تشریف لے گئے۔ کچھ مسلمان بھی آپ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ جس راستے سے آپ جا رہے تھے وہ شور کلر والی زمین تھی۔ جب نبی ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے تو عبداللہ بن ابی کہنے لگا: آپ مجھ سے دور رہیے، اللہ کی قسم! آپ کے گدھے کی بو نے مجھے بہت اذیت پہنچائی ہے۔ ان میں سے ایک انصاری نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کا گدھا تجھ سے خوشبودار ہے۔ عبداللہ بن ابی منافق کی قوم کا ایک شخص اس پر غضبناک ہوا، یہاں تک کہ دونوں نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس طرح ہر ایک کی

1 صحيح البخاري، الصلح، حديث: 2693. 2 صحيح البخاري، الأحكام، حديث: 7190. 3 فتح الباري: 363/5.

طرف سے ان کے ساتھی مشتعل ہو گئے اور ان کے درمیان چھڑیوں، ہاتھوں اور جوتوں سے مارکٹائی شروع ہو گئی۔ ہمیں معلوم ہوا کہ درج ذیل آیت اس موقع پر نازل ہوئی: ''اگر اہل ایمان کی دو جماعتیں جھگڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔''

فوائد و مسائل: ﴿1﴾ عبداللہ بن ابی قبیلۂ خزرج کا سردار تھا۔ اہل مدینہ نے اسے مشترکہ طور پر اپنا رئیس بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس کی تاج پوشی کے لیے وقت بھی طے ہو چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ طیبہ تشریف آوری کی وجہ سے اس رسم تاج پوشی کو عمل میں نہ لایا جا سکا۔ رسول اللہ ﷺ کو مشورہ دیا گیا کہ اگر آپ اس کے پاس تشریف لے جائیں گے تو اس کی دلجوئی ہو گی۔ شاید وہ اپنے ساتھیوں سمیت مسلمان ہو جائے۔ اس بنا پر آپ بلا تکلف وہاں چلے گئے، پھر وہاں جو کچھ ہوا وہ حدیث میں مذکور ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فریقین کے درمیان صلح کرا دی۔ یہ دونوں گروہ مسلمان تھے جیسا کہ آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے۔ درج ذیل حدیث میں مزید تفصیل ہے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک گدھے پر سوار ہوئے جس پر پالان رکھا ہوا تھا اور آپ کے نیچے مقام فدک کی بنی ہوئی ایک مخملی چادر بچھی ہوئی تھی۔ آپ نے اس سواری پر اپنے پیچھے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بٹھایا۔ آپ حارث بن خزرج قبیلے میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی تیمار داری کرنا چاہتے تھے۔ یہ غزوۂ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اس دوران میں رسول اللہ ﷺ ایک مجلس پر سے گزرے جس میں مسلمان، بت پرست مشرک اور یہودی سب شریک تھے۔ اس میں عبداللہ بن ابی ابن سلول بھی تھا۔ وہاں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ جب مجلس پر سواری کا گرد و غبار پڑا تو عبداللہ بن ابی نے اپنی چادر سے اپنی ناک چھپاتے ہوئے کہا: ہمارے اوپر غبار نہ اڑاؤ۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اتر کر سلام کیا اور وہاں رک گئے، انھیں اللہ کی طرف بلایا اور انھیں قرآن مجید پڑھ کر سنایا۔ عبداللہ بن ابی بولا: صاحب! یہ اچھی بات نہیں ہے۔ اگر تم صحیح کہتے ہو تو ہماری مجلسوں میں آ کر ہمیں تکلیف نہ دیا کرو۔ اپنے گھر جاؤ، ہم میں سے جو تمھارے پاس آئے اسے تبلیغ کرو۔ ردعمل کے طور پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! آپ ہماری مجالس میں تشریف لایا کریں کیونکہ ہم اسے پسند کرتے ہیں۔ پھر مسلمانوں، مشرکوں اور یہودیوں میں اس بات پر تو تو میں میں ہونے لگی۔ قریب تھا کہ ایک دوسرے پر حملہ کر دیں، لیکن رسول اللہ ﷺ انھیں مسلسل خاموش کراتے رہے یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد آپ اپنی سواری پر بیٹھ کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ آپ نے ان سے فرمایا: ''سعد! تم نے سنا ہے آج ابوحباب نے کیا بات کہی ہے؟'' آپ کا اشارہ عبداللہ بن ابی اور اس کی باتوں کی طرف تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! اسے معاف کر دیں اور اس سے درگزر فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق دیا ہے جو آپ کے شایانِ شان تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس بستی (مدینہ طیبہ) کے لوگ (آپ کی تشریف آوری سے پہلے) اس کی تاج پوشی اور دستار بندی پر متفق ہو گئے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس منصوبے کو اس حق کی وجہ سے ختم کر دیا جو اس نے آپ کو عطا فرمایا ہے تو

اسے حسد ہوگیا ہے۔ اس وجہ سے اس نے یہ کردار ادا کیا ہے جو آپ نے ملاحظہ فرمایا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسے رفع دفع کر دیا۔[1] ② اس مقام پر ایک مشہور سوال ہے کہ حدیث مذکور کے مطابق جھگڑا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور عبداللہ بن ابی کے ساتھیوں کے درمیان ہوا تھا جبکہ اس وقت عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، لہٰذا یہ صلح اہل ایمان کے مابین تصور نہیں ہوگی۔ اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق عبداللہ بن ابی کی قوم سے کچھ لوگ مسلمان تھے، انھوں نے عصبیت کی بنا پر عبداللہ بن ابی کی مدد کی تھی۔[2]

(٢) بَابٌ: لَيْسَ الْكَاذِبُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ

باب: 2- وہ شخص جھوٹا نہیں جو (ان کہی باتیں کر کے) لوگوں کے درمیان صلح کرا دے

٢٦٩٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ حُمَيْدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَخْبَرَهُ أَنَّ أُمَّهُ أُمَّ كُلْثُومٍ بِنْتَ عُقْبَةَ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ فَيَنْمِي خَيْرًا أَوْ يَقُولُ خَيْرًا».

[2692] حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ''جو شخص دو آدمیوں کے درمیان صلح کرا دے اور اس میں کوئی اچھی بات منسوب کر دے یا اچھی بات کہہ دے تو وہ جھوٹا نہیں ہے۔''

فائدہ: چونکہ اس جھوٹ سے مقصود شر اور فساد کو دفع کرنا ہوتا ہے، اس لیے اسے جھوٹ شمار نہیں کیا جائے گا اگرچہ وہ حقیقت میں جھوٹ ہی ہے۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے: ''تین موقعوں پر خلاف واقعہ بات کرنے میں کوئی حرج نہیں: ایک جنگ کے موقع پر جھوٹ بولنا تاکہ دشمن دھوکے میں آ جائے، دوسرا صلح کراتے وقت خلاف واقعہ بات کہنا اور تیسرا خاوند بیوی کا ایک دوسرے کو خوش کرنے کے لیے جھوٹ بولنا۔''[3] ان کے علاوہ صریح جھوٹ ناجائز اور باعث لعنت ہے۔[4]

(٣) بَابُ قَوْلِ الْإِمَامِ لِأَصْحَابِهِ: اِذْهَبُوا بِنَا نُصْلِحُ

باب: 3- حاکم کا اپنے ساتھیوں سے کہنا: ہمارے ساتھ چلو تاکہ صلح کرائیں

٢٦٩٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأُوَيْسِيُّ، وَإِسْحَاقُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْفَرْوِيُّ قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ

[2693] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل قباء ایک مرتبہ لڑ پڑے یہاں تک انھوں نے ایک دوسرے کو پتھر مارے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی گئی تو

1 صحيح البخاري، الاستيذان، حديث: 6254. 2 عمدة القاري: 575/9. 3 صحيح مسلم، البر و الصلة، حديث: 6633 (2605). 4 فتح الباري: 369/5.

عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ أَهْلَ قُبَاءٍ اقْتَتَلُوا حَتَّى تَرَامَوْا بِالْحِجَارَةِ، فَأُخْبِرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِذٰلِكَ فَقَالَ: «اِذْهَبُوا بِنَا نُصْلِحْ بَيْنَهُمْ». [راجع: ٦٨٤]

آپ نے فرمایا: ”ہمارے ساتھ چلو تا کہ ہم ان کی آپس میں صلح کرا دیں۔“

فوائد و مسائل: ① سنگین اختلافات کے وقت قابل اعتبار اہل علم اور اثر و رسوخ کی حامل شخصیات کو چاہیے کہ وہ صلح میں اپنا کردار ادا کریں اور اس بات کا انتظار نہ کریں کہ کوئی انھیں صلح کروانے کی دعوت دے تو پھر وہ جائیں گے۔ اگرچہ امام اور حاکم وقت کا کام مناسب کارروائی کرنا اور سزا وغیرہ دینا ہے لیکن اگر وہ فیصلہ کرنے کے بجائے فریقین میں صلح کرا دے تو اس کا یہ اقدام بہتر ہے۔ ② اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جائے وقوعہ پر پہنچ کر حالات کا جائزہ لینا چاہیے تا کہ نتیجے تک پہنچنے میں آسانی ہو اور صلح کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ نکل آئے۔

(٤) بَابُ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿أَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَّالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾. [النساء: ١٢٨]

باب: 4- ارشاد باری تعالیٰ: ”دونوں (میاں بیوی) آپس میں کسی طرح صلح کر لیں کیونکہ صلح ہی بہتر ہے“ کا بیان

٢٦٩٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا ﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا﴾ [النساء: ١٢٨] قَالَتْ: هُوَ الرَّجُلُ يَرَى مِنَ امْرَأَتِهِ مَا لَا يُعْجِبُهُ كِبَرًا أَوْ غَيْرَهُ فَيُرِيدُ فِرَاقَهَا، فَتَقُولُ: أَمْسِكْنِي، وَاقْسِمْ لِي مَا شِئْتَ، قَالَتْ: وَلَا بَأْسَ إِذَا تَرَاضَيَا. [راجع: ٢٤٥٠]

[2694] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے درج ذیل آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ”اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے بے توجہی یا روگردانی کا اندیشہ رکھتی ہو۔“ اس سے مراد ایسا شوہر ہے جو اپنی بیوی میں ایسی چیز دیکھے جو اسے پسند نہ ہو، مثلاً: بڑھاپا وغیرہ اور وہ اس کے پیش نظر اسے جدا کرنا چاہتا ہو تو عورت اسے پیشکش کرے کہ مجھے اپنے پاس رکھو اور جو چاہو دیتے رہو۔ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: اگر وہ دونوں راضی ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ صلح ہی میں خیر و برکت ہے اگرچہ اپنے کسی حق کو ختم ہی کرنا پڑے۔ درج بالا صورت حال کے پیش نظر اگر مرد طے شدہ قرارداد کے مطابق اس کی باری میں کسی دوسری بیوی کے پاس رہے یا اس کے خرچے میں کچھ کمی کر دے تو گناہ گار نہیں ہوگا کیونکہ عورت نے اپنی رضامندی سے اپنا حق ختم کیا ہے۔ میاں بیوی کا صلح و صفائی سے رہنا اسلام میں بہت اہمیت رکھتا ہے جیسا کہ حضرت سودہ ؓ نے اپنی باری سیدہ عائشہ ؓ کو ہبہ کر دی تھی۔ واللہ أعلم۔

(٥) بَابٌ: إِذَا اصْطَلَحُوا عَلَى صُلْحِ جَوْرٍ فَالصُّلْحُ مَرْدُودٌ

باب: 5- اگر لوگ کسی ظلم پر صلح کر لیں تو ایسی صلح مردود ہے

٢٦٩٥، ٢٦٩٦ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَا: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! اِقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ، فَقَامَ خَصْمُهُ فَقَالَ: صَدَقَ، اِقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ، فَقَالَ الْأَعْرَابِيُّ: إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى هٰذَا فَزَنَى بِامْرَأَتِهِ: فَقَالُوا لِي: عَلَى ابْنِكَ الرَّجْمُ، فَفَدَيْتُ ابْنِي مِنْهُ بِمِائَةٍ مِّنَ الْغَنَمِ وَوَلِيدَةٍ، ثُمَّ سَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ فَقَالُوا: إِنَّمَا عَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ، أَمَّا الْوَلِيدَةُ وَالْغَنَمُ فَرَدٌّ عَلَيْكَ، وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَّتَغْرِيبُ عَامٍ، وَأَمَّا أَنْتَ يَا أُنَيْسُ - لِرَجُلٍ - فَاغْدُ عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا فَارْجُمْهَا»، فَغَدَا عَلَيْهَا أُنَيْسٌ فَرَجَمَهَا. [راجع: ٢٣١٤، ٢٣١٥]

[2696,2695] حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد جہنی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دیہاتی آیا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرما دیجیے! اس کا مخالف کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اس نے سچ کہا ہے، ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کر دیں۔ دیہاتی نے کہا: میرا بیٹا اس کے ہاں نوکر تھا۔ اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا ہے۔ لوگوں نے کہا: تیرے بیٹے کو رجم کیا جائے گا، لیکن میں نے اپنے بیٹے کے اس جرم کے عوض سو بکریاں اور ایک لونڈی دے کر صلح کر لی۔ پھر میں نے اہل علم سے پوچھا تو انھوں نے کہا: تیرے بیٹے کے لیے سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ضروری ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں۔ لونڈی اور بکریاں تجھے واپس کی جاتی ہیں اور تیرے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال کے لیے جلاوطنی لازم ہے۔'' پھر ایک آدمی سے فرمایا: ''اے انیس! اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ اور (اگر وہ زنا کا اعتراف کر لے تو) اسے سنگسار کر دو۔'' چنانچہ وہ اس عورت کے پاس گئے اور اسے سنگسار کر دیا۔

فوائد ومسائل: ① بدکاری کرنے والے لڑکے کے باپ نے عورت کے خاوند سے سو بکریاں اور ایک لونڈی دے کر صلح کر لی۔ چونکہ یہ صلح ناجائز اور خلاف شریعت تھی اس لیے اسے کالعدم قرار دیا گیا اور بکریاں اور لونڈی اسے واپس کی گئیں۔ مزدور پر شرعی حد لگنی چاہیے تھی لیکن ایسا نہیں کیا گیا تھا۔ شریعت کی نظر میں یہ صلح ظلم پر مبنی تھی، اس لیے عمل میں نہیں لائی گئی۔ ② رسول اللہ ﷺ نے جس آدمی کو عورت پر حد جاری کرنے کے لیے روانہ کیا وہ اسی عورت کے قبیلے سے تھا۔ اگر کسی اور کو روانہ کیا جاتا تو شاید اہل قبیلہ اس فیصلے کو نہ مانتے۔ ③ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسائل واحکام میں اہل علم سے رابطہ کرنا ضروری ہے اور تحقیق

بھی کتاب وسنت کی روشنی میں ہونی چاہیے۔

٢٦٩٧ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ». رَوَاهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ الْمَخْرَمِيُّ وَعَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَبِي عَوْنٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ.

[2697] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی رسم پیدا کی جو اس میں نہیں تھی تو وہ مردود ہوگی۔''

عبداللہ بن جعفر مخرمی اور عبدالواحد بن ابی عون نے اس روایت کو سعد بن ابراہیم سے بیان کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① حافظ ابن حجر ؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جس شخص نے دین اسلام میں کسی ایسی رسم کو رواج دیا جس کی کوئی اصل نہیں ہے تو اس رسم کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جائے گی۔ ایسی رسم کو دیوار سے مار دیا جائے۔[1] ② یہ حدیث شریعت کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ اس سے تمام بدعات کا رد ہوتا ہے جو لوگوں نے دین میں پیدا کر رکھی ہیں جیسا کہ تیجا، ساتواں، قل خوانی، چہلم، سالگرہ، تعزیہ، عرس اور میلے وغیرہ۔ ③ واضح رہے کہ عبداللہ بن جعفر کی روایت کو امام مسلم ؒ نے اور عبدالواحد کی روایت کو امام دارقطنی ؒ نے متصل سند سے ذکر کیا ہے۔[2] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو صلح خلاف شریعت ہو وہ لغو اور باطل ہے۔

(٦) بَابٌ: كَيْفَ يُكْتَبُ: هٰذَا مَا صَالَحَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ وَّفُلَانُ بْنُ فُلَانٍ، وَإِنْ لَّمْ يَنْسُبْهُ إِلٰى قَبِيلَتِهِ أَوْ نَسَبِهِ

باب: 6- دستاویزات صلح یوں لکھی جائیں: ''یہ صلح نامہ ہے جس پر فلاں بن فلاں اور فلاں بن فلاں نے صلح کی'' اس پر خاندان یا نسب نامہ لکھنا ضروری نہیں

٢٦٩٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا صَالَحَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَهْلَ الْحُدَيْبِيَةِ كَتَبَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِ

[2698] حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ نے اہل حدیبیہ سے صلح کی تو حضرت علی ؓ نے ان کے درمیان صلح نامہ تحریر کیا۔ انھوں نے ''محمد رسول اللہ'' لکھا تو مشرکین نے کہا: ''محمد رسول اللہ'' نہ لکھو۔ اگر آپ اللہ کے رسول ہوتے تو ہم آپ

[1] صحيح مسلم، الأقضية، حديث: 4492 (1718)، و سنن الدار قطني: 160/4. [2] فتح الباري: 372/5.

بَيْنَهُمْ كِتَابًا. فَكَتَبَ: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ ﷺ، فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ: لَا تَكْتُبْ: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ، لَوْ كُنْتَ رَسُولًا لَّمْ نُقَاتِلْكَ، فَقَالَ لِعَلِيٍّ: «اُمْحُهُ»، قَالَ عَلِيٌّ: مَا أَنَا بِالَّذِي أَمْحَاهُ، فَمَحَاهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ، وَصَالَحَهُمْ عَلٰى أَنْ يَّدْخُلَ هُوَ وَأَصْحَابُهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَلَا يَدْخُلُوهَا إِلَّا بِجُلُبَّانِ السِّلَاحِ، فَسَأَلُوهُ: مَا جُلُبَّانُ السِّلَاحِ؟ فَقَالَ: اَلْقِرَابُ بِمَا فِيهِ. [راجع: ١٧٨١]

سے لڑائی نہ کرتے، چنانچہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اس کو مٹا دو۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تو اس کو نہیں مٹاؤں گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست انور سے مٹایا اور ان سے اس شرط پر صلح کی کہ آپ اور آپ کے صحابۂ رضی اللہ عنہم (اگلے سال) تین دن تک مکہ مکرمہ میں رہیں گے اور مکہ میں داخلہ بھی جلبان السلاح کے ساتھ ہو گا۔ انھوں نے پوچھا کہ یہ جلبان السلاح کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اس سے مراد نیام اور جو کچھ اس کے اندر ہوتا ہے وہ ہے۔''

٢٦٩٩ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسٰى عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: اعْتَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ فِي ذِي الْقَعْدَةِ فَأَبٰى أَهْلُ مَكَّةَ أَنْ يَّدَعُوهُ يَدْخُلُ مَكَّةَ، حَتّٰى قَاضَاهُمْ عَلٰى أَنْ يُّقِيمَ بِهَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، فَلَمَّا كَتَبُوا الْكِتَابَ كَتَبُوا: هٰذَا مَا قَاضٰى [عَلَيْهِ] مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ ﷺ، فَقَالُوا: لَا نُقِرُّ بِهَا، فَلَوْ نَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ مَا مَنَعْنَاكَ، لٰكِنْ أَنْتَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ. قَالَ: «أَنَا رَسُولُ اللهِ، وَأَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ»، ثُمَّ قَالَ لِعَلِيٍّ: «اُمْحُ: رَسُولُ اللهِ» قَالَ: لَا، وَاللهِ لَا أَمْحُوكَ أَبَدًا. فَأَخَذَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْكِتَابَ فَكَتَبَ: «هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: لَا يَدْخُلُ مَكَّةَ سِلَاحٌ إِلَّا فِي الْقِرَابِ، وَأَنْ لَّا يَخْرُجَ مِنْ أَهْلِهَا بِأَحَدٍ إِنْ أَرَادَ أَنْ يَّتْبَعَهُ، وَأَنْ لَّا يَمْنَعَ أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِهِ أَرَادَ أَنْ يُّقِيمَ بِهَا». فَلَمَّا دَخَلَهَا وَمَضَى الْأَجَلُ أَتَوْا عَلِيًّا فَقَالُوا: قُلْ لِّصَاحِبِكَ: اُخْرُجْ عَنَّا فَقَدْ مَضَى الْأَجَلُ،

[2699] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے ذی القعدہ میں عمرہ کرنے کا ارادہ کیا تو اہل مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا، یہاں تک کہ ان لوگوں نے آپ سے ان شرائط پر صلح کر لی کہ آپ آئندہ سال صرف تین دن مکہ میں قیام فرمائیں گے۔ جب صلح نامہ لکھنے لگے تو لکھا: یہ وہ دستاویز ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کی ہے۔ مشرکین نے کہا: ہم تو اس رسالت کا اقرار نہیں کریں گے۔ اگر ہمیں یقین ہو کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے کبھی نہ روکیں لیکن آپ تو محمد بن عبداللہ ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''میں اللہ کا رسول بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں۔'' پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''رسول اللہ، کا لفظ مٹا دو۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کی قسم! میں تو کبھی آپ کا نام نہیں مٹاؤں گا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے ازخود وہ صلح نامہ لیا اور لکھا: ''یہ وہ دستاویز ہے جس کے مطابق محمد بن عبداللہ نے صلح کی ہے کہ وہ مکہ میں ہتھیار لے کر داخل نہیں ہوں گے مگر وہ اپنے نیام میں ہوں گے اور اگر اہل مکہ میں سے کوئی بھی

فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فَتَبِعَتْهُمُ ابْنَةُ حَمْزَةَ: يَا عَمِّ يَاعَمِّ! فَتَنَاوَلَهَا عَلِيٌّ فَأَخَذَ بِيَدِهَا، وَقَالَ لِفَاطِمَةَ: دُونَكِ ابْنَةَ عَمِّكِ، احْمِلِيهَا، فَاخْتَصَمَ فِيهَا عَلِيٌّ وَّزَيْدٌ وَّجَعْفَرٌ، فَقَالَ عَلِيٌّ: أَنَا أَحَقُّ بِهَا وَهِيَ ابْنَةُ عَمِّي، وَقَالَ جَعْفَرٌ: ابْنَةُ عَمِّي وَخَالَتُهَا تَحْتِي، وَقَالَ زَيْدٌ: ابْنَةُ أَخِي، فَقَضٰى بِهَا النَّبِيُّ ﷺ لِخَالَتِهَا، وَقَالَ: «اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ». وَقَالَ لِعَلِيٍّ: «أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ»، وَقَالَ لِجَعْفَرٍ: «أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي»، وَقَالَ لِزَيْدٍ: «أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا».

[راجع: ١٧٨١]

آپ کے ساتھ جانے کو تیار ہو گا تو آپ اسے مکہ سے باہر نہیں لے جا سکیں گے اور اگر آپ کے ساتھیوں میں سے کوئی شخص مکہ میں رہنا چاہے گا تو آپ اسے نہیں روکیں گے۔" آئندہ سال جب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور مدت گزرنے والی تھی تو مشرکین حضرت علی ؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اپنے ساتھی سے کہو کہ آپ ہمارے پاس سے چلے جائیں کیونکہ مدت معاہدہ گزر چکی ہے، چنانچہ نبی ﷺ جب مکہ سے جانے لگے تو حضرت حمزہ ؓ کی دختر چچا چچا کہہ کر پیچھا کرنے لگی۔ حضرت علی ؓ نے اسے لے لیا، اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت فاطمہ ؓ سے کہا: اسے اٹھا لو، یہ تمہاری چچا زاد ہے۔ اسے اپنے ساتھ سوار کر لو۔ پھر اس لڑکی کے متعلق حضرت علی، حضرت زید اور حضرت جعفر ؓ نے جھگڑا کیا۔ حضرت علی ؓ نے کہا: میں اس کا زیادہ حق دار ہوں۔ یہ میرے چچا کی صاحبزادی ہے۔ حضرت جعفر ؓ نے کہا: یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے عقد میں ہے۔ اور حضرت زید بن حارثہ ؓ نے کہا: یہ میرے بھائی کی دختر ہے۔ نبی ﷺ نے خالہ کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا: "خالہ (پرورش کرنے میں) ماں کی جگہ ہوتی ہے۔" اس کے بعد حضرت علی ؓ سے فرمایا: "تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔" نیز حضرت جعفر ؓ سے فرمایا: "تم صورت اور سیرت میں میری مانند ہو۔" حضرت زید بن حارثہ ؓ سے فرمایا: "تم ہمارے بھائی بھی ہو اور ہمارے آزاد کردہ غلام بھی۔"

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ صلح کی دستاویز میں نسب وغیرہ کا بیان کرنا تعین اور رفع ابہام کے لیے ہوتا ہے۔ اگر اس کے بغیر یہ مقصد حاصل ہو جائے تو پھر نسب بیان کرنے کی ضرورت نہیں جیسا کہ اس حدیث کے مطابق صلح نامے میں صرف محمد بن عبداللہ لکھا گیا۔ فقہاء نے لکھا ہے: اس طرح کی دستاویز میں والدین، نسب اور قبیلے وغیرہ کا ذکر التباس کی صورت میں ضروری ہے، بصورت دیگر ان کا تحریر کرنا ضروری نہیں۔ ② اس روایت کے مطابق حضرت علی ؓ نے

رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ قوتِ ایمان کے جوش سے یہ نہ ہو سکا کہ آپ کی رسالت جو سراسر برحق اور صحیح تھی اس کو اپنے ہاتھ سے مٹائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرائن سے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کا یہ ارشاد، وجوب کے طور پر نہیں ہے ورنہ یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ اس کی تعمیل نہ کرتے۔ ③ واضح رہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مصلحت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے مشرکین مکہ کی کئی شرائط کو تسلیم کیا۔ آئندہ سال خود مشرکین ہی کو ان غلط شرائط کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ ہم اس کی تفصیل آئندہ بیان کریں گے۔

(٧) بَابُ الصُّلْحِ مَعَ الْمُشْرِكِينَ

باب:7- مشرکین کے ساتھ صلح کرنا

فِيهِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ. وَقَالَ عَوْفُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «ثُمَّ تَكُونُ هُدْنَةٌ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ بَنِي الْأَصْفَرِ»، وَفِيهِ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ: لَقَدْ رَأَيْتُنَا يَوْمَ أَبِي جَنْدَلٍ. وَأَسْمَاءُ وَالْمِسْوَرُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس کے متعلق حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں: "پھر تمھاری رومیوں سے صلح ہو جائے گی۔" اس کے متعلق حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے وہ دن بھی دیکھا جب ابوجندل کو بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں، نیز حضرت اسماء اور حضرت مسور رضی اللہ عنہما کی بھی نبی ﷺ سے روایات ہیں۔

وضاحت: حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے شاہ روم ہرقل کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ اس میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دنوں قریش سے صلح کر لی ہے۔[1] حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کی ہے جس میں رومیوں سے صلح کا بیان ہے۔[2] حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی روایت بھی صحیح بخاری میں ہے۔[3] حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی روایت کو بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے، جس میں ان کی والدہ کے مدینہ طیبہ آنے کا ذکر ہے۔[4] حضرت مسور رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی آئندہ آرہی ہے۔[5] ان روایات میں کفار و مشرکین سے صلح کا ذکر ہے، بوقت ضرورت ان سے صلح کا معاہدہ ہو سکتا ہے۔

٢٧٠٠ - وَقَالَ مُوسَى بْنُ مَسْعُودٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ ابْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: صَالَحَ النَّبِيُّ ﷺ الْمُشْرِكِينَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ عَلَى ثَلَاثَةِ أَشْيَاءَ:

[2700] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر مشرکین کے ساتھ تین چیزوں پر صلح کی تھی: ایک تو یہ کہ جو مشرکین میں سے آپ کے پاس آئے گا آپ اسے ان کے پاس

1 صحيح البخاري، الإيمان، حديث: 7. 2 صحيح البخاري، الجزية، حديث: 3176. 3 صحيح البخاري، الجزية، حديث: 3181. 4 صحيح البخاري، الهبة، حديث: 2620. 5 صحيح البخاري، الشروط، حديث: 2712.

عَلٰى أَنَّ مَنْ أَتَاهُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ رَدَّهُ إِلَيْهِمْ، وَمَنْ أَتَاهُمْ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ لَمْ يَرُدُّوهُ، وَعَلٰى أَنْ يَّدْخُلَهَا مِنْ قَابِلٍ وَّيُقِيمَ بِهَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَلَا يَدْخُلَهَا إِلَّا بِجُلُبَّانِ السِّلَاحِ: اَلسَّيْفِ وَالْقَوْسِ وَنَحْوِهِ. فَجَاءَ أَبُو جَنْدَلٍ يَّحْجُلُ فِي قُيُودِهِ فَرَدَّهُ إِلَيْهِمْ. [راجع: ١٧٨١]

واپس لوٹا دیں گے اور جو مسلمان ان مشرکین کے پاس آئے گا وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔ دوسری یہ کہ آپ آئندہ سال مکہ میں آ سکیں گے اور تین دن تک وہاں قیام کریں گے۔ تیسری یہ کہ تلوار اور تیر وغیرہ نیام اور ترکش میں ڈال کر ہی مکہ میں داخل ہوں گے۔ اس دوران میں حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ، جو مسلمان ہو گئے تھے، اپنی بیڑیوں سمیت چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے پہنچے تو آپ ﷺ نے انھیں مشرکین کی طرف واپس کر دیا۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: لَمْ يَذْكُرْ مُؤَمَّلٌ عَنْ سُفْيَانَ أَبَا جَنْدَلٍ، وَقَالَ: إِلَّا بِجُلُبِ السِّلَاحِ.

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے کہا: مؤمل نے امام سفیان ثوری سے ابوجندل رضی اللہ عنہ کا واقعہ ذکر نہیں کیا، البتہ انھوں نے جلبان السلاح کے بجائے جلب السلاح کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔

فائدہ: جب صلح حدیبیہ کا معاہدہ تحریر کیا جا رہا تھا تو اس وقت حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ بیڑیوں سمیت بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو ان کے باپ سہیل نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ رسول اللہ نے اسے واپس کرتے ہوئے فرمایا: ''ابوجندل! صبر سے کام لو، اللہ تعالیٰ تجھے نجات دلائے گا۔ چونکہ ہم نے صلح نامہ لکھ لیا ہے، اب ہم عہد شکنی نہیں کرنا چاہتے۔'' پھر آپ نے اسے واپس کر دیا۔ اس حدیث میں واضح طور پر مشرکین مکہ کے ساتھ صلح کا ذکر ہے۔

٢٧٠١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ: حَدَّثَنَا سُرَيْجُ ابْنُ النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ خَرَجَ مُعْتَمِرًا فَحَالَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْبَيْتِ فَنَحَرَ هَدْيَهُ وَحَلَقَ رَأْسَهُ بِالْحُدَيْبِيَةِ وَقَاضَاهُمْ عَلٰى أَنْ يَّعْتَمِرَ الْعَامَ الْمُقْبِلَ وَلَا يَحْمِلَ سِلَاحًا عَلَيْهِمْ إِلَّا سُيُوفًا، وَلَا يُقِيمَ بِهَا إِلَّا مَا أَحَبُّوا، فَاعْتَمَرَ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فَدَخَلَهَا كَمَا كَانَ صَالَحَهُمْ، فَلَمَّا أَقَامَ بِهَا ثَلَاثًا أَمَرُوهُ أَنْ يَّخْرُجَ فَخَرَجَ. [انظر: ٤٢٥٢]

[2701] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عمرہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو کفار قریش آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو گئے، اس لیے آپ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر ہی اپنی قربانی کو ذبح کیا، اپنا سر مبارک بھی حدیبیہ میں منڈوایا اور مشرکین قریش سے اس بات پر صلح کر لی کہ آپ آئندہ سال عمرہ کریں گے اور ان پر ہتھیار اٹھا کر نہیں چلیں گے، البتہ تلواریں نیام میں لے کر آ سکیں گے، نیز مکہ معظمہ میں جب تک کفار پسند کریں آپ قیام فرمائیں گے، چنانچہ آپ نے آئندہ سال عمرہ کیا اور حسب شرائط صلح مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ جب

فَأَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ فَأَمَرَهُمْ بِالْقِصَاصِ فَقَالَ أَنَسُ ابْنُ النَّضْرِ: أَتُكْسَرُ ثَنِيَّةُ الرُّبَيِّعِ يَا رَسُولَ اللهِ؟ لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا تُكْسَرُ ثَنِيَّتُهَا، فَقَالَ: «يَا أَنَسُ! كِتَابُ اللهِ الْقِصَاصُ»، فَرَضِيَ الْقَوْمُ وَعَفَوْا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللهِ مَنْ لَّوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ».

کی لیکن انھوں نے انکار کر دیا اور نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے قصاص لینے کا حکم دیا۔ حضرت انس بن نضر ؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا ربیع کا دانت توڑ دیا جائے گا؟ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے انس! کتاب اللہ کا فیصلہ تو قصاص ہی ہے۔“ یہ سن کر دوسرے لوگ راضی ہو گئے اور انھوں نے قصاص معاف کر دیا۔ تب نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے بندوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں، اگر وہ اللہ پر یقین محکم رکھتے ہوئے قسم اٹھا لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری فرما دیتا ہے۔“

زَادَ الْفَزَارِيُّ عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ: فَرَضِيَ الْقَوْمُ وَقَبِلُوا الْأَرْشَ. [انظر: ٢٨٠٦، ٤٤٩٩، ٤٥٠٠، ٤٦١١، ٦٨٩٤]

(راویٔ حدیث) فزاری نے حضرت انس ؓ سے یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں: قوم راضی ہو گئی اور انھوں نے دیت قبول کر لی۔

فوائد و مسائل: ① معلوم ہوا کہ دیت دے کر صلح کرنا جائز ہے۔ ربیع ؓ حضرت انس بن مالک ؓ کی پھوپھی تھیں اور انس بن نضر ؓ ان کے چچا ہیں۔ ② حضرت انس بن نضر نے شرعی حکم کا انکار نہیں کیا تھا بلکہ انھوں نے خیال کیا کہ شاید دیت اور قصاص میں اختیار ہے، ان میں جو بھی ادا کر دیا جائے جائز ہے۔ انھیں قصاص کی تعیین کا علم نہیں تھا جبکہ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ﴾ ”دانت کے بدلے دانت (توڑا جائے۔)“[1] اس کا ایک خوبصورت جواب یہ بھی ہے کہ حضرت انس بن نضر ؓ نے لا تکسر کے الفاظ سے حکم الٰہی کو رد نہیں کیا تھا بلکہ اللہ کے فضل پر پختہ یقین کرتے ہوئے اس کے عدم وقوع کی خبر دی تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتماد و یقین کو ٹھیس نہیں پہنچائی۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود اس بات کی گواہی دی کہ بعض مخلص بندے ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ ان کی کہی ہوئی بات کو پورا کرتا ہے۔ ③ امام بخاری ؒ نے فزاری کی روایت سے تطبیق کی صورت ذکر کی ہے کہ ان لوگوں نے قصاص معاف کر کے دیت قبول کر لی، مطلق معافی مراد نہیں ہے۔ امام بخاری ؒ نے فزاری کی روایت کو خود ہی متصل سند سے بیان کیا ہے۔[2]

① المائدة 5:45. ② صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4611.

(٩) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: «إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ»، وَقَوْلُهُ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا﴾

[الحجرات: ٩].

باب: 9- حضرت حسن بن علی ؓ کے متعلق فرمان نبوی کہ ''میرا یہ بیٹا، سردار ہے شاید اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرا دے، نیز اللہ تعالیٰ کے فرمان ''ان دونوں کے درمیان صلح کرا دو'' کی وضاحت

وضاحت: دو بڑے گروہوں سے مراد حضرت حسن اور حضرت معاویہ ؓ کے گروہ ہیں۔ ان کے درمیان صلح کا ذکر آئندہ حدیث میں آئے گا۔

٢٧٠٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي مُوسٰى قَالَ: سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُولُ: اِسْتَقْبَلَ وَاللهِ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ مُعَاوِيَةَ بِكَتَائِبَ أَمْثَالِ الْجِبَالِ، فَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ: إِنِّي لَأَرٰى كَتَائِبَ لَا تُوَلِّي حَتّٰى تَقْتُلَ أَقْرَانَهَا، فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ وَكَانَ وَاللهِ خَيْرَ الرَّجُلَيْنِ: أَيْ عَمْرُو! إِنْ قَتَلَ هٰؤُلَاءِ هٰؤُلَاءِ وَ هٰؤُلَاءِ هٰؤُلَاءِ: مَنْ لِّي بِأُمُورِ النَّاسِ؟ مَنْ لِّي بِنِسَائِهِمْ؟ مَنْ لِّي بِضَيْعَتِهِمْ؟ فَبَعَثَ إِلَيْهِ رَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ مِّنْ بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ: عَبْدَ الرَّحْمٰنِ ابْنَ سَمُرَةَ، وَعَبْدَ اللهِ بْنَ عَامِرِ بْنِ كُرَيْزٍ، فَقَالَ: اِذْهَبَا إِلٰى هٰذَا الرَّجُلِ فَاعْرِضَا عَلَيْهِ وَقُولَا لَهُ وَاطْلُبَا إِلَيْهِ، فَأَتَيَاهُ فَدَخَلَا عَلَيْهِ فَتَكَلَّمَا وَقَالَا لَهُ وَطَلَبَا إِلَيْهِ، فَقَالَ لَهُمَا الْحَسَنُ ابْنُ عَلِيٍّ: إِنَّا بَنُو عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَدْ أَصَبْنَا مِنْ هٰذَا الْمَالِ، وَإِنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ قَدْ عَاثَتْ فِي دِمَائِهَا قَالَا: فَإِنَّهُ يَعْرِضُ عَلَيْكَ كَذَا وَكَذَا،

[2704] حضرت ابو موسیٰ (اسرائیل بن موسیٰ) سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حسن بصری سے سنا، انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! جب حضرت حسن بن علی امیر معاویہ ؓ کے مقابلے میں پہاڑوں جیسا لشکر لے کر آئے تو حضرت عمرو بن عاص ؓ نے کہا: میں ایسے لشکروں کو دیکھ رہا ہوں جو اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک وہ اپنے مخالفین کو قتل نہ کر دیں۔ حضرت معاویہ ؓ جو ان (عمرو) سے بہتر تھے نے حضرت عمرو بن عاص ؓ سے کہا: اے عمرو! اگر انھوں نے اُن کو اور اُنھوں نے اِن کو قتل کر دیا تو لوگوں کے امور کی نگرانی کون کرے گا؟ ان کی عورتوں کی کفالت کون کرے گا؟ ان کے بچوں اور بوڑھوں کی حفاظت کون کرے گا؟ پھر سیدنا معاویہ ؓ نے قریش کے قبیلۂ عبد شمس سے دو آدمی: عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر بن کریز بھیجے اور ان سے کہا کہ اس شخص (حضرت حسن ؓ) کے پاس جاؤ اور صلح کی پیش کش کرو اور بات چیت کے ذریعے سے صلح پر آمادگی کے لیے قائل کرو، چنانچہ وہ دونوں حضرت حسن ؓ کے پاس گئے، ان سے گفتگو کی اور

وَيَطْلُبُ إِلَيْكَ وَيَسْأَلُكَ، قَالَ: فَمَنْ لِّي بِهٰذَا؟ قَالَا: نَحْنُ لَكَ بِهِ فَمَا سَأَلَهُمَا شَيْئًا إِلَّا قَالَا: نَحْنُ لَكَ بِهِ، فَصَالَحَهُ.

صلح کی پیشکش سامنے رکھی۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ان سے فرمایا: ہم عبدالمطلب کی اولاد ہیں اور ہمیں خلافت کی وجہ سے روپیہ پیسہ خرچ کرنے کی عادت پڑ گئی ہے اور یہ لوگ جو ہمارے ساتھ ہیں انھیں بھی خون خرابہ کرنے کی لت پڑ چکی ہے۔ (یہ روپیہ پیسہ کے بغیر واپس نہیں ہوں گے۔) وہ دونوں کہنے لگے: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کو اتنا اتنا پیسہ دینے پر راضی ہیں اور آپ سے صلح چاہتے ہیں، انھوں نے فیصلہ آپ کی صوابدید پر چھوڑا ہے اور آپ سے اس کا حل دریافت کیا ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کی ذمہ داری کون لے گا؟ انھوں نے عرض کیا: ہم اس کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جس جس چیز کا مطالبہ کیا وہ دونوں یہی کہتے رہے کہ ہم اس کے ذمہ دار ہیں، چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔

فَقَالَ الْحَسَنُ: وَلَقَدْ سَمِعْتُ أَبَا بَكْرَةَ يَقُولُ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ إِلٰى جَنْبِهِ وَهُوَ يُقْبِلُ عَلَى النَّاسِ مَرَّةً وَّعَلَيْهِ أُخْرٰى وَيَقُولُ: «إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ وَّلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ».

حضرت حسن (بصری) فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر دیکھا جبکہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں بیٹھے تھے۔ آپ کبھی تو لوگوں کی طرف دیکھتے اور کبھی ان کی طرف متوجہ ہو جاتے اور فرماتے: ”میرا یہ بیٹا سید ہے اور امید ہے کہ اللہ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔“

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ: قَالَ لِي عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ: إِنَّمَا ثَبَتَ لَنَا سَمَاعُ الْحَسَنِ مِنْ أَبِي بَكْرَةَ بِهٰذَا الْحَدِيثِ. [انظر: ٣٦٢٩، ٣٧٤٦، ٧١٠٩]

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: میرے استاد علی بن مدینی نے فرمایا: اس حدیث کی بدولت ہمارے نزدیک حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن بصری کا سماع صحیح ثابت ہوا ہے۔

وَيَطْلُبُ إِلَيْكَ وَيَسْأَلُكَ، قَالَ: فَمَنْ لِّي بِهٰذَا؟ قَالَا: نَحْنُ لَكَ بِهِ فَمَا سَأَلَهُمَا شَيْئًا إِلَّا قَالَا: نَحْنُ لَكَ بِهِ، فَصَالَحَهُ.

صلح کی پیشکش سامنے رکھی۔ حضرت حسن بن علی ؓ نے ان سے فرمایا: ہم عبدالمطلب کی اولاد ہیں اور ہمیں خلافت کی وجہ سے روپیہ پیسہ خرچ کرنے کی عادت پڑ گئی ہے اور یہ لوگ جو ہمارے ساتھ ہیں انھیں بھی خون خرابہ کرنے کی لت پڑ چکی ہے۔ (یہ روپیہ پیسہ کے بغیر واپس نہیں ہوں گے۔) وہ دونوں کہنے لگے: حضرت معاویہ ؓ آپ کو اتنا اتنا پیسہ دینے پر راضی ہیں اور آپ سے صلح چاہتے ہیں، انھوں نے فیصلہ آپ کی صوابدید پر چھوڑا ہے اور آپ سے اس کا حل دریافت کیا ہے۔ حضرت حسن ؓ نے فرمایا: اس کی ذمہ داری کون لے گا؟ انھوں نے عرض کیا: ہم اس کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت حسن ؓ نے جس جس چیز کا مطالبہ کیا وہ دونوں یہی کہتے رہے کہ ہم اس کے ذمہ دار ہیں، چنانچہ حضرت حسن ؓ نے حضرت امیر معاویہ ؓ سے صلح کر لی۔

فَقَالَ الْحَسَنُ: وَلَقَدْ سَمِعْتُ أَبَا بَكْرَةَ يَقُولُ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ إِلٰى جَنْبِهِ وَهُوَ يُقْبِلُ عَلَى النَّاسِ مَرَّةً وَّعَلَيْهِ أُخْرٰى وَيَقُولُ: «إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ وَّلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ».

حضرت حسن (بصری) فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوبکرہ ؓ سے سنا، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر دیکھا جبکہ حضرت حسن بن علی ؓ آپ کے پہلو میں بیٹھے تھے۔ آپ کبھی تو لوگوں کی طرف دیکھتے اور کبھی ان کی طرف متوجہ ہو جاتے اور فرماتے: ''میرا یہ بیٹا سید ہے اور امید ہے کہ اللہ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔''

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ: قَالَ لِي عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ: إِنَّمَا ثَبَتَ لَنَا سَمَاعُ الْحَسَنِ مِنْ أَبِي بَكْرَةَ بِهٰذَا الْحَدِيثِ. [انظر: ٣٦٢٩، ٣٧٤٦، ٧١٠٩]

ابوعبداللہ (امام بخاری ؒ) فرماتے ہیں: میرے استاد علی بن مدینی نے فرمایا: اس حدیث کی بدولت ہمارے نزدیک حضرت ابوبکرہ ؓ سے حضرت حسن بصری کا سماع صحیح ثابت ہوا ہے۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کی حضرت حسن بن علی ؓ کے متعلق مذکورہ پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی، چنانچہ ان کے ذریعے سے حضرت علی اور حضرت معاویہ ؓ کی دونوں جماعتوں کے درمیان صلح ہو گئی اور وہ امن و امان سے زندگی بسر کرنے لگے۔ ② اس مقام پر کچھ تفصیل اس طرح ہے کہ حضرت علی ؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسن ؓ کی بیعت کی گئی۔ آپ نے اس معاملے میں غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ امت میں اختلاف سے بہتر ہے کہ وہ خلافت حضرت معاویہ ؓ کے حوالے کر کے امت میں اتحاد و یگانگت پیدا کریں، چنانچہ انھوں نے چھ ماہ تک خلافت کے معاملات سرانجام دینے کے بعد ملک اور دنیا کی رونق کو ٹھکرا دیا، حالانکہ چالیس ہزار افراد ان کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت سے دستبرداری کی وجہ، ذلت اور قلت نہیں بلکہ محض امت کی خیر خواہی اور دین کی سربلندی مقصود تھی۔ ③ رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی اور اس سے مسلمانوں کی آپس کی خون ریزی رک گئی۔ حضرت حسن ؓ کی عسکری طاقت، حضرت امیر معاویہ ؓ کی دور اندیشی، پھر حضرت حسن ؓ کی صلح پر آمادگی ان سب معاملات میں امت کے لیے بہت سے اسباق ہیں۔ جس سال صلح عمل میں آئی، امت مسلمہ میں وہ سال عام الجماعۃ کے نام سے مشہور ہوا۔ ④ واضح رہے کہ امام بخاری ؒ نے انھی الفاظ سے ایک عنوان کتاب الفتن میں بھی ذکر کیا ہے۔[1]

(١٠) بَابٌ: هَلْ يُشِيرُ الْإِمَامُ بِالصُّلْحِ؟

٢٧٠٥ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ: قَالَ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي الرِّجَالِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ أُمَّهُ عَمْرَةَ بِنْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَتْ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا تَقُولُ: سَمِعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ صَوْتَ خُصُومٍ بِالْبَابِ عَالِيَةٍ أَصْوَاتُهُمْ، وَإِذَا أَحَدُهُمَا يَسْتَوْضِعُ الْآخَرَ وَيَسْتَرْفِقُهُ فِي شَيْءٍ وَّهُوَ يَقُولُ: وَاللهِ لَا أَفْعَلُ، فَخَرَجَ عَلَيْهِمَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «أَيْنَ الْمُتَأَلِّي عَلَى اللهِ لَا يَفْعَلُ الْمَعْرُوفَ؟» فَقَالَ: أَنَا يَا رَسُولَ اللهِ! فَلَهُ أَيُّ ذٰلِكَ أَحَبَّ.

باب: 10- کیا حاکم صلح کے متعلق مشورہ دے سکتا ہے؟

[2705] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے دروازے پر دو جھگڑنے والوں کی آوازیں سنیں جو بلند ہو رہی تھیں۔ واقعہ یہ تھا کہ ان میں سے ایک دوسرے سے قرض میں کمی کرنے اور تقاضے میں کچھ نرمی برتنے کے لیے کہہ رہا تھا جبکہ دوسرا کہتا تھا کہ اللہ کی قسم! میں ایسا نہیں کروں گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: "اس بات پر اللہ کی قسم اٹھانے والے صاحب کہاں ہیں جو کہتے ہیں کہ میں نیکی کا کام نہیں کروں گا؟" قسم اٹھانے والے نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں موجود ہوں۔ اب میرا بھائی جو چاہتا ہے مجھے وہی پسند ہے۔

1 صحيح البخاري، الفتن، حديث: 7109.

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''وہ کہاں ہے جو اچھی بات نہ کرنے کے لیے قسم اٹھا رہا تھا؟'' گویا آپ ﷺ نے اس فعل کو برا خیال کیا اور اسے صلح کا مشورہ دیا۔ وہ آپ کے اشارے کو سمجھ گیا اور خود بہ خود کہنے لگا: میرا مقروض جو چاہے مجھے منظور ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ حاکم ایسے فیصلے کا حکم دے سکتا ہے جس میں فریقین کی بھلائی ہو اگرچہ کسی کے حق ادائیگی میں دیر ہو جائے بشرطیکہ اس کا زیادہ نقصان نہ ہو۔ اگر فریق ثانی راضی نہ ہو تو حاکم مقروض کو پورا حق ادا کرنے کا حکم دے، چنانچہ صاحب واقعہ نے رسول اللہ ﷺ کا ادب و احترام کرتے ہوئے آپ کا اشارہ پا کر مقروض کے قرض میں کمی کا اعلان کر دیا۔

٢٧٠٦ – حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنِ الْأَعْرَجِ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ كَانَ لَهُ عَلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي حَدْرَدٍ الْأَسْلَمِيِّ مَالٌ، فَلَقِيَهُ فَلَزِمَهُ حَتَّى ارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا، فَمَرَّ بِهِمَا النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «يَا كَعْبُ!»، فَأَشَارَ بِيَدِهِ كَأَنَّهُ يَقُولُ: اَلنِّصْفَ، فَأَخَذَ نِصْفَ مَا لَهُ عَلَيْهِ وَتَرَكَ نِصْفًا. [راجع: ٤٥٧]

[2706] حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ان کا حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کے ذمے کچھ قرض تھا۔ جب دونوں کی ملاقات ہوئی تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے انھیں پکڑ لیا حتی کہ دونوں کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ نبی ﷺ ادھر سے گزرے تو آپ نے فرمایا: ''اے کعب!'' اور اپنے دست اقدس سے اشارہ فرمایا۔ گویا آپ نصف قرض کم کرنے کا فرما رہے تھے، چنانچہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اپنے قرض سے نصف لے لیا اور نصف معاف کر دیا۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے ایک اخلاقی مسئلے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جمہور کا موقف ہے کہ حاکم کو صلح کے متعلق حکم دینے کا اختیار ہے اگرچہ فریقین میں سے کسی کی حق تلفی ہی کیوں نہ ہو جبکہ مالکیہ کا کہنا ہے کہ حاکم کو کسی کی حق تلفی کا اختیار نہیں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان پہلے موقف کی طرف ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ ② مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا قرض دو اوقیے چاندی تھا۔ انھوں نے ایک اوقیہ وصول کر کے دوسرا معاف کر دیا۔[1]

(١١) بَابُ فَضْلِ الْإِصْلَاحِ بَيْنَ النَّاسِ وَالْعَدْلِ بَيْنَهُمْ

باب: 11- لوگوں میں صلح کرانے اور ان کے درمیان انصاف کرنے کی فضیلت

٢٧٠٧ – حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: أَخْبَرَنَا

[2707] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں

[1] المصنف لابن أبي شيبة: 7/780.

عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كُلُّ سُلَامَى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ، كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ، يَعْدِلُ بَيْنَ النَّاسِ صَدَقَةٌ». [انظر: ۲۸۹۱، ۲۹۸۹]

نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے لوگوں کے تمام جوڑوں پر صدقہ ہے، اور لوگوں کے درمیان انصاف کرنا بھی ایک صدقہ ہے۔''

فوائد ومسائل: ① انسان کی ہڈیاں اور جوڑ اس کا اصل وجود ہے۔ انھی کے ذریعے سے وہ حرکت کرتا ہے۔ اس لیے ہڈیاں اور جوڑ اللہ کے بہت بڑے احسان ہیں اور ہر احسان پر اللہ کا شکر واجب ہے۔ ② اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرمائی ہے کہ لوگوں کے درمیان صلح کرا دینے اور ان میں عدل وانصاف کرنے سے اس کا کفارہ ادا ہو جاتا ہے۔ عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ فیصلہ کرنے سے مقصود عدل وانصاف کا قائم کرنا اور جھگڑا ختم کرنا ہے، نیز سب لوگ حاکم نہیں ہوتے۔ حکام کو عدل وانصاف کرنے کا حکم ہے اور جو حکمران نہیں ہیں وہ لوگوں کے درمیان اصلاح کا فریضہ ادا کریں۔ واللہ أعلم.

(۱۲) بَابٌ: إِذَا أَشَارَ الْإِمَامُ بِالصُّلْحِ فَأَبَى حَكَمَ عَلَيْهِ بِالْحُكْمِ الْبَيِّنِ

باب: 12- جب حاکم صلح کرنے کا مشورہ دے اور کوئی فریق اسے تسلیم نہ کرے تو حاکم اپنا واضح فیصلہ کرے

۲۷۰۸ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ الزُّبَيْرَ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّهُ خَاصَمَ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي شِرَاجٍ مِّنَ الْحَرَّةِ كَانَا يَسْقِيَانِ بِهِ كِلَاهُمَا. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِلزُّبَيْرِ: «اِسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ أَرْسِلْ إِلَى جَارِكَ»، فَغَضِبَ الْأَنْصَارِيُّ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! آنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ؟ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُولِ اللهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ: «اِسْقِ ثُمَّ احْبِسْ حَتَّى يَبْلُغَ الْجَدْرَ»، فَاسْتَوْعَى رَسُولُ اللهِ ﷺ حِينَئِذٍ حَقَّهُ لِلزُّبَيْرِ، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَبْلَ ذٰلِكَ أَشَارَ

[2708] حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے، وہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ ان کا ایک انصاری بدری صحابی سے حرہ کے برساتی نالے کے متعلق جھگڑا ہوا جس سے وہ دونوں (اپنی زمینوں کو) پانی پلایا کرتے تھے۔ وہ اپنا مقدمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زبیر! تم زمین سیراب کر کے پھر اپنے پڑوسی کے لیے پانی چھوڑ دو۔'' اس سے انصاری غضبناک ہو کر کہنے لگا: اللہ کے رسول! یہ اس وجہ سے کہ وہ آپ کا پھوپھی زاد ہے؟ یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور متغیر ہو گیا، پھر آپ نے فرمایا: ''اے زبیر! تم اپنی زمین کو سیراب کرو، پھر پانی کو روکے رکھو حتی کہ وہ

عَلَى الزُّبَيْرِ بِرَأْيٍ سَعَةٍ لَهُ وَلِلْأَنْصَارِيِّ، فَلَمَّا أَحْفَظَ الْأَنْصَارِيُّ رَسُولَ اللهِ ﷺ اسْتَوْعٰى لِلزُّبَيْرِ حَقَّهُ فِي صَرِيحِ الْحُكْمِ.

منڈیر تک چڑھ جائے۔" اس مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا پورا پورا حق دیا۔ قبل ازیں رسول اللہ ﷺ نے جو فیصلہ کیا تھا اس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور انصاری دونوں کی رعایت تھی۔ پھر جب انصاری نے رسول اللہ ﷺ کو غصہ دلایا تو آپ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو قانون کے مطابق ان کا پورا حق عطا فرمایا۔

قَالَ عُرْوَةُ: قَالَ الزُّبَيْرُ: وَاللهِ مَا أَحْسِبُ هٰذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ إِلَّا فِي ذٰلِكَ: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ الْآيَةَ [النساء: ٦٥]. [راجع: ٢٣٦٠]

حضرت عروہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ اللہ کی قسم! میرے خیال کے مطابق یہ آیت کریمہ اس جھگڑے کے متعلق نازل ہوئی: "مجھے تیرے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوں گے تا آنکہ اپنے اختلافات میں آپ کے فیصلے کو دل و جان سے تسلیم نہ کرلیں۔"

فوائد ومسائل: ① اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جو پہلے حکم دیا تھا اس میں فریقین کے لیے وسعت اور رعایت تھی، لیکن جب انصاری نے اس رعایت کو غلط رنگ دیا تو قاعدے اور ضابطے کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو پورا پورا حق دیا۔ اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو ایمان کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ جب حاکم فریقین کو آپس میں صلح کا حکم دے لیکن کوئی فریق اس پر دل و جان سے آمادہ نہ ہو تو پھر حسب قاعدہ کارروائی کرنا ہوگی اور قانون کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا جس میں کسی کے لیے رعایت کا پہلو نہیں ہوگا۔ واللہ أعلم.

(١٣) بَابُ الصُّلْحِ بَيْنَ الْغُرَمَاءِ وَأَصْحَابِ الْمِيرَاثِ وَالْمُجَازَفَةِ فِي ذٰلِكَ

باب: 13- قرض خواہوں اور اہل وراثت کے درمیان صلح کرانا اور اس میں اندازے سے کام لینا

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَا بَأْسَ أَنْ يَتَخَارَجَ الشَّرِيكَانِ، فَيَأْخُذَ هٰذَا دَيْنًا وَهٰذَا عَيْنًا، فَإِنْ تَوِيَ لِأَحَدِهِمَا، لَمْ يَرْجِعْ عَلَى صَاحِبِهِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اگر دو شریک اس طرح صلح کرلیں کہ ایک قرض لے لے اور دوسرا نقد مال حاصل کرلے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ پھر اگر ایک کا حصہ ہلاک ہو گیا تو (تقسیم کے بعد) وہ اپنے ساتھی سے رجوع نہیں کر سکے گا۔

وضاحت: اس تعلیق کو مصنف ابن ابی شیبہ (284/7) میں متصل سند سے بیان کیا گیا ہے، نیز یہ اثر کتاب الحوالات کے آغاز میں گزر چکا ہے، وہاں ہم نے اس کی تشریح کی تھی۔[1]

٢٧٠٩ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: تُوُفِّيَ أَبِي وَعَلَيْهِ دَيْنٌ، فَعَرَضْتُ عَلَى غُرَمَائِهِ أَنْ يَأْخُذُوا التَّمْرَ بِمَا عَلَيْهِ فَأَبَوْا، وَلَمْ يَرَوْا أَنَّ فِيهِ وَفَاءً، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ: «إِذَا جَدَدْتَهُ فَوَضَعْتَهُ فِي الْمِرْبَدِ آذَنْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ» فَجَاءَ وَمَعَهُ أَبُو بَكْرٍ وَّعُمَرُ فَجَلَسَ عَلَيْهِ وَدَعَا بِالْبَرَكَةِ، ثُمَّ قَالَ: «اُدْعُ غُرَمَاءَكَ فَأَوْفِهِمْ»، فَمَا تَرَكْتُ أَحَدًا لَّهُ عَلَى أَبِي دَيْنٌ إِلَّا قَضَيْتُهُ وَفَضَلَ ثَلَاثَةَ عَشَرَ وَسْقًا، سَبْعَةٌ عَجْوَةٌ وَّسِتَّةٌ لَوْنٌ، أَوْ سِتَّةٌ عَجْوَةٌ وَّسَبْعَةٌ لَوْنٌ، فَوَافَيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ الْمَغْرِبَ فَذَكَرْتُ لَهُ ذٰلِكَ فَضَحِكَ، فَقَالَ: «ائْتِ أَبَا بَكْرٍ وَّعُمَرَ فَأَخْبِرْهُمَا»، فَقَالَا: لَقَدْ عَلِمْنَا إِذْ صَنَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا صَنَعَ أَنْ سَيَكُونُ ذٰلِكَ.

[2709] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میرے والد گرامی شہید ہوئے تو ان کے ذمے قرض تھا۔ میں نے قرض خواہوں کے سامنے ایک تجویز پیش کی کہ وہ اس قرض کے عوض میری تمام کھجوریں قبول کر لیں لیکن انھوں نے انکار کر دیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کھجوروں سے ان کا قرض پورا نہیں ہو گا، چنانچہ میں نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا: ”جب تم کھجوریں توڑ کر ان کے لیے مخصوص جگہ میں رکھو تو (مجھے) رسول اللہ ﷺ کو اطلاع کرو۔“ میں نے حسب ارشاد جب انھیں توڑ کر کھلیان میں رکھا تو آپ کو اطلاع کی، چنانچہ آپ حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ کے ہمراہ تشریف لائے۔ آپ کھجوروں کی ڈھیری کے پاس بیٹھ گئے اور برکت کی دعا کی، پھر فرمایا: ”اپنے قرض خواہوں کو بلاؤ اور ان کا قرض ادا کرو۔“ اب کوئی شخص ایسا نہ رہا جس کا میرے باپ کے ذمے قرض تھا اور میں نے اسے ادا نہ کر دیا ہو، اس کے باوجود تیرہ وسق کھجوریں بچ گئیں جن میں سات وسق عجوہ اور چھ وسق لون تھیں یا چھ وسق عجوہ اور سات وسق لون تھیں۔ پھر میں بوقت مغرب رسول اللہ ﷺ سے ملا اور آپ سے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ ہنس پڑے اور فرمایا: ”ابوبکر و عمر ؓ کے پاس جاؤ اور انھیں بھی اس واقعے سے مطلع کرو۔“ (چنانچہ میں نے انھیں بتایا) تو انھوں نے فرمایا: ہم نے تو اسی وقت سمجھ لیا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے برکت کی دعا کی تھی کہ

1 صحيح البخاري، الحوالات، قبل حديث : 2287.

عنقریب ایسا ہوگا۔

وَقَالَ هِشَامٌ عَنْ وَهْبٍ، عَنْ جَابِرٍ: صَلَاةَ الْعَصْرِ وَلَمْ يَذْكُرْ: أَبَا بَكْرٍ، وَلَا ضَحِكَ، وَقَالَ: وَتَرَكَ أَبِي عَلَيْهِ ثَلَاثِينَ وَسْقًا دَيْنًا.

ہشام حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نماز عصر کا ذکر کرتے ہیں اور اس روایت میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اور (رسول اللہ ﷺ کے) ہنسنے کا ذکر نہیں ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں کہ میرے والد کے ذمے تیس وسق کھجوریں قرض تھا۔

وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ عَنْ وَهْبٍ، عَنْ جَابِرٍ: صَلَاةَ الظُّهْرِ. [راجع: ٢١٢٧]

ابن اسحاق حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نماز ظہر کا ذکر کرتے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد گرامی کے قرض کے عوض انھیں اپنے باغ کا پورا پھل پیش کیا کہ وہ اس کی کھجوریں لے لیں اور میرے باپ کو قرض سے رہا کر دیں، لیکن انھوں نے اس پیشکش کو قبول نہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق کچھ نہ کہا، جس کا مطلب یہ ہے قرض کے متعلق قرض خواہوں سے کسی بھی طریقے سے صلح ہو سکتی ہے۔ ② اس روایت میں اوقات نماز کے متعلق اختلاف بیان ہوا ہے۔ یہ اختلاف نقصان دہ نہیں کیونکہ اصل مقصود تو رسول اللہ ﷺ کی برکت بتانا تھا جو کھجوروں میں پیدا ہوئی۔ اسے راویوں نے بیان کیا ہے۔ تعیین نماز میں اختلاف سے اصل روایت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ دراصل حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنے قرض خواہوں کا قرض ادا کر کے بار بار رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دینے کے لیے آتے ہوں گے۔ بعض قرض خواہوں کا قرض دینے کی اطلاع ظہر کے وقت جبکہ دوسرے گروہ کے قرض کی ادائیگی سے عصر کے وقت مطلع کیا اور تیسرے گروہ کا قرض ادا کر کے مغرب کے وقت اطلاع کی۔ اس طرح تمام روایات اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ ③ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو اطلاع دینے کا مقصد یہ تھا کہ وہ آپ کے معجزے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قرض کی ادائیگی سے خوش ہو جائیں کیونکہ یہ حضرات بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اس قرض سے بہت فکر مند تھے۔ رضی اللہ عنہم ④ واضح رہے کہ مدینہ طیبہ میں کھجور کی بہت سی قسمیں ہوتی تھیں۔ اس میں عجوہ، کھجور کی بہترین قسم ہے اور لون اس سے کمتر ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی دعا سے ایسی برکت پڑی کہ تمام قرض اور اخراجات ادا کرنے کے بعد بھی کافی کھجوریں بچ گئی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بڑے خوش نصیب تھے کہ انھیں یہ فیضان نبوی حاصل ہوا۔

(١٤) بَابُ الصُّلْحِ بِالدَّيْنِ وَالْعَيْنِ

باب: 14- قرض اور نقد مال کے عوض صلح کرنا

٢٧١٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ، وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ

[2710] حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں مسجد کے اندر اپنے قرض کا تقاضا کیا۔ اس دوران

ابْنُ كَعْبٍ أَنَّ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ تَقَاضَى ابْنَ أَبِي حَدْرَدٍ دَيْنًا كَانَ لَهُ عَلَيْهِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ، فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا حَتَّى سَمِعَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ فَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَيْهِمَا حَتَّى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهِ فَنَادَى كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ فَقَالَ: «يَا كَعْبُ!»، فَقَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ! فَأَشَارَ بِيَدِهِ أَنْ ضَعِ الشَّطْرَ، فَقَالَ كَعْبٌ: قَدْ فَعَلْتُ يَارَسُولَ اللهِ! فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قُمْ فَاقْضِهِ». [راجع: ٤٥٧]

میں ان دونوں کی آوازیں اس قدر بلند ہوئیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنے گھر میں سماعت فرمایا۔ آپ اس وقت اپنے حجرے میں تشریف رکھتے تھے، چنانچہ آپ باہر تشریف لائے اور اپنے حجرے کا پردہ اٹھا کر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو آواز دی: ''اے کعب!'' انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ آدھا قرض معاف کر دو۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں نے ایسا کر دیا۔ آپ نے مقروض سے فرمایا: ''اٹھو اور باقی ماندہ قرض ادا کر دو۔''

فائدہ: قرض کے متعلق صلح کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کچھ کمی کر دی جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ ہے کہ آئندہ ادائیگی کے وعدے پر اس میں کمی کر دی جائے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاتے ہی حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے مقروض کا نصف قرض معاف کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اٹھو اور باقی ماندہ نصف جلد ادا کر دو۔'' دوسری یہ ہے کہ نقد ادا کرنے پر اس میں سے کچھ کم کر دیا جائے، یعنی تین سو روپے قرض کی فوری ادائیگی پر ایک سو روپیہ چھوڑ دیا جائے، دو سو روپیہ وصول کر کے مقروض کو رہا کر دیا جائے۔ حدیث میں نقد ادائیگی کا ذکر نہیں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے نقد کو قرض پر قیاس کیا ہے۔ جب قرض میں صلح ہو سکتی ہے تو نقد ادائیگی میں بطریق اولیٰ صلح ہونی چاہیے۔

شرط کا مفہوم اور اہمیت

لغوی طور پر شرط کے معنی علامت کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں شرط وہ ہے جس پر کسی چیز کا موجود ہونا موقوف ہو اور خود وہ چیز اس میں داخل نہ ہو، جیسے نماز کے لیے وضو شرط ہے لیکن وضو نماز میں داخل نہیں ہے، البتہ نماز کا صحیح ہونا اس پر موقوف ہے۔ رکن اور شرط میں یہی فرق ہے کہ رکن اس چیز کا حصہ ہوتا ہے جبکہ شرط مشروط کا حصہ نہیں ہوتی جیسا کہ سجدہ اور رکوع نماز کا رکن ہے۔ ان پر نماز کا وجود موقوف ہے اور یہ دونوں نماز کا حصہ ہیں۔ اس عنوان کے تحت شرائط کے مسائل و احکام بیان ہوں گے۔

شرط کی اہمیت کا اس امر سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمان آپس میں جو شرائط طے کر لیں ان کا پورا کرنا ضروری ہے اور ایسی شرائط کا کوئی اعتبار نہیں جو اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام یا حرام کی ہوئی چیز کو حلال کر دیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''جس شرط کی بنیاد اللہ کی کتاب میں نہ ہو وہ سرے سے باطل ہے اگرچہ ایسی سو شرائط ہی کیوں نہ ہوں۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے شرائط کے احکام بیان کرنے کے لیے سینتالیس مرفوع احادیث کا انتخاب کیا ہے جن میں بیالیس مکرر اور صرف پانچ احادیث خالص ہیں، پھر ان میں ستائیس معلق ہیں اور باقی بائیس احادیث متصل سند سے بیان کی ہیں۔ مرفوع احادیث کے علاوہ مختلف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام سے گیارہ آثار بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ ان احادیث و آثار پر امام بخاری رحمہ اللہ نے تقریباً انیس چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کر کے شرائط کے متعلق احکام و مسائل کا استنباط کیا ہے۔ عنوانات پر سرسری نظر ڈالنے سے امام بخاری رحمہ اللہ کی فہم و فراست اور وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

الغرض امام بخاری رحمہ اللہ نے زندگی کے ہر شعبے سے متعلق شرائط کا تذکرہ بڑی جامعیت کے ساتھ کیا ہے، پھر ان کی حیثیت سے بھی ہمیں آگاہ فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں اپنے بیان کردہ موقف کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ عنوان اور پیش کردہ احادیث کو صرف اپنی معلومات میں اضافے کے لیے زیر مطالعہ نہیں لانا چاہیے۔ اگرچہ یہ بھی ایک بڑا مقصد ہے لیکن ایک مسلمان کو اپنی عملی زندگی سنوارنے کے لیے ان احادیث کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ ان احادیث کی وضاحت کرتے وقت فکر محدثین کو زیادہ سے زیادہ اُجاگر کریں اور امام بخاری رحمہ اللہ کے محدثانہ مزاج کے مطابق ان کی وضاحت کریں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر عمل کی توفیق دے۔ آمین یا رب العالمین.

---

1 صحيح البخاري، الشروط، حديث: 2735.

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

54 - كِتَابُ الشُّرُوطِ

شرائط سے متعلق احکام ومسائل

(۱) بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الشُّرُوطِ فِي الْإِسْلَامِ وَالْأَحْكَامِ وَالْمُبَايَعَةِ

۲۷۱۱، ۲۷۱۲ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّهُ سَمِعَ مَرْوَانَ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يُخْبِرَانِ عَنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: لَمَّا كَاتَبَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو يَوْمَئِذٍ كَانَ فِيمَا اشْتَرَطَ سُهَيْلُ ابْنُ عَمْرٍو عَلَى النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّهُ لَا يَأْتِيكَ مِنَّا أَحَدٌ - وَإِنْ كَانَ عَلَى دِينِكَ - إِلَّا رَدَدْتَهُ إِلَيْنَا وَخَلَّيْتَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ، فَكَرِهَ الْمُؤْمِنُونَ ذٰلِكَ وَامْتَعَضُوا مِنْهُ، وَأَبَى سُهَيْلٌ إِلَّا ذٰلِكَ، فَكَاتَبَهُ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى ذٰلِكَ فَرَدَّ يَوْمَئِذٍ أَبَا جَنْدَلٍ إِلَى أَبِيهِ سُهَيْلِ بْنِ عَمْرٍو، وَلَمْ يَأْتِهِ أَحَدٌ مِنَ الرِّجَالِ إِلَّا رَدَّهُ فِي تِلْكَ الْمُدَّةِ وَإِنْ كَانَ مُسْلِمًا، وَجَاءَتِ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ وَكَانَتْ

باب: 1- اسلام لانے، بیعت کرنے اور دیگر احکام میں جائز شرطوں کا بیان

[2712,2711] حضرت مروان بن حکم رحمہ اللہ اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بیان کرتے ہیں کہ جب سہیل بن عمرو نے صلح حدیبیہ کے دن صلح نامہ لکھوایا تو اس نے نبی ﷺ کے سامنے یہ شرط رکھی کہ ہمارا جو آدمی بھی آپ کے پاس آئے گا، خواہ وہ آپ کے دین پر ہی کیوں نہ ہو، آپ کو اسے ہمارے ہاں واپس کرنا ہوگا۔ آپ اس کے اور ہمارے درمیان راستہ خالی کر دیں گے۔ مسلمانوں نے اس شرط کو ناپسند کیا اور وہ اس کے باعث غصے سے بھر گئے لیکن سہیل اس شرط کے بغیر صلح کرنے پر تیار نہ ہوا۔ آخرکار نبی ﷺ نے اس شرط پر صلح کر لی اور اسی روز ابوجندل رضی اللہ عنہ کو اس کے والد سہیل بن عمرو کے حوالے کر دیا۔ پھر مردوں میں سے جو بھی آتا آپ اسے اس مدت کے دوران میں واپس کرتے رہے اگرچہ وہ مسلمان ہو کر آتا۔ اب کچھ اہل ایمان خواتین بھی ہجرت کر کے آئیں۔

أُمُّ كُلْثُومٍ بِنْتُ عُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ مِمَّنْ خَرَجَ إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ يَوْمَئِذٍ - وَهِيَ عَاتِقٌ - فَجَاءَ أَهْلُهَا يَسْأَلُونَ النَّبِيَّ ﷺ أَنْ يَرْجِعَهَا إِلَيْهِمْ فَلَمْ يَرْجِعْهَا إِلَيْهِمْ لِمَا أَنْزَلَ اللهُ فِيهِنَّ ﴿إِذَا جَآءَكُمُ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ مُهَٰجِرَٰتٍ فَٱمْتَحِنُوهُنَّ ٱللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَٰنِهِنَّ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ﴾ [الممتحنة: ١٠].

[راجع: ١٦٩٤، ١٦٩٥]

ان عورتوں میں عقبہ بن ابو معیط کی بیٹی ام کلثوم بھی تھیں جنھوں نے اس دن رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی اور وہ نوجوان عورت تھیں۔ ان کے اہل خانہ آئے اور نبی ﷺ سے اس کی واپسی کا مطالبہ کرنے لگے، لیکن آپ نے اسے ان کی طرف واپس نہ کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق حکم نازل کیا تھا: ”جب اہل ایمان خواتین تمھاری طرف ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان لو (ان کی جانچ پڑتال کرو۔) اللہ تو ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ اگر تمھیں ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر انھیں کفار کی طرف واپس نہ کرو۔ ایسی عورتیں کافروں کے لیے حلال نہیں اور نہ کافر ہی ان کے لیے حلال ہیں۔“

٢٧١٣ - قَالَ عُرْوَةُ: فَأَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَمْتَحِنُهُنَّ بِهٰذِهِ الْآيَةِ ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا جَآءَكُمُ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ مُهَٰجِرَٰتٍ فَٱمْتَحِنُوهُنَّ﴾ إِلٰى ﴿غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ قَالَ عُرْوَةُ: قَالَتْ عَائِشَةُ: فَمَنْ أَقَرَّ بِهٰذَا الشَّرْطِ مِنْهُنَّ قَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قَدْ بَايَعْتُكِ»، كَلَامًا يُكَلِّمُهَا بِهِ، وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُهُ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ فِي الْمُبَايَعَةِ وَمَا بَايَعَهُنَّ إِلَّا بِقَوْلِهِ. [انظر: ٢٧٣٣، ٤١٨٢، ٤٨٩١، ٥٢٨٨، ٧٢١٤]

[2713] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس آیت ﴿يا أيها الذين آمنوا......﴾ کے باعث ان عورتوں کا امتحان لیتے تھے۔ ان میں سے جو عورت بھی اس شرط کا اقرار کر لیتی، اسے رسول اللہ ﷺ فرماتے: ”میں نے تجھ سے بیعت لے لی ہے۔“ صرف اس سے یہی کلام کرتے۔ اللہ کی قسم! بیعت کرتے وقت آپ ﷺ کے ہاتھ نے کسی (اجنبی) عورت کے ہاتھ کو مَس نہیں کیا۔ آپ صرف زبانی کلامی (گفتگو ہی سے) عورتوں سے بیعت لیتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں: اس عنوان کے تحت جائز اور ناجائز دونوں قسم کی شرائط کا بیان ہے، مثلاً: اسلام لاتے وقت کافر شرط عائد کر سکتا ہے کہ مجھے ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل نہ کیا جائے، یہ تو جائز ہے لیکن یہ شرط ناجائز ہے کہ وہ نماز نہیں پڑھے گا یا زکاۃ ادا نہیں کرے گا۔[1] امام بخاری ؒ غالباً یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جو شرط شریعت کے مخالف ہو گی اسے مسترد کر دیا جائے گا اور اس کے مطابق عمل کرنا جائز نہیں ہوگا اور جو شرائط شریعت کے مطابق ہوں ان کا پورا کرنا ضروری ہے۔ حسب معاہدہ عورتیں شرط میں داخل تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے خود ان کی واپسی کو غلط قرار دے دیا کیونکہ عورتوں کی واپسی فتنے کا

1 فتح الباري: 384/5.

باعث بن سکتی تھی۔ مرد تو ان کے چنگل سے نکلنے اور فرار ہونے کی ہمت رکھتے ہیں لیکن عورتوں میں یہ ہمت نہیں ہوتی۔ چونکہ عورتوں کی واپسی شریعت کے مخالف تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود مداخلت فرمائی اور رسول اللہ ﷺ کو اس سے روک دیا۔ اس میں نہ تو رسول اللہ ﷺ نے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور نہ کفار نے اس پر کوئی اعتراض ہی کیا بلکہ انھوں نے بھی اس ربانی حکم کو تسلیم کر لیا۔ مخالفت کی صورت میں لڑائی ہوتی۔ لڑائیوں نے ان کی کمر پہلے ہی توڑ دی تھی۔ ② اس میں بیعت کا ذکر ہے کہ عورتوں سے بیعت لیتے وقت مصافحہ وغیرہ نہیں کرنا چاہیے۔ وہ شرائط جن سے اہل ایمان خواتین کا امتحان لیا جاتا تھا انھیں درج ذیل آیت میں بیان کیا گیا ہے: ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ ''اے نبی! جب آپ کے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی، نہ چوری کریں گی، نہ زنا کریں گی، نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی، اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی اور کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی تو آپ ان سے بیعت لے لیں اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں، یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[1] اس آیت کریمہ میں بیان کردہ چھ شرائط سے عورتوں کا امتحان ہو جاتا۔ اگر وہ مومن ہوتیں تو ان چھ چیزوں کا اعتراف و اقرار کرتیں اور اگر وہ مومن نہ ہوتیں تو ان سے انکار کر دیتیں۔

٢٧١٤ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ قَالَ: سَمِعْتُ جَرِيرًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: بَايَعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَاشْتَرَطَ عَلَيَّ: «وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ». [راجع: ٥٧]

[2714] حضرت جریر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تو آپ نے مجھ پر یہ شرط عائد کی: ''تم ہر مسلمان کی خیر خواہی کرو گے۔''

٢٧١٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنِي قَيْسُ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَايَعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ. [راجع: ٥٧]

[2715] حضرت جریر بن عبداللہ ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے بروقت نماز پڑھنے، باقاعدہ زکاۃ دینے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔

فائدہ: ان دونوں احادیث میں بیعت کرتے وقت ہر مسلمان کی خیر خواہی کا ذکر ہے۔ ایک حدیث میں مکمل دین اسلام کو خیر خواہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لوگوں نے پوچھا: اللہ کے رسول! کس کے لیے خیر خواہی کی جائے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ

---

(1) الممتحنة 12:60.

کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، حکمرانوں کے لیے اور عام انسانوں کے لیے خیر خواہی کے جذبات رکھیں جائیں۔"[1] اللہ تعالیٰ کے لیے خیر خواہی یہ ہے کہ اس پر ایمان و یقین رکھا جائے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے، اس کے احکام مانے جائیں اور اس کی نافرمانی سے بچا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے لیے خیر خواہی یہ ہے کہ دل و جان سے اس کی تعظیم کی جائے اور اس میں بیان کیے گئے احکام پر عمل کیا جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے لیے خیر خواہی یہ ہے کہ اس کی لائی ہوئی شریعت کو اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی تسلیم کیا جائے اور آپ کی تعظیم و توقیر میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے۔ حکمرانوں کے لیے خیر خواہی یہ ہے کہ شرعی معاملات میں ان کا تعاون کیا جائے اور ان کے خلاف بغاوت نہ کی جائے۔ عوام الناس کے لیے خیر خواہی یہ ہے کہ ان کی رہنمائی کی جائے اور انھیں تکلیف دینے سے بچا جائے۔

(٢) بَابٌ: إِذَا بَاعَ نَخْلًا قَدْ أُبِّرَتْ

باب: 2- پیوند لگانے کے بعد اگر کھجور فروخت کی جائے تو؟

٢٧١٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ بَاعَ نَخْلًا قَدْ أُبِّرَتْ فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ». [راجع: ٢٢٠٣]

[2716] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر کوئی شخص کھجور کا پیوند شدہ درخت فروخت کرے تو اس کا پھل بیچنے والے کا ہے۔ ہاں، اگر خریدار پھل کی شرط لگا دے تو پھل سمیت درخت اس کا ہوگا۔"

فوائد و مسائل: ① خرید و فروخت کرتے وقت درخت کے پھل کا ذکر نہ ہو تو اگر درخت پیوند شدہ ہے تو پھل بیچنے والے کا ہوگا۔ اگر سودا کرتے وقت خریدار پھل کی شرط کر لے تو پھر پھل وہی کاٹے گا۔ مطلب یہ ہے کہ خرید و فروخت میں ایسی مناسب شرائط لگانا جائز ہیں، پھر آئندہ اس قسم کی شرائط کا ہی اعتبار ہوگا۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے خرید و فروخت کرتے وقت ایسی شرط لگائی جو حقیقی عقد کے منافی ہو تو وہ شرع کے بھی خلاف ہوگی۔ ایسی صورت میں حقیقی عقد کے مطابق ہی عمل کیا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں جواب شرط ذکر نہیں کیا کیونکہ حدیث میں اس کی وضاحت تھی، اس لیے صرف شرط ذکر کرنے کو کافی سمجھا گیا ہے۔ یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے۔[2]

(٣) بَابُ الشُّرُوطِ فِي الْبُيُوعِ

باب: 3- خرید و فروخت میں شرطیں لگانا

٢٧١٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا

[2717] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے

1 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 196(55). 2 صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2203.

اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّ بَرِيرَةَ جَاءَتْ عَائِشَةَ تَسْتَعِينُهَا فِي كِتَابَتِهَا، وَلَمْ تَكُنْ قَضَتْ مِنْ كِتَابَتِهَا شَيْئًا، قَالَتْ لَهَا عَائِشَةُ: اِرْجِعِي إِلَى أَهْلِكِ فَإِنْ أَحَبُّوا أَنْ أَقْضِيَ عَنْكِ كِتَابَتَكِ وَيَكُونَ وَلَاؤُكِ لِي فَعَلْتُ، فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ بَرِيرَةُ إِلَى أَهْلِهَا فَأَبَوْا، وَقَالُوا: إِنْ شَاءَتْ أَنْ تَحْتَسِبَ عَلَيْكِ فَلْتَفْعَلْ وَيَكُونَ لَنَا وَلَاؤُكِ، فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ لَهَا: «اِبْتَاعِي فَأَعْتِقِي فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ».

[راجع: ٤٥٦]

بتایا کہ حضرت بریرہ ؓ ان کے پاس آئیں اور وہ ان سے اپنی کتابت کی رقم کے سلسلے میں مدد لینا چاہتی تھیں، جبکہ انھوں نے کتابت کی رقم سے ابھی کچھ بھی ادا نہیں کیا تھا۔ حضرت عائشہ ؓ نے ان سے فرمایا: تم اپنے آقاؤں کے پاس جاؤ اگر وہ پسند کریں تو میں تیری کتابت کی رقم یکمشت ادا کر دوں بشرطیکہ تیری ولا میرے لیے ہو گی، میں ایسا کرنے کو تیار ہوں۔ حضرت بریرہ ؓ نے اپنے مالکان سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے اس سے انکار کر دیا اور کہا: اگر حضرت عائشہ ؓ ثواب لینے کے لیے ایسا کرنا چاہیں تو کر لیں لیکن ولا ہمارے لیے رہے گی۔ حضرت عائشہ ؓ نے جب اس کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے ان سے فرمایا: ”تم بریرہ ؓ کو خرید کر آزاد کرو، ولا تو اسی کا حق ہے جس نے آزاد کیا ہے۔“

فائدہ: امام بخاری ؒ نے خرید وفروخت میں شرط کے جائز یا ناجائز ہونے کی وضاحت نہیں کی بلکہ اسے مطلق رکھا ہے کیونکہ اس میں اختلاف ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم اسے خرید لو اور ان کے لیے ولا کی شرط بھی کر لو۔ بلاشبہ ولا تو اسی کی ہے جس نے آزاد کیا ہے۔“[1] اس روایت کے مطابق اگر خرید وفروخت کرتے وقت کوئی ناجائز شرط رکھی گئی تو بیع صحیح اور شرط باطل ہو گی جبکہ بعض فقہاء کے ہاں بیع اور شرط دونوں باطل ہوں گی۔ اس طرح یہ حدیث عنوان کے مطابق ہو گی۔[2]

(٤) بَابٌ: إِذَا اشْتَرَطَ الْبَائِعُ ظَهْرَ الدَّابَّةِ إِلَى مَكَانٍ مُسَمًّى جَازَ

باب:4- جب بائع کسی خاص مقام تک پہنچنے کے لیے جانور پر سواری کی شرط کر لے تو جائز ہے

٢٧١٨ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا قَالَ: سَمِعْتُ عَامِرًا يَقُولُ: حَدَّثَنِي جَابِرٌ [رَضِيَ اللهُ عَنْهُ]: أَنَّهُ كَانَ يَسِيرُ عَلَى جَمَلٍ لَهُ قَدْ أَعْيَا، فَمَرَّ النَّبِيُّ ﷺ فَضَرَبَهُ فَدَعَا لَهُ، فَسَارَ سَيْرًا لَيْسَ

[2718] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ وہ اپنے ایک اونٹ پر سوار ہو کر سفر کر رہے تھے جو تھک چکا تھا۔ نبی ﷺ کا گزر ان کے پاس سے ہوا تو آپ نے اس اونٹ کو مارا اور اس کے لیے دعا فرمائی تو وہ اتنا تیز چلنے

① صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2168. ② عمدة القاري: 611/9.

يَسِيرُ مِثْلَهُ. ثُمَّ قَالَ: «بِعْنِيهِ بِأُوقِيَّةٍ» قُلْتُ: لَا. ثُمَّ قَالَ: «بِعْنِيهِ بِأُوقِيَّةٍ»، فَبِعْتُهُ فَاسْتَثْنَيْتُ حُمْلَانَهُ إِلَى أَهْلِي، فَلَمَّا قَدِمْنَا أَتَيْتُهُ بِالْجَمَلِ وَنَقَدَنِي ثَمَنَهُ ثُمَّ انْصَرَفْتُ، فَأَرْسَلَ عَلَى أَثَرِي قَالَ: «مَا كُنْتُ لِآخُذَ جَمَلَكَ، فَخُذْ جَمَلَكَ ذٰلِكَ فَهُوَ مَالُكَ». [راجع: ٤٤٣]

لگا کہ اس جیسا کبھی نہیں چلا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا: ''تم اسے ایک اوقیے کے عوض میرے ہاتھ فروخت کر دو۔'' میں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ نے دوبارہ فرمایا: ''ایک اوقیے کے عوض یہ اونٹ مجھے فروخت کر دو۔'' چنانچہ میں نے آپ کے ہاتھ اسے فروخت کر دیا لیکن اپنے گھر تک اس پر سواری کو مستثنیٰ کرا لیا۔ جب ہم مدینہ پہنچے تو میں اونٹ لے کر حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے اس کی قیمت مجھے نقد ادا کر دی لیکن جب میں واپس ہونے لگا تو آپ نے میرے پیچھے آدمی بھیجا۔ (میرے پہنچنے پر) آپ نے فرمایا: ''میں تو تمھارا اونٹ لینا نہیں چاہتا تھا، اپنا اونٹ لے جاؤ یہ تمھارا ہی مال ہے۔''

وَقَالَ شُعْبَةُ عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ جَابِرٍ: أَفْقَرَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ ظَهْرَهُ إِلَى الْمَدِينَةِ.

شعبہ کی روایت کے مطابق حضرت جابر ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ تک اس پر سواری کی مجھے اجازت دی تھی۔

وَقَالَ إِسْحَاقُ عَنْ جَرِيرٍ، عَنْ مُغِيرَةَ: فَبِعْتُهُ عَلَى أَنَّ لِي فَقَارَ ظَهْرِهِ حَتَّى أَبْلُغَ الْمَدِينَةَ.

اسحاق کی روایت کے مطابق حضرت جابر ؓ کا بیان ہے کہ میں نے اونٹ اس شرط پر فروخت کیا کہ مدینہ طیبہ پہنچنے تک اس پر سوار رہوں گا۔

وَقَالَ عَطَاءٌ وَغَيْرُهُ: «وَلَكَ ظَهْرُهُ إِلَى الْمَدِينَةِ».

حضرت عطاء وغیرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اس پر مدینہ طیبہ تک کی سواری تمھاری ہے۔''

وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ: شَرَطَ ظَهْرَهُ إِلَى الْمَدِينَةِ.

محمد بن منکدر نے حضرت جابر ؓ سے بیان کیا کہ انھوں نے مدینہ طیبہ تک سواری کی شرط لگائی تھی۔

وَقَالَ زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ عَنْ جَابِرٍ: «وَلَكَ ظَهْرُهُ حَتَّى تَرْجِعَ».

زید بن اسلم نے حضرت جابر ؓ کے واسطے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مدینہ طیبہ تک تم ہی اس پر سوار رہو گے۔''

وَقَالَ أَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ: «أَفْقَرْنَاكَ

ابوزبیر نے حضرت جابر ؓ کے واسطے سے بیان کیا کہ

ظَهْرَهُ إِلَى الْمَدِينَةِ».

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہم نے مدینہ طیبہ تک اس پر سواری کی آپ کو اجازت دی۔''

وَقَالَ الْأَعْمَشُ عَنْ سَالِمٍ، عَنْ جَابِرٍ: «تَبَلَّغْ بِهِ إِلَى أَهْلِكَ».

اعمش نے بواسطۂ سالم بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے گھر تک تم اسی پر سوار ہو کر جاؤ۔''

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: اَلْاِشْتِرَاطُ أَكْثَرُ وَأَصَحُّ عِنْدِي.

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے فرمایا: میرے نزدیک شرط والی بات اکثر اور زیادہ صحیح ہے۔

وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ وَابْنُ إِسْحَاقَ عَنْ وَهْبٍ، عَنْ جَابِرٍ: اِشْتَرَاهُ النَّبِيُّ ﷺ بِأُوقِيَّةٍ. وَتَابَعَهُ زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ عَنْ جَابِرٍ.

عبیداللہ اور ابن اسحاق کے بیان کے مطابق نبی ﷺ نے اونٹ ایک اوقیے میں خریدا تھا۔ اس روایت کی متابعت زید بن اسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کی ہے۔

وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ وَغَيْرِهِ، عَنْ جَابِرٍ: أَخَذْتُهُ بِأَرْبَعَةِ دَنَانِيرَ، وَهٰذَا يَكُونُ أُوقِيَّةً عَلَى حِسَابِ الدِّينَارِ بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ، وَلَمْ يُبَيِّنِ الثَّمَنَ مُغِيرَةُ عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَابِرٍ. وَابْنُ الْمُنْكَدِرِ وَأَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ.

ابن جریج کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہارا یہ اونٹ چار دینار میں لیتا ہوں۔'' اس حساب کے مطابق ایک دینار دس درہم کا اور چار دینار کا ایک اوقیہ ہو گا۔ مغیرہ، محمد بن منکدر اور ابوزبیر نے اپنی روایت میں قیمت کا ذکر نہیں کیا ہے۔

وَقَالَ الْأَعْمَشُ عَنْ سَالِمٍ، عَنْ جَابِرٍ: أُوقِيَّةُ ذَهَبٍ.

اعمش نے بواسطۂ سالم اپنی روایت میں ایک اوقیہ سونے کی وضاحت کی ہے۔

وَقَالَ أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ سَالِمٍ، عَنْ جَابِرٍ: بِمِائَتَيْ دِرْهَمٍ.

ابواسحاق نے اپنی روایت میں دو سو درہم بیان کیے ہیں۔

وَقَالَ دَاوُدُ بْنُ قَيْسٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ مِقْسَمٍ، عَنْ جَابِرٍ: اِشْتَرَاهُ بِطَرِيقِ تَبُوكَ، أَحْسِبُهُ قَالَ: بِأَرْبَعِ أَوَاقٍ.

داود بن قیس کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وہ اونٹ تبوک کے راستے میں خریدا تھا، نیز کہا کہ میرے خیال کے مطابق آپ نے اسے چار اوقیے میں خریدا تھا۔

وَقَالَ أَبُو نَضْرَةَ: عَنْ جَابِرٍ: اِشْتَرَاهُ بِعِشْرِينَ دِينَارًا.

ابونضرہ نے بیان کیا کہ بیس دینار میں خریدا تھا۔

وَقَوْلُ الشَّعْبِيِّ: بِأُوقِيَّةٍ أَكْثَرُ، اَلْاِشْتِرَاطُ أَكْثَرُ وَأَصَحُّ عِنْدِي، قَالَهُ أَبُو عَبْدِ اللهِ.

شعبی کے بیان کے مطابق ایک اوقیہ ہی زیادہ روایات میں ہے۔ اسی طرح شرط لگانا بھی بیشتر روایات سے ثابت ہے۔ میرے نزدیک یہی صحیح ہے۔ ابو عبداللہ (امام بخاری ؒ) کا بھی یہی قول ہے۔ (جیسا کہ پہلے گزرا ہے۔)

فوائد ومسائل: ① جب بیچنے والا کوئی چیز فروخت کرے اور کچھ دیر کے لیے اس پر سواری کی شرط کرے تو اس کے جائز ہونے میں اختلاف ہے۔ امام بخاری ؒ اسے جائز سمجھتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل ؒ کا بھی یہی موقف ہے جبکہ کچھ حضرات اس قسم کی بیع کو ناجائز کہتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بیع میں کچھ مستثنیٰ کر لینے سے منع فرمایا ہے، نیز آپ نے بیع اور شرط سے بھی منع فرمایا ہے اور اس میں دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں، لیکن حق بات یہ ہے کہ ایسی بیع جائز ہے جیسا کہ حدیث جابر ؓ میں صراحت ہے کہ انھوں نے اپنا اونٹ فروخت کرتے وقت مدینے تک اس پر سوار ہو کر جانے کا استثنا کر لیا۔ حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں: میں نے ایک اوقیے کے بدلے اسے فروخت کر دیا اور میں نے اپنے گھر تک اس پر سواری کی شرط لگائی۔[1] مستثنیٰ کر لینے کی ممانعت کے متعلق حدیث درج ذیل ہے: حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خرید و فروخت کے وقت کچھ مستثنیٰ کرنے سے منع کیا ہے الا یہ کہ اس کی مقدار مقرر کر لی جائے۔[2] جابر ؓ کے واقعے میں بھی ایک معلوم چیز کا استثنا تھا، لہٰذا یہ منع نہیں ہے، البتہ مجہول شے کا استثنا منع ہے۔ اس سے بیع فاسد ہو جاتی ہے کیونکہ جہالت کی وجہ سے یہ بیع دھوکے پر مشتمل ہوتی ہے۔ جس حدیث میں بیع اور شرط کی ممانعت ہے، اس کی سند میں مقال ہے، نیز وہ قابل تاویل ہے۔[3] ② اس حدیث سے امام بخاری ؒ کی وسعت علم کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو ایک ایک حدیث کے کتنے کتنے طرق یاد تھے۔ ③ ہمارے رجحان کے مطابق خرید و فروخت میں اگر معلوم چیز کی شرط لگائی جائے یا اس کا استثنا کر لیا جائے تو جائز ہے، اس سے بیع کے جواز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ واللہ أعلم.

(٥) بَابُ الشُّرُوطِ فِي الْمُعَامَلَةِ

باب:5- معاملات میں شرطیں لگانا

٢٧١٩ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَتِ الْأَنْصَارُ لِلنَّبِيِّ ﷺ: اِقْسِمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ إِخْوَانِنَا النَّخِيلَ، قَالَ: «لَا»، فَقَالَ الْأَنْصَارُ: تَكْفُونَنَا الْمُؤْنَةَ وَنُشْرِكُكُمْ فِي

[2719] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: انصار نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ہمارے کھجور کے باغات کو ہمارے اور ہمارے (مہاجر) بھائیوں کے درمیان تقسیم کر دیں۔ آپ نے فرمایا: ''نہیں۔'' تب انصار نے (مہاجرین سے) کہا: تم ہماری محنت ومشقت

---

[1] صحيح البخاري، الجهاد و السير، حديث: 2406. [2] صحيح مسلم، البيوع، حديث: 3913 (1536). [3] فتح الباري: 386/5.

الثَّمَرَةِ، قَالُوا: سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا. [راجع: ٢٣٢٥]

کی ذمہ داری اٹھاؤ ہم تمھیں پیداوار اور پھل میں شریک کر لیتے ہیں۔ مہاجرین نے کہا: ہم نے سن لیا اور ہم اس پیشکش کو قبول کرتے ہیں۔

٢٧٢٠ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَعْطَى رَسُولُ اللهِ ﷺ خَيْبَرَ الْيَهُودَ أَنْ يَعْمَلُوهَا وَيَزْرَعُوهَا وَلَهُمْ شَطْرُ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا. [راجع: ٢٢٨٥]

[2720] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو خیبر کی زمین اس شرط پر دی کہ وہ اس میں محنت اور کاشت کاری کریں، پھر جو کچھ اس سے پیداوار ہوگی ان کو اس کا نصف ملے گا۔

فائدہ: ان دونوں احادیث سے ثابت ہوا کہ معاملات میں مناسب اور جائز شرط لگانا اور فریقین کا ان پر معاملہ کرنا درست ہے جیسا کہ پہلی حدیث کے مطابق مہاجرین کو پھلوں میں اس شرط پر شریک کیا گیا کہ وہ ان باغات میں محنت کریں گے اور یہودیوں کو خیبر کی زمین اس شرط پر دی گئی کہ وہ اس میں کھیتی باڑی کریں، پھر پیداوار کے نصف میں شریک ہوں گے، یعنی یہ عقد مزارعہ تھا جس میں نصف پیداوار کی شرط طے ہوئی تھی۔

(٦) بَابُ الشُّرُوطِ فِي الْمَهْرِ عِنْدَ عُقْدَةِ النِّكَاحِ

باب:6- عقدِ نکاح کے وقت مہر میں شرطیں لگانا

وَقَالَ عُمَرُ: إِنَّ مَقَاطِعَ الْحُقُوقِ عِنْدَ الشُّرُوطِ، وَلَكَ مَا شَرَطْتَ. وَقَالَ الْمِسْوَرُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ ذَكَرَ صِهْرًا لَهُ فَأَثْنَى عَلَيْهِ فِي مُصَاهَرَتِهِ فَأَحْسَنَ، قَالَ: حَدَّثَنِي فَصَدَقَنِي وَوَعَدَنِي فَوَفَى لِي.

حضرت عمر ؓ نے فرمایا: حقوق کے فیصلے شرائط کے مطابق ہوں گے، یعنی حقوق کی قطعیت شرط کے پورا ہونے کے وقت ہوتی ہے اور تمھیں وہی کچھ ملے گا جو تم نے شرط کی ہے۔ حضرت مسور ؓ نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا کہ آپ نے اپنے داماد کا ذکر کیا۔ اس کی دامادی کو سراہا اور اس کی خوب تعریف فرمائی۔ مزید فرمایا کہ اس نے جو بات مجھ سے کی اسے سچا کر دکھایا اور مجھ سے جو وعدہ کیا اسے پورا کیا۔

وضاحت: امام بخاری ؒ نے ان آثار کو کتاب النکاح میں بھی بیان کیا ہے۔[1] حضرت عمر ؓ کے اثر کو مصنف ابن ابی شیبہ میں متصل سند سے بیان کیا گیا ہے۔[2] حضرت مسور ؓ سے مروی حدیث میں داماد سے مراد حضرت ابوالعاص بن ربیع

① صحيح البخاري، النكاح، قبل حديث: 5151. ② المصنف لابن أبي شيبة: 101/6.

ﷺ ہیں جو سیدہ زینب بنت رسول اللہ ﷺ کے شوہر تھے۔ وہ غزوۂ بدر میں گرفتار ہوئے تو صحابۂ کرام ﷺ نے رسول اللہ ﷺ کے اکرام کے پیش نظر انھیں فدیے کے بغیر ہی چھوڑ دیا۔ مشرکین کے کہنے پر وہ حضرت زینب ﷺ کو مکہ مکرمہ لے گئے لیکن مشرکین کے اصرار کے باوجود اسے طلاق نہ دی۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے وعدے کے مطابق انھیں جلدی مدینہ طیبہ پہنچا دیا۔ فتح مکہ کے وقت وہ مسلمان ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے نکاح سابق سے اپنی بیٹی اس کے ساتھ روانہ کر دی اور اس کی احسان مندی کا شکریہ ادا کیا، نیز وعدہ پورا کرنے پر اس کی تعریف کی۔ حضرت مسور کی حدیث کو خود امام بخاری ﷫ نے متصل سند سے ذکر کیا ہے۔[1]

٢٧٢١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَحَقُّ الشُّرُوطِ أَنْ تُوفُوا بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ». [انظر: ٥١٥١]

[2721] حضرت عقبہ بن عامر ﷜ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شرطیں جن کا پورا کرنا تمھارے لیے ضروری ہے وہ ہیں جن کو تم نے نکاح میں طے کر کے عورتوں کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے۔''

فائدہ: شرائط کے متعلق دو باتیں قابل غور ہیں: ○ یہ شرائط واجب اور ضروری ہیں یا ان کو پورا کرنا مستحب ہے؟ راجح بات یہ ہے کہ ان شرائط کو پورا کرنا واجب اور ضروری ہے الا یہ کہ فریقین میں افہام و تفہیم ہو جائے۔ ○ دوسری بات یہ ہے کہ ان شرائط کا تعلق صرف عقد نکاح سے ہے، جیسے مہر کی ادائیگی اور اخراجات وغیرہ یا اس سے مراد وہ تمام شرائط ہیں جو عقد نکاح کے وقت طے پا جائیں؟ اس بارے میں علماء کی دونوں رائے ہیں۔ ہمارا رجحان یہ ہے کہ نکاح کے وقت جو شرائط طے ہو جائیں ان کا پورا کرنا ضروری ہے بشرطیکہ وہ کتاب و سنت کے خلاف نہ ہوں کیونکہ حدیث مطلق ہے، اسے صرف نکاح سے متعلق شرائط کے ساتھ خاص کرنا صحیح نہیں۔

(٧) بَابُ الشُّرُوطِ فِي الْمُزَارَعَةِ

باب: 7- کھیتی باڑی کے متعلق شرائط طے کرنا

٢٧٢٢ - حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: سَمِعْتُ حَنْظَلَةَ الزُّرَقِيَّ قَالَ: سَمِعْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: كُنَّا أَكْثَرَ الْأَنْصَارِ حَقْلًا فَكُنَّا نُكْرِي الْأَرْضَ، فَرُبَّمَا أَخْرَجَتْ

[2722] حضرت رافع بن خدیج ﷜ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: انصار مدینہ میں سے ہم لوگ سب سے زیادہ کھیتی باڑی کرنے والے تھے اور ہم زمین بٹائی پر دیتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ کھیت کے ایک حصے میں پیداوار ہوتی اور دوسرے میں نہ ہوتی، اس لیے ہمیں اس سے منع کر دیا

1 صحيح البخاري، فرض الخمس، حديث: 3110.

هٰذِهِ وَلَمْ تُخْرِجْ ذِهِ، فَنُهِينَا عَنْ ذٰلِكَ وَلَمْ نُنْهَ عَنِ الْوَرِقِ. [راجع: ٢٢٨٦]

گیا لیکن نقدی کے عوض کرائے پر دینے سے منع نہیں کیا گیا۔

فوائد و مسائل: ① مزارعت میں یہ شرط منع ہے کہ فلاں ٹکڑے کی پیداوار ہم لیں گے اور دوسرے ٹکڑے کی پیداوار سے تم فائدہ اٹھاؤ کیونکہ اس میں دھوکے کا امکان ہے۔ شاید اس ٹکڑے میں پیداوار نہ ہو جو مزارع کو دیا گیا ہے۔ ایسی شرط جس کی رو سے زمین کے ایک حصے کی پیداوار مالک لے اور مزارع محروم رہے، ناجائز ہے۔ ② مزارعت کی دو صورتیں جائز ہیں: ایک یہ کہ سونے چاندی یا روپے کے عوض اسے ٹھیکے پر دے دیا جائے۔ دوسرا یہ کہ نصف یا ثلث پیداوار پر کاشت کے لیے دی جائے کہ اس زمین سے جو بھی پیداوار ہو طے شدہ حصے کے مطابق اسے تقسیم کر لیا جائے گا۔ کسی خاص ٹکڑے کی پیداوار کا تعین نہ کیا جائے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ جس شرط کے مطابق مالک اور مزارع میں سے کسی ایک کو نقصان اٹھانا پڑے وہ شرعاً جائز نہیں۔

(٨) بَابُ مَا لَا يَجُوزُ مِنَ الشُّرُوطِ فِي النِّكَاحِ

باب: 8- جو شرطیں نکاح میں جائز نہیں ہیں

٢٧٢٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ [رَضِيَ اللهُ عَنْهُ] عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِّبَادٍ، وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا يَزِيدَنَّ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ، وَلَا يَخْطُبَنَّ عَلَى خِطْبَتِهِ، وَلَا تَسْأَلِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَسْتَكْفِئَ إِنَاءَهَا». [راجع: ٢١٤٠]

[2723] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال تجارت نہ فروخت کرے، نہ کوئی دوسرے کو دھوکا ہی دے، اپنے بھائی کی لگائی ہوئی قیمت پر بھاؤ زیادہ نہ کرے (جبکہ خریدنے کی نیت نہ ہو)، نہ کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر اس عورت کو اپنا پیغام نکاح ہی بھیجے اور نہ کوئی عورت کسی مرد سے اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ ہی کرے تاکہ سب کچھ اپنے برتن میں انڈیل لے۔"

فوائد و مسائل: ① کوئی بھی عورت کسی شخص سے یہ نہ کہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر مجھ سے نکاح کر لو۔ اس طرح جو کچھ حقوق زوجیت اس کے لیے ہیں ان پر شب خون مار کر اپنے لیے حاصل کر لے۔ ② نکاح کے وقت کوئی عورت اپنی سوکن کو طلاق دینے کا مطالبہ کرے تو اس قسم کی شرط ناجائز اور حرام ہے۔ اگر وہ نکاح کرنا چاہتی ہے تو دوسری بیوی کے لیے تباہی کا منصوبہ نہ بنائے، خاموشی سے نکاح کر لے اور جو کچھ اس کے مقدر میں ہے اس پر قناعت کرے۔

(٩) بَابُ الشُّرُوطِ الَّتِي لَا تَحِلُّ فِي الْحُدُودِ

باب: 9- وہ شرطیں جو حدود میں جائز نہیں

٢٧٢٤، ٢٧٢٥ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ

[2725,2724] حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد جہنی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دیہاتی

عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُمَا قَالَا: إِنَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَعْرَابِ أَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَنْشُدُكَ اللهَ أَلَّا قَضَيْتَ لِي بِكِتَابِ اللهِ، فَقَالَ الْخَصْمُ الْآخَرُ وَهُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ: نَعَمْ، فَاقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ وَائْذَنْ لِّي، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قُلْ»، قَالَ: إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى هٰذَا فَزَنٰى بِامْرَأَتِهِ وَإِنِّي أُخْبِرْتُ أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَّوَلِيدَةٍ، فَسَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّمَا عَلَى ابْنِي مِائَةُ جَلْدَةٍ وَّتَغْرِيبُ عَامٍ، وَأَنَّ عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا الرَّجْمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ، اَلْوَلِيدَةُ وَالْغَنَمُ رَدٌّ عَلَيْكَ، وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَّتَغْرِيبُ عَامٍ، أُغْدُ يَا أُنَيْسُ إِلَى امْرَأَةِ هٰذَا فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا». قَالَ: فَغَدَا عَلَيْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَأَمَرَ بِهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَرُجِمَتْ. [راجع: ٢٣١٤، ٢٣١٥]

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ کتاب اللہ کے مطابق میرا فیصلہ کریں۔ دوسرا حریف جو اس سے زیادہ سمجھ دار تھا، اس نے بھی کہا: ہاں! آپ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرما دیں اور مجھے اجازت دیں (کہ میں واقعہ بیان کر دوں)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم بیان کرو۔'' اس نے کہا: میرا بیٹا اس شخص کا ملازم تھا۔ اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا۔ مجھے بتایا گیا کہ میرے بیٹے پر رجم ہے، چنانچہ میں نے اس کے عوض ایک سو بکری اور ایک لونڈی بطور فدیہ دی۔ پھر میں نے اہل علم سے (مسئلہ) پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ میرے بیٹے کو سو کوڑے مارنا اور ایک سال کے لیے جلاوطن کرنا ضروری ہے۔ اور اس شخص کی بیوی کو رجم کیا جائے گا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں ضرور تمھارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ لونڈی اور بکریاں تجھے واپس کی جائیں اور تیرے بیٹے پر سو کوڑے واجب ہیں اور اسے ایک سال کے لیے جلاوطن بھی کیا جائے گا۔ اے انیس! کل صبح اس کی بیوی کے پاس جاؤ، اگر وہ گناہ کا اعتراف کر لے تو اسے سنگسار کر دو۔'' چنانچہ وہ صبح اس کے پاس گئے تو اس نے جرم کا اعتراف کر لیا، بنابریں رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق اسے رجم کر دیا گیا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کو امام بخاری ؒ نے کتاب الصلح میں بھی بیان کیا ہے۔ وہاں مقصود یہ تھا کہ وہ صلح جو حدود اللہ کے خلاف کی جائے، باطل ہے۔ اس مقام پر امام بخاری ؒ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہر وہ شرط جس سے حدود اللہ کو ختم کرنا مقصود ہو، وہ بھی باطل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی شرط کو کالعدم قرار دیا ہے کیونکہ حدود، اللہ کا حق ہے جسے بندوں کی باہمی صلح سے ختم نہیں کیا جا سکتا، البتہ جو سزائیں انسانی حقوق کی وجہ سے دی جاتی ہیں ان میں باہمی صلح ہو سکتی ہے جیسا کہ حضرت

ربیع بنت نضر رضی اللہ عنہا کا واقعہ پہلے بیان ہوا ہے جب انھوں نے ایک جوان عورت کا اگلا دانت توڑ دیا تھا تو دیت دے کر قصاص سے معافی مل گئی۔ ② واضح رہے کہ حدود کا نفاذ اسلامی حکومت کا کام ہے، کوئی آدمی از خود انھیں قائم نہیں کر سکتا۔

(١٠) بَابُ مَا يَجُوزُ مِنْ شُرُوطِ الْمُكَاتَبِ إِذَا رَضِيَ بِالْبَيْعِ عَلَى أَنْ يُعْتَقَ

باب: 10- مکاتب کے لیے اپنی آزادی کی شرط لگانا جائز ہے جبکہ وہ اس شرط پر فروخت ہونے کے لیے راضی ہو

٢٧٢٦ - حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيٰى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَيْمَنَ الْمَكِّيُّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَتْ عَلَيَّ بَرِيرَةُ وَهِيَ مُكَاتَبَةٌ فَقَالَتْ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ! اشْتَرِينِي فَإِنَّ أَهْلِي يَبِيعُونَنِي فَأَعْتِقِينِي، قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَتْ: إِنَّ أَهْلِي لَا يَبِيعُونَنِي حَتّٰى يَشْتَرِطُوا وَلَائِي، قَالَتْ: لَا حَاجَةَ لِي فِيكِ، فَسَمِعَ ذٰلِكَ النَّبِيُّ ﷺ أَوْ بَلَغَهُ، فَقَالَ: «مَا شَأْنُ بَرِيرَةَ؟» فَقَالَ: «اِشْتَرِيهَا فَأَعْتِقِيهَا، وَلْيَشْتَرِطُوا مَا شَاؤُوا» قَالَتْ: فَاشْتَرَيْتُهَا فَأَعْتَقْتُهَا، وَاشْتَرَطَ أَهْلُهَا وَلَاءَهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ وَإِنِ اشْتَرَطُوا مِائَةَ شَرْطٍ». [راجع: ٤٥٦]

[2726] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا میرے پاس آئیں جبکہ وہ مکاتبہ تھیں، عرض کیا: ام المومنین! آپ مجھے خرید لیں کیونکہ میرے مالک مجھے فروخت کرنا چاہتے ہیں، پھر آپ مجھے آزاد کر دیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میرے مالکان مجھے فروخت کرنے پر راضی تو ہیں لیکن وہ اپنے لیے ولا کی شرط لگاتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: پھر مجھے تیرے متعلق کوئی دلچسپی نہیں، چنانچہ نبی ﷺ نے یہ واقعہ خود سنا، یا کسی نے آپ کو آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا: ''بریرہ کا کیا ماجرا ہے؟'' (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا تو) آپ نے فرمایا: ''اسے خرید لو اور آزاد کر دو، وہ لوگ جو چاہیں شرطیں لگاتے پھریں۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے اسے خرید کر آزاد کر دیا لیکن اس کے مالکان نے ولا کی شرط کا ذکر کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''ولا تو اس کا حق ہے جو اس کو آزاد کرے اگرچہ مالکان سو شرطیں بھی لگا دیں (ان کا کچھ اعتبار نہیں)۔''

فائدہ: حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے مالکان سے مکاتبت کا معاہدہ کر رکھا تھا۔ اس نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی کہ وہ اسے خرید لیں لیکن یہ شرط رکھی کہ خریدنے کے بعد اسے آزاد کرنا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مکاتب اس شرط پر فروخت ہونے کے لیے راضی ہو جائے کہ اسے خرید کر آزاد کر دیا جائے گا تو ایسا کرنا جائز ہے۔ شرعاً اس میں کوئی خرابی نہیں ہے، البتہ غلط شرائط کے ساتھ جو معاملہ کیا جائے وہ ہرگز قابل تسلیم نہ ہوں گی جیسا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے مالکان نے ایک غلط شرط لگائی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شرط کو کالعدم قرار دیا۔

(١١) بَابُ الشُّرُوطِ فِي الطَّلَاقِ

باب:11- مشروط طلاق دینا

وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ وَالْحَسَنُ وَعَطَاءٌ: إِنْ بَدَأَ بِالطَّلَاقِ أَوْ أَخَّرَ فَهُوَ أَحَقُّ بِشَرْطِهِ.

حضرت ابن مسیّب، حضرت حسن بصری اور حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طلاق کو شرط سے پہلے لائے یا شرط کے بعد ذکر کرے، وہ حسب شرط نافذ ہو جائے گی۔

وضاحت: مشروط طلاق کو طلاق معلق کہتے ہیں۔ طلاق دیتے وقت لفظ طلاق کو پہلے لائے، یعنی أَنْتِ طَالِقٌ إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ، یا شرط کو پہلے بیان کردے، یعنی إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ، تو اس تقدیم وتاخیر سے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پیش کیے گئے آثار کو مصنف ابن ابی شیبہ میں متصل سند سے بیان کیا گیا ہے۔[1]

٢٧٢٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ التَّلَقِّي، وَأَنْ يَبْتَاعَ الْمُهَاجِرُ لِلْأَعْرَابِيِّ، وَأَنْ تَشْتَرِطَ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا، وَأَنْ يَسْتَامَ الرَّجُلُ عَلَى سَوْمِ أَخِيهِ، وَنَهَى عَنِ النَّجْشِ، وَعَنِ التَّصْرِيَةِ.

[2727] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے تجارتی قافلوں کو باہر جا کر ملنے، شہری کا دیہاتی کے لیے بیع کرنے، عورت کا اپنی بہن کی طلاق کی شرط کرنے، کسی شخص کا اپنے بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ کرنے، بلاوجہ قیمت زیادہ کرنے اور (خریدار کو دھوکا دینے کے لیے) دودھ والے جانور کا دودھ اس کے تھنوں میں روکنے سے منع فرمایا ہے۔

تَابَعَهُ مُعَاذٌ وَعَبْدُ الصَّمَدِ عَنْ شُعْبَةَ.

معاذ اور عبدالصمد نے شعبہ سے روایت کرنے میں محمد بن عرعرہ کی متابعت کی ہے۔

وَقَالَ غُنْدَرٌ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ: نُهِيَ. وَقَالَ آدَمُ: نُهِينَا. وَقَالَ النَّضْرُ وَحَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ: نَهٰى. [راجع: ٢١٤٠]

غندر اور عبدالرحمٰن کی روایت میں نُهِيَ (صیغۂ مجہول) کا لفظ ہے۔ آدم کی روایت میں نُهِينَا، یعنی ہمیں منع کیا گیا، جبکہ نضر اور حجاج بن منہال نے نَهٰى (صیغۂ معلوم) کا لفظ بیان کیا ہے۔

فائدہ: اگر عورت کسی سے نکاح کے وقت اپنی اسلامی بہن کی طلاق کی شرط لگائے اور خاوند اس کی شرط کے مطابق اسے طلاق دے دے تو طلاق ہو جائے گی کیونکہ معلق طلاق میں شرط پوری ہونے پر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اگر مذکورہ صورت میں طلاق واقع نہ ہو تو اس سے منع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ معاذ، عبدالصمد اور غندر کی روایات کو امام مسلم رحمہ اللہ نے متصل سند

[1] المصنف لابن أبي شيبة: 6/412-413.

سے بیان کیا ہے۔[1] اسی طرح نضر کی روایت کو اسحاق بن راہویہ نے اور حجاج بن منہال کی روایت کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے موصولاً ذکر کیا ہے۔[2]

(١٢) بَابُ الشُّرُوطِ مَعَ النَّاسِ بِالْقَوْلِ

باب:12- لوگوں سے زبانی شرائط طے کرنا

٢٧٢٨ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ: أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي يَعْلَى بْنُ مُسْلِمٍ، وَعَمْرُو بْنُ دِينَارٍ عَنْ سَعِيدِ ابْنِ جُبَيْرٍ، يَزِيدُ أَحَدُهُمَا عَلٰى صَاحِبِهِ، وَغَيْرُهُمَا: قَدْ سَمِعْتُهُ يُحَدِّثُهُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ: إِنَّا لَعِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: حَدَّثَنِي أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مُوسٰى رَسُولُ اللهِ». فَذَكَرَ الْحَدِيثَ قَالَ: ﴿أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ [الكهف: ٧٢] كَانَتِ الْأُولٰى نِسْيَانًا، وَالْوُسْطٰى شَرْطًا، وَالثَّالِثَةُ عَمْدًا، قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا، لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ، فَانْطَلَقَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ فَأَقَامَهُ.

[2728] حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت موسیٰ رسول اللہ (ہی حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھی ہیں)، پھر آپ نے ان کے متعلق پورا واقعہ بیان کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا (جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:) ”کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے؟“ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلا اعتراض بھول چوک کی بنا پر تھا، دوسرا شرط کے طور پر اور تیسرا جان بوجھ کر، چنانچہ فرمایا کہ جو بات میں نے بھول چوک کی بنا پر کہی اس کے متعلق آپ میری گرفت نہ کریں، اور مجھ پر میرے کام میں تنگی نہ ڈالیں۔ یہاں تک کہ دونوں ایک لڑکے سے ملے تو اس بندے (خضر علیہ السلام) نے اسے قتل کر دیا۔ پھر دونوں چل پڑے تو اس بستی میں ایک دیوار گرنے والی تھی جسے اس (خضر علیہ السلام) نے سیدھا کر دیا۔“

قَرَأَهَا ابْنُ عَبَّاسٍ: أَمَامَهُمْ مَلِكٌ. [راجع: ٧٤]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے (وَرَاءَ هُمْ مَّلِكٌ کی بجائے) أَمَامَهُمْ مَّلِكٌ پڑھا ہے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا اعتراض شرط کے طور پر تھا کہ اگر میں نے اس کے بعد اعتراض کیا تو آپ مجھے جدا کر دیں۔ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے درمیان یہ شرط واقع ہوئی۔ اسے تحریر نہیں کیا گیا اور نہ اس کے متعلق کوئی گواہ ہی بنائے گئے بلکہ زبانی شرط طے پائی جس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے التزام کیا اور جب شرط کی خلاف ورزی ہوئی تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: اب میرا اور تمھارا ساتھ ختم ہوا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوئی اعتراض نہ کیا۔[3] ② پہلی بار موسیٰ علیہ السلام نے

1 صحيح مسلم، البيوع، حديث: 3817,3816 (1515). 2 فتح الباري: 399/5. 3 عمدة القاري: 625/9.

بھول جانے کا عذر کیا جو یہ تھا: ''مجھ سے جو بھول ہوگئی اس پر میرا مؤاخذہ نہ کرو۔'' [1] دوسری بار انھوں نے شرط لگائی اور کہا: ''اس کے بعد اگر میں نے کوئی بات پوچھی تو پھر مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔'' [2] تیسری بار قصداً فرمایا: ''اگر آپ چاہتے تو ان سے اس کی اجرت لے سکتے تھے۔'' [3] اس روایت میں وہ آیات ذکر کی ہیں جو حصول مقصود کے لیے ضروری تھیں اگرچہ ان میں ترتیب نہیں پائی جاتی۔ واللہ أعلم.

(١٣) بَابُ الشُّرُوطِ فِي الْوَلَاءِ

٢٧٢٩ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: جَاءَتْنِي بَرِيرَةُ فَقَالَتْ: كَاتَبْتُ أَهْلِي عَلَى تِسْعِ أَوَاقٍ فِي كُلِّ عَامٍ أُوقِيَّةٌ فَأَعِينِينِي، فَقَالَتْ: إِنْ أَحَبُّوا أَنْ أَعُدَّهَا لَهُمْ وَيَكُونَ وَلَاؤُكِ لِي فَعَلْتُ، فَذَهَبَتْ بَرِيرَةُ إِلَى أَهْلِهَا فَقَالَتْ لَهُمْ فَأَبَوْا عَلَيْهَا، فَجَاءَتْ مِنْ عِنْدِهِمْ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ جَالِسٌ فَقَالَتْ: إِنِّي قَدْ عَرَضْتُ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ فَأَبَوْا إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْوَلَاءُ لَهُمْ، فَسَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَخْبَرَتْ عَائِشَةُ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: «خُذِيهَا وَاشْتَرِطِي لَهُمُ الْوَلَاءَ، فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ». فَفَعَلَتْ عَائِشَةُ، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: «مَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللهِ، مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ فَهُوَ بَاطِلٌ، وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ، قَضَاءُ اللهِ أَحَقُّ وَشَرْطُ اللهِ أَوْثَقُ، وَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ». [راجع: ٤٥٦]

باب: 13- ولا کے متعلق شرط لگانا

[2729] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میرے پاس حضرت بریرہ ؓ آئی اور عرض کرنے لگی کہ میں نے نو اوقیے چاندی کی ادائیگی کے عوض اپنے مالکان سے عقد کتابت کر لیا ہے کہ ہر سال ایک اوقیہ ادا کرنا ہوگا، لہٰذا آپ میرا تعاون کریں۔ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: اگر مالکان پسند کریں تو میں یک مشت ان کو تیرا بدل کتابت ادا کر دیتی ہوں، البتہ تیری ولا میرے لیے ہوگی، اگر انھیں منظور ہو تو میں ایسا کر سکتی ہوں۔ حضرت بریرہ ؓ اپنے مالکان کے پاس گئی، ان سے بات کی تو انھوں نے اس طرح کرنے سے انکار کر دیا۔ جب وہ ان کے پاس سے واپس آئی تو رسول اللہ ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔ اس نے کہا: میں نے مالکان کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا ہے لیکن وہ لوگ ولا کے بغیر معاملہ کرنے سے منکر ہیں۔ نبی ﷺ نے بھی یہ سن لیا اور حضرت عائشہ ؓ نے بھی نبی ﷺ کو اس واقعے کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا: ''تم بریرہ کو خرید لو اور ان کے لیے ولا کی شرط کر لو۔ ولا کا حق دار تو وہی ہے جو آزاد کرتا ہے۔'' چنانچہ حضرت عائشہ ؓ نے ایسا کر دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ لوگوں میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا: ''ان لوگوں کا

1 الکھف 18:73. 2 الکھف 18:76. 3 الکھف 18:77.

کیا حال ہے، وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں۔ جو شرط کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے اگرچہ ایسی سو شرطیں ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ کا فیصلہ برحق اور اس کی شرط ہی قابل اعتبار ہے۔ آگاہ رہو! ولا کا حق تو اسی کا ہے جو اسے آزاد کرے۔"

فوائد و مسائل: ① ولا ایک حق ہے جو آزاد کرنے والے کو اپنے آزاد کردہ غلام لونڈی پر حاصل ہوتا ہے۔ اگر آزاد کردہ مر جائے تو آزاد کرنے والا بھی اس کا ایک وارث ہوتا ہے۔ عرب لوگ اس حق کو فروخت کر دیتے اور ہبہ میں دے دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ② اس حدیث کے مطابق ولا میں ایسی غلط شرط لگانا منع ہے جس کا ثبوت کتاب اللہ میں نہ ہو، جائز شرطیں جو فریقین طے کر لیں وہ تسلیم ہوں گی، چنانچہ حضرت بریرہ ؓ کے مالکان نے اپنے لیے ولا کی شرط لگائی، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ ؓ سے فرمایا: تم ان سے ولا کی شرط کر لو لیکن وضاحت کر دی کہ ولا تو اسی کے لیے ہے جو آزاد کرے، غلط شرط کا کوئی اعتبار نہیں۔

(١٤) بَابٌ: إِذَا اشْتَرَطَ فِي الْمُزَارَعَةِ: إِذَا شِئْتُ أَخْرَجْتُكَ

باب: 14- عقد مزارعت میں مالک، کاشتکار سے یہ شرط کر لے کہ میں جب چاہوں گا تجھے بے دخل کر سکوں گا

٢٧٣٠ - حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى أَبُو غَسَّانَ الْكِنَانِيُّ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا فَدَعَ أَهْلُ خَيْبَرَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَامَ عُمَرُ خَطِيبًا فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ عَامَلَ يَهُودَ خَيْبَرَ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَقَالَ: «نُقِرُّكُمْ مَا أَقَرَّكُمُ اللهُ»، وَإِنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ خَرَجَ إِلَى مَالِهِ هُنَاكَ فَعُدِيَ عَلَيْهِ مِنَ اللَّيْلِ فَفُدِعَتْ يَدَاهُ وَرِجْلَاهُ وَلَيْسَ لَنَا هُنَاكَ عَدُوٌّ غَيْرُهُمْ هُمْ عَدُوُّنَا وَتُهْمَتُنَا، وَقَدْ رَأَيْتُ إِجْلَاءَهُمْ، فَلَمَّا أَجْمَعَ

[2730] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ خیبر کے یہودیوں نے ان کے ہاتھ پاؤں توڑ دیے تو حضرت عمر ؓ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں سے خیبر کا معاملہ ان کے اموال کے متعلق کیا اور فرمایا تھا: "جب تک اللہ تعالیٰ تمھیں ٹھہرائے گا ہم تمھیں ٹھہرائیں گے۔" واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ وہاں خیبر میں اپنے مال کی دیکھ بھال کے لیے گئے تو رات کے وقت ان پر تشدد کیا گیا اور ان کے ہاتھ پاؤں توڑ دیے گئے ہیں۔ وہاں یہودیوں کے علاوہ ہمارا کوئی دشمن نہیں۔ وہی لوگ ہمارے دشمن ہیں اور ہم انھی پر اپنے شبہ کا

عُمَرُ عَلٰى ذٰلِكَ أَتَاهُ أَحَدُ بَنِي أَبِي الْحُقَيْقِ فَقَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! أَتُخْرِجُنَا وَقَدْ أَقَرَّنَا مُحَمَّدٌ ﷺ وَعَامَلَنَا عَلَى الْأَمْوَالِ وَشَرَطَ ذٰلِكَ لَنَا؟ فَقَالَ عُمَرُ: أَظَنَنْتَ أَنِّي نَسِيتُ قَوْلَ رَسُولِ اللهِ ﷺ: «كَيْفَ بِكَ إِذَا أُخْرِجْتَ مِنْ خَيْبَرَ تَعْدُو بِكَ قَلُوصُكَ لَيْلَةً بَعْدَ لَيْلَةٍ؟» فَقَالَ: كَانَ ذٰلِكَ هُزَيْلَةً مِنْ أَبِي الْقَاسِمِ، فَقَالَ: كَذَبْتَ يَا عَدُوَّ اللهِ! فَأَجْلَاهُمْ عُمَرُ وَأَعْطَاهُمْ قِيمَةَ مَا كَانَ لَهُمْ مِنَ الثَّمَرِ مَالًا وَّإِبِلًا وَّعُرُوضًا مِّنْ أَقْتَابٍ وَّحِبَالٍ وَّغَيْرِ ذٰلِكَ. رَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، أَحْسِبُهُ عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. اِخْتَصَرَهُ.

اظہار کرتے ہیں، اس لیے میں انھیں جلاوطن کر دینا ہی مناسب خیال کرتا ہوں، چنانچہ جب انھوں نے اس کا پختہ ارادہ کرلیا تو ابوالحقیق خاندان کا ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: امیرالمومنین! آپ ہمیں کیسے یہاں سے جلاوطن کر سکتے ہیں جبکہ ہمیں محمد ﷺ نے ٹھہرایا اور ہمارے اموال پر ہمارے ساتھ معاملہ کیا ہے۔ ہمارے ساتھ یہاں رہنے کی شرط بھی طے کی تھی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم یہ سمجھتے ہو کہ میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان بھول گیا ہوں (جو آپ نے تیرے لیے فرمایا تھا:) ''اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب تجھے خیبر سے نکالا جائے گا اور تیری تیز رفتار اونٹنیاں راتوں رات تجھے بھگا لے جائیں گی؟'' اس یہودی نے جواب دیا: یہ تو ابوالقاسم ﷺ کی طرف سے مذاق کے طور پر تھا۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے دشمن! تو جھوٹ بولتا ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں جلاوطن کر دیا اور ان کے پھلوں کی قیمت کچھ نقدی کی صورت میں، کچھ اونٹوں کی صورت میں اور کچھ ساز و سامان کی صورت میں ادا کر دی۔ ساز و سامان میں پالان اور رسیاں وغیرہ بھی تھیں۔ حماد بن سلمہ نے بھی اس روایت کو مرفوع اور مختصر طور پر بیان کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① بعض حضرات کا خیال ہے کہ جب کسی سے مزارعت کا معاملہ کیا جائے تو سال مکمل ہونے سے پہلے پہلے مزارع کو بے دخل نہیں کیا جا سکتا، جب اس سال کی فصل اٹھا لے گا تو عقد مزارعت ختم ہوگا، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ اگر زمین کا مالک مزارع سے یہ شرط کر لے کہ میں جب چاہوں گا تجھے بے دخل کر دوں گا تو یہ شرط جائز ہے بشرطیکہ فریقین اسے بخوشی قبول کر لیں۔ ② اس سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے عجیب اسلوب اختیار کیا ہے۔ کتاب المزارعہ میں ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: [إِذْ قَالَ رَبُّ الْأَرْضِ: أُقِرُّكَ مَا أَقَرَّكَ اللّٰهُ] ''میں تمھیں ٹھہرائے رکھوں گا جب تک اللہ تعالیٰ تمھیں ٹھہرائے گا'' اور حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: [نُقِرُّكُمْ بِهَا عَلٰى ذٰلِكَ مَا شِئْنَا] ''ہم جب تک چاہیں گے تمھیں ٹھہرائے رکھیں گے'' اور یہاں عنوان یہ ہے: [إِذَا شِئْتُ أَخْرَجْتُكَ] ''میں جب چاہوں گا تجھے بے دخل کر سکوں گا'' اور حدیث میں یہ الفاظ ہیں: [نُقِرُّكُمْ مَا أَقَرَّكُمُ اللّٰهُ] ''جب تک اللہ تعالیٰ تمھیں ٹھہرائے گا ہم تمھیں ٹھہرائیں گے۔'' اس سے دو باتوں کا

پتہ چلتا ہے: ایک یہ کہ یہودیوں کا سرزمین خیبر سے نکلنا اللہ نے ان کے مقدر میں لکھا ہوا تھا، انھوں نے یہاں سے ضرور نکلنا تھا۔ دوسرا یہ کہ اگر پہلے دن ہی یہ شرط کر لی جائے کہ ہم جب چاہیں گے بے دخل کر سکیں گے اور فریقین رضامندی سے اس شرط کو قبول کر لیں تو ایسا کرنا جائز ہے۔ ③ نیز اگر زمین کا مالک کاشتکار سے کوئی قصور یا خیانت دیکھے تو اسے بے دخل کرنے کا مجاز ہے اگرچہ مزارع اپنا کام شروع کر چکا ہو، مگر جو محنت اس نے کر رکھی ہے اس کا بدل ضرور دینا ہوگا۔ مقصد یہ ہے کہ تمدنی اور معاشرتی امور میں باہمی طور پر معاملات جن شرائط سے طے پا جائیں وہ اگر جائز حدود میں ہوں تو ضرور قابل تسلیم ہوں گے۔

(١٥) بَابُ الشُّرُوطِ فِي الْجِهَادِ وَالْمُصَالَحَةِ مَعَ أَهْلِ الْحَرْبِ وَكِتَابَةِ الشُّرُوطِ

باب: 15- جہاد میں اور کفار سے صلح کرتے وقت شرطیں لگانا اور انھیں لکھنا

٢٧٣١، ٢٧٣٢ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ قَالَ: أَخْبَرَنِي الزُّهْرِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَمَرْوَانَ - يُصَدِّقُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا حَدِيثَ صَاحِبِهِ - قَالَا: خَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ حَتَّى إِذَا كَانُوا بِبَعْضِ الطَّرِيقِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ بِالْغَمِيمِ فِي خَيْلٍ لِقُرَيْشٍ طَلِيعَةً فَخُذُوا ذَاتَ الْيَمِينِ»، فَوَاللهِ مَا شَعَرَ بِهِمْ خَالِدٌ حَتَّى إِذَا هُمْ بِقَتَرَةِ الْجَيْشِ فَانْطَلَقَ يَرْكُضُ نَذِيرًا لِقُرَيْشٍ، وَسَارَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى إِذَا كَانَ بِالثَّنِيَّةِ الَّتِي يُهْبَطُ عَلَيْهِمْ مِنْهَا بَرَكَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ، فَقَالَ النَّاسُ: حَلْ حَلْ، فَأَلَحَّتْ فَقَالُوا: خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ، خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَا خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ، وَمَا ذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ وَّلٰكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ»، ثُمَّ قَالَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَسْأَلُونَنِي خُطَّةً يُعَظِّمُونَ فِيهَا حُرُمَاتِ اللهِ إِلَّا أَعْطَيْتُهُمْ إِيَّاهَا». ثُمَّ

[2732,2731] حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اور مروان رحمہ اللہ سے روایت ہے..... ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کی حدیث کی تصدیق کرتا ہے..... ان دونوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ صلح حدیبیہ کے زمانے میں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں نبی ﷺ نے (معجزانہ طور پر) فرمایا: ''خالد بن ولید مقام غمیم میں قریش کے سواروں کے ہمراہ موجود ہے اور یہ قریش کا ہراول دستہ ہے، لہٰذا تم دائیں جانب کا راستہ اختیار کرو۔'' تو اللہ کی قسم! خالد کو ان کے آنے کی خبر ہی نہیں ہوئی یہاں تک کہ جب لشکر کا غبار ان تک پہنچا تو وہ فوراً قریش کو مطلع کرنے کے لیے وہاں سے دوڑا۔ نبی ﷺ چلے جا رہے تھے یہاں تک کہ جب آپ اس گھاٹی پر پہنچے جس سے مکہ میں اترا جاتا تھا تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ اس پر لوگوں نے اسے چلانے کے لیے حل حل کہا مگر اس نے کوئی حرکت نہ کی۔ لوگ کہنے لگے: قصواء بیٹھ گئی۔ قصواء اَڑ گئی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قصواء نہیں بیٹھی اور نہ یوں اڑنا ہی اس کی عادت ہے۔ مگر جس (اللہ) نے ہاتھیوں (کے لشکر) کو (مکہ میں داخل ہونے سے) روکا تھا اس نے اس (قصواء) کو بھی روک دیا ہے۔'' پھر آپ نے

زَجَرَهَا فَوَثَبَتْ، قَالَ: فَعَدَلَ عَنْهُمْ حَتّٰى نَزَلَ بِأَقْصَى الْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى ثَمَدٍ قَلِيلِ الْمَاءِ يَتَبَرَّضُهُ النَّاسُ تَبَرُّضًا، فَلَمْ يُلَبِّثْهُ النَّاسُ حَتّٰى نَزَحُوهُ وَشُكِيَ إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ الْعَطَشُ، فَانْتَزَعَ سَهْمًا مِّنْ كِنَانَتِهِ ثُمَّ أَمَرَهُمْ أَنْ يَّجْعَلُوهُ فِيهِ، فَوَاللهِ مَا زَالَ يَجِيشُ لَهُمْ بِالرِّيِّ حَتّٰى صَدَرُوا عَنْهُ فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ إِذْ جَاءَ بُدَيْلُ بْنُ وَرْقَاءَ الْخُزَاعِيُّ فِي نَفَرٍ مِّنْ قَوْمِهِ مِنْ خُزَاعَةَ - وَكَانُوا عَيْبَةَ نُصْحِ رَسُولِ اللهِ ﷺ مِنْ أَهْلِ تِهَامَةَ - فَقَالَ: إِنِّي تَرَكْتُ كَعْبَ بْنَ لُؤَيٍّ وَّعَامِرَ بْنَ لُؤَيٍّ نَزَلُوا أَعْدَادَ مِيَاهِ الْحُدَيْبِيَةِ وَمَعَهُمُ الْعُوذُ الْمَطَافِيلُ وَهُمْ مُقَاتِلُوكَ وَصَادُّوكَ عَنِ الْبَيْتِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّا لَمْ نَجِئْ لِقِتَالِ أَحَدٍ وَّلٰكِنَّا جِئْنَا مُعْتَمِرِينَ، وَإِنَّ قُرَيْشًا قَدْ نَهِكَتْهُمُ الْحَرْبُ وَأَضَرَّتْ بِهِمْ فَإِنْ شَاؤُوا مَادَدْتُّهُمْ مُدَّةً وَّيُخَلُّوا بَيْنِي وَبَيْنَ النَّاسِ، فَإِنْ أَظْهَرْ فَإِنْ شَاؤُوا أَنْ يَّدْخُلُوا فِيمَا دَخَلَ فِيهِ النَّاسُ فَعَلُوا وَإِلَّا فَقَدْ جَمُّوا، وَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأُقَاتِلَنَّهُمْ عَلٰى أَمْرِي هٰذَا حَتّٰى تَنْفَرِدَ سَالِفَتِي، وَلَيُنْفِذَنَّ اللهُ أَمْرَهُ». فَقَالَ بُدَيْلٌ: سَأُبَلِّغُهُمْ مَا تَقُولُ. قَالَ: فَانْطَلَقَ حَتّٰى أَتٰى قُرَيْشًا، قَالَ: إِنَّا قَدْ جِئْنَاكُمْ مِنْ هٰذَا الرَّجُلِ وَسَمِعْنَاهُ يَقُولُ قَوْلًا، فَإِنْ شِئْتُمْ أَنْ نَّعْرِضَهُ عَلَيْكُمْ فَعَلْنَا. فَقَالَ سُفَهَاؤُهُمْ: لَا حَاجَةَ لَنَا أَنْ تُخْبِرَنَا عَنْهُ بِشَيْءٍ، وَقَالَ ذُو الرَّأْيِ مِنْهُمْ: هَاتِ مَا سَمِعْتَهُ يَقُولُ، قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ كَذَا وَكَذَا، فَحَدَّثَهُمْ

فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر کفار قریش مجھ سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ کریں جس میں وہ اللہ کی طرف سے حرمت وعزت والی چیزوں کی تعظیم کریں تو میں اس کو ضرور منظور کروں گا۔'' پھر آپ نے اس اونٹنی کو ڈانٹا تو وہ جست لگا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ آپ نے ان (اہل مکہ) کی طرف سے رخ پھیرا اور حدیبیہ کے انتہائی (آخری) حصے میں ایک ندی پر پڑاؤ کیا جس میں بہت کم پانی تھا۔ لوگ اس میں سے تھوڑا تھوڑا پانی لینے لگے اور چند لمحات میں اس کو صاف کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیاس کی شکایت کی گئی تو آپ نے ایک تیر اپنی ترکش سے نکالا اور ارشاد فرمایا کہ اس کو اس پانی میں گاڑ دیں۔ (پھر کیا تھا) اللہ کی قسم! پانی جوش مارنے لگا اور سب لوگوں نے خوب سیر ہو کر پیا اور ان کی واپسی تک یہی حال رہا۔ اسی حالت میں بدیل بن ورقاء خزاعی اپنی قوم خزاعہ کے چند آدمیوں کو لیے ہوئے آ پہنچا۔ اور یہ رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہ اور با اعتماد تہامہ کے لوگوں میں سے تھا۔ اس نے کہا: میں نے کعب بن لوئی اور عامر بن لوئی کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ حدیبیہ کے عمیق چشموں پر فروکش ہیں اور ان کے ساتھ دودھ والی اونٹنیاں ہیں اور وہ لوگ آپ سے جنگ کرنا اور بیت اللہ سے آپ کو روکنا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہم کسی سے لڑنے نہیں بلکہ صرف عمرہ کرنے آئے ہیں اور بے شک قریش کو لڑائی نے کمزور کر دیا ہے اور ان کو بہت نقصان پہنچایا ہے، لہٰذا اگر وہ چاہیں تو میں ان سے ایک مدت طے کر لیتا ہوں اور وہ اس مدت میں میرے اور دوسرے لوگوں کے درمیان حائل نہ ہوں (اگر اس دوران میں کوئی مجھ پر غالب آ جائے تو یہ ان کی مراد ہے اور) اگر میں غالب ہو جاؤں اور وہ چاہیں تو

بِمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَامَ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُودٍ فَقَالَ: أَيْ قَوْمِ، أَلَسْتُمْ بِالْوَلَدِ؟ وَأَلَسْتُ بِالْوَالِدِ قَالُوا: بَلٰى، قَالَ: فَهَلْ تَتَّهِمُونِي؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنِّي اسْتَنْفَرْتُ أَهْلَ عُكَاظَ فَلَمَّا بَلَّحُوا عَلَيَّ جِئْتُكُمْ بِأَهْلِي وَوَلَدِي وَمَنْ أَطَاعَنِي؟ قَالُوا: بَلٰى، قَالَ: فَإِنَّ هٰذَا قَدْ عَرَضَ لَكُمْ خُطَّةَ رُشْدٍ، اِقْبَلُوهَا وَدَعُونِي آتِهِ، قَالُوا: ائْتِهِ، فَأَتَاهُ فَجَعَلَ يُكَلِّمُ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ نَحْوًا مِّنْ قَوْلِهِ لِبُدَيْلٍ، فَقَالَ عُرْوَةُ عِنْدَ ذٰلِكَ: أَيْ مُحَمَّدُ! أَرَأَيْتَ إِنِ اسْتَأْصَلْتَ أَمْرَ قَوْمِكَ، هَلْ سَمِعْتَ بِأَحَدٍ مِّنَ الْعَرَبِ اجْتَاحَ أَهْلَهُ قَبْلَكَ؟ وَإِنْ تَكُنِ الْأُخْرٰى، فَإِنِّي وَاللّٰهِ لَأَرٰى وُجُوهًا، وَإِنِّي لَأَرٰى أَشْوَابًا مِّنَ النَّاسِ خَلِيقًا أَنْ يَفِرُّوا وَيَدَعُوكَ. فَقَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: اُمْصُصْ بَظْرَ اللَّاتِ، أَنَحْنُ نَفِرُّ عَنْهُ وَنَدَعُهُ؟ فَقَالَ: مَنْ ذَا؟ قَالُوا: أَبُو بَكْرٍ، قَالَ: أَمَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْلَا يَدٌ كَانَتْ لَكَ عِنْدِي لَمْ أَجْزِكَ بِهَا لَأَجَبْتُكَ، قَالَ: وَجَعَلَ يُكَلِّمُ النَّبِيَّ ﷺ فَكُلَّمَا تَكَلَّمَ كَلِمَةً أَخَذَ بِلِحْيَتِهِ وَالْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ قَائِمٌ عَلٰى رَأْسِ النَّبِيِّ ﷺ وَمَعَهُ السَّيْفُ وَعَلَيْهِ الْمِغْفَرُ. فَكُلَّمَا أَهْوٰى عُرْوَةُ بِيَدِهِ إِلٰى لِحْيَةِ النَّبِيِّ ﷺ ضَرَبَ يَدَهُ بِنَعْلِ السَّيْفِ وَقَالَ لَهُ: أَخِّرْ يَدَكَ عَنْ لِحْيَةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَرَفَعَ عُرْوَةُ رَأْسَهُ فَقَالَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ، فَقَالَ: أَيْ غُدَرُ، أَلَسْتُ أَسْعٰى فِي غَدْرَتِكَ؟ وَكَانَ الْمُغِيرَةُ

اس دین میں داخل ہو جائیں جس میں اور لوگ داخل ہو گئے ہیں ورنہ وہ مزید چند روز آرام حاصل کر لیں گے۔ اگر وہ یہ بات نہ مانیں تو اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تو اس دین پر ان سے لڑتا رہوں گا یہاں تک کہ میری گردن کٹ جائے اور یقیناً اللہ تعالیٰ ضرور اپنے اس دین کو جاری کرے گا۔" اس پر بدیل نے کہا: میں آپ کا پیغام ان کو پہنچا دیتا ہوں، چنانچہ وہ چلا گیا اور قریش کے پاس جا کر کہنے لگا: ہم یہاں اس شخص کے پاس سے آ رہے ہیں اور ہم نے ان کو کچھ کہتے ہوئے سنا ہے۔ اگر تم چاہو تو تمھیں سناؤں۔ اس پر کچھ بے وقوف لوگوں نے کہا: ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ تم ہمیں ان کی کسی بات کی خبر دو، مگر ان میں سے عقل مند لوگوں نے کہا: اچھا بتلاؤ تم کیا بات سن کر آئے ہو؟ بدیل نے کہا: میں نے ان کو ایسا ایسا کہتے سنا ہے، پھر جو کچھ نبی ﷺ نے فرمایا تھا وہ اس نے بیان کر دیا۔ اتنے میں عروہ بن مسعود ثقفی کھڑا ہوا اور کہنے لگا: میری قوم کے لوگو! کیا تم اولاد کی طرح (میرے خیر خواہ) اور میں تم پر باپ کی طرح شفقت نہیں کرتا؟ انھوں نے کہا: ہاں، کیوں نہیں۔ عروہ نے کہا: کیا تم مجھ پر کوئی الزام لگاتے ہو؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ عروہ نے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ میں نے اہل عکاظ کو تمھاری مدد کے لیے بلایا مگر انھوں نے جب میرا کہا نہ مانا تو میں اپنے بال بچے تعلق دار اور پیروکاروں کو لے کر تمھارے پاس آ گیا؟ انھوں نے کہا: ہاں ٹھیک ہے۔ عروہ نے کہا: اس شخص، یعنی بدیل نے تمھاری خیر خواہی کی بات کی ہے، اس کو منظور کر لو اور اجازت دو کہ میں اس کے پاس جاؤں۔ سب لوگوں نے کہا: ٹھیک ہے تم اس کے پاس جاؤ، چنانچہ وہ نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے باتیں کرنے لگا۔ آپ نے اس سے

صَحِبَ قَوْمًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَتَلَهُمْ وَأَخَذَ أَمْوَالَهُمْ ثُمَّ جَاءَ فَأَسْلَمَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَمَّا الْإِسْلَامَ فَأَقْبَلُ، وَأَمَّا الْمَالَ فَلَسْتُ مِنْهُ فِي شَيْءٍ». ثُمَّ إِنَّ عُرْوَةَ جَعَلَ يَرْمُقُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ بِعَيْنَيْهِ، قَالَ: فَوَاللهِ مَا تَنَخَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِي كَفِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ، وَإِذَا أَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوا أَمْرَهُ، وَإِذَا تَوَضَّأَ كَادُوا يَقْتَتِلُونَ عَلَى وَضُوئِهِ، وَإِذَا تَكَلَّمُوا خَفَضُوا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ، وَمَا يُحِدُّونَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيمًا لَّهُ. فَرَجَعَ عُرْوَةُ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ: أَيْ قَوْمِ! وَاللهِ لَقَدْ وَفَدْتُ عَلَى الْمُلُوكِ وَوَفَدْتُ عَلَى قَيْصَرَ وَكِسْرٰى وَالنَّجَاشِيِّ، وَاللهِ إِنْ رَأَيْتُ مَلِكًا قَطُّ يُعَظِّمُهُ أَصْحَابُهُ مَا يُعَظِّمُ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ مُحَمَّدًا، وَاللهِ إِنْ يَتَنَخَّمُ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِي كَفِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ، وَإِذَا أَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوا أَمْرَهُ، وَإِذَا تَوَضَّأَ كَادُوا يَقْتَتِلُونَ عَلَى وَضُوئِهِ، وَإِذَا تَكَلَّمُوا خَفَضُوا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ، وَمَا يُحِدُّونَ النَّظَرَ إِلَيْهِ تَعْظِيمًا لَّهُ، وَإِنَّهُ قَدْ عَرَضَ عَلَيْكُمْ خُطَّةَ رُشْدٍ فَاقْبَلُوهَا، فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ بَنِي كِنَانَةَ: دَعُونِي آتِهِ، فَقَالُوا: ائْتِهِ، فَلَمَّا أَشْرَفَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَأَصْحَابِهِ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «هٰذَا فُلَانٌ وَهُوَ مِنْ قَوْمٍ يُعَظِّمُونَ الْبُدْنَ فَابْعَثُوهَا لَهُ»، فَبُعِثَتْ لَهُ، وَاسْتَقْبَلَهُ النَّاسُ يُلَبُّونَ، فَلَمَّا رَأَى ذٰلِكَ قَالَ: سُبْحَانَ اللهِ، مَا يَنْبَغِي لِهٰؤُلَاءِ أَنْ يُصَدُّوا عَنِ الْبَيْتِ، فَلَمَّا رَجَعَ إِلَى أَصْحَابِهِ قَالَ:

بھی وہی گفتگو کی جو بدیل سے کی تھی۔ عروہ یہ سن کر کہنے لگا: اے محمد! اگر تم اپنی قوم کی جڑ بالکل کاٹ دو گے تو (کیا فائدہ ہوگا؟) کیا تم نے اپنے سے پہلے کسی عرب کو سنا ہے کہ اس نے اپنی قوم کا استیصال کیا ہو؟ اور اگر دوسری بات ہوئی، یعنی تم مغلوب ہو گئے تو اللہ کی قسم! میں تمھارے ساتھیوں کے منہ دیکھتا ہوں کہ یہ مختلف لوگ جنھیں بھاگنے کی عادت ہے، تمھیں چھوڑ دیں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا: جا اور لات کی شرمگاہ پر منہ مار! کیا ہم آپ ﷺ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ عروہ نے کہا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ عروہ نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تمھارا ایک احسان مجھ پر نہ ہوتا، جس کا ابھی تک بدلہ نہیں دے سکا، تو میں تمھیں سخت جواب دیتا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر عروہ باتیں کرنے لگا اور جب بات کرتا تو نبی ﷺ کی ڈاڑھی مبارک کو پکڑتا۔ اس وقت حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے سر کے پاس کھڑے تھے جن کے ہاتھ میں تلوار اور سر پر خود تھا، لہٰذا جب عروہ اپنا ہاتھ نبی ﷺ کی ڈاڑھی کی طرف بڑھاتا تو مغیرہ رضی اللہ عنہ اس کے ہاتھ پر تلوار کا نچلا حصہ مارتے اور کہتے کہ اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی ڈاڑھی سے دور رکھ۔ یہ سن کر عروہ نے اپنا سر اٹھایا اور کہنے لگا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ مغیرہ بن شعبہ (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ عروہ نے کہا: اے دغاباز! کیا میں نے تیری دغابازی کی سزا سے تجھ کو نہیں بچایا؟ ہوا یوں کہ زمانۂ جاہلیت میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کافروں کی کسی قوم کے ساتھ گئے تھے، پھر انھیں قتل کر کے انکا مال لوٹا اور چلے آئے۔ اس کے بعد وہ مسلمان ہو گئے۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: ”تمھارا اسلام تو میں قبول کرتا ہوں لیکن جو مال تو لایا ہے، اس سے مجھے کوئی غرض نہیں۔“ اس کے بعد عروہ گوشہ

رَأَيْتُ الْبُدْنَ قَدْ قُلِّدَتْ وَأُشْعِرَتْ، فَمَا أَرٰى أَنْ يُّصَدُّوا عَنِ الْبَيْتِ، فَقَامَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ يُقَالُ لَهُ: مِكْرَزُ بْنُ حَفْصٍ، فَقَالَ: دَعُونِي آتِهِ، فَقَالُوا: ائْتِهِ، فَلَمَّا أَشْرَفَ عَلَيْهِمْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «هٰذَا مِكْرَزٌ وَّهُوَ رَجُلٌ فَاجِرٌ»، فَجَعَلَ يُكَلِّمُ النَّبِيَّ ﷺ فَبَيْنَمَا هُوَ يُكَلِّمُهُ إِذْ جَاءَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو. قَالَ مَعْمَرٌ: فَأَخْبَرَنِي أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ: أَنَّهُ لَمَّا جَاءَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «قَدْ سَهُلَ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ». قَالَ مَعْمَرٌ: قَالَ الزُّهْرِيُّ فِي حَدِيثِهِ: فَجَاءَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو فَقَالَ: هَاتِ اكْتُبْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابًا، فَدَعَا النَّبِيُّ ﷺ الْكَاتِبَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اُكْتُبْ: «بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ»، فَقَالَ سُهَيْلٌ: أَمَّا الرَّحْمٰنُ فَوَاللهِ مَا أَدْرِي مَا هِيَ، وَلٰكِنِ اكْتُبْ: بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ، كَمَا كُنْتَ تَكْتُبُ، فَقَالَ الْمُسْلِمُونَ: وَاللهِ لَا نَكْتُبُهَا إِلَّا بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اُكْتُبْ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ»، ثُمَّ قَالَ: «هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ»، فَقَالَ سُهَيْلٌ: وَاللهِ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ مَا صَدَدْنَاكَ عَنِ الْبَيْتِ وَلَا قَاتَلْنَاكَ، وَلٰكِنِ اكْتُبْ: مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَاللهِ إِنِّي لَرَسُولُ اللهِ وَإِنْ كَذَّبْتُمُونِي، اُكْتُبْ: مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ» - قَالَ الزُّهْرِيُّ: وَذٰلِكَ لِقَوْلِهِ: «لَا يَسْأَلُونَنِي خُطَّةً يُّعَظِّمُونَ فِيهَا حُرُمَاتِ اللهِ إِلَّا أَعْطَيْتُهُمْ إِيَّاهَا» - فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: «عَلٰى أَنْ تُخَلُّوا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْبَيْتِ فَنَطُوفَ بِهِ». فَقَالَ سُهَيْلٌ:

چشم سے نبی ﷺ کے اصحاب کو دیکھنے لگا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ اللہ کی قسم! اس نے دیکھا کہ جب رسول اللہ ﷺ تھوکتے تھے تو صحابہ میں سے کسی نہ کسی کے ہاتھ پر ہی پڑتا تھا اور وہ اسے اپنے چہرے اور بدن پر ملتا تھا۔ اور جب آپ انھیں کوئی حکم دیتے تو وہ فوراً اس کی تعمیل کرتے تھے۔ اور جب آپ وضو کرتے تو وہ آپ کے وضو کا گرا ہوا پانی لینے کے لیے جھپٹ پڑتے تھے اور ہر شخص اسے لینے کی خواہش کرتا۔ وہ لوگ کبھی بات کرتے تو آپ کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھتے اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے آپ کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھتے تھے۔ یہ حال دیکھ کر عروہ اپنے لوگوں کے پاس لوٹ کر گیا اور ان سے کہا: لوگو! اللہ کی قسم! میں بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں اور قیصر و کسریٰ، نیز نجاشی کے دربار بھی دیکھ آیا ہوں مگر میں نے کسی بادشاہ کو ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جس طرح محمد ﷺ کے اصحاب حضرت محمد ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! جب وہ تھوکتے ہیں تو ان میں سے کسی نہ کسی کے ہاتھ پر پڑتا ہے اور وہ اس کو اپنے چہرے پر مل لیتا ہے۔ اور جب وہ کسی بات کا حکم دیتے ہیں تو وہ فوراً ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ اور وہ وضو کرتے ہیں تو لوگ ان کے وضو سے بچے ہوئے پانی کے لیے لڑتے مرتے ہیں۔ اور جب گفتگو کرتے ہیں تو ان کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں اور تعظیم کی وجہ سے ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھتے۔ بے شک انھوں نے تمھیں ایک اچھی بات کی پیش کش کی ہے، تم اسے قبول کر لو۔ اس پر بنو کنانہ کے ایک آدمی نے کہا: اب مجھے اس کے پاس جانے کی اجازت دو۔ لوگوں نے کہا: اچھا اب تم ان کے پاس جاؤ۔ جب وہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کے پاس آیا تو رسول اللہ ﷺ

وَاللهِ لَا تَتَحَدَّثُ الْعَرَبُ أَنَّا أُخِذْنَا ضُغْطَةً، وَلٰكِنْ ذٰلِكَ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ، فَكَتَبَ، فَقَالَ سُهَيْلٌ: وَعَلٰى أَنَّهُ لَا يَأْتِيكَ مِنَّا رَجُلٌ - وَإِنْ كَانَ عَلٰى دِينِكَ - إِلَّا رَدَدْتَهُ إِلَيْنَا قَالَ الْمُسْلِمُونَ: سُبْحَانَ اللهِ، كَيْفَ يُرَدُّ إِلَى الْمُشْرِكِينَ وَقَدْ جَاءَ مُسْلِمًا؟ فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ إِذْ دَخَلَ أَبُو جَنْدَلِ بْنُ سُهَيْلِ بْنِ عَمْرٍو يَرْسُفُ فِي قُيُودِهِ، وَقَدْ خَرَجَ مِنْ أَسْفَلِ مَكَّةَ حَتّٰى رَمٰى بِنَفْسِهِ بَيْنَ أَظْهُرِ الْمُسْلِمِينَ فَقَالَ سُهَيْلٌ: هٰذَا يَا مُحَمَّدُ أَوَّلُ مَنْ أُقَاضِيكَ عَلَيْهِ أَنْ تَرُدَّهُ إِلَيَّ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّا لَمْ نَقْضِ الْكِتَابَ بَعْدُ»، قَالَ: فَوَاللهِ إِذًا لَمْ أُصَالِحْكَ عَلٰى شَيْءٍ أَبَدًا. قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «فَأَجِزْهُ لِي»، قَالَ: مَا أَنَا بِمُجِيزِ ذٰلِكَ لَكَ. قَالَ: «بَلٰى فَافْعَلْ»، قَالَ: مَا أَنَا بِفَاعِلٍ، قَالَ مِكْرَزٌ: بَلْ قَدْ أَجَزْنَاهُ لَكَ، قَالَ أَبُو جَنْدَلٍ: أَيْ مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! أُرَدُّ إِلَى الْمُشْرِكِينَ وَقَدْ جِئْتُ مُسْلِمًا؟ أَلَا تَرَوْنَ مَا قَدْ لَقِيتُ؟ وَكَانَ قَدْ عُذِّبَ عَذَابًا شَدِيدًا فِي اللهِ، قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: فَأَتَيْتُ نَبِيَّ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ: أَلَسْتَ نَبِيَّ اللهِ حَقًّا؟ قَالَ: «بَلٰى»، قُلْتُ: أَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَعَدُوُّنَا عَلَى الْبَاطِلِ؟ قَالَ: «بَلٰى»، قُلْتُ: فَلِمَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِي دِينِنَا إِذَنْ؟ قَالَ: «إِنِّي رَسُولُ اللهِ وَلَسْتُ أَعْصِيهِ، وَهُوَ نَاصِرِي». قُلْتُ: أَوَ لَيْسَ كُنْتَ تُحَدِّثُنَا أَنَّا سَنَأْتِي الْبَيْتَ فَنَطُوفُ بِهِ؟ قَالَ: «بَلٰى، فَأَخْبَرْتُكَ أَنَّا نَأْتِيهِ الْعَامَ؟» قَالَ: قُلْتُ: لَا، قَالَ: «فَإِنَّكَ آتِيهِ وَمُطَوِّفٌ بِهِ». قَالَ: فَأَتَيْتُ أَبَا

نے فرمایا: ''یہ فلاں شخص ہے اور یہ اس قوم سے تعلق رکھتا ہے جو قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرتے ہیں، لہٰذا تم قربانی کے جانور اس کے سامنے کر دو۔'' چنانچہ قربانی اس کے سامنے پیش کی گئی اور صحابۂ کرام ﷺ نے لبیک پکارتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ جب اس نے یہ حال دیکھا تو کہنے لگا: سبحان اللہ! ان لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا زیب نہیں دیتا، چنانچہ وہ بھی اپنی قوم کے پاس لوٹ کر گیا اور کہنے لگا: میں نے قربانی کے جانوروں کو دیکھا کہ ان کے گلے میں ہار پڑے ہوئے ہیں اور ان کے کوہان زخمی ہیں۔ میں تو ایسے لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا مناسب خیال نہیں کرتا۔ پھر ان میں سے ایک اور شخص جس کا نام مکرز بن حفص تھا کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: مجھے اجازت دو کہ میں آپ (ﷺ) کے پاس جاؤں۔ لوگوں نے کہا: اچھا، تم بھی جاؤ۔ جب وہ مسلمانوں کے پاس آیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ مکرز ہے اور یہ بدکردار آدمی ہے۔'' پھر وہ نبی ﷺ سے گفتگو کرنے لگا۔ ابھی وہ آپ سے گفتگو ہی کر رہا تھا کہ سہیل بن عمرو آ گیا۔ جب سہیل بن عمرو آیا تو اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: ''اب تمھارا کام آسان ہو گیا ہے۔'' پھر اس نے کہا کہ آپ ہمارے اور اپنے درمیان صلح کی دستاویز تحریر کریں، چنانچہ نبی ﷺ نے کاتب کو بلا کر اس سے فرمایا: لکھو: ''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم'' اس پر سہیل نے کہا: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ رحمٰن کون ہے۔ آپ اس طرح لکھوائیں: باسمك اللّٰھم جیسا کہ آپ پہلے لکھا کرتے تھے۔ مسلمانوں نے کہا: ہم تو بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ہی لکھوائیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''باسمك اللّٰھم ہی لکھ دو۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''لکھو کہ یہ وہ تحریر ہے جس کی بنیاد پر محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کی۔'' سہیل

بَكْرٍ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا بَكْرٍ! أَلَيْسَ هٰذَا نَبِيَّ اللهِ حَقًّا، قَالَ: بَلٰى، قُلْتُ: أَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَعَدُوُّنَا عَلَى الْبَاطِلِ؟ قَالَ: بَلٰى، قُلْتُ: فَلِمَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِي دِينِنَا إِذَنْ؟، قَالَ: أَيُّهَا الرَّجُلُ! إِنَّهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَلَيْسَ يَعْصِي رَبَّهُ وَهُوَ نَاصِرُهُ، فَاسْتَمْسِكْ بِغَرْزِهِ فَوَاللهِ إِنَّهُ عَلَى الْحَقِّ، قُلْتُ: أَلَيْسَ كَانَ يُحَدِّثُنَا أَنَّا سَنَأْتِي الْبَيْتَ فَنَطُوفُ بِهِ؟ قَالَ: بَلٰى، أَفَأَخْبَرَكَ أَنَّكَ تَأْتِيهِ الْعَامَ؟ قُلْتُ: لَا، قَالَ: فَإِنَّكَ آتِيهِ وَمُطَوِّفٌ بِهِ. قَالَ الزُّهْرِيُّ: قَالَ عُمَرُ: فَعَمِلْتُ لِذٰلِكَ أَعْمَالًا. قَالَ: فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ قَضِيَّةِ الْكِتَابِ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِأَصْحَابِهِ: «قُومُوا فَانْحَرُوا ثُمَّ احْلِقُوا»، قَالَ: فَوَاللهِ مَا قَامَ مِنْهُمْ رَجُلٌ حَتّٰى قَالَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَلَمَّا لَمْ يَقُمْ مِنْهُمْ أَحَدٌ دَخَلَ عَلٰى أُمِّ سَلَمَةَ فَذَكَرَ لَهَا مَا لَقِيَ مِنَ النَّاسِ فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: يَا نَبِيَّ اللهِ! أَتُحِبُّ ذٰلِكَ؟ أُخْرُجْ ثُمَّ لَا تُكَلِّمْ أَحَدًا مِّنْهُمْ كَلِمَةً، حَتّٰى تَنْحَرَ بُدْنَكَ، وَتَدْعُوَ حَالِقَكَ فَيَحْلِقَكَ، فَخَرَجَ فَلَمْ يُكَلِّمْ أَحَدًا مِّنْهُمْ حَتّٰى فَعَلَ ذٰلِكَ، نَحَرَ بُدْنَهُ، وَدَعَا حَالِقَهُ فَحَلَقَهُ، فَلَمَّا رَأَوْا ذٰلِكَ قَامُوا فَنَحَرُوا وَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَحْلِقُ بَعْضًا حَتّٰى كَادَ بَعْضُهُمْ يَقْتُلُ بَعْضًا غَمًّا. ثُمَّ جَاءَهُ نِسْوَةٌ مُّؤْمِنَاتٌ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالٰى ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا جَآءَكُمُ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ مُهَٰجِرَٰتٍ فَٱمْتَحِنُوهُنَّ﴾ [الممتحنة: ١٠] حَتّٰى بَلَغَ: ﴿بِعِصَمِ ٱلْكَوَافِرِ﴾ فَطَلَّقَ عُمَرُ يَوْمَئِذٍ امْرَأَتَيْنِ

نے کہا: اللہ کی قسم! اگر ہم یہ یقین رکھتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم نہ تو آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ آپ سے جنگ ہی کرتے، لہٰذا محمد بن عبداللہ لکھوائیں۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم میری تکذیب ہی کرو، اچھا محمد بن عبداللہ ہی لکھو......“ امام زہری نے فرمایا: آپ ﷺ نے یہ درج ذیل فرمان کی وجہ سے کیا: ”اگر کفار قریش مجھ سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ کریں جس میں وہ اللہ کی طرف سے حرمت و عزت والی چیزوں کی تعظیم کریں تو میں ضرور اس کو منظور کروں گا......“ نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: لیکن اس شرط پر کہ تم ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان حائل نہیں ہو گے تاکہ ہم کعبہ کا طواف کر لیں۔“ سہیل نے کہا: اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ عرب باتیں کریں گے کہ ہم دباؤ میں آ گئے ہیں، البتہ آئندہ سال یہ بات ہو جائے گی، چنانچہ آپ نے یہی لکھوا دیا۔ پھر سہیل نے کہا: یہ شرط بھی ہے کہ ہماری طرف سے جو شخص تمھاری طرف آئے، اگرچہ وہ تمھارے دین پر ہو، اس کو آپ نے ہماری طرف واپس کرنا ہو گا۔ مسلمانوں نے کہا: سبحان اللہ! وہ کس لیے مشرکوں کے حوالے کیا جائے جبکہ وہ مسلمان ہو کر آیا ہے؟ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ابو جندل بن سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ بیڑیاں پہنے ہوئے آہستہ آہستہ مکہ کی نشیبی طرف سے آتے ہوئے معلوم ہوئے یہاں تک کہ وہ مسلمانوں کی جماعت میں پہنچ گئے۔ سہیل نے کہا: اے محمد! (ﷺ) سب سے پہلی بات جس پر ہم صلح کرتے ہیں کہ اس کو مجھے واپس کر دو۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”ابھی تو صلح نامہ پورا لکھا بھی نہیں گیا۔“ سہیل نے کہا: تو پھر اللہ کی قسم! میں تم سے کسی بات پر صلح نہیں کرتا۔

كَانَتَا لَهُ فِي الشِّرْكِ، فَتَزَوَّجَ إِحْدَاهُمَا مُعَاوِيَةُ ابْنُ أَبِي سُفْيَانَ، وَالْأُخْرَى صَفْوَانُ بْنُ أُمَيَّةَ. ثُمَّ رَجَعَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى الْمَدِينَةِ فَجَاءَهُ أَبُو بَصِيرٍ رَجُلٌ مِّنْ قُرَيْشٍ وَّهُوَ مُسْلِمٌ، فَأَرْسَلُوا فِي طَلَبِهِ رَجُلَيْنِ، فَقَالُوا: اَلْعَهْدَ الَّذِي جَعَلْتَ لَنَا، فَدَفَعَهُ إِلَى الرَّجُلَيْنِ، فَخَرَجَا بِهِ حَتّٰى بَلَغَا ذَاالْحُلَيْفَةِ، فَنَزَلُوا يَأْكُلُونَ مِنْ تَمْرٍ لَّهُمْ، فَقَالَ أَبُو بَصِيرٍ لِأَحَدِ الرَّجُلَيْنِ: وَاللهِ إِنِّي لَأَرٰى سَيْفَكَ هٰذَا يَا فُلَانُ جَيِّدًا، فَاسْتَلَّهُ الْآخَرُ فَقَالَ: أَجَلْ وَاللهِ، إِنَّهُ لَجَيِّدٌ، لَقَدْ جَرَّبْتُ بِهِ ثُمَّ جَرَّبْتُ. فَقَالَ أَبُو بَصِيرٍ: أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْهِ، فَأَمْكَنَهُ بِهِ، فَضَرَبَهُ حَتّٰى بَرَدَ وَفَرَّ الْآخَرُ حَتّٰى أَتَى الْمَدِينَةَ، فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ يَعْدُو، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حِينَ رَآهُ: «لَقَدْ رَأٰى هٰذَا ذُعْرًا»، فَلَمَّا انْتَهٰى إِلَى النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: قُتِلَ صَاحِبِي وَإِنِّي لَمَقْتُولٌ، فَجَاءَ أَبُو بَصِيرٍ فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ! قَدْ وَاللهِ أَوْفَى اللهُ ذِمَّتَكَ، قَدْ رَدَدْتَنِي إِلَيْهِمْ ثُمَّ أَنْجَانِيَ اللهُ مِنْهُمْ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَيْلُ أُمِّهِ مِسْعَرُ حَرْبٍ لَّوْ كَانَ لَهُ أَحَدٌ». فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِكَ عَرَفَ أَنَّهُ سَيَرُدُّهُ إِلَيْهِمْ، فَخَرَجَ حَتّٰى أَتٰى سِيفَ الْبَحْرِ، قَالَ: وَيَنْفَلِتُ مِنْهُمْ أَبُو جَنْدَلِ بْنُ سُهَيْلٍ فَلَحِقَ بِأَبِي بَصِيرٍ، فَجَعَلَ لَا يَخْرُجُ مِنْ قُرَيْشٍ رَّجُلٌ قَدْ أَسْلَمَ إِلَّا لَحِقَ بِأَبِي بَصِيرٍ حَتّٰى اجْتَمَعَتْ مِنْهُمْ عِصَابَةٌ، فَوَاللهِ مَا يَسْمَعُونَ بِعِيرٍ خَرَجَتْ لِقُرَيْشٍ إِلَى الشَّامِ إِلَّا اعْتَرَضُوا لَهَا فَقَتَلُوهُمْ وَأَخَذُوا أَمْوَالَهُمْ.

نبی ﷺ نے فرمایا: ''اچھا تم اس کی مجھے اجازت دے دو۔'' سہیل نے کہا: میں تمھیں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ نبی ﷺ نے مکرر فرمایا: ''نہیں، تم مجھے اس کی اجازت دے دو۔'' اس نے کہا: میں نہیں دوں گا۔ مکرز بولا: اچھا ہم آپ کی خاطر اس کی اجازت دیتے ہیں۔ (مگر اس کی بات نہیں مانی گئی۔) بالآخر حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ بول اٹھے: اے مسلمانو! کیا میں مشرکین کی طرف واپس کر دیا جاؤں گا، حالانکہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں نے کیا کیا مصیبتیں اٹھائی ہیں؟ درحقیقت اسلام کی راہ میں اسے سخت تکلیف دی گئی تھی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: کیا آپ اللہ کے سچے پیغمبر نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک ایسا ہی ہے۔'' میں نے کہا: کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں؟ آپ نے فرمایا: ''کیوں نہیں، ایسے ہی ہے۔'' میں نے عرض کیا: تو پھر ہم اپنے دین کو کیوں ذلیل کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا۔ وہ میرا مددگار ہے۔'' میں نے عرض کیا: کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، مگر کیا میں نے تم سے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اسی سال (بیت اللہ) جائیں گے؟'' میں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''تم (ایک وقت) بیت اللہ جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ پھر میں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے پاس گیا اور ان سے کہا: اے ابوبکر! کیا آپ ﷺ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں۔ میں نے کہا: کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، ایسا ہی ہے۔ میں نے کہا: تو پھر

فَأَرْسَلَتْ قُرَيْشٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ تُنَاشِدُهُ اللهَ وَالرَّحِمَ لَمَّا أَرْسَلَ: فَمَنْ أَتَاهُ فَهُوَ آمِنٌ، فَأَرْسَلَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَيْهِمْ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى ﴿وَهُوَ ٱلَّذِى كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنۢ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ﴾ حَتَّى بَلَغَ ﴿ٱلْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ﴾ [الفتح: ٢٤-٢٦] كَانَتْ حَمِيَّتُهُمْ أَنَّهُمْ لَمْ يُقِرُّوا أَنَّهُ نَبِيُّ اللهِ وَلَمْ يُقِرُّوا بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، وَحَالُوا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْبَيْتِ. [راجع: ١٦٩٤، ١٦٩٥]

ہم دین کے متعلق یہ ذلت کیوں گوارا کریں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: بھلے آدمی! وہ اللہ کے رسول ہیں، اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ اللہ ان کا مددگار ہے، لہٰذا وہ جو حکم دیں اس کی تعمیل کرو اور ان کے رکاب کو تھام لو کیونکہ اللہ کی قسم! آپ حق پر ہیں۔ میں نے کہا: کیا آپ ہم سے یہ بیان نہیں کرتے تھے کہ ہم بیت اللہ جا کر اس کا طواف کریں گے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، کہا تھا مگر کیا یہ بھی کہا تھا کہ تم اسی سال بیت اللہ جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے؟ میں نے کہا: نہیں۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم بیت اللہ پہنچو گے اور اس کا طواف کرو گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس (بے ادبی اور گستاخی کی تلافی کے لیے) بہت سے نیک عمل کیے۔ راوی کا بیان ہے کہ جب صلح نامہ لکھا جا چکا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا: ''اٹھو اور قربانی کے جانور ذبح کرو، نیز سر کے بال منڈاؤ۔'' راوی کہتا ہے کہ اللہ کی قسم! یہ سن کر کوئی بھی نہ اٹھا، پھر آپ نے تین مرتبہ یہی فرمایا۔ جب ان میں سے کوئی نہ اٹھا تو آپ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان سے یہ واقعہ بیان کیا جو لوگوں سے آپ کو پیش آیا تھا۔ حضرت ام سلمہ نے کہا: اللہ کے نبی! اگر آپ یہ بات چاہتے ہیں تو باہر تشریف لے جائیں اور ان میں سے کسی کے ساتھ کلام نہ فرمائیں بلکہ آپ اپنے قربانی کے جانور ذبح کر کے سر مونڈنے والے کو بلائیں تاکہ وہ آپ کا سر مونڈ دے، چنانچہ آپ باہر تشریف لائے اور کسی سے گفتگو نہ کی حتی کہ آپ نے تمام کام کر لیے۔ آپ نے قربانی کے جانور ذبح کیے اور سر مونڈنے والے کو بلایا جس نے آپ کا سر مونڈا، چنانچہ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ دیکھا تو وہ بھی اٹھے اور انھوں نے قربانی کے جانور ذبح کیے پھر ایک دوسرے کا سر مونڈنے

لگے۔ غم کی وجہ سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو ہلاک کر دیں گے۔ اس کے بعد چند مسلمان خواتین آپ کے ہاں حاضر خدمت ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''مسلمانو! جب مسلمان عورتیں ہجرت کر کے تمھارے پاس آئیں تو ان کا امتحان لو...... کافر عورتوں کو نکاح میں نہ رکھو۔'' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس دن اپنی دو مشرک عورتوں کو طلاق دے دی جو ان کے نکاح میں تھیں۔ ان میں سے ایک کے ساتھ معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما اور دوسری سے صفوان بن امیہ نے نکاح کر لیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس آئے تو ابو بصیر نامی ایک شخص مسلمان ہو کر آپ کے پاس آیا جو قریشی تھا اور کفار مکہ نے اس کے تعاقب میں دو آدمی بھیجے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہلوا بھیجا کہ جو عہد آپ نے ہم سے کیا ہے اس کا خیال کریں، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو ان دونوں کے حوالے کر دیا اور وہ دونوں اسے لے کر ذوالحلیفہ پہنچے اور وہاں اتر کر کھجوریں کھانے لگے تو ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ایک سے کہا: اللہ کی قسم! تیری تلوار بہت عمدہ معلوم ہوتی ہے۔ اس نے سونت کر کہا: بے شک عمدہ ہے، میں اسے کئی دفعہ آزما چکا ہوں۔ ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے دکھاؤ میں بھی تو دیکھوں کیسی اچھی ہے؟ چنانچہ وہ تلوار اس نے ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو دے دی۔ ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے اسی تلوار سے وار کر کے اسے ٹھنڈا کر دیا۔ دوسرا شخص بھاگتا ہوا مدینہ آیا اور دوڑتا ہوا مسجد میں گھس آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو فرمایا: ''یہ کچھ خوفزدہ ہے۔'' پھر جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو کہنے لگا: اللہ کی قسم! میرا ساتھی قتل کر دیا گیا ہے اور میں بھی نہیں بچوں گا۔ اتنے میں ابوبصیر رضی اللہ عنہ بھی آ پہنچے اور کہنے لگے: اللہ کے نبی! اللہ نے آپ کا عہد پورا کر دیا ہے۔ آپ نے مجھے کفار کو واپس کر دیا تھا مگر اللہ نے مجھے نجات دی ہے۔ اس

پر نبی ﷺ نے فرمایا: ''تیری ماں کے لیے خرابی ہو! یہ تو لڑائی کی آگ ہے۔ اگر کوئی اس کا مددگار ہوتا تو ضرور بھڑک اٹھتی۔'' جب اس (ابوبصیر رضی اللہ عنہ) نے یہ بات سنی تو وہ سمجھ گئے کہ آپ اس کو پھر ان (کفار) کے حوالے کریں گے، لہذا وہ سیدھے نکل کر سمندر کے کنارے جا پہنچے۔ دوسری طرف سے ابوجندل رضی اللہ عنہ بھی مکہ سے بھاگ کر اس سے مل گئے۔ اس طرح جو شخص بھی قریش کا مسلمان ہو کر آتا وہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ سے مل جاتا تھا یہاں تک کہ وہاں ایک جماعت وجود میں آگئی، پھر اللہ کی قسم! وہ قریش کے جس قافلے کی بابت سنتے کہ وہ شام کی جانب جا رہا ہے اس کی گھات میں رہتے، اس کے آدمیوں کو قتل کر کے ان کا ساز و سامان لوٹ لیتے، پھر آخر کار قریش نے نبی ﷺ کے پاس آدمی بھیجا، آپ کو اللہ اور قرابت کا واسطہ دیا کہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجیں کہ وہ ایذا رسانی سے باز آ جائے اور اب سے جو شخص مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئے اس کو امن ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے ابوبصیر رضی اللہ عنہ کی طرف اس کی بابت پیغام بھیجا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''وہی اللہ جس نے عین مکہ میں تمھیں ان پر فتح دی اور ان کے ہاتھ تم سے روک دیے اور تمھارے ہاتھ ان سے روک دیے جبکہ اس سے پہلے تمھیں ان پر غالب کر چکا تھا...... (جب کفار نے اپنے دلوں میں) زمانۂ جاہلیت کی نخوت ٹھان لی......اور جاہلانہ نخوت یہ تھی کہ انھوں نے نبی ﷺ کی نبوت کو نہ مانا اور بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھنے دیا، نیز مسلمانوں اور کعبہ کے درمیان حائل ہوئے۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: ﴿مَعَرَّةٌ﴾: اَلْعُرُّ: اَلْجَرَبُ. ﴿تَزَيَّلُوا﴾: تَمَيَّزُوا. حَمَيْتُ الْقَوْمَ: مَنَعْتُهُمْ حِمَايَةً، وَأَحْمَيْتُ الْحِمٰى.

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے کہا: مَعَرَّةٌ، عُرٌّ سے مشتق ہے۔ اس کے معنی خارش کے ہیں۔ اور تَزَيَّلُوا کے معنی ہیں: وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ (اور حَمِيَّةٌ کا

لفظ) حَمَيْتُ الْقَوْمَ سے ہے۔ اس کے معنی ہیں: میں نے لوگوں کو شر سے بچایا۔ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ میں نے چراگاہ کی حفاظت کی۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں جہاد کے موقع پر شرطیں لگانے، اہل حرب کے ساتھ صلح کرنے اور شرائط تحریر کرنے کا ذکر ہے، مختصر طور پر وہ شرائط حسب ذیل ہیں: ○ دس سال تک باہمی صلح رہے گی، فریقین کی طرف سے لوگوں کی آمد ورفت میں کسی کو روک ٹوک نہیں ہوگی۔ ○ دیگر قبائل کو صوابدیدی اختیار ہوگا، وہ چاہیں تو قریش سے مل جائیں یا مسلمانوں سے الحاق کر لیں، حلیف قبائل کے حقوق بھی یہی ہوں گے۔ ○ آئندہ سال مسلمانوں کو طواف کعبہ کی اجازت ہوگی۔ مکہ میں داخل ہوتے وقت ان کے ہتھیار ننگے نہیں ہوں گے بلکہ انھیں میانوں میں بند کر کے لانا ہوگا۔ ○ اگر قریش میں سے کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس مسلمان ہو کر چلا آئے تو قریش کے طلب کرنے پر وہ شخص واپس کرنا ہوگا لیکن اگر کوئی اسلام چھوڑ کر قریش سے جا ملے تو قریش اسے واپس نہیں کریں گے۔ اس شرط پر مسلمان بہت غمگین ہوئے لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس شرط کو بھی خوشی سے منظور فرمایا۔ ② اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑے اور اہم مقصد کے حصول کے لیے چھوٹی چھوٹی جذباتی باتوں کو قربان کر دینا چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کی عظمت وحرمت کو برقرار رکھنے کے لیے کفار کی طرف سے بعض نامناسب شرائط قبول کر لیں جیسا کہ آخری شرط ہے۔ اس شرط کے تسلیم کرنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت جذباتی ہو گئے، چنانچہ وہ عمر بھر ان جذبات کے اظہار پر افسوس کرتے رہے اور تلافی کے لیے صدقات وخیرات کرتے رہے۔

٢٧٣٣ - وَقَالَ عُقَيْلٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: قَالَ عُرْوَةُ: فَأَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَمْتَحِنُهُنَّ. وبَلَغَنَا أَنَّهُ لَمَّا أَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى أَنْ يَرُدُّوا إِلَى الْمُشْرِكِينَ مَا أَنْفَقُوا عَلَى مَنْ هَاجَرَ مِنْ أَزْوَاجِهِمْ وَحَكَمَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ أَنْ لَّا يُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ، أَنَّ عُمَرَ طَلَّقَ امْرَأَتَيْنِ قَرِيبَةَ بِنْتَ أَبِي أُمَيَّةَ، وَابْنَةَ جَرْوَلٍ الْخُزَاعِيِّ، فَتَزَوَّجَ قَرِيبَةَ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ، وَتَزَوَّجَ الْأُخْرَى أَبُو جَهْمٍ، فَلَمَّا أَبَى الْكُفَّارُ أَنْ يُقِرُّوا بِأَدَاءِ مَا أَنْفَقَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: ﴿وَإِن فَاتَكُمْ شَىْءٌ مِّنْ أَزْوَٰجِكُمْ إِلَى ٱلْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ﴾ [الممتحنة: ١١] وَالْعَقْبُ مَا يُؤَدِّي

[2733] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ ان (عورتوں) کا امتحان لیتے تھے (جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آتی تھیں)۔ (زہری نے کہا:) ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ حکم نازل فرمایا کہ مسلمان وہ سب کچھ ان مشرکین کو واپس کر دیں جو انھوں نے اپنی ان بیویوں پر خرچ کیا ہے جو (اب مسلمان ہو کر) ہجرت کر آئی ہیں، نیز مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دو بیویوں قریبہ بنت ابوامیہ اور جرول خزاعی کی دختر کو طلاق دے دی۔ بعد میں قریبہ سے حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے شادی کر لی (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے)۔ دوسری (بیوی) کو ابوجہم نے اپنے عقد میں لے لیا۔ جب

الْمُسْلِمُونَ إِلَى مَنْ هَاجَرَتِ امْرَأَتُهُ مِنَ الْكُفَّارِ، فَأَمَرَ أَنْ يُعْطَى مَنْ ذَهَبَ لَهُ زَوْجٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ مَا أَنْفَقَ مِنْ صَدَاقِ نِسَاءِ الْكُفَّارِ اللَّاتِي هَاجَرْنَ، وَمَا نَعْلَمُ أَحَدًا مِّنَ الْمُهَاجِرَاتِ ارْتَدَّتْ بَعْدَ إِيمَانِهَا . وَبَلَغَنَا أَنَّ أَبَا بَصِيرِ بْنَ أَسِيدِ الثَّقَفِيَّ قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ مُؤْمِنًا مُّهَاجِرًا فِي الْمُدَّةِ، فَكَتَبَ الْأَخْنَسُ بْنُ شُرَيْقٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَسْأَلُهُ أَبَا بَصِيرٍ، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ . [راجع : ٢٧١٣]

کفار نے مسلمانوں کے ان اخراجات کو ادا کرنے سے انکار کر دیا جو انھوں نے اپنی (کافرہ) بیویوں پر کیے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "اور اگر تمھاری کافر بیویوں کے حق مہر سے تمھیں کچھ نہ ملے تو سزا کے طور پر تم معاوضہ خود ہی وصول کر لو۔" یہ وہ معاوضہ تھا جو مسلمان، کفار میں سے اس شخص کو دیتے جس کی بیوی ہجرت کر کے آجاتی۔ اب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جس مسلمان کی بیوی مرتد ہو کر (کفار کے ہاں) چلی جائے اس کے اخراجات ان کفار کی عورتوں کے حق مہر سے ادا کر دیے جائیں جو ہجرت کر کے آئی ہیں (اور کسی مسلمان نے ان سے نکاح کر لیا ہے)۔ اور ہمیں نہیں معلوم کہ کوئی مسلمان مہاجرہ عورت ایمان کے بعد مرتد ہوئی ہو۔ اور ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ حضرت ابوبصیر بن اسید ثقفی رضی اللہ عنہ جب مسلمان مہاجر کی حیثیت سے معاہدے کی مدت کے دوران میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اخنس بن شریق نے ایک تحریر کے ذریعے سے نبی ﷺ سے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا، پھر انھوں نے پوری حدیث ذکر کی۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث سے ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں کے مفاد کے پیش نظر ایک معین مدت تک کے لیے کفار سے صلح کرنا جائز ہے اور ان کے درمیان جو شرائط طے ہوں انھیں لکھ لینا چاہیے، ان پر گواہی بھی تحریر کر لی جائے تاکہ فریقین میں سے جو صلح توڑنا چاہے اس کے خلاف گواہی دی جا سکے۔ ② واضح رہے کہ حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ ساحل سمندر پر عیص نامی مقام پر ٹھہرے اور ابوجندل رضی اللہ عنہ بھی بھاگ کر وہاں آ گئے۔ اس طرح وہاں ستر سوار جمع ہو گئے قریش کا جو تجارتی قافلہ آتا اسے لوٹ لیتے۔ آخر کار قریش نے تنگ آ کر معاہدے کی آخری شرط ختم کر دی اور رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ کی کارروائیوں کو بند کیا جائے۔ آخر کار رسول اللہ ﷺ نے اپنا ایک خط حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے نام روانہ فرمایا۔ انھیں جب خط ملا تو وہ حالت نزع میں تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ کا گرامی نامہ ہاتھ میں پکڑا اور اسے پڑھتے پڑھتے اپنی جان، جانِ آفریں کے حوالے کر دی...... رضی اللہ عنہ ......[1]

[1] عمدة القاري : 647/9.

(١٦) بَابُ الشُّرُوطِ فِي الْقَرْضِ

باب:16-قرض دیتے وقت شرط طے کرنا

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَعَطَاءٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: إِذَا أَجَّلَهُ فِي الْقَرْضِ جَازَ.

حضرت ابن عمر ؓ اور حضرت عطاء نے کہا: اگر قرض میں مدت مقرر کر لے تو جائز ہے۔

وضاحت: حضرت ابن عمر ؓ کے اثر کو مصنف ابن ابی شیبہ میں متصل سند سے بیان کیا گیا ہے،[1] نیز حضرت عطاء کا اثر مصنف عبدالرزاق میں موصولاً بیان ہوا ہے۔[2]

٢٧٣٤ - وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ: أَنَّهُ ذَكَرَ رَجُلًا سَأَلَ بَعْضَ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ يُسْلِفَهُ أَلْفَ دِينَارٍ، فَدَفَعَهَا إِلَيْهِ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى. [راجع: ١٤٩٨]

[2734] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ایک اسرائیلی کا ذکر کیا جس نے کسی سے ایک ہزار بطور قرض طلب کیے تو اس نے ایک معین مدت تک کے لیے اسے قرض دیا۔ اس کے بعد مکمل حدیث بیان کی۔

فوائد ومسائل: ① بعض حضرات کا خیال ہے کہ قرض دیتے وقت ادائیگی کے لیے مدت مقرر نہیں کرنی چاہیے۔ امام بخاری ؒ اس موقف سے اتفاق نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک مدت طے کر لینا جائز ہے۔ انھوں نے اس سے پہلے کتاب البیوع میں ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا تھا: [بَابٌ: إِذَا أَقْرَضَهُ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى أَوْ أَجَّلَهُ فِي الْبَيْعِ] ''جب کسی کو ایک مقررہ مدت تک قرض دے یا خرید وفروخت میں ایک مدت تک ادھار کرے۔''[3] وہاں بھی آپ نے حضرت ابن عمر ؓ اور حضرت عطاء کے آثار پیش کیے تھے، نیز مذکورہ حدیث کا بھی حوالہ دیا تھا۔ بہرحال وہاں پر قرض اور ادھار میں مساوات بیان کر کے اپنے رجحان کی طرف اشارہ کیا تھا۔ ② احادیث کی رو سے امام بخاری ؒ کے موقف کو تقویت ملتی ہے کہ قرض دینے والا ایسی جائز شرائط لگا سکتا ہے اور ادا کرنے والے پر لازم ہوگا کہ وہ شرائط کے مطابق وقت مقررہ پر قرض ادا کر دے، بنی اسرائیل کے دو اشخاص کا واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

(١٧) بَابُ الْمُكَاتَبِ، وَمَا لَا يَحِلُّ مِنَ الشُّرُوطِ الَّتِي تُخَالِفُ كِتَابَ اللهِ

باب: 17- مکاتب کا بیان، نیز جو شرائط کتاب اللہ کے خلاف ہیں وہ جائز نہیں

وَقَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فِي

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ نے مکاتب کے متعلق فرمایا

1 المصنف لابن أبي شيبة: 523/4. 2 فتح الباري: 84،83/5. 3 صحيح البخاري، الاستقراض، قبل حديث: 2404.

الْمُكَاتَبِ: شُرُوطُهُمْ بَيْنَهُمْ. وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ أَوْ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: كُلُّ شَرْطٍ خَالَفَ كِتَابَ اللهِ فَهُوَ بَاطِلٌ، وَإِنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ شَرْطٍ.

کہ ان کے اور آقاؤں کے درمیان جو شرائط طے ہوں وہ قابل اعتبار ہیں۔ حضرت ابن عمر یا حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہر وہ شرط جو کتاب اللہ کے مخالف ہو وہ باطل ہے اگرچہ وہ سو شرطیں ہوں۔

٢٧٣٥ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ يَحْيٰى، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: أَتَتْهَا بَرِيرَةُ تَسْأَلُهَا فِي كِتَابَتِهَا فَقَالَتْ: إِنْ شِئْتِ أَعْطَيْتُ أَهْلَكِ وَيَكُونُ الْوَلَاءُ لِي، فَلَمَّا جَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ذَكَرْتُهُ ذٰلِكَ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اِبْتَاعِيهَا فَأَعْتِقِيهَا فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ»، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ: «مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللهِ؟ مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ، فَلَيْسَ لَهُ وَإِنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ شَرْطٍ». [راجع: ٤٥٦]

[2735] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ان کے پاس حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا آئیں اور ان سے بدل کتابت کے متعلق تعاون کا سوال کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر تو چاہے تو میں تیرے مالکان کو بدل کتابت ادا کر دیتی ہوں لیکن ولا میرے لیے ہو گی۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ سے اس کا ذکر کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "اسے خرید کر آزاد کر دو، ولا تو اسی کے لیے ہے جو آزاد کرے۔" اس کے بعد رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا: "ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو ایسی شرطیں عائد کرتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں؟ آگاہ رہو! جس نے کوئی ایسی شرط لگائی جس کی بنیاد کتاب اللہ میں نہیں، وہ (شرط) قابل اعتبار ہی نہیں اگرچہ ایسی سو شرطیں لگائے۔"

فوائد و مسائل: ① اس سے پہلے امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک عنوان قائم کیا تھا: [مَا يَجُوزُ مِنْ شُرُوطِ الْمُكَاتَبِ، وَمَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ] "مکاتب کے لیے کون کون سی شرائط جائز ہیں اور جو شخص ایسی شرط لگائے جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہے۔"[1] اس مقام پر آپ اس کی تفسیر اس طرح کرنا چاہتے ہیں کہ وہ شرائط جو کتاب اللہ کے مخالف ہوں ناقابل اعتبار ہیں۔ اور کتاب اللہ سے مراد اس کا حکم ہے جو کبھی نص سے ثابت ہوتا ہے اور کبھی اس سے استنباط کیا جاتا ہے۔ جو حکم اس طرح کا نہ ہو وہ کتاب اللہ کے مخالف ہے، چنانچہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے آقا آزادی کے بعد اس کی ولا اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے اور اس شرط کے ساتھ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیشکش کے مطابق اسے آزاد کرنا چاہتے تھے۔ چونکہ یہ شرط کتاب اللہ کے مخالف تھی اس بنا پر اسے باطل قرار دیا گیا۔ ② اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص غلط شرط لگاتا ہے تو وہ شرعاً باطل ہے۔ قانون اسے تسلیم نہیں کرے گا۔

① صحيح البخاري، المكاتب، باب: 2.

(١٨) بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الِاشْتِرَاطِ، وَالثُّنْيَا فِي الْإِقْرَارِ، وَالشُّرُوطُ الَّتِي يَتَعَارَفُهُ النَّاسُ بَيْنَهُمْ، وَإِذَا قَالَ: مِائَةٌ إِلَّا وَاحِدَةً أَوْ ثِنْتَيْنِ

باب: 18- اقرار میں کس قسم کی شرط اور استثنا درست ہے؟ نیز وہ شرطیں جائز ہیں جو لوگوں میں متعارف ہوں۔ اور اگر کسی نے کہا: مجھ پر کسی کے سو درہم ہیں مگر ایک یا دو

وَقَالَ ابْنُ عَوْنٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، قَالَ الرَّجُلُ لِكَرِيِّهِ: أَدْخِلْ رِكَابَكَ، فَإِنْ لَمْ أَرْحَلْ مَعَكَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا فَلَكَ مِائَةُ دِرْهَمٍ فَلَمْ يَخْرُجْ، فَقَالَ شُرَيْحٌ: مَنْ شَرَطَ عَلَى نَفْسِهِ طَائِعًا غَيْرَ مُكْرَهٍ فَهُوَ عَلَيْهِ. وَقَالَ أَيُّوبُ: عَنِ ابْنِ سِيرِينَ: إِنَّ رَجُلًا بَاعَ طَعَامًا وَقَالَ: إِنْ لَمْ آتِكَ الْأَرْبِعَاءَ فَلَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بَيْعٌ، فَلَمْ يَجِئْ فَقَالَ شُرَيْحٌ لِلْمُشْتَرِي: أَنْتَ أَخْلَفْتَ فَقَضَى عَلَيْهِ.

ابن عون نے امام ابن سیرین سے بیان کیا کہ ایک شخص نے شتربان سے کہا: اپنا اونٹ تیار کرو، اگر میں تیرے ساتھ فلاں فلاں دن نہ جاؤں تو تیرے لیے سو درہم ہیں، چنانچہ وہ نہ گیا تو قاضی شریح نے فیصلہ کیا: جو اپنی مرضی سے اپنے آپ پر کوئی شرط عائد کرے جبکہ اسے مجبور نہ کیا گیا ہو تو اسے وہ شرط پوری کرنی ضروری ہے۔ ایوب نے امام ابن سیرین سے روایت کیا کہ ایک شخص نے غلہ خریدا اور کہا: اگر میں تیرے پاس بدھ کے دن نہ آؤں تو میرے اور تیرے درمیان کوئی بیع نہیں، چنانچہ وہ بدھ کے دن نہ آیا تو قاضی شریح نے خریدار سے کہا: تو نے خود خلاف ورزی کی ہے۔ پھر انھوں نے اس کے خلاف فیصلہ دیا۔

وضاحت: اگر کسی نے کہا: میرے ذمے فلاں کے سو درہم ہیں مگر ایک، تو ننانوے دینے ہوں گے اور دو کا استثنا کیا تو اٹھانوے دینے ہوں گے۔ زیادہ مقدار سے تھوڑی مقدار کا استثنا تو بالاتفاق جائز ہے، البتہ تھوڑی مقدار سے زیادہ کا استثنا، اس میں اختلاف ہے۔ جمہور نے اسے بھی جائز کہا ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔ مذکورہ دونوں آثار سعید بن منصور نے اپنی متصل سند سے ذکر کیے ہیں۔ مذکورہ دونوں معاملات میں قاضی شریح نے اس شرط کے مطابق فیصلہ کیا جو انسان نے خود اپنے اوپر عائد کی تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی یہی ہے کہ خود عائد کردہ شرط کی پابندی ضروری ہے۔[1]

٢٧٣٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ

[2736] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، یعنی سو سے ایک کم ہے، جس شخص نے ان کو یاد کیا وہ جنت میں

1 فتح الباري: 435/5.

لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِينَ اسْمًا؛ مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ». [انظر: ٦٤١٠، ٧٣٩٢]

داخل ہوگا۔"

فوائد ومسائل: ① اقرار میں کسی قسم کی شرط اور استثنا جائز ہے، خواہ زیادہ مقدار میں سے تھوڑی کا استثنا ہو یا اس کے برعکس تھوڑی مقدار میں سے زیادہ کا استثنا ہو کیونکہ قرآن میں دونوں استثنا موجود ہیں، ایک یہ ہے: ﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ﴾ "میرے بندوں پر تیرا کچھ زور نہ چل سکے گا مگر ان لوگوں پر جو گمراہ ہو کر تیری پیروی کریں گے۔"[1] اور دوسرا استثنا یہ ہے: ﴿وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ o اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ "میں ان سب کو بہکا کے چھوڑوں گا مگر تیرے مخلص بندے اس سے محفوظ رہیں گے۔"[2] ان میں سے ایک، دوسرے سے زیادہ ہے اور ان میں استثنیٰ واقع ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ دونوں قسم کے استثنا صحیح ہیں۔ جمہور کا یہی موقف ہے۔ بہرحال اقرار میں کوئی شرط لگانا یا کسی کو مستثنیٰ کرنا صحیح ہے۔[3] ② واضح رہے کہ اس حدیث میں ان اسمائے حسنیٰ کی خبر دی گئی ہے جنھیں یاد کرنے اور ان کے مطابق عمل کرنے والے کو جنت کی خوش خبری دی گئی ہے۔ ویسے اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کے علاوہ بھی بے شمار نام ہیں۔ ان میں سے اکثر قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں۔ ان میں لفظ "اللہ" اسم ذاتی ہے اور باقی صفاتی نام ہیں۔

(١٩) بَابُ الشُّرُوطِ فِي الْوَقْفِ

باب: 19- وقف میں شرطیں لگانا

٢٧٣٧ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ قَالَ: أَنْبَأَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَصَابَ أَرْضًا بِخَيْبَرَ فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ يَسْتَأْمِرُهُ فِيهَا، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي أَصَبْتُ أَرْضًا بِخَيْبَرَ، لَمْ أُصِبْ مَالًا قَطُّ أَنْفَسَ عِنْدِي مِنْهُ، فَمَا تَأْمُرُنِي بِهِ؟ قَالَ: «إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا». قَالَ: فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ أَنَّهُ لَا يُبَاعُ وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُورَثُ، وَتَصَدَّقَ بِهَا فِي الْفُقَرَاءِ وَفِي الْقُرْبٰى وَفِي الرِّقَابِ وَفِي سَبِيلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَالضَّيْفِ، لَا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ وَلِيَهَا أَنْ يَأْكُلَ

[2737] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک قطعۂ زمین ملا تو وہ اس کے متعلق مشورہ کرنے کے لیے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھے خیبر میں ایک زمین کا ٹکڑا ملا ہے، میرے نزدیک اس سے نفیس تر مال میں نے کبھی نہیں پایا، آپ مجھے اس کے متعلق کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر چاہو تو اصل زمین اپنی ملکیت میں رکھو اور اس کی پیداوار کو صدقہ کر دو۔" پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شرط کے ساتھ اس زمین کو صدقہ کر دیا کہ نہ اسے فروخت کیا جائے گا اور نہ اسے ہبہ ہی کیا جائے گا، نیز اس میں وراثت بھی نہیں چلے گی۔ اسے آپ نے محتاجوں، رشتہ داروں، غلام آزاد کرانے، اللہ کے دین

1 الحجر 15:42. 2 الحجر 15:39، 40. 3 فتح الباري: 434/5.

مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ وَيُطْعِمَ غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ.

کی تبلیغ و اشاعت اور مہمانوں کے لیے وقف کر دیا، نیز جو اس کا انتظام و انصرام کرے وہ معروف طریقے کے مطابق خود کھائے اور دوسروں کو کھلائے تو اس پر کوئی الزام نہیں ہو گا۔ لیکن اس کا خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا مال جمع کرنے کے لیے نہ ہو۔

قَالَ: فَحَدَّثْتُ بِهِ ابْنَ سِيرِينَ. فَقَالَ: غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ مَالًا. [راجع: ٢٣١٣]

راوی حدیث (ابن عون) کہتے ہیں: جب میں نے اس حدیث کا ذکر ابن سیرین سے کیا تو انھوں نے فرمایا کہ متولی اس میں سے مال جمع کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کے مطابق وقف کرنے والا اپنی وقف کی ہوئی جائیداد کو جس طرح چاہے مشروط کر سکتا ہے، نیز وہ اپنے وقف پر اپنی ذاتی ملکیت بھی باقی رکھ سکتا ہے اور نیک نیتی کے ساتھ دستور کے مطابق اس میں سے اپنے اخراجات بھی پورے کر سکتا ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے آئندہ ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: [بَابٌ هَلْ يَنْتَفِعُ الْوَاقِفُ بِوَقْفِهِ؟] ''کیا وقف کرنے والا اپنے وقف سے خود بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے؟''[1] اس میں یہ شبہ نہیں کرنا چاہیے کہ وقف کرنے والے کا اپنے وقف سے فائدہ اٹھانا ایسا ہے، گویا اس نے اپنے صدقے سے خود فائدہ اٹھایا ہے، اس شبہ کی کوئی حیثیت نہیں۔[2]

1 صحيح البخاري، الوصايا، باب: 12. 2 فتح الباري: 470/5.

وصیت کا مفہوم، اقسام اور ضابطہ

وصایا، وصیت کی جمع ہے۔ لغوی طور پر اس کے معنی جانشین بنانے اور تاکید کرنے کے ہیں۔ اس کا اطلاق وصیت کرنے والے کے فعل پر بھی ہوتا ہے۔ اس صورت میں اس کے مصدری معنی مراد ہوتے ہیں۔ اور اس مال پر بھی بولا جاتا ہے جس کے متعلق وصیت کرنے والا وصیت کر جائے۔ اس صورت میں اسم مصدر ہوگا۔ شرعی طور پر وصیت اس خاص عہد کا نام ہے جس کی نسبت مرنے کے بعد کسی کام کی طرف کی گئی ہو، اور اس کا مدار حصول ثواب اور احسان پر ہوتا ہے۔ وصیت کرنے والے کو موصی اور جس کے لیے وصیت کی جائے اس کو موصی لہ اور جس کو کسی کے لیے وصیت کی جائے اس کو وصی کہا جاتا ہے۔ وصی کی حیثیت ایک امین کی ہوتی ہے، اس لیے اسے موصی کے مال اور جائیداد میں اسی طرح تصرف کرنا چاہیے جس طرح وہ کہہ گیا ہو یا جس طرح وہ اپنے مال و جائیداد میں تصرف کرتا تھا۔ شریعت میں وصیت کو تین لغوی معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے:

① کسی کو اچھے کام کرنے اور برے کام چھوڑنے کی تاکید کرنا۔ اسے اخلاقی وصیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

② کسی کو اپنی زندگی ہی میں اپنے مرنے کے بعد کسی کام کی ذمہ داری سونپنا۔ اسے معاشرتی وصیت کہا جاتا ہے۔

③ کسی غیر وارث کو اپنی جائیداد سے $\frac{1}{3}$ یا اس سے کم کی ہدایت و تاکید کر جانا۔ اسے مالی وصیت کا نام دیا جاتا ہے۔

مذکورہ عنوان کے تحت اس آخری قسم کی وصیت کا ذکر ہوگا۔

اس مالی وصیت میں ایک کی طرف سے دوسرے کو انتقال ملکیت ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک انتقال ملکیت کی دو قسمیں ہیں: ایک اختیاری اور دوسری غیر اختیاری۔ اختیاری ملکیت اگر معاوضے سے ہے تو اسے خرید و فروخت کا نام دیا جاتا ہے۔ اگر معاوضے کے بغیر ہے تو اس کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی میں معاوضے کے بغیر اپنی کوئی چیز دوسرے کی ملک میں دے دے۔ اسے ہبہ یا عطیہ کہا جاتا ہے۔ اگر مرنے کے بعد عمل میں آئے تو اسے وصیت کہتے ہیں۔ غیر اختیاری انتقال ملکیت وراثت کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ دین اسلام میں وصیت کا ایک ضابطہ ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

* ابتدائے اسلام میں وصیت فرض تھی کیونکہ دور جاہلیت میں وراثت ان مردوں کو ملتی تھی جو جنگ میں جانے کے قابل ہوتے۔ بوڑھوں، بچوں، عورتوں، یتیموں اور بیواؤں کو ترکے سے کچھ نہیں ملتا تھا۔ قرآن کریم نے حکم دیا کہ مرنے

والا اپنے والدین، یتیموں، بیواؤں اور اپنے غریب رشتے داروں کو کچھ دینے کی وصیت ضرور کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَ ۨالْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴾ ''تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچے اور وہ کچھ مال و دولت چھوڑے جا رہا ہو تو مناسب طور پر والدین اور رشتے داروں کے حق میں وصیت کر جائے۔ یہ وصیت کرنا متقی لوگوں پر فرض ہے۔''[1] اس کے بعد وراثت کی تقسیم کا مفصل ضابطہ نازل ہوا تو وصیت کی فرضیت کو استحباب میں بدل دیا گیا۔

* مرنے کے بعد تجہیز و تکفین کے اخراجات اور قرض وغیرہ کی ادائیگی کے بعد اگر کچھ بچ رہے تو وصیت پر عمل کیا جائے، بصورت دیگر وصیت نافذ العمل نہیں ہوگی۔
* انسان کو اپنے مال یا جائیداد سے $\frac{1}{3}$ حصے کی وصیت کرنے کا حق ہے۔ اس سے زیادہ وصیت کرنے کا حق کسی کے پاس نہیں ہے۔ اگر کوئی اس سے زیادہ کی وصیت کرتا ہے تو تہائی کے اندر ہی اس کی وصیت پوری کی جائے کیونکہ اس سے زیادہ کی وصیت کرنا دوسرے ورثاء کی حق تلفی ہے، اگر ورثاء اجازت دیں تو الگ بات ہے۔
* جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے وہ شرعی طور پر میت کے ترکے کا وارث نہ ہو کیونکہ اس نے ترکے سے حصہ لینا ہے، اسے دوہرا حصہ دینے کی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے جیسا کہ آئندہ اس کی وضاحت ہوگی۔
* وصیت کسی ناجائز کام کے لیے نہ ہو۔ اگر کسی حرام یا مکروہ کام کی وصیت ہے تو اسے پورا نہیں کیا جائے گا، مثلاً: مرنے والے نے وصیت کی کہ مجھے ریشمی کفن دیا جائے یا میری قبر کو پختہ بنایا جائے یا دھوم دھام سے چہلم کیا جائے تو اس صورت میں وصیت پر عمل نہیں ہوگا کیونکہ ان میں کوئی چیز بھی شریعت کی رو سے جائز نہیں۔
* ایسی وصیت بھی کالعدم ہوگی جس کے ذریعے سے کسی وارث کی حق تلفی ہوتی ہو یا اسے نقصان ہوتا ہو۔ قرآن کریم میں وصیت اور قرض کی ادائیگی کا حکم بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ وراثت کی تقسیم وصیت کے نفاذ اور قرض کی ادائیگی کے بعد ہوگی بشرطیکہ وہ قرض اور وصیت کسی کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو۔''[2]
* اگر کوئی شخص غلط یا ناجائز وصیت کر جائے تو پسماندگان کا فرض ہے کہ وہ اس کی اصلاح کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ ''پھر جو شخص کسی وصیت

---

1 البقرة 2:180. 2 النساء 4:12.

کرنے والے کی طرف سے کسی قسم کی جانبداری یا گناہ سے ڈرے تو وہ وارثان کے درمیان اصلاح کرا دے، اس طرح اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔''[1]

* وصیت کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عاقل اور بالغ ہو۔ پورے ہوش و حواس سے وصیت کرے۔ اس کے برعکس اگر کوئی بچہ یا پاگل وصیت کرے گا تو وہ بے کار ہوگی۔ اسی طرح جب تک وصیت کرنے والا زندہ ہے اسے اپنی وصیت سے رجوع کر لینے کا حق باقی ہے۔ اگر کسی نے زبان سے رجوع نہیں کیا مگر اس نے کوئی ایسا طرز عمل اختیار کیا جس سے ثابت ہو کہ اس نے رجوع کر لیا ہے تو بھی وصیت کالعدم ہو جائے گی۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے وصیت کے سلسلے میں ہماری مکمل رہنمائی فرمائی ہے۔ چونکہ وقف بھی وصیت کی ایک قسم ہے، اس لیے انھوں نے وقف کے آداب و شرائط بھی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے ساٹھ مرفوع احادیث اور بائیس آثار پیش کیے ہیں۔ مرفوع احادیث میں سے اٹھارہ معلق ہیں اور اڑتالیس متصل سند سے مروی ہیں۔ ان میں بیالیس مکرر اور اٹھارہ خالص ہیں۔ پانچ احادیث کے علاوہ دیگر احادیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ مصالح عباد پر گہری نظر رکھتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ نصوص کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ اس سے آپ کی وسعت علم اور گہری نظر کا پتہ چلتا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کی گئی احادیث کا مطالعہ کرتے وقت ہماری گزارشات کو ضرور مدنظر رکھیں۔ اللہ تعالیٰ اسے شرف قبولیت سے نوازے اور ہماری نجات کا ذریعہ بنائے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. (آمین)

---

1 البقرۃ 2:182۔

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

55 - كِتَابُ الْوَصَايَا

وصیتوں سے متعلق احکام و مسائل

(١) بَابُ الْوَصَايَا

وَقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «وَصِيَّةُ الرَّجُلِ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ».

وَقَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ ٱلْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا ٱلْوَصِيَّةُ لِلْوَٰلِدَيْنِ﴾ إِلَى ﴿جَنَفًا﴾ [البقرة: ١٨٠-١٨٢]

﴿جَنَفًا﴾: مَيْلًا. (مُتَجَانِفٌ) مُتَمَايِلٌ.

باب: 1- وصیتوں کا بیان

ارشاد نبوی ہے: ''آدمی کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی چاہیے۔''

فرمان الٰہی ہے: ''تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے اگر وہ مال چھوڑ جائے تو والدین (اور قریبی رشتہ داروں) کے لیے دستور کے مطابق وصیت کرے۔ (یہ تقویٰ شعار لوگوں پر واجب حق ہے۔ جو کوئی اسے سننے کے بعد اسے تبدیل کر دے تو اس کا گناہ ان لوگوں پر ہے جو اسے تبدیل کرتے ہیں۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا خوب جاننے والا ہے۔) جو کوئی وصیت کرنے والے کی طرف سے جانبداری کا خطرہ محسوس کرے۔

جَنَفًا کے معنی کسی کی طرف میلان ہونے کے ہے۔ اور مُتَجَانِفٌ کے معنی مائل ہونے والے کے ہیں۔

وضاحت: مذکورہ حدیث ان الفاظ سے کسی کتاب میں نہیں ہے، البتہ روایت بالمعنی کے طور پر مروی ہے جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث آگے آرہی ہے۔[1] اس حدیث میں آدمی کا حوالہ تغلیب کے طور پر ہے کیونکہ اکثر مرد حضرات ہی وصیت

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 2738.

کرتے ہیں اگرچہ اس حکم میں عورتیں بھی شریک ہیں۔ وصیت میں مسلمان ہونے کی بھی شرط نہیں اور نہ اس کے لیے خاوند کی اجازت ہی ضروری ہے۔[1] اس آیت کے مطابق ابتدائے اسلام میں وصیت کرنا ضروری تھا بشرطیکہ اس کے پاس قابل وصیت مال موجود ہو، پھر ورثاء کے لیے اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا جیسا کہ حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے، لہٰذا اب وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں۔''[2] لیکن جس کے لیے میراث میں حصہ نہیں اس کے حق میں وصیت کرنے کا حکم ٹھیک اسی طرح برقرار ہے جیسا کہ پہلے تھا لیکن اس کے ساتھ ایک حدیث کے الفاظ کو مدنظر رکھنا ہوگا جس کے الفاظ ہیں: ''وہ وصیت کرنا چاہتا ہو۔''[3] ہمارے رجحان کے مطابق اس شخص کے لیے وصیت کرنا واجب ہے جس پر دوسروں کے حقوق ہوں، مثلاً: امانت اور قرض وغیرہ اور ان حقوق سے وصیت کے علاوہ چھٹکارا حاصل کرنا بھی ممکن نہ ہو، نیز اس کے پاس مال بھی ہو۔ جس میں یہ شرائط نہ پائی جائیں اس کے لیے وصیت کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ آیت کریمہ میں لفظ جَنَفاً کی مناسبت سے امام بخاری ؒ نے ایک اور لفظ کی لغوی تفسیر فرمائی ہے: قرآن مجید میں ﴿غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ﴾[4] ہے۔ ابوعبیدہ نے متجانف کے معنی ''مائل'' کیے ہیں جبکہ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں: جان بوجھ کر کسی گناہ کا ارادہ رکھنے والا۔[5]

٢٧٣٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَا حَقُّ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ».

[2738] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ''کسی مسلمان کے لیے یہ لائق نہیں کہ وہ اپنی کسی چیز میں وصیت کرنا چاہتا ہو مگر دو راتیں بھی اس حالت میں گزارے کہ اس کے پاس وصیت تحریری شکل میں موجود نہ ہو۔''

تَابَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ عَمْرٍو، عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

محمد بن مسلم نے عمرو کے ذریعے سے ابن عمر ؓ کے نبی ﷺ سے روایت کرنے میں مالک کی متابعت کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① امام مسلم ؒ نے یہ روایت ذکر کرنے کے بعد ابن عمر ؓ کا یہ فرمان بھی نقل کیا ہے: جب سے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے میں نے ایک رات بھی ایسی نہیں گزاری کہ میری وصیت میرے پاس نہ ہو۔[6] اس حدیث میں تحریری وصیت کا ذکر مبالغے کے طور پر ہے کہ اس کا اہتمام کرنا چاہیے ورنہ کتابت کے بغیر بھی وصیت کو گواہی کے ساتھ قبول کیا جاتا ہے۔ ② اس حدیث کے مطابق وصیت کا لکھا ہوا ہونا ہر وقت ضروری ہے کیونکہ موت کا علم نہیں کب اللہ کی طرف سے پیغام آجائے اور انسان کا اخروی سفر شروع ہو جائے۔ اس بنا پر سفر کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے اور دنیوی طور پر

---

1 فتح الباري: 437/5. 2 سنن ابن ماجه، الوصايا، حديث: 2712. 3 صحيح البخاري، الوصايا، حديث: 2738.
4 المائدة 3:5. 5 فتح الباري: 438/5. 6 صحيح مسلم، الوصية، حديث: 4207 (1627).

جولین دین ہے وہ لکھا ہوا اپنے پاس تیار رکھے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے عمل سے پتہ چلتا ہے۔ ③ حدیث کے آخر میں ذکر کردہ متابعت کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے جس کے الفاظ مذکورہ حدیث سے کچھ مختلف ہیں۔[1] بہرحال انسان جن فرائض وواجبات میں کوتاہی کا مرتکب ہوا ہے، ان کے لیے وصیت ضروری ہے اور جن میں کوتاہی نہیں کی ان کے لیے مستحب ہے۔ واللہ أعلم.

٢٧٣٩ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْحَارِثِ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُعْفِيُّ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ خَتَنِ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَخِي جُوَيْرِيَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَ: مَا تَرَكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عِنْدَ مَوْتِهِ دِرْهَمًا وَّلَا دِينَارًا، وَلَا عَبْدًا وَّلَا أَمَةً وَّلَا شَيْئًا إِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ وَسِلَاحَهُ وَأَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً. [انظر: ٢٨٧٣، ٢٩١٢، ٣٠٩٨، ٤٤٦١]

[2739] حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جو رسول اللہ ﷺ کے سسرالی رشتہ دار اور حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے وفات کے وقت نہ کوئی درہم و دینار، نہ کوئی غلام لونڈی اور نہ کوئی اور چیز ہی چھوڑی۔ صرف ایک سفید خچر، ہتھیار اور کچھ زمین چھوڑی جسے آپ نے صدقہ کر دیا تھا۔

فوائد ومسائل: ① وہ زمین جسے رسول اللہ ﷺ نے بحالت صحت وقف کر دیا تھا وہ خیبر میں واقع تھی جیسا کہ صحیح بخاری ہی میں اس کی وضاحت ہے۔[2] ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اس کی پیداوار مسافروں کے لیے وقف کر دی تھی۔[3] ② وقف کا اثر بھی وصیت کی طرح مرنے کے بعد جاری رہتا ہے، اس لیے وقف کو وصیت کے تحت ذکر کیا ہے، نیز رسول اللہ ﷺ کا کوئی ترکہ ایسا نہیں تھا جو قابل وصیت ہو، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے وفات کے وقت نہ کوئی درہم و دینار، نہ کوئی اونٹ بکری چھوڑی اور نہ آپ نے کسی قسم کی (مالی) وصیت ہی فرمائی۔[4] رسول اللہ ﷺ کا وفات کے وقت کوئی مال نہ تھا اور نہ وصیت ہی ہوئی، البتہ کتاب اللہ کی اتباع کے متعلق ضرور وصیت فرمائی جیسا کہ آئندہ حدیث میں اس کا ذکر ہوگا۔

٢٧٤٠ - حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى: حَدَّثَنَا مَالِكٌ - هُوَ ابْنُ مِغْوَلٍ -: حَدَّثَنَا طَلْحَةُ بْنُ مُصَرِّفٍ قَالَ: سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: هَلْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَوْصَى؟ فَقَالَ: لَا، فَقُلْتُ: كَيْفَ كُتِبَ عَلَى النَّاسِ الْوَصِيَّةُ أَوْ

[2740] حضرت طلحہ بن مصرف سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: آیا نبی ﷺ نے کسی چیز کی وصیت کی تھی؟ انھوں نے فرمایا: نہیں۔ میں نے کہا: پھر لوگوں پر وصیت کرنا کیوں فرض کیا گیا ہے؟ یا لوگوں کو وصیت کرنے کا کیوں حکم

---

1 سنن الدارقطني: 4/90، وفتح الباري: 5/439. 2 صحيح البخاري، الجهاد، حديث: 2912. 3 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4461. 4 صحيح مسلم، الوصية، حديث: 4229 (1635).

أُمِرُوا بِالْوَصِيَّةِ؟ قَالَ: أَوْصٰى بِكِتَابِ اللهِ. [انظر: ٤٤٦٠، ٥٠٢٢]

دیا گیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: (ہاں،) آپ ﷺ نے کتاب اللہ پر عمل پیرا رہنے کی ضرور وصیت کی تھی۔

فوائد ومسائل: ① حضرت ابن ابی اوفیٰ ؓ کا مطلب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مال کی وصیت نہیں کی کیونکہ آپ نے کوئی مال نہیں چھوڑا تھا۔ حضرت طلحہ بن مصرف نے اس حکم کو عام خیال کر کے دوبارہ سوال کیا کہ لوگوں پر وصیت کیوں فرض کی گئی ہے؟ تو انھوں وضاحت فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ نے کتاب اللہ پر عمل کرنے کی وصیت کی تھی، چنانچہ ابن حبان کی روایت میں وضاحت ہے، حضرت ابن ابی اوفیٰ ؓ سے سوال ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی وصیت فرمائی تھی؟ انھوں نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ نے کوئی چیز قابل وصیت نہیں چھوڑی تھی۔ پھر سوال ہوا کہ جب آپ نے کوئی وصیت نہیں فرمائی تو لوگوں کو وصیت کرنے کا حکم کیوں دیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑنے کی وصیت فرمائی تھی۔[1] الغرض مال یا خلافت کے متعلق وصیت کی نفی ہے اور کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑنے کی وصیت کا اثبات ہے۔ ② جب تک لوگ اس وصیت پر عمل پیرا رہے دینوی ترقی کی راہ پر گامزن رہے اور جب قرآن وحدیث کو چھوڑ دیا ذلت ورسوائی ان کا مقدر بن گئی، پھر مسلمان فرقوں میں بٹ کر مغلوب ہو گئے۔

٢٧٤١ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ: أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ: ذَكَرُوا عِنْدَ عَائِشَةَ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا كَانَ وَصِيًّا فَقَالَتْ: مَتٰى أَوْصٰى إِلَيْهِ وَقَدْ كُنْتُ مُسْنِدَتَهُ إِلٰى صَدْرِي؟ أَوْ قَالَتْ: حَجْرِي، فَدَعَا بِالطَّسْتِ فَلَقَدِ انْخَنَثَ فِي حَجْرِي فَمَا شَعَرْتُ أَنَّهُ قَدْ مَاتَ، فَمَتٰى أَوْصٰى إِلَيْهِ؟. [انظر: ٤٤٥٩]

[2741] حضرت اسود بن یزید سے روایت ہے کہ لوگوں نے حضرت عائشہ ؓ کے پاس حضرت علی ؓ کے وصی ہونے کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا: آپ نے حضرت علی ؓ کو کب وصیت فرمائی؟ حالانکہ (آخری لمحات میں) میں نے آپ کو اپنے سینے سے لگایا ہوا تھا۔ یا فرمایا: میں انھیں اپنی گود میں رکھے ہوئے تھی، تب آپ نے پانی کا طشت منگوایا، اتنے میں آپ کا سر مبارک میری جھولی میں جھک گیا۔ مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ آپ وفات پا چکے ہیں، تو آپ نے (حضرت علی ؓ کے لیے) وصیت کب فرمائی؟

فائدہ: حضرت عائشہ ؓ نے ایک خاص وصیت کا انکار کیا ہے کہ بیماری سے لے کر وفات تک رسول اللہ ﷺ میرے ہی پاس رہے اور آپ نے میری ہی گود میں انتقال فرمایا۔ اگر آپ نے حضرت علی ؓ کو وصی بنایا ہوتا یا آپ کو خلیفہ مقرر کیا ہوتا تو کم از کم مجھے تو اس کا علم ضرور ہوتا۔ اس بنا پر یہ پروپیگنڈا بے بنیاد ہے کہ حضرت علی ؓ رسول اللہ ﷺ کے وصی یا آپ کے نامزد خلیفہ ہیں۔ خود حضرت علی ؓ نے بھی اس مزعومہ وصیت کی پرزور تردید کی ہے۔ فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے دانہ اُگایا اور جان

1 صحیح ابن حبان: 382/13، وفتح الباري: 443/5.

کو پیدا کیا! ہمارے پاس تو اللہ کی کتاب اور جو کچھ اس صحیفے میں ہے، ان کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے۔[1] اس کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے خلافت سے پہلے یا اس کے بعد کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ اور سقیفہ کے دن بھی کسی نے اس وصیت کا اشارہ تک نہیں کیا۔ یہ محض رافضیوں کا بے بنیاد پروپیگنڈا ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں۔

(٢) بَابٌ: أَنْ يَتْرُكَ وَرَثَتَهُ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ يَتَكَفَّفُوا النَّاسَ

٢٧٤٢ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ سَعْدِ ابْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: جَاءَ النَّبِيُّ ﷺ يَعُودُنِي وَأَنَا بِمَكَّةَ، وَهُوَ يَكْرَهُ أَنْ يَمُوتَ بِالْأَرْضِ الَّتِي هَاجَرَ مِنْهَا، قَالَ: «يَرْحَمُ اللهُ ابْنَ عَفْرَاءَ» قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أُوصِي بِمَالِي كُلِّهِ؟ قَالَ: «لَا»، قُلْتُ: فَالشَّطْرُ؟ قَالَ: «لَا»، قُلْتُ: اَلثُّلُثُ؟ قَالَ: «فَالثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ، إِنَّكَ أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ فِي أَيْدِيهِمْ، وَإِنَّكَ مَهْمَا أَنْفَقْتَ مِنْ نَّفَقَةٍ فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ حَتَّى اللُّقْمَةُ تَرْفَعُهَا إِلٰى فِي امْرَأَتِكَ، وَعَسَى اللهُ أَنْ يَّرْفَعَكَ فَيَنْتَفِعَ بِكَ نَاسٌ وَيُضَرَّ بِكَ آخَرُونَ». وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ يَوْمَئِذٍ إِلَّا ابْنَةٌ. [راجع: ٥٦].

باب: 2- اپنے ورثاء کو مال دار چھوڑنا، اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر مانگتے پھریں

[2742] حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ میری تیمار داری کے لیے تشریف لائے جبکہ میں مکہ مکرمہ میں تھا اور آپ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ اس کی وفات اس سرزمین میں ہو جہاں سے وہ ہجرت کر چکے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ عفراء کے بیٹے پر رحم فرمائے۔“ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا میں اپنے تمام مال کی وصیت کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: ”نہیں۔“ میں نے عرض کیا: اپنے نصف مال کی؟ آپ نے فرمایا: ”نہیں۔“ پھر میں نے عرض کیا: ایک تہائی کی وصیت کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں، تیسرے حصے کی وصیت درست ہے لیکن یہ بھی زیادہ ہے، کیونکہ تم اگر اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑ جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ انھیں تنگ دست و محتاج چھوڑو کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلا کر مانگتے پھریں۔ تم جو مال بھی خرچ کرو گے وہ تمھارے لیے صدقہ ہوگا حتی کہ وہ لقمہ جسے تم توڑ کر اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے وہ بھی صدقہ ہے۔ یقیناً تیری عمر دراز ہوگی اور اللہ تعالیٰ تمھیں بلند مرتبہ عطا فرمائے گا کہ کچھ لوگ تمھاری ذات سے فائدہ اٹھائیں گے جبکہ کچھ لوگوں کو تمھاری وجہ سے نقصان پہنچے گا۔“ اس وقت حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی صرف

[1] صحيح البخاري، الديات، حديث: 6915.

ایک بیٹی تھی۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے الفاظ ہی کو عنوان قرار دیا ہے، شاید ان کا مقصد یہ ہو کہ جس کے پاس مال تھوڑا ہو یا بالکل نہ ہو اس شخص کا وصیت کرنا اچھا نہیں۔[1] بعض لوگ دینی طور پر بڑے انتہا پسند ہوتے ہیں۔ انھیں اپنے شرعی ورثاء کو محروم کر کے اپنی آخرت بنانے کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس فکر کو پسند نہیں فرمایا۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وصیت ایک تہائی سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ اگر کوئی اس حد سے بڑھ جائے تو اسے نافذ نہیں کیا جائے گا جبکہ اس کے وارث موجود ہوں، ہاں اگر وارث اجازت دے دیں تو ایک تہائی سے زیادہ وصیت نافذ کی جاسکتی ہے، نیز اگر اس کے وارث نہ ہوں تو بھی تہائی سے زائد وصیت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ③ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا مذکورہ واقعہ فتح مکہ کا ہے یا حجۃ الوداع کا، اس سلسلے میں مختلف روایات ہیں۔ ممکن ہے دونوں مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا ہو۔ پہلی مرتبہ فتح مکہ کے موقع پر ایسا ہوا جبکہ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی اور دوسری دفعہ حجۃ الوداع میں بیمار ہوئے جبکہ ان کے ہاں صرف ایک بیٹی تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں چالیس سال تک زندہ رکھا۔ ان کے چار بیٹے اور بارہ بیٹیاں تھیں۔ انھوں نے ایران فتح کیا۔ کوفہ کے گورنر بنے۔ غنیموں سے مسلمانوں کو مالا مال کیا اور کفار ومشرکین کو ان کے جنگ وقتال سے زبردست نقصان اٹھانا پڑا۔ آپ مستجاب الدعوات تھے، یعنی اللہ تعالیٰ آپ کی دعا قبول فرماتا تھا چنانچہ کوفہ کے ایک شکایت کرنے والے کو آپ کی بددعا سے بہت نقصان ہوا۔[2]

(۳) بَابُ الْوَصِيَّةِ بِالثُّلُثِ

باب: 3- ایک تہائی مال کی وصیت کرنا

وَقَالَ الْحَسَنُ: لَا يَجُوزُ لِلذِّمِّيِّ وَصِيَّةٌ إِلَّا بِالثُّلُثِ: وَقَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ اللَّهُ﴾ [المائدة: ٤٩].

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ذمی کے لیے بھی ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”آپ ان کے درمیان بھی اسی حکم کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے اتارا۔“

وضاحت: مسلمان اور ذمی کے لیے ایک ہی حکم ہے اور ایک تہائی سے زیادہ وصیت جائز نہیں۔ اگر ذمی اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی جھگڑا لے کر آئیں تو آپ حکم الٰہی کے مطابق یہی فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں کہ ایک تہائی سے زیادہ وصیت نافذ نہ کی جائے۔ شارح بخاری ابن منیر فرماتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ آیت بطور دلیل پیش کی ہے، کسی کا رد کرنا مقصود نہیں، کیونکہ ذمی حضرات کے لیے بھی وہی فیصلہ ہوگا جو عام مسلمانوں کے لیے ہے جبکہ وہ اسلامی عدالت میں اپنا معاملہ پیش کریں۔[3]

---

1 فتح الباري: 445/5. 2 فتح الباري: 447،446/5. 3 فتح الباري: 453/5.

٢٧٤٣ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَوْ غَضَّ النَّاسُ إِلَى الرُّبُعِ لِأَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «اَلثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ».

[2743] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: کاش کہ لوگ وصیت میں چوتھائی تک کمی کر لیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’ایک تہائی تک وصیت کرو۔ وصیت کی یہ مقدار بھی بہت زیادہ یا بہت بڑی ہے۔‘‘

٢٧٤٤ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ عَدِيٍّ: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ عَنْ هَاشِمِ بْنِ هَاشِمٍ، عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: مَرِضْتُ فَعَادَنِي النَّبِيُّ ﷺ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أُدْعُ اللهَ أَنْ لَا يَرُدَّنِي عَلَى عَقِبِي، قَالَ: «لَعَلَّ اللهَ يَرْفَعُكَ وَيَنْفَعُ بِكَ نَاسًا». فَقُلْتُ: أُرِيدُ أَنْ أُوصِيَ، وَإِنَّمَا لِيَ ابْنَةٌ، فَقُلْتُ: أُوصِي بِالنِّصْفِ؟ قَالَ: «النِّصْفُ كَثِيرٌ»، قُلْتُ: فَالثُّلُثُ؟ قَالَ: «اَلثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ أَوْ كَبِيرٌ»، قَالَ: وَأَوْصَى النَّاسُ بِالثُّلُثِ فَجَازَ ذٰلِكَ لَهُمْ. [راجع: ٥٦].

[2744] حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں بیمار ہوا تو نبی ﷺ میری تیمار داری کے لیے تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ میرے لیے اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے ایڑیوں کے بل واپس نہ کر دے، (یعنی مکہ میں مجھے موت نہ آئے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’شاید اللہ تعالیٰ تمھیں دراز عمر دے اور لوگوں کو تم سے نفع پہنچائے۔‘‘ میں نے عرض کیا: میرا وصیت کرنے کا ارادہ ہے اور میری ایک ہی بیٹی ہے، کیا میں آدھے مال کی وصیت کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ’’نصف مال تو زیادہ ہے۔‘‘ میں نے عرض کیا: تہائی مال کی وصیت کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ’’ہاں ثلث ٹھیک ہے لیکن ثلث کی مقدار بھی زیادہ یا بڑی ہے۔‘‘ راوی کہتا ہے کہ لوگ ایک تہائی مال کی وصیت کرنے لگے کیونکہ تہائی کی مقدار کو آپ نے ان کے لیے جائز قرار دیا۔

فوائد و مسائل: ① امت کا اس امر پر اجماع ہے کہ جس میت کا وارث ہو، ایک تہائی سے زیادہ وصیت اس کے لیے جائز نہیں لیکن اگر کوئی وارث نہ ہو تو کیا تہائی سے زیادہ کی وصیت کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ جمہور اہل علم کہتے ہیں: تہائی مال سے زیادہ وصیت کرنا کسی صورت میں جائز نہیں۔ ایک تہائی بطور وصیت خرچ کرنے کے بعد دو تہائی بیت المال میں جمع کر دیا جائے، لیکن احناف کا موقف ہے کہ وارث نہ ہونے کی صورت میں تہائی مال سے زیادہ وصیت جائز ہے کیونکہ قرآن کریم نے مطلق طور پر وصیت کا ذکر کیا ہے، پھر سنت نے اسے مقید کیا ہے کہ ورثاء موجود ہونے کی صورت میں ایک تہائی تک وصیت کی جائے۔ جس کا وارث نہ ہو وہ قرآن کریم کے اطلاق پر رہے گا اور تہائی سے زیادہ وصیت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہمارے رجحان کے مطابق ورثاء کی عدم موجودگی میں ایک تہائی سے زیادہ وصیت کی جا سکتی ہے کیونکہ وصیت کی تعیین صرف حقوق ورثاء کے پیش نظر ہے

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے فرمایا تھا، اس لیے اگر ورثاء نہیں ہیں تو ایک تہائی سے زیادہ وصیت کی جاسکتی ہے۔ واضح رہے کہ وصیت کسی برے کام کے لیے نہیں ہونی چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "اللہ تعالیٰ نے تم پر تمھاری وفات کے وقت تمھارے تہائی مال کے بدلے تمھاری نیکیوں میں اضافے کا صدقہ کیا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے سے تمھارے اچھے اعمال میں اضافہ کرے۔"[1] یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ تہائی مال کی وصیت نیکیوں میں اضافے کا باعث ہے اور گناہ کے کام میں وصیت کرنا جائز نہیں کیونکہ کتاب وسنت نے گناہ سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ واللہ أعلم. ② امام بخاری رحمہ اللہ نے تہائی مال کی مشروعیت کو بیان کیا ہے۔ اگر ورثاء فقیر ہوں تو بہتر ہے کہ تہائی مال سے کم کی وصیت کی جائے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے۔ اگر ورثاء مال دار ہیں تو پھر تہائی مال تک وصیت کی گنجائش ہے۔

(٤) بَابُ قَوْلِ الْمُوصِي لِوَصِيِّهِ: تَعَاهَدْ لِوَلَدِي، وَمَا يَجُوزُ لِلْوَصِيِّ مِنَ الدَّعْوٰى

باب: 4- وصیت کرنے والے کا اپنے وصی سے کہنا کہ میرے بیٹے کا خیال رکھنا، نیز وصی کس قسم کا دعویٰ کرسکتا ہے؟

٢٧٤٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ عُتْبَةُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ عَهِدَ إِلَى أَخِيهِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّ ابْنَ وَلِيدَةِ زَمْعَةَ مِنِّي فَاقْبِضْهُ إِلَيْكَ، فَلَمَّا كَانَ عَامُ الْفَتْحِ أَخَذَهُ سَعْدٌ فَقَالَ: ابْنُ أَخِي قَدْ كَانَ عَهِدَ إِلَيَّ فِيهِ، فَقَامَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ فَقَالَ: أَخِي وَابْنُ أَمَةِ أَبِي، وُلِدَ عَلٰى فِرَاشِهِ، فَتَسَاوَقَا إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ سَعْدٌ: يَا رَسُولَ اللهِ! ابْنُ أَخِي كَانَ عَهِدَ إِلَيَّ فِيهِ، فَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ: هُوَ أَخِي وَابْنُ وَلِيدَةِ أَبِي، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ! اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ»، ثُمَّ قَالَ لِسَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ: «اِحْتَجِبِي مِنْهُ» لِمَا رَأٰى

[2745] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ زمعہ کی لونڈی کا فرزند میرے نطفے سے ہے، اسے اپنے قبضے میں لے لینا، چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔ اس کے متعلق میرے بھائی نے مجھے وصیت کی تھی۔ تب عبد بن زمعہ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: یہ تو میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی لونڈی کا بیٹا ہے جو اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنا جھگڑا لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے اور اس نے مجھے اس کے متعلق وصیت کی تھی۔ عبد بن زمعہ نے کہا: یہ میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی لونڈی کا بیٹا ہے۔

1 سنن ابن ماجه، الوصايا، حديث: 2709.

مِنْ شَبَهِهِ بِعُتْبَةَ، فَمَا رَآهَا حَتَّى لَقِيَ اللهَ. [راجع: ٢٠٥٣]

رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا: ''اے عبد بن زمعہ! یہ تمھارا ہے کیونکہ بچہ اسی کا ہوگا جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔'' اس کے بعد آپ نے ام المومنین حضرت سودہ ؓ سے فرمایا: ''اس سے پردہ کرو۔'' کیونکہ آپ نے عتبہ سے اس کی مشابہت دیکھی تھی، چنانچہ اس لڑکے نے حضرت سودہ ؓ کو کبھی نہ دیکھا حتی کہ وہ اللہ سے جا ملا۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ کا قائم کیا ہوا عنوان دو اجزاء پر مشتمل ہے: ○ وصیت کرنے والے کا وصی سے اپنے بچے کی نگہداشت کا کہنا۔ ○ وصی کس قسم کا دعویٰ کر سکتا ہے؟ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ اپنے بھائی عتبہ کے وصی تھے۔ اس نے حضرت سعد سے کہا تھا کہ میرے نطفے سے پیدا ہونے والے بچے کی نگہداشت کرنا اور اسے اپنے پاس رکھنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وصیت کرنے والا کسی کو اپنی اولاد کی نگہداشت کے متعلق کہہ سکتا ہے۔ اس میں شرعی طور پر کوئی خرابی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا انکار نہیں کیا، نیز وصی کسی کے متعلق یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ فلاں لڑکا فلاں کا بیٹا ہے۔ حضرت سعد ؓ نے اس قسم کا دعویٰ کیا اگرچہ فیصلہ اس کے خلاف ہوا، تاہم دعویٰ کرنے میں شرعی طور پر کوئی خرابی نہیں۔ ② امام بخاری ؒ نے کتاب الخصومات میں بھی ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: [بَابُ دَعْوَى الْوَصِيِّ لِلْمَيِّتِ] ''وصی کا میت کی طرف سے دعویٰ کرنا۔'' وہاں بھی ثبوت کے لیے یہی حدیث پیش کی ہے۔ بہر حال اس حدیث سے عنوان کے دونوں جز ثابت ہوتے ہیں۔ واللہ المستعان.

(٥) بَابٌ: إِذَا أَوْمَأَ الْمَرِيضُ بِرَأْسِهِ إِشَارَةً بَيِّنَةً تُعْرَفُ

باب: 5- مریض اگر سر سے واضح اشارہ کرے تو جائز ہے

٢٧٤٦ - حَدَّثَنَا حَسَّانُ بْنُ أَبِي عَبَّادٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ يَهُودِيًّا رَضَّ رَأْسَ جَارِيَةٍ بَيْنَ حَجَرَيْنِ، فَقِيلَ لَهَا: مَنْ فَعَلَ بِكِ؟ أَفُلَانٌ أَفُلَانٌ؟ حَتَّى سُمِّيَ الْيَهُودِيُّ، فَأَوْمَأَتْ بِرَأْسِهَا فَجِيءَ بِهِ فَلَمْ يَزَلْ حَتَّى اعْتَرَفَ فَأَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ فَرُضَّ رَأْسُهُ بِالْحِجَارَةِ. [راجع: ٢٤١٣]

[2746] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے کسی لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا۔ لڑکی سے پوچھا گیا: تیرے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا ہے؟ کیا فلاں شخص نے یا فلاں شخص نے کیا ہے؟ حتی کہ اس یہودی کا نام لیا گیا تو اس نے اپنے سر سے اشارہ کیا (ہاں)، چنانچہ اس یہودی کو پکڑ کر لایا گیا۔ اس سے مسلسل باز پرس ہوتی رہی حتی کہ اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا، پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم پر اس کا سر بھی پتھر سے کچل دیا گیا۔

فائدہ: اس مقام پر دو مسئلے ہیں جن کی وضاحت یہ ہے کہ اشارے سے وصیت کا ثبوت ہوسکتا ہے کیونکہ اشارہ، کلام کے قائم مقام ہے بشرطیکہ اشارہ واضح ہو، اس سے مقصد میں کسی قسم کا شک پیدا نہ ہوتا ہو۔ اشارہ سر سے کیا جائے یا ہاتھ سے، اگر حاضرین مقصد سمجھ جاتے ہیں تو وصیت کے لیے کافی ہے۔ بعض حضرات کا موقف ہے کہ مریض کے اشارے سے کسی وصیت کا ثبوت نہیں ہوگا جب تک کلام نہ کرے، لیکن یہ موقف حدیث بالا کے پیش نظر محل نظر ہے۔ دوسرا مسئلہ قصاص کا ہے۔ وہ اشارے سے ثابت نہیں ہوگا جب تک کہ ملزم اپنی زبان سے اس کا اعتراف نہ کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے قصاص کا حکم اشارے سے گواہی کی بنا پر نہیں دیا بلکہ یہودی کے اقرار جرم کے بعد اس کا سر کچلا گیا، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الدیات میں خود ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: [بَابُ: إِذَا أَقَرَّ بِالْقَتْلِ مَرَّةً قُتِلَ بِهِ] ''جب کوئی شخص ایک مرتبہ قتل کا اقرار کرے تو اسے قصاص کے طور پر قتل کیا جائے گا۔'' وہاں دلیل کے طور پر یہی حدیث پیش کی گئی ہے۔

(٦) بَابٌ: لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ

باب:6- کسی وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں

وضاحت: یہ عنوان دراصل ایک مرفوع حدیث ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط کے مطابق نہ تھی، اسے حسب عادت عنوان بنا دیا۔ اس حدیث کو بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے حتی کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں: [إِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ] ''اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے، لہٰذا اب کسی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں۔''[1] ایک روایت میں ہے: [لَا تَجُوزُ وَصِيَّةٌ لِوَارِثٍ إِلَّا أَنْ يَّشَاءَ الْوَرَثَةُ] ''وارث کے لیے وصیت جائز نہیں، ہاں اگر ورثاء راضی ہوں تو جائز ہے۔''[2] مگر یہ روایت منکر اور ضعیف ہے۔ دیکھیے: (الإرواء: 96/6)

٢٧٤٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ وَّرْقَاءَ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ الْمَالُ لِلْوَلَدِ، وَكَانَتِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ؛ فَنَسَخَ اللهُ مِنْ ذٰلِكَ مَا أَحَبَّ فَجَعَلَ لِلذَّكَرِ مِثْلَ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ، وَجَعَلَ لِلْأَبَوَيْنِ لِكُلِّ وَّاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسَ، وَجَعَلَ لِلْمَرْأَةِ الثُّمُنَ وَالرُّبُعَ، وَّلِلزَّوْجِ الشَّطْرَ وَالرُّبُعَ. [انظر: ٤٥٧٨، ٦٧٣٩]

[2747] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ابتدائے اسلام میں مال، اولاد کے لیے تھا اور والدین کے لیے وصیت تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے جو چاہا منسوخ کر دیا اور مذکر کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ قرار دیا، ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا چھٹا حصہ مقرر کر دیا، نیز بیوی کو آٹھواں یا چوتھا اور شوہر کو نصف یا چوتھا حصہ دیا۔

1 جامع الترمذي، الوصايا، حديث: 2121. 2 سنن الدارقطني: 37/2.

فوائد و مسائل: ① قرآن کریم میں ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ "جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچے اور وہ کچھ مال و دولت چھوڑے جا رہا ہو تو مناسب طور پر والدین اور رشتے داروں کے حق میں وصیت کرنا تم پر فرض کر دیا گیا ہے۔"[1] اس کے بعد مذکورہ بالا حدیث یا آیت میراث کے ذریعے سے والدین کے لیے وصیت کو منسوخ کر دیا گیا اور والدین کے لیے باقاعدہ حصہ مقرر کر دیا گیا کہ اولاد ہونے کی صورت میں انھیں چھٹا چھٹا حصہ دیا جائے گا۔ گویا وراثت اور وصیت دونوں والدین کے لیے جمع نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح وارث کے لیے وصیت اور وراثت دونوں جمع نہیں ہوں گے۔ جیسے والدین کے لیے وصیت کو منسوخ کر دیا اسی طرح وارث کے لیے بھی وصیت کو منسوخ کر دیا۔ ② اس بات پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ اگر کسی نے اپنے بھائی کے لیے وصیت کی جبکہ اس کا کوئی بیٹا نہ ہو جو بھائی کے لیے وراثت سے محرومی کا باعث ہے، پھر موصی کے مرنے سے پہلے پہلے اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو بھائی کے لیے وصیت جائز ہو گی کیونکہ اب وہ ترکے سے حصہ نہیں لے سکتا۔ بیٹے کی پیدائش سے پہلے اس کے لیے وصیت جائز نہیں تھی کیونکہ اس صورت میں وہ ترکے میں حق دار تھا۔ اسی طرح اگر کسی نے اپنے بھائی کے لیے وصیت کی جبکہ اس کا بیٹا بھی موجود تھا، پھر اتفاق سے موصی کی وفات سے پہلے پہلے اس کے بیٹے کا انتقال ہو گیا تو اس صورت میں بھائی کے لیے وصیت جائز نہیں ہو گی کیونکہ بیٹے کے فوت ہونے پر بھائی عصبہ ہونے کی حیثیت سے وارث بن گیا اور وارث کے لیے وصیت جائز نہیں۔[2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ورثاء کے لیے حصوں کی وضاحت ہم آئندہ کتاب الفرائض میں کریں گے۔ بإذن الله تعالىٰ.

(٧) بَابُ الصَّدَقَةِ عِنْدَ الْمَوْتِ

باب: 7- وفات کے وقت صدقہ کرنا

٢٧٤٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عُمَارَةَ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «أَنْ تَصَدَّقَ وَأَنْتَ صَحِيحٌ حَرِيصٌ، تَأْمُلُ الْغِنَى، وَتَخْشَى الْفَقْرَ، وَلَا تُمْهِلْ حَتَّى إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ قُلْتَ: لِفُلَانٍ كَذَا، وَلِفُلَانٍ كَذَا، وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ». [راجع: ١٤١٩]

[2748] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا: اللہ کے رسول! کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: "وہ صدقہ جو تندرستی کی حالت میں کیا جائے، اس کا تمھیں لالچ بھی ہو، نیز اس کی وجہ سے مالدار ہونے کی امید اور خرچ کرنے سے تنگ دستی کا ڈر بھی ہو۔ صدقہ کرنے میں اس قدر دیر نہ کی جائے کہ جب روح حلق تک پہنچ جائے تو کہنے لگے: فلاں کے لیے اتنا مال اور فلاں کے لیے اتنا مال ہے، حالانکہ وہ تو فلاں کے لیے ہو چکا ہے۔"

---

[1] البقرة 2:180. [2] فتح الباري: 5/457.

فوائد و مسائل: ① پہلے اور دوسرے فلاں سے مراد وہ شخص ہے جس کے لیے وصیت کی جائے اور آخری فلاں سے مراد شرعی وارث ہے اگر وہ چاہے تو اس کی وصیت کو نافذ کر دے اور اگر چاہے تو اسے رد کر دے کیونکہ اب وصیت کا نفاذ اس کے اختیار پر موقوف ہے۔ ② دراصل بیماری کی دو حالتیں ہیں: ایک یہ ہے کہ انسان صاحب فراش ہو جائے، دوسری یہ ہے کہ انسان پر موت کے آثار نمایاں ہوں۔ پہلی حالت میں صدقہ اور وصیت جائز ہے اگرچہ افضل یہ ہے کہ یہ کام تندرستی کے وقت کیا جائے۔ دوسری حالت میں جب روح گلے کے قریب پہنچ جائے اور اس پر نزع کی حالت طاری ہو تو اس وقت وصیت یا صدقہ جائز نہیں اور نہ وہ آدمی مزید کسی قسم کے تصرف ہی کا اختیار رکھتا ہے۔ ③ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو زندگی اور تندرستی کی حالت میں کیا جائے جبکہ اسے خود بھی اس کی ضرورت ہو۔ موت و حیات کی کشمکش میں صدقہ یا وصیت جائز نہیں کیونکہ اس حالت میں مال اس کی ملکیت سے نکل چکا ہوتا ہے۔ ④ کسی بزرگ نے خوب کہا ہے: انتہا پسند مال دار اپنے مال کے بارے میں دو دفعہ اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں: ایک اس وقت جب زندگی میں مال ان کے پاس ہوتا ہے تو بخل سے کام لیتے ہیں اور دوسرا اس وقت جب مال موت کے وقت ان کے ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے تو اسراف کرتے ہیں کہ فلاں کو اتنا دے دو، فلاں کو اتنا دے دو، حالانکہ اس وقت وہ اس کا مالک نہیں ہوتا۔[1]

(٨) بَابُ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَآ أَوْ دَيْنٍ﴾ [النساء: ١١]

باب: 8- ارشاد باری تعالیٰ کی تفسیر ”(یہ تقسیم میت کی طرف سے کی گئی) وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد ہوگی“

وَيُذْكَرُ أَنَّ شُرَيْحًا، وَعُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ، وَطَاوُسًا، وَعَطَاءً وَابْنَ أُذَيْنَةَ أَجَازُوا إِقْرَارَ الْمَرِيضِ بِدَيْنٍ.

بیان کیا جاتا ہے کہ قاضی شریح، حضرت عمر بن عبدالعزیز، جناب طاؤس، حضرت عطاء اور ابن اذینہ ؒ نے مریض کی طرف سے دین (قرض) کے اقرار کو جائز کہا ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ: أَحَقُّ مَا تَصَدَّقَ بِهِ الرَّجُلُ آخِرَ يَوْمٍ مِّنَ الدُّنْيَا وَأَوَّلَ يَوْمٍ مِّنَ الْآخِرَةِ.

حسن بصری ؒ نے کہا: آدمی کا سب سے زیادہ لائق صدقہ وہ ہے جب دنیا میں اس کا آخری اور آخرت میں پہلا دن ہو۔

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ وَالْحَكَمُ: إِذَا أَبْرَأَ الْوَارِثَ مِنَ الدَّيْنِ بَرِئَ.

حضرت ابراہیم نخعی اور حکم بن عتیبہ ؒ کہتے ہیں: جب مریض کسی وارث کو قرض سے بری قرار دے دے تو وہ بری ہو جائے گا۔

1 فتح الباري: 458/5.

وَأَوْصَى رَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ أَنْ لَا تُكْشَفَ امْرَأَتُهُ الْفَزَارِيَّةُ عَمَّا أُغْلِقَ عَلَيْهِ بَابُهَا.

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کی بیوی فزاریہ کے مال پر جو دروازہ بند کر دیا گیا ہے اسے مت کھولا جائے، یعنی گھر میں سب کچھ اسی کا ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ: إِذَا قَالَ لِمَمْلُوكِهِ عِنْدَ الْمَوْتِ: كُنْتُ أَعْتَقْتُكَ، جَازَ.

امام حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا: جب موت کے وقت کسی نے اپنے غلام سے کہا کہ میں نے تجھے آزاد کر دیا ہے تو جائز ہے۔

وَقَالَ الشَّعْبِيُّ: إِذَا قَالَتِ الْمَرْأَةُ عِنْدَ مَوْتِهَا: إِنَّ زَوْجِي قَضَانِي وَقَبَضْتُ مِنْهُ جَازَ.

امام شعبی رحمہ اللہ نے کہا: جب عورت نے موت کے وقت کہا: میرے شوہر نے مجھے مہر ادا کر دیا ہے اور میں نے اسے وصول کر لیا ہے تو جائز ہے۔

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: لَا يَجُوزُ إِقْرَارُهُ لِسُوءِ الظَّنِّ بِهِ لِلْوَرَثَةِ ثُمَّ اسْتَحْسَنَ فَقَالَ: يَجُوزُ إِقْرَارُهُ بِالْوَدِيعَةِ وَالْبِضَاعَةِ وَالْمُضَارَبَةِ، وَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ». وَلَا يَحِلُّ مَالُ الْمُسْلِمِينَ لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «آيَةُ الْمُنَافِقِ إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ». وَقَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ [النساء: ٥٨] فَلَمْ يَخُصَّ وَارِثًا وَلَا غَيْرَهُ. فِيهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مریض کا کسی وارث کے لیے اقرار جائز نہیں کیونکہ ایسا کرنے سے دوسرے وارثوں کو اس کے متعلق بدگمانی پیدا ہو سکتی ہے۔ پھر اس گمان کو اچھا خیال کر کے یہ کہہ دیا ہے کہ اگر کوئی مریض وارث کے لیے امانت، کسی سامان یا مضاربت وغیرہ کا اقرار کرے تو جائز ہے، حالانکہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "بدگمانی سے اجتناب کرو کیونکہ بدگمانی بڑا جھوٹ ہے۔" نیز مسلمانوں کا مال کسی طرح بھی حلال نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: "منافق کی نشانی یہ ہے کہ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کو امانت ادا کرو۔" اس میں کسی وارث یا غیر وارث کی کوئی تخصیص نہیں۔ اس کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے بھی نبی ﷺ سے روایت کی ہے۔

وضاحت: اس عنوان سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ مریض کسی کے لیے مطلق طور پر قرض کا اقرار کر سکتا ہے۔ اس کا اقرار صحیح ہے، خواہ یہ اقرار وارث کے لیے ہو یا کسی اجنبی کے لیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وصیت اور قرض کی ادائیگی دونوں کو

ترکے کی تقسیم پر مقدم کیا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''وارث کے لیے وصیت ناجائز ہے۔''[1] اس ارشاد نبوی سے وصیت خارج ہوگئی، البتہ قرض کا اقرار اپنی حالت پر برقرار رہا، لہٰذا قرض کا اقرار کرسکتا ہے، خواہ کسی وارث کے لیے ہو یا غیر وارث اجنبی کے لیے۔ دونوں صورتوں میں اس کا اقرار صحیح ہوگا۔ اس موقف کی تائید میں امام بخاری رحمہ اللہ نے کئی ایک دلائل پیش کیے ہیں، پہلی دلیل: آیت کریمہ ہے جسے بطور عنوان اختیار کیا گیا ہے جس کی ہم نے وضاحت کر دی ہے۔ دوسری دلیل: بہت سے تابعین کے اقوال وآثار ہیں، مثلاً: قاضی شریح، حضرت عمر بن عبدالعزیز، طاؤس، عطاء اور ابن اذینہ وغیرہ، یہ سب اس بات کے قائل ہیں کہ مریض کا وارث کے حق میں قرض کا اقرار صحیح ہے۔ ان کے علاوہ حسن بصری، ابراہیم نخعی، حکم بن عتبہ اور امام شعبی کا موقف ہے کہ مریض کا قرض کے متعلق اقرار صحیح ہے، نیز حضرت رافع بن خدیج نے دیگر صحابہ کی موجودگی میں اپنی بیوی فزاریہ کے متعلق اقرار کیا تھا، اس پر کسی صحابی نے انکار نہیں کیا۔ ایک اور صحابی سے صراحت کے ساتھ ثابت ہے کہ مریض کا قرض کے متعلق اقرار اور تصرف صحیح ہے۔ تیسری دلیل: ایک مرفوع حدیث میں ہے: ''منافق آدمی کے پاس جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے۔'' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی وارث کے قرض کا اقرار نہ کرنا خیانت ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے، لہٰذا مریض کا اقرار صحیح اور نافذ ہے۔ چوتھی دلیل: وہ آیت کریمہ جس میں امانت واپس کرنے کا ذکر ہے، یہ آیت مطلق ہے جو وارث اور غیر وارث دونوں کو شامل ہے۔ دونوں کے لیے ادائے امانت اور ترک خیانت ضروری ہے، اس لیے مریض کے اقرار کو تسلیم کیے بغیر اور کوئی چارہ نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان حضرات پر جو مریض کے اقرار کو صحیح تسلیم نہیں کرتے دو اعتراض کیے ہیں: ○ ان کے نزدیک مریض کا اقرار اس لیے صحیح نہیں کہ دوسرے ورثاء کے دل میں اس کے متعلق بدظنی پیدا ہوگی کہ وہ ہمیں محروم کرنا چاہتا ہے، اس لیے مریض کو اس الزام سے بچانے کے لیے یہی طریقہ ہے کہ اس کے اقرار ہی کو صحیح تسلیم نہ کیا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں بدگمانی کی ممانعت ہے، لہٰذا ورثاء کو اپنے مورث مریض کے متعلق بدگمانی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ ○ ان حضرات کے اقوال آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں کیونکہ ایک طرف کہا جاتا ہے کہ مریض کا قرض سے متعلق اقرار صحیح نہیں، دوسری طرف مال تجارت، سرمایہ یا امانت کے اقرار کو صحیح مانتے ہیں۔ یہ لوگ مریض کے اقرار کو کبھی معتبر اور کبھی غیر معتبر کہتے ہیں، اس بنا پر ان کی بات میں کوئی وزن نہیں، حالانکہ جس وجہ سے مریض کا قرض کے متعلق اقرار معتبر نہیں وہ وجہ دیگر صورتوں میں بھی موجود ہے۔ اگر قرض کا اقرار کرنے سے ورثاء کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے تو ان صورتوں میں بھی یہ اندیشہ موجود ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مریض کا کسی وارث کے لیے قرض کا اقرار کرنا صحیح ہے اور جو حضرات اس کے قائل نہیں وہ خود تضادات کا شکار ہیں۔ وہ محض استحسان کے طور پر ایسا کہتے ہیں۔ ان کے پاس کوئی معتبر دلیل نہیں جو ان کے موقف کی تائید کرتی ہو۔ واللہ أعلم. مذکورہ بالا بیشتر آثار مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہیں اور کئی آثار کی اسناد ضعیف ہیں جس کی طرف امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی یُذکر کے صیغے سے اشارہ کیا ہے۔ آخر میں مذکور دونوں مرفوع روایات خود امام بخاری رحمہ اللہ نے حسب ترتیب کتاب الادب (حدیث: 6066) اور کتاب الایمان (حدیث: 34) میں متصل سند سے بیان کی ہیں۔

---

[1] جامع الترمذي، الوصايا، حديث: 2121.

٢٧٤٩ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ أَبُو الرَّبِيعِ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ مَالِكِ بْنِ أَبِي عَامِرٍ أَبُو سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ». [راجع: ٣٣]

[2749] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: وہ جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرتا ہے اور جب وہ وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کے مطابق ترک خیانت واجب ہے کیونکہ خیانت کرنا تو منافق کی علامت ہے جس سے بچنا ضروری ہے، اس بنا پر جو قرض مریض کے ذمے ہے وہ بھی گویا ایک امانت ہے، اس کا اقرار نہ کرنا خیانت کے مترادف ہے جو نفاق کی نشانی ہے۔ اس کا ادا کرنا مریض کی ذمے داری ہے۔ وہ اس صورت میں ادا ہوگا جب اس کا اقرار کیا جائے۔ جب اقرار کر لیا تو اس کا اعتبار کرنا ضروری ہے، بصورت دیگر اقرار کا کیا فائدہ، لہٰذا ادائے امانت اور ترک خیانت میں وارث اور غیر وارث کی تفریق ایجاد بندہ اور خود ساختہ ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مریض کا قرض کے متعلق اقرار صحیح ہے اور امانت کی ادائیگی، خواہ وارث کے لیے ہو یا غیر وارث کے لیے دونوں صورتوں میں اس کا اقرار معتبر ہے۔ جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں وہ انکار استحسان اور قیاس کی بنیاد پر ہے جس پر کوئی ٹھوس دلیل نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

(٩) بَابُ تَأْوِيلِ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَآ أَوْ دَيْنٍ﴾ [النساء: ١١]

باب: 9- فرمان الٰہی: ''وراثت کی تقسیم میت کی طرف سے کی گئی وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد ہوگی'' کی تاویل

وَيُذْكَرُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضَى بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ.

بیان کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے وصیت سے پہلے قرض ادا کرنے کا فیصلہ فرمایا۔

وَقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا ٱلْأَمَٰنَٰتِ إِلَىٰٓ أَهْلِهَا﴾ [النساء: ٥٨] فَأَدَاءُ الْأَمَانَةِ أَحَقُّ مِنْ تَطَوُّعِ الْوَصِيَّةِ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ لوگوں کی امانتیں ان کے حوالے کرو۔'' اس بنا پر امانت کی ادائیگی نفلی وصیت سے زیادہ حق رکھتی ہے۔

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا صَدَقَةَ إِلَّا عَنْ ظَهْرِ غِنًى».

نیز نبی ﷺ نے فرمایا: ''صدقہ وہی کرے جو مالدار ہو۔''

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَا يُوصِي الْعَبْدُ إِلَّا بِإِذْنِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: غلام اپنے آقا کی

أَهْلِهِ .

اجازت کے بغیر وصیت نہ کرے۔

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : «اَلْعَبْدُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ» .

نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے۔''

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا آیت کریمہ پر دو عنوان قائم کیے ہیں۔ پہلے عنوان کا مقصد تھا کہ مریض کا قرض کے لیے اقرار کرنا مطلق طور پر صحیح ہے، خواہ وارث کے لیے ہو یا کسی اجنبی کے لیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وصیت اور قرض کو تقسیم میراث پر مقدم کیا ہے۔ پھر شرعی دلیل سے وصیت خارج ہو گئی اور قرض کا اقرار اپنے حال پر باقی رہا جس میں وارث اور اجنبی برابر ہیں۔ دوسرے عنوان کی غرض یہ ہے کہ اگرچہ وصیت قرض سے پہلے ذکر کی گئی ہے، تاہم ادائیگی کے اعتبار سے قرض مقدم ہے، چنانچہ اس بات پر اتفاق ہے کہ میت کے ذمے قرض کو وصیت سے پہلے ادا کیا جائے، پھر وصیت پر عمل کیا جائے جبکہ وصیت ایک تہائی یا اس سے کم مقدار کی ہو، اس کے بعد ترکہ تقسیم کیا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس امر کو ثابت کرنے کے لیے کئی ایک شواہد کا ذکر کیا ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وصیت کے نفاذ سے پہلے قرض کی ادائیگی کا فیصلہ فرمایا جبکہ قرآن کریم میں قرض سے پہلے وصیت کا ذکر ہے۔[1] چونکہ یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے صیغۂ تمریض سے بیان کی ہے، لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس حدیث پر عام اہل علم کا عمل ہے۔ ○ آیت کریمہ میں امانت کے ادا کرنے کا حکم ہے۔ چونکہ قرض، قرض خواہ کی امانت ہے اور وصیت کسی امانت کی نہیں ہوتی، اس لیے قرض وصیت سے پہلے ادا کرنا چاہیے۔ ○ مریض جب وصیت کرے گا تو یہ اس کی طرف سے صدقہ ہو گا اور صدقہ اس وقت کیا جاتا ہے جب اس کا مال قرض وغیرہ سے فارغ ہو۔ مقروض تو محتاج ہے، غنی نہیں، اس بنا پر وہ صدقہ کیسے کر سکتا ہے، اس لیے اس کی وصیت نافذ نہیں ہو گی جب تک قرض کی ادائیگی نہ ہو۔ ○ غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر وصیت نہیں کر سکتا کیونکہ غلام کی وصیت تو نفلی طور پر ہے اور مالک کا حق اس کے مال کے ساتھ لازمی اور حتمی طور پر ہے، غلام کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اپنے آقا کے حق کو ختم کر دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ واجب کی ادائیگی نفل پر مقدم ہے، قرض کی ادائیگی واجب ہے اور وصیت نفل، اس بنا پر قرض کی ادائیگی وصیت پر مقدم ہو گی۔ ○ غلام کی نگرانی کا تقاضا ہے کہ جب تک مالک اجازت نہ دے غلام اس کے مال میں تصرف نہ کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ واجب، نفل پر مقدم ہے کیونکہ غلام کا خرچ کرنا ایک نفل ہے اور اس کے آقا کا حق واجب ہے۔ قرآن کریم میں وصیت کو قرض کی ادائیگی پر مقدم کرنے کی کئی ایک وجوہات ہیں، مثلاً: (ا) وصیت بلاعوض ہوتی ہے اور قرض کسی چیز کے عوض ہوتا ہے، بلاعوض کسی چیز کا مال سے الگ کرنا نفس پر بہت گراں گزرتا ہے، اس لیے اسے مقدم کیا گیا کہ اسے بھی ادا کرنا چاہیے۔ (ب) وصیت ایک نفلی چیز ہے جبکہ قرض کی وصولی تو بزور بھی کی جا سکتی ہے، اس لیے وصیت کو مقدم کیا گیا ہے کہ اسے بھی ادا کرنا چاہیے اگرچہ اسے بزور وصول نہیں کیا جا سکتا۔ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ہے کہ قرض کی ادائیگی نفاذ وصیت سے پہلے ہو گی اگرچہ قرآن کریم میں وصیت کا ذکر قرض کی ادائیگی سے

---

1 جامع الترمذي، الوصايا، حديث : 2122.

پہلے ہے۔

٢٧٥٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَعُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ: أَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَأَعْطَانِي، ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي، ثُمَّ قَالَ لِي: «يَا حَكِيمُ! إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرٌ حُلْوٌ، فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُورِكَ لَهُ فِيهِ، وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَّمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيهِ، وَكَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى». قَالَ حَكِيمٌ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ! لَا أَرْزَأُ أَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰى أُفَارِقَ الدُّنْيَا، فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يَدْعُو حَكِيمًا لِيُعْطِيَهُ الْعَطَاءَ فَيَأْبٰى أَنْ يَقْبَلَ مِنْهُ شَيْئًا، ثُمَّ إِنَّ عُمَرَ دَعَاهُ لِيُعْطِيَهُ فَأَبٰى أَنْ يَقْبَلَهُ، فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! إِنِّي أَعْرِضُ عَلَيْهِ حَقَّهُ الَّذِي قَسَمَ اللهُ لَهُ مِنْ هٰذَا الْفَيْءِ فَأَبٰى أَنْ يَّأْخُذَهُ، فَلَمْ يَرْزَأْ حَكِيمٌ أَحَدًا مِّنَ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ حَتّٰى تُوُفِّيَ رَحِمَهُ اللهُ. [راجع: ١٤٧٢]

[2750] حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ مانگا تو آپ نے مجھے دے دیا۔ میں نے پھر مانگا تو آپ نے پھر عطا فرما دیا۔ آخر کار آپ نے فرمایا: ''اے حکیم! دنیا کا یہ مال (دیکھنے میں) خوشنما اور (ذائقے میں) شیریں ہے لیکن جو اس کو دل کی سخاوت اور سیر چشمی سے لے تو اس کے لیے اس میں برکت ہوگی اور جو کوئی اسے طمع اور لالچ سے لے، اس کے لیے اس میں برکت نہیں ہوگی۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا ہے لیکن سیر نہیں ہوتا۔ اور اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔'' حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں آپ کے بعد کسی سے کچھ نہیں لوں گا حتی کہ دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کو وظیفہ دینے کے لیے بلاتے تو وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ انھیں وظیفہ دینے کے لیے طلب کرتے تو وہ اس کے لینے سے انکار کر دیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی روش کے پیش نظر فرمایا: مسلمانو! تم گواہ رہو، میں انھیں وہ حق پیش کرتا ہوں جو اللہ نے مال فے میں ان کے لیے مقرر کیا ہے لیکن وہ لینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ الغرض حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے بعد پھر کسی سے کوئی چیز قبول نہیں کی حتی کہ فوت ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو عطیہ قبول کرنے میں عدم رغبت کی طرف توجہ دلائی اور عطیہ لینے والے کے ہاتھ کو نچلا ہاتھ بتایا۔ وصیت بھی صدقے کی طرح ہے، اس لیے اسے قبول کرنے والے کا ہاتھ ید سفلی ہوگا

جبکہ قرض کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ اس میں وصول کرنے والے کا ہاتھ نچلا نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنی دی ہوئی رقم وصول کر رہا ہے، اس لیے اسے وصول کرنے کے لیے زبردستی کی جا سکتی ہے۔ اس اعتبار سے قرض، عطیے اور صدقے سے قوی ہے، لہٰذا اسے مقدم کرنا چاہیے۔ ② حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی حق دہی کے متعلق بہت کوشش کی اور قرض کی طرح انھیں اس کا حق دار قرار دیا۔ یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ جب قرض متعین ہو تو نفلی صدقہ کرنے سے پہلے اس کی ادائیگی ضروری ہے۔ واللہ أعلم.

٢٧٥١ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ السَّخْتِيَانِيُّ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّمَسْؤُولٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ، وَالْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَّمَسْؤُولٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ فِي بَيْتِ زَوجِهَا رَاعِيَةٌ وَّمَسْؤُولَةٌ عَنْ رَّعِيَّتِهَا، وَالْخَادِمُ فِي مَالِ سَيِّدِهِ رَاعٍ وَّمَسْؤُولٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ». قَالَ: وَأَحْسِبُ أَنْ قَدْ قَالَ: «وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي مَالِ أَبِيهِ». [راجع: ٨٩٣]

[2751] حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو (یہ) فرماتے ہوئے سنا: ''تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر نگہبان سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔ حاکم وقت نگہبان ہے، اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ آدمی اپنے اہل خانہ کا نگہبان ہے، اس سے اس کی رعایا کے متعلق باز پرس ہو گی۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے، اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال ہوگا۔ نوکر اپنے مالک کے مال کا نگران ہے، اس سے اس کی رعایا کے بارے پوچھ گچھ ہو گی۔'' راوی کہتا ہے کہ میرے گمان کے مطابق آپ نے یہ بھی فرمایا: ''مرد اپنے باپ کے مال کا نگران ہے۔''

فائدہ: اس حدیث کے مطابق غلام اپنے آقا کے مال کا نگہبان ہے، حالانکہ وہ مال غلام ہی کا کمایا ہوا ہے۔ گویا اس مال میں آقا اور غلام دونوں کے حقوق ہیں لیکن مالک کا حق مقدم کیا گیا کیونکہ وہ زیادہ قوی ہے۔ اسی طرح قرض اور وصیت میں قرض کو مقدم کیا جائے گا کیونکہ قرض کی ادائیگی فرض ہے اور وصیت ایک طرح کا نفلی صدقہ ہے، اسے قرض کے بعد ادا کرنا ہو گا۔ واللہ أعلم.

(١٠) بَابٌ: إِذَا وَقَفَ، أَوْ أَوْصَى لِأَقَارِبِهِ، وَمَنِ الْأَقَارِبُ؟

باب: 10- جب اقارب کے لیے وقف کیا یا وصیت کی تو کیا حکم ہے، نیز اقارب سے کون لوگ مراد ہیں؟

وَقَالَ ثَابِتٌ: عَنْ أَنَسٍ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَبِي طَلْحَةَ: «اِجْعَلْهُ لِفُقَرَاءِ أَقَارِبِكَ»،

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم اپنے باغ کو اپنے قریبی محتاج رشتہ

فَجَعَلَهَا لِحَسَّانَ وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، وَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ ثُمَامَةَ، عَنْ أَنَسٍ بِمِثْلِ حَدِيثِ ثَابِتٍ، قَالَ: «اِجْعَلْهَا لِفُقَرَاءِ قَرَابَتِكَ»، قَالَ أَنَسٌ: فَجَعَلَهَا لِحَسَّانَ وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَكَانَا أَقْرَبَ إِلَيْهِ مِنِّي، وَكَانَ قَرَابَةُ حَسَّانَ وَأُبَيٍّ مِنْ أَبِي طَلْحَةَ، وَاسْمُهُ زَيْدُ بْنُ سَهْلِ بْنِ الْأَسْوَدِ بْنِ حَرَامِ بْنِ عَمْرِو بْنِ زَيْدِ مَنَاةَ بْنِ عَدِيِّ بْنِ عَمْرِو بْنِ مَالِكِ بْنِ النَّجَّارِ، وَحَسَّانُ بْنُ ثَابِتِ بْنِ الْمُنْذِرِ بْنِ حَرَامٍ، فَيَجْتَمِعَانِ إِلَى حَرَامٍ وَهُوَ الْأَبُ الثَّالِثُ. وَحَرَامُ بْنُ عَمْرِو بْنِ زَيْدِ مَنَاةَ بْنِ عَدِيِّ بْنِ عَمْرِو بْنِ مَالِكِ بْنِ النَّجَّارِ، وَهُوَ يُجَامِعُ حَسَّانَ وَأَبَا طَلْحَةَ وَأُبَيًّا إِلَى سِتَّةِ آبَاءٍ إِلَى عَمْرِو ابْنِ مَالِكٍ وَهُوَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبِ بْنِ قَيْسِ بْنِ عُبَيْدِ ابْنِ زَيْدِ بْنِ مُعَاوِيَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ مَالِكِ بْنِ النَّجَّارِ، فَعَمْرُو بْنُ مَالِكٍ يَجْمَعُ حَسَّانَ وَأَبَا طَلْحَةَ وَأُبَيًّا. وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِذَا أَوْصَى لِقَرَابَتِهِ فَهُوَ إِلَى آبَائِهِ فِي الْإِسْلَامِ.

داروں میں تقسیم کر دو۔" تو انھوں نے وہ حضرت حسان بن ثابت اور حضرت ابی بن کعب ؓ میں تقسیم کر دیا۔ انصاری نے بھی اپنی سند کے ساتھ اسی طرح روایت کیا ہے جس طرح ثابت کی حدیث حضرت انس ؓ سے مروی ہے۔ اس کے یہ الفاظ ہیں: "وہ باغ اپنے محتاج قریبی رشتہ داروں میں بانٹ دو۔" چنانچہ انھوں نے وہ باغ حضرت حسان اور ابی بن کعب ؓ کو دے دیا۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ یہ دونوں ان (حضرت ابوطلحہ ؓ) کے مجھ سے زیادہ قریب تھے۔ حضرت حسان اور ابی کعب ؓ کی حضرت ابوطلحہ ؓ سے رشتہ داری تھی (جس کی وضاحت اس طرح ہے کہ) حضرت ابوطلحہ کا نام زید بن سہل بن اسود بن حرام بن عمرو بن زید مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار اور حسان کا نام حسان بن ثابت بن منذر بن حرام ہے۔ گویا یہ دونوں (اپنے جد) "حرام" میں جمع ہو جاتے ہیں جو ان کا تیسرا باپ ہے۔ حرام بن عمرو بن زید مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار وہ حضرت حسان، حضرت ابوطلحہ اور حضرت ابی بن کعب ؓ کو چھ آباء واجداد کے واسطے سے عمرو بن مالک کے ساتھ ملاتا ہے، چنانچہ ابی بن کعب ؓ کا سلسلۂ نسب یوں ہے: ابی بن کعب بن قیس بن عبید بن زید بن معاویہ بن عمرو بن مالک بن نجار۔ اس طرح عمرو بن مالک نے حضرت حسان، حضرت ابوطلحہ اور حضرت ابی بن کعب ؓ کو جمع کر دیا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے: اگر کوئی اپنے قرابت داروں کے لیے وصیت کرے تو وہ صرف مسلمان آباء واجداد تک محدود ہوگی۔

وضاحت: اس عنوان سے امام بخاری ؒ نے وقف کے مسائل بیان کرنا شروع کیے ہیں۔ چونکہ یہ وصیت ہی کی ایک قسم ہے، اس لیے اس کے متعلقہ احکام و مسائل وصیت جیسے ہیں، پھر وصیت بھی چونکہ وراثت ہی کی طرح ہے، اس لیے اس میں قریب تر لوگوں کا اعتبار ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوطلحہ ؓ کے وقف میں حضرت انس ؓ کو شریک نہیں کیا گیا کیونکہ حضرت

حسان اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کے اعتبار سے ان کا رشتہ دور کا تھا، اس لیے کہ وہ دونوں عمرو تک چھ واسطوں سے ملتے ہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے وہاں تک بارہ واسطے آتے ہیں۔ حضرت انس کا نسب اس طرح ہے: انس بن مالک بن نضر بن ضمضم بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن عمرو بن زید مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت ابوطلحہ نے اپنا باغ حضرت حسان بن ثابت اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما میں تقسیم کر دیا، حالانکہ میرا رشتہ قریبی تھا لیکن مجھے اس میں شریک نہیں کیا۔[1] اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی حضرت انس رضی اللہ عنہ نسب کے اعتبار سے ابعد (زیادہ دور) تھے لیکن تربیت کے لحاظ سے اقرب (زیادہ قریب) تھے کیونکہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ان کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا تھا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ربیب، یعنی سوتیلے بیٹے کی حیثیت سے ان کی تربیت میں تھے۔ اس اعتبار سے محرومیت کا شکوہ نہیں رہتا کیونکہ وہ تو مستقل طور پر حضرت ابوطلحہ کے زیر کفالت تھے۔ واللہ أعلم.

٢٧٥٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ [بْنِ أَبِي طَلْحَةَ]: أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَبِي طَلْحَةَ: «أَرَى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِينَ» فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ: أَفْعَلُ يَا رَسُولَ اللهِ! فَقَسَمَهَا أَبُو طَلْحَةَ فِي أَقَارِبِهِ وَبَنِي عَمِّهِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَمَّا نَزَلَتْ ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ [الشعراء: ٢١٤] جَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يُنَادِي: «يَا بَنِي فِهْرٍ! يَا بَنِي عَدِيٍّ!»، لِبُطُونِ قُرَيْشٍ. وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: لَمَّا نَزَلَتْ ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ [الشعراء: ٢١٤] قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ!». [راجع: ١٤٦١]

[2752] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”میری رائے کے مطابق آپ اپنا باغ قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کر دیں۔“ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں ایسا ہی کروں گا، چنانچہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے وہ (باغ) اپنے قرابت داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی: ”آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں۔“ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اے بنو فہر! اے بنو عدی!“ یہ قریش کے مختلف خاندانوں کے نام ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی: ”آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کریں۔“ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”اے قریش کے لوگو! (اللہ سے ڈرو)۔“

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں تین روایات کو یکجا بیان کیا ہے۔ پہلی روایت انتہائی مختصر ہے، آئندہ تفصیل سے بیان ہوگی کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ انصار میں باغات کے اعتبار سے زیادہ مال دار تھے۔ ان کا ایک باغ مسجد نبوی کے سامنے تھا جہاں رسول اللہ ﷺ تشریف لے جاتے اور وہاں قدرتی چشموں سے میٹھا پانی پیا کرتے۔ اس باغ کو انھوں نے اپنے رشتے داروں حضرت ابی بن کعب، حضرت حسان بن ثابت، ان کے بھائی حضرت شداد بن اوس اور نبیط بن جابر رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دیا تھا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اپنا حصہ ایک لاکھ درہم کے عوض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو فروخت کر دیا تھا۔[2] ② دوسری اور تیسری

1 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4555. 2 فتح الباري: 486/5.

روایت حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مختصر طور پر بیان ہوئی ہے۔ تفصیلی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنوعبد مناف، حضرت عباس، حضرت صفیہ اور اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ کو آواز دے کر پکارا اور کہا: "میں تمھیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکوں گا۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنا تحفظ خود کرلو۔"[1] ③ امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ رشتے داروں میں مرد اور عورتیں سب شامل ہوتے ہیں، نیز یہ بھی بتانا چاہتے ہیں کہ اگر قریبی رشتے داروں کے لیے وصیت ہو تو تمام قریبی رشتے داروں کو دینا ضروری نہیں ہوتا کیونکہ بنوحرام جس میں ابوطلحہ اور حسان رضی اللہ عنہما جمع ہوئے ہیں وہ مدینہ طیبہ میں بکثرت آباد تھے اور عمرو بن مالک کے قرابت دار جس میں ابوطلحہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما جمع ہوئے تھے وہ تو بے حد و شمار تھے لیکن ان سب میں باغ تقسیم نہیں کیا بلکہ صرف ابی بن کعب اور حضرت حسان رضی اللہ عنہما میں تقسیم کر دیا گیا۔

(١١) بَابٌ: هَلْ يَدْخُلُ النِّسَاءُ وَالْوَلَدُ فِي الْأَقَارِبِ؟

باب: 11- کیا قرابت داروں میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہیں؟

٢٧٥٣ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حِينَ أَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ [الشعراء: ٢١٤] قَالَ: «يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! - أَوْ كَلِمَةً نَّحْوَهَا - اِشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ، لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِّنَ اللهِ شَيْئًا، يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ! لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِّنَ اللهِ شَيْئًا، يَا عَبَّاسُ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللهِ شَيْئًا. وَيَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللهِ! لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا. وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ ﷺ! سَلِينِي مَا شِئْتِ مِنْ مَّالِي، لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا».

[2753] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ "اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں۔" تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا: "اے جمعیت قریش!...... یا اس جیسا کوئی اور لفظ استعمال فرمایا...... تم خود کو اپنے اعمال کے عوض خرید لو، میں اللہ کے حضور تمھارے کچھ کام نہیں آسکوں گا۔ اے بنوعبد مناف! میں اللہ کی طرف سے تمھارا دفاع نہیں کر سکوں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب! میں اللہ کے عذاب سے تمھیں نہیں بچا سکوں گا۔ اے صفیہ! جو رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی ہیں، میں اللہ کی طرف سے کسی چیز کو تم سے دور نہیں کر سکوں گا۔ اے فاطمہ بنت محمد ﷺ! جو کچھ میرے اختیار میں مال وغیرہ ہے تم اس کا سوال مجھ سے کر سکتی ہو، البتہ اللہ کی طرف سے میں تمھارا دفاع نہیں کر سکوں گا۔"

تَابَعَهُ أَصْبَغُ، عَنِ ابْنِ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ. [انظر: ٣٥٢٧، ٤٧٧١]

اصبغ نے زہری سے روایت کرنے میں ابن وہب کی متابعت کی ہے۔

[1] صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4771.

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے پہلے قریش کے تمام لوگوں کو مخاطب کیا جو خاص طور پر آپ کی قوم کے لوگ تھے، پھر عبد مناف اپنے چوتھے دادا کی اولاد کو آواز دی، اس کے بعد خاص اپنے چچا اور پھوپھی، یعنی دادا کی اولاد کو پکارا، پھر اپنی خاص اولاد کو دعوت فکر دی۔ ② اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ قرابت داروں میں عورتیں اور بچے شامل ہوتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پھوپھی حضرت صفیہ اور اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو شامل فرمایا۔ لیکن وصیت میں صرف وہ رشتے دار شامل ہوں گے جو اس کے ترکے میں شرعی وارث نہ ہوں۔ ③ واضح رہے کہ اگر کسی نے قرابت داروں کے لیے وصیت کی ہو تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر وہ قرابت دار مراد ہو گا جو رحم کے ناتے سے ہو، بشرطیکہ وہ محرم ہو، خواہ باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے لیکن ابتدا باپ کی طرف سے ہو گی، مثلاً: اگر چچا اور ماموں ہے تو وصیت چچا کے لیے ہو گی۔ اگر وہ نہ ہو تو ماموں حق دار ہو گا، البتہ ان کی اولاد کو وصیت شامل نہیں ہو گی کیونکہ ان کی اولاد سے رحم کا رشتہ تو ہے لیکن وہ محرم نہیں ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر ذی رحم پر قرابت کا اطلاق ہو گا، خواہ وہ محرم ہو یا غیر محرم۔ ان کے نزدیک چچا، پھوپھی اور ماموں کی اولاد بھی قرابت میں شامل ہو گی۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے قرابت کے متعلق پانچ اقوال اور ان کے دلائل ذکر کرنے کے بعد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے موقف کو باطل قرار دے کر امام شافعی رحمہ اللہ کے موقف کو اختیار کیا ہے۔[1] امام طحاوی رحمہ اللہ کے اس جراءت مندانہ کردار کی علامہ عینی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ایک مجتہد امام جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے احکام کا استنباط کرتا ہے اس کا یہی انداز ہونا چاہیے، یہی وجہ ہے کہ امام طحاوی نے اس مسئلے میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کے قول کو ترک کر دیا ہے۔[2] آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ کی ذکر کردہ متابعت کو امام ذہلی نے زہریات میں متصل سند سے بیان کیا ہے، نیز امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی ابن وہب کے حوالے سے روایت کیا ہے۔[3]

(١٢) بَابُ هَلْ يَنْتَفِعُ الْوَاقِفُ بِوَقْفِهِ؟

باب: 12- کیا وقف کرنے والا خود بھی اپنے وقف سے فائدہ اٹھا سکتا ہے؟

وَقَدِ اشْتَرَطَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: لَا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ وَلِيَهُ أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا، وَقَدْ يَلِي الْوَاقِفُ وَغَيْرُهُ، وَكَذٰلِكَ كُلُّ مَنْ جَعَلَ بَدَنَةً أَوْ شَيْئًا لِلّٰهِ فَلَهُ أَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا كَمَا يَنْتَفِعُ غَيْرُهُ وَإِنْ لَّمْ يَشْتَرِطْ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے وقف کے متعلق یہ شرط لگائی تھی کہ وقف کے متولی پر اس سے کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں ہو گا۔ وقف کے لیے وقف کنندہ اور کبھی دوسرا بھی متولی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح کسی نے اونٹ یا کوئی اور چیز اللہ کے لیے وقف کی تو جس طرح دوسرے اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اسے بھی اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے

---

1 شرح معاني الآثار: 425/2. 2 عمدة القاري: 33/10. 3 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 504 (206)، و فتح الباري: 468/5.

اگرچہ وقف کرتے وقت اس کی شرط نہ لگائی ہو۔

وضاحت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی اثر کو امام بخاری رحمہ اللہ نے خود متصل سند سے بھی بیان کیا ہے۔[1] دراصل وقف کی دو قسمیں ہیں: * وقف مطلق، جس میں خود فائدہ اٹھانے کی شرط نہ کی جائے۔ * وقف مشروط، جس میں وقف کرنے والا خود فائدہ اٹھانے کی شرط کر لے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے گزشتہ حدیث عمر پر ان الفاظ میں عنوان قائم کیا تھا: [بَابُ الشُّرُوطِ فِي الْوَقْفِ] ''وقف میں شرط لگانا۔'' عام فقہاء کا کہنا ہے کہ وقف مطلق میں وقف کرنے والے کو فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں کیونکہ ایسا کرنے سے آئندہ کے لیے وقف کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس آڑ میں اس کی اولاد اس کے متعلق اپنی ملکیت کا دعویٰ کر دے، اس لیے وقف کرنے والے کو اس سے الگ تھلگ رہنا چاہیے، جبکہ وقف مشروط میں اسے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ وقف کرنے والا شرط کرے یا نہ کرے اس سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ ہمارے رجحان کے مطابق اگر وقف محتاجوں اور فقیروں کے لیے ہے اور وقف کرنے والا خود محتاج یا فقیر نہیں ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا صحیح نہیں، ہاں اگر خود فقیر ہو جائے یا اس کی اولاد میں سے کوئی تنگ دست ہو تو اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

٢٧٥٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ [بْنُ سَعِيدٍ]: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى رَجُلًا يَسُوقُ بَدَنَةً فَقَالَ لَهُ: «ارْكَبْهَا»، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّهَا بَدَنَةٌ، فَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ أَوْ فِي الرَّابِعَةِ: «ارْكَبْهَا وَيْلَكَ أَوْ وَيْحَكَ». [راجع: ١٦٩٠]

[2754] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا وہ اپنا قربانی کا اونٹ ہانکے جا رہا ہے۔ آپ نے اس سے فرمایا: ''اس پر سوار ہو جاؤ۔'' اس نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ قربانی کے لیے وقف ہے۔ آپ نے تیسری یا چوتھی بار فرمایا: ''تیرے لیے ہلاکت یا افسوس ہو اس پر سوار ہو جا۔''

٢٧٥٥ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ رَأَى رَجُلًا يَسُوقُ بَدَنَةً فَقَالَ: «ارْكَبْهَا»، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّهَا بَدَنَةٌ، قَالَ: «ارْكَبْهَا وَيْلَكَ»، فِي الثَّانِيَةِ أَوْ فِي الثَّالِثَةِ. [راجع: ١٦٨٩]

[2755] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا جو اپنا قربانی کا اونٹ ہانکے جا رہا ہے۔ آپ نے اس سے کہا: ''اس پر سوار ہو جا۔'' اس نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ تو قربانی کے لیے وقف ہے۔ آپ نے دوسری یا تیسری مرتبہ فرمایا: ''تیرے لیے خرابی ہو اس پر سوار ہو جا۔''

فوائد و مسائل: ① ان احادیث سے ثابت ہوا کہ وقف کرنے والا اپنی وقف کی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اگرچہ اس نے اپنے لیے فائدہ اٹھانے کی شرط نہ کی ہو۔ حدیث میں اونٹ کا ذکر ہے، اس پر مکان وغیرہ کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی

---

① صحیح البخاري، الشروط، حدیث: 2737.

مکان وقف کرے تو اس کے کسی حصے میں خود بھی رہائش رکھی جا سکتی ہے۔ ② یہ بھی معلوم ہوا کہ قربانی کے جانور پر بوقت ضرورت سواری کی جا سکتی ہے۔ اگر وہ دودھ دینے والا جانور ہو تو اس کا دودھ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ قربانی کے لیے متعین کرنے کے بعد اسے بالکل بے کار نہیں بنا دینا چاہیے جیسا کہ مشرکین اس طرح کے جانوروں کو بالکل آزاد کر دیتے تھے۔ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک وقف مطلق اور صدقۂ مطلق میں کوئی فرق نہیں۔ اس سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں۔ وقف مشروط کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ نے آئندہ مستقل عنوان بھی قائم کیا ہے، وہاں تفصیل سے اس موضوع پر گفتگو ہو گی۔[1]

(١٣) بَابٌ: إِذَا وَقَفَ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ يَدْفَعَهُ إِلَى غَيْرِهِ فَهُوَ جَائِزٌ

باب: 13- جب کوئی چیز وقف کی اور کسی دوسرے کے حوالے نہ کی تو ایسا وقف بھی جائز ہے

لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَوْقَفَ فَقَالَ: لَا جُنَاحَ عَلَى مَنْ وَلِيَهُ أَنْ يَأْكُلَ، وَلَمْ يَخُصَّ إِنْ وَلِيَهُ عُمَرُ أَوْ غَيْرُهُ. وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَبِي طَلْحَةَ: «أَرَى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِينَ» فَقَالَ: أَفْعَلُ، فَقَسَمَهَا فِي أَقَارِبِهِ وَبَنِي عَمِّهِ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وقف کیا اور فرمایا: اگر اس میں سے اس کا متولی بھی کھائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ انھوں نے اس کی تخصیص نہیں کی کہ اس کے نگران وہ خود ہوں گے یا کوئی دوسرا متولی ہو گا، نیز نبی ﷺ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''مجھے یہ پسند ہے کہ تم اپنا باغ اپنے عزیزوں کو وقف کر دو۔'' انھوں نے عرض کیا: میں ایسا ہی کروں گا، چنانچہ انھوں نے وہ باغ اپنے عزیزوں اور چچا کے بیٹوں میں بانٹ دیا۔

وضاحت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی اثر متصل سند کے ساتھ گزر چکا ہے۔[2] اسی طرح حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی واقعہ بھی متصل سند سے بیان ہوا ہے۔[3] بعض حضرات کا موقف ہے کہ وقف اس وقت تک صحیح نہیں ہوتا جب تک اسے اپنے قبضے سے نکال کر کسی دوسرے کے قبضے میں نہ دے، لیکن یہ موقف درست نہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر کے ایک قیمتی قطعے کی زمین وقف کرنے کے بعد اپنے قبضے میں رکھی اور اس کی پیداوار حق داروں میں تقسیم کرتے رہے۔ اسی طرح حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا باغ وقف کر کے پھر خود ہی اسے قریبی رشتے داروں میں تقسیم کیا، یعنی ان کا وقف صحیح تھا۔ وقف کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انھیں تجویز دی کہ اسے اپنے عزیزوں میں بانٹ دو۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صحتِ وقف کے لیے دوسرے کو قبضہ دینا ضروری نہیں۔ ① حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما نے وقف کیا اور وقف شدہ چیز کا انتظام اپنے قبضے میں رکھا۔ وہ اس کا نفع دوسروں میں تقسیم کرتے تھے، جن سے ان کا وقف باطل نہیں ہوا۔ اسی طرح بے شمار مہاجرین اور انصار کے اوقاف تھے جو مرتے دم تک خود

1 صحیح البخاري، الوقف، باب: 33. 2 صحیح البخاري، الشروط، حدیث: 2737. 3 صحیح البخاري، الوصایا، حدیث: 2752.

ان کے متولی رہے۔ ان پر کسی نے اعتراض یا انکار نہیں کیا، اس لیے دوسرے کو قبضہ دیے بغیر بھی وقف صحیح ہے۔[1]

(١٤) بَابٌ: إِذَا قَالَ: دَارِي صَدَقَةٌ لِلّٰهِ وَلَمْ يُبَيِّنْ لِلْفُقَرَاءِ أَوْ غَيْرِهِمْ فَهُوَ جَائِزٌ، وَيُعْطِيهَا لِلْأَقْرَبِينَ أَوْ حَيْثُ أَرَادَ

باب: 14- اگر کوئی کہے: میرا مکان اللہ کے لیے صدقہ ہے لیکن فقراء اور غیر فقراء کی صراحت نہ کرے تو جائز ہے۔ وقف کنندہ ایسا وقف کردہ مکان وغیرہ اپنے عزیزوں کو بھی دے سکتا ہے اور دوسروں کو بھی

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَبِي طَلْحَةَ حِينَ قَالَ: أَحَبُّ أَمْوَالِي إِلَيَّ بَيْرُحَاءُ وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ، فَأَجَازَ النَّبِيُّ ﷺ ذٰلِكَ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا يَجُوزُ حَتّٰى يُبَيِّنَ لِمَنْ. وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ.

نبی ﷺ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: جب انھوں نے کہا: میرا محبوب ترین مال بیرحاء نامی باغ ہے اور وہ اللہ کے لیے صدقہ ہے، تو نبی ﷺ نے اسے جائز قرار دیا، جبکہ بعض فقہاء کا خیال ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں بلکہ یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ یہ صدقہ کس کے لیے ہے؟ لیکن پہلا موقف زیادہ صحیح ہے۔

وضاحت: امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول ہے کہ جب تک صدقہ کرتے وقت اس کا مصرف یا جہت متعین نہ کرے کہ یہ صدقہ کس کے لیے ہے، صدقہ یا وقف صحیح نہیں ہوگا۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صدقے یا وقف میں مصرف متعین کرنا ضروری نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مصرف متعین کیے بغیر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے وقف کو صحیح قرار دیا، پھر آپ نے تجویز دی کہ یہ ایک نیکی اور قربت ہے جس کے زیادہ حق دار قریبی رشتے دار ہیں۔ اگر وہ محتاج اور تنگ دست ہوں تو ان کا حق اور زیادہ ہو جاتا ہے، چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی تجویز کے مطابق اسے اپنے قریبی رشتے داروں میں تقسیم کر دیا۔ ہمارے رجحان کے مطابق وقف کا مصرف متعین کیے بغیر بھی وقف صحیح ہے۔ وقف کرنے کے بعد وہ اپنے صوابدیدی اختیار کے مطابق اسے تقسیم کر سکتا ہے۔ جو لوگ جہت متعین کرنے کی پابندی لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے بغیر وقف صحیح نہیں، ان کا موقف محل نظر ہے۔ واللہ أعلم.

(١٥) بَابٌ: إِذَا قَالَ: أَرْضِي أَوْ بُسْتَانِي صَدَقَةٌ لِلّٰهِ عَنْ أُمِّي، فَهُوَ جَائِزٌ وَإِنْ لَمْ يُبَيِّنْ لِمَنْ ذٰلِكَ

باب: 15- جب کسی نے کہا: میری زمین یا میرا باغ میری والدہ کی طرف سے صدقہ ہے تو ایسا وقف جائز ہے اگرچہ یہ وضاحت نہ کرے کہ یہ کس کے لیے ہے

---

[1] عمدة القاري: 36/10.

وضاحت: اس عنوان میں اور پہلے میں تھوڑا سا فرق ہے۔ پہلے عنوان میں مصدق عنہ اور مصدق علیہ میں سے کسی کا تعین نہیں تھا جبکہ اس عنوان میں مصدق عنہ کا تعین ہے لیکن کسی مصدق علیہ کا تعین نہیں ہے۔ مصدق عنہ سے مراد وہ شخص ہے جس کی طرف سے صدقہ کیا جائے جبکہ مصدق علیہ وہ ہوتا ہے جس پر صدقہ کیا جائے۔

٢٧٥٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيدَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي يَعْلَى: أَنَّهُ سَمِعَ عِكْرِمَةَ يَقُولُ: أَنْبَأَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ تُوُفِّيَتْ أُمُّهُ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ أُمِّي تُوُفِّيَتْ وَأَنَا غَائِبٌ عَنْهَا، أَيَنْفَعُهَا شَيْءٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا؟ قَالَ: «نَعَمْ»، قَالَ: فَإِنِّي أُشْهِدُكَ أَنَّ حَائِطِي الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا. [انظر: ٢٧٦٢، ٢٧٧٠]

[2756] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عدم موجودگی میں ان کی والدہ فوت ہو گئیں۔ انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! میری عدم موجودگی میں میری والدہ فوت ہو گئی ہیں تو کیا اگر میں کوئی چیز ان کی طرف سے صدقہ کروں تو وہ انھیں نفع پہنچائے گی؟ آپ نے فرمایا: "ہاں (ضرور نفع دے گی)۔" حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میرا پھل دار باغ ان کی طرف سے صدقہ ہے۔

فوائد ومسائل: ① حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام عمرہ بنت مسعود تھا۔ ان کی وفات کے وقت حضرت سعد رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوۂ دومۃ الجندل میں شریک تھے۔ جب جنگ سے واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی قبر پر جا کر نماز جنازہ ادا کی۔ ② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس وقت اپنے والد گرامی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ واقعہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے سنا ہو گا جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ ③ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کی طرف سے باغ صدقہ کیا تھا۔ میت کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے۔ اس سے میت کو نفع پہنچتا ہے۔ ④ مخراف، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے باغ کا نام ہے جو زیادہ پھل دینے کی وجہ سے رکھا گیا تھا۔[1]

(١٦) بَابٌ: إِذَا تَصَدَّقَ أَوْ وَقَفَ بَعْضَ مَالِهِ أَوْ بَعْضَ رَقِيقِهِ أَوْ دَوَابِّهِ فَهُوَ جَائِزٌ

باب: 16- اگر کوئی اپنا کچھ مال، کچھ غلام یا کچھ جانور صدقہ یا وقف کرے تو جائز ہے

٢٧٥٧ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ

[2757] حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! میری توبہ کا اتمام یہ ہے کہ میں اپنا سارا مال اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر قربان کر کے

1 فتح الباري: 5/472,473.

كَعْبٍ قَالَ: سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ مِنْ تَوْبَتِي أَنْ أَنْخَلِعَ مِنْ مَّالِي صَدَقَةً إِلَى اللهِ وَإِلَى رَسُولِهِ ﷺ. قَالَ: «أَمْسِكْ عَلَيْكَ بَعْضَ مَالِكَ، فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ»، قُلْتُ: فَإِنِّي أُمْسِكُ سَهْمِيَ الَّذِي بِخَيْبَرَ. [انظر: ٢٩٤٧ - ٢٩٥٠، ٣٠٨٨، ٣٥٥٦، ٣٨٨٩، ٣٩٥١، ٤٤١٨، ٤٦٧٣، ٤٦٧٦، ٤٦٧٧، ٤٦٧٨، ٦٢٥٥، ٦٦٩٠، ٧٢٢٥]

اس سے دستبردار ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا: ''کچھ اپنے پاس بھی رکھو، یہ تمھارے حق میں بہتر ہے۔'' میں نے عرض کیا: اپنا وہ حصہ اپنے پاس رکھ لیتا ہوں جو خیبر میں ہے۔

فوائد ومسائل: ① اگر کسی نے اپنی جائیداد میں سے کچھ مال صدقہ یا وقف کیا تو بلا اختلاف جائز ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اسی بات کی ترغیب دی ہے کہ کل مال صدقہ کرنے کے بجائے کچھ مال صدقہ کیا جائے تاکہ آئندہ دنیاوی آفات میں فقر وفاقہ سے محفوظ رہے۔ ممکن ہے کہ عمر طویل ہو یا بینائی جاتی رہے یا کمزور تر ہو جائے یا کوئی موذی مرض لاحق ہو جائے جس کے باعث کاروبار بدستور قائم نہ رہ سکے اور اپنے پاس کچھ نہ ہونے کی وجہ سے سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت کعب بن مالک ؓ کو فرمایا: ''اپنا کچھ مال روک لو تاکہ آئندہ تمھیں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو۔'' وقف کی ایک قسم وقف مشاع ہے، یعنی کسی مشترک غیر ممتاز چیز کو وقف کرنا یا وقف منقول جیسا کہ چوپایہ اور آلات زراعت وغیرہ۔ ان کو وقف کرنے کے متعلق آئندہ احادیث ذکر ہوں گی۔ ② حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے کہ امام بخاری ؒ نے یہ باب وقف منقول کے لیے قائم کیا ہے جبکہ امام ابوحنیفہ ؒ اس کے قائل نہیں ہیں۔ اس سے وقف مشاع کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے جبکہ امام محمد بن حسن اس کے مخالف ہیں۔[1] لیکن ہمارے نزدیک امام بخاری ؒ نے اپنے مال سے کچھ حصہ وقف یا صدقہ کرنے کے متعلق یہ عنوان قائم کیا ہے کیونکہ وقف مشاع اور منقول سے متعلق احادیث آگے بیان ہوں گی۔ واللہ أعلم. واضح رہے کہ حضرت کعب بن مالک ؓ کا واقعہ تفصیل کے ساتھ آئندہ بیان ہوگا۔[2]

(١٧) بَابُ مَنْ تَصَدَّقَ إِلَى وَكِيلِهِ، ثُمَّ رَدَّ الْوَكِيلُ إِلَيْهِ

باب: 17- جس شخص نے اپنا صدقہ وکیل کے سپرد کر دیا، وکیل نے پھر اسی کی طرف واپس کر دیا

٢٧٥٨ - وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ ابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا عَنْ أَنَسٍ

[2758] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ''تم اس وقت تک ہرگز نیکی نہیں حاصل کر سکتے جب تک اپنی پسندیدہ چیز اللہ کی راہ

① فتح الباري: 473/5. 2. صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4418.

رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ: ﴿لَن تَنَالُوا۟ ٱلْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا۟ مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ [آل عمران:٩٢] جَاءَ أَبُو طَلْحَةَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! يَقُولُ اللهُ تَعَالَى فِي كِتَابِهِ: ﴿لَن تَنَالُوا۟ ٱلْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا۟ مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ [آل عمران:٩٢] وَإِنَّ أَحَبَّ أَمْوَالِي إِلَيَّ بَيْرُحَاءُ - قَالَ: وَكَانَتْ حَدِيقَةً كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدْخُلُهَا وَيَسْتَظِلُّ فِيهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَّائِهَا - فَهِيَ إِلَى اللهِ [عَزَّ وَجَلَّ] وَإِلَى رَسُولِهِ ﷺ، أَرْجُو بِرَّهُ وَذُخْرَهُ، فَضَعْهَا أَيْ رَسُولَ اللهِ! حَيْثُ أَرَاكَ اللهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «بَخٍ يَا أَبَا طَلْحَةَ! ذٰلِكَ مَالٌ رَّابِحٌ قَبِلْنَاهُ مِنْكَ وَرَدَدْنَاهُ عَلَيْكَ فَاجْعَلْهُ فِي الْأَقْرَبِينَ». فَتَصَدَّقَ بِهِ أَبُو طَلْحَةَ عَلَى ذَوِي رَحِمِهِ، قَالَ: وَكَانَ مِنْهُمْ أُبَيٌّ وَّحَسَّانُ، قَالَ: وَبَاعَ حَسَّانُ حِصَّتَهُ مِنْهُ مِنْ مُّعَاوِيَةَ، فَقِيلَ لَهُ: تَبِيعُ صَدَقَةَ أَبِي طَلْحَةَ؟ فَقَالَ: أَلَا أَبِيعُ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ بِصَاعٍ مِّنْ دَرَاهِمَ؟ قَالَ: وَكَانَتْ تِلْكَ الْحَدِيقَةُ فِي مَوْضِعِ قَصْرِ بَنِي حُدَيْلَةَ الَّذِي بَنَاهُ مُعَاوِيَةُ.

[راجع: ١٤٦١]

میں خرچ نہ کرو۔" تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: "تم اس وقت تک ہرگز نیکی نہیں حاصل کر سکتے جب تک اپنی پسندیدہ چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔" میری جائیداد میں مجھے بیرحاء کا باغ سب سے زیادہ محبوب ہے۔ یہ ایسا باغ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے جاتے، وہاں سائے میں بیٹھتے اور اس کے چشموں کا پانی نوش فرماتے تھے۔ یہ باغ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہے۔ میں اللہ کے ہاں اس کے ثواب اور ذخیرۂ آخرت کی امید رکھتا ہوں۔ اللہ کے رسول! آپ اسے وہاں خرچ کریں جہاں آپ کو اللہ تعالیٰ بتائے۔ (آپ اسے قبول فرمائیں اور جہاں مناسب خیال کریں اسے مصرف میں لائیں۔) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "واہ، واہ! اے ابوطلحہ تجھے مبارک ہو۔ یہ مال تو بہت مفید اور نفع بخش ہے۔ ہم اس کو تم سے قبول کر کے پھر تمھارے ہی حوالے کرتے ہیں۔ آپ اسے اپنے قریبی رشتہ داروں میں خرچ کریں۔" چنانچہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اسے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کر دیا۔ ان قریبی رشتہ داروں میں سے حضرت ابی بن کعب اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما تھے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اپنا حصہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیچ دیا۔ ان سے کہا گیا: تم حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا دیا ہوا صدقہ فروخت کر رہے ہو؟ تو انھوں نے فرمایا: میں کھجور کا ایک صاع دراہم کے ایک صاع کے عوض کیوں نہ فروخت کروں؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ باغ بنو حدیلہ کے محل کی جگہ واقع تھا جسے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تعمیر کرایا تھا۔

فوائد و مسائل: ① حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنا وکیل بنا کر باغ ان کے حوالے کر دیا۔ آپ نے اسے قبول فرما کر پھر انھیں واپس کر دیا اور فرمایا: ''تم اسے اپنے قریبی رشتے داروں میں تقسیم کر دو۔'' ② اس روایت میں ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اپنا حصہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بیچ ڈالا تو لوگوں نے اس پر اعتراض کیا۔ انھوں نے فرمایا: اب تو کھجور چاندی کے عوض فروخت ہو رہی ہے، یعنی ایسی گراں قیمت پھر کب ملے گی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک لاکھ درہم میں ان کا حصہ خریدا تھا۔ چونکہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے یہ باغ معین لوگوں کو وقف کیا تھا، لہٰذا ان کے لیے اپنا حصہ فروخت کرنا جائز تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں پر وقف کرتے وقت یہ شرط لگا دی تھی کہ اگر انھیں ضرورت ہو تو فروخت کر سکتے ہیں، بصورت دیگر وقف کو فروخت کرنا صحیح نہیں کیونکہ وقف میں تملیک نہیں ہوتی۔ واللہ أعلم.

(١٨) بَابُ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ﴾ [النساء: ٨]

باب: 18- ارشاد باری تعالیٰ: ''جب تقسیم ترکہ کے وقت قرابت دار، یتیم اور مسکین لوگ آئیں تو انھیں اس ترکے سے کچھ نہ کچھ ضرور دو'' کی تفسیر

٢٧٥٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: إِنَّ نَاسًا يَزْعُمُونَ أَنَّ هٰذِهِ الْآيَةَ نُسِخَتْ، وَلَا وَاللهِ مَا نُسِخَتْ وَلٰكِنَّهَا مِمَّا تَهَاوَنَ النَّاسُ، هُمَا وَالِيَانِ: وَالٍ يَرِثُ وَذَاكَ الَّذِي يَرْزُقُ، وَوَالٍ لَا يَرِثُ فَذَاكَ الَّذِي يَقُولُ بِالْمَعْرُوفِ، يَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ أَنْ أُعْطِيَكَ.

[انظر: ٤٥٧٦]

[2759] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: لوگ کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت منسوخ ہے۔ نہیں، اللہ کی قسم! یہ منسوخ نہیں ہے، البتہ لوگ اس پر عمل کرنے میں سست ہو گئے ہیں۔ دراصل ترکہ لینے والے دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں: ایک تو وہ جو خود وارث ہوں، انھیں تو اس وقت کچھ خرچ کرنے کا حکم ہے، دوسرے وہ جو خود وارث نہیں، انھیں حکم ہے کہ وہ نرمی سے جواب دیں۔ وہ یوں کہے کہ میں تو تمھیں دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔

فوائد و مسائل: ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مقصد ہے کہ اس آیت کے مخاطب دو قسم کے لوگ ہیں: ایک تو وہ جو مال کے وارث ہوں گے، جیسے عصبات وغیرہ ہیں۔ انھیں حکم ہے کہ تقسیم وراثت کے وقت اپنے حصے سے غرباء اور مساکین کو کچھ نہ کچھ ضرور دیں۔ یہ استحبابی حکم ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو وارث نہیں بلکہ متصرف ہیں جیسا کہ یتیم کا متولی ہے۔ اسے حکم ہے کہ وہ معذرت کرے کہ میں خود کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، اس لیے کچھ دینے سے معذرت خواہ ہوں۔ بعض فقہاء کا خیال ہے کہ اس آیت میں خطاب ورثاء کے لیے ہے کہ وہ دو کام کریں: ایک یہ کہ وہ تقسیم ترکہ کے وقت غرباء، مساکین اور رشتے داروں کو کچھ نہ

کچھ دیں۔ دوسرا کام یہ ہے کہ اگر مال وراثت کم ہے تو اچھے انداز سے معذرت کریں۔ ③ اہل علم کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ مذکورہ آیت میراث کے مشروع ہونے کی وجہ سے منسوخ ہے۔ ہمارے رجحان کے مطابق یہ آیت محکم ہے اور اس میں امر استحباب کے لیے ہے۔ واللہ أعلم.

(١٩) بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ لِمَنْ تُوُفِّيَ فُجَاءَةً أَنْ يَتَصَدَّقُوا عَنْهُ، وَقَضَاءِ النُّذُورِ عَنِ الْمَيِّتِ

باب: 19- اگر کوئی اچانک فوت ہو جائے تو اس کی طرف سے خیرات کرنی چاہیے اور میت کی نذر و منت بھی پوری کرنی چاہیے

٢٧٦٠ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: إِنَّ أُمِّي افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَأُرَاهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ، أَفَأَتَصَدَّقُ عَنْهَا؟ قَالَ: «نَعَمْ، تَصَدَّقْ عَنْهَا».

[راجع: ١٣٨٨]

[2760] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے عرض کیا: میری والدہ اچانک وفات پا گئی ہے، میرے خیال کے مطابق اگر اسے گفتگو کا موقع ملتا تو وہ ضرور صدقہ کرتی۔ کیا میں اب اس کی طرف سے صدقہ کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں تم اس کی طرف سے صدقہ کرو۔''

فوائد و مسائل: ① اس عنوان کے دو جز ہیں، پہلا یہ ہے کہ میت کی طرف سے صدقہ و خیرات کیا جائے کیونکہ صدقہ میت کو نفع دیتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب ابن آدم فوت ہو جائے تو اس کے تمام اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر تین اعمال کا ثواب بدستور جاری رہتا ہے۔ ان میں ایک صدقہ جاریہ ہے۔[1] ② سنن نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت سعد ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: میری والدہ کے لیے کون سا صدقہ بہتر ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا: ''پانی پلانا بہتر صدقہ ہے۔''[2] روایات میں اس امر کی وضاحت ہے کہ حضرت سعد ؓ نے اپنی والدہ کے لیے ایک کنواں وقف کیا تھا جس کا نام بئر ام سعد تھا۔

٢٧٦١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اسْتَفْتَى رَسُولَ اللهِ

[2761] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: میری والدہ فوت ہو گئی ہیں اور ان کے ذمہ ایک منت تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اس کی طرف سے نذر پوری کرو۔''

1 صحيح مسلم، الوصية، حديث: 4223 (1631). 2 سنن النسائي، الوصايا، حديث: 3694.

ﷺ فَقَالَ: إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ وَعَلَيْهَا نَذْرٌ، فَقَالَ: «اقْضِهِ عَنْهَا». [انظر: ٦٦٩٨، ٦٩٥٩]

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ نے حضرت ابن عباس ؓ کی مذکورہ روایت سے حضرت عائشہ ؓ سے مروی حدیث میں ایک ابہام دور کیا ہے کہ اس میں مذکور شخص سے مراد حضرت سعد بن عبادہ ؓ ہیں۔ ② روایات سے حضرت سعد ؓ کے کلام میں تضاد معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایک روایت میں ہے: میری والدہ کے ذمے نذر تھی۔ دوسری روایت میں ہے: میری والدہ میری عدم موجودگی میں وفات پا گئی ہیں، اگر میں صدقہ کروں تو انھیں فائدہ ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے حضرت سعد ؓ نے اپنی والدہ کی نذر اور ان کی طرف سے صدقہ، دونوں کے متعلق سوال کیا ہو۔ ③ بہرحال اس حدیث سے عنوان کا دوسرا حصہ ثابت ہوتا ہے کہ میت کے ذمے اگر نذر ہو تو ورثاء کو اسے پورا کرنا چاہیے۔ اولاد کو چاہیے کہ وہ والدین کے اس قسم کے فرائض کو پورا کریں جن کا ذکر حدیث میں ہے۔

(٢٠) بَابُ الْإِشْهَادِ فِي الْوَقْفِ وَالصَّدَقَةِ

باب: 20- وقف اور صدقے میں گواہ بنانا

٢٧٦٢ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ: أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ: أَخْبَرَنِي يَعْلَى أَنَّهُ سَمِعَ عِكْرِمَةَ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ يَقُولُ: أَنْبَأَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - أَخَا بَنِي سَاعِدَةَ - تُوُفِّيَتْ أُمُّهُ وَهُوَ غَائِبٌ، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ أُمِّي تُوُفِّيَتْ وَأَنَا غَائِبٌ عَنْهَا، فَهَلْ يَنْفَعُهَا شَيْءٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا؟ قَالَ: «نَعَمْ»، قَالَ: فَإِنِّي أُشْهِدُكَ أَنَّ حَائِطِي الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا. [راجع: ٢٧٥٦]

[2762] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ ؓ جو قبیلۂ بنو ساعدہ سے ہیں، ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا جبکہ وہ گھر سے باہر تھے۔ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے اور میں اس وقت موجود نہیں تھا۔ تو کیا اب اگر میں اس کی طرف سے کوئی چیز صدقہ کروں تو اس کو فائدہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔'' حضرت سعد ؓ نے عرض کیا: میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میرا باغ مخراف اس کی طرف سے صدقہ ہے۔

فوائد ومسائل: ① جب اس حدیث سے صدقے پر گواہ بنانا ثابت ہو گیا تو وقف اور وصیت کو اس پر قیاس کر کے ان کے لیے بھی گواہ بنانا ثابت ہو جائے گا۔ حافظ ابن حجر ؒ کہتے ہیں: حدیث میں رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دینے کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ معروف گواہی مراد نہ ہو۔ لیکن جب خرید وفروخت میں گواہ بنانا قرآن سے ثابت ہے، حالانکہ اس میں معاوضہ ہوتا ہے تو وقف اور وصیت میں تو بالاولیٰ گواہ بنانا درست ہوگا۔ ② شارح بخاری ابن

منیر کہتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے ایک وہم دور کیا ہے، وہ یہ کہ جب وقف وغیرہ نیکی کے اعمال سے ہے تو اسے لوگوں سے مخفی رکھنا چاہیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے وضاحت کر دی ہے کہ اس کا ظاہر کرنا جائز ہے تاکہ کل کو اس کے متعلق کوئی وارث جھگڑا یا اختلاف نہ کرے۔[1] ابن بطال نے کہا ہے: وقف میں گواہ بنانا واجب ہے، اس کے بغیر وقف درست نہیں ہوگا۔[2]

(۲۱) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَءَاتُوا۟ ٱلْيَتَـٰمَىٰٓ أَمْوَٰلَهُمْ ۖ وَلَا تَتَبَدَّلُوا۟ ٱلْخَبِيثَ بِٱلطَّيِّبِ ۖ وَلَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَهُمْ إِلَىٰٓ أَمْوَٰلِكُمْ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿فَٱنكِحُوا۟ مَا طَابَ لَكُم مِّنَ ٱلنِّسَآءِ﴾ [النساء: ۲، ۳]

باب: 21- ارشاد باری تعالیٰ: ”اور یتیموں کو ان کے مال واپس کر دو اور ان کی کسی اچھی چیز کے عوض انھیں گھٹیا چیز نہ دو اور نہ ان کا مال ہی اپنے مال میں ملا کر کھاؤ...... تو پھر دوسری عورتوں سے نکاح کر لو جو تمھیں پسند ہوں“ کا بیان

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے وقف اور وصیت کے عنوان میں یتیموں کی نگہداشت سے متعلقہ احادیث اس لیے بیان کی ہیں کہ وقف کی نگرانی بھی یتیموں کے حقوق کی نگرانی کی طرح ہے۔ اس کے مصالح کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ گویا یہ وقف مال یتیم کی طرح ایک امانت ہے جس کی حفاظت بہت محنت طلب ہے۔ اس میں معمولی سی کوتاہی انسان کو اللہ کی رحمت سے دور کر سکتی ہے۔[3]

۲۷۶۳ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: كَانَ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ يُحَدِّثُ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا۟ فِى ٱلْيَتَـٰمَىٰ فَٱنكِحُوا۟ مَا طَابَ لَكُم مِّنَ ٱلنِّسَآءِ﴾ قَالَتْ: هِيَ الْيَتِيمَةُ فِي حَجْرِ وَلِيِّهَا، فَيَرْغَبُ فِي جَمَالِهَا وَمَالِهَا، وَيُرِيدُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا بِأَدْنَى مِنْ سُنَّةِ نِسَائِهَا فَنُهُوا عَنْ نِكَاحِهِنَّ إِلَّا أَنْ يُقْسِطُوا لَهُنَّ فِي إِكْمَالِ الصَّدَاقِ، وَأُمِرُوا بِنِكَاحِ مَنْ سِوَاهُنَّ مِنَ النِّسَاءِ، قَالَتْ عَائِشَةُ: ثُمَّ اسْتَفْتَى النَّاسُ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَعْدُ، فَأَنْزَلَ

[2763] حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے، انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کریمہ کے متعلق سوال کیا: ”اور اگر تمھیں خطرہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے متعلق تم انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر دوسری عورتوں سے نکاح کر لو جو تمھیں پسند ہوں۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: یتیم لڑکی اپنے سرپرست کی پرورش میں ہوتی تھی اور وہ اس کے حسن و جمال اور مال و متاع میں رغبت کرتا لیکن وہ چاہتا کہ اس کے خاندان کی عورتوں کے مہر سے کم مہر کے عوض اس سے نکاح کر لے، اس لیے انھیں ایسی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے روک

1 فتح الباري: 5/478. 2 عمدة القاري: 10/45. 3 عمدة القاري: 10/45.

اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي ٱلنِّسَآءِ قُلِ ٱللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ﴾ [النساء:١٢٧] قَالَتْ: فَبَيَّنَ اللهُ فِي هٰذِهِ أَنَّ الْيَتِيمَةَ إِذَا كَانَتْ ذَاتَ جَمَالٍ وَّمَالٍ رَغِبُوا فِي نِكَاحِهَا، وَلَمْ يُلْحِقُوهَا بِسُنَّتِهَا بِإِكْمَالِ الصَّدَاقِ، فَإِذَا كَانَتْ مَرْغُوبَةً عَنْهَا فِي قِلَّةِ الْمَالِ وَالْجَمَالِ تَرَكُوهَا وَالْتَمَسُوا غَيْرَهَا مِنَ النِّسَاءِ، قَالَ: فَكَمَا يَتْرُكُونَهَا حِينَ يَرْغَبُونَ عَنْهَا فَلَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَنْكِحُوهَا إِذَا رَغِبُوا فِيهَا إِلَّا أَنْ يُقْسِطُوا لَهَا الْأَوْفٰى مِنَ الصَّدَاقِ وَيُعْطُوهَا حَقَّهَا. [راجع: ٢٤٩٤]

دیا گیا مگر اس صورت میں کہ ان کے حق مہر کی پوری ادائیگی کریں۔ اور انھیں حکم دیا گیا کہ ان کے علاوہ دوسری عورتوں سے نکاح کر لیں۔ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: پھر لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بعد فتویٰ پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''یہ لوگ آپ سے عورتوں کے متعلق فتویٰ پوچھتے ہیں تو آپ فرما دیں کہ اللہ تمھیں ان کے متعلق فتویٰ دیتا ہے۔'' حضرت عائشہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں بیان کیا ہے کہ یتیم لڑکی جب جمال اور مال والی ہوتی تو لوگ اس کے نکاح کرنے میں بہت دلچسپی رکھتے لیکن حق مہر دینے میں خاندانی عورتوں کا طریقہ اختیار نہ کرتے تھے۔ جب لڑکی کا مال کم ہوتا اور وہ خوبصورت نہ ہوتی تو اس سے نکاح کرنے میں کوئی رغبت نہ رکھتے بلکہ اس کے علاوہ دوسری عورتیں تلاش کرتے۔ حضرت عروہ نے فرمایا: جب وہ ان میں رغبت نہ کرنے کے وقت انھیں چھوڑے رکھتے ہیں تو ان کے لیے یہ جائز نہیں کہ جب ان میں رغبت کریں تو ان سے نکاح کریں، البتہ اگر ان کا مہر پورا ادا کرنے میں انصاف کریں اور انھیں پورا پورا حق دیں تو پھر ان سے نکاح کرنے کی اجازت ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کی عنوان سے مناسبت اس طرح ہے کہ اوقاف کی حفاظت اس شخص کے ذمے ہے جو ان کا متولی ہو جس طرح یتیموں کے مال کی نگہداشت ان کے سرپرستوں کے ذمے ہے تاکہ وہ ان کے اموال کی حفاظت اور خیال کریں۔ ② مذکورہ آیات و حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس یتیم لڑکی ہو اور وہ اسے مہر مثل ادا نہ کر سکتا ہو تو وہ نکاح کے لیے دوسری عورتوں کی طرف رجوع کرے کیونکہ یتیم لڑکی کے علاوہ اور عورتیں بکثرت ہیں۔ اور اگر ضرور یتیم لڑکی سے نکاح کرنا ہے تو اس کا حق مہر پورا ادا کیا جائے جو اس کی ہم عصر عورتوں کا ہے، اس میں کسی قسم کی کمی نہ کی جائے۔

(۲۲) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: ﴿وَٱبْتَلُوا۟ ٱلْيَتَٰمَىٰ حَتَّىٰٓ إِذَا بَلَغُوا۟ ٱلنِّكَاحَ فَإِنْ ءَانَسْتُم مِّنْهُمْ رُشْدًا فَٱدْفَعُوٓا۟ إِلَيْهِمْ أَمْوَٰلَهُمْ ۖ وَلَا تَأْكُلُوهَآ إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَن يَكْبَرُوا۟ ۚ وَمَن كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۖ وَمَن كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَٰلَهُمْ فَأَشْهِدُوا۟ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ حَسِيبًا ○ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَٰلِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَٰلِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ [النساء: ٦، ٧] حَسِيبًا: يَعْنِي كَافِيًا.

باب: 22- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور یتیم بچوں کی جانچ پرکھ کرتے رہو حتی کہ وہ نکاح کے قابل عمر کو پہنچ جائیں، پھر اگر تم ان میں اہلیت معلوم کرو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔ اور اس اندیشے کے پیش نظر کہ وہ بڑے ہو جائیں گے ان کے مال ضرورت سے زیادہ اور جلدی جلدی مت کھاؤ۔ اور جو کفیل کھاتا پیتا ہو اسے چاہیے کہ یتیم کے مال سے کچھ نہ لے اور جو محتاج ہو وہ عرف کے مطابق اپنا حق الخدمت کھا سکتا ہے۔ پھر جب تم یتیموں کے مال انھیں واپس کرو تو ان پر گواہ بنا لیا کرو اور حساب لینے کے لیے تو اللہ ہی کافی ہے۔ مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں، اسی طرح عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں، خواہ یہ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ، ہر ایک کا طے شدہ حصہ ہے'' کا بیان۔ حَسِيبًا کے معنی ہیں: کافی ہے۔

وضاحت: آیت کریمہ میں ﴿حَسِيبًا﴾ کے معنی ہیں: کافی ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ یتیم کے مال کو شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کر جاتے تھے، نیز فوت ہو جانے والے شخص کے ترکے سے عورتوں کو حصہ نہیں دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں انھی دو بری رسموں کا خاتمہ کیا ہے اور یتیم کے مال کا ایک ضابطہ بیان کیا ہے، نیز مرنے والے کے ترکے سے عورت، مرد سب کا حصہ مقرر کر دیا ہے۔ اب قرآنی نص کے مطابق ایک عورت اپنی جائیداد کو فروخت کر سکتی ہے۔ وصیت بھی کر سکتی ہے۔ اوقاف کی نگران بھی ہو سکتی ہے۔ الغرض اسلام نے عورتوں کو بھی مردوں کی طرح حقوق دیے ہیں۔

[بَابٌ]: وَمَا لِلْوَصِيِّ أَنْ يَعْمَلَ فِي مَالِ الْيَتِيمِ وَمَا يَأْكُلُ مِنْهُ بِقَدْرِ عُمَالَتِهِ

باب: متولی، یتیم کے مال میں محنت کرے اور بقدر محنت اس مال سے کھائے

٢٧٦٤ - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ الْأَشْعَثِ: حَدَّثَنَا

[2764] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت

أَبُو سَعِيدٍ مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ: حَدَّثَنَا صَخْرُ بْنُ جُوَيْرِيَةَ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ عُمَرَ تَصَدَّقَ بِمَالٍ لَّهُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَكَانَ يُقَالُ لَهُ: ثَمْغٌ، وَكَانَ نَخْلًا، فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي اسْتَفَدْتُ مَالًا وَّهُوَ عِنْدِي نَفِيسٌ فَأَرَدْتُ أَنْ أَتَصَدَّقَ بِهِ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «تَصَدَّقْ بِأَصْلِهِ، لَا يُبَاعُ وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُورَثُ، وَلٰكِنْ يُّنْفَقُ ثَمَرُهُ». فَتَصَدَّقَ بِهِ عُمَرُ فَصَدَقَتُهُ تِلْكَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَفِي الرِّقَابِ وَالْمَسَاكِينِ وَالضَّيْفِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى، وَلَا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ وَّلِيَهُ أَنْ يَّأْكُلَ مِنْهُ بِالْمَعْرُوفِ، أَوْ يُؤْكِلَ صَدِيقَهُ غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ بِهِ. [راجع: ٢٣١٣]

عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اپنا مال صدقہ کیا۔ وہ کھجوروں کا باغ تھا جسے ثمغ کہا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھے ایک جائیداد ملی ہے اور میرے نزدیک یہ نہایت ہی عمدہ مال ہے۔ میں اسے صدقہ کرنا چاہتا ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اصل مال کو اس طرح صدقہ کرو کہ اسے نہ فروخت کیا جائے اور نہ کسی کو ہبہ دیا جائے، نیز اسے بطور وراثت تقسیم نہ کیا جائے لیکن اس کی پیداوار اور پھل وغیرہ خرچ کیا جاتا رہے۔'' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے صدقہ کر دیا۔ ان کا یہ صدقہ فی سبیل اللہ، نیز غلام آزاد کرنے، مسکینوں، مہمانوں، مسافروں اور قریبی رشتہ داروں کے لیے تھا۔ اور جو کوئی اس کا نگران ہو وہ اس سے معروف طریقے سے کھا سکتا ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں، اور اپنے احباب کو بھی کھلا سکتا ہے بشرطیکہ اس میں سے مال جمع کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وقف کا نگران اپنی محنت کے عوض دستور کے مطابق اس سے کھا سکتا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باغ وقف کرتے وقت طے کر دیا تھا۔ اسی طرح یتیم کا مال تجارت میں لگانا، پھر اس سے محنت کا عوضانہ وصول کرنا جائز ہے بشرطیکہ عرف کے مطابق ہو۔ اسے ذخیرہ اندوزی کا بہانہ بنانا درست نہیں جیسا کہ آئندہ حدیث عائشہ میں اس کی وضاحت ہے۔

٢٧٦٥ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا ﴿وَمَن كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَن كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [النساء:٦] قَالَتْ: أُنْزِلَتْ فِي وَالِي الْيَتِيمِ أَنْ يُّصِيبَ مِنْ مَّالِهِ إِذَا كَانَ مُحْتَاجًا بِقَدْرِ مَالِهِ بِالْمَعْرُوفِ. [راجع: ٢٢١٢]

[2765] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے اس آیت کریمہ کے متعلق فرمایا: ''جو مالدار ہے وہ خود کو یتیم کے مال سے بچائے رکھے، البتہ جو محتاج ہو وہ دستور کے مطابق کھا سکتا ہے۔'' یہ آیت کریمہ یتیم کے متولی کے متعلق نازل ہوئی۔ اگر وہ ضرورت مند اور محتاج ہو تو وہ یتیم کے مال سے بقدر ضرورت دستور کے مطابق لے سکتا ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ یتیم کے مال کو تجارت میں لگانا جائز ہے، اس میں محنت کی جائے۔ اگر

یتیم کا متولی مال دار ہے تو یہ خدمت فی سبیل اللہ انجام دے۔ اگر محتاج ہے تو ضرورت کے مطابق یا بقدر عمل لینے کی اجازت ہے۔ ② یتیم کے علاوہ دیگر معاملات میں اگر کوئی شخص محبوس (کسی کام کی وجہ سے مصروف، یعنی خدمت وغیرہ میں) ہے تو وہ اپنے کام اور محنت کے مطابق اس کا عوضانہ لے سکتا ہے، خواہ محنت کرنے والا مال دار ہو یا تنگدست، البتہ یتیم کے مال میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ اس احتیاط کے متعلق نص صریح ہے۔ واللہ أعلم.

(٢٣) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا﴾ [النساء: ١٠]

باب: 23- ارشاد باری تعالیٰ: ”بے شک وہ لوگ جو یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں، وہ ضرور بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیے جائیں گے“ کا بیان

٢٧٦٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الْمَدَنِيِّ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ». قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: «اَلشِّرْكُ بِاللهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ». [انظر: ٥٧٦٤، ٦٨٥٧]

[2766] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”سات ہلاکت خیز گناہوں سے احتراز کرو۔“ صحابۂ کرام نے عرض کیا: اللہ کے رسول! وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، جادو کرنا، کسی جان کو قتل کرنا جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ جائز ہے، سود کھانا، یتیم کا مال ہڑپ کرنا، لڑائی کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا اور پاک دامن اہل ایمان، بھولی بھالی خواتین پر زنا کی تہمت لگانا۔“

فائدہ: اس حدیث میں یتیم کا مال ہڑپ کرنے کو سات تباہ کن گناہوں میں شامل کیا گیا ہے۔ کبیرہ گناہوں کی تعداد سات سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ وہ گناہ ہیں جن کا مرتکب اگر توبہ کے بغیر مر گیا تو یقیناً جہنم رسید ہوگا الا یہ کہ اللہ اسے معاف کر دے۔

(٢٤) بَابٌ: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ﴾ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ [البقرة: ٢٢٠].

باب: 24- ارشاد باری تعالیٰ: ”لوگ آپ سے یتیموں کے متعلق دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیں کہ ان کی بھلائی ملحوظ رکھنا ہی بہتر ہے۔ اگر تم ان کو اپنے ساتھ رکھو تو وہ تمھارے دینی بھائی ہیں......“ کی تفسیر

﴿لَأَعْنَتَكُمْ﴾: لَأَحْرَجَكُمْ وَضَيَّقَ عَلَيْكُمْ، ﴿وَعَنَتْ﴾ [طه: ١١١]: خَضَعَتْ.

﴿لَأَعْنَتَكُمْ﴾ کے معنی ہیں: ''تمھیں حرج اور تنگی میں مبتلا کر دیتا۔'' اور ﴿عَنَتْ﴾ کے معنی ہیں: ''جھک گئے۔''

٢٧٦٧ - وَقَالَ لَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَّافِعٍ قَالَ: مَا رَدَّ ابْنُ عُمَرَ عَلَى أَحَدٍ وَّصِيَّتَهُ وَكَانَ ابْنُ سِيرِينَ أَحَبَّ الْأَشْيَاءِ إِلَيْهِ فِي مَالِ الْيَتِيمِ أَنْ يَّجْتَمِعَ إِلَيْهِ نُصَحَاؤُهُ وَأَوْلِيَاؤُهُ فَيَنْظُرُوا الَّذِي هُوَ خَيْرٌ لَّهُ. وَكَانَ طَاوُسٌ إِذَا سُئِلَ عَنْ شَيْءٍ مِّنْ أَمْرِ الْيَتَامٰى قَرَأَ: ﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾ [البقرة: ٢٢٠] وَقَالَ عَطَاءٌ فِي يَتَامَى الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ: يُنْفِقُ الْوَلِيُّ عَلَى كُلِّ إِنْسَانٍ بِقَدْرِهِ مِنْ حِصَّتِهِ.

[2767] حضرت نافع سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کبھی کسی کی وصیت کو مسترد نہیں کرتے تھے۔ ابن سیرین فرماتے ہیں کہ یتیم کے مال کے متعلق میرے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے کہ اس کے مخلص خیرخواہ اور سرپرست جمع ہو جائیں اور غور کریں کہ یتیم کی بہتری کس چیز میں ہے۔ حضرت طاؤس سے اگر یتیموں کے کسی معاملے کے متعلق دریافت کیا جاتا تو وہ یہ آیت پڑھتے: ''اللہ تعالیٰ فسادی اور خیرخواہ کو خوب جانتا ہے۔'' حضرت عطاء چھوٹے بڑے یتیم کے متعلق فرماتے ہیں کہ سرپرست ہر ایک پر اس کے حصے کے مطابق خرچ کرے۔

فوائد و مسائل: ① عنوان میں ذکر کردہ آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ......﴾ ''تم یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ......''[1] تو لوگوں نے یتیم کا مال اور اس کا کھانا وغیرہ بالکل چھوڑ دیا۔ جو کچھ ان کے طعام سے بچ جاتا وہ خراب ہو جاتا۔ یہ حکم بہت مشکل ثابت ہوا تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، اس کے متعلق مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔[2] ② طاؤس کے اثر کو سفیان بن عیینہ نے اور حضرت عطاء کے اثر کو ابن ابی شیبہ نے متصل سند سے ذکر کیا ہے۔[3] بہرحال اللہ تعالیٰ نے یتیم کے مال کے بارے میں بڑے سخت اور کڑے احکام جاری کیے ہیں۔

(٢٥) بَابُ اسْتِخْدَامِ الْيَتِيمِ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ إِذَا كَانَ صَلَاحًا لَّهُ، وَنَظَرِ الْأُمِّ أَوْ زَوْجِهَا لِلْيَتِيمِ

باب: 25- سفر و حضر میں یتیم سے خدمت لینا جبکہ وہ خدمت کے قابل ہو، نیز والدہ اور اس کے سوتیلے باپ کا یتیم کی دیکھ بھال کرنا

٢٧٦٨ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ كَثِيرٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَدِمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَدِينَةَ

[2768] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ کا کوئی خدمت گزار نہیں تھا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ میرا ہاتھ پکڑ کر آپ

① الأنعام 6:152. ② فتح الباري: 5/483. ③ فتح الباري: 5/482.

لَيْسَ لَهُ خَادِمٌ فَأَخَذَ أَبُو طَلْحَةَ بِيَدِي فَانْطَلَقَ بِي إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ أَنَسًا غُلَامٌ كَيِّسٌ فَلْيَخْدُمْكَ، قَالَ: فَخَدَمْتُهُ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ مَا قَالَ لِي لِشَيْءٍ صَنَعْتُهُ: لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا هٰكَذَا؟ وَلَا لِشَيْءٍ لَمْ أَصْنَعْهُ: لِمَ لَمْ تَصْنَعْ هٰذَا هٰكَذَا؟. [انظر: ٦٠٣٨، ٦٩١١]

کی خدمت میں لے آئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! یقیناً انس ایک زیرک بچہ ہے۔ یہ آپ کی خدمت کرے گا۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے سفر و حضر میں آپ کی خدمت کا فریضہ سرانجام دیا۔ آپ نے مجھے کسی کام کے متعلق جو میں نے کر دیا ہو یہ کبھی نہ فرمایا: تم نے اس طرح کیوں کیا؟ اسی طرح کسی ایسے کام کے متعلق جو میں نہ کر سکا، آپ نے کبھی سرزنش نہ کی کہ تو نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب یتیم میں خدمت کرنے کی صلاحیت ہو تو اسے سفر میں ساتھ لے جانا جائز ہے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سوتیلے باپ تھے کیونکہ ان کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا سے انھوں نے نکاح کر لیا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال تھی جب انھیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا گیا، پھر انھیں دس سال تک سفر و حضر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت کا موقع ملا۔ انھوں نے بہت قریب سے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق فاضلہ کا مطالعہ کیا اور قیامت تک وہ رسول اللہ ﷺ کے خدمت گزار کی حیثیت سے پہچانے جائیں گے۔ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو ان کی عمر سو سال سے زیادہ تھی۔ ② حضرت انس رضی اللہ عنہ کے خادم بننے کی تفصیل اس طرح ہے کہ ان کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے انھیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت کے لیے پیش کیا تھا۔[1] پھر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ان کی اجازت سے غزوۂ خیبر کے لیے جاتے وقت دوران سفر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت کے لیے ان کا انتخاب کیا۔[2]

(٢٦) بَابٌ: إِذَا وَقَفَ أَرْضًا وَلَمْ يُبَيِّنِ الْحُدُودَ فَهُوَ جَائِزٌ، وَكَذٰلِكَ الصَّدَقَةُ

باب: 26- اگر کسی نے زمین وقف کی اور (اس کے معروف ہونے کی وجہ سے) اس کی حدود متعین نہ کیں تو جائز ہے اور اسی طرح صدقے کا بھی یہی حکم ہے

٢٧٦٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ: أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: كَانَ أَبُو طَلْحَةَ أَكْثَرَ الْأَنْصَارِ بِالْمَدِينَةِ مَالًا مِّنْ نَّخْلٍ، وَكَانَ أَحَبَّ مَالِهِ إِلَيْهِ بَيْرُحَاءُ، مُسْتَقْبِلَةَ

[2769] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں تمام انصار سے زیادہ مال دار تھے۔ ان کے پاس کھجوروں کے باغات تھے۔ مسجد نبوی کے سامنے ان کا سب سے پسندیدہ مال بیرحاء کا باغ تھا جس میں نبی ﷺ تشریف لاتے اور

[1] صحيح البخاري، الصوم، حديث: 1982. [2] صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 2893.

الْمَسْجِدِ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَّاءٍ فِيهَا طَيِّبٍ، قَالَ أَنَسٌ: فَلَمَّا نَزَلَتْ: ﴿لَن تَنَالُوا۟ ٱلْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا۟ مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ [آل عمران: ٩٢] قَامَ أَبُو طَلْحَةَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ اللهَ يَقُولُ: ﴿لَن تَنَالُوا۟ ٱلْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا۟ مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ [آل عمران: ٩٢] وَإِنَّ أَحَبَّ أَمْوَالِي إِلَيَّ بَيْرُحَاءَ، وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ أَرْجُو بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللهِ، فَضَعْهَا حَيْثُ أَرَاكَ اللهُ. فَقَالَ: «بَخٍ، ذٰلِكَ مَالٌ رَّابِحٌ - أَوْ رَايِحٌ، شَكَّ ابْنُ مَسْلَمَةَ - وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ، وَإِنِّي أَرٰى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِينَ»، قَالَ أَبُو طَلْحَةَ: أَفْعَلُ ذٰلِكَ يَا رَسُولَ اللهِ! فَقَسَمَهَا أَبُو طَلْحَةَ فِي أَقَارِبِهِ وَبَنِي عَمِّهِ. وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ وَيَحْيَى بْنُ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ: «رَايِحٌ». [راجع: ١٤٦١]

اس کا بہترین پانی نوش جاں کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: جب یہ آیت اتری: ”تم لوگ اس وقت تک نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنی محبوب ترین چیز خرچ نہ کرو۔“ تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے حضور کھڑے ہوئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”تم ہرگز نیکی نہیں حاصل کر سکتے جب تک اپنی پیاری چیز اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔“ اور میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب مال بیرحاء نامی باغ ہے۔ یہ اللہ کے لیے صدقہ ہے۔ میں اللہ کے حضور اس کے ثواب اور ذخیرے کی امید رکھتا ہوں۔ آپ اسے رکھ لیں اور جہاں مناسب خیال فرمائیں اسے خرچ کریں۔ آپ نے فرمایا: ”واہ، واہ! یہ مال نفع دینے والا ہے..... یا جانے والا ہے۔ (راویٔ حدیث) ابن مسلمہ نے شک کیا ہے..... جو کچھ تم نے کہا میں نے اسے سن لیا ہے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔“ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! میں ایسا ہی کروں گا، چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچا کے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔

اسماعیل، عبداللہ بن یوسف اور یحییٰ بن یحییٰ نے امام مالک سے مَالٌ رَایِحٌ کے الفاظ بیان کیے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① وقف کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اپنی وقف کی ہوئی چیز کی حدود کو متعین کرے، مثلاً: بہت سے باغات ہیں تو جب تک وقف کے لیے کسی باغ کا تعین نہیں کرے گا وقف صحیح نہیں ہوگا۔ اسی طرح جب کوئی زمین وقف کرے اور اس کی حدود اربعہ کا ذکر نہ کرے تو وقف جائز ہے بشرطیکہ لوگوں میں اس کی حدود اربعہ معروف ہوں، بصورت دیگر اس کی حدود اربعہ متعین کرنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر وقف صحیح نہیں ہوگا کیونکہ حدود متعین نہ ہونے کی صورت میں دوسری حدود سے التباس کا اندیشہ ہے۔ اس سے دوسروں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ بیرحاء کا باغ ممتاز اور اس کی حدود متعین تھیں، اس کے التباس کا اندیشہ نہیں تھا، اس لیے حدود ذکر نہیں کی گئیں۔ ② حکم کے اعتبار سے صدقہ اور وقف ملتے جلتے ہیں اور ان کا ایک ہی حکم ہے۔ ③ امام بخاری

رحمہ اللہ نے اسماعیل بن ابی اویس کی روایت کو "کتاب التفسیر" میں، عبداللہ بن یوسف کی روایت کو "کتاب الزکاۃ" میں اور یحییٰ بن یحییٰ کی روایت کو "کتاب الوکالۃ" میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1]

٢٧٧٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ: أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ إِسْحَاقَ قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ: إِنَّ أُمَّهُ تُوُفِّيَتْ، أَيَنْفَعُهَا إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ: «نَعَمْ»، قَالَ: فَإِنَّ لِي مِخْرَافًا فَأَنَا أُشْهِدُكَ أَنِّي قَدْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا. [راجع: ٢٧٥٦]

[2770] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ان کی والدہ فوت ہو چکی ہیں۔ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کو نفع دے گا؟ آپ نے فرمایا: "ہاں (فائدہ پہنچے گا)۔" اس نے عرض کیا: میرا ایک پھل دار باغ ہے، میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کی طرف سے وہ صدقہ کر دیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① ایک دوسری روایت کے مطابق اس آدمی کا نام حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھا۔ انھوں نے اپنا ایک پھل دار باغ اپنی والدہ کی طرف سے صدقہ کیا تھا۔ چونکہ وقف اور صدقہ ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں، اس لیے دونوں کا حکم ایک ہے۔ ② مخراف اسم جنس ہے۔ اس کی تحدید ضروری تھی لیکن اس کی تحدید صدقہ کرنے والے کی طرف نسبت کرنے سے ہو گئی کیونکہ اس کے پاس صرف یہی باغ تھا جو ممتاز و متعین تھا۔ ③ یہ بھی ثابت ہوا کہ ایصال ثواب کے لیے کنواں یا باغ وقف کر دینا بہترین صدقہ جاریہ ہے۔ جب تک مخلوق ان سے فائدہ حاصل کرتی رہے گی مرنے والے کو ثواب ملتا رہے گا۔

(٢٧) بَابٌ: إِذَا وَقَفَ جَمَاعَةٌ أَرْضًا مُشَاعًا فَهُوَ جَائِزٌ

باب: 27- جب ایک جماعت نے اپنی مشترکہ زمین وقف کر دی تو یہ بھی جائز ہے

٢٧٧١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: «يَا بَنِي النَّجَّارِ! ثَامِنُونِي بِحَائِطِكُمْ هٰذَا»، قَالُوا: لَا وَاللهِ لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهُ إِلَّا إِلَى اللهِ. [راجع: ٢٣٤]

[2771] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب نبی ﷺ نے مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ کیا تو فرمایا: "اے بنونجار! تم اپنا یہ باغ میرے ہاتھ فروخت کر دو۔" انھوں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! نہیں، ہم اس باغ کی قیمت صرف اللہ تعالیٰ سے وصول کریں گے۔

فائدہ: مشاع اس مشترکہ جائیداد کو کہتے ہیں جس میں شرکاء کے حصے متعین نہ کیے گئے ہوں۔ بعض حضرات کا موقف ہے

1 فتح الباري: 486/5.

کہ مشترک مال وقف نہیں کیا جا سکتا، خواہ وقف کرنے والا فرد واحد ہو یا جماعت۔ امام بخاری ؒ نے اس موقف کو محل نظر قرار دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ مشترک مال کو جماعت وقف کر سکتی ہے جیسا کہ بنونجار نے اپنا باغ اللہ کے لیے وقف کر دیا تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے برقرار رکھا، اگرچہ بعض روایات میں ہے کہ اس باغ کی قیمت دس دینار حضرت ابوبکر ؓ نے ادا کر دی تھی، تاہم قیمت کی ادائیگی سے پہلے جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی کہ ہم وقف کرتے ہیں تو آپ نے اس کا انکار نہیں کیا۔ اگر وقف مشاع جائز نہ ہوتا تو آپ اسے قبول نہ فرماتے بلکہ مسترد کر دیتے۔[1]

(٢٨) بَابُ الْوَقْفِ كَيْفَ يُكْتَبُ؟

باب: 28- وقف کی دستاویز کیسے لکھی جائے؟

٢٧٧٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَصَابَ عُمَرُ بِخَيْبَرَ أَرْضًا، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: أَصَبْتُ أَرْضًا لَّمْ أُصِبْ مَالًا قَطُّ أَنْفَسَ مِنْهُ فَكَيْفَ تَأْمُرُنِي بِهِ؟ قَالَ: «إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا». فَتَصَدَّقَ عُمَرُ أَنَّهُ لَا يُبَاعُ أَصْلُهَا وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُورَثُ، فِي الْفُقَرَاءِ وَالْقُرْبَى وَالرِّقَابِ وَفِي سَبِيلِ اللهِ وَالضَّيْفِ وَابْنِ السَّبِيلِ، لَا جُنَاحَ عَلَى مَنْ وَّلِيَهَا أَنْ يَّأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ، أَوْ يُطْعِمَ صَدِيقًا، غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ فِيهِ. [راجع: ٢٣١٣]

[2772] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت عمر ؓ کو خیبر میں کچھ زمین ملی تو وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے ایسی زمین ملی ہے، میں نے قبل ازیں اس سے عمدہ مال کبھی نہیں پایا۔ اس کے متعلق آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم چاہو تو اصل زمین روک لو اور اس کی پیداوار صدقہ کرتے رہو۔“ تو حضرت عمر ؓ نے اس طرح صدقہ کیا کہ اصل زمین کو نہ فروخت کیا جائے، نہ کسی کو ہبہ کی جائے اور نہ اس کو ورثہ ہی بنایا جائے۔ یہ فقراء، قرابت داروں، غلام آزاد کرنے، جہاد فی سبیل اللہ، مہمانوں اور مسافروں کے لیے وقف ہے۔ جو شخص اس وقف کا متولی ہو وہ دستور کے مطابق اس سے خود کھا سکتا ہے اور اپنے دوستوں کو بھی کھلا سکتا ہے لیکن اس کے ذریعے سے دولت جمع کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

فوائد و مسائل: ① اگرچہ اس روایت میں وقف نامہ تحریر کرنے کا ذکر نہیں، تاہم امام بخاری ؒ نے ایک روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جسے امام ابوداود ؒ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر ؓ نے حضرت معیقیب ؓ کے ذریعے سے ان الفاظ میں دستاویز تیار کرائی ”اصل جائیداد کو کوئی فروخت یا ہبہ نہیں کر سکے گا۔“[2] رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ وقف زبانی تھا، پھر آپ نے اپنے دور حکومت میں اسے باضابطہ تحریر کرا دیا۔[3] ② بہتر ہے کہ وقف نامہ تحریر کر کے حکومت سے سرکاری طور پر

① فتح الباري: 488/5. ② سنن أبي داود، الوصايا، حديث: 2879. ③ فتح الباري: 491/5.

اس کی رجسٹری کرالی جائے تاکہ آئندہ کسی قسم کے اختلافات کا باعث نہ ہو۔ زبانی اقرار سے ورثاء میں جھگڑا پیدا ہوسکتا ہے، اس لیے دستاویز تیار کر کے اس پر گواہی تحریر کرالی جائے۔

(٢٩) بَابُ الْوَقْفِ لِلْغَنِيِّ وَالْفَقِيرِ وَالضَّيْفِ

باب : 29- مال دار، محتاج اور مہمان کے لیے وقف کرنا

٢٧٧٣ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَجَدَ مَالًا بِخَيْبَرَ فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَأَخْبَرَهُ. قَالَ: «إِنْ شِئْتَ تَصَدَّقْتَ بِهَا». فَتَصَدَّقَ بِهَا فِي الْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَذِي الْقُرْبَى وَالضَّيْفِ.

[راجع: ٢٣١٣]

[2773] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر ؓ نے خیبر میں مال حاصل کیا تو وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کے متعلق آپ کو اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر چاہو تو اسے صدقہ کر دو۔'' چنانچہ حضرت عمر فاروق ؓ نے وہ مال فقراء، مساکین، قریبی رشتہ داروں اور مہمانوں کے لیے صدقہ کر دیا۔

فوائد و مسائل: ① حافظ ابن حجر ؒ کہتے ہیں: اس حدیث سے اغنیاء کے لیے وقف کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس میں قرابت داروں اور مہمانوں کے لیے حاجت مند ہونے کی شرط نہیں لگائی گئی۔[1] ② لیکن ہمارے رجحان کے مطابق اگر اغنیاء کو فقراء کے تابع کر کے ان پر وقف کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اگر کسی نے وقف کو مطلق رکھا اور فقراء کے ساتھ مقید نہیں کیا تو اغنیاء کو بھی اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔ اگر فقراء کی تخصیص کر دی جائے تو پھر اغنیاء کو وقف شدہ مال کے استعمال کرنے کا حق نہیں۔ صرف اغنیاء کے لیے وقف کرنا محل نظر ہے۔ واللہ أعلم.

(٣٠) بَابُ وَقْفِ الْأَرْضِ لِلْمَسْجِدِ

باب: 30- مسجد کے لیے زمین وقف کرنا

٢٧٧٤ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي: حَدَّثَنَا أَبُو التَّيَّاحِ قَالَ: حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَدِينَةَ أَمَرَ بِالْمَسْجِدِ وَقَالَ: «يَا بَنِي النَّجَّارِ! ثَامِنُونِي حَائِطَكُمْ هٰذَا»، فَقَالُوا: لَا وَاللهِ لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهُ إِلَّا إِلَى اللهِ.

[راجع: ٢٣٤]

[2774] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مسجد بنانے کا حکم دیا، چنانچہ آپ نے فرمایا: ''اے بنونجار! تم اپنا یہ باغ میرے ہاتھ فروخت کر دو۔'' انھوں نے عرض کیا: نہیں، اللہ کی قسم! ہم تو اس کی قیمت صرف اللہ سے لیں گے۔

---

1 فتح الباري: 493/5.

فوائد ومسائل: ① مساجد کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ گھر یا کھیت یا فیکٹری کے کسی حصے میں مسجد بنالی جائے اور وہاں نماز پڑھنا شروع کر دی جائے۔ اس قسم کی مسجد کے لیے جملہ لوازمات، یعنی اذان، جماعت اور جمعہ کا ہونا ضروری نہیں اور نہ اس قسم کی مسجد کا وقف ہونا ہی ضروری ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ مسجد کو اس کے آداب ولوازمات کے ساتھ تعمیر کیا جائے۔ اس میں نماز، جماعت اور جمعہ کا اہتمام ہو اور بوقت نماز ہر کلمہ گو مسلمان کو اس میں نماز ادا کرنے کی آزادی ہو۔ اس قسم کی مسجد کا وقف ہونا ضروری ہے تاکہ کوئی بھی نمازیوں کے لیے نماز کی ادائیگی میں رکاوٹ نہ ڈال سکے۔ اگر مسجد وقف نہیں ہوگی تو مالک اپنے تصرف و اختیار کے پیش نظر اس سے روک سکتا ہے۔ ② امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ مسجد تعمیر ہونے کے بعد ہی اس کا وقف کرنا ضروری نہیں بلکہ پہلے زمین بھی وقف ہو سکتی ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ شارح بخاری ابن منیر کہتے ہیں: اس عنوان سے امام بخاری ؒ کا مقصد ان حضرات کی تردید کرنا ہے جو وقف کو مسجد بننے کے ساتھ لازم کرتے ہیں۔ مسجد تعمیر ہونے سے پہلے اس کے لیے حاصل کردہ زمین کو بھی وقف کیا جا سکتا ہے۔[1]

(٣١) بَابُ وَقْفِ الدَّوَابِّ وَالْكُرَاعِ وَالْعُرُوضِ وَالصَّامِتِ

باب: 31- جانوروں، گھوڑوں، مال و اسباب اور نقدی کا وقف کرنا

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِيمَنْ جَعَلَ أَلْفَ دِينَارٍ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَدَفَعَهَا إِلَى غُلَامٍ لَّهُ تَاجِرٍ يَّتَّجِرُ بِهَا، وَجَعَلَ رِبْحَهُ صَدَقَةً لِّلْمَسَاكِينِ وَالْأَقْرَبِينَ، هَلْ لِّلرَّجُلِ أَنْ يَّأْكُلَ مِنْ رِبْحِ تِلْكَ الْأَلْفِ شَيْئًا؟ وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ جَعَلَ رِبْحَهَا صَدَقَةً فِي الْمَسَاكِينِ، قَالَ: لَيْسَ لَهُ أَنْ يَّأْكُلَ مِنْهَا.

حضرت امام زہری سے پوچھا گیا: اگر کوئی شخص ایک ہزار دینار وقف کر کے اپنے غلام کو دے دے تاکہ وہ انھیں تجارت میں لگائے اور اس کے منافع سے مساکین اور قریبی رشتہ داروں کو کھلائے، تو کیا وہ وقف کرنے والا شخص خود اس نفع سے کچھ کھا سکتا ہے؟ اسی طرح اگر اس نے اس کا نفع محتاجوں پر صدقہ نہ کیا ہو تو کیا کھا سکتا ہے؟ انھوں نے کہا: وہ اس سے نہیں کھا سکتا۔

وضاحت: اس اثر کو ابن وہب نے اپنی موطأ میں متصل سند سے ذکر کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب کسی نے کچھ اشرفیاں صدقہ کر دیں اور اسے تجارت میں لگا دیا تو پھر وہ اس کا نفع اپنے مصرف میں نہیں لا سکتا۔[2]

٢٧٧٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ عُمَرَ حَمَلَ عَلَى فَرَسٍ لَّهُ فِي

[2775] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر ؓ نے کسی کو فی سبیل اللہ سواری کے لیے گھوڑا دیا جو انھیں رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا تھا تاکہ وہ کسی مجاہد کو اس

① فتح الباري: 494/5. ② فتح الباري: 495/5.

سَبِيلِ اللهِ أَعْطَاهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَحَمَلَ عَلَيْهَا رَجُلًا، فَأُخْبِرَ عُمَرُ أَنَّهُ قَدْ وَقَفَهَا يَبِيعُهَا، فَسَأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَنْ يَبْتَاعَهَا، فَقَالَ: «لَا تَبْتَاعْهَا وَلَا تَرْجِعَنَّ فِي صَدَقَتِكَ». [راجع: ١٤٨٩]

پر سوار کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ جس کے لیے گھوڑا وقف کیا تھا وہ اسے فروخت کر رہا ہے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا کہ وہ اس گھوڑے کو خرید سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''اسے مت خریدو اور اپنے صدقے میں کبھی رجوع نہ کرو۔''

فوائد و مسائل: ① غیر منقولہ اشیاء کا وقف تو عام ہے، مثلاً: مسجد بنانا، مدرسہ تعمیر کرانا، کنواں جاری کرنا، زمین وقف کرنا، سرائے بنوانا وغیرہ۔ امام بخاری رحمہ اللہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ منقولہ اشیاء کا وقف بھی جائز ہے جس کی صورتیں حسب ذیل ہو سکتی ہیں: ○ موبائل ہسپتال بنا کر وقف کرنا۔ ○ ایمبولینس خرید کر وقف کرنا۔ ○ برتن وغیرہ خرید کر رکھنا تاکہ رفاہ عام میں ان کو استعمال کیا جا سکے۔ ○ مسافروں کے لیے بستر تیار کر کے وقف کرنا۔ ○ مساجد میں مصاحف رکھنا۔ ○ کتب احادیث خرید کر طلبہ اور مدرسین کو وقف کرنا۔ ○ مجاہدین کے لیے اسلحہ اور سواری کا بندوبست کرنا۔ یہ سب منقولہ اشیاء کا وقف ہے۔ ایسا کرنا جائز ہے۔ ② امام زہری رحمہ اللہ کے اثر کے متعلق ہمارا رجحان یہ ہے کہ اگر خود اس کا محتاج ہو جائے تو نفع حاصل کرنا جائز ہے کیونکہ ایسے حالات میں وہ بھی ایک مسکین ہی شمار ہوگا۔

(٣٢) بَابُ نَفَقَةِ الْقَيِّمِ لِلْوَقْفِ

باب: 32- منتظم وقف کے اخراجات کا بیان

٢٧٧٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا تَقْتَسِمُ وَرَثَتِي دِينَارًا وَّلَا دِرْهَمًا، مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِي وَمَؤُنَةِ عَامِلِي فَهُوَ صَدَقَةٌ». [انظر: ٣٠٩٦، ٦٧٢٩]

[2776] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے ورثاء درہم و دینار کو تقسیم نہ کریں۔ میں نے اپنی بیویوں کے اخراجات اور اپنے عاملین کے مشاہرات (جائیداد کی دیکھ بھال کرنے والوں کے خرچے) کے بعد جو چھوڑا ہے وہ سب صدقہ ہے۔''

٢٧٧٧ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ عُمَرَ اشْتَرَطَ فِي وَقْفِهِ أَنْ يَأْكُلَ مَنْ وَلِيَهُ وَيُؤْكِلَ صَدِيقَهُ غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ مَّالًا. [راجع: ٢٣١٣]

[2777] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے وقف میں یہ شرط عائد کی تھی کہ جو اس کا متولی ہو وہ اس سے کھا سکتا ہے، اپنے دوست کو بھی کھلا سکتا ہے، البتہ وہ مال جمع نہیں کر سکتا۔

فوائد و مسائل: ① اس عنوان کا مقصد یہ ہے کہ وقف پر کام کرنے والے لوگ، خواہ وہ مزدور ہوں یا نگران، وکیل ہوں یا

دیگر کارندے ان تمام کے اخراجات وقف جائیداد سے پورے کیے جائیں گے۔ پہلی حدیث میں عاملین سے مراد فے والی زمین کے کارندے ہیں، یعنی بنونضیر، فدک اور خیبر کی زمین کا انتظام جن کے سپرد تھا، ان کی تنخواہیں اور اخراجات ان زمینوں کی پیداوار سے ادا کیے جاتے تھے۔ اسی طرح ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے اخراجات بھی اسی سے پورے کیے جاتے تھے کیونکہ آپ کے بعد انھوں نے کسی سے دوسرا نکاح نہیں کرنا تھا، اس لیے ان کے لیے خرچہ جاری کیا گیا اور حجرات بھی ان کے لیے چھوڑ دیے گئے، اس کے علاوہ جو باقی بچتا اسے صدقے کی مد میں جمع کر دیا جاتا۔ ② حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں صراحت ہے کہ جو کوئی وقفی جائیداد کا اہتمام کرے گا وہ اپنی محنت کا واجبی سا معاوضہ وقفی جائیداد سے لے سکتا ہے جس سے اخراجات پورے ہو سکیں۔ دوسرے لفظوں میں خصوصیات اور سہولیات وتعیشات کے بجائے ضروریات پوری کرنے کی گنجائش ہے۔ اس کا بہترین حل یہ ہے کہ اپنے لیے ماہانہ تنخواہ مقرر کر لی جائے۔ واللہ أعلم.

(٣٣) بَابٌ: إِذَا وَقَفَ أَرْضًا أَوْ بِئْرًا، أَوِ اشْتَرَطَ لِنَفْسِهِ مِثْلَ دِلَاءِ الْمُسْلِمِينَ

باب: 33- کسی نے زمین وقف کی یا کنواں وقف کیا اور اپنے لیے عام مسلمانوں کی طرح پانی لینے کی شرط لگائی

وَوَقَفَ أَنَسٌ دَارًا، فَكَانَ إِذَا قَدِمَ نَزَلَهَا.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں ایک مکان وقف کیا، پھر وہ جب کبھی یہاں آتے تو اس گھر میں قیام کرتے تھے۔

وَتَصَدَّقَ الزُّبَيْرُ بِدُورِهِ، وَقَالَ لِلْمَرْدُودَةِ مِنْ بَنَاتِهِ أَنْ تَسْكُنَ غَيْرَ مُضِرَّةٍ وَّلَا مُضَرٌّ بِهَا، فَإِنِ اسْتَغْنَتْ بِزَوْجٍ فَلَيْسَ لَهَا حَقٌّ.

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنا گھر وقف کیا تھا اور اپنی ایک مطلقہ بیٹی سے فرمایا تھا کہ وہ اس گھر میں قیام کرے لیکن اس گھر کو نقصان نہ پہنچائے اور نہ اس میں کوئی دوسرا نقصان کرے۔ اگر وہ نکاح کر لینے کے باعث مکان سے بے نیاز ہو جائے تو اس کا وہاں کوئی حق نہیں ہوگا۔

وَجَعَلَ ابْنُ عُمَرَ نَصِيبَهُ مِنْ دَارِ عُمَرَ سُكْنَى لِذَوِي الْحَاجَاتِ مِنْ آلِ عَبْدِ اللهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقف کردہ گھر میں رہنے کا حصہ اپنی محتاج اولاد کو دے دیا تھا۔

وضاحت: حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اثر کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے موصولاً بیان کیا ہے کہ انھوں نے اپنا ایک گھر مدینہ طیبہ میں وقف کیا تھا۔ جب وہ حج کے لیے جاتے تو راستے میں مدینے والے اس گھر میں قیام کرتے تھے۔[1] حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے اثر کو امام

① السنن الكبرى للبيهقي: 161/6.

دارمی رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1] اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر کو ابن سعد نے طبقات میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔[2]

٢٧٧٨ - وَقَالَ عَبْدَانُ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَيْثُ حُوصِرَ أَشْرَفَ عَلَيْهِمْ، وَقَالَ: أَنْشُدُكُمُ اللهَ وَلَا أَنْشُدُ إِلَّا أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ، أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ حَفَرَ رُومَةَ فَلَهُ الْجَنَّةُ» فَحَفَرْتُهَا؟ أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنَّهُ قَالَ: «مَنْ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَلَهُ الْجَنَّةُ» فَجَهَّزْتُهُ؟ قَالَ: فَصَدَّقُوهُ بِمَا قَالَ. وَقَالَ عُمَرُ فِي وَقْفِهِ: لَا جُنَاحَ عَلَى مَنْ وَلِيَهُ أَنْ يَأْكُلَ، وَقَدْ يَلِيهِ الْوَاقِفُ وَغَيْرُهُ فَهُوَ وَاسِعٌ لِكُلٍّ.

[2778] حضرت ابوعبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جب محاصرہ کیا گیا تو انھوں نے اپنے گھر کے اوپر سے جھانک کر ان (باغیوں) سے فرمایا: میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں اور یہ قسم صرف نبی ﷺ کے اصحاب کو دیتا ہوں، کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''جس نے بئر رومہ جاری کیا اس کے لیے جنت ہے۔'' تو میں نے اسے کھود کر وقف کیا تھا؟ کیا تم نہیں جانتے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا: ''جو کوئی غزوۂ تبوک کے لیے لشکر تیار کرے اس کے لیے جنت ہے۔'' تو میں نے لشکر تیار کیا تھا؟ تو لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کلام کی تصدیق کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے وقف کے متعلق فرمایا تھا کہ جو اس کا متولی ہے وہ اس سے کھا پی سکتا ہے۔ کبھی متولی خود وقف کنندہ ہوتا ہے اور کبھی کوئی دوسرا اس کا اہتمام کرتا ہے تو ہر ایک کے لیے (کھانے پینے کی) گنجائش ہے۔

فائدہ: اس عنوان اور پیش کردہ آثار واحادیث سے دو مسائل کو ثابت کرنا مقصود ہے: ○ وقف کرنے والا اپنے وقف سے دوسروں کی طرح خود بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کون ہے جو رومہ کا کنواں خرید لے اور دوسرے مسلمانوں کی طرح اپنا ڈول بھی اس میں ڈالے، اسے جنت میں اس سے بھی عمدہ کنواں ملے گا۔''[3] ○ وقف کرنے والا وقف کرتے وقت اپنے لیے کوئی شرط لگالے تو یہ بھی جائز ہے، مثلاً: کسی نے ایک گھر وقف کیا اور اس کے ایک کمرے میں خود رہنے کی شرط کرلی تو جائز ہے۔ بہرحال اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ وقف کرنے والا اگر وقف چیز کے بارے میں یہ شرط کرلے کہ وہ خود بھی اس سے فائدہ اٹھائے گا تو اس میں کوئی خرابی نہیں۔ ان احادیث وآثار سے یہ دونوں باتیں صراحت کے ساتھ ثابت ہوتی ہیں۔[4]

---

1 مسند الدارمي: 2/319، حديث: 3300. 2 الطبقات الكبرٰى لابن سعد: 4/162. 3 جامع الترمذي، المناقب، حديث: 3703. 4 فتح الباري: 5/499.

(٣٤) بَابٌ: إِذَا قَالَ الْوَاقِفُ: لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهُ إِلَّا إِلَى اللهِ، فَهُوَ جَائِزٌ

باب: 34- اگر وقف کرنے والا وقف کے وقت یوں کہے کہ ہم اس کی قیمت صرف اللہ سے مانگتے ہیں تو جائز ہے

٢٧٧٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَا بَنِي النَّجَّارِ! ثَامِنُونِي بِحَائِطِكُمْ»، قَالُوا: لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهُ إِلَّا إِلَى اللهِ. [راجع: ٢٣٤]

[2779] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے بنونجار! تم اپنا باغ میرے ہاتھ فروخت کر دو۔'' تو انھوں نے عرض کیا: ہم اس کی قیمت صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کریں گے۔

فوائد ومسائل: ① اس عنوان کا مقصد یہ ہے کہ وقف کے لیے خاص الفاظ کا ادا کرنا ضروری نہیں بلکہ جس طرح بھی یہ مقصد حاصل ہو جائے کافی ہے، اس کے لیے لفظ وقف استعمال کرنا لازمی نہیں۔ دراصل وقف کے الفاظ کی دو قسمیں ہیں: ○ صریح: اس کے لیے وقف، حَبَس اور اَسبِل کے الفاظ ہیں۔ ○ کنایہ: جس سے بھی مقصود حاصل ہو جائے، بلکہ اس میں عرف کا بھی اعتبار ہوتا ہے۔ بہرحال حدیث میں مذکور الفاظ سے بھی وقف ہو جاتا ہے۔ واللہ أعلم. ② وقف کے سلسلے میں یہ بات ذہن میں رہے کہ مساجد میں وقف شدہ مال اگر لوازمات نماز کے لیے ہو تو باعث اجر وثواب ہے، اس سے کسی مسلمان کو ذاتی غرض پوری کرنے کی اجازت نہیں ہے اور اگر محض تزئین اور آرائش کے لیے ہے تو اسے مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات میں صرف کر دینا چاہیے۔ اسی طرح قبروں کو پختہ کرنے یا ان پر مساجد بنانے، چادریں اور پھول چڑھانے کے لیے کوئی وقف کیا تو یہ بھی جائز نہیں، نیز کسی ایسے کام کے لیے وقف جو لوگوں کے عقائد خراب کرنے کا باعث ہو ایسے اوقاف بھی حرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے محفوظ رکھے۔

(٣٥) بَابُ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ شَهَٰدَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ ٱلْمَوْتُ حِينَ ٱلْوَصِيَّةِ ٱثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ ءَاخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْفَٰسِقِينَ﴾ [المائدة: ١٠٦-١٠٨]

باب: 35- ارشاد باری تعالیٰ: ''مسلمانو! جب تم میں سے کوئی وفات پانے لگے تو وصیت کے وقت تم میں سے یا تمھارے غیروں سے دو عادل گواہ ہونے چاہئیں...... اور اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا'' کا بیان

اَلْأَوْلَيَانِ: وَاحِدُهُمَا أَوْلَى، وَمِنْهُ أَوْلَى بِهِ.

[اَلْأَوْلَيَانِ] اس کا واحد اَلْأَوْلٰی ہے جس کے معنی ہیں:

﴿عُثِرَ﴾ : ظُهِرَ، ﴿أَعْثَرْنَا﴾ [الكهف: ٢١]: أَظْهَرْنَا.

"اس سے لائق تر"۔ لفظ ﴿عُثِرَ﴾ کے معنی ہیں: اطلاع پائی جائے۔ اسی طرح ﴿اَعْثَرْنَا﴾ کے معنی ہیں: "ہم مطلع ہوئے"۔

٢٧٨٠ - وَقَالَ لِي عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي الْقَاسِمِ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: خَرَجَ رَجُلٌ مِّنْ بَنِي سَهْمٍ مَّعَ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ وَعَدِيِّ بْنِ بَدَّاءٍ، فَمَاتَ السَّهْمِيُّ بِأَرْضٍ لَّيْسَ بِهَا مُسْلِمٌ، فَلَمَّا قَدِمَا بِتَرِكَتِهِ فَقَدُوا جَامًا مِّنْ فِضَّةٍ مُّخَوَّصًا مِّنْ ذَهَبٍ، فَأَحْلَفَهُمَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ وُجِدَ الْجَامُ بِمَكَّةَ، فَقَالُوا: ابْتَعْنَاهُ مِنْ تَمِيمٍ وَّعَدِيٍّ، فَقَامَ رَجُلَانِ مِنْ أَوْلِيَاءِ السَّهْمِيِّ فَحَلَفَا لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا، وَأَنَّ الْجَامَ لِصَاحِبِهِمْ. قَالَ: وَفِيهِمْ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ شَهَـٰدَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ ٱلْمَوْتُ﴾ [المائدة: ١٠٦].

[2780] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ قبیلۂ بنو سہم کا ایک شخص، تمیم داری اور عدی بن بداء کے ساتھ باہر گیا تو وہ سہمی ایسی زمین میں فوت ہوا جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا۔ جب تمیم داری اور عدی اس کا ترکہ لائے تو اس میں سے ایک چاندی کا جام غائب تھا جس پر سونے کے نقش تھے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں سے حلف لیا۔ اس کے بعد وہ جام مکہ مکرمہ میں ملا اور لوگوں نے کہا کہ ہم نے اسے تمیم داری اور عدی سے خریدا ہے تو دو شخص میت کے عزیزوں میں سے کھڑے ہوئے اور انھوں نے قسم اٹھائی کہ ہماری شہادت ان دونوں کی شہادت کے مقابلے میں زیادہ وزنی ہے اور (ہم گواہی دیتے ہیں کہ) مذکورہ جام ہمارے عزیز ہی کا ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت انھی کے حق میں نازل ہوئی: "مسلمانو! وصیت کے وقت تم پر گواہی لازم ہے جبکہ تم میں سے کوئی قریب المرگ ہو۔"

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے اس سے ثابت کیا ہے کہ وصیت پر گواہی ثبت ہونی چاہیے تاکہ اختلاف کے وقت اسے بروئے کار لایا جا سکے۔ ② آیت کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ دوران سفر میں وصیت کے موقع پر اگر مسلمان عادل گواہ نہ مل سکیں تو ایسے حالات میں کفار کی گواہی پر اعتبار کیا جا سکتا ہے جبکہ عام حالات میں گواہی کے لیے اسلام اور عدالت شرط ہے۔ اگر کسی ثبوت کی بنا پر کفار کی گواہی کے متعلق شک پڑ جائے تو ان سے برتر گواہوں کی گواہی سے، پہلے گواہوں کی گواہی کالعدم ہو جائے گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گواہی ہر حالت میں ٹھیک ٹھیک اور سچی ہونی چاہیے۔ ③ ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت تمیم داری مسلمان ہوئے تو انھیں اس گناہ کا احساس ہوا۔ وہ میت کے اہل خانہ کے پاس گئے اور اعتراف جرم کیا، نیز پانچ سو درہم ادا کر کے اس نقصان کی تلافی کی اور بتایا کہ باقی پانچ سو درہم میرے ساتھی کے پاس ہیں۔[1]

[1] فتح الباري: 502/5.

(٣٦) بَابُ قَضَاءِ الْوَصِيِّ دُيُونَ الْمَيِّتِ بِغَيْرِ مَحْضَرٍ مِّنَ الْوَرَثَةِ

٢٧٨١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَابِقٍ - أَوِ الْفَضْلُ ابْنُ يَعْقُوبَ عَنْهُ -: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ فِرَاسٍ قَالَ: قَالَ الشَّعْبِيُّ: حَدَّثَنِي جَابِرُ ابْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ أَبَاهُ اسْتُشْهِدَ يَوْمَ أُحُدٍ وَّتَرَكَ سِتَّ بَنَاتٍ وَّتَرَكَ عَلَيْهِ دَيْنًا، فَلَمَّا حَضَرَهُ جِذَاذُ النَّخْلِ أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ! قَدْ عَلِمْتَ أَنَّ وَالِدِي اسْتُشْهِدَ يَوْمَ أُحُدٍ وَّتَرَكَ عَلَيْهِ دَيْنًا كَثِيرًا، وَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ يَّرَاكَ الْغُرَمَاءُ. قَالَ: «اِذْهَبْ فَبَيْدِرْ كُلَّ تَمْرٍ عَلَى [نَاحِيَتِهِ]»، فَفَعَلْتُ ثُمَّ دَعَوْتُهُ، فَلَمَّا نَظَرُوا إِلَيْهِ أُغْرُوا بِي تِلْكَ السَّاعَةَ، فَلَمَّا رَأَى مَا يَصْنَعُونَ طَافَ حَوْلَ أَعْظَمِهَا بَيْدَرًا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ جَلَسَ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: «اُدْعُ أَصْحَابَكَ» فَمَا زَالَ يَكِيلُ لَهُمْ حَتّٰى أَدَّى اللهُ أَمَانَةَ وَالِدِي، وَأَنَا وَاللهِ! رَاضٍ أَنْ يُّؤَدِّيَ اللهُ أَمَانَةَ وَالِدِي، وَلَا أَرْجِعَ إِلَى أَخَوَاتِي تَمْرَةً، فَسَلِمَ وَاللهِ الْبَيَادِرُ كُلُّهَا حَتّٰى أَنِّي أَنْظُرُ إِلَى الْبَيْدَرِ الَّذِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ كَأَنَّهُ لَمْ يَنْقُصْ تَمْرَةً وَّاحِدَةً.

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: أُغْرُوا بِي: يَعْنِي هَيَّجُوا

باب: 36- ورثاء کی عدم موجودگی میں وصی کا میت کے قرضے ادا کرنا

[2781] حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ سے روایت ہے کہ ان کے والد گرامی غزوۂ احد میں شہید کر دیے گئے۔ انھوں نے پسماندگان میں چھ بیٹیاں اور کافی قرض چھوڑا۔ جب کھجوریں توڑنے کا وقت آیا تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ کو یہ معلوم ہی ہے کہ میرے والد گرامی غزوۂ احد میں شہید کر دیے گئے ہیں اور وہ بہت قرض چھوڑ گئے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ قرض خواہ آپ کو دیکھ لیں (تاکہ قرض میں کچھ رعایت کریں)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ تمام کھجوریں ایک طرف اکٹھی کر دو اور ہر قسم الگ الگ رکھو۔'' جب میں نے ایسا کر لیا تو رسول اللہ ﷺ کو تشریف لانے کے لیے عرض کیا۔ قرض خواہوں نے آپ ﷺ کو دیکھ کر اور زیادہ سختی شروع کر دی۔ آپ ﷺ نے جب ان کا یہ طرز عمل ملاحظہ فرمایا تو آپ نے بڑے ڈھیر کے چاروں طرف تین چکر لگائے، پھر اس پر بیٹھ گئے اور فرمایا: ''اپنے قرض خواہوں کو بلاؤ۔'' چنانچہ آپ نے انھیں ناپ ناپ کر دینا شروع کر دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے والد کی امانت ادا کر دی۔ اللہ کی قسم! میں اس پر بھی راضی تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے والد کا تمام قرض ادا کر دے اور میں اپنی بہنوں کے پاس ایک کھجور بھی نہ لے کر جاؤں۔ اللہ کی قسم! ساری کھجوریں بچ رہیں حتی کہ میں اس ڈھیر کو دیکھ رہا تھا جس پر آپ تشریف فرما تھے، اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی تھی۔

ابوعبداللہ (امام بخاری ؒ) فرماتے ہیں کہ أُغْرُوا بِي

بِي. ﴿فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ﴾. [المائدة: ١٤] [راجع: ٢١٢٧]

کے معنی ہیں: وہ مجھ پر بھڑکنے لگے اور مزید سختی کرنا شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ہم نے یہود ونصاریٰ میں دشمنی بھڑکا دی۔''

فائدہ: میت کے قرضوں کی ادائیگی تقسیم ترکہ سے پہلے ضروری ہے۔ ادائیگی قرض کے وقت ورثاء کا موجود ہونا ضروری نہیں کیونکہ جب تک قرض ادا نہ کر دیا جائے ترکے سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اس بنا پر قرضوں کی ادائیگی کے وقت ان کی حاضری ضروری نہیں۔ وہ لوگ اجنبیوں کی طرح ہیں۔ مال کا معاملہ وصی کے سپرد ہے۔ ورثاء کو اس میں دخل اندازی کی اجازت نہیں۔ چنانچہ حضرت جابر ؓ نے اپنی بہنوں کی عدم موجودگی میں اپنے باپ کے ذمے قرض ادا کر دیا اور انھیں اطلاع تک نہ دی۔ علامہ عینی ؒ لکھتے ہیں کہ اس مسئلے میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں۔[1]

1 عمدة القاري: 55/10.